قطوف العلم والعرفان

في

تفسير كلام المنان

بإفادات

شيخ التفسير والحديث المفسر المحدث المحقق

العالم النبيل مولانا غلام حبيب رحمه الله

ضبط، ترتيب، تخريج

مفتي ارشاد الرحمن المعتصم

فہرست مضامین

پیش لفظ

علم تفسیر ایک آفاقی اور ہمہ گیر موضوع ہے، تاریخ، سیر، طبقات اور رجال کی کتابوں کی ورق گردانی سے اس حقیقت کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے، صحابہ کرامؓ کے دور سے تاہنوز علماء کرام نے اپنی زندگیاں اس مبارک فن میں صرف کیں، اہل علم نے اس کی افادیت کے پیش نظر بے شمار کتابیں تصنیف فرمائیں، اس کی ترتیب وتدوین کے لیے متنوع علوم ایجاد ہوئے، قرآن فہی کے مختلف مناہج اور اسالیب معرض وجود میں آئے، اس علم کی بدولت قرآن مجید کے معانی اور مطالب معلوم ہوئے، ایک ایک آیت کی مختلف توجیہات منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوئیں اور اس میں مندرج احکام ومسائل اور اسرار وحِکم منکشف ہوئے۔

یہ علم عہد رسالت، عہد صحابہؓ اور عہد تابعین وتبع تابعین سے مختلف ارتقائی مراحل طے کرتے ہوئے عصر حاضر تک پہنچا، جس کا مختصر تاریخی پس منظر یوں ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا، اس کے اولین مخاطب اہل عرب تھے، عربی ان کی مادری زبان تھی، اس لیے قرآن مجید کے معانی اور مطالب سمجھنے میں انہیں کوئی دقت اور صعوبت پیش نہیں آتی تھی، تاہم جہاں زیادہ اجمال ہوتا، صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ سے بالمشافہ استفسار فرماتے، آپ ﷺ اس کی تفسیر اور وضاحت فرماتے، اس لیے رسول اللہ ﷺ قرآن مجید کے اول مفسر اور ترجمان ہیں، ارشاد ہے۔

وَأَنزَلنَا إِلَيكَ الذِّكرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيهِم. (النحل:۴۴)

اور ہم نے آپ پر قرآن نازل کیا، تا کہ آپ اسے لوگوں کو واضح کر دیں۔

یہی وجہ ہے کہ تفسیر کا سب سے پہلا مصدر اور مأخذ تفسیری روایات ہیں، امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ (م ۲۵۶ھ) نے صحیح بخاری میں، امام مسلم بن حجاج قشیریؒ (م ۲۶۱ھ) نے صحیح مسلم میں اور امام محمد بن عیسی ترمذیؒ (م ۲۷۹ھ) نے سنن الترمذی میں کتاب التفسیر کے عنوان سے مستقل باب قائم کیے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے بعد صحابہ کرامؓ وہ نفوس قدسیہ ہیں، جنہوں نے بڑی عرق ریزی اور جانفشانی سے قرآن مجید کے معانی اور مطالب رسول اللہ ﷺ سے سیکھے تھے، یہ اسباب نزول کے ماہر، ناسخ اور منسوخ کے عالم اور منشائے الٰہی کے رمز شناس تھے، خود عرب ہونے کی حیثیت سے انہیں قرآن مجید کے عام فہم معانی اور مطالب کو جاننے میں کوئی دقت پیش نہیں آتی تھی، تاہم قرآن مجید کے بعض مجمل احکامات اور مخصوص اصطلاحات کا فہم ان حضرات کو بالمشافہ رسول اللہ ﷺ سے حاصل ہوا تھا، جو انہوں نے آنے والی نسلوں کی طرف منتقل کیا، عہد صحابہ کرامؓ میں جو حضرات تفسیر قرآن میں زیادہ معروف ہوئے، ان میں خلفائے راشدین، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا اُبی بن کعبؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا زید بن ثابتؓ، سیدنا اُبوموسی

اشعریؓ اور سیدنا عبداللہ بن زبیرؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

صحابیؓ کی تفسیر جب اسباب نزول یا ایسے امور سے متعلق ہو جن میں عقل انسانی کو دخل نہ ہو حدیث مرفوع کے حکم میں ہوگی، تاہم جس میں انسانی عقل کا دخل ہو اور اسے صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب بھی نہ کیا ہو اسے موقوف قرار دیا جائے گا۔ معروف محدث علامہ عثمان بن عبدالرحمٰن ابن الصلاحؒ (م ۶۴۳ھ) فرماتے ہیں۔

مَا قِيلَ مِن أَنَّ تَفسِيرَ الصَّحَابِيِّ حَدِيثٌ مُسنَدٌ فَإِنَّمَا ذَلِكَ فِي تَفسِيرٍ يَتَعَلَّقُ بِسَبَبِ نُزُولِ آيَةٍ يُخبِرُ بِهِ الصَّحَابِيُّ أَو نَحوِ ذَلِكَ فَأَمَّا سَائِرُ تَفَاسِيرِ الصَّحَابَةِ الَّتِي لَا تَشتَمِلُ عَلَى إِضَافَةِ شَيءٍ إِلَى رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَمَعدُودَةٌ فِي المَوقُوفَاتِ(۱).

یہ بات جو کہی جاتی ہے کہ صحابیؓ کی تفسیر حدیث مرفوع کا درجہ رکھتی ہے علی الاطلاق نہیں، بلکہ اس تفسیر کے بارے میں ہے، جس کا تعلق کسی آیت کے سبب نزول کیساتھ ہو، یا کسی ایسی بات کے سلسلہ میں ہو، جو رسول اللہ ﷺ کے سوا کسی اور سے اخذ نہیں کی جا سکتی اور اس میں انسانی عقل کا کوئی دخل نہ ہو۔۔۔ جہاں تک صحابہؓ کے دیگر اقوال کا تعلق ہے جن کو رسول اللہ ﷺ کی جانب منسوب نہ کیا گیا ہو انہیں موقوف ہی قرار دیا جائے گا۔

عصر صحابہؓ کے دور ختم ہوتے ہی ایک تفسیر قرآن کے ایک نئے دور اور اسلوب کا آغاز ہوا، اس کی مرحلہ کی ابتداء عہد تابعین سے ہوئی، انہوں نے اصحاب رسول ﷺ کے سامنے زانوئے تلمذ طے کیے، علوم وعرفان کے ان بحور سے خوب استفادہ کیا اور صحابہ کرامؓ کی ہم نشینی سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ صحابہ کرامؓ کی طرح تابعین میں بھی بڑے نامور مفسرین پیدا ہوئے، ان میں مجاہد بن جبرؒ (م ۱۰۴ھ)، عطاء بن أبي رباحؒ (م ۱۱۴ھ)، عکرمہ بن عبداللہ مولی ابن عباسؓ (م ۱۰۵ھ)، عامر بن شرحبیل شعبیؒ (م ۱۰۹ھ) سعید بن جبیر اسدیؒ (م ۹۵ھ)، حسن بصریؒ (م ۱۱۰ھ)، ابوالعالیہ رفیع بن مہرانؒ (م ۹۰ھ)، ضحاک بن مزاحمؒ ()، قتادہ بن دعامہ سدوسیؒ (م ۱۱۷ھ)، مسروق بن اجدعؒ (م ۶۳ھ)، علقمہ (م ۶۲ھ) زیادہ مشہور ہوئے۔

باقی رہی یہ بات کی تابعین سے مأثور تفسیر کی کیا قدر و قیمت ہے؟ سو اس کے متعلق اہل علم کا اختلاف ہے، بعض حضرات نے اسے ناقابل قبول قرار دیا، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ سے اس کی قبولیت اور عدم قبولیت کے متعلق کچھ بھی منقول نہیں، تاہم اکثر اہل علم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ تابعین کے تفسیر اقوال قابل قبول ہیں، اس لیے کہ ان میں سے اکثر و بیشتر صحابہ کرامؓ سے

======================

(۱) مقدمہ فی أصول التفسیر: ۵۰.

منقول ہیں، معروف تابعی امام مجاہد بن جبرؒ (م ۱۰۴ھ) فرماتے ہیں۔

عَرَضتُ القُرآنَ عَلَى ابنِ عَبَّاسٍ ثَلَاثَ عَرضَاتٍ أَقِفُهُ عَلَى كُلِّ آيَةٍ أَسأَلُهُ: فِيمَ نَزَلَت وَكَيفَ كَانَت ؟(١). ☆

میں تین مرتبہ ابن عباسؓ کو قرآن سنایا، ہر آیت پڑھ کر یہ دریافت کرتا کہ یہ کیسے اور کہاں نازل ہوئی؟

جلیل القدر تابعی قتادۃ بن دعامہ سدوسیؒ (م ۱۱۸ھ) فرماتے ہیں۔

ما فی القرآن آية إلا وقد سمعت فيها شيئا(٢).

قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں، جس کی تفسیر کے متعلق میں نے کچھ سنا نہ ہو۔

یہی وجہ ہے کہ مفسرین کرامؒ نے تابعین کے اقوال اپنی تفاسیر میں ذکر کیے ہیں اور ان پر اعتماد کیا ہے، آٹھویں صدی ہجری کے نابغہ روزگار عالم شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) رقم طراز ہیں۔

وقال شعبة بن الحجاج وغيره: أقوال التابعين فی الفروع ليست حجة فكيف تكون حجة فی التفسير يعنی أنها لا تكون حجة على غيرهم ممن خالفهم وهذا صحيح أما إذا أجمعوا على الشیء فلا يرتاب فی كونه حجة؛ فإن اختلفوا فلا يكون قول بعضهم حجة على بعض ولا على من بعدهم ويرجع فی ذلك إلى لغة القرآن أو السنة أو عموم لغة العرب أو أقوال الصحابة فی ذلك(٣).

شعبہ بن حجاجؒ اور دیگر علماء کا خیال ہے کہ تابعین کے اقوال جب علی العموم حجت نہیں ہیں، تو پھر تفسیر میں کیوں کر حجت ہوسکتے ہیں؟ ان کا مطلب یہ ہے کہ تابعین کے اقوال سے مخالف پر حجت قائم نہیں ہوسکتی، یہ بات بجائے خود درست ہے، مگر جس چیز پر تابعین کا اجماع منعقد ہوجائے اس کے حجت ہونے میں شک نہیں، جب تابعین کسی بات پر مختلف الرائے ہوں تو نہ ایک کا قول دوسرے پر حجت ہوسکتا ہے اور نہ ہی بعد میں آنے والے لوگوں پر۔ بخلاف ازیں ایسے موقع پر

===================

(۱) سیر أعلام النبلاء:۱۴/ ۱۶۸، تذکرۃ الحفاظ:۱/ ۷۱.

☆ بعض روایات میں تیس مرتبہ کا بھی ذکر ہے۔ دیکھئے الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۸/ ۳۱۹، الطبقات الکبری لابن سعد:۶/ ۱۹، تاریخ دمشق لابن عساکر:۵۷/ ۲۵، تہذیب الأسماء واللغات:۲/ ۸۳، تہذیب الکمال:۲۷/ ۲۳۳، تاریخ الاسلام للذہبی:۳/ ۱۴۸.

(۲) الجرح والتعدیل لابن أبی حاتم:۷/ ۱۳۴، تذکرۃ الحفاظ:۱/ ۹۲، تہذیب الکمال:۲۳/ ۵۱۱.

(۳) مقدمہ فی أصول التفسیر:۴۵-۴۶.

عربی زبان یا سنت نبوی یا عربی زبان کے عموم اور یا اقوال صحابہ کی جانب رجوع کیا جائے گا۔

تبع تابعینؒ نے تدوین تفسیر کا کام بہت آگے بڑھایا اور اس علم کی توزیع وترویج میں گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔اس دور میں امام شعبہ بن حجاجؒ (م۱۶۰ھ) ،سفیان ثوریؒ (م۱۶۱ھ)،سفیان بن عیینہؒ (م۱۹۸ھ)،وکیع بن جراحؒ (م۱۹۷ھ) ،یزید بن ہارونؒ (م۲۰۶ھ)،عبدالرزاق بن ہمامؒ (م۲۱۱ھ)،اسحاق بن راہویہؒ (م۲۳۸ھ)،روح بن عبادہ بصریؒ (م۲۰۵ھ)،محمد بن سائب کلبیؒ (م۱۴۶ھ) اور مقاتل بن سلیمانؒ (م۱۵۰ھ) علم تفسیر میں مشہور ومعروف ہوئے اور مرجع انام تھے،اس زمانہ میں معروف نحوی عالم امام علی بن حمزہ کسائیؒ (م۱۸۹ھ) نے متشابہ القرآن اور امام محمد بن ادریس شافعیؒ (م۲۰۴ھ) نے أحکام القرآن پر کتابیں لکھیں۔

تبع تابعینؒ کے دور میں تفسیر روایات کو مجامیع احادیث میں ملا کر لکھنے اور یاد کرنے کا رواج تھا،یہی وجہ ہے کہ معروف محدثینؒ نے اپنی کتابوں میں کتاب التفسیر کے نام سے الگ ابواب منعقد کیے ہیں،تاہم اس دور میں بعض کتابیں تفسیر پر تصنیف کی گئیں۔

تبع تابعینؒ کے دور کے بعد علم تفسیر کا عصر تدوین شروع ہوا،اس دور میں صحیح معنوں میں تفسیر کا آغاز ہوا۔یہ دور اموی خلافت کے اواخر سے لے کر خلافت عباسیہ کے اوائل تک پھیلا ہوا ہے،اس دور میں تفسیر حدیث نبوی سے الگ ہوئی اور اس نے ایک مستقل فن کی حیثیت اختیار کر لی۔اب قرآنی ترتیب کے مطابق ہر ہر آیت اور سورت کی تفسیر مرتب کرنے کا سلسلہ شروع ہوا،اس منہج کے ارتقاء کے لیے امام ابن جریر طبریؒ (م۳۱۰ھ)،امام ابن أبی حاتمؒ (م۳۲۷ھ)،ابوبکر بن منذر نیسابوریؒ (م۳۱۹ھ) اور امام حاکم نیسابوریؒ (م۴۰۵ھ) میدان عمل میں اترے،انہوں نے رسول اللہ ﷺ،صحابہ کرامؓ،تابعینؒ،تبع تابعینؒ کے اقوال سنداً اپنی تفاسیر میں نقل کیے،ان تفاسیر میں تفسیر بالمأثور کے علاوہ اور کوئی چیز مندرج نہ تھی،تاہم امام ابن جریر طبریؒ (م۳۱۰ھ) نے تفسیری اقوال جمع کرنے کے بعد ان کی توجیہات کیں اور بعض کو راجح اور بعض کو مرجوح قرار دیا ہے۔

عصر تدوین کے بعد تفسیر کے پانچویں مرحلہ کا آغاز ہوا،یہ علم تفسیر کا طویل ترین تاریخی دور ہے،جو خلافتِ عباسیہ سے تاہنوز پھیلا ہوا ہے،عصر تدوین میں تفسیر کا انحصار اور مدار منقول روایات پر تھا،لیکن اس دور میں عقل ونقل کے امتزاج کا سلسلہ شروع ہوا،صرف ونحو اور علوم ادبیہ مدون ہوئے،فقہی مذاہب اور مسالک منظر عام پر آئے،علم کلام اور فلسفہ یونان نے انگڑائی لی،مختلف مکاتب فکر معرض وجود میں آئے،جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام علوم تفسیر کیساتھ گھل مل گئے،اب جو شخص جس فن میں مہارت تامہ رکھتا تھا اس کے تفسیر میں یہی پہلو اور ذوق غالب رہا۔نحوی علماء کی تفاسیر نحوی مسائل سے لبریز ہیں،معروف نحوی امام ابراہیم بن سری زجاجؒ (م۳۱۱ھ) نے معانی القرآن میں اور مفسر جلیل علامہ أبو حیان اندلسیؒ (م۷۴۵ھ) نے تفسیر البحر المحیط میں

نحوی مہارت کا بھرپور ثبوت دیا ہے، جوحضرات معقولات میں یدطولی اور دسترس رکھتے تھے، انہوں نے اپنی تفاسیر میں معقولات کوخوب جگہ دی، امام فخرالدین رازیؒ (م٦٠٦ھ) کی تفسیر کبیر میں معقولیت کا ذوق غالب ہے، فقہاء کرامؒ نے اپنی تفاسیر میں فقہی فروعات اور جزئیات کے دلائل پرخوب نبردآزمائی کی، امام أحمد بن علی ابوبکر جصاصؒ (م٣٧٠ھ) اور علامہ محمد بن أحمد قرطبی اندلسیؒ (م٦٧١ھ) کی تفاسیر میں یہی پہلو غالب ہے، مؤرخین کی تفاسیر دیکھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ قرآن دنیامیں صرف تاریخ پڑھانے کے لیے نازل ہوااورصوفیاء نے قرآنی آیات سے ایسے اشارات کا استخراج کیاہے، جوان کے ذوق اوروجدان سے میل کھاتا تھا، علامہ محمد بن علی محیی الدین ابن عربی اندلسی (م٦٣٨ھ) اورعلامہ ابوعبدالرحمٰن السلمی (٣٣٠ھ) کی تفاسیر اسی نوعیت کی ہیں۔(١)☆

==================

(١) دیکھئے التفسیر والمفسرون:١/٢٧-٩٨، تاریخ تفسیر ومفسرین:٣٣-١٨١.

☆ لقد أحسن العلامة مصطفى المعروف بحاجي خليفه وأجادحيث يقول: ثم ألف في التفسير طائفة من المتأخرين: فاختصروا الأسانيد ونقلوا الأقوال بتراء، فدخل من هنا الدخيل والتبس الصحيح بالعليل، ثم صار كل من سنح له قول يورده ومن خطر بباله شيء يعتمده، ثم ينقل ذلك خلف عن سلف؛ ظانا أن له أصلا غير ملتفت إلى تحرير ما ورد عن السلف الصالح، ومن هم القدوة في هذا الباب. قال السيوطي: رأيت في تفسير قوله سبحانه وتعالى: ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ نحو: عشرة أقول مع أن الوارد عن النبي ﷺ وجميع الصحابة والتابعين: ليس غير اليهود والنصارى. حتى قال ابن أبي حاتم: لا أعلم في هذا اختلافا من المفسرين. ثم صنف بعد ذلك: قوم برعوا في شيء من العلوم. ومنهم: من ملأ كتابه بما غلب على طبعه من الفن واقتصر فيه على: ما تمهر هو فيه كأن القرآن انزل لأجل هذا العلم لا غير مع أن فيه تبيان كل شيء.

فالنحوي: تراه ليس له هم إلا الإعراب وتكثير الأوجه المحتملة فيه، وإن كانت بعيدة وينقل قواعد النحو ومسائله وفروعه وخلفياته: كالزجاج، والواحدي في: البسيط، وأبي حيان في: البحر والنهر. والإخباري: ليس له شغل إلا القصص واستيفاؤها والأخبار عمن سلف سواء كانت صحيحة أو باطلة. ومنهم: الثعلبي. والفقيه: يكاد يسرد فيه الفقه جميعا وربما استطرد إلى إقامة أدلة الفروع الفقهية التي لا تعلق لها بالآية أصلا، والجواب عن أدلة المخالفين: كالقرطبي. وصاحب: العلوم العقلية، خصوصا: الإمام: فخر الدين الرازي، قد ملأ تفسيره: بأقوال الحكماء والفلاسفة وخرج من شيء إلى شيء حتى يقضى الناظر العجب. قال أبو حيان في البحر : جمع الإمام الرازي في تفسيره أشياء كثيرة طويلة لا حاجة بها في علم التفسير. ولذلك قال بعض العلماء: فيه كل شيء إلا التفسير. والمبتدع: ليس له قصد إلا تحريف الآيات وتسويتها على مذهبه الفاسد بحيث أنه لو لاح له شاردة من بعيد اقتنصها أو وجد موضعا له فيه أدنى مجال سارع إليه. كما نقل عن البلقيني أنه قال: استخرجت من الكشاف اعتزالا بالمناقيش منها: أنه قال في قوله سبحانه وتعالى: ﴿فمن زحزح عن النار وأدخل الجنة فقد فاز﴾ أي فوز أعظم من دخول الجنة؟ أشار به إلى عدم الرؤية. والملحد: فلا تسأل عن كفره وإلحاده في آيات الله تعالى وافترائه على =

الغرض جوشخص بھی کسی فن یا مذہب میں ماہر ممتاز تھا،اس نے قرآن مجید کو اپنے فن کے قالب میں ڈھالنے کی مقدور بھر کوشش کی ،یہی وجہ ہے کہ کتب تفسیر میں تفسیر بالمأثور کے علاوہ فقہی ،ادبی ،تاریخی ،نحوی ،لغوی اور کلامی مذاق اور رنگ ورُوپ پایا جاتا ہے ،ہرایک مفسر کا اپنا ذوق اور نقطہ نظر ہے، جو ان کے تفسیری اسلوبِ نگارش سے مترشح ہوتا ہے۔

یہ علم تفسیر کا مختصر تاریخی پس منظر ہے اور یہ وہ ارتقائی مراحل ہیں ،جن سے گزر کر یہ فن عصر حاضر تک پہنچا ہے،اب طوالت کے خوف سے یہ بات کہنا مشکل ہے کہ تاریخ کے ہر دور میں تفسیر کا خصوصی منہج اور اسلوب کیا تھا؟ یہ علم ہر دور میں کن کن خصوصیات اور مزایا کا حامل رہا؟ ہر زمانہ اور قرن میں اس کا خاص ذوق کیا رہا؟اس کی تفصیل کے لیے مجدد ملت امام الانقلاب شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہرؒ(م۱۹۸۷ء) کی شہرہ آفاق کتاب نیل السائرین فی طبقات المفسرین اور معروف مصری عالم علامہ حسین ذہبیؒ (م۱۳۹۸ھ) کی التفسیر والمفسرون ملاحظہ ہوں۔

قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا،عربی کی فصاحت وبلاغت ،وسعت مفہوم اور ہمہ گیری اظہر من الشمس ہے،جس کے سامنے چوٹی کے فصحاء اور بلغاء نے اپنے گھٹنے ٹیک دیے اور مقابلہ سے عاجز آ کر سر تسلیم خم کر دیا،لیکن یہ پیام کسی ایک قبیلہ یا محدود خطہ ارضی کے لیے نازل نہیں ہوا، بلکہ یہ تمام عالم انسانیت کے لیے یکساں رشد وہدایت ہے،اس لیے اہل علم نے قرآن فہمی کی ترویج اور ارتقاء کے لیے مقدور بھر کوشش کی ۔اور ہر دور میں قرآن فہمی کی تحریک کو پروان چڑھانے کے لیے کمربستہ ہوئے ،دنیا کی ہر قابل ذکر زبان تراجم اور تفاسیر لکھی گئیں۔

====================

=الله تعالى ما لم يقله. كقول بعضهم إن هي إلا فتنتك: ما على العباد أضر من ربهم. وينسب هذا القول إلى صاحب: قوت القلوب أبي طالب المكي. ومن ذلك القبيل: الذين يتكلمون في القرآن بلا سند ولا نقل عن السلف ولا رعاية للأصول الشرعية والقواعد العربية. كتفسير: محمود بن حمزة الكرماني في مجلدين، سماه: العجائب والغرائب. ضمنه: أقوالا هي عجائب عند العوام وغرائب عما عهد عن السلف، بل هي أقوال منكرة لا يحل الاعتقاد عليها ولا ذكرها إلا للتحذير. من ذلك قول من قال في ﴿ربنا ولا تحملنا ما لا طاقة لنا﴾: إنه الحب والعشق. ومن ذلك قولهم في ﴿ومن شر غاسق إذا وقب﴾: إنه الذكر إذا قام. وقولهم في ﴿من ذا الذي يشفع عنده﴾ : معناه: من (ذل) أي: من الذل و (ذي): إشارة إلى النفس و (يشف): من الشفاء جواب: (مَن) و (عِ) : أمر من الوعي. وسئل البلقيني: عمن فسر بهذا فأفتى بأنه: ملحد. وأما: كلام الصوفية في القرآن فليس بتفسير. قال ابن الصلاح في فتاواه : وجدت عند الإمام الواحدي أنه قال: صنف السلمي حقائق التفسير، إن كان قد اعتقد أن ذلك تفسير فقد كفر. قال النسفي في عقائده : النصوص تحمل على ظواهرها، والعدول عنها إلى معان يدعيها أهل الباطن إلحاد. وقال التفتازاني في شرحه : سميت الملاحدة: باطنية لادعائهم أن النصوص ليست على ظواهرها بل لها معان باطنة. (كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون:۱/ ۴۲۷)

برصغیر پاک وہند میں قرآن فہمی کی تحریک کے بانی اور مؤسس امام شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) ہیں، جنہوں نے مسلمانانِ برصغیر کی اصلاح اور تزکیہ کے لیے قرآن مجید کے فہم وتدبر کو سب سے مؤثر علاج سمجھا اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے، جس پر خود قرآن مجید اور اسلام کی پوری تاریخ شاہد ہے کہ امت مسلمہ کی تعمیر وتاسیس اسی بنیادی اور اساسی نقطہ نظر پر مبنی ہے، اس وقت ہندوستان میں یہ بات زبان زد عام تھی کہ قرآن مجید کا فہم وتفہیم صرف اہل علم کا وظیفہ ہے، جس کے سمجھنے کے لیے ایک درجن سے زائد علوم درکار ہیں، عوام الناس کو اس کے معانی ومطالب کی تعلیم ایک خطرناک فتنہ اور گمراہی کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے اس طرز خیال کی عملی تردید فرمائی، اور یہ عزم وارادہ کیا، کہ فارسی زبان میں قرآن مجید کا عام فہم ترجمہ کرنا چاہیے، فارسی اس زمانہ کی علمی، تصنیفی اور دفتری زبان تھی، ان کے اہداف ومقاصد یہ تھے کہ ہندوستان کا ہر آدمی قرآن مجید کی ہدایات وتعلیمات سے مستفید ہو سکے، اسی مشن کی تکمیل کے لیے آپ نے تفسیر فتح الرحمٰن تالیف فرمائی، جس کے مقدمہ میں آپ نے اس اقدام کی تاریخی روئداد سپرد قلم کی ہے، تاہم شاہ صاحبؒ اپنے مقاصد کی ترویج میں کامیاب رہے، اگرچہ اس کے خلاف حسب معمول مختلف قسم کے مصائب وتکالیف برداشت کیں، جو چٹان حائل تھی وہ راستے سے ہٹ گئی ، اور آپ کی اس تجدید وتحریک نے برصغیر میں قرآنی انقلاب کی داغ بیل ڈالی، جس نے مسلمانان ہند کی اصلاح عقائد اور علم وعمل کی تعمیر میں خشت اول کا کردار ادا کیا، آپ کی اس تحریک کی پاسبانی کے لیے رب العزت نے آپ ہی کی خاندان کو منتخب کیا، بارہویں صدی ہجری کے آخر میں انقلاب زمانہ کی وجہ سے اُردو نے فارسی کی جگہ لینی شروع کردی، جس کی بناء پر اُردو زبان میں قرآن مجید کی ترجمہ کی ضرورت محسوس ہوئی ،تو عظیم کام کی تکمیل کے لیے آپ کے فرزند ارجمند شاہ عبدالقادر دہلویؒ (م ۱۲۳۰ھ) کمربستہ ہوئے، جنہوں نے اردو میں قرآن مجید کا بے مثال بامحاورہ ترجمہ کیا، اسی تسلسل کو قائم رکھنے لے لیے آپ کے دوسرے فرزند ارجمند شاہ رفیع الدینؒ (م ۱۲۳۳ھ) نے اردو میں تحت اللفظ ترجمہ کیا، جو علمی حلقوں میں بہت مقبول ہوا، تاہم ان تراجم نے مسلمانان ہند کی اصلاح عقائد اور عقیدہ توحید میں بہت اہم کردار ادا کیا۔

لیکن رفتہ رفتہ مسلمانان ہند میں مرورِ زمانہ کیساتھ دین الٰہی سے بے اعتنائی اور لاتعلقی دن بدن بڑھتی رہی، جس کی وجہ سے مسلمانوں میں جمود وتنزل، اخلاقی ومعاشرتی فساد، اعتقادی ونظریاتی خرافات کی فضاء نے جنم لیا، توحید وسنت کا فقدان، شرک وبدعت کا عروج، قبر پرستی اور توہم پرستی کا غلبہ ہونے لگا، عوام الناس کا زیادہ اعتقاد تعویذ اور گنڈے پر مبنی تھا، اس کے علاوہ مسلمانان عالم میں بالعموم اور برصغیر کے خطہ میں بالخصوص بیسیوں خرابیاں پائی جاتی تھی۔(۱)

بیسویں صدی عیسوی کے اوائل میں مسلمانان ہند کی اصلاح عقائد، عقیدہ توحید کی تجدید، توحید وسنت کی اشاعت اور شرک

===================

(۱) دیکھئے تاریخ دعوت وعزیمت:

وبدعت کے قمع قلع کے لیے امام الہند حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ (م۱۳۲۳ھ) کے مایہ ناز شاگرد امام الموحدین رئیس المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ (م۱۹۴۴ء) نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں، جن کی قرآن وسنت سے عشق، اشاعت توحید میں انہماک اور راہ حق میں مقاسات شدائد اور دیگر اوصاف ومحاسن اہل علم سے مخفی نہیں، آپ نے توحید وسنت کی وہ خدمت کی، جو کسی خانقاہ کے گدی نشین اور کسی جامعہ کے مسند نشین سے بھی نہ ہوسکی، جس زمانہ میں آپ نے میانوالی کی پسماندہ علاقہ سے علم توحید بلند کیا، یہ اس دور میں شعلہ آتش سے کھیلنے کے مترادف تھا، عقیدہ توحید کی اشاعت وارتقاء میں کسی قسم کی مداہنت ومصالحت کا شکار نہیں ہوئے، شرک وشوائب شرک سے انتہائی عداوت ودشمنی تھی، شرک وبدعت کے خلاف سیف عریاں تھے، اس مسئلہ کی واضح تبلیغ واشاعت کی پاداش میں جان گذار مصائب اور ہمت شکن شدائد کا سامنا کرنا پڑا، لیکن وہ وہ اپنے موقف ومسلک سے ایک لمحہ کے لیے بھی کسی مصلحت کے شکار نہیں ہوئے، انہوں نے اپنی عمر عزیز اسی راہ وفا میں صرف کی، وہ قرآن مجید کے بلند پایہ مفسر، نابغہ روزگار محدث اور فنافی التوحید تھے، امام الموحدینؒ کو قرآنی علوم ومعارف امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ (م۱۱۷۶ھ) سے وراثت میں ملے تھے، آپ صرف تین واسطوں (حضرت مولانا محمد مظہر نانوتویؒ (م۱۳۰۲ھ)، حضرت مولانا شاہ محمد اسحاق دہلویؒ (م۱۲۶۲ھ) اور حضرت مولانا شاہ عبدالعزیز دہلویؒ (م۱۲۳۹ھ) سے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م۱۱۷۶ھ) کے شاگرد ہیں۔

امام الموحدین حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ کا تفسیری منہج اور اسلوب سلف صالحین کے اصول کے عین مطابق ہے، انہوں نے اسلاف امت کے وضع کردہ قواعد اور اصول کی روشنی میں تفسیر قرآن کی داغ بیل ڈالی، جس کی تفصیل یہ ہے کہ قرآن مجید نے اگر اپنے اسلوب بیان میں اجمال سے کام لیا ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تفصیل بھی فرمادی اور اگر بعض آیات میں اطلاق اور عموم پایا جاتا ہے تو دوسرے مقام پر اس کی تقیید اور تخصیص بھی موجود ہے، اس لیے کہ قاعدہ مسلمہ ہے۔"القرآن یفسر بعضه بعضا".

ان اصول کے پیش نظر یہ بات ضروری ہے کہ قرآن فہمی کے لیے سب سے پہلے قرآن مجید ہی کا مطالعہ کیا جائے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک موضوع کے متعلقہ تمام آیات کو جمع کر کے مجموعی حیثیت سے ان میں غور وحوض کیا جائے۔ اس کے بعد قرآن فہمی کے لیے احادیث رسول ﷺ کی طرف مراجعت ضروری ہے، اس لیے کہ احادیث مبارکہ قرآن کی شرح اور تفسیر ہے، بالخصوص آیات احکام (جیسے نمازوں کی تعداد اور طریقہ کار، احکام زکوۃ، حج کا طریقہ، نکاح وطلاق وغیرہ) میں سنت کی طرف رجوع ناگزیر ہے، اس کے بغیر ان کا فہم ناممکن ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی تفسیر سمجھنے کے لیے اقوال صحابہؓ کی رجوع ضروری ہے، اس لیے کہ جن احوال وواقعات میں قرآن نازل ہوتا رہا وہ ان کی سامنے نظروں کے سامنے تھے اور یہ ان کے عینی شاہد ہیں، اس کیساتھ ساتھ اللہ تعالی نے انہیں فہم صحیح اور عمل صالح سے وافر حصہ عطا فرمایا۔ اور اس کے بعد قرآن فہمی کے لیے اقوال تابعین کی طرف مراجعت ضروری ہے، اس لیے کہ تابعین صحابہ کرامؓ کے فیض یافتہ اور خوشہ چین رہے ہیں۔

آٹھویں صدی ہجری کے مجدد شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) فرماتے ہیں۔

فإن قال قائل: فما أحسن طرق التفسير؟ فالجواب: إن أصح الطرق فى ذلك أن يفسر القرآن بالقرآن فما أُجمِلَ فى مكان فإنه قد فُسِّرَ فى موضع آخر وما اختُصِر من مكان فقد بُسِطَ فى موضع آخر فإن أعياك ذلك فعليك بالسنة فإنها شارحة للقرآن وموضحة له بل قد قال الإمام أبو عبد الله محمد بن إدريس الشافعي: كل ما حكم به رسول الله ﷺ فهو مما فهمه من القرآن، فإن لم تجده فمن السنة كما قال رسول الله ﷺ لمعاذ حين بعثه إلى اليمن: بم تحكم؟ قال: بكتاب الله. قال: فإن لم تجد؟ قال: بسنة رسول الله. قال: فإن لم تجد؟ قال: أجتهد رأيي. قال: فضرب رسول الله ﷺ فى صدره وقال: الحمد لله الذى وفق رسولَ رَسُولِ الله لما يرضى رسولَ الله. وحينئذ إذا لم نجد التفسير فى القرآن ولا فى السنة رجعنا فى ذلك إلى أقوال الصحابة؛ فإنهم أدرى بذلك لما شاهدوه من القرآن والأحوال التى اختصوا بها ولما لهم من الفهم التام والعلم الصحيح والعمل الصالح، لا سيما علماؤهم وكبراؤهم كالأئمة الأربعة الخلفاء الراشدين والأئمة المهديين. إذا لم تجد التفسير فى القرآن ولا فى السنة ولا وجدته عن الصحابة فقد رجع كثير من الأئمة فى ذلك إلى أقوال التابعين.(۱)☆

اگر کوئی یہ سوال کرے کہ تفسیر کا بہتر طریقہ کونسا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ تفسیر کا بہتر طریقہ یہ ہے کہ قرآن کی تفسیر خود قرآن سے کی جائے، قرآن مجید ایک مضمون اگر ایک جگہ مجمل ہے تو دوسری جگہ مفصل ملے گا اور جہاں اختصار ہے تو دوسری جگہ اس کی تفصیل مل جائے گی، اگر قرآن مجید میں نہ ہو تو سنت کی طرف رجوع کرو، جو قرآن مجید کی شرح اور تفسیر ہے، امام محمد بن ادریس شافعیؒ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جو بھی حکم دیا ہے، وہ قرآن مجید ہی سے مأخوذ ہے۔ اگر سنت میں نہ پاؤ، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذؓ سے فرمایا تھا، جب انہیں یمن روانہ کرنے لگے۔ کہ کس چیز سے فیصلہ کرو گے؟ حضرت معاذؓ نے عرض

========================

(۱) مقدمہ فی اُصول التفسیر: ۳۹.

☆ یہی عبارت شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی طرف نسبت کیے بغیر حافظ ابن کثیرؒ نے تفسیر ابن کثیر کے مقدمہ میں اور علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے البرہان فی علوم القرآن میں نقل کی ہے۔ دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۱/۸، البرہان فی علوم القرآن: ۲/۱۷۵.

کیا کتاب اللہ سے۔آپ ﷺ نے ارشادفرمایا اگر اس میں نہ ملے؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا۔سنت رسول اللہ ﷺ۔آپ ﷺ نے ارشادفرمایا اگر سنت میں بھی نہ پایا؟ حضرت معاذؓ نے عرض کیا اس صورت میں اپنے اجتہاد سے کام لوں گا۔رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر حضرت معاذؓ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا اللہ تعالی کا شکر ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو وہ توفیق بخشی جس سے اللہ کا رسول راضی ہے۔لیکن جب ہمیں قرآن وسنت میں تفسیر نہ ملے تو ہم اقوال صحابہؓ کی طرف مراجعت کریں گے،اس لیے مخصوص قرائن اور احوال کے مشاہدہ کی بناء پر وہ مطالب قرآن سب سے زیادہ جاننے والے تھے اور مکمل فہم اور عملصالح کے حامل تھے،خصوصاً اکابر صحابہ کرامؓ۔اور اگر تفسیر نہ قرآن میں ملے اور نہ حدیث میں اور نہ صحابہ کرامؓ کے اقوال میں تو ایسی صورت میں متعدد اہل علم نے اقوال تابعین کی طرف رجوع کیا ہے۔

امام الموحدینؒ سے بے شمار تشنگانِ علوم نے استفادہ کیا،تاہم ان میں قاقع شرک وبدعت شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خانؒ (م۱۹۸۰ء)اور امام انقلاب شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہرؒ(م۱۹۸۷ء) خاص طور پر قابل ذکر ہیں،ان حضرات نے اپنے شیخؒ کی طرز دعوت،قرآن فہمی،توحید وسنت کی اشاعت،شرک وبدعت کی تردید میں بہت بڑا کردار ادا کیا،جس کی مثال ماضی قریب میں بہت کم نظر آتی ہے،ان میں سے ہر ایک فرد مستقل تحریک کی حیثیت رکھتا تھا۔

علم وعرفان کے ان بحور سے ہزار ہا لوگوں نے استفادہ کیا اور اپنے مشائخ کی قرآن فہمی کی تحریک کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا اور اس سرسبز وشاداب چمن کی آبیاری خونِ جگر سے کی،علوم وعرفان کے ان فحول اور مشاہیر علماء نے بے حد خلوص اور پرجوش جذبہ کیساتھ ایسا کارنامہ سرانجام دیا جو ماءذہب کیساتھ رقم کرنے کے لائق ہے اور یہ غیور شاگرد تمام حیات اس انقلابی تحریک سے وابستہ رہے،تاہم اس کارواں کے ایک مجاہد ہمارے عظیم استاذ شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا غلام حبیب صاحب حفظہ اللہ ہیں،جنہوں نے اس سلسلۃ الذہب میں منظّم ہو کر اپنی زندگی ایک بیشتر حصہ قرآنی علوم ومعارف کی ترویج میں صرف کیا۔

حضرت شیخ حفظہ اللہ اپنے مشائخ عظامؒ کے علوم ومعارف کے امین اور ان کے روایات اور نظریات کے واقعی پاسبان ہیں ،انہوں نے ان علوم وعرفان کی توزیع وترویج کو اپنی حیات مستعار کا بہترین مشغلہ بنائے رکھا اور ہمہ وقت اس فکر میں مگن رہے ،عرصہ چالیس سال اپنے مشائخ کی روایات کی پاسبانی فرمارہے ہیں،ان کی شہرت سن کر دور دراز سے طلباء کرام شدرحال کر کے ان کی خدمت میں کسب فیض کرنے لگے اور اپنے فہم وادراک کے مطابق مستفید ہوئے اور اطراف عالم میں اس مشن کے داعی بنے۔آپ کے تلامذہ کی فہرست بہت طویل ہے،جس میں مشاہیر علماء،مفتیانِ عظام،ماہر فنون اور قابل صد افتخار مدرسین شامل

ہیں، چند معروف تلامذہ یہ ہیں۔

شیخ القرآن والحدیث حضرت مولانا محمد طیب طاہری حفظہ اللہ، امیر اشاعت التوحید والسنۃ، فقیہ العصر مفتی حبیب اللہ حفظہ اللہ، شیخ عصمت اللہ نورستانی حفظہ اللہ، شیخ محمد طیب صاحب (کوئٹہ)، شیخ عبدالمقدس باچا، مفتی مجتبی عامر، صاحبزادہ قاری غلام الرحمٰن ، صاحبزادہ مولانا غلام اللہ، شیخ عبدالوکیل، مولانا امداداللہ، مولانا سراج گل، مفتی توصیف احمد، مولانا سید مفرخ شاہ، مفتی شریف حسین شریف، مولانا عبدالحکیم سواتی، مفتی خلیل الرحمٰن، مفتی عنایت الرحمٰن، قاری ذاکراللہ، مولانا عبدالوحید، مولانا محمد عامر خان، مولانا ارشد زمان، مولانا ظفر احمد، مولانا ظاہر شاہ، صاحبزادہ مفتی محمد طاہر، مولانا سید نواز بونیری، مولانا عزیراللہ، مولانا شاہ روم، مولانا عبدالرحمٰن اور مفتی محمد طیب المستنصر وغیرہ۔

زیرِ نظر تفسیری افادات آپ کے علمی اور تحقیقی دروس کا ایک مرقع ہے، جس سے آپ کی فن تفسیر اور علوم اسلامیہ میں مہارت اور بالغ نظری کا ایک اندازہ لگایا جاسکتا ہے، حضرت شیخ کے حکم اور بعض مخلص احباب کے پُر زور اصرار سے ان علمی اور تحقیقی نکات وشذرات کو صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کی کوشش کی ہے اور پشتو میں دیئے گئے دروس اور محاضرات کو اردو قالب میں ڈھالنے کی جسارت کی، ورنہ اپنا حال تو یہ ہے کہ اُردو مادری زبان ہی نہیں اور جو مادری زبان ہے اس سے بھی پوری طرح واقفیت نہیں۔ بندہ عاجز کو چونکہ اُردو پر عبور حاصل نہیں ہے، لہذا تعبیر میں سقم، مضمون میں تضیق اور دیگر غلطیاں ضرور ہوں گی، تاہم اس کو حضرت شیخ حفظہ اللہ کی طرف منسوب نہ کیا جائے، بلکہ اس کو بندہ کی نالائقی اور کم علمی اور قصور فہم پر محمول کیا جائے۔

اس کتاب میں درج ذیل امور کو ملحوظ نظر رکھا گیا۔

۱۔ مضمون کو حتی الوسع سہل اور سلیس رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، تاکہ فہم وضبط میں آسانی رہے۔

۲۔ آیات کا ترجمہ تفسیر عثمانی سے نقل کیا گیا ہے، جو جامعیت مفہوم میں بے نظیر ہے۔

۳۔ ہر جگہ عربی عبارات کے ترجمے کا التزام نہیں کیا گیا ہے، کیونکہ اس سے استفادہ کرنے والے علماء اور منتہی طلبہ ہوں گے ، جنہیں اس کی خاص ضرورت نہیں۔

۴۔ اگر دورانِ درس کسی حدیث کا ذکر ہوا تو اس کی مکمل تخریج امہات الکتب کی گئی ہے۔

۵۔ درس میں جن مفسرین کرامؒ کا تذکرہ ہوا کتبِ رجال سے ان کا مختصراً تعارف کیا گیا ہے۔

۶۔ بعض مقامات میں فوائد مہمہ کی خاطر مفسرین کرامؒ کے عبارات بمع حوالاجات نقل کئے گئے ہیں۔

۷۔ ہر بات کو مدلل اور باحوالہ پیش کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

۸۔ بعض مقامات میں تعبیر کو مختصر کرنے کے لیے فنی اصطلاحات استعمال کیے گئے ہیں۔

۹۔ تعلیق میں متن کی مزید توضیح کے لیے مفسرین کرامؒ کی عبارات کو نقل کیا گیا ہے۔

۱۰۔ حضرت شیخ حفظہ اللہ کے ذوق اور منہج کے مطابق تحقیق اور تفصیل دونوں کو ملحوظِ نظر رکھا گیا ہے۔

آخر میں بندہ اپنے تمام ساتھیوں کا بے حد ممنون و مشکور ہے، جنہوں نے بندہ کی اس کام کے سلسلہ میں حوصلہ افزائی فرمائی اور تصحیح کے تمام مراحل میں بندہ کی بھرپور معاونت فرمائی۔ اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے اور ہماری اس سعی کو اپنے دربارِ عالیہ میں منظور و مقبول فرمائے اور اساتذہ و مشائخ مدظلہم العالیہ کا سایہ ہم پر تادیر رکھے اور ہمیں تادم حیات قرآن و سنت سے جوڑے رکھے۔ آمین!

ارشاد الرحمٰن المعتصم

استاذ تخصص فی الحدیث النبوی جامعہ اشاعت الاسلام موہڑہ چوک حسن ابدال

۱۲رجب ۱۴۳۸ھ

سورة الفاتحة

بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے۔

الحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ (١) الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ(٢)مَالِكِ يَومِ الدِّينِ (٣) إِيَّاكَ نَعبُدُ وَإِيَّاكَ نَستَعِينُ (۴) اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ(۵) صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِم غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّالِّينَ (٦).

ترجمہ: الوہیت کی تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو پالنے والا سارے جہاں کا بے حد مہربان نہایت رحم والا مالک روزِ جزاء کا تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں بتلا ہم کو سیدھی راہ راہ اُن لوگوں کی جن پر تو نے فضل فرمایا جن پر نہ تیرا غصہ ہوا، اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔

إن الـحَـمـدُ لِـلّـهِ نَـحـمَـدُهُ وَنَستَعِينُهُ وَنَستَغفِرُهُ وَنَعُوذُ بِاللّهِ مِن شُرُورِ أَنفُسِنَا وَمِن سَيِّئاتِ أَعـمَـالِنَا مَن يَهدِهِ اللّهُ فَلَا مُضِلَّ لَهُ، وَمَن يُضلِلِ فَلَا هَادِىَ لَهُ، وَأَشهَدُ أَنَّ لَا إِلَهَ إِلَّا اللّهُ وَحدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ، وَأَشهَدُ أَنَّ محمدًا عَبدُه وَرَسُولُه.

أما بعد: فأعوذ بالله من الشيطان الرجيم

بسم الله الرحمن الرحيم

الـحَـمـدُ لِـلّـهِ رَبِّ الـعَـالَمِينَ (١) الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ(٢) مَالِكِ يَومِ الدِّينِ (٣) إِيَّاكَ نَعبُدُ وَإِيَّـاكَ نَستَعِينُ (٤) اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ(٥) صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِم غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّالِّينَ .(٦)

سورة فاتحہ کی تفسیر

سورة کا لغوی مفہوم:

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ سورة مہموز اور غیر مہموز دونوں طرح مستعمل ہے، اگر مہموز ہو تو " سؤر " سے مأخوذ ہے، جس کے معانی برتن میں باقی رہ جانے والی چیز کے ہیں اور چونکہ سورت بھی قرآن مجید کا ایک حصہ ہوتی ہے، اس وجہ سے اسے سورت کہا جاتا ہے، محاورہ ہے۔" الفاتحة بقية من القرآن." سورہ فاتحہ قرآن مجید کا ایک حصہ ہے۔(۱)

اگر غیر مہموز ہو تو اس کی کئی وجوہات بیان کی جاتی ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

=================

(۱) دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن:۱/۱۰۵، تفسیر ابن کثیر:۱/۹۴-۹۵، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۲۹-۳۰، تفسیر قرطبی: ۱/۶۵-٦٦، تفسیر طبری:۱/۱۰۵، تفسیر الکشاف للزمخشری:۱/۹۷.

پہلی وجہ: امام راغب اصفہانیؒ (۱) مفردات القرآن (۲) میں اور علامہ ابن منظور افریقیؒ (۳) لسان العرب (۴) میں یوں بیان فرماتے ہیں۔ "السورة : أي المنزلة الرفيعة." یعنی بلند مقام، جیسے ایک شاعر فرماتے ہیں۔

ے ألم تر أن الله أعطاك سورة ترى كل ملك دونها يتذبذب

کیا تو نہیں دیکھتا ہے کہ اللہ تعالی نے تجھے ایسا مقام عطا کیا ہے کہ ہر ایک فرشتہ اس کے ارد گرد گھومتا ہے۔

قرآن مجید کی ہر ایک سورت بھی مستقل مقام اور فضیلت کی حامل ہوتی ہے، اسی وجہ سے اسے بھی سورت کہا جاتا ہے۔

دوسری وجہ: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ''سورة'' جماعت اور گروہ کو کہا جاتا ہے جیسا کہ مثل مشہور ہے۔" لفلان سُور من الابــل." فلاں آدمی کی اُونٹوں کی ایک جماعت اور ریوڑ ہے اور ظاہری بات ہے کہ سورت بھی آیات کے مجموعے پر مشتمل ہوتی ہے، اسی وجہ سے اس پر بھی سورت کا اطلاق کیا جاتا ہے۔(۵)

تیسری وجہ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دراصل سورة "سُور البلد " سے ماخوذ ہے اور" سُور البلد" اس دیوار کو کہا جاتا ہے جو پورے شہر پر محیط ہوتی ہے، یعنی قلعہ بند دیوار۔ نیز کنگن کو بھی " ســور" اسی وجہ سے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی پورے بازو پر محیط ہوتی ہے، تو اب جس طرح "سور البلد" شہر پر اور کنگن بازو پر محیط ہوتی ہے، تو بعینہ اسی طرح قرآنِ مجید کی سورت بھی کئی آیات کے مجموعے اور مضامین پر احاطہ کیے ہوتی ہے، لہذا اسے بھی سورت کہا جاتا ہے۔

چوتھی وجہ: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ''سورة'' (بالفتح) "سَورة" سے ماخوذ ہے، بمعنی قوت واستحکام، جیسا کہ کہا جاتا ہے۔ "سَور الأسد" اور "سَور الشراب." چونکہ سورت بھی قرآنِ مجید کا ایک قوی اور مستحکم حصہ کہلاتا ہے۔" لأنَّ قوَّة السُّورة أكثر من قوّة الآية". اس لیے اس پر بھی سورت کا اطلاق ہوتا ہے۔(٦)

==========================

(۱) نام حسین بن محمد بن المفضل ابوقاسم اصفہانی، راغب کے نام سے مشہور ہوئے، اصفہان سے تعلق تھا اور بغداد میں رہائش تھی، لغت، ادب اور تفسیر کے امام تھے، ۱۱۰۸ء کو وفات پائی۔(الأعلام للزركلی: ۲/ ۲۵۵، معجم المؤلفین:۴/ ۵۹).

(۲) دیکھئے مفردات القرآن ۱/۵۱۰، مختار الصحاح: ۳۲۶، تہذیب اللغۃ للأزہری:۱۳/ ۳۶، تاج العروس للزبیدی:۱۲/ ۱۰۱.

(۳) نام محمد بن مکرم بن علی ابوفضل جمال الدین ابن منظور الانصاری الافریقی، ۶۳۰ھ کو مصر میں پیدا ہوئے، عرصہ دراز تک قاہرہ میں لغتِ عربی کی خدمت کی اور ایک وقت تک طرابلس کے قاضی رہے، ۷۱۱ھ کو مصر میں وفات پائی۔(الأعلام للزركلی: ۷/ ۱۰۸، معجم المؤلفین: ۱۲/ ۴۶).

(۴) دیکھئے لسان العرب:۴/ ۳۸۴.

(۵) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز: ۵۹، [الفصل الثالث فی شرح کلمات لابد من معرفتہا قبل الخوض فی شرح وجوہ التفسیر].

(٦) المصدر السابق:۵۹.

سورۃ کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاح میں سورت قرآنِ مجید کے اُن آیات کے مجموعے کو کہا جاتا ہے، جن کا اول وآخر توقیفی طور پر معلوم ہو۔ مفسر جلیل علامہ سیوطیؒ (۲) فرماتے ہیں۔ "السورة: الطائفة المترجمة توقيفاً، أي المسماة باسم خاص بتوقيف من النبي ﷺ." (۳)

قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد:

قرآن مجید کی سورتوں کی تعداد میں اہل علم کا باہمی اختلاف ہے، لیکن قولِ مختار کے مطابق کل سورتوں کی تعداد ایک سو چودہ ہے، جب کہ بعض حضرات نے ایک سو تیرہ بتائی ہے، دراصل ثانی الذکر حضرات نے سورۃ الأنفال اور سورۃ التوبۃ دونوں کو ایک سورت شمار کیا ہے، حالانکہ یہ دونوں مستقل طور پر دو الگ الگ سورتیں ہیں، تاہم ان کے علاوہ دیگر اقوال بھی منقول ہیں۔ تفصیل کے لئے الاتقان فی علوم القرآن ملاحظہ ہو۔ (۴)

قرآن مجید کو سورتوں میں تقسیم کرنے کی حکمتیں اور فوائد:

قرآن مجید کی ہر سورت ایک مستقل موضوع اور مضمون پر مشتمل ہے، ہر سورت ایک مستقل عنوان کی ترجمانی اور عکاسی کرتی ہے، جیسے سورۃ البقرۃ یہود کی خباثتوں، سورۃ ال عمران نصاری کی اعتقادی اور عملی خرابیوں اور سورۃ التوبۃ منافقین کے خبثِ باطن اظہار فرماتی ہیں، تو اسی طرح ہر ایک سورت ایک مستقل موضوع کی ترجمانی کرتی ہے۔

قرآن مجید کو مختلف سورتوں اور اجزاء میں تقسیم کرنے کی بے شمار حکمتیں اور فوائد ہیں، تاہم یہ صرف قرآن مجید کا منفرد انداز نہیں، بلکہ تمام کتبِ سماویہ تورات، انجیل، زبور اور انبیاء علیہم السلام پر جو صحائف نازل ہوئی تھیں ان کو بھی سورتوں اور اجزاء میں تقسیم کیا گیا تھا۔ یہی طریقہ مصنفین بھی اپنی کتابوں میں اختیار فرماتے ہیں اور اپنی کتابوں کو مختلف بابوں اور فصلوں میں تقسیم کرتے ہیں، نیز اسی طرح جب قاری ایک سورت ختم کرنے کے بعد دوسری سورت کی ابتداء فرماتے ہیں، تو وہ تازہ دم

======================

(۱) المصدر السابق:۵۹.

(۲) نام عبدالرحمٰن بن الکمال ابی بکر بن محمد بن سابق الدین الخضیری السیوطی، لقب جلال الدین اور کنیت ابوالفضل ۸۴۹ھ کو قاہرہ میں پیدا ہوئے تفسیر، حدیث، تاریخ، ادب، لغت، ادب اور فقہ کے امام تھے تقریباً ۶۰۰ کے قریب کتابیں لکھی، جمادی الاولی ۹۱۱ھ کو وفات پائی۔ (الاعلام للزرکلی: ۳۱۰/۱، الضوء اللامع للسخاوی: ۶۵/۴).

(۳) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ۱۰۶/۱.

(۴) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ۱۳۰/۱، البرہان للزرکشی: ۲۴۹/۱.

ہو جاتا ہے اور اگر وہ مسلسل بغیر کسی فاصلے کے تلاوت کرتا جائے تو یقیناً اس پر لامحالہ تھکاوٹ اور ملال طاری ہوگا، اس کی مثال اس مسافر کی مانند ہے جو چند مراحل طے کرنے کے بعد کسی مقام پر تازہ دم ہو کر پھر اپنے سفر کو جاری رکھے، تو اس طرح اس کو تھکاوٹ محسوس نہیں ہوگی بخلاف اس مسافر کے جو مسلسل سفر جاری رکھے، تو اسی وجہ سے قرآنِ کریم کو بھی مختلف سورتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

من جملہ ان فوائد میں سے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ جب کوئی قرآن مجید کی کسی سورت کو یاد کر لیتا ہے تو وہ اس پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ میں نے قرآنِ پاک کا ایک مستقل حصہ حفظ کر لیا، اس کی تائید حضرتِ انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہوتی ہے۔

"كان الرجل إذا قرأ البقرة وآل عمران جد فينا."

ہم (اصحاب رسول ﷺ) میں کوئی جب سورۃ البقرۃ اور سورۃ ال عمران کو یاد کر لیتا، تو اُسے نہایت خوشی و مسرت ہوتی کہ میں نے کلام پاک کا ایک مستقل حصہ حفظ کر لیا۔ اور یوں وہ منزل بہ منزل قرآنِ پاک کو حفظ کرتے ہوئے حافظِ قرآن کہلانے کا مستحق ہو جاتا۔ مفسر جلیل علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "فقال في الكشاف: الفائدة في تفصيل القرآن وتقطيعه سوراً كثيرة، وكذلك أنزل اللّه التوراة والإنجيل والزبور وما أوحاه إلى أنبيائه مسورة. وبوب المصنفون في كتبهم أبواباً موشحة الصدور بالتراجم۔ منها: الجنس إذا انطوت تحته أنواع وأصناف كان أحسن وأفخم من أن يكون باباً واحداً۔ ومنها: أن القارئ إذا ختم سورة أوباباً من الكتاب، ثم أخذ في آخر كان أنشط له، وأبعث على التحصيل منه لواستقر على الكتاب بطوله. ومثله المسافر إذا قطع ميلاً أوفرسخاً نفس ذلك منه، ونشط للسير. ومن ثم جزئ القرآن أجزاء وأخماساً۔ ومنها: أن الحافظ إذا حذق السورة اعتقد أنه أخذ من كتاب اللّه طائفة مستقلة بنفسها فيعظم عنده ما حفظه۔ ومنه حديث أنس: كان الرجل إذا قرأ البقرة وآل عمران جد فينا." (۱)

آیت کا لغوی مفہوم اور وجہ تسمیہ:

آیت لغت میں علامت ونشانی کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ ارشادِ باری ہے۔ " إِنَّ آيَةَ مُلكِهِ ..." (سورۃ البقرۃ:۲۴۸) کہ اس کے (طالوت) بادشاہ ہونے کی نشانی یہ ہوگی... اور اہل عرب کا مقولہ ہے۔ " بيني وبين فلان أية. " (۲) اور قرآن کی ہر ایک آیت اس کی فضیلت اور صداقت کی علامت ونشانی ہے، اسی طرح جن لوگوں نے قرآنی آیات کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تو یہ ان

=====================

(۱) الاتقان للسیوطی:۱/۱۳۲.

کی صاقت وسچائی کی علامت ہے اور جو تحدی و چیلنج کو قبول کرنے سے عاجز ہو گئے تو یہ ان کی بے بسی اور ناتوانی کی علامت ونشانی ہے اور اس کو آیت اس لیے بھی کہا جاتا ہے کہ ماقبل کو مابعد سے منقطع کر دینے کی علامت ہوا کرتی ہے، مفسر جلیل علامہ بدرالدین زرکشی رحمہ اللہ (۲) فرماتے ہیں۔ "سمیت به؛ لأنها علامة على صدق من أتى بها، وعلى عجز المتحدى بها. وقيل: لأنها علامة انقطاع ما قبلها من الكلام، وانقطاعها عما بعدها." (۳)

آیت کا اصطلاحی مفہوم:

اصطلاحِ شرع میں آیت قرآنِ مجید کے ان حروف اور الفاظ کے مجموعے کو کہتے ہیں جن کا اول اور آخر توقیفی طور پر معلوم و متعین ہو۔ چنانچہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "فالآية : طائفة من حروف القرآن علم بالتو قيف انقطاعها (۱)".

آیاتِ قرآنیہ کی تعداد:

قرآن کریم کے کل آیات کے بارے میں اہل تفسیر سے مختلف اقوال منقول ہیں۔ چند اقوال درج ذیل ہیں۔

اہل علم کا اس بات پر تو اجماع ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کی تعداد چھے ہزار ہیں، البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ چھے ہزار سے اوپر کتنی آیات ہیں؟ تو اب بعض حضرات نے تو بغیر کسی زیادتی کے یہی مذکورہ تعداد بتائی ہے اور جو حضرات اس پر زیادتی کے قائل ہیں تو وہ بھی کسی ایک نقطہ نظر پر متفق نہ ہو سکے، بلکہ ان سے بھی کئی قوال منقول ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آیات کی تعداد چھے ہزار دوسو چار ہیں۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ چھے ہزار دوسو چودہ ہیں۔ جبکہ بعض حضرات کے نزدیک کل تعداد چھے ہزار دوسو انیس ہیں۔ اور بعض نے چھے ہزار دوسو پچیس تعداد بتائی ہے، البتہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت کے مطابق کل تعداد چھے ہزار چھے سو سولہ ہے۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "قال الداني: أجمعوا على أن عدد آيات القرآن ستة آلاف آية، ثم اختلفوا فيما زاد على ذلك، فمنهم من لم يزد، ومنهم من قال: ومائتا آية وأربع آيات . وقيل: وأربع عشرة. وقيل: وتسع عشرة. وقيل: وخمس وعشرون. وقيل: وست وثلاثون." (۲)

==========================

(۲) نام محمد بن بہادر بن عبداللہ الزرکشی، لقب بدرالدین، کنیت ابوعبداللہ ۷۴۵ھ کو مصر میں پیدا ہوئے۔ فقہ شافعی کے جید عالم تھے، ۷۹۴ھ کو مصر میں وفات پائی۔ (شذرات الذہب: ۶/ ۳۳۵، النجوم الزاہرۃ: ۱۲/ ۱۳۴، الدرر الکامنہ: ۴/ ۱۷، الأعلام للزرکلی: ۶/ ۶۰).

(۲) دیکھئے البرہان للزرکشی: ۱ / ۲۶۷، الاتقان فی علوم القرآن : ۱/ ۱۳۳، تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۹۹-۱۱۰ ، تفسیر قرطبی: ۱/ ۶۶ .

قرآنِ مجید کے کلمات اور الفاظ کی کل تعداد:

قرآنِ مجید کے کلمات کی تعداد میں اہل علم سے متعدد اقوال منقول ہیں، اکثر حضرات کے نزدیک جملہ کلمات کی تعداد ستتر ہزار نوسو تینتیس (۷۷,۹۳۳) ہے۔ بعض اہل علم کے نزدیک ستتر ہزار چار سو سینتیس (۷۷,۴۳۷) اور جب کہ حضرات کے نزدیک ستتر ہزار دو سو ستتر (۷۷,۲۷۷) ہیں۔ اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی منقول ہیں۔ (۳)

قرآنِ مجید کے حروف کی تعداد:

علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ قرآنِ مجید کے تمام حروف کی تعداد تین لاکھ تیئیس ہزار چھ سو اکہتر (۳,۲۳,۶۷۱) ہے۔ (۴)

مکی اور مدنی سورتوں کی شناخت:

مفسرین کرامؒ سے مکی اور مدنی سورتوں کی معرفت میں متعدد اقوال منقول ہیں، جن سے تین اقوال زیادہ مشہور ہوئے۔ (۵)

پہلا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ مکی وہ سورتیں ہیں جو ہجرت سے قبل نازل ہو چکی ہیں اور مدنی اُن سورتوں کو کہا جاتا ہے جو ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہیں خواہ وہ مکہ مکرمہ میں یا مدینہ منورہ میں یا کسی سفر کے دوران نازل ہو چکی ہوں وہ مدنی ہی کہلائیں گی، یعنی اس قول کے مطابق ہجرت کو نقطہ امتیاز تصور کرتے ہوئے زمانے کے اعتبار سے مکی اور مدنی سورتوں کے مابین فرق کیا جائے گا۔ علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "اعلم أن للناس فى المكى والمدنى اصطلاحات ثلاثة: أشهرها: أن المكى ما نزل قبل الهجرة، والمدنى ما نزل بعدها، سواء نزل بمكة أم بالمدينة، عام الفتح أوعام حجة الوداع، أم بسفر منالأسفار."(٦)

---

(۱) دیکھئے الاتقان للسیوطی: ۱/۱۸۱.

(۲) المصدر السابق: ۱/۱۸۲.

(۳) المصدر السابق: ۱/۱۹۰.

(۴) المصدر السابق: ۱/۱۸۲.

(۵) دیکھئے الاتقان للسیوطی: ۱/۱۹، البرهان للزرکشی: ۱/۱۸۷ .

(٦) الاتقان للسیوطی: ۱/۱۹.

دوسرا قول: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جو سورتیں مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی ہیں اگرچہ ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں تو وہ مکی ہیں اور جو سورتیں مدینہ منورہ میں نازل ہوچکی ہوں وہ مدنی کہلاتی ہیں اب اس قول کے مطابق وہ سورتیں جو مختلف اسفار میں نازل ہوئی ہیں تو ان پر نہ تو مکی کا اطلاق کیا جائے گا اور نہ ہی مدنی کا۔ اس قول کی تائید حضرت ابوأسامہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ہوتی ہے کہ قرآن کریم کے نزول کا شرف تین مقامات کو حاصل ہے۔ مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ اور شام۔ راوی حدیث ولید بن مسلمؒ فرماتے ہیں کہ شام سے مراد بیت القدس ہے، لیکن علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں اگر شام سے تبوک مراد لیا جائے تو یہ بہتر واولی ہوگا۔

واضح رہے کہ جو سورتیں مکہ مکرمہ کے قرب وجوار اور مضافات میں نازل ہوں جیسے منی، عرفات اور حدیبیہ وغیرہ...تو وہ بھی مکی شمار کی جائیں گی۔ اور جو سورتیں مدنیہ منورہ کے آفاق واطراف اور گردونواح میں نازل ہوچکی ہوں جیسے بدر اور اُحد وغیرہ...تو وہ بھی مدنی شمار ہوگی۔ معروف عالم علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "أن المكي: ما نزل بمكة ولوبعد الهجرة، والمدني: ما نزل بالمدينة. وعلى هذا نثبت الواسطة، فما نزل بالأسفار لا يطلق عليه مكي ولا مدني۔ وقد أخرج الطبراني في الكبير من طريق الوليد بن مسلم عن عفير بن معدان عن سليم بن عامر عن أبي أمامة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم أنزل القرآن في ثلاثة أمكنة: مكة، والمدينة، والشام. قال الوليد: يعني بيت المقدس۔ وقال الشيخ عماد الدين بن كثير: بل تفسيره بتبوك أحسن۔ قلت: ويدخل في مكة ضواحيها، كالمنزل بمنى وعرفات والحديبية، وفي المدينة ضواحيها، كالمنزل ببدر وأحد وسلع"۔(۱)

تیسرا قول: مکی اُن سورتوں کو کہا جاتا ہے جن میں رُوئے سُخن اہل مکہ کی طرف کیا گیا ہو اور جن سورتوں میں اہل مدینہ کو مخاطب کیا گیا ہو تو وہ مدنی شمار ہوں گی۔ علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "أن المكي: ما وقع خطاباً لأهل مكة، والمدني: ما وقع خطاباً لأهل المدينة. وحمل على هذا قول ابن مسعود." (۲)

بعض حضرات نے یہ خیال بھی ظاہر کیا ہے کہ مکی وہ سورتیں ہیں جن میں مسئلہ توحید کا بیان اور شرک کی تردید کی گئی ہو اور منکرین کے اعتراضات اور شبہات کے جوابات دیئے گئے ہوں، اور مدنی وہ سورتیں ہیں جن اہلِ کتاب (یہود ونصاری) کی تردید اور رسومِ جاہلیت کی مذمت بیان کی گئی ہوں۔

=========================

(۱) دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۲۰، البرھان فی علوم القرآن: ۱/۱۸۷ .

(۲) دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۲۰، البرھان فی علوم القرآن: ۱/۱۸۷ .

مکی اور مدنی سورتوں کی تعداد:

مکی سورتوں کی تعداد چھیاسی جبکہ مدنی سورتوں کی تعداد اٹھائیس ہے۔ مدنی سورتیں یہ ہیں۔

سورة البقرة، سورة الأنفال، سورة آل عمران، سورة الأحزاب، سورة الممتحنة، سورة النساء، سورة الزلزال، سورة الحديد، سورة محمد، سورة الرعد، سورة الرحمن، سورة الدهر، سورة الطلاق، سورة البينة، سورة الحشر، سورةالنصر، سورة النور، سورة الحج، سورة المنافقون، سورة المجادلة، سورة الحجرات، سورة التحريم، سورة الجمعة، سورة التغابن، سورة الصف، سورة الفتح ، سورةالمائدة، سورة التوبة. اس کے علاوہ باقی سورتیں مکی ہیں۔(۱)

کیا آیاتِ قرآنیہ کی ترتیب توقیفی ہے؟

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب (ترتیبِ مصحفی) توقیفی ہے، یعنی شارع علیہ السلام کے حکم پر رکھی گئی ہے، قرآنِ مقدس لوحِ محفوظ میں اسی ترتیب کیساتھ موجود تھا، البتہ بہ قدرِ ضرورت وقتاً فوقتاً رسول اللہ ﷺ پر تقریباً تیس سال کے طویل عرصے میں نازل ہوتا رہا، کبھی پوری سورت نازل ہوتی اور کبھی چند آیات اُتر جاتی تھیں، لیکن نُزولِ سُور اور آیات میں اکثر ضرورت کو پیش نظر رکھا گیا۔ اگر آپ ﷺ کو کفار ومشرکین ستاتے تو تسلی وتشجیع کے لئے آیات اُتر جاتی۔ آپ کو اُن میں تسلی اور تشجیع دلائی جاتی اور کبھی منکرین اعتراضات کرتے تو بقدرِ ضرورت اُنکے جوابات نازل ہوجاتے۔ اور کبھی مسئلہ توحید اور کلامِ پاک کے سننے میں غلط رویہ اختیار کرتے تو انکی مذمت بیان کی جاتی اور کبھی مخالفین آپ کی رسالت اور قرآنِ کریم کی صداقت پر نکتہ چینیاں کرتے تو اُن کا ازالہ کیا جاتا تھا وغیرہ وغیرہ...

رسول اللہ ﷺ کو مطلع کیا جاتا کہ فلاں سورت کو فلاں کیساتھ اور اِن آیات کو فلاں سورت میں شامل فرمائیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کاتبینِ وحی کو حکم فرماتے کہ فلاں سورت کو فلاں سورت سے قبل اور فلاں سورت کے بعد لکھ دو۔ اِن آیات کو فلاں سورت میں شامل کردو۔ تو کاتبینِ وحی آپ ﷺ کے حکم کی تعمیل فرماتے۔ اب ظاہری بات معلوم ہے کہ قرآنِ کریم کے آیتوں کی اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے۔ مفسر جلیل علامہ بغویؒ فرماتے ہیں۔ ”وكان رسول الله يلقن أصحابه، ويعلمهم مانزل عليه من القرآن على الترتيب الذى هو الآن فى مصاحفنا، بتوقيف جبريل إياه على ذلك، وإعلامه عند نزول كل آية: أن هذه الآية تكتب عقب آية كذا فى سورة كذا. فثبت أن سعى الصحابة كان فى جمعه فى

====================

(۱) دیکھئے البرھان فی علوم القرآن:۱/۱۹۴، الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۲۳ .

موضع واحد لا فی ترتیبه؛ فإن القرآن مکتوب فی اللوح المحفوظ علی هذا الترتیب، أنزله الله جملة إلی السماء الدنیا، ثم کان ینزله مفرقا عند الحاجة، وترتیب النزول غیر ترتیب التلاوة." (۱)

آیاتِ قرآنی کی توقیفیت پر اہل سنت کا اجماع اور روافض کا انکار:

تمام اہل سنت کا اجماع اور نصوص اس بات پر دال ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ کی ترتیب توقیفی غیر اجتہادی ہے، اس پر علامہ برہان الدین زرکشیؒ نے البرہان فی علوم القرآن میں اور علامہ ابوجعفر ابن زبیرؒ نے مناسبات ترتیب السور میں اور ان کے علاوہ بے شمار اہل علم نے اجماع نقل کیا ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کی ترتیب توقیفی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ترتیب دیئے گئے ہیں، اس میں مسلمانوں کا کوئی اختلاف نہیں۔ معروف عالم علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ " الإجماع والنصوص المترادفة علی أن ترتیب الآیات توقیفی، لا شبهة فی ذلك. وأما الإجماع فنقله غیر واحد، منهم الزرکشی فی البرهان، وأبو جعفر بن الزبیر فی مناسباته وعبارته: ترتیب الآیات فی سورها واقع بتوقیفه ﷺ وأمره، من غیر خلاف فی هذا بین المسلمین ."(۲)☆

روافض اس مسلمہ نظریہ سے انحراف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ حضرت عثمان (ذوالنورین رضی اللہ عنہ) نے اس میں اپنی طرف سے دخل اندازی کی ہے اور یہ انکی خودساختہ ترتیب ہے (العیاذ اللہ) لیکن ان کا یہ نظریہ جہالت اور حماقت پر مبنی ہے کیونکہ اللہ ربّ العزت نے خود اس کتاب لاریب کی حفاظت کا ذمہ اُٹھایا ہے تو اس میں کوئی کیسے دخل اندازی کرسکتا ہے؟ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین تو اس کتاب کے پیغام کو دنیا میں پہنچانے والے تھے اور اُنہوں نے اسکی تبلیغ میں اپنا سب کچھ قربان کیا تھا۔ تو وہ از رائے خود یہ کام کیسے کرسکتے ہیں؟ حالانکہ خود قرآنِ کریم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی صداقت اور سچائی کا اعلان بار بار دُہرا چکا ہے۔!!

(۱) دیکھیے الاتقان فی علوم القرآن:۱/۱۲۴ .

(۲) دیکھیے الاتقان فی علوم القرآن:۱/۱۲۱ .

☆ علامہ جلال الدین سیوطیؒ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

"وقال مکی وغیره : ترتیب الایآت فی السور بأمر النبی ﷺ ولما لم یآمر بذلك فی أول براءة ، ترکت بلابسملة ."

[الاتقان فی علوم القرآن:۱/۱۲۳، البرہان فی علوم القرآن:۱/۲۵۶].

علامہ مکی اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں کہ قرآنی آیات کی ترتیب رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق رکھی گئی ہے تو یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سورۃ التوبۃ کے اول میں بسم اللہ لکھنے کا حکم نہیں دیا تو انہوں (صحابہ کرامؓ) نے لکھا بھی نہیں۔

....

==========================

مفسر جلیل قاضی ابوبکر ابن العربیؒ فرماتے ہیں۔

" ترتيب الآيات أمر واجب وحكم لازم، فقد كان جبريل يقول: ضعوا آية كذا في موضع كذا. وقال أيضا: الذى نذهب إليه أن جميع القرآن الذى أنزله الله، وأمر بإثبات رسمه، ولم ينسخه، ولا رفع تلاوته بعد نزوله، هو هذا الذى بين الدفتين الذى حواه مصحف عثمان، وأنه لم ينقص منه شيء، ولا زيد فيه، وأن ترتيبه، ونظمه ثابت على ما نظمه الله تعالى." [**الاتقان للسیوطی:۱/۱۲۳**].

آیاتِ قرآنی کی ایک لازمی امر ہے، چنانچہ جبریل علیہ السلام جب کوئی آیات لے آتے تو آپ ﷺ کوحکم فرماتے کہ ان آیات کوفلاں آیات کیساتھ ملادو اور فلاں سورۃ میں شامل فرمائیں۔ اور یہ ہمارا نظریہ وعقیدہ ہے کہ جس کتاب کو اللہ تعالی نے نازل فرما کر اس کی حفاظت کا ذمہ خودلیا ہے، تو وہ یہی کتاب قرآن کریم ہے جو ہمارے سامنے بین الدفتین موجود ہے اور جیسے مصحفِ عثمانی کہا جاتا ہے، اس میں آج تک کسی نے کوئی کمی کی ہے اور نہ ہی کوئی کرسکے گا اور یہ اسی ترتیب پر ہے جس ترتیب میں لوحِ محفوظ میں موجود تھا۔

اس کی مزید علامہ جلال الدین سیوطیؒ علامہ بغویؒ کے حوالے سے کرتے ہیں۔

"وقال البغوى فى شرح السنة: الصحابة رضى الله عنهم جمعوا بين الدفتين القرآن الذى أنزله الله على رسوله، من غير أن زادوا أوأنقصوا منه شيئا، خوف ذهاب بعضه بذهاب حفظته، فكتبوه كما سمعوا من رسول الله صلى الله عليه وسلم من غير أ قدموا شيئاً أوأخروا، أووضعوا له ترتيباً لم يأخذوه من رسول الله صلى الله عليه وسلم، وكان رسول الله صلى الله عليه وسلم يلقن أصحابه ويعلمهم ما نزل عليه من القرآن على الترتيب الذى هو الآن فى مصاحفنا، بتوقيف جبريل إياه على ذلك، وإعلامه عند نزول كل آية: أن هذه الآية تكتب عقب آية كذا فى سورة كذا. فثبت أن سعى الصحابة كان فى جمعه فى موضع واحد لا فى ترتيبه؛ فإن القرآن مكتوب فى اللوح المحفوظ على هذا الترتيب، أنزله الله جملة إلى السماء الدنيا، ثم كان ينزله مفرقاً عند الحاجة، وترتيب النزول غير ترتيب التلاوة۔" [**الاتقان فی علوم القرآن:۱/۱۲۴**].

علامہ بغویؒ شرح السنۃ میں فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتاب قرآنِ کریم کوبغیر کمی وبیشی کے جمع فرمایا۔ اور اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ جب قرآنِ کریم کے بعض حفاظ کرام دنیا سے رخصت ہوگئے، تو انہوں نے یہ خوف محسوس کیا کہ یونہی حفاظ کرام کے چل جانے کے بعد کہیں یہ عظیم نعمت ہمارے ہاتھ سے نہ نکل جائے۔ چنانچہ انہوں نے جس طرح رسول اللہ ﷺ سے سنا۔ بالکل اسی طرح لکھ کر جمع فرمایا اور اس میں نہ تو اُنہوں نے اپنی طرف سے تقدیم وتاخیر کی، اور نہ ہی اسکو خودساختہ ترتیب دی، بلکہ رسول اللہ ﷺ خوداس بات کا اہتمام فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی سورۃ یاچند آیات نازل ہوجاتیں تو کاتبینِ وحی کوحکم فرماتے کہ ان آیات یاسورتوں کوفلاں مقام میں شامل کردو۔ (خلاصہ کلام یہ ہے) کہ قرآنِ کریم کی موجودہ ترتیب توقیفی ہے۔ اور بعینہ اسی ترتیب کے مطابق ہے جوصحابہ کرامؓ نے آپ ﷺ کے ارشادِ گرامی پر مرتب فرمائی۔ تو اس (تفصیلِ مذکور) سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ صحابہ کرامؓ نے صرف قرآنِ کریم کویکجا کرنے کی محض سعی وکوشش کی۔ نہ یہ کہ اسکو خودساختہ ترتیب میں ڈھالا۔ اور اسی ترتیب کیساتھ قرآنِ کریم لوحِ محفوظ میں بھی تھا۔ پھر اللہ تعالی نے اس کو یکبار آسمانِ دنیا پر نازل فرمایا۔ اور پھر بقدرِ ضرورت

کیا سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے؟

باقی رہی یہ بات کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے یا اجتہادی؟ تو اس میں اختلاف ہے لیکن زیادہ درست اور راجح بات یہ ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے۔ مفسر جلیل علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "وقال ابن الحصار: ترتيب السور ووضع الآيات مواضعها إنما كان بالوحي، كان رسول الله ﷺ يقول: ضعوا آية كذا في موضع كذا. وقد حصل اليقين من النقل المتواتر بهذا الترتيب من تلاوة رسول الله ﷺ ومما أجمع الصحابة على وضعه هكذا في المصحف".(۱) ☆

========================

= وقتاً فوقتاً رسول اللہ ﷺ پر تقریباً تیس سال کے عرصے میں نازل ہوتا رہا۔ تو یہی وجہ ہے کہ ترتیبِ نزولی ترتیبِ مصحفی سے مختلف ہے۔
علامہ سیوطیؒ اس کی مزید وضاحت فرماتے ہیں۔
یہ بات حدِ تواتر تک پہنچ چکی ہے کہ آیاتِ قرآنیہ کی ترتیب توقیفی غیر اجتہادی ہے اور بے شمار احادیث مبارکہ میں اس کا ثبوت ملتا ہے۔ (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۱۲۱-۱۲۴، ۱۳۳.

(۱) دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۱۲۴.

☆ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے یہ بات متعدد احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتی ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نماز میں اسی ترتیب کیساتھ قراءت فرمایا کرتے تھے حضرت حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

عن حذيفة بن اليمان قال: صليت مع رسول الله صلى الله عليه و سلم ليلة من رمضان في حجرة من جريد النخل قال فقام فكبر فقال: الله أكبر ذو الجبروت و الملكوت و ذو الكبرياء و العظمة ثم افتتح البقرة فقرأ فقلت يبلغ رأس المائة ثم قلت يبلغ رأس المائتين قال: ثم افتتح آل عمران فقرأها ثم افتتح النساء فقرأها...[أخرجه الحاكم في المستدرك، كتاب صلاة التطوع: ١/ ٤٦٦، رقم: ١٢٠١. وقال هذا حديث صحيح على شرط الشيخين و لم يخرجاه].

حضرت حذیفۃ بن الیمان رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کیساتھ رمضان المبارک کی ایک رات کھجوروں کے شاخوں سے بنے ہوئے حجرے میں نماز پڑھی۔ تو آپ ﷺ نے پہلے کھڑے ہوکر " الله أكبر ذو الجبروت و الملكوت و ذو الكبرياء و العظمة." کہا اور پھر سورۃ البقرۃ کی تلاوت شروع فرمائی اور پڑھتے رہے۔ حتی کہ مجھے خیال آیا کہ سو آیات پر ختم فرمالیں گے۔ اور پھر خیال آیا کہ چلو دوسو آیات پر ختم فرمالیں گے۔ یہاں تک کہ سورۃ البقرۃ کو ختم کر کے سورۃ ال عمران کی ابتداء فرمائی۔ اور اُسے بھی ختم فرمایا۔ تو پھر سورۃ النساء کو شروع کر کے مکمل تلاوت فرمائیں۔

تو اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے کیونکہ آپ ﷺ نے نماز میں اس کو ملحوظ رکھا۔
ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔

"عن أبي إسحاق قال سمعت عبد الرحمن بن يزيد سمعت ابن مسعود يقول: في بني إسرائيل، والكهف، ومريم، وطه، =

....

========================

= والأنبياء إنهن من العتاق الأول، وهن من تلادى. [أخرجه البخارى، باب تأليف القرآن: ٤/ ١٩١٠، رقم: ٤٧٠٨]

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ الکھف، سورۃ مریم، سورۃ طہٰ اور سورۃ الانبیاء یہ میرا پُرانا وظیفہ ہے، یعنی ان کو میں مکہ مکرمہ میں بھی پڑھا کرتا تھا۔

اسی طرح ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔

عن عثمان بن عبد الله بن أوس الثقفى عن جده أوس بن حذيفة قال: كنت فى الوفد الذين آتوا رسول الله ﷺ أسلموا من ثقيف من بنى مالك، أنزلنا فى قبة له فكان يختلف إلينا بين بيوته وبين المسجد، فإذا صلى العشاء الآخرة، انصرف إلينا فلا يبرح يحدثنا... فمكث عنا ليلة لم يأتنا، حتى طال ذلك علينا بعد العشاء قال: قلنا: ما أمكثك عنا يا رسول الله ؟ قال: طرأ عنى حزب من القرآن، فأردت ان لا أخرج حتى أقضيه فسألنا أصحاب رسول الله ﷺ حين أصبحنا قال: قلنا: كيف تحزبون القرآن؟ قالوا: نحزبه ست سور، وخمس سور، وسبع سور، وتسع سور، وإحدى عشرة سورة، وثلاث عشرة سورة، وحزب المفصل من ﴿قٓ﴾ حتى تختم. [امسند أحمد: ٤/ ٣٤٣، رقم: ١٩٠٤٣].

حضرت اوس بن حذیفہ ثقفی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف کا جو وفد مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آیا تھا تو میں بھی اُن ہی میں تھا، اور جہاں پر رسول اللہ ﷺ نے ہمیں ٹھہرایا تھا.....اور آپ ﷺ عشاء کی نماز کے بعد ہمارے پاس تشریف لے آتے اور ہمارے ساتھ گفتگو فرمایا کرتے تھے تو آپ ایک رات دیر سے تشریف لائے تو ہم نے وجہ دریافت فرمائی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری قرآن کریم کی منزلیں رہ گئی تھیں۔ تو میں ارادہ کیا کہ جب تک انہیں پورا نہ کروں تو باہر نہیں جاوں گا.....پھر جب صبح ہوئی۔ تو ہم نے اصحاب رسول ﷺ سے اس کے متعلق استفسار فرمایا کہ تم قرآن کریم کی منزلیں کیسے مقرر کرتے ہو؟ تو انہوں نے ارشاد فرمایا کہ پہلی منزل تین سورتیں، دوسری منزل پانچ سورتیں، تیسری منزل سات سورتیں، چوتھی منزل نو سورتیں، پانچویں منزل گیارہ سورتیں، چھٹی منزل تیرہ سورتیں اور ساتویں منزل مفصلات کی ہیں۔ یعنی سورۃ ق سے لے کر آخرِ قرآن تک۔

مذکورہ بالا روایات سے قرآنِ کریم کے سورتوں کی ترتیب کا توقیفی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور جبکہ حضرت اوس بن حذیفہ ثقفی رضی اللہ عنہ کی روایت میں تو خاص طور پر منزلوں کا بھی ذکر ہے۔ اور اسی ترتیب پر مصاحف میں منزلیں موجود ہیں۔

معروف عالم علامہ بدرالدین زرکشیؒ فرماتے ہیں۔

"قال الكرمانى فى البرهان: ترتيب السور هكذا هو عندالله، وفى اللوح المحفوظ، وهو على هذا الترتيب كان يعرض عليه السلام على جبريل كل سنة، ما كان يجتمع عنده منه، وعرض عليه فى السنة التى توفى فيها مرتين ".[البرہان فی علوم القرآن: ۱/ ۲۵۹، الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۱۲۵].

علامہ کرمانیؒ البرہان میں فرماتے ہیں کہ لوحِ محفوظ میں قرآن بایں ترتیب موجود تھا۔ رسول اللہ ﷺ ہر سال میں جتنا حصہ نازل ہوجاتا۔ تو اس کو حضرت جبریلؑ پر پیش فرماتے۔ اور جس سال آپ ﷺ وفات پا گئے تھے، تو اس سال دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام پر پیش فرمایا تھا۔

علامہ ابوبکر انباریؒ فرماتے ہیں۔

"قال أبو بكر بن الأنبارى: أنزل الله القرآن كله إلى سماء الدنيا، ثم فرقه فى بضع وعشرين، فكانت السورة تنزل لأمر =

کیا سورتوں کے اسماء توقیفی ہیں؟

احادیث مبارکہ اور آثارِ صحابہؓ اس بات پر دال ہیں کہ سورتوں کے نام توقیفی غیر اجتہادی ہیں، علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "وقدثبت أسماء السورة بالتوقيف من الأحاديث والآثار". (۱)

تفسیر قرآن میں ہمارے مشائخ عظام کا اُسلوب:

ہمارے اساتذہ کرام اور مشائخ عظامؒ (۲) کو علومِ اسلامیہ اور بالخصوص قرآن کریم کو سمجھنے اور بیان کرنے میں الہامی دسترس

=====================

= يحدث، والآية جواباً لمستخبر، ويوقف جبريل النبي ﷺ على موضع الآية والسورة، فاتساق السور كاتساق الآيات والحروف كلها عن النبي ﷺ، فمن قدم سورة أوأخرها، فقد أفسد نظم القرآن." [الاتقان للسیوطی:۱/۲۵، البرہان للزرکشی:۱/۲۶۰].

علامہ ابوبکر انباریؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے پورے قرآنِ کریم کو آسمان دنیا پر یکبار نازل فرمایا اور پھر آپ ﷺ پر تقریبا تیس سال کے عرصے میں نازل ہوتا رہا، کبھی پوری سورۃ بحسب ضرورت نازل ہوجاتی۔ اور کبھی استفسار کرنے والوں کے جوابات نازل ہوجاتے اور ساتھ ساتھ جبریل علیہ السلام اُن مواضع کی نشاندہی بھی فرماتے جہاں پر اُن کو شامل کرنا ہوتا تھا۔ پس قرآنی سورتوں کی ترتیب آیات اور حروف کی ترتیب کی مانند ہے، یعنی جس طرح آیات کی ترتیب رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق ہے۔ توبعینہ اسی طرح سورتوں کو بھی ان کے حکم کے مطابق ترتیب دی گئی ہیں۔ تو جس نے کسی سورۃ کو مقدم یا موخر کیا تو گویا اس نے قرآنِ کریم کی ترتیب کو فاسد کر دیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ سورتوں کی ترتیب بھی توقیفی ہے اور یہی قول راجح ہے۔ اور علامہ طیبیؒ، علامہ ابوجعفر النحاسؒ، علامہ ابن الحصارؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا بھی یہی نقطہ نظر ہے۔ مزید تفصیل کیلئے دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۲۴-۱۲۶، أسرار ترتیب سُور القرآن للسیوطی: ۹-۱۵، البرہان للزرکشی: ۱/ ۲۵۸، نظم الدرر لشیخنا المحقق قاضی عصمت اللہ حفظہ اللہ: ۳۰-۳۵ .

(۱) دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۰۶.

(۲) مشائخ شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ مراد ہے، جن مختصر ترجمہ یہ ہے۔ آپ کے والد کا نام ملک فیروز خان بن ملک ستار خان تھا ۱۹۰۴ء کو دریا نامی گاؤں نزد حضرو علاقہ چھچھ ضلع اٹک میں پیدا ہوئے جامعہ اسلامیہ ڈابھیل دیوبند کے فاضل اور شیخ المشائخ حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردِ خاص تھے اور ساری زندگی توحید وسنت کی اشاعت اور شرک وبدعت کی تردید میں صرف کی، ۲۶ مئی ۱۹۸۰ء کو متحدہ عرب امارات میں وفات پائی اور ۲۸ مئی کو راولپنڈی میں انکی نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ اور اسی روز اٹک میں دفن کیے گئے۔ انکی تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے حیاتِ شیخ القرآن لمولانا عبدالمعبود، سوانح شیخ القرآن، میاں محمد الیاس۔

اور شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہر رحمۃ اللہ مراد ہے، جن کا مختصر ترجمہ یہ ہے۔ آپ کے والد کا نام غلام نبی بن آصف خان تھا ۱۹۱۶ء کو پنج پیر ضلع صوابی میں پیدا ہوئے دارالعلوم دیوبند کے فاضل اور شیخ المشائخ حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذِ خاص تھے اور امام الانقلاب =

حاصل تھی۔وہ ہر سورت کی ابتداء میں چند اصول وضوابط بیان فرمایا کرتے تھے تاکہ سورۃ کے جملہ مباحث کو بآسانی ضبط کیا جا سکے اور افادہ واستفادہ کو حقیقی معنوں میں ممکن بنایا جا سکے۔وہ اصول درج ذیل ہیں:۔

١۔ ربط السورة بماقبلها . ٢۔ دعوى السورة . ٣۔ خلاصة السورة. ٤۔ امتيازات السورة . ٥۔ مشكلات السورة .

سورہ فاتحہ قرآن کریم کی سب سے پہلی سورت ہے،اس سے پہلے کوئی سورت نہیں،اس لئے اس کا ربط ومناسبت تو ماقبل سے نہیں ہوسکتا،اس کے بجائے فضیلۃ السورۃ (سورۃ فاتحہ کی فضیلت) کو بیان کی جائیگی۔

سورۃ فاتحہ کی فضیلت:

سورہ فاتحہ کی فضیلت کے لئے یہی کافی ہے کہ رب العزت نے اپنے کلام پاک کی ابتداء اسی سورت سے فرمائی۔علاوہ ازیں اسکی فضیلت کے متعلق متعدد روایات مروی ہیں، چنانچہ مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ جس قدر کثرت سے سورہ فاتحہ کی فضیلت کے بارے میں روایات منقول ہیں تو اتنی روایات کسی دوسری سورت کے متعلق مروی نہیں، چنانچہ شیخ القرآن علیہ الغفر ان نے اپنی مایہ ناز کتاب سمط الدرر في ربط الآيات والسور :(٢ – ٣) میں چند روایات ذکر کی ہیں،جنہیں یہاں پر بیان کیا جاتا ہے۔

پہلی روایت: قال النبي ﷺ: لم ينزل في التوراة ولا في الإنجيل ولا في الزبور ولا في الفرقان

======================

= حضرت مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ کے جید تلامذہ میں ان کا شمار ہوتا ہے اور زندگی بھر خلق خدا کو توحید باری تعالی اور سنت مصطفی ﷺ سے آشنا کیا اور شرک وبدعت کی تردید میں سیف بے نیام تھے، ٢٩ مارچ ١٩٨٧ء کو وفات پائی اور اپنے آبائی گاؤں پنج پیر میں سُپردِ خاک کر دیئے گئے۔تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے تسكين الخاطر للعلامة خان بادشاه حفظه الله ، أيها المسلمون في مشارق الارض و مغاربها لشيخنا سلطان غني عارف الشهيد رحمه الله ، شیخ القرآن پنج پیر افکار وآثار ،محمد مطہر، بقیۃ الآثار من حیات المستعار۔

تنبیہ: اکثر فضلاء کرام مشائخ کو مشائخ ''ی'' کے بجائے ہمزہ پڑھتے ہیں،حالانکہ یہ درست نہیں،کیونکہ علم صرف کا ضابطہ ہے کہ ہر حرف علت جو الف مفاعل کے بعد واقع ہو،اسکو ہمزہ سے بدلنا واجب ہے حرفِ علت زائد کو مطلقاً اور حرفِ اصلیہ کو اس شرط کے ساتھ کہ الف مفاعل سے پہلے بھی حرفِ علت ہو۔اور اگر پہلے حرفِ علت نہ ہو تو اسکو ہمزہ سے بدلنا منع ہے۔اور مشائخ میں الف مفاعل کے بعد حرف اصلی ہے اور اس سے پہلے حرفِ علت نہیں تو اس کو ہمزہ سے بدلا کر مشائخ پڑھنا جائز نہیں۔مزید تفصیل کیلئے دیکھئے هامش الجرح والتعديل لشيخ عبدالفتاح ابي غدةؒ : ٤٦ ، ٤٧ .

مثلها . (١)

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ سورۃ فاتحہ جیسی سورت نہ تو تورات وانجیل اور زبور میں اور نہ ہی خود قرآنِ کریم میں نازل ہوئی ہیں۔یعنی سورہ فاتحہ اپنی مثل آپ ہے۔

دوسری روایت: عن أبی سعید بن المعلی رضی الله عنه من الحدیث الطول : قال ألا أعلمك أعظم سورة فی القرآن قبل أن تخرج من المسجد، فأخذ بیدی فلما أردنا أن نخرج قلت: یا رسول الله! إنك قلت: لأعلمنك أعظم سورة من القرآن قال: الحمد لله رب العالمین، هی السبع المثانی والقرآن العظیم الذی أوتیته . (٢)

حضرت ابوسعید بن المعلی رضی اللہ عنہ کی طویل حدیث ہے.....کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ مجھے ارشاد فرمایا کیا میں آپ کو قرآنِ کریم کی سب سے افضل سورت نہ بتاؤں؟قبل اس سے کہ آپ اس مسجد سے نکل جائیں۔اور میرے ہاتھ کو پکڑا۔ جب رسول اللہ ﷺ نے مسجد سے نکلنے کا ارادہ کیا تو میں نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ آپ نے مجھے ارشاد فرمایا تھا کہ میں آپ کو قرآنِ کریم کی عظیم الشان سورت بتاؤں گا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ "الحمد لله رب العالمین" ہے۔اور یہی سبع مثانی ہے اور یہی وہ قرآنِ عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

تیسری روایت: عن أبی هریرة رضی الله عنه أن رسول الله صلی الله علیه و سلم قال لأبی ابن کعب : ألا أعلمنك سورة ما أنزل فی التوراة، ولا فی الإنجیل، ولا فی الزبور، ولا فی الفرآن مثلها ؛ فإنی أرجوا أن لا تخرج من هذا الباب حتی تعلمها ، وقال فیه :کیف تقرأ فی الصلاة ؟ فقرأت أم القرآن فقال: والذی نفسی بیده مـــا أنزل فی التوراة، ولا فی الإنجیل، ولا فی الزبــور، ولا فی الفرآن مثلها، وإنهـــــا سبع من

==========================

(١) أخرجه الترمذی، باب فضل فاتحة الکتاب:١٥٥/٥، رقم : ٢٨٧٥ ، و الدارمی، باب فضل فاتحة الکتاب:٥٣٨/٢، رقم : ٣٣٧٣، وأحمد:٣٥٧/٢، ٤١٢/٢، رقم : ٨٦٦٧ ، ٩٣٣٤.

(٢) أخرجه البخاری، باب ما جاء فی الفاتحة:١٦٢٣/٤، رقم : ٤٢٠٤، وأبوداؤد، باب فاتحة الکتاب:٤٦٢/١، رقم:١٤٦٠ والنسائی:١٣٩/٢، رقم : ٩١٣، وأحمد :٢١١/٤، ٤٥٠/٣، رقم : ١٧٨٨٤، ١٥٧٦٨.

الثماني، والقرآن العظيم الذی أعطيته .(۱)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہین کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت اُبّی ابن کعب رضی اللہ عنہ کوارشاد فرمایا کہ کیا میں تجھے ایسی سورت نہ بتاؤں؟ کہ تورات، انجیل، زبور اور قرآن میں ایسی سورت نازل نہیں ہوچکی ہے۔ اور مجھے اُمید ہے کہ اس دروازے سے نکلنے سے پہلے آپ کو سکھادوں گا....تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم نماز میں کس سورت کو پڑھتے ہو؟ میں (سورہ فاتحہ) اُم القرآن پڑھ کر سنائی۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اس ذات پاک کی قسم! جس کے قبضے میں میری جان ہے کہ اس جیسی سورت نہ تو تورات وانجیل اور نہ زبور اور نہ ہی خود قرآن میں نازل ہوئی ہے اور وہ سبع مثانی (وہ سورت جو سات آیات پر مشتمل ہے) ہے اور وہ یہی قرآن عظیم ہے جو مجھے عطا کیا گیا ہے۔

چوتھی روایت: وروی البيهقی فی شعب الايمان باسناد الی الحسن قال: أنزل الله تعالی مائة وأربعة كتب، أودع علومها أربعة منها: التوراة، والإنجيل، والزبور، والفرقان، ثم أودع علوم التوراة، والإنجيل والزبور والفرقان، ثم أودع علوم القرآن المفصل، ثم أودع علوم المفصل فاتحة الكتاب، فمن علم تفسيرها كان كمن علم تفسير جميع الكتب المنزلة.(۲)

امام بیہقیؒ (۱) شعب الایمان میں حضرت حسن بصریؒ (۲) سے باسند روایت کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے ایک سو چار کتابیں نازل فرمائیں۔ اور ان تمام کے علوم کو چار کتابوں میں جمع فرمایا، یعنی تورات، انجیل، زبور اور فرقان (قرآنِ کریم) اور پھر تمام کتبِ سماویہ کے علوم فرقان میں اور فرقان کے جملہ علوم مفصلات میں اور مفصلات کے تمام علوم فاتحۃ الکتاب میں جمع فرمائے تو پس جس نے فاتحۃ الکتاب کو سیکھا۔ تو اس نے تمام نازل شدہ کتابوں کے علوم کو حاصل کر لیئے۔

---

(۱) أخرجه الترمذی، باب فاتحة الكتاب:۱۵۵/۵، رقم: ۲۸۷۵، والبيهقی فی السنن الكبری: باب تعيين القراءة المطلقة فيمارويناباالفاتحة:۲۷۵/۲، رقم: ۳۷۶۹، والبغوی فی شرح السنة: باب فضل تلاوة القرآن :۳۳۹/۲ .

(۲) أخرجه البيهقی فی شعب الايمان:۴۵۰/۲، رقم: ۲۳۱۷، وأورده السيوطی فی الاتقان : ۲ / ۳۱۰.

سورہ فاتحہ تمام کتب سماویہ کا مرجع کیوں؟

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ آسمان سے نازل شدہ کتابوں کی تعداد ایک سو چار ہیں، جن میں چار بڑی بڑی کتابیں تورات جو کہ حضرت موسی علیہ السلام پر، انجیل حضرت عیسی علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر اور قرآنِ مجید رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوئی ہے اور اس کے علاوہ باقی صحائف تھے جنہیں صُحُف الانبیاء علیہم السلام کہا جاتا ہے، جن میں پچاس صحیفے حضرت شیث علیہ السلام پر، دس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر، تیس حضرت ادریس علیہ السلام پر اور دس حضرت موسی علیہ السلام پر تورات کے نُزول سے قبل نازل ہوئی تھیں.. ان تمام کتبِ سماویہ کا مرجع سورۃ فاتحہ ہے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

"وفي حديث أبي ذر قال قلت: يا رسول الله كم كتابا أنزل الله قال: مائة كتاب وأربعة كتب ،أنزل الله على شيث خمسين صحيفة، وعلى أخنوخ (ادريس عليه السلام) ثلاثين صحيفة، وعلى إبراهيم عشر صحائف، وأنزل على موسى قبل التوراة عشر صحائف، وأنزل التوراة والانجيل والزبور والفرقان." (۳)

اُسمائے سورۃ فاتحہ:

سورہ فاتحہ کے متعدد نام ہیں اور کہ کسی شئی کے لیے متعدد ناموں کا ہونا یہ اس کی فضیلت اور عظمت کی علامت ہوتی ہے، کیونکہ یہ اُصول مسلم ہے۔" كثرة الأسماء تدل على شرافة المسمى ". مفسرین کرامؒ سورہ فاتحہ کے ناموں کی تعداد کے بارے میں بھی مختلف نظر آتے ہیں امام فخر الدین رازیؒ (۴)...

=====================

(۱) نام ابو بکر احمد ابن الحسین بن علی بن موسی الخراسانی البیہقی بیہق کے باشندے تھے جو نیسابور کا ایک قریہ ہے شعبان ۳۸۴ھ کو پیدا ہوئے، حدیث اور فقہ کے امام تھے جمادی الاولی ۴۵۸ھ کو وفات پائی۔ (سیر أعلام النبلاء :۱۸/۱۶۳، تذکرۃ الحفاظ :۳/۱۱۳۲ ،الوافی بالوفیات:۶/ ۲۱۹).

(۲) نام الحسن بن یسار البصری ابو سعید، ۲۱ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اہل بصرہ کے امام اپنے زمانے کے مشہور بزرگ، تابعی اور فقہی تھے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں خراسان کے وزیر مقرر ہوئے اور بصرہ میں رہائش تھی، ۱۱۰ھ کو بصرہ میں وفات پائی۔ (الاصابۃ: ۲/۷۰۷ ،تذکرۃ الحفاظ: ۱/۷۱ ، تہذیب التہذیب:۲/۲۳۱ ، الأعلام للزرکلی : ۲/۲۲۶).

(۳) تفسیر قرطبی :۱/۱۸۰ ، تفسیر ابن کثیر: ۱/۵۸۷ ، تفسیر روح المعانی: ۳۰/ ۱۱۱.

(۴) نام ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن الحسن بن الحسین التیمی الرازی، فخر الدین کے لقب سے معروف تھے ۵۴۴ھ کو ری میں پیدا ہوئے اسی نسبت سے رازی کہلاتے ہیں، تفسیر، علم کلام، فلسفہ، علم اصول کے امام تھے ۶۰۶ھ کو وفات پائی۔ (طبقات المفسرین للسیوطیؒ: ۱/۱۱۵، طبقات الشافعیۃ الکبری: ۸/۸۱، نیل السائرین لشیخ شیوخنا: العلامۃ محمد طاہر: ۲۳۵).

نے تفسیر کبیر میں بارہ (۱)، قاضی بیضاویؒ (۲) نے دس (۳)، علامہ سید محمود آلوسیؒ (۴) نے روح المعانی میں بائیس (۵)، علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان میں پچیس (۶)، علامہ مجد الدین محمد بن یعقوب فیروز آبادیؒ نے بصائر ذوی التمیز میں تیس (۷) اور شیخ القرآن علیہ الغفر ان نے سمط الدرر میں تیرہ ناموں کا (۸) تذکرہ فرمایا ہے، ان میں ہر ایک نام کی وجہ تسمیہ اور لازماً ایک معنی ہوتا ہے، ہم چند اسماء بمع وجہ تسمیہ ذکر کرتے ہیں۔

۱......سورۃ فاتحہ:

مفسرین کرامؒ سے اس کی وجہ تسمیہ میں متعدد اقوال منقول ہیں (۹)۔

پہلا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ فاتحہ کا معنی "ما یفتح به الشئی." یعنی جس سے کسی چیز کی ابتداء کی جائے اور چونکہ اسی سورت سے بھی قرآنِ مجید، نماز اور قراءت وغیرہ کی ابتداء کی جاتی ہے، لہذا اسے بھی فاتحہ کہا جاتا ہے، مفسر جلیل امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ "سمیت بذلك الاسم ؛ لأنه يفتتح بها فی المصاحف والتعليم والقراء ة فی الصلاة." (۱۰).

دوسرا قول: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ فاتحہ "فَتَحَ" سے ماخوذ ہے بمعنی کشادن (کھولنا) اور یہ ظاہری بات ہے کہ جب قاری قرآن تلاوت کی غرض سے قرآنِ پاک کھولتا ہے تو اس کا سامنا اسی سورت سے ہوتا ہے۔ اور اس سورت کو سیکھنے سے آدمی پر تمام علوم قرآنیہ کا دروازہ کھل جاتا ہے، کیونکہ تمام علوم قرآنیہ کا اجمالی خلاصہ سورہ فاتحہ میں مذکور ہے۔

======================

(۱) دیکھئے تفسیر کبیر: ۱/۱۴۴-۱۴۷ .

(۲) نام عبداللہ بن عمر بن محمد بن علی ناصر الدین ابوالخیر، شیراز کے قریب بیضاء نامی بستی میں پیدا ہوئے کچھ عرصہ شیراز میں منصب قاضی القضاۃ پر فائز رہے اکثر علوم میں مہارت حاصل تھی ۶۸۵ھ کو تبریز میں وفات پائی (طبقات المفسرین للداوی: ۱/۲۵۴، نیل السائرین: ۲۵۷).

(۳) دیکھئے تفسیر بیضاوی : ۱/۱۳-۱۶ .

(۴) نام شہاب الدین محمود ابن عبداللہ الحسینی البغدادی الحنفی ، ۱۲۱۷ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے ،تفسیر، حدیث اور فقہ میں مہارت تامہ حاصل تھی ، ۱۲۷۰ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ (ہدیۃ العارفین: ۶/۴۱۸، الأعلام للزرکلی : ۷/۱۷۶).

(۵) دیکھئے تفسیر روح المعانی: ۱/۳۶-۴۰ .

(۶) الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۰۶-۱۰۹ .

(۷) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز : ۸۸، **بصيرة فى الحمد.**

(۸) سمط الدرر فی ربط الآیات والسور: ۲.

(۹) دیکھئے تفسیر کبیر : ۱/۱۴۴، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری: ۱/۸۱، الاتقان للسیوطی : ۱/۱۰۶.

(۱۰) تفسیر کبیر : ۱/۱۴۴.

تیسرا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ کو فاتحہ اس لئے بھی کہا جاتا ہے کہ یہ آسمان سے پہلے نازل ہونے والی سورت ہے۔ "وقيل: لأنها أول سورة نزلت من السماء." لیکن یہ بات محلِ نظر ہے، مفسر جلیل علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ "ولا لأنها أول سورة نزلت كما قيل."(١).

۲۔...... سورة الحمد :

اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس کی ابتداء حمد باری تعالی سے ہوتی ہے، مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ "والسبب فيه أن أولها لفظ الحمد". (٢).

۳۔...... سورة الشكر :

اس لئے کہ اس میں اللہ تعالی کے انعامات واحسانات کا شکر یہ ادا کیا جاتا ہے، ایک حدیث میں آتا ہے۔ "اذا قلتَ الحمد لله ربّ العالمين فقد شكرتَ الله."(٣) یعنی نعمت کے حصول کے بعد الحمد للہ کہنا نعمت پر شکر ادا کرنے کے مترادف ہے اور پھر نعمت عام ہے خواہ ظاہری نعمتیں ہوں یا باطنی۔

٤۔...... سورة تعليم المسئله:

دُعا کا طریقہ سکھانے والی سورت۔ کیونکہ اس سورت میں اللہ رب العزت سے مانگنے اور سوال کا طریقہ سکھایا گیا ہے کہ سب سے پہلے اللہ تعالی کی حمد وثناء اور صفات کا بیان ہے اور اسکے بعد اپنی بے بسی اور عاجزی کا اعتراف ہے اور پھر صراطِ مستقیم پر قائم ودائم رہنے کی التجاء وزاری کا بیان ہے۔

یہ نام شیخ المشائخ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ (۴) نے بلغۃ الحیران میں (۵) ذکر فرمایا ہے اور حضرت شیخ مرحوم نے

====================

(۱) روح المعانی: ۱/۳٦، الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۰٦ .

(۲) تفسیر کبیر: ۱/۱۴۴.

(۳) دیکھئے تفسیر طبری: ۱/۱۳٦، تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۳۰ .

(۴) شیخ المشائخ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ آپ کے والد کا نام حافظ محمد بن حافظ عبداللہ بن حافظ الیاس تھا ۱۸٦۷ء بمطابق ۱۲۸۳ھ کو واں بھچراں ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے دارالعلوم دیوبند کے مشاہیر فضلاء میں سے ہیں حضرت گنگوہیؒ اور حضرت مولانا مظہر نانوتویؒ کے مایہ ناز شاگرد اور خواجہ محمد عثمان دامانیؒ کے خلیفہ مجاز تھے، تفسیر، حدیث اور فقہ کے امام تھے توحید کے بیان میں سیفِ عریاں اور تمام مشرکانہ رسوم اور بدعات کے خلاف جبل الاستقامۃ اور کلمۃ الحق میں لایخافون لومۃ لائم کی شان کے حامل تھے ۲۵ جون ۱۹۴۴ء بمطابق ۴ رجب ۱۳٦۳ھ کو وفات پائی۔ تفصیلی حالات کیلئے دیکھئے نیل السائرین فی طبقات المفسرین: ۵۴۰-۵۴۲، واقامۃ البرہان: ۲-۱۲، وامام الموحدین مولانا حسین علی شخصیت، کردار۔

(۵) تسہیل بلغۃ الحیران: ۱/۸۲ .

جواہر القرآن (۱) میں بھی اس کا تذکرہ کیا ہے کہ سورہ فاتحہ میں بندوں کو سوال کی تعلیم دی گئی ہے اس لئے اس سے پہلے لفظ "قولوا" محذوف ہے اور پھر تعریفی اور دعائیہ جملوں کی ابتداء میں بھی "قولوا" محذوف ہے، مثلاً "قُولُوا: بِسمِ اللّٰهِ الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ نَستَعِينُ، قُولُوا: الحَمدُ للّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ، قُولُوا: الرَّحمنِ الرَّحِيم، قُولُوا: مَلِكِ يَومِ الدِّينِ، قُولُوا: إِيَّاكَ نَعبُدُ، قُولُوا: وإِيَّاكَ نَستَعِينُ، قُولُوا: اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ ." اسی وجہ سے اسے تعلیم المسئلہ کہا جاتا ہے۔

۵۔ ...... سورة الدعاء :

اس لئے کہ یہ اس دعا پر مشتمل ہے۔ " اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيم."

٦۔ ...... سورة الصلوة :

اس کہ نماز کی تکمیل وعدمِ تکمیل اس پر موقوف ہے اور یہ نماز کے لوازمات میں ہے، یہ مجاز مرسل تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیل سے ہے، مفسر جلیل علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "لتوقف الصلاة عليها۔ وقيل: إن من أسمائها الصلاة أيضاً؛ لحديث: قسمت الصلاة بيني وبين عبدي نصفين، أي السورة۔ قال المرسي: لأنها من لوازمها فهومن باب تسمية الشيء باسم لازمه."(۲)

۷۔...... سورة السبع المثاني :

" سبع " اس لئے کہتے ہیں کہ اس میں سات آیات ہیں اور " مثانی " کہنے کی کئی وجوہات ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں (۳)۔

پہلی وجہ: یہ سورت دو حصوں پر مشتمل ہے پہلے حصے میں اللہ تعالی کے ثناء وصفات کا بیان ہے اور دوسرے حصے میں اللہ تعالی کے عطاؤں اور نعمتوں کا تذکرہ ہے، اس لیے اسے سبع مثانی کہتے ہیں۔

دوسری وجہ: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ مثانی "تثنيه" سے ماخوذ ہے، بمعنی بار بار دُہرانا۔ اور یہ سورت بھی نماز کی ہر رکعت میں پڑھی جاتی ہے۔ اس کی تائید حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اس اثر سے ہوتی ہے کہ سبع مثانی سے مراد فاتحۃ الکتاب ہے، جو ہر رکعت میں بار بار دُہرائی جاتی ہے، مفسر جلیل علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "ويحتمل أن يكون من التثنية قيل: لأنها تثنى في كل

======================

(۱) تفسیر جواہر القرآن: ۳/۱ .

(۲) دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۱۰۸، تفسیر کبیر للرازی: ۱/۱۷۶ .

(۳) الاتقان فی علوم القرآن: ۱/۱۰۷-۱۰۸، تفسیر روح المعانی: ۱۴/۷۸-۷۹، تفسیر بغوی: ۴/۳۹۰-۳۹۱، تفسیر زاد المسیر: ۴/۴۱۳-۴۱۴.

ركعة، ويقويه ما أخرجه ابن جرير بسند حسن عن عمر قال: السبع المثاني: فاتحة الكتاب تثنى في كل ركعة."(۱)

تیسری وجہ: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ مثانی" الثُـنيـا" سے ماخوذ ہے، جس کا معنی مستثنیٰ کرنے کے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سورت کے نزول سے تمام اُمم سابقہ کو مستثنیٰ فرمایا ہے اور یہ صرف اُمت محمدی ﷺ کی خصوصیت ہے، مفسر جلیل علامہ ابو الحسن علی بن محمد خازنؒ (۲) فرماتے ہیں۔ "قال مجاهد: لأن الله سبحانه وتعالى استثناها وادخرها لهذه الأمة فلم يعطها لغيرهم."(۳)

امام فخر الدین رازیؒ نے اس کی ایک دوسری وجہ بیان فرمائی ہے کہ تمام کتبِ سماویہ کو اس کی نزول سے مستثنیٰ کر دیا گیا، چنانچہ اسی وجہ سے آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "والذی نفسی بیده ما أنزل فی التوراة ولا فی الإنجيل ولا فی الزبور ولا فی الفرآن مثلها وإنها سبع من الثمانی والقرآن العظيم الذی أعطيته."(٤)

چوتھی وجہ: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ مثانی ''ثناء'' سے ماخوذ ہے، بمعنی تعریف وثناء کرنا۔ اور اس سورت میں بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف وثناء کا تذکرہ ہے۔

پانچویں وجہ: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہ سورت دو مرتبہ نازل ہو چکی ہے، ایک مرتبہ مکہ مکرمہ میں اور دوسری مرتبہ مدینہ منورہ میں تو اسی وجہ سے اسے مثانی کہا جاتا ہے، مفسر جلیل علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ " لأنه نزلت مرتين مرة بمكة ومرة بالمدينة." (٥)

۸۔...... سورة الكنز :

کنز خزانہ دفینہ، یعنی وہ خزانہ جس کو زمین میں دفن کیا گیا ہو اور چونکہ اس سورت میں بھی تمام علوم قرآنیہ کا خزانہ پوشیدہ ہے جیسا کہ ماقبل روایت میں گزر چکا ہے۔ "والذی نفسی بیده ما أنزل فی التوراة ول فی الإنجيل ولا فی الزبور ولا

---

(۱) الاتقان فی علوم القرآن: ۱/ ۱۰۷-۱۰۸ .

(۲) نام ابوالحسن علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر ۶۷۸ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے دمشق میں ایک مکتبہ کے امین تھے اسی وجہ سے خازن کہلاتے ہیں ۷۴۱ھ کو حلب میں وفات پائی۔ (طبقات الشافعیۃ الکبریٰ: ۳/۴۲، الدرر الکامنۃ فی أعیان المائۃ الثامنۃ: ۴/ ۱۱۵-۱۱۶، الأعلام: ۵/۵).

(۳) دیکھئے تفسیر خازن: ۱/ ۱۵، تفسیر روح المعانی: ۱۴/ ۷۹، تفسیر قرطبی: ۱/ ۱۱۲ .

(۴) تفسیر کبیر للرازی: ۱/ ۱۵۸.

(۵) تفسیر روح المعانی: ۱۴/ ۷۹.

فی القرآن مثلها ". ایسی کوئی سورت اُمم سابقہ کو عطا نہیں ہوئی۔اوراسی طرح حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں بھی اس کو کنز کہا گیا ہے، چنانچہ سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

عن أنس عن النبی صلی الله علیه وسلم قال : إن الله أعطانی فیما من به علی أنی أعطیتك فاتحة الکتاب وهی کنز من کنوز عرشی (١).

اللہ تعالی نے مجھ پر جو بے پناہ احسانات وانعامات فرمائیں ہیں ان میں سے ایک فاتحۃ الکتاب (سورہ فاتحہ) ہے اور یہ اللہ تعالی کے عرش کے خزانوں میں سے ایک پوشیدہ خزانہ ہے۔

٩......سورة أساس القرآن :

اساس بمعنی بنیاد کے آتا ہے جیسا کہ ارشاد باری ہے۔ "أَفَمَن أَسَّسَ بُنيَانَهُ عَلَى تَقوَى مِنَ اللَّهِ ..." (سورۃ التوبۃ :١٠٩) یہ سورت بھی قرآنِ کریم کی پہلی اور بنیادی سورت ہے کیونکہ تمام علوم قرآنیہ کا مرجع وماخذ یہی سورت ہے تو قرآن فہمی کے لئے اس سورت کا سمجھنا نہایت ضروری ہے کیونکہ جب کسی عمارت کی بنیاد کمزور ہو تو باقی عمارت بھی متزلزل ہوتی ہے اور اگر بنیاد مضبوط ہو تو باقی عمارت بھی مضبوط ہوتی ہے۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج   تا ثریا مے رود دیوار کج

نیز یہ قرآن کریم کے اہم مضامین ومطالب پر مشتمل ہے اور اس کی یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ ایمان کے بعد سب سے عظیم عبادت نماز ہے اور یہ سورت ہر ایک نماز میں تلاوت کی جاتی ہے، مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ "وفیه وجوه : الأول : أنها أول سورة من القرآن فهی کالأساس . الثانی : أنها مشتملة علی أشرف المطالب کما بیناه ، وذلك هو الأساس . الثالث : أن أشرف العبادات بعد الإیمان هو الصلاة، وهذه السورة مشتملة علی کل ما لا بدّ منه فی الإیمان والصلاة لا تتم إلا بها." (٢)

١٠۔...... سورة الشفاء :

اس میں سورت مبارکہ میں تمام امراضِ روحانیہ اور امراضِ جسمانیہ کا علاج مضمر ہے، ایک روایت میں آتا ہے۔ "فاتحة الکتاب شفاء من سم ." (٣) سورہ فاتحہ تمام امراض کیلئے شفاء ہے، خواہ امراض روحانیہ ہوں جیسے شرک وبدعت وغیرہ،

=======================

(١) أخرجه البیهقی فی شعب الایمان ، باب ذکر الفاتحة الکتاب: ٢/٤٤٨ ، رقم: ٢٣٦٣ .

(٢) تفسیر کبیر للرازی:١/١٥٨.

(٣) أخرجه الدارمی:٢/٥٣٨، رقم :٣٣٧٠، والبیهقی فی شعب الایمان :٥/٣٧٧، رقم : ٣٣٧٠، والبغوی فی شرح السنة: ٢/٣٤٠ .

چنانچہ ارشاد ہے۔ "يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَد جَاء تكُم مَّوعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُم وَشِفَاء لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحمَةٌ لِّلمُؤمِنِينَ." (سورۃ یونس:۵۷) اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "وَنُنَزِّلُ مِنَ القُرآنِ مَا هُوَشِفَاء وَرَحمَةٌ لِّلمُؤمِنِينَ وَلاَ يَزِيدُ الظَّالِمِينَ إَلاَّ خَسَارًا." (سورۃ بنی اسرائیل:۸۲) اوراسی طرح اس میں امراضِ جسمانیہ کا بھی علاج ہے، چنانچہ ایک موقعہ پر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نے ایک بچھو کے ڈسے ہوئے پر دم کیا تو تندرست ہوگئے۔ پھر انہوں نے یہ واقعہ رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورہ فاتحہ تمام بیماریوں کا علاج ہے۔

۱۱ ...... سورة الواقية:

بچانے والی سورت۔ پس جو آدمی ااس سورت کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ اس کے لیے جہنم کے عذاب سے بچاؤ کا ذریعہ بن جائے گی۔ اوراسی طرح جو آدمی اس سورت کے مقتضی اور مضامین کو خوب سمجھے تو وہ شرک وکفر اور بدعات کے دلدل میں پھنس جانے سے مامون ومحفوظ رہے گا۔

۱۲ ...... سورة الرقية :

دم والی سورت۔ اوراس سورت پر بھی جھاڑ پھونک دم وغیرہ بھی کیا جاتا ہے جیسا کہ ماقبل حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کے واقعہ میں ذکر کیا گیا کہ آپؓ اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ ایک سفر پر جا رہے تھے تو راستے میں ایک بستی کے قریب قیام فرمایا۔ اسی بستی کے سردار سانپ کے ڈسنے کی وجہ سے سخت مشکل میں مبتلا تھا۔ تو ان میں سے کسی ایک ساتھی نے سورہ فاتحہ پڑھ کر اس پر دم کیا جس سے وہ تکلیف ختم ہوئی۔ اب انہوں نے واپسی پر رسول اللہ ﷺ کو یہ واقعہ سنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تمہیں کیسے پتہ چلا کہ یہ رُقیہ ہے یعنی پڑھ کر پھونکنے والی سورت ہے؟(۱)

جھاڑ پھونک اور تعویذ کی شرعی حیثیت:

دم اور تعویذ جائز ہے بشرطیکہ الفاظ معلوم المعنی ہوں اور شرکیہ نہ ہوں اور نہ ہی ایسے الفاظ ہوں جن میں شرک کا وہم وشبہہ ہو۔ اور تعویذ دینے والا اور لینے والا اسکو مؤثر بالذات نہ سمجھیں، تو ان مذکورہ شرائط کیساتھ دم اور تعویذ کے جواز میں کوئی شبہ نہیں،

======================

(۱) أخرجه البخاری، باب فضل فاتحة الكتاب:۱۹۱۳/٤، رقم: ٤٧٢١، و مسلم، باب جواز أخذ الأجرة على الرقية بالقرآن:۲۰/۷، رقم:٥٨٦٣، ٥٨٦٥، وأبوداؤد، باب كيف الرقى:١٤/٤- رقم: ٣٩٠٠، والترمذی، باب ماجاء فی أخذ الأجر على التعويذ:٣٩٨/٤، رقم:٢٠٦٣، وأحمد:١٠/٣، رقم:١١٠٨٥، وابن حبان، كتاب الرقى والتمائم:٤٨٠/١٣، رقم:٦١١٣.

البتہ ایسے الفاظ ہوں جن کا معنی معلوم نہ ہو، یا اس میں غیر اللہ کی پُکار ہو اور یا الفاظِ موہمِ شرک ہوں اور یا اسکو مؤثر بالذات سمجھا جائے تو اس طرح کے دم اور تعویذ ناجائز اور حرام ہیں(۱)۔

۱۳...... سورة الوافية:

وافیہ کا معنی پوری ہونے والی سورت۔ اس لئے کہ اس میں پورا قرآنِ کریم مضامین کے اعتبار سے مذکور ہے اور اس کو "وافیہ" بایں معنی بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سورت تنصیف کو قبول نہیں کرتی، البتہ اس کے علاوہ جتنی بھی سورتیں ہیں، اگر ان کو نصف کر کے ایک رکعت میں اور نصف دوسری رکعت میں پڑھی جائے تو یہ جائز ہے، بخلاف سورہ فاتحہ کے۔ اس کو نصف کر کے ایک رکعت میں اور نصف دوسری رکعت میں پڑھنا جائز نہیں، نیز اس میں اللہ تعالی اور بندے کے حقوق کا بیان ہے، مفسر جلیل علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "كان سفيان بن عيينة يسميها به؛ لأنها وافية بما في القرآن من المعاني، قاله في الكشاف. وقال الثعلبي: لأنها لا تقبل التصنيف؛ فإن كل سورة من القرآن لو قرئ نصفها في كل ركعة، والنصف الثاني في أخرى لجاز بخلافها. وقال المرسي: لأنها جمعت بين ما لله وبين ما للعبد(۲).

۱٤...... سورة الكافية:

کافی ہونے والی سورت۔ اور یہ سورت بھی تمام علومِ قرآنیہ کے فہم کے لیے کافی ہے، اور اس کی دوسری یہ وجہ بھی بیان کی جاتی ہے کہ اگر کوئی اس سورت کے مقتضی پر عمل پیرا ہو جائے تو یہ اس کے نجات کے لیے کافی ہے اور یہ اسی طرح نماز کی صحت کے لیے بھی کافی ہے کہ اگر نماز میں صرف اس سورت کو پڑھا جائے تو نماز صحیح ہو جائے گی، بخلاف دیگر سورتوں کے۔ معروف عالم علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں۔ "لأنها تكفي في الصلاة عن غيرها ولا يكفي عنها غيرها." (۳).

=====================

(۱) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله : وقد أجمع العلماء على جواز الرقى عند اجتماع ثلاثة شروط: أن يكون بكلام الله تعالى أو بأسمائه وصفاته وباللسان العربي أو بما يعرف معناه من غيره وأن يعتقد أن الرقية لا تؤثر بذاتها بل بذات الله تعالى.
(فتح الباري، باب الرقى: ١٠ /١٩٥، و شرح النووي على صحيح مسلم ، باب الطب والمرض والرقى: ١٤ /١٦٨، و عمدة القاري، باب الرقى والقرآن والمعوذات :٢١ / ٢٦٢، و مرقاة المفاتيح ، باب الايمان بالقدر: ١ /٢٧٦، باب عيادة المريض : ٤ /١١، و فيض القدير: ١ / ٥٥٨، و تحفة الأحوذي، باب ما جاء في الرقية بالمعوذتين : ٦ /١٨٢، ومن أرادمزيد الاطلاع فلينظر: كتاب الرقى والطب للدكتورطارق الطوارى.

(۲) دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن:۱/ ۱۰۸، تفسیر ابن کثیر:۱/ ۹۷.

(۳) دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن:۱/ ۱۰۸، وسمط الدرر فی ربط الآیات والسور:۲، تفسیر ابن کثیر:۱/ ۹۷.

۱۵...... سورة التفويض:

سپرد کرنے والی سورت۔اوراس سورت میں بندہ تمام اوصافِ کمالیہ کواللہ تعالی کے سُپر دوحوالہ کرتا ہے کہ سب کچھ تیرا ہے اور تیری ہر چیز پر بادشاہی ہے اور اپنے نفس کو بھی اللہ تعالی کے حوالے کرتا ہے۔ "إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِينُ".

۱٦...... سورة المناجاة :

مناجات والی سورت۔اوراس میں بھی بندہ اپنے ربّ کیساتھ مناجات کرتا ہے کہ "الحَمدُ للّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ ، الرَّحمنِ الرَّحِيمِ، مَالِكِ يَومِ الدِّينِ، إيَّاكَ نَعبُدُ وإيَّاكَ نَستَعِينُ، اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ." اور یہ مناجات غایتِ خشوع اور استحضارِ قلب سے کیساتھ جاتی ہیں۔فقط الفاظ کے دُہرانے سے یہ روحانیت حاصل نہیں ہوتی۔

۱۷...... سورة فاتحة القرآن:

اس لئے کہ اس سے قرآنِ کریم کا آغاز اور افتتاح ہوتی ہے۔

۱۸...... سورة النور :

نور والی سورت۔اوراس کی تلاوت وتعلیم سے قلوب واذہان منور وروشن ہوتے ہیں اور ظاہری و باطنی دونوں طرح سے آدمی منور ہوجاتا ہے،یعنی نورِ ایمانی اور نورِ اعتقادی دونوں سے آدمی مالا مال ہوجاتا ہے۔ "لأن بتلاوتها و تعليمها القلوب والأذهان."

۱۹-۲۰۔ سورة أُم الكتاب ، أُم القرآن :

قرآن کریم کی اصل اور اساس۔اوراس سورت میں بھی پورے قرآنِ کریم کا اجمالی خلاصہ موجود ہے اور یہی سورت پورے قرآنِ کریم کا مرجع ہے،حضرت شیخ القرآن علیہ الغفران سمط الدرر میں اُم کا معنی کرتے ہیں۔ "معنى الأم : والعرب يسمون كل جامع أمر أو مقدم لأمر اذا كانت له توابع تتبعه أمام جامع أما." (١).

اہل عرب ہر جامع کام اور کام کی جڑ و بنیاد کوجس کی شاخیں اور اجزاء اس کے تابع ہوں"اُم" کہتے ہیں،چنانچہ "اُم الرأس" اُس جلد کو کہتے ہیں،جو دماغ کی جامع ہو۔لشکری جھنڈے اور نشان کو بھی جس کے نیچے اہل عسکر جمع ہوتے ہیں"اُم" کہتے ہیں۔اوراسی وجہ سے مکہ مکرمہ کو"اُم القری" کہا جاتا ہے کہ وہ ساری دنیا کی اصل ومبدء ہے اور تمام اہلِ دُنیا کا مرجع ہے،ارشاد ہے۔ "وَكَذَلِكَ أَوحَينَا إِلَيكَ قُرآنًا عَرَبِيًّا لِّتُنذِرَ أُمَّ القُرَى وَمَن حَولَهَا." (سورة الشوری:۷) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔

==================

(۱) دیکھئے سمط الدرر فی ربط الآیات والسور: ۲.

"إِنَّ أَوَّلَ بَيتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِى بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلعَالَمِينَ." (سورة ال عمران:۹۶)

نیز ماں کو بھی "اُم" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ مرجع الصبی ہوتی ہے اور اسی طرح زمین کو بھی "اُم" اس لئے کہا جاتا ہے کہ یہ مخلوقات کا اصل ومبدء ہے۔ مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ "والعرب تسمى كل جامع أمر أو مقدم لأمر إذا كانت له توابع تتبعه هو لها إمام جامع أُمًّا، فتقول للجلدة التى تجمع الدماغ أمّ الرأس، ويسمون لواء الجيش ورايتهم التى يجتمعون تحتها أُمًّا... قال: وسميت مكة: أم القرى لتقدمها أمام جميعها وجمعها ما سواها. وقيل: لأن الأرض دحيت منها."(۲).

الغرض سورۃ فاتحہ تمام علومِ قرآنیہ کا مرجع ومبدء ہے کیونکہ یہ قرآنِ کریم کے اہم مضامین توحید، رسالت، صداقت الکتاب، ایمان بالاخرۃ، تذکرہ فرق (منعوم علیہم، مغضوب علیہم، ضآلین) اور تخویف وتبشیر پر مشتمل ہے تو اسی وجہ سے اس کو اُم الکتاب، اُم القرآن کہا جاتا ہے، ذیل میں اس کی قدرے تفصیل کی جاتی ہے۔

سورہ فاتحہ علومِ قرآنیہ کا مرجع کیوں؟

مفسرین کرامؒ نے اس کی متعدد وجوہات بیان کیے ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

وجہ اول: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ وہ علوم جن کے اُوپر قرآنِ کریم اور تمام ادیانِ سماویہ کا دارومدار ہے وہ چار ہیں۔

۱۔ علم الأصول ۔ ۲۔ علم العبادات. ۳۔ علم السلوک ۔ ۴۔ علم القصص ۔

۱۔ **علم الأصول:** اس کے اہم تین شعبے ہیں۔ ۱۔ معرفة الله و صفاته ۔ ۲۔ معرفة النبوات ۔ ۳۔ معرفة المعاد.

یہ تینوں مضامین سورہ فاتحہ میں اجمالاً مذکور ہیں، چنانچہ معرفۃ اللہ وصفاتہ کا بیان "الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ الرَّحمنِ الرَّحِيمِ مَلِكِ يَومِ الدِّينِ." **میں، معرفۃ النبوات کا بیان** "اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِم." **میں، اور معرفۃ المعاد کا تذکرہ** "مَالِكِ يَومِ الدِّين." **میں کیا گیا ہے۔**

۲۔ **علم العبادات:** اس کو " إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِينُ ." **میں بیان کیا گیا ہے۔**

۳۔ **علم السلوک:** "هو حمل النفس على آداب الشرعية ، و الانقياد لرب البرية ." **یعنی نفس کو آدابِ شرعیہ سے سنوارنا اور ربّ العزت کے دربار میں سرِ تسلیم خم کرنا۔ اس کا بیان** "إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِين اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ" **میں کیا گیا ہے۔**

====================

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۱/۹۷، تفسیر طبری: ۱/۱۰۷ .

۴۔ **علم القصص:** علم القصص سے مراد اُمم سابقہ کے احوال اور قُرونِ ماضیہ کے اخبار ہیں۔اس کا تذکرہ "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِم غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّالين." میں کیا گیا ہے، چونکہ یہ تمام علوم سورہ فاتحہ میں مذکور ہیں اسی وجہ سے اس کو "أُم الكتاب" یا "أُم القرآن" کہا جاتا ہے(۱)۔

وجه دوم: امام ابوعبداللہ المازری (۲) رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم تین بنیادی مضامین بیان کرتا ہے۔

١۔ القصص . ٢۔ الأحكام . ٣۔ أوصاف الله.

اس میں سورت میں یہ تینوں مضامین اجمالا مذکور ہیں، چنانچہ باری تعالی کے صفات کا بیان "الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ الرَّحمنِ الرَّحِيمِ مَلِكِ يَومِ الدِّين." میں، احکام کا تذکرہ "إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِين". اور قصص کا بیان "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِم غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّالِّينَ". میں کیا گیا ہے۔اسی وجہ سے اس کو" أُم الكتاب أُم القرآن" کہا جاتا ہے(۳)۔

وجه سوم: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ آیاتِ قرآنیہ دو طرح کے احکام پر مشتمل ہیں۔

ا۔ علمی. ۲۔ عملی .

یہ دونوں قسم احکام سورہ فاتحہ میں مذکور ہیں، چنانچہ آیات علمیہ کا بیان "الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ الرَّحمنِ الرَّحِيمِ مَلِكِ يَومِ الدِّين." میں کیا گیا ہے کہ ان پر علم رکھنا ضروری ہے، اور "إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِين". سے لے کر آخرِ سورت تک آیاتِ عملیہ کا تذکرہ ہے، اسی وجہ اس کو "أُم الكتاب ، أُم القرآن" کہتے ہیں(۴)۔

وجه چهارم: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم تین اہم مضامین بیان فرماتے ہیں۔

ا۔ الأسماء والصفات . ۲۔ وعد ووعید. ۳۔ الأحكام.

یہ تینوں مضامین سورہ فاتحہ میں اجمالا مذکور ہیں، اسماء وصفات کا بیان "الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ الرَّحمنِ الرَّحِيمِ

=====================

(۱) دیکھئے سمط الدرر فی ربط الآیات والسور:۳-۴، الاتقان فی علوم القرآن:۲/ ۲۰۸.

(۲) نام محمد بن علی بن عمر التیمیمی المازری المالکی ابوعبداللہ،۴۵۳ھ کو مہدیہ (افریقہ) میں پیدا ہوئے، امام ابوعبداللہ کے نام سے مشہور ہوئے، محدث، حافظ، فقیہ، اصولی، متکلم اور ادیب تھے،۵۳۶ھ کو وفات پائی۔(الوافی بالوفیات:۴/۱۱۰، معجم المؤلفین:۱۱/۳۲، الأعلام:٦/ ۲۷۷).

(۳) سمط الدرر فی ربط الآیات والسور:۷ .

(۴) سمط الدرر فی ربط الآیات والسور: ٦.

(۵) سمط الدرر فی ربط الآیات والسور:۵-٦ .

مَلِكِ يَومِ الدِّين." میں۔وعدکا بیان "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِم." میں۔وعید کا تذکرہ "غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّالِّينَ." میں اور احکام کا بیان "إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِين." میں کیا گیا ہے۔اسی وجہ سے اس کو "اُم الکتاب اُم القرآن" کہتے ہیں(۵)۔

وجه پنجم: مفسر جلیل قاضی بیضاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید دوطرح کے احکام پر مشتمل ہے۔

۱۔ احکامِ نظریہ . ۲۔ احکامِ عملیہ.

سورت فاتحہ ان دونوں قسموں کے احکام پر مشتمل ہے۔واضح رہے کہ احکامِ نظریہ سے ادلہ مراد ہیں،اس وجہ سے اس کو "اُم الکتاب، اُم القرآن" کہا جاتا ہے(٦)۔

وجه ششم: امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں مقصودی واہم مضامین چار ہیں۔

۱۔ الالٰہیات . ۲۔ أحوال المعاد . ۳۔ النبوات . ۴۔ اثبات القضاء والقدر.

اور یہ چاروں مضامین سورہ فاتحہ میں مذکور ہیں،چنانچہ الٰہیات کا بیان **الحَمدُ للّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ الرَّحمٰنِ الرَّحِيم.** میں۔معاد کا بیان **مَالِكِ يَومِ الدِّين.** میں۔اثبات القضاء والقدر کا بیان **إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِين.** میں۔اور نبوات کا بیان **اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ .** میں کیا گیا ہے،اسی وجہ سے **اُم الکتاب، اُم القرآن** کہا جاتا ہے۔(۱)

وجه هفتم: علامہ زمخشری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں تین اہم امور کا بیان ہے۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ثناء وصفات . ۲۔ وعد ووعید . ۳۔ اوامر ونواہی .

قرآنِ کریم کی کوئی سورت انکے بیان سے خالی نہیں اور یہ تینوں سورت فاتحہ میں اجمالا مذکور ہیں،تو اسی وجہ سے اسکو **اُم الکتاب۔ اُم القرآن** کہا جاتا ہے۔(۲)

وجه هشتم: شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ(۳) فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں چھے اہم مضامین بیان کیے

========================

(۴) سمط الدرر: ۸، والاتقان للسیوطی:۲/۳۱۰، وأسرار ترتیب سور القرآن: ۱۸ .

(۱) سمط الدرر فی ربط الآیات والسور: ۷، والاتقان للسیوطی:۲/۳۱۰، وتفسیر کبیر للرازی :۱/۱۱۴.

(۲) سمط الدرر فی ربط الآیات والسور:۸، والاتقان للسیوطی:۲/۳۱۰..

(۳) شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ: نام شبیر احمد بن فضل الرحمٰن،۱۰محرم الحرام۱۳۰۵ھ کو بجنور میں پیدا ہوئے،شیخ الہندؒ کے تلمیذ خاص تھے دارالعلوم دیوبند اور جامعہ اسلامیہ ڈابھیل میں عرصہ دراز تک شیخ الحدیث کے منصب پر فائز رہے،۲۱صفر۱۳۶۹ھ بروز منگل وفات پائی۔(مقدمہ فتح الملہم).

گئے ہیں۔

۱۔ توحید . ۲۔ رسالت . ۳۔ احکام . ۴۔ قیامت . ۵۔ ماننے والوں کا بیان. ۶۔ نہ ماننے والوں کے احوال.

سورہ فاتحہ میں یہ تمام مضامین اجمالا مذکور ہیں، چنانچہ توحید کا بیان "الحَمدُ للّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ الرَّحمنِ الرَّحِيمِ." میں۔ قیامت کا بیان "مَالِكِ يَومِ الدِّينِ." میں۔احکام کا تذکرہ "إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِين، اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيم." میں کیا گیا ہے اور واضح رہے کہ " الصِّرَاطَ المُستَقِيم "سے مراد احکام شریعت ہیں اور "صِرَاطَ الَّذِينَ أَنعَمتَ عَلَيهِم." میں ایک طرف رسالت کا بیان ہے، کیونکہ منعم علیہم چار جماعتیں ہیں، جن میں انبیاء علیہم السلام سرِ فہرست ہیں، ارشادِ باری ہے۔ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنعَمَ اللَّهُ عَلَيهِم مِّنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاء وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا." .(سورۃ النساء :۶۹) اور دوسری طرف ماننے والوں کا بیان کے احکام کا بیان ہے کہ جن لوگوں نے اللہ تعالی کے توحید کے سامنے سرِ تسلیم کیا تو اُن کو ہر قسم کے انعامات واکرامات سے نوازا گیا......اور "غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلاَ الضَّالِّينَ ". میں نہ ماننے والوں کا ذکر ہے کہ جن لوگوں نے توحید باری تعالی کا انکار کیا تو وہ غضب خداوندی کے مستحق ٹھہرے اور گمراہ ہوئے تو اسی طرح یہ سورت پورے قرآنِ کریم کے مضامین کا خلاصہ ہے۔اس وجہ سے اس کو " اُم الکتاب اُم القرآن" کہا جاتا ہے(۱)۔

وجہ نھم: ہمارے مشائخ رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید مضامین کے اعتبار سے چار حصوں پر مشتمل ہے اور ہر ایک حصے کی ابتداء "الحمد لله" سے ہوتی ہے۔(۲)

حصہ اول : سورہ فاتحہ تا سورۃ الانعام۔اس میں زیادہ تر خالقیت کا بیان ہے کہ " الخالق لكل شئى هو الله." ساری مخلوقات اور ساری کائنات کو پیدا کرنے والی صرف اور صرف اللہ تعالی ہی کی ذات ہے، اس صفت میں کوئی اس کا ہمنوا نہیں۔

حصہ دوم: سورۃ الانعام تا سورۃ الکہف۔اس میں مرکزی مضمون "المربی لكل شئى هو الله" کا بیان ہے کہ ہر چیز کو پیدا کر کے اور حدِ کمال تک پہنچانے والا اور اس کی دیکھ بھال ونگرانی کرنے والا صرف اور صرف اللہ تعالی ہے، اس کے سوا کوئی نہیں۔

===================

(۱) دیکھئے تفسیر جواہرالقرآن: ۲/۱ .

(۲) سمط الدرر فی ربط الآیات والسور:۱۳، تفسیر جواہرالقرآن: ۲/۱، تسہیل بلغۃ الحیران: ۷۰/۱.

حصہ سوم : سورۃ الکہف تا سورۃ سبا۔اس میں مرکزی مضمون "المبارك فی كل شئی هو الله" برکات دہندہ اور تصرف کنندہ وہی ایک ذات ہے،اس کے سوا یہ قدرت کسی غیر کو حاصل نہیں۔

حصہ چھارم: سورہ سبا تا آخرِ قرآن۔ اس میں اہم مضامین کا بیان ہے۔ اثبات القیامۃ اور نفی شفاعت قہری۔ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے کوئی کسی کو بزور بازو نہیں چھڑوا سکتا ہے،حضرت شیخ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ مخلوقات سے اختیارات کی نفی کرنا کہ تمام اختیارات صرف اسی کیساتھ خاص ہیں اور اپنے اختیارات کسی کے حوالے نہیں کیے۔ اور کبھی حضرت شیخ مرحوم یوں فرمایا کرتے تھے کہ حصہ چہارم میں یہ مسئلہ بیان کیا جاتا ہے کہ تختِ شاہی پر خود متمکن ہے کسی کو ''ککھ''(قلیل تر چیز) بھی حوالے نہیں کیا۔

یہ چاروں مضامین پورے قرآنِ کریم پر محیط ہیں،چنانچہ حصہ اول میں پانچ سورتیں،حصہ دوم میں بارہ سورتیں،حصہ سوم میں سولہ سورتیں اور حصہ چہارم میں اکیاسی سورتیں مذکور ہیں اور یہی چاروں مضامین سورہ فاتحہ میں اجمالی طور پر ذکر ہیں۔

"الحَمدُ للّٰهِ " میں خالقیت کا بیان ہے،کیونکہ لفظِ "الله" سے وصف مشہور خالقیت مراد ہے۔ "الخالق لكل شئی هو الله." اور "رَبِّ العَالَمِينَ". میں حصہ دوم ربوبیت کا بیان ہے۔ "المربی لكل شئی هو الله" اور "الرَّحمنِ الرَّحِيم." میں حصہ سوم "المبارك لكل شئی هو الله". کا بیان ہے اور حصہ چہارم کو "مَالِكِ يَومِ الدِّينِ". میں بیان کیا گیا ہے جو دو اہم مضامین اثبات القیامۃ اور نفی شفاعت قہری پر مشتمل ہے اور کبھی حضرت شیخ مرحوم یوں تعبیر فرمایا کرتے تھے کہ حصہ چہارم میں دو اہم مضامین کا بیان ہے نفی شفاعتِ قہری اور مخلوقات سے عبادت کی نفی کرنا اور چنانچہ یہی وجہ ہے کہ حصہ چہارم میں دو سورتوں (سورہ سبا،سورہ فاطر) کی ابتداء " الحَمدُ للّٰه" . سے ہوتی ہے۔

واضح رہے کہ سورہ سبا مضمونِ اول نفی شفاعت قہری کے لئے مبدء ہے اور آیت نمبر۲۲ میں اس پر چار دلائل دیئے گئے ہیں۔ " قُلِ ادعُوا الَّذِينَ زَعَمتُم مِن دُونِ اللّٰهِ لَا يَملِكُونَ مِثقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمَاوَاتِ وَلَا فِي الأَرضِ وَمَا لَهُم فِيهِمَا مِن شِركٍ وَمَا لَهُ مِنهُم مِن ظَهِيرٍ . " یعنی وہ کسی چیز کے مالک وحصہ دار نہیں اور نہ ہی وہ ان کو شفاعت کی دعوت دی گئی ہے تو یہ مبدء ہوا اور سورۃ یٰس،سورۃ صفافات اور سورۃ ص اس پر متفرع ہیں کہ تم بزعمِ خود کہتے ہو کہ ہمارے معبود ہمیں چھڑوائیں گے۔ سورۃ یٰس میں اس زعمِ باطل کی تردید کردی کہ انطاکیہ نامی شہر کو میں نے تباہ کیا مجھ سے کوئی پوچھنے والا نہیں! اور سورۃ الصفافات میں فرمایا کہ وہ تو میرے محتاج اور میرے در کے سوالی ہیں اور میرے دربار میں عاجزی کرتے ہیں اور سورہ ص میں فرمایا۔ " اُبتِلُوا بِالمَصَائِبِ". دنیا میں وہ خود مصائب وتکالیف میں مبتلا ہوئے تھے تو وہ کسی کو کیا چھوڑا دیں گے؟؟؟

سورۃ فاطر مضمونِ دوم (مخلوقات سے عبادت واختیارات کی نفی کرنا) کے لئے مبدء ہے اور سورۃ الزمر اور حوامیم اس پر متفرع

ہیں۔(۱)

حضرت شیخ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ جی تو چاہتا ہے کہ یہ کہہ دوں کہ قرآنِ کریم باعتبار مضامین کے پانچ حصے ہیں کہ سورۃ محمد سے حصہ پنجم شروع ہوتا ہے، کیونکہ سورہ محمد سے مضامین پھر تبدیل ہوجاتے ہیں کہ سورہ محمد میں اعلانِ جہاد سورۃ الفتح میں بشارت، سورۃ الحجرات میں قوانین کا بیان ہے اور پھر سورۃ ق، سورۃ الذاریات سے اثباتِ قیامت کا مضمون شروع ہوجاتا ہے......لیکن میں یہ جرأت نہیں کرسکتا کیونکہ میرے شیخ رحمہ اللہ نے ایسا نہیں کیا۔ یہ آپ کا اپنے شیخ رحمہ اللہ پر اعتماد تھا۔ اور یہی ہمارے اکابرین کا شیوہ تھا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ قرآنِ کریم مضامین کے اعتبار سے چار حصے ہیں، حصہ اول میں پانچ سورتیں اور اس میں زیادہ تر خالقیت کا بیان ہے اور حصہ دوم میں بارہ سورتیں اور اس میں زیادہ تر ربوبیت کا بیان ہے اور حصہ سوم میں سولہ سورتیں اور اس میں "المبارك لكل شئى هو الله " کا بیان ہے۔ اور حصہ چہارم میں اکیاسی سورتیں اور اس میں دو اہم مضامین کا بیان ہے اثبات القیامۃ اور نفی شفاعت قہری اور یہ چاروں مضامین سورہ فاتحہ میں مذکور ہیں، اسی وجہ اسے ''اُم الکتاب اُم القرآن'' کہا جاتا ہے۔

وجہ دھم: علامہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے الاتقان فی علوم القرآن میں اور علامہ شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمہ اللہ(۲) نے تفسیر عزیزی میں حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت نقل فرماتے ہیں۔

وقال ابن عباس لكل شئ لباب ولباب القرآن الحواميم. (۳)

ہر چیز کا خلاصہ و مغز ہوتا ہے اور قرآنِ کریم کا خلاصہ و مغز حوامیم ہیں (سورۃ حم المؤمن، سورۃ حم السجدۃ، سورۃ حم الشوری، سورۃ حم الزحرف، سورۃ الدخان، سورۃ حم الجاثیہ، سورۃ حم الاحقاف) اور حوامیم سبعہ کا مبدء سورۃ الزمر ہے اور سورۃ الزمر کا دعوی " فَاعبُدِ اللَّهَ مُخلِصًا لَهُ الدِّينَ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الخَالِصُ ". یعنی خالص اللہ تعالی ہی کی عبادت کرو اور اور مشکلات وحاجات میں صرف اسی ہی کو پُکارو، اور سورۃ الزمر کا خلاصہ سورۃ فاتحہ کے " إِيَّاكَ نَعبُدُ". میں مذکور ہے اور حوامیم سبعہ کا خلاصہ "وإِيَّاكَ نَستَعِين ". میں بیان کیا گیا ہے(۴)

=====================

(۱) دیکھئے تفسیر جواہر القرآن: ۳/۱ .

(۲) نام عبدالعزیز بن ولی اللہ بن عبدالرحیم العمری الدہلوی، ۲۵ رمضان المبارک ۱۱۵۹ھ کو پیدا ہوئے، تفسیر، حدیث، فقہ، فلسفہ اور شعر وادب میں مہارت کاملہ حاصل تھی، ۱۲۳۹ھ کو وفات پائی۔(نزہۃ الخواطر: ۷/ ۲۷۵، الأعلام للزرکلی: ۱۴/۴)

(۳) دیکھئے الاتقان للسیوطی: ۴۱۱/۲، تفسیر روح المعانی :۳۹/۲۴، الدر المنثور للسیوطی: ۷/ ۲۶۸ .

(۴) دیکھئے ابن کثیر: ۱/ ۱۲۸، تفسیر جواہر القرآن: ۳/۱.

یہی مفہوم حافظ عماد الدین ابن کثیر رحمہ اللہ نے بھی بیان کیا ہے۔

قال بعض السلف: الفاتحة سر القرآن، وسرها هذه الكلمة: إِيَّاكَ نَعبُدُ وَإِيَّاكَ نَستَعِينُ(١).

اور یہی دو کلمات تمام دین الٰہی کا مرجع واصل ہے، مفسر جلیل علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

"والدين يرجع كله إلى هذين المعنيين."(٢)

یعنی تخصیص العبادۃ اور تخصیص الاستعانت۔ یہی مفہوم "بسم الله..." میں بھی مذکور ہے، بالفاظ دیگر سورۃ فاتحہ کا خلاصہ "بسم الله.." میں اجمالا ذکر ہے، کیونکہ مذکورہ چاروں مسائل سورۃ فاتحہ میں اجمالی طور پر بیان کیے گئے ہیں، چنانچہ مسئلہ اولی "الخالق لكل شئی هو الله" صراحتاً مذکور ہے، کیونکہ لفظِ "اللہ" سے وصف مشہور خالقیت مراد ہے اور مسئلہ ثانیہ "المربی لكل شئی هوالله "، ضمناً مذکور ہے کہ جب خالق وہی ہے تو تربیت کنندہ بھی وہی ہے، مسئلہ ثالثہ "المبارك فی كل شئی هوالله" کا تذکرہ "الرّحمن الرحيم" میں صراحتا اور مسئلہ رابعہ اشارۃ کیا گیا ہے، کہ بالآخر حساب کنندہ ذاتِ باری تعالی ہی ہے۔(۳)

"بسم الله" کا خلاصہ اس کے "ب" میں مذکور ہے اور "بسم الله" میں "ب" الصاق کے لیے ہے، الصاق کے معانی چمٹنے، پیوست ہونے کے ہیں (۴)، اب مفہوم یوں ہوگا کہ اپنے آپ کو اللہ تعالی کے قریب کرو، اس لیے کہ وہ ذات "الرّحمن الرّحيم" ہے، یہ بات مسلم ہے کہ اللہ تعالی کا قرب ایمان اور اعمال صالحہ کی بدولت حاصل ہوتا ہے، حدیث قدسی ہے۔

يقول الله تعالى: أنا عند ظن عبدی بی، وأنا معه إذا ذكرنی، فإن ذكرنی فی نفسه ذكرته فی نفسی، وإن ذكرنی فی ملأ ذكرته فی ملأ خير منهم، وإن تقرب إلی شبرا تقربت إليه ذراعا وإن تقرب إلی ذراعاتقربت إليه باعا وإن أتانی يمشی أتيته هرولة (٥).

اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ میں اپنے بندے کیساتھ اس کے گمان کے مطابق معاملہ کرتا ہوں اور میں

========================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۲۸ .

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۲۸ .

(۳) تسہیل بلغۃ الحیران: ۱/ ۷۲ .

(۴) تفسیر کبیر: ۱/ ۱۷، تفسیر بیضاوی: ۱/ ۱۲۷، معانی القرآن لأبی جعفر النحاس: ۱/ ۵۱ .

(٥) أخرجه البخاری، باب قول الله تعالى ويحذركم الله نفسه: ٢٦٩٤/٦، رقم: ٦٩٧٠. ومسلم، باب الحث على ذكر الله تعالى: ٢٠٦١/٤، رقم: ٦٩٨١، والترمذی، باب فی حسن الظن بالله عز و جل: ٥٨١/٥، رقم: ٣٦٠٣، وأحمد: ٤١٣/٢، رقم: ٩٣٤٠، وابن حبان: ٩٣/٣، رقم: ٨١١.

اس کیساتھ ہوتا ہوں جب وہ مجھے یاد کرتا ہے، اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرے تو میں بھی اُسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اگر وہ مجھے کسی مجلس میں یاد کرلیتا ہے میں اُسے اس سے بہتر مجلس میں یاد کرلیتا ہوں اور اگر وہ مجھے ایک بالشت قریب ہوتا ہے تو میں اُسے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہوں اور اگر وہ مجھے ایک ہاتھ قریب ہوتا ہے، تو میں اس کے دو ہاتھ قریب ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کے آتا ہے تو میں اسکی طرف دوڑ کے آتا ہوں۔

الغرض اللہ تعالی کا قرب ذکرِ الٰہی سے آتا ہے، یہی قربت مامور بہ ہے، ارشاد ہے۔ "وَاذکُرِ اسمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّل إِلَيهِ تَبتِيلًا ."(سورۃ المزمل:۸) اپنے آپ کو اللہ تعالی کے قریب کردو۔

"بسم الله" کے "ب" کی تحقیق:

محققین اہل علم کا نقطہ نظر یہ ہے کہ "بسم الله" **میں "ب" استعانت کے لیے ہے، یہی قول راجح ہے(۱) اب مفہوم یوں ہوگا** ۔ "بسم الله أستعين لا بما أشرك به الشركون ." **اِسے علم بدیع کی اصطلاح میں ادماج یا اندماج کہا جاتا ہے، یعنی کسی واقعہ یا قصے کے مقصودی حصے کو ذکر کر کے غیرِ مقصودی کو حذف کر دینا جو معمولی غور وفکر سے سمجھ میں آئے ۔(۲)**

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآنِ مجید کا خلاصہ "بسم الله "**کے** "ب" **میں ہے، اسی وجہ سے خلیفہ عادل عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ اپنے کاتبین کو حکم دیا کرتے تھے۔**

" طول الباء وأظهر السينات و دور الميم."(۳)

" بسم الله" **کی "ب" کو خوب لمبا لکھا کرو۔**

محدث کبیر مُلا علی قاری فرماتے ہیں۔

وقال بعضهم: جميع القرآن مجمل فى الفاتحة، وجميع الفاتحة فى البسملة، وجميع

==========================

(۱) قال العلامة الآلوسي رحمه الله: وعندى أن الإستعانة أولى بل يكاد أن تكون متعينة؛ إذ فيها من الأدب والإستكانة وإظهار العبودية ما ليس فى دعوى المصاحبة؛ ولأن فيها تلميحا من أول وهلة إلى إسقاط الحول والقوة ونفى إستقلال قدر العباد وتأثيرها، وهو إستفتاح لباب الرحمة وظفر بكنز لا حول ولا قوة إلا بالله؛ ولأن هذا المعنى أمس بقوله تعالى وإياك نستعين؛ ولأنه كالمتعين فى قوله: أقرأ بأسم ربك. (روح المعانى : ۱/۴۷).

(۲) دیکھئے تفسیر جواہر القرآن: ۱/۳، تسہیل بلغۃ الحیران :۱/۸۲ .

(۳) تفسیر الکشاف:۱/۵، تفسیر مدارک: ۱/۷، تفسیر روح المعانی:۱/۵۴.

البسملة فى بائها، وجميع بائها فى نقطتها، وكأنه أراد بالنقطة المعنى التوحيدى؛ ولذا قيل: العلم نقطة كثرهاالجاهلون أى صاروا سببا للكثرة حيث ما فهموا إجمالا(١).

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ سارے قرآنِ کریم کا خلاصہ سورۃ فاتحہ میں ہے اور سورۃ فاتحہ کے تمام علوم کا خلاصہ ''بسم اللہ'' میں ہے اور ''بسم اللہ'' کے تمام علوم کا خلاصہ اس کے ''ب'' میں ہے اور ''ب'' کا خلاصہ اس کے نقطہ میں ہے تو گویا کہ توحید باری تعالی اس نقطہ سے مستفاد ہے اسی وجہ سے تو یہ کہا گیا ہے کہ علم تو فقط ایک نقطہ تھا جس کو ناسمجھ لوگوں نے بسبب کثرتِ سوالات کے بڑھا دیا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ پورے قرآنِ مجید کا خلاصہ سورۃ فاتحہ میں اور سورۃ فاتحہ کا خلاصہ ''بسم اللہ'' میں اور ''بسم اللہ'' کا خلاصہ اس کے ''ب'' میں اور ''ب'' کا خلاصہ اس کے نقطہ میں مذکور ہے، اب ہم سورۃ فاتحہ کو شروع کرتے ہیں۔ سورۃ فاتحہ کا ربط ومناسبت تو ماقبل سے اس لیے نہیں ہوسکتا ہے کہ اس سے پہلے کوئی سورت نہیں اور اب ہم اس کے ترتیبِ نُزولی اور ترتیبِ مصحفی کے متعلق عرض کرتے ہیں۔

سورہ فاتحہ کی ترتیبِ نُزولی اور ترتیبِ مصحفی:

یہ بات ماقبل بقدرے تفصیل گزر چکی ہے کہ قرآنِ مجید موجودہ ترتیب (ترتیبِ مصحفی) کیساتھ میں لوحِ محفوظ میں موجود تھا اور پھر بقدرے ضرورت رسول اللہ ﷺ پر تیئیس سال کے عرصے میں نازل ہوتا رہا......اسی وجہ سے ترتیبِ نُزولی اور ترتیب مصحفی میں فرق واقع ہوا ہے۔ سورۃ فاتحہ ترتیبِ مصحفی کے اعتبار سے اول اور ترتیبِ نُزولی کے اعتبار سے پانچویں سورت ہے۔ یہ بات واضح ہے کہ قرآنِ کریم کی سب سے پہلی نارل ہونے والی سورت سورۃ العلق۔ اس کے بعد سورۃ القلم، اس کے بعد سورۃ المزمل اس کے بعد سورۃ المدثر، اس کے بعد پانچویں نمبر پر نازل ہونے والی سورت سورۃ فاتحہ ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہے۔

"سورةالفاتحه نزلت بعد المدثر".

سورۃ فاتحہ کا دعوی:

سورۃ فاتحہ کا مرکزی مضمون اور دعوی "الحمد لله" ہے، جس کا حاصل "اثبات الألوهية والخالقية لله وحده" ہے، اس کی توضیح ادلہ ثلاثہ (رَبِّ الـعَـالَـمِيـنَ . الـرَّحـمـنِ الرَّحِيم. مَالِكِ يَومِ الدِّين) کیساتھ کی گئی ہے اور "إِيَّـاكَ نَـعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَـعِيـن" کو دعوی پر متفرع کیا گیا ہے اور اس کے بعد دعوی ماننے والوں کے لیے بشارت اور منکرینِ دعوی کے لیے تخویف کا

========================

(۱) مرقاۃ المفاتیح، باب القرائۃ فی الصلاۃ: ۵۰۵/۲، وکذا فی الاتقان للسیوطی: ۳۱۵/۲ .

بیان ہے۔اس کیساتھ ساتھ فرقِ ثلاثہ (منعوم علیہم، مغضوب علیہم اور ضآلین) کا بیان ہے۔

سورۃ فاتحہ کا خلاصہ:

سورۃ فاتحہ تین حصوں پر منقسم ہے، حصہ اول "الحَمدُ للّٰہِ" تا " اھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ " .ہے، اس میں صفات باری تعالیٰ کا بیان ہے، حصہ دوم "اھدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ" تا "صِرَط الذین أنعمت علیھم" اس میں حقوق مشترکہ کا بیان ہے اور حصہ سوم سورت تا آخر ہے، جس میں فرقِ ثلاثہ (منعوم علیہم، مغضوب علیہم اور ضآلین) کا بیان ہے۔

"أعوذ بالله من الشيطان الرجيم".

شریعتِ مطہرہ نے قرآن کریم کو شروع کرنے کا یہ طریقہ سیکھایا ہے کہ سب سے پہلے تعوذ پڑھی جائے تاکہ شیاطین جو بنی نوعِ انسانی کے ازلی دشمن ہیں ان سے حفاظت ہو جائے اور ان کے وساوس سے آدمی مامون ومحفوظ رہے اور ان سے یہ پناہ مانگنا مامور بہ ہے، ارشاد ہے۔ "فَإِذَا قَرَأتَ القُرآنَ فَاستَعِذ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطَانِ الرَّجِیمِ." (سورۃ النحل:۹۸)

جب تم میں سے کوئی قرآن مجید پڑھنے کا ارادہ کرے تو اللہ تعالیٰ سے شیطانِ مردود کے شر سے پناہ مانگے۔

طلباء محترم! یہ بات تو واضح ہے کہ تعوذ مأمور بہ ہے، لہٰذا تعوذ کے متعلق چند ابحاث ذہن نشیں رکھنا ضروری ہیں۔

الأول: معنى التعوذ . الثاني: كيفيات التعوذ فى القرآن . الثالث : من هو المستعاذ ؟ . الرابع : من المستعيذ والمستعاذ به؟ الخامس : من المستعاذ منه؟ ما لأجله الاستعاذة ؟ السادس : ما هى الحكمة فيها؟ السابع :ما هى حكم الأستعاذة ؟

ذیل میں مذکورہ بالا ابحاث کی ترتیب وار مختصراً وضاحت کی جاتی ہے۔ملاحظہ ہوں۔

البحث الأول : معنى التعوذ :

"أعوذ" کا لفظ "عَاذَ يَعوذُ عوذاً" سے مشتق ہے، جس کا معنی پناہ خواستن، پناہ مانگنے کے ہیں۔

مفسرین کرامؒ اس کے دو معانی بیان فرماتے ہیں:۔ ١۔ الالتجاء والاستجارة (التجاء و پناہ مانگنا) ٢۔ الالتصاق. (چمٹنا اور قریب ہونا)۔اول الذکر معنی کے اعتبار مفہوم یوں ہوگا۔ "أستجيرُ بالله دون غيره من سائر خلقه من الشيطان أن يضرَّنى فى دينى أو يصدَّنى عن حق يلزَمُنى لرَبى."(٢)

ثانی الذکر معنی کے اعتبار سے مفہوم یہ ہوگا۔ "ألتصق نفسى بفضل الله و برحمته."

---

(۱) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۱۰۸، تفسیر کبیر:۱/۶۱، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۵. تفسیر طبری:۱/۱۱۱.

الغرض میں اپنے نفس کو اللہ تعالی کے حوالے کرتا ہوں ۔ اس کی عام فہم مثال یوں سمجھئے کہ جب کوئی آدمی بچے کو مارتا ہے تو بچہ بھاگ کر کسی بڑے آدمی کے پاس پناہ لیتا ہے اور چلّا اٹھتا ہے بچاؤ بچاؤ! پس اسی طرح شیطانِ مردود انسان کا ازلی دشمن ہے اور ہمہ وقت اس کے درپے ہوتا ہے اور اس کا پیچھا نہیں چھوڑتا ہے ۔ انسان ظاہری طور پر اس کے مقابلے سے قاصر ہے، کیونکہ انسان اس کو دیکھ نہیں سکتا ۔ تعوذ میں اس ذات سے پناہ طلب کی جاتی ہے کہ جو شیطان کو تو دیکھے، لیکن شیطان اُسے دیکھ نہیں سکتا مفسر جلیل حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ۔

"وقد نزلت الملائكة لمقاتلة العدو البشرى يوم بدر، ومن قتله العدو البشرى كان شهيدًا، ومن قتله العدو الباطنى كان طريدًا، ومن غلبه العدو الظاهر كان مأجورًا، ومن قهره العدو الباطن كان مفتونا أو موزورًا، ولما كان الشيطان يرى الإنسان من حيث لا يراه استعاذ منه بالذى يراه ولا يراه الشيطان."(١)

دشمنانِ اسلام کے مقابلے کے لئے اللہ تعالی نے غزوہ بدر کے دن فرشتے بھیجے اور جس آدمی کو انسانی دشمن کفار وغیرہ قتل کریں تو وہ شہید ہوتا ہے، لیکن جو دشمن باطنی شیطان کے ہاتھ سے مارا جائے تو وہ راندہ درگا رہوگا ۔ اور جس پر ظاہری دشمن غالب آجائیں تو وہ عنداللہ ماجور ہوگا، لیکن جو باطنی دشمن شیطان کے ہاتھ سے مارا جائے تو وہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے اور چونکہ شیطان انسان کو دیکھتا ہے اور انسان اُسے دیکھ نہیں سکتا، تو اس سے اُس ذات کی پناہ مانگنے کا حکم دیا گیا ہے جو شیطان کو دیکھے، لیکن شیطان اُسے دیکھ نہ سکے ۔

مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ "تـعـوذ" کے متعلق تین طرح کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں ۔ " استـعــاذہ"، "عیاذہ" اور "لِیاذہ". ان تینوں میں فرق یہ ہے کہ استعاذہ "طلب الأمن من كل شر". کو کہا جاتا ہے اور "عیاذہ" دفع شر اور "لیاذہ" جلبِ منفعت کے لیے استعمال ہوتا ہے، معروف شاعر متنبّی کا شعر ہے ۔

يا من ألـــــــوذ به فيما أؤمـله ومن أعوذ به ممن أحــــــاذره

لا يجبر الناس عظما أنت كاسره ولا يهيضون عظما أنت جابـــره

اے وہ پاک ذات جس سے میری تمام اُمیدیں وابستہ ہیں اے میرے مولا! میں تیرے مدد سے تمام تر بُرائیوں سے پناہ چاہتا ہوں، جس کو تو توڑے اُسے کوئی جوڑ نہیں سکتا ۔ اور جسے تو جوڑ دے تو اسے کوئی توڑ نہیں سکتا ۔

========================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۰۸، تفسیر غرائب القرآن: ۱/۲۱.

لفظِ شیطان کا مادہ اشتقاق اور مفہوم:

لفظ شیطان کا مادہ اشتقاق کیا ہے؟ اس میں اہل علم کے معروف دو قول ہیں:۔

پہلا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ شیطان "شطن" سے مشتق ہے، جس کے معنی دور ہونے کے ہیں۔ "بئر شطون" (بہت گہرا کنواں). "شطنت الدار" (گھر کا دور ہونا). "غربة شطون" (وطن سے دوری) وغیرہ محاورات اسی سے مشتق ہیں۔ اور شیطان بھی اپنی رذیل طبیعت کی وجہ سے انسانی طبائع سے دور ہوتا ہے اور بوجہ خباثت ہر کارِ خیر سے بعید ہوتا ہے، اس وجہ سے اسے شیطان کہا جاتا ہے۔

دوسرا قول: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شیطان معتل العین "شـاط يشيط" سے مشتق ہے، جس کے معنی غصہ سے سوختہ ہو جانے کے ہیں اور چونکہ شیطان کی خلقت آگ سے ہوئی ہے، آگ اس کا مادہ اصلی ہے جس کے عنصر میں سرکشی پائی جاتی ہے اور شیاطین میں بھی نری سرکشی و شرارت ہوتی ہے، اس لیے اسے شیطان کہتے ہے۔ پہلا قول اول راجح ہے، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ "والشيطان في لغة العرب مشتق من "شَطَن" إذا بعد، فهو بعيد بطبعه عن طباع البشر، وبعيد بفسقه عن كل خير. وقيل: مشتق من "شاط"؛ لأنه مخلوق من نار، ومنهم من يقول: كلاهما صحيح في المعنى ولكن الأول أصح وعليه يدل كلام العرب."(۱)

شیطان کا مفہوم عام ہے، جس چیز میں اوصاف شر ہوں اُس کو شیطان کہا جاتا ہے، خواہ وہ انسان ہوں یا جنات ہوں، یا کوئی اور مخلوق ہو، مفسر جلیل حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ "ولهذا يسمون كل ما تمرد من جني وإنسي وحيوان شيطانًا، قال الله تعالى: وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الإِنسِ وَالجِنِّ يُوحِي بَعضُهُم إِلَى بَعضٍ زُخرُفَ القَولِ غُرُورًا ." (سورۃ الأنعام:۱۱۲)(۲).

مسند احمد میں سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

يَا أَبَا ذَرٍّ! تَعَوَّذ بِاللَّهِ مِن شياطين الإنس والجن فقلت: أو للإنس شَيَاطِينُ قَالَ: نَعَم!(۳)

اے ابوذر! انسانی اور جنی شیطانوں سے پناہ طلب کرو، میں نے کہا حضرت! انسانوں میں بھی شیطان

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۰۹، تفسیر طبری:۱/۱۱۱-۱۱۲، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:۱/۹۰، زاد المسیر لابن الجوزی:۱/۳۴، غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۸.

(۲) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۰۹، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری :۱/۱۸.

(۳) مسند احمد:۵/۱۷۸، رقم:۲۱۵۸۶، مستدرک حاکم:۲/۳۰۱، رقم:۳۱۱۵، مصنف عبدالرزاق:۲/۸۴، رقم:۲۵۷۹.

ہوتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں!
نیز صحیح مسلم میں یوں روایت ہے۔
قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: يَقطَعُ الصَّلاةَ المَرأَةُ وَالحِمَارُ وَالكَلبُ الأَسوَدُ فَقُلتُ: يَا رَسُولَ اللَّهِ! مَا بَالُ الكَلبِ الأَسوَدِ مِنَ الأَحمَرِ وَالأَصفَرِ فَقَالَ: الكَلبُ الأَسوَدُ شَيطَانٌ.(١)
سیدنا ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ نماز کو عورت، گدھا اور کالا کتا توڑ دیتا ہے، میں نے عرض کیا حضور ﷺ! سرخ، رزد کتوں میں کالے کی کیا تخصیص ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کالا کتا شیطان ہے۔
عَن زَيدِ بنِ أَسلَمَ عَن أَبِيهِ أَنَّ عُمَرَ بنَ الخَطَّابِ رَضِيَ اللَّهُ عَنهُ: ركب برذونا، فجعل يَتَبَختَرُ بِهِ فَجَعَلَ يَضرِبُهُ، فَلَا يَزدَادُ إِلَّا تَبَختُرًا، فَنَزَلَ عَنهُ، وَقَالَ: مَا حَمَلتُمُونِى إِلَّا عَلَى شَيطَانٍ مَا نَزَلتُ عَنهُ حَتَّى أَنكَرتُ نفسى(٢).
حضرت زید بن اسلمؒ فرماتے ہیں کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ ترکی گھوڑے پر سوار ہوئے، وہ ناز و خرام سے چلا، آپؓ نے اسے مارا پیٹا، لیکن وہ اور اکڑنے لگا، آپؓ اترے اور فرمانے لگے تم تو میری سواری کے لیے کسی شیطان کو پکڑ لائے، میرے نفس میں تکبر آیا میں نے اس سے اترنا ہی مناسب سمجھا۔

رجیم کا مفہوم:

"رجیم" (فعیل) بمعنی "مرجوم" (مفعول) ہے، یعنی ہر بھلائی سے دور ہے اور رحمتِ خداوندی سے دُھتکارا ہوا ہے اور بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ "رجیم" (فعیل) بمعنی "راجم" (فاعل) ہے، چونکہ شیطان لوگوں کو وسوسوں اور گمراہیوں سے رجم کرتا ہے، اس لیے اسے "رجیم" کہتے ہیں، تاہم پہلا قول راجح ہے، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ "والرجيم فعيل بمعنى مفعول أى أنه مرجوم مطرود عن الخير كله كما قال تعالى: ﴿وَلَقَد زَيَّنَّا السَّماءَ الدُّنيا بِمَصابِيحَ وَجَعَلناها رُجُوماً لِلشَّياطِينِ﴾ (المُلك:٥) وقال تعالى: ﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّماءَ الدُّنيا بِزِينَةٍ الكَواكِبِ. وَحِفظاً مِن كُلِّ شَيطانٍ مارِدٍ. لَا يَسَّمَّعُونَ إِلَى المَلَإِ الأَعلى وَيُقذَفُونَ مِن كُلِّ جانِبٍ. دُحُوراً وَلَهُم عَذابٌ واصِبٌ. إِلَّا مَن

(١) صحیح مسلم:١/٣٦٥، رقم:٥١١، سنن الترمذی:٢/١٦١، رقم:٣٣٨، سنن أبی داؤد:١/١٨٧، رقم:٧٠٢، سنن النسائی:٢/٦٣، رقم:٧٥٠.
(٢) تفسیر طبری:١/١١١، تفسیر ابن کثیر:١/٣١.

خَطِفَ الخَطفَةَ فَأَتبَعَهُ شِهابٌ ثاقِبٌ﴾ (الصَّافَّات:٦–١٠) وقال تعالى: ﴿وَلَقَد جَعَلنا فِي السَّماءِ بُرُوجاً وَزَيَّنَّاها لِلنَّاظِرِينَ. وَحَفِظناها مِن كُلِّ شَيطانٍ رَجِيمٍ. إِلَّا مَنِ استَرَقَ السَّمعَ فَأَتبَعَهُ شِهابٌ مُبِينٌ﴾ (الحِجرِ:١٦–١٨) إلى غير ذلك من الآيات. وقيل: رجيم بمعنى راجم؛ لأنه يرجم الناس بالوساوس والربائث، والأول أشهر وأصح.(١)

امام المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔

وأما الرجيم فهو: فَعيل بمعنى مفعول كقول القائل: كفٌّ خضيبٌ ولحيةٌ دهين ورجل لَعينٌ يريد بذلك:مخضوبة ومدهونة وملعون. وتأويل الرجيم: الملعون المشتوم. وكل مشتوم بقولٍ ردیء أو سبٍّ فهو مَرجُوم. وأصل الرجم الرَّميُ بقول كان أو بفعل. ومن الرجم بالقول قول أبی إبراهيم لإبراهيم صلوات الله عليه: ﴿لَئِن لَم تَنتَهِ لأرجُمَنَّكَ﴾ (سورة مريم:٤٦).وقد يجوز أن يكون قِيل للشيطان رجيمٌ؛ لأن الله جل ثناؤه طرَده من سَمواته ورجمه بالشُّهب الثَّواقِب.(٢)

البحث الثانی: كيفيات التعوذ فی القرآن:

قرآنِ مجید میں تعوذ کے کیفیات کا استعمال مختلف صیغوں کیساتھ کیا گیا ہے،تقریباً سات مقامات میں صیغہ "أعـوذ" کیساتھ مستعمل ہے اور جب کہ تقریباً پانچ مقامات میں استعاذہ کیساتھ مستعمل ہے، چند مقامات ملاحظہ فرمائیے۔ایک جگہ ارشاد ہے۔

فَإِذَا قَرَأتَ القُرآنَ فَاستَعِذ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ. (سورۃ النحل:٩٨) ایک جگہ فرمایا۔ قَالَ رَبِّ إِنِّی أَعُوذُ بِكَ أَن أَسأَلَكَ مَا لَيسَ لِی بِهِ عِلمٌ وَإِلَّا تَغفِر لِی وَتَرحَمنِی أَكُن مِنَ الخَاسِرِينَ. (سورۃ ہود:۴۷)ایک جگہ فرمایا۔ وَقُل رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِن هَمَزَاتِ الشَّيَاطِينِ وَأَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن يَحضُرُونِ. (سورۃ المؤمنون:۹۷-۹۸) ایک جگہ فرمایا۔ وَإِذ قَالَ مُوسَى لِقَومِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأمُرُكُم أَن تَذبَحُوا بَقَرَةً قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَن أَكُونَ مِنَ الجَاهِلِينَ.(سورۃ البقرۃ:٦٧) ایک جگہ ارشاد ہے۔ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَأخُذَ إِلَّا مَن وَجَدنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ.(سورۃ یوسف:٧٩) نیز ارشاد ہے۔ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّی أَحسَنَ مَثوَایَ إِنَّهُ لَا يُفلِحُ الظَّالِمُونَ . (سورۃ یوسف:۲۳) ایک جگہ فرمایا۔ وَقَالَ مُوسَى إِنِّی عُذتُ بِرَبِّی وَرَبِّكُم مِن كُلِّ مُتَكَبِّرٍ لَا يُؤمِنُ بِيَومِ الحِسَابِ.(سورۃ المؤمن:۲۷) نیز فرمایا۔ وَإِنِّی أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ. (سورۃ ال عمران:٣٦) ایک جگہ ارشاد ہے۔ قَالَت إِنِّی

==========================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۳۱.

(۲) تفسیر طبری:۱/۱۱۲.

أَعُوذُ بِالرَّحمَنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا. (سورۃ مریم:۱۸) ایک جگہ فرمایا۔ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيطَانِ نَزغٌ فَاستَعِذ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (سورۃ الأعراف:۲۰۰) ایک جگہ ارشاد ہے۔ قُل أَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ. (سورۃ العلق:۱) ایک جگہ فرمایا۔ قُل أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ. (سورۃ الناس:۱) وغیرہ۔(۱)

البحث الثالث : من المستعيذ والمستعاذبه ؟

مستعیذ ہر وہ چیز ہے جو اللہ تعالی سے پناہ مانگے اور مستعاذ بہ (جس سے پناہ مانگی جائے) صرف اور صرف ذاتِ باری تعالی ہے، کیونکہ اللہ تعالی کے سوا کوئی اور ایسی ذات نہیں جس سے پناہ طلب کی جائے، لہذا اللہ تعالی کے سوا کسی اور سے پناہ طلب کرنا بغیر اسبابِ ظاہری کے شرک اور گمراہی ہے اور اگر اسباب ظاہری کے تحت ہو تو پھر جائز ہے، جیسے کوئی کسی کو مارنا چاہتا ہو اور وہ اپنی حفاظت کی خاطر کسی سے پناہ مانگ لے تو یہ جائز ہے، تاہم ظاہری اسباب کے بغیر کسی سے پناہ مانگنا شرک ہے، مشرکین کا جب کسی وادی سے گزر ہوتا تو وہ کہا کرتے تھے "أعوذ بسيد هذا الوادى" ہم اس وادی کے سردار سے پناہ مانگتے ہیں، امام المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔ كان الرجل فى الجاهلية إذا نزل بواد قبل الإسلام قال: إن أعوذ بكبير هذا الوادى، فلما جاء الإسلام عاذوا بالله وتركوهم(۲).

آج بھی اسی نوعیت کا شرک لوگوں میں پایا جاتا ہے، لیکن رنگ وروپ مختلف ہے، چنانچہ بعض علاقوں کے لوگ اپنی لکڑیوں اور گھاس وغیرہ کو قبرستان اور درگاہوں کے پاس رکھتے ہیں، تاکہ کوئی اس کو چوری نہ کریں۔ یہ ان کا زعم باطل ہے کہ یہ اہل قبور اور اولیاء کرام ان کی حفاظت کرتے ہیں، اس لیے ان سے کوئی چوری نہیں کرسکتا، حالانکہ یہ اُن کا محض شرکیہ اور گمراہ کن اعتقاد تھا، کیونکہ پناہ دینے والا صرف اور صرف اللہ تعالی کی ذات ہے، قرآن مجید میں ہے۔ وَاتلُ مَا أُوحِيَ إِلَيكَ مِن كِتَابِ رَبِّكَ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ وَلَن تَجِدَ مِن دُونِهِ مُلتَحَدًا. (سورۃ الکہف:۲۷) ایک جگہ ارشاد ہے۔ قُل مَن بِيَدِهِ مَلَكُوتُ كُلِّ شَيءٍ وَهُوَ يُجِيرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيهِ إِن كُنتُم تَعلَمُونَ. (سورۃ المؤمنون:۸۸) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قُل إِنِّي لَن يُجِيرَنِي مِنَ اللَّهِ أَحَدٌ وَلَن أَجِدَ مِن دُونِهِ مُلتَحَدًا. (سورۃ الجن:۲۲) ایک دوسری جگہ فرمایا۔ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الإِنسِ يَعُوذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الجِنِّ فَزَادُوهُم رَهَقًا. (سورۃ الجن:۲).

اسی مفہوم کو ملحوظ رکھتے ہوئے امام ابن جریر طبریؒ "أعوذ" کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ أستجير بالله دون غيره من

==========================

(۱) دیکھئے غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۸ .

(۲) تفسیر طبری:۱۲/۱۱۶، ۲۳/۶۵۴-۶۵۵، تفسیر ابن کثیر:۳/۳۳۸، ۸/۲۳۹، تفسیر قرطبی:۷/۸۴، ۱۱/۱، ۱۹/۱۰، تفسیر السراج المنیر:۱/۴۹۱۹، تفسیر روح المعانی:۲۹/۸۵.

سائر خلقه من الشیطان أن یضرَّنی فی دینی أو یصدَّنی عن حق یلزَمُنی لرَبی (۱).

حافظ ابن کثیرؒ نے بھی یہی معنی بیان کیا ہے۔(۲)

نیز اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تعویذ باسماء اللہ وصفاتہ جائز ہے اور اسی طرح جس کا ثبوت قرآن وحدیث میں ہو تو اس کے جواز میں کوئی شک وشبہ نہیں، البتہ وہ تعویذات جن میں الفاظ غیر معلوم المعنی اور موہم شرک ہوں تو وہ جائز نہیں (۳)۔

البحث الرابع: من هو المستعاذ منه ؟

مستعاذ منہ یعنی جن چیزوں سے پناہ طلب کی جاتی ہے وہ کونسی چیزیں ہیں؟ قارئین محترم! مستعاذ منہ بے شمار چیزیں ہیں، کیونکہ مستعاذ منہ شر ہے اور شر کے افراد وانواع لامحدود ہوتی ہیں، ہم یہاں بطور نمونہ چند اشیاء پیش کرنے پر ہی اکتفاء کرتے ہیں، چنانچہ مستعاذ منہ، شماتۃ الأعداء ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَإِنِّی عُذتُ بِرَبِّی وَرَبِّكُم أَن تَرجُمُونِ. (سورۃ الدخان:۲۰) "أی تشتمون." یہ معنی مکی بن أبی طالب رحمہ اللہ نے مشکلات القرآن میں کیا ہے(۴)۔

سورۃ العلق میں مستعاذ منہ کے کئی انواع ذکر کیے گئے ہیں، ارشاد ہے۔ قُل أَعُوذُ بِرَبِّ الفَلَقِ مِن شَرِّ مَا خَلَق. یہ شر کے جملہ انواع کو شامل ہے کہ ہمیں شر کے تمام انواع سے مامون ومحفوظ رکھنا، پھر اس کے بعد تخصیص بعد التعمیم ہے۔ وَمِن شَرِّ غَاسِقٍ إِذَا وَقَب. تاریکیوں کے شرور وفسادات سے ہمیں بچائے رکھنا، اور وَمِن شَرِّ النَّفَّاثَاتِ فِی العُقَدِ. جادوگروں اور گرہوں میں پھونکنے والے شرپسند عناصر سے ہمیں محفوظ رکھنا۔ اور وَمِن شَرِّ حَاسِدٍ إِذَا حَسَدَ. ضدی و متعصب اور ہٹ دھرم لوگوں کے بغض وحسد سے بچائے رکھنا۔ اور اسی طرح سورۃ الناس میں مزید انواع شر کا بیان ہے، چنانچہ شیاطین خناس کے شرور سے پناہ طلب کی جارہی ہے۔ مِن شَرِّ الوَسوَاسِ الخَنَّاسِ الَّذِی یُوَسوِسُ فِی صُدُورِ النَّاسِ. نیز شیاطین انس وجن کی ایذاء رسانی سے پناہ مانگی گئی ہے۔ مِنَ الجِنَّةِ وَ النَّاسِ.

نامناسب قسم کے سوالات سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے، یعنی الاستعاذۃ عن سوال مالا یلیق به شانه . چنانچہ جب

==========================

(۱) دیکھئے تفسیر طبری:۱/۱۱۱.

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۱۰۸.

(۳) فتح الباری، باب الرقی:۱۰/۱۹۵، شرح النووی علی صحیح مسلم، باب الطب والمرض والرقی:۱۴/۱۶۸، عمدۃ القاری، باب الرقی والقرآن والمعوذات:۲۱/۲۶۲، ومرقاۃ المفاتیح، باب الایمان بالقدر:۱/۲۷۶، تقدم الکلام علیہ.

(۴) مشکلات القرآن:۲/۶۵۶، تفسیر قرطبی:۱۶/۱۳۵، تفسیر الدر المنثور للسیوطی:۷/۴۰۹، تفسیر فتح القدیر للشوکانی:۴/۸۱۹-۸۱۶.

حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کی نجات کے لئے دعا کی ،تو اللہ تعالی نے اس پر گرفت کی ۔حضرت نوح علیہ السلام نے اس قسم نامناسب سوالات سے پناہ مانگی اور فرمانے لگے۔ قَالَ رَبِّ إِنِّی أَعُوذُ بِكَ أَن أَسأَلَكَ مَا لَیسَ لِی بِهِ عِلمٌ وَإِلَّا تَغفِر لِی وَتَرحَمنِی أَكُن مِنَ الخَاسِرِینَ . میرے مولا میں ایسے سوالات سے پناہ چاہتا ہوں جو میرے شایانِ شان نہیں اور جن کے حقیقت کا مجھے علم نہیں۔

اسی طرح ارتکابِ جہالت سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے، چنانچہ حضرت موسی علیہ السلام نے اپنی قوم کو جب گائے ذبح کرنے کا حکم دیا تو اُنہوں نے کہا۔ أَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا. حضرت موسی علیہ السلام نے فرمایا۔ قَالَ أَعُوذُ بِاللَّهِ أَن أَكُونَ مِنَ الجَاهِلِینَ. میں اللہ تعالی کی پناہ مانگتا ہوں جہالت کے ارتکاب سے۔

نیز غیر مجرم کو مجرم قرار دینے سے بھی پناہ مانگی گئی ہے،حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے جب آپ کے دربار میں یہ درخواست کی۔ قَالُوا یَا أَیُّهَا العَزِیزُ إِنَّ لَهُ أَبًا شَیخًا كَبِیرًا فَخُذ أَحَدَنَا مَكَانَهُ إِنَّا نَرَاكَ مِنَ المُحسِنِینَ. حضرت یوسف علیہ السلام نے انکے مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے ارشادفرمایا۔ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ أَن نَأخُذَ إِلَّا مَن وَجَدنَا مَتَاعَنَا عِندَهُ إِنَّا إِذًا لَظَالِمُونَ. (سورۃ یوسف:۷۸،۸۹)

اسی طرح شیطانی وساوس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے اور اہل ایمان کو بھی اسی کی تعلیم دی گئی ہے،ارشاد ہے۔ وَقُل رَبِّ أَعُوذُ بِكَ مِن هَمَزَاتِ الشَّیَاطِینِ. اس آیت کریمہ میں ہمزات الشیاطین کو مستعاذ قرار دیا گیا ہے اور حضورِ شیاطین سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے۔ وَ أَعُوذُ بِكَ رَبِّ أَن یَحضُرُونِ.(سورۃ المؤمنون آیت:۹۷،۹۸)

خیال بد اور شیطانی وساوس سے بھی پناہ طلب کی گئی ہے،ارشاد ہے۔ وَإِمَّا یَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیطَانِ نَزغٌ فَاستَعِذ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِیعُ العَلِیمُ. (سورۃ حٰم السجدۃ آیت:۳۶)

اسی طرح شریر کے شر کو مستعاذ منہ قرار دیا گیا ہے، چنانچہ حضرت مریم علیہا السلام نے جب جبریل علیہ السلام کو تنہائی میں دیکھا تو فرمانے لگی۔ قَالَت إِنِّی أَعُوذُ بِالرَّحمَنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِیًّا. (سورۃ مریم:۱۸) بزعم خود حضرت مریم علیہا السلام نے اس کو کوئی شریر آدمی سمجھا تھا۔ یہ محض اُن کا گمان تھا،اس نے اپنے گمان کے مطابق پناہ طلب کی۔

یہ مذکورہ بالا مستعاذ منہ کے چند نمونے تھے، ورنہ اس کے انواع وافراد بے شمار ہیں اور اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی بے شمار اشیاء سے پناہ طلب کی گئی ہے جیسا کہ غصہ کے وقت، گدھے کے ہنہنانے کے وقت ،اور اسی طرح ہر وہ کام جو طبعیت پر گراں اور شاق ہو تو اس سے پناہ طلب کرنے کی تعلیم دی گئی ہے(۱)۔

==============================

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے: بدائع الفوائد لابن القیم:۲/۴۳۱.

البحث الخامس : ما لأجله الاستعاذة ؟

استعاذہ کیوں کیا جاتا ہے اور کب کیا جائے گا؟ چونکہ شیطانِ لعین بنی نوعِ انسانی کا ازلی دشمن ہے اور ہمہ وقت انسان کو راہ راست سے ہٹانے کی ہر ممکن کوشش کرتا ہے، اس سے بچاؤ کی تدبیر استعاذہ ہے، یعنی اس کے وساوس اور شرور سے پناہ مانگی جائے مفسر جلیل حافظ ابنِ کثیر رحمہ اللہ نے یہاں پر بڑے پتے کی بات لکھ دی ہے۔

ولما كان الشيطان يرى الإنسان من حيث لا يراه استعاذ منه بالذى يراه ولا يراه الشيطان. (١)

انسان شیطان کو دیکھنے سے قاصر ہے اور اس کو دیکھ نہیں سکتا۔ پناہ بھی اس ذات سے مانگی جائے گی جو شیطان کو دیکھے لیکن شیطان اُسے دیکھ نہ سکے۔

الغرض استعاذہ سے مقصود شیطانی وساوس سے پناہ مانگنا ہے، ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيطَانِ نَزغٌ فَاستَعِذ بِاللَّهِ إِنَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (سورۃ الاعراف:۲۰۰) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَإِمَّا يَنزَغَنَّكَ مِنَ الشَّيطَانِ نَزغٌ فَاستَعِذ بِاللَّهِ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ العَلِيمُ . (سورۃ حٰم السجدۃ آیت:۳۶) اور اسی طرح احادیث مبارکہ میں بھی متعدد اوقات میں استعاذہ پڑھنے کی تعلیم دی گئی ہے جیسا کہ غصے وغیرہ کے وقت وغیرہ۔......

البحث السادس: ما هى الحكمة و الفائدة فيها؟

استعاذہ کے بے شمار فوائد اور حکمتیں ہیں، من جملہ ان میں سے چند درج ذیل ہیں۔

پہلا فائدہ: **حفاظة الخزانة**: قرآنِ کریم ایک مہتم بالشان کتاب ہے اور یہ ایک عظیم خزانہ ہے اس کی حفاظت لازم سے لازم تر ہے، جب کوئی تلاوت سے پہلے استعاذہ پڑھ لیتا ہے تو اس کی شیطانِ مردود سے کلی طور پر حفاظت ہو جاتی ہے، وہ اس کے قریب آنے کی جسارت نہیں کر سکتا ہے، گویا کہ استعاذہ پڑھنے والے کو ایک قسم کا حصار لگ جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ جب کوئی زمیندار اپنے لیے سالانہ غلہ جمع کرنا چاہتا ہے، تو اس کے لئے محفوظ اور مناسب جگہ تلاش کرنے کے بعد ہر قسم کے حشرات الارض کیڑے مکوڑوں سے بچانے کی ہر ممکنہ تدابیر اختیار کر لیتا ہے، تاکہ کوئی موذی چیز اس کو نقصان نہ پہنچائے ......تو اسی طرح قرآنِ کریم بھی ایک عظیم الشان خزانہ ہے اور اس پر حملہ آور ہونے والا دشمن شیطانِ مردود ہے، جو ہمہ وقت اس کو ضرر پہنچانے کی کوشش میں ہوتا ہے۔ اس دشمن سے حفاظت و بچاؤ کے لیے جو تدبیر اختیار کی جاتی ہے، تو وہ استعاذہ ہے کہ شیطانِ مردود سے پناہ طلب کی جائے تاکہ وہ کسی قسم کا ضرر نہ پہنچا سکے، چنانچہ شیخ سعدی رحمہ اللہ نے اسکی تعبیر یوں کی ہے۔

؎ اول اے جانِ دفع شرِ مُوش کن بعد ازاں در جمع گندم جُوش کن

==============================

(۱) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/ ۱۰۸، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۲۲.

شیطان کی تدابیر سے بچنے کی ایک عجیب مثال!

ایک بزرگ نے اس کی عجیب مثال دی ہے کہ ایک شخص نے دوسرے سے پوچھا کہ جب آپ راستے پہ جارہے ہوں اور آپ کا گزر ایک چرواہے پر ہو، جس کے ریوڑ میں ایک غضناک کُتّا ہو اور وہ آپ کا پیچھا کرے، تو اس وقت کیا تدبیر اختیار کروگے؟ اس نے کہا حضور! میں اس کو روٹی کا ٹکڑا ڈال دوں گا تو وہ اس میں مشغول ہو کر میرا پیچھا چھوڑ دے گا۔ تو اس نے کہا کہ اگر وہ اس ٹکڑے کو ختم کردے تو پھر کیا کروگے؟ تو اس نے کہا حضور! دوسرا ڈال دوں گا......تو پھر اس نے کہا کہ اگر بالآخر آپ کے پاس ٹکرے ختم ہو جائیں تو پھر کیا کروگے؟ وہ خاموش ہوا۔ اب اس نے کہا کہ میں آپ کو اس سے آسان اور بہتر تدبیر نہ بتاؤں؟ کہ تمہیں اس کو روٹیاں ڈالنے کی ضرورت بھی نہیں پڑے گی۔ کہا کہ ضرور بتائیں! تو اس نے کہا کہ جب کُتّا آپ کا پیچھا کرے تو فوراً کتّے کے مالک سے کہہ دو کہ اے فلاں! اپنے کتّے کو مجھ سے روک دو۔ تو وہ اسے روک لے گا، اور آسانی سے آپ کی جان چھوٹ جائے گی۔ پس اسی طرح شیطان بھی کتا ہے اور ہمیشہ اہل حق کا پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اور ظاہری بات ہے کہ شیطان سے نجات وخلاصی کی صرف ایک ہی صورت ممکن ہے کہ اس کے مالک اللہ تعالی سے مدد طلب کی جائے کہ ہمیں اس کے وساوس سے محفوظ و مامون رکھنا۔ کہیں اس کے پُرفریب جالوں میں پھنس کر شکار نہ ہو جائیں۔

دوسرا فائدہ: تطهير الفم و تطييبها: انسان بتقاضہ بشریت بسا اوقات لایعنی باتیں اور بیہودہ گفتگو کر بیٹھتا ہے، یعنی اپنے کسی مسلمان بھائی کی غیبت وغیرہ کر لیتا ہے جس کی وجہ سے اس کی زبان ناپاک ہو جاتی ہے، تو اب اس کو پاک کرنے کا نسخہ استعاذہ ہے۔ تو استعاذہ پڑھنے سے زبان کی ناپاکی دور ہو جاتی ہے، سنن ابن ماجہ میں سیدنا علیؓ سے موقوفاً روایت ہے۔

إِنَّ أَفوَاهَكُم طُرُقٌ لِلقُرآنِ فَطَيِّبُوهَا. (١).

تمہارے منہ قرآنِ مجید پڑھنے کے ذرائع ہیں، لہذا انہیں خوب پاک صاف رکھو۔

تیسرا فائدہ: اخبار من يسمع القرآن : استعاذہ ایک قسم کی خبرداری ہے اور اس سے تلاوت کا آغاز کیا جاتا ہے، تا کہ سامعین خاموش ہو کر قرآنِ کریم کی تلاوت کان لگا کر سن سکیں۔

چوتھا فائدہ: دفع العدوّ الباطني: بنی نوعِ انسانی کا ازلی دشمن شیطان مردود سے پناہ لینے کے لیے تعوذ طلب کیا جاتا ہے، کیونکہ اس کو دفع کرنے والا صرف اللہ تعالی کی ذات ہے، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ ومن لطائف الاستعاذة أنها طهارة للفم مما كان يتعاطاه من اللغو والرفث وتطييب له، وتهيؤ لتلاوة كلام الله، وهى استعانة

---

(١) أخرجه ابن ماجه، باب السواك: ١٠٦/١، رقم: ٢٩١، وأبونعيم فى حلية الأولياء: ٢٩٦/٤، واسناده ضعيف. وأوده السيوطى فى الاتقان: ١ /٢١٤.

بـالـلـه واعتـراف له بالقدرة، وللعبد بالضعف والعجز عن مقاومة هذا العدو المبين الباطنى الذى لا يقدر على منعه ودفعه، إلا الله الذى خلقه، ولا يقبل مصانعة، ولا يدارى بالإحسان بخلاف العدو من نوع الإنسان(١).

پانچواں فائدہ: الاستعانة بالله واعتراف له بالقدرة: اللہ تعالی سے مدد طلب کرنے کے لیے تعوذ طلب کیا جاتا ہے، نیز اپنی بے بسی وعاجزی کا اللہ تعالی کے حضور میں اعتراف کرنا کہ میرے مولا! میں بنفسِ نفیس شیطان کا مقابلہ نہیں کرسکتا تو میرا حامی اور ناصر بن جا۔

چھٹا فائدہ: ابعاد الشیاطین: استعاذہ پڑھنے سے شیاطین دور بھاگ جاتے ہیں، کیونکہ یہ ذکر ہے اور جہاں ذکرِ الٰہی ہوتا ہے وہاں شیاطین آنے کی جسارت نہیں کرسکتے۔

ساتواں فائدہ: تقریب الملائکة: استعاذہ چونکہ ذکر ہے اور جہاں ذکر باری تعالی کی مجلس ہوتی ہے، فرشتے وہاں پراَبرِرحمت کی طرح برسنا شروع ہوجاتے ہیں۔

البحث السابع : ماهى حكم الاستعاذة؟

جمہور اہل علم فرماتے ہیں کہ تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا سنت ہے خواہ تلاوت نماز کے اندر ہو یا نماز سے خارج، واضح رہے کہ تعوذ صرف قرآنِ کریم کیساتھ مخصوص ہے اور دیگر کارِخیر کے وقت بسم اللہ پڑھنا مامور بہ ہے اور امام عطاء بن رباحؒ فرماتے ہیں کہ قرآنِ کریم کے تلاوت سے پہلے تعوذ پڑھنا واجب ہے خواہ نماز میں ہو یا نماز سے خارج۔ وہ اس آیت کے ظاہر سے استدلال کرتے ہیں۔ فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ. (سورۃ النحل آیت:۹۸). (۲)

قوله تعالى: بِسمِ اللَّهِ الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ.

اہلِ جاہلیت کی عادت مذمومہ تھی کہ ہر کام کو اپنے معبودوں اور بتوں کے نام سے شروع کرتے تھے، اس رسمِ جاہلیت کو ختم کرنے کی خاطر اہل ایمان کو ہر مہتم بالشان کام کو اللہ تعالی کے نام سے شروع کرنے کی تعلیم دی گئی، معروف مفسر علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ وكـانـوا يبـدأون بـأسـمـاء آلهتهـم فيقولون: باسم اللات وباسم العزى، فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم اللّه عز وجل بالابتداء(٣).

=====================

(۱) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۱۰۸

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۰۷، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری: ۱/۱۵.

(۳) دیکھئے تفسیر النسفی:۱/۳.

اب تسمیہ کے متعلق چند ابحاث ذہن نشیں رکھیں، ملاحظہ کیجئے۔

الأول: حكم التسمية . الثاني: كيفيية التسميه . الثالث: فوائدالتسمية . الرابع: التسمية جزء من الفاتحة أم لا؟ الخامس: متعلق التسمية مقدم أم مؤخر ؟ السادس: لفظ الله مشتق أم لا؟

ذیل میں مذکورہ بالاعنوانات کی مختصروضاحت کی جاتی ہے۔

المبحث الأول: حكم التسمية :

قرآنِ مجید کے تلاوت کے وقت" أعوذ بالله" کے بعد تسمیہ پڑھنا سنت ہےاور ہرسورت کےاول میں سورۃ التوبۃ کےعلاوہ تسمیہ پڑھنامسنون ہے،(۱)ارشاد ہے۔ اقرَأ بِاسمِ رَبِّكَ الَّذِى خَلَقَ. (سورۃ العلق:۱).ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَاذكُرِ اسمَ رَبِّكَ بُكرَةً وَأَصِيلًا . (سورۃ الدہر:۲۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَاذكُرِ اسمَ رَبِّكَ وَتَبَتَّل إِلَيهِ تَبتِيلًا . (سورۃ المزمل:۸).نیزفرمایا۔ وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلنَا مَنسَكًا لِيَذكُرُوا اسمَ اللَّهِ عَلَى مَا رَزَقَهُم مِن بَهِيمَةِ الأَنعَامِ. (سورۃ الحج:۳۴).

المبحث الثانى : كيفية التسمية:

"بسم الله" اس کیساتھ ترتیب قرآنِ کریم میں ایک سو چودہ مرتبہ مذکور ہے،یعنی ایک سو تیرہ بار سورتوں کےاوائل میں اور ایک مرتبہ سورۃ النمل میں ذکر ہے،سورۃ التوبۃ کےاول میں"بسم اللہ" مذکورنہیں،اس کی وجہ انشاءاللہ سورۃ التوبۃ کی تفسیر میں بیان کی جائے گی۔اورایک مرتبہ فقط"بسم اللہ" سورۃ ہودآیت:۴۱.میں مذکور ہے،ارشادِباری تعالی ہے۔ وَقَالَ اركَبُوا فِيهَا بِسمِ اللَّهِ مَجرَاهَا وَمُرسَاهَا إِنَّ رَبِّى لَغَفُورٌ رَحِيمٌ .

احادیث مبارکہ میں بھی" بسم الله.." کی یہی کیفیت کذائیہ مذکور ہے،خودرسول اللہ ﷺ اورصحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے بھی اسی طرح منقول ہے، "بسم الله.." کارِخیر کےوقت پڑھناباعثِ اجروثواب ہے،اور ہراس کام کوجس کاتعلق ارادےقلب کیساتھ ہوتواُسےتسمیہ سےشروع کرنا چاہیے،ایک حدیث میں آتا ہے۔

"كل أمر ذى بال لا يبدأ فيه ببسم الله الرحمن الرحيم أقطع." (۲)

"ذى بال" سے "كل أمر و فعل يتعلق بارادة القلب" مرادہےاور ہروہ کام جودلی ارادے سےمتعلق ہواگراس کوتسمیہ کےبغیرشروع کیاجائےتووہ ناقص اورناتمام ہوگا۔

==========================

(۱) دیکھئے الفتاوی الہندیہ:۸۱/۱، التحریروالتنویرلابن عاشور:۷۸/۱.

(۲) ذکرہ السیوطی فی جامع الأحادیث:۳۱۴/۱۵، رقم:۱۵۵۸۴، والآلوسی فی روح المعانی۴۹/۱، وانظرإرواءالغلیل للألبانی:۲۹/۱.

تسمیہ کو ابجد میں لکھنا:

عام طور پر" بسم الله الرحمن الرحيم " کو ابجد (جیسے ۷۸۶) وغیرہ میں لکھا جاتا ہے، یہ ایک خود ساختہ طریقہ ہے، اس کا شریعتِ مطہرہ میں کوئی ثبوت نہیں، اور نہ ہی اس سے تسمیہ کا حق کا ادا ہوتا ہے اور نہ ہی اس پر ثواب ملتا ہے، لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔

تسمیہ کے بجائے "باسمہ تعالیٰ" لکھنے کی شرعی حیثیت:

بعض تحریروں اور مکاتیب وغیرہ میں تسمیہ کے بجائے "باسمہ تعالیٰ" لکھا ہوا نظر آتا ہے، سو یہ بھی ایک خود ساختہ طریقہ ہے اور اس کا ثبوت بھی شریعتِ مطہرہ میں کہیں نہیں۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ کے خطوط احادیث، سیر اور تاریخ کے کُتب میں موجود ہیں، ان میں پوری" بسم الله الرحمن الرحيم " مرقوم ہے۔ مثال کے طور پر صلح حدیبیہ واقعہ کو دیکھئے ہے کہ صلح نامہ کے ابتداء میں رسول اللہ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو حکم دیا۔" أكتب بسم الله الرحمن الرحيم ." مشرکینِ مکہ نے کہا۔" لانعرف الرحمن ولا الرحيم " . ہم رحمٰن ورحیم کو نہیں جانتے، لہذا اس کو مٹادو۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فقط" بسم الله" لکھ دیا، اس لیے مشرکینِ مکہ اللہ تعالیٰ کے رحمانیت اور رحیمیت سے منکر تھے، قرآن مجید میں ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسْجُدُوا لِلرَّحمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحمَنُ أَنَسجُدُ لِمَا تَأمُرُنَا وَزَادَهُم نُفُورًا. (سورة الفرقان:٦٠).

واضح رہے کہ ان کا یہ انکار محض ضد وعناد کی بنیاد کی وجہ سے تھا، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ "والظاهر أن إنكارهم هذا إنما هو جُحود وعناد وتعنت فى كفرهم؛فإنه قد وجد فى أشعارهم فى الجاهلية تسمية الله تعالى بالرحمن."(١)

صلح حدیبیہ والی روایت صحیح بخاری اور دیگر کُتب احادیث میں بسط وتفصیل کیساتھ موجود ہے۔ (٢)

المبحث الثالث: فوائد التسمية:

تسمیہ کی بے شمار فوائد اور حکمتیں ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

پہلا فائدہ: حصول البركة من الله:"بسم الله " پڑھنا سبب خیر وبرکت ہے اور اس کی وجہ سے برکات نازل

=====================

(۱) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۱۲۷.

(٢) أخرجه البخارى ، باب الشروط فى الجهاد والمصالحة مع أهل الحرب وكتابة الشروط : ٩٧٤/٢ ، رقم : ٢٥٨١ ، ومسلم ، باب صلح الحديبية فى الحديبية : ١٤١١/٣ ، رقم : ١٧٨٤ ، وأحمد : ٢٦٨/٣ ، رقم :١٣٨٥٤، وابن حبان ، باب الموادعة والمهادنة۔: ٢١٣/١١ ، رقم : ٤٨٧٠ .

ہوتے ہیں۔

دوسرا فائدہ: طلب الاستعانة من الله تعالى بأن العباد كلهم محتاجون اليه: اللہ تعالی سے مدد مانگنا، کیونکہ ساری مخلوق اللہ تعالی کی محتاج ہے اور اسی کے در کی سوالی ہیں، چونکہ علومِ قرآنیہ کو سیکھنا مشکل ترین کام ہے اور یہی وجہ ہے کہ قرآنِ کریم کو سورۃ المزمل آیت: ۵. میں قولِ ثقیل کہا گیا ہے۔ حاصل معنی یہ ہوگا کہ اے میرے اللہ! میں علومِ قرآنیہ کو حاصل کرنے سے عاجز ہوں، میں اس کے حصول سے قاصر ہوں، اگر تیری مدد اور نصرت میرے ساتھ شاملِ حال نہ ہو تو میرے پلّے کچھ نہیں پڑے گا۔ اے اللہ! میری مدد اور نصرت فرما اور میرا حامی اور ناصر بن جا کہ میں بھی اس دیئے کا پروانہ بن سکوں۔

تیسرا فائدہ: دفع شر الحاسدين: تسمیہ پڑھنے کے سبب حاسدین کے شرور سے حفاظت ہو جاتی ہے، حاسدین میں سے سب سے بڑا حاسد شیطانِ مردود ہے اور اس کے نقشِ قدم پر چلنے والے اور اس کے اتباع کرنے والے ہیں جو خلقِ خدا کو قرآنی تعلیمات سے روکنے کی مذموم سعی کرتے ہیں اور اپنے نامہ اعمال کو سیاہ کرنے میں کسی قسم کے جھوٹ اور افتراء سے دریغ نہیں کرتے، یہی شیطان کی روحانی اولاد ہے اور یہ سب سے زیادہ مُضر ونقصان دے ہیں، اپنے زمانے کے معروف بزرگ مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں کہ شیاطین دو طرح کے ہیں، شیطانِ جنی اور شیطانِ انسی، لیکن "الشيطان الانسي أضر من الشيطن الجنّي" ہوتا ہے، یعنی شیطان انسی بہ نسبت شیطانِ جنی کے زیادہ مُضر اور نقصان دے ہوتا ہے۔ کیونکہ جب میں شیطان جنی سے پناہ نانگ لیتا ہوں، یعنی "أعوذ بالله من الشيطان الرجيم." وغیرہ پڑھ لیا تھا ہوں، تو وہ دور بھاگ جاتا ہے، اور قریب نہیں آتا۔ لیکن میں شیطانِ انسی سے ہزار ہا بار پناہ مانگتا ہوں، پھر بھی وہ پیچھا نہیں چھوڑتا۔ اس لیے یہ شیطانِ جنی سے زیادہ مضر اور نقصان دے ہے(۱)۔

چوتھا فائدہ: الضمانة عن الزبانية: "بسم اللہ" پڑھنے سے زبانیہ فرشتوں سے حفاظت ہو جاتی ہے، زبانیہ اُن فرشتوں کو کہا جاتا ہے جو جہنم کے دروازے پر کھڑے ہیں، اب جو آدمی "بسم اللہ" پڑھتا ہے، وہ ان کی گرفتاری سے مامون ومحفوظ ہو جاتا ہے، کیونکہ "بسم اللہ" کے کل حروف کی تعداد انیس ہے اور زبانیہ فرشتے بھی انیس ہیں، ارشادِ باری تعالی ہے۔ سَأُصلِيهِ سَقَرَ وَمَا أَدرَاكَ مَا سَقَرُ لَا تُبقِي وَلَا تَذَرُ لَوَّاحَةٌ لِلبَشَرِ عَلَيهَا تِسعَةَ عَشَرَ. (سورۃ المدثر:۲۶-۳۰).

سیدنا عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

" من أراد أن ينجيه الله من الزبانية التسعة عشر ؛ فليقرأ بسم الله الرحمن الرحيم ." (۲).

========================

(۱) دیکھئے لطائف المعارف: ۱/۸۱، فتح الباری: ۱۳/۱۷، بدون نسبۃ الی مالک بن دینارؒ .

(۱) دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۲۰، تفسیر قرطبی: ۱/۹۲، الدر المنثور للسیوطی: ۱/۲۶.

جو شخص زبانیہ فرشتوں کی گرفت سے نجات چاہتا ہو تو وہ بسم اللہ...... پڑھتا رہے۔

اب حاصلِ معنی یوں ہوگا۔ میرے اللہ! مجھے زبانیہ فرشتوں کی گرفت سے محفوظ و مامون رکھنا، لیکن یہ بات واضح رہے کہ نجات کیلئے عقیدے کی درستگی اور یقین کی پختگی درکار ہے، ورنہ اس کے بغیر نجات ممکن نہیں۔

پانچواں فائدہ: تذلیل الشیا طین و تصغیر هم : جب ''بسم اللہ..'' پڑھی جائے تو شیطان ذلت و رسوائی کے مارے مکھی سے بھی چھوٹا ہو جاتا ہے، چنانچہ ایک روایت میں آتا ہے۔ "و اذا قلت باسم اللـه تصاغر حتٰی یصیر مثل الذباب . " (۲) بشرطیکہ یقینِ کامل اور فکرِ راسخ ہو اور اعتماد و بھروسہ اللہ کی ذات پر ہو۔

المبحث الرابع : التسمية جزء من الفاتحة أم لا ؟

اس پر تمام پر تمام اہلِ علم کا اتفاق ہے کہ ''بسم اللہ.....'' سورۃ النمل کا جزء ہے نیز یہ بات بھی متفق علیہ ہے کہ تمام سورتوں کے اوائل میں سوائے سورۃ التوبۃ کے بسم اللہ لکھی جاتی ہے، لیکن اس بات میں ائمہ کرامؒ کا اختلاف ہے کہ جو ''بسم اللہ..'' سورہ فاتحہ یا دیگر سورتوں کے اول میں ہے۔ کیا وہ ان سورتوں کا جزء ہے یا نہیں؟ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک ہر سورت کا جزء ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ''بسم اللہ..'' سوائے سورۃ النمل کے کسی سورت کا جزء نہیں، بلکہ یہ ایک مستقل آیت ہے جو دو سورتوں کے درمیان فصل کے طور پر لکھی جاتی ہے (۳)۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مسلک کے وجوہ ترجیح درج ذیل ہیں۔

پهلی دلیل: صحیح مسلم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مرفوعاً سے روایت ہے۔

كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم يَستَفتِحُ الصَّلاَةَ بِالتَّكبِيرِ وَالقِرَاءَةَ بِـ الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ (٤).

رسول اللہ ﷺ نماز کو تکبیرِ تحریمہ، قراءت اور "الحمد لله ربّ العلمين" سے شروع فرمایا کرتے تھے۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''بسم اللہ..'' سورہ فاتحہ کا جزء نہیں۔

دوسری دلیل: سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، حدیث قدسی ہے۔

==========================

(٢) أخرجه أحمد : ٥٩/٥، وأبوداؤد:٧١٤/٢ ، رقم : ٤٩٨٢، والنسائي في السنن الكبرى، باب ما يقول إذا عثرت به دابته : ١٤٢/٦، رقم: ١٠٣٨٩.

(۳) دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۱۰.

(٤) أخرجه مسلم، باب ما يجمع صفة الصلاة : ٣٥٦/١ ، رقم : ٤٩٨، والبيهقي في السنن الكبرى، باب يضع كفيه ويرفع مرفقيه ولا يفترش ذراعيه : ١١٣/٢، رقم : ٢٥٣٢، والطيالسي: ٢١٧/١ ، رقم : ١٥٤٧ .

فَإِنِّی سَمِعتُ رَسُولَ اللَّهِ صلی الله علیه وسلم یَقُولُ: قَالَ اللَّهُ تَعَالَی: قَسَمتُ الصَّلَاةَ بَینِی وَبَینَ عَبدِی نِصفَینِ، وَلِعَبدِی مَا سَأَلَ فَإِذَا قَالَ العَبدُ: الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِینَ. قَالَ اللَّهُ تَعَالَی: حَمِدَنِی عَبدِی، وَإِذَا قَال: الرَّحمَنِ الرَّحِیمِ. قَالَ اللَّهُ تَعَالَی: أَثنَی عَلَیَّ عَبدِی. وَإِذَا قَالَ: مَالِكِ یَومِ الدِّینِ. قَالَ: مَجَّدَنِی عَبدِی، وَقَال: مَرَّةً فَوَّضَ إِلَیَّ عَبدِی فَإِذَا قَالَ: إِیَّاكَ نَعبُدُ وَإِیَّاكَ نَستَعِین. قَالَ: هَذَا بَینِی وَبَینَ عَبدِی وَلِعَبدِی مَا سَأَلَ. فَإِذَا قَالَ: اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ صِرَاطَ الَّذِینَ أَنعَمتَ عَلَیهِم غَیرِ المَغضُوبِ عَلَیهِم وَلَا الضَّالِّینَ. قَالَ: هَذَا لِعَبدِی، وَلِعَبدِی مَا سَأَلَ (۱).

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں نے نماز (سورہ فاتحہ) کو اپنے اور اپنے بندے کے مابین دو حصوں میں تقسیم کی ہے اور جو کچھ میرا بندہ مانگتا ہے، اس کو دیا جائے گا، اور جب بندہ کہتا ہے۔"الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِینَ" اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری حمد کی ہے، اور جب وہ کہتا ہے۔"الرَّحمَنِ الرَّحِیم" اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری تعریف وثناء بیان کی ہے، اور جب بندہ کہتا ہے۔"مَالِكِ یَومِ الدِّین" اللہ تعالی فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میری بزرگی بیان کی ہے اور کبھی یوں فرماتا ہے کہ میرے بندے نے معاملہ میرے سپرد کیا ہے اور جب بندہ کہتا ہے۔" إِیَّاكَ نَعبُدُ وَإِیَّاكَ نَستَعِینُ " تو اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہ میرے اور میرے بندے کے درمیان ہے اور جو کچھ میرا بندہ مانگتا ہے اسے دیا جائے گا، اور جب بندہ کہتا ہے۔" اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِیمَ صِرَاط الَّذِینَ أَنعَمتَ عَلَیهِم غَیرِالمَغضُوبِ عَلَیهِم وَلَا الضَّالِّین." اللہ تعالی فرماتا ہے کہ یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے کو وہ ملے گا، جو مانگتا ہے۔

اس حدیث میں" الحمد لله.." سے ابتداء کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ ''بسم اللہ'' سورہ فاتحہ کا جزء نہیں، ورنہ اس کو بھی ''بسم اللہ..'' سے شروع کر لیتے۔

تیسری دلیل: صحیح مسلم میں سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

---

(۱) أخرجه مسلم، باب وجوب قراءة الفاتحة فی كل ركعة: ۲۹٦/۱، رقم: ۳۹۵، و أبو داأد، باب من ترك القراءة فی صلاته: ۲۷٦/۱، رقم: ۸۲۱، والترمذی، باب ومن سورة فاتحة الكتاب: ۲۰۱/۵، رقم: ۲۹۵۳، وأحمد: ۲٤۱/۲، ۲۸۵، رقم: ۷۲۸۹، وابن خزیمة، باب فضل قرائة فاتحة الكتاب مع البیان أنها السبع المثانی: ۲۵۲/۱، ۵۰۲.

قَالَ: صَلَّيتُ خَلفَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم وَأَبِي بَكرٍ وَعُمَرَ وَعُثمَانَ فَكَانُوا يَستَفتِحُونَ بِـ الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ لَا يَذكُرُونَ بِسمِ اللَّهِ الرَّحمَنِ الرَّحِيم فِي أَوَّلِ قِرَاءَةٍ وَلَا فِي آخِرِهَا(۱).

سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے اقتداء میں نمازیں پڑھی اور وہ نماز کو "الحمد لله " سے شروع کرتے اور "بسم اللہ.." کو نہ قراءت کے اول میں پڑھتے اور نہ آخر میں۔

چوتھی دلیل: سیدنا عبداللہ بن معقل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

صليت مع النبی صلی الله علیه و سلم ومع أبی بكر ومع عمر ومع عثمان فلم أسمع أحدامنهم يقولها، فلا تقلها إذا أنت صليت فقل: الحمد لله رب العالمين (۲).

میں نے رسول اللہ ﷺ، حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کیساتھ نمازیں پڑھی تو میں نے ان میں سے کسی سے بھی "بسم اللہ.." پڑھتے ہوئے نہیں سنا، پس اس کو نہ پڑھا کرو اور جب تو نماز پڑھے تو "الحمد لله رب العلمين" سے شروع کرلیا کر۔

ان دونوں روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کا عمل بسم اللہ کو سورہ فاتحہ کے اول میں نہ پڑھنے کا تھا اور اگر یہ سورہ فاتحہ کا جزء ہوتا تو اسے ہرگز ترک نہ کرتے۔

پانچویں دلیل: سورۃ الحجر آیت: ۸۷ میں سورہ فاتحہ کو "سبع مثانی" کہا گیا ہے، ارشاد ہے۔ وَلَقَد آتَينَاكَ سَبعًا مِنَ المَثَانِي وَالقُرآنَ العَظِيمَ "سبع مثانی" سے سورہ فاتحہ مراد ہے(۳)، کیونکہ یہ سات آیتوں پر مشتمل ہے، اب اگر "بسم اللہ.." کو سورہ فاتحہ کا جزء قرار دیا جائے تو پھر آیات کی تعداد آٹھ بن جائے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ "بسم اللہ.." سورہ فاتحہ کا جزء نہیں۔

==========================

(۱) أخرجه مسلم، باب حجة من قال لا يجهر بالبسملة: ۲۹۹/۱، رقم: ۳۹۹. وأحمد: ۲۲۳/۳، رقم: ۱۳۳٦۱، والبيهقي في سنن الكبرىٰ، باب من قال لا يجهر بها: ۵۰/۲، رقم: ۲۲٤۲، والدار قطني: ۳۱٦/۱، رقم: ۸، والطحاوي في شرح معاني الآثار: ۲۰۳/۱، رقم: ۱۱۰۵.

(۲) أخرجه الترمذي، باب ما جاء في ترك الجهر بـ بسم الله: ۱۲/۲، رقم: ۲۲٤، وأحمد: ۸۵/٤، رقم: ۱٦۸۳۳.

(۳) دیکھئے تفسیر طبری: ۱۷/۱۳۲-۱۳٦، تفسیر قرطبی: ۵۱/۱۰، تفسیر أبی السعود: ۸۸/۵.

چھٹی دلیل : قراءتِ مشہورہ میں "بسم اللہ.." پر آیت کا عنوان، یعنی نمبر شمار نہیں لگایا ہے، جب کہ دیگر آیات پر مستقل نمبر شمار لکھا گیا ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ "بسم اللہ.." سورت کا جزء نہیں، ورنہ اس پر بھی نمبر شمار لگا ہوتا۔

ساتویں دلیل: مفسرِ جلیل علامہ ابوالحسن علی بن محمد الخازنؒ سورہ فاتحہ آیت:۲. کے ذیل میں ایک اشکال ذکر کرتے ہیں کہ سورہ فاتحہ میں دوبارہ "الرحمن الرحیم" کو کیوں ذکر کیا گیا ہے، حالانکہ یہ تو پہلے "بسم اللہ.." میں مذکور ہے؟ پھر اس کا خود جواب دیتے ہیں کہ "بسم اللہ.." میں "الرحمن الرحیم" کا تذکرہ تبرکاً تھا، اور یہاں پر بطورِ قیام الدلیل علی الدعوی کے قبیل سے ہے۔ سورہ فاتحہ کا دعوی "الحمد لله.." یعنی "اثبات الألوهية و الخالقية لله وحده" ہے اور "الرحمن الرحيم" اس پر دلیل ہے۔ موصوف رقم طراز ہیں۔ "فإن قلت: قد ذكر الرحمن الرحيم في البسملة فما فائدة تكريره هنا مرة ثانية؟ قلت: ليعلم أن العناية بالرحمة أكثرها من غيرها من الأمور وأن الحاجة إليها أكثر، فنبه سبحانه وتعالى بتكرير ذكر الرحمة على كثرتها، وأنه هو المتفضل بها على خلقه." (۱)

لیکن معروف حنفی مفسر علامہ نسفیؒ (۲) میں اس کا جواب یوں دیتے ہیں۔ ذكرهما قد مر وهو دليل على أن التسمية ليست من الفاتحة إذ لو كانت منها لما أعادهما لخلو الإعادة عن الإفادة(۳).

یعنی "الرحمن الرحیم" کو مکرر ذکر کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ "بسم اللہ.." سورہ فاتحہ کا جزء نہیں، اگر یہ سورہ فاتحہ کا جز ہوتا تو اسے مکرر ذکر نہ کیا جاتا، اس لیے کہ یہ تکرار بلا فائدہ ہے (۴)۔

مذکورہ بالا دلائل سے روزِ روشن کی طرح یہ بات عیاں ہوئی کہ "بسم اللہ.." سورہ فاتحہ کا جزء نہیں۔ اس مسئلہ کی سیر حاصل بحث کتبِ احادیث اور فقہ میں مذکور ہے، امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس پر سولہ دلائل قائم کیے ہیں کہ "بسم اللہ.." جزء

====================

(۱) دیکھیے تفسیر خازن : ۲۰/۱.

(۲) نام عبداللہ بن أحمد بن محمود النسفی، کنیت أبوالبرکات، لقب حافظ الدین، اصبہان سے تعلق تھا، مفسر، فقیہ اور مسلکاً حنفی تھے ۷۱۰ھ کو وفات پائی۔ (تاج التراجم فی طبقات الحنفیہ : ۱۰/۱، الأعلام للزرکلی: ۶۳/۴، معجم المؤلفین:۳۲/۶).

(۳) دیکھیے تفسیر مدارک:۸/۱.

(۴) لیکن یہ بات محلِ نظر ہے، مفسرِ جلیل علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ وأستدل بعض ساداتنا بتكرارهما على أن البسملة ليست آية من الفاتحة، وليس بالقوى؛ لأن التكرار لفائدة فذكرهما في البسملة تعليل للإبتداء بإسمه عز شأنه، وذكرهما هنا تعليل لإستحقاقه تعالى الحمد. وقال الإمام الرازي قدس سره في بيان حكمة التكرار: التقدير كأنه قيل له: أذكر أني إله ورب مرة واحدة، وأذكر أني رحمن رحيم مرتين؛ لتعلم أن العناية بالرحمة أكثر منها بسائر الأمور . (روح المعانی:۸۲/۱).

سورت ہے، لیکن معروف مفسر علامہ آلوسیؒ نے تمام کے جوابات تفسیر روح المعانی میں بسط وتفصیل کیساتھ میں دیئے ہیں(۱)۔
یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ ''بسم اللہ..'' کا جہری یا سری طور پر پڑھنا اس اختلاف پر متفرع ہے جو حضرات اسے سورہ فاتحہ کا جزء مانتے ہیں تو اکے نزدیک ''بسم اللہ..'' کو بالسر یعنی خاموشی کیساتھ پڑھا جائے گا اور یہی مسلک امام ابوحنیفہؒ، تابعین اور سلف صالحین کے ایک جماعت کا ہے، اور جو حضرات اس کو سورہ فاتحہ کا جزء مانتے ہیں، یعنی امام شافعیؒ اور تابعینؒ کی ایک جماعت۔ تو ان کے نزدیک اس کو بالجہر پڑھا جائے گا۔ ان کے دلائل کتب احادیث اور فقہ میں مذکور ہیں(۲)۔

المبحث الخامس : متعلق بسم الله مقدم أو مؤخر ؟

''بسم اللہ..'' میں ''ب'' جار ہے اور اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ یہ استعانت کے لیے ہے، یا الصاق کے لیے ہے، تاہم دونوں مراد لینا صحیح ہے، البتہ استعانت کے لیے زیادہ راجح ہے(۳)۔ اس کا متعلق محذوف ہے اور پھر اس بات میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ اس کا متعلق مقدم ہے یا موخر؟ چنانچہ کوفیین فرماتے ہیں کہ اس کا متعلق مقدم ہے اور بصریین کے نزدیک اس کا متعلق موخر ہے، تاہم بصریین کا مسلک اقوی اور ارجح ہے، یہی محققین نحات کا نظریہ ہے، اس لیے کہ یہ مفید حصر ہے اور ''بسم اللہ ..'' سے مقصود ومطلوب حصر الاستعانۃ فی ذات اللہ تعالی ہے، یعنی استعانت صرف اور صرف اللہ تعالی سے کیا جائے گا، اور یہی پورے قرآنِ کریم کا خلاصہ اور روح ہے، ارشادِ باری تعالی ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ. (سورة

---

(۱) دیکھئے روح المعانی:۱/۳۹-۴۴۔
(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۱۱۰-۱۱۱۔

(۱) قال العلامة الآلوسی رحمه الله : فالباء إما للإستعانة، أو المصاحبة، أو الألصاق، أو الأستعلاء، أو زائدة، أو قسمية، والأربعة الأخيرة ليست بشیء، وإن أستؤنس لبعض ببعض الآيات. وأختلف فی الأرجح من الأولين فالذی يشعر به كلام البيضاوی أرجحية الأول، وأيد بأن جعله للإستعانة يشعر بأن له زيادة مدخل فی الفعل، حتى كأنه لا يتأتی، ولا يوجد بدون أسم الله تعالی، ولا يخلو عن لطف، وما يدل عليه كلام الزمخشری أرجحية الثانی، وأيد بأن باء المصاحبة أكثر فی الإستعمال من باء الإستعانة لا سيما فی المعانی، وما يجری مجراها من الأفعال، وبأن التبرك بإسم الله تعالی تأدب معه وتعظيم له، بخلاف جعله للآلة؛ فإنها مبتذلة غير مقصودة بذاتها، وأن إبتداء المشركين بأسماء آلهتهم،كان علی وجه التبرك فينبغی أن يرد عليهم فی ذلك... وعندی أن الإستعانة أولی بل يكاد أن تكون متعينة؛ إذ فيها من الأدب والإستكانة وإظهار العبودية ما ليس فی دعوی المصاحبة؛ ولأن فيها تلميحا من أول وهلة إلی إسقاط الحول والقوة ونفی إستقلال قدر العباد وتأثيرها، وهو إستفتاح لباب الرحمة، وظفر بكنز لا حول ولا قوة إلا بالله؛ ولأن هذا المعنی أمس بقوله تعالی: ﴿وإياك نستعين﴾؛ ولأنه كالمتعين فی قوله:﴿ أقرأ بأسم ربك...﴾. (روح المعانی:۱/۴۷).

البقرة:۱۵۳) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَرَبُّنَا الرَّحمَنُ المُستَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ. (سورة الأنبياء:۱۱۲)

حاصل یہ ہے کہ استعانت صرف اور صرف اللہ تعالی طلب کی جائے گی ،جس طرح رحمانیت ورحمیت ذاتِ باری تعالی کیساتھ مختص ہے تو اسی طرح استعانت بھی اس سے طلب کی جائے گی۔اب معنی یوں ہوگا۔ "بسم الله الرحمن الرحيم أستعين في جميع الأمور وسائر الحوائج لا بما أشرك به المشركون ".

یعنی میں تمام امورِ خیر میں اور اپنی جملہ ضروریات میں صرف اور صرف اللہ تعالی سے مدد ونصرت چاہتا ہوں نہ کہ اُن خود ساختہ معبودوں اور خداؤں سے جن کو مشرکین بزعمِ خود الٰہ ،مشکل کُشاء اور حاجت روا سمجھتے ہیں۔

مشرکین مکہ کی یہ عادت مذمومہ تھی کہ جب کوئی کام شروع کرتے تو اپنے معبودانِ باطلہ کے نام لے کر شروع کرتے ،جیسے "بسم اللات والعزى " وغیرہ۔لیکن دینِ اسلام نے اس مذموم عقیدہ کی تردید کی۔اور فرزندانِ توحید کو اس بات کی تلقین فرمائی کہ جب کوئی باعث خیر کام شروع کرنا ہو تو صرف اللہ تعالی ہی کے نام سے شروع کرنا ہوگا۔یہ حصر سیاق کلام سے تب مستفاد ہوگا، جب متعلق موخر نکالا جائے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "بسم اللہ" کا متعلق موخر نکالنا راجح اور مختار ہے، شیخ الاسلام ابو زکریا الانصاریؒ اپنی تفسیر کشف الرحمٰن میں فرماتے ہیں کہ جو حضرات "بسم اللہ" کا متعلق موخر نکالتے ہیں اُن پر یہ اشکال نہ کیا جائے کہ قرآن کریم کی سب سے پہلی نازل ہونے والی سورت سورۃ العلق میں "اقراء باسم ربك . ." کا متعلق تو مقدم ہے،آپ اس کو کیوں موخر نکالتے ہو؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں قرآنِ کریم کے نزول کے ابتدائی مراحل تھے،اس کا تحمل کرنا اور اس عظیم بوجھ کو برداشت کرنا بہت ہی مشکل کام تھا، جو اللہ تعالی کے معیتِ خاصہ کے بغیر ممکن نہیں تھا، نیز قرآنِ کریم کے عظمت شان کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے متعلق کو مقدم کر دیا گیا ہے۔(۱)

معروف مفسر علامہ ابوالبرکات نسفیؒ فرماتے ہیں۔ " وتعلقت الباء بمحذوف تقديره بسم الله أقرأ أو أتلو لأن الذى يتلو التسمية مقروء كما أن المسافر إذا حل وارتحل فقال بسم الله والبركات كان المعنى بسم الله أحل وبسم الله أرتحل وكذا الذابح وكل فاعل يبدأ فى فعله بسم الله كان مضمراً ما جعل التسمية مبدأ له وإنما قدر المحذوف متأخراً لأن الأهم من الفعل والمتعلق به هو المتعلق به وكانوا يبدئون بأسماء آلهتم فيقولون باسم اللات وباسم العزى فوجب أن يقصد الموحد معنى اختصاص اسم الله عز وجل بالابتداء وذا بتقديمه وتأخير

=======================

(۲) کشف الرحمٰن بذیل ہذہ الآیۃ.

الـفعل وإنما قدم الفعل فى اقرأ باسم ربك لأنها أول سورة نزلت فى قول وكان الأمر بالقرائة أهم فكان تقديم الفعل أوقع ." (۱)

المبحث السادس : لفظ " الله " مشتق هے یا غیر مشتق ؟

لفظ''اللہ''مشتق ہے یا غیر مشتق،اس میں اہل علم کی رائے مختلف ہیں،امام خلیلؒ،امام سیبویہؒ،امام شافعیؒ،علامہ خطابیؒ،امام حرمینؒ،امام غزالیؒ اوراکثر اصولیین اورفقہاء کرامؒ فرماتے ہیں کہ لفظ''اللہ'' جامد غیر مشتق ہے۔اوراس کوامام فخر الدین رازیؒ اور دیگر اہل علم نے راجح قرار دیا ہے کہ جس طرح اللہ تعالی کی ذات لم یلدولم یولد ہے اوراس کیساتھ ذات وصفات میں کوئی شریک نہیں،اسی طرح اس کا نام میں بھی کسی سے مشتق نہیں،ارشاد ہے۔ هَـل تَـعـلَـمُ لَـهُ سَمِيًّـا .(سورۃ مریم:٦٥). (۲) مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ "وقـد اختـــار الـرازى أنـــه اسـم غيـر مشتـق البتة، قـال: وهو قول الخليل

===================

(۱) دیکھئے تفسیر مدارک: ۱/۲٦-۲۷.

(۲) قـال الامـام الـفـخـر الرازى رحمه الله: المختار عندنا أن هذا اللفظ اسم علم لله تعالى، وأنه ليس بمشتق ألبتة، وهو قول الخليل وسيبويه وقول أكثر الأصوليين والفقهاء ويدل عليه وجوه وحجج :

الـحجة الأولى: أنه لو كان لفظاً مشتقاً لكان معناه معنى كلياً لا يمنع نفس مفهومه من وقوع الشركة فيه؛ لأن اللفظ المشتق لا يفيد إلا أنه شيء ما مبهم حصل له ذلك المشتق منه، وهذا المفهوم لا يمنع من وقوع الشركة فيه بين كثيرين. فثبت أن هذا الـلـفـظ لو كان مشتقاً لم يمنع وقوع الشركة فيه بين كثيرين، ولو كان كذلك لما كان قولنا : لا إله إلا الله، توحيداً حقاً مانعاً مـن وقوع الشركة فيه بين كثيرين؛ لأن بتقدير أن يكون الله لفظاً مشتقاً كان قولنا : الله غير مانع من أن يدخل تحته أشخاص كثيـرة وحيـنـئـذٍ لا يـكـون قولنا : لا إله إلا الله، موجباً للتوحيد المحض، وحيث أجمع العقلاء على أن قولنا : لا إله إلا الله، يوجب التوحيد المحض علمنا أن قولنا : الله اسم علم موضوع لتلك الذات المعينة، وأنها ليست من الألفاظ المشتقة.

الـحـجة الثـانية : أن من أراد أن يذكر ذاتاً معينة ثم يذكره بالصفات؛ فإنه يذكر اسمه أولاً ثم يذكر عقيب الاسم الصفات مثـل أن يـقـول : زيد الفقيه النحوى الأصولى، إذا عرفت هذا فنقول : إن كل من أراد أن يذكر الله تعالى بالصفات المقدسة؛ فإنه يذكر أولاً لفظة الله ثم يذكر عقيبه صفات المدائح مثل أن يقول : الله العالم القادر الحكيم، ولا يعكسون هذا فلا يقولون : العالم القادر الله؛ وذلك يدل على أن قولنا : الله اسم علم ـ

الـحـجة الثـالثة : قـال تعالى : ﴿ هَل تَعلَمُ لَهُ سَمِيّاً﴾ [مريم :٦٥] وليس المراد من الاسم فى هذه الآية الصفة وإلا لكذب قوله :﴿ هَل تَعلَمُ لَهُ سَمِيّاً﴾ [مريم :٦٥] فوجب أن يكون المراد اسم العلم، فكل من أثبت لله اسم علم قال ليس ذاك إلا قولنا الله . (تفسیر الفخر الرازی:۱/۱۴۳-۱۴۴).

وسيبويه وأكثر الأصوليين والفقهاء." (۱)

الغرض لفظ''اللہ'' جامد غیر مشتق ہے، اہل علم نے اس کی تعریف یوں کی ہے۔ "هو اسم لذات الواجب الوجود المستجمع لجميع الصفات الكمال."

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ لفظ''اللہ'' مشتق ہے، پھر مشتق منہ میں متعدد اقوال ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

پہلا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ لفظ''اللہ'' "ألهت الى فلان" کے محاورہ سے مشتق ہے، جس کا معنی'' سكنت اليه''(میں نے فلاں سے سکون وراحت حاصل کی) ہے اور چونکہ سکونِ قلبی صرف اللہ تعالی کے ذکر سے حاصل ہوتا ہے، ارشاد ہے۔ الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكرِ اللَّهِ تَطمَئِنُّ القُلُوبُ. (سورة الرعد:۲۸).

امام فخر الدین رازیؒ کیا خوب فرماتے ہیں۔ فالعقول لا تسكن إلا إلى ذكره والأرواح لا تفرح إلا بمعرفته(۳).

دوسرا قول: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ "ولـه" سے مشتق ہے، جس کا معنی "تحير". (حیران ہونے) کے ہے اور چونکہ ذاتِ باری تعالی میں سارے لوگ متحیر ہیں، آج تک کسی نے اللہ تعالی کی ذات کی حقیقت کو کسی نے نہیں جانا۔

تیسرا قول: بعض فرماتے ہیں کہ لفظ "اله" "اله الرجل يأله (اذا فزع من أمر نزل به)" کے محاورہ سے مشتق ہے اہل عرب یہ اس وقت کہتے ہیں کہ جب کوئی کسی سے اچانک گھبرائے اور دوسرا اُسے پناہ دے اور چونکہ تمام مخلوقات کو ہر مصیبت وتکلیف سے نجات اور پناہ دینے والا اللہ تعالی ہی ہے، اس لیے اسے الٰہ کہتے ہیں قرآن مجید میں ہے۔ وَهُوَ يُجِيرُ وَلا يُجَارُ عَلَيهِ . (المؤمنون:۸۸).

چوتھا قول: بعض علماء فرماتے ہیں کہ لفظ" اله" أله الفصيل اذا ولع بأمه ".کے محاورہ سے مشتق ہے، یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب بچہ اپنی ماں کیساتھ چمٹ جائے، اور چونکہ بندے اسی طرح تضرع اور عاجزی کیساتھ جھکتے ہیں اور کسی مصیبت اور تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو سب کچھ بھول کر صرف اور صرف اسی ہی کے دربار میں آہ وفغاں کرنے لگتے ہیں، اس لیے کہا جاتا ہے۔ لأن العباد مولهون مولعون بالتضرع اليه فى كل الأحوال .(۲)

بعض مفسرین کرامؒ نے یہاں متکلمین حضرات کا ایک اختلافی مسئلہ چھیڑ دیا ہے کہ اسم عین مسمی ہے یا غیر مسمی ہے اور پھر جانبین کے دلائل ذکر کیے ہیں، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ نے کیا خوب کہا ہے۔ " فثبت أن الخوض فى هذا البحث على جميع

================

(۱) دیکھیے تفسیر ابن کثیر:۱/۳۸.

(۲) دیکھیے تفسیر کبیر للرازی:۱/ ۱۴۵، تفسیر ابن کثیر:۱/۱۲۳-۱۲۴، تفسیر قرطبی:۱/۱۰۲-۱۰۳، روح المعانی:۱/۵۶، غرائب القرآن للنسبوری:۱/۷۶-۷۷.

التقديرات يجرى مجرى العبث." (۱) ☆

قوله تعالى: الحمد لله:

یہ سورت کا مرکزی دعوی اور محور ہے، اس پر پانچ دلائل متفرع کیے گئے ہیں، حاصلِ دعوی "اثبات الألوهية و الخالقية لله وحده" ہے۔اب مزید وضاحت کے لیے چند مباحث ذہن نشیں رکھیں۔

۱۔ فضیلۃ الحمد. ۲۔ الحمد میں الف لام کونسا ہے؟ ۳۔ ذکر الحامد. ۴۔ ذکر المحمود. ۵۔ ذکر المحمود بہ. ۶۔ معنی الحمد عند المفسرین. ذیل میں مذکورہ بالا مباحث کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے۔ملاحظہ ہوں۔

======================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۳۵.

☆ قال المفسر الشهير الحافظ عمادالدين ابن كثير رحمه الله: وأما مسألة الاسم هل هو المسمى أو غيره؟ ففيها للناس ثلاثة أقوال: أحدها: أن الاسم هو المسمى، وهو قول أبى عبيدة وسيبويه، واختاره الباقلانى وابن فورك. وقال الرازى وهو محمد بن عمر المعروف بابن خطيب الرى فى مقدمات تفسيره: قالت الحشوية والكرامية والأشعرية: الاسم نفس المسمى وغير نفس التسمية. وقالت المعتزلة: الاسم غير المسمى ونفس التسمية. والمختار عندنا أن الاسم غير المسمى وغير التسمية. ثم نقول إن كان المراد بالاسم هذا اللفظ الذى هو أصوات متقطعة وحروف مؤلفة فالعلم الضرورى حاصل أنه غير المسمى، وإن كان المراد بالاسم ذات المسمى فهذا يكون من باب إيضاح الواضحات وهو عبث. فثبت أن الخوض فى هذا البحث على جميع التقديرات يجرى مجرى العبث، ثم شرع (الرازى) يستدل على مغايرة الاسم للمسمى بأنه قد يكون الاسم موجودا، والمسمى مفقودا كلفظة المعدوم، وبأنه قد يكون للشىء أسماء متعددة كالمترادفة، وقد يكون الاسم واحدا والمسميات متعددة المشترك، وذلك دال على تغاير الاسم والمسمى، وأيضا فالاسم لفظ وهو عرض والمسمى قد يكون ذاتا ممكنة أو واجبة بذاتها، وأيضا فلفظ النار والثلج لو كان هو المسمى لوجد اللافظ بذلك حر النار أو برد الثلج ونحو ذلك ولا يقوله عاقل، وأيضا فقد قال الله تعالى: ﴿ولله الأسماء الحسنى فادعوه بها﴾، وقال النبى ﷺ: إن لله تسعة وتسعين اسما. فهذه أسماء كثيرة والمسمى واحد، وهو الله تعالى، وأيضا فقوله: ﴿ولله الأسماء﴾ أضافها إليه كما قال: ﴿فسبح باسم ربك العظيم﴾ ونحو ذلك فالإضافة تقتضى المغايرة وقوله تعالى: ﴿فادعوه بها﴾ أى فادعوا الله بأسمائه. وذلك دليل على أنها غيره. واحتج من قال الاسم هو المسمى بقوله تعالى: ﴿تبارك اسم ربك ذى الجلال والإكرام﴾ والمتبارك هو الله تعالى. والجواب: أن الاسم معظم لتعظيم الذات المقدسة، وأيضا فإذا قال الرجل: زينب طالق، يعنى امرأته طلقت، ولو كان الاسم غير المسمى لما وقع الطلاق. والجواب: أن المراد أن الذات المسماة بهذا الاسم طالق. قال الرازى: وأما التسمية فإنه جعل الاسم معينا لهذه الذات فهى غير الاسم أيضا. والله أعلم. (تفسیر ابن کثیر:۱/۳۵-۳۶)

المبحث الأول: فضيلة الحمد:

احادیث مبارکہ میں حمد کی بے شمار فضائل بیان کی گئی ہیں، سنن ترمذی میں سیدنا جابر رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

أَفضَلُ الذِّكرِ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَأَفضَلُ الدُّعَاءِ الحَمدُ لِلَّهِ.(١)

اذکار میں سب سے افضل ذکر "لااله الاالله" ہے اور دعاؤں میں سب سے افضل دعا "الحمد لله" ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ افضل ذکر "لااله الاالله" کا ورد ہے اور دعاؤں میں سے افضل دعا "الحمد لله" ہے۔ بعض مساجد اور مراکز میں حدیث کے مذکورہ الفاظ میں زیادتی کر کے یوں لکھا جاتا ہے۔" أفضل الذكر : لااله الا الله محمد رسول الله.." سو اس زیادتی کا ثبوت احادیث میں نہیں، لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔

ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔

اذا قلت : الحمد لله ربّ العلمين، فقد شكرت الله .(٢)

"الحمد لله ربّ العلمين" کہنا اللہ تعالی کا شکر ادا کرنا ہے،

سنن ابن ماجہ میں سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

مَا أَنعَمَ اللَّهُ عَلَى عَبدٍ نِعمَةً فقال: الحمد الله إِلَّا كَانَ الَّذِى أَعطَى أَفضَلَ مِمَّا أَخَذَ .(٣)

جب اللہ تعالی کسی بندے پر کوئی نعمت فرمادے اور وہ" الحمد لله" کہہ دے تو اللہ تعالی اسے اس کا نعم البدل عطا فرمادیتے ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوفاً روایت ہے۔

"الحَمدُ لِلَّهِ كَلِمَةُ الشُّكرِ، وإذا قال العبد الحمد لله قال الله: شَكَرَنِى عَبدِى.(۴)

کوئی بندہ" الحمد لله" کہہ دے تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میرا شکر ادا کیا۔

========================

(١) أخرجه الترمذى، باب ما جاء أن دعوة المسلم مستجابة :٤٦٢/٥، رقم : ٣٣٨٣، والنسائى ، باب أفضل الذكر وأفضل الدعاء :٢٠٨/٦ ، رقم :١٠٦٦٧، وابن حبان : ١٢٦/٣، رقم : ٨٤٦.

(٢) أخرجه ابن جرير فى تفسيره : ١٣٦/١.

(٣) أخرجه ابن ماجه، باب فضل الحامدين: ١٢٥٠/٢، رقم : ٣٨٠٥، والبيهقى فى شعب الإيمان : ٩٩/٤، رقم : ٤٤٠٦.

(٤) أخرجه ابن أبى حاتم فى تفسيره: ١٥/١.

الغرض" الحمد لله" افضل الدعاء ہے اور سورہ فاتحہ تعلیم المسئلہ ہے، گویا اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو دعاؤں کے سیکھانے کے سلسلہ میں افضل الدعاء کی تعلیم کردی کہ " الحمد لله" کہا کرو۔

ایک ملحدانہ اعتراض!

بعض ملحدین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اصول یہ ہے کہ کوئی خود اپنے نفس کی تعریف نہیں کرتا اور خود اپنے نفس کی تعریف کرنا بھی جائز نہیں، حالانکہ اللہ تعالی نے مذکورہ اصول کی خلاف خود اپنی تعریف شروع کردی اور ساتھ میں مخلوق کو حکم دیا کہ اپنی تعریف نہ کرو؟

پہلا جواب: یہ ضابطہ مخلوق کے لیے ہے کہ خود اپنی تعریف نہ کرنا اور خالق خود اس قانون سے مستثنیٰ ہے، ارشاد ہے۔ لا يسئل عما يفعل وهم يسئلون . (سورۃ الأنبیاء:۲۳).

دوسرا جواب: قرآنِ مجید کا بنیادی مقصد انسانیت کی اصلاح اور تعلیم العباد ہے، یہ بظاہر جملہ خبریہ ہے، لیکن معناً جملہ انشائیہ ہے، تقدیرِ عبارت یوں ہے۔ قولوا الحمد لله." قولوا : الحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ ، قولوا: الرَّحمنِ الرَّحِيمِ، قولوا: مَالِكِ يَومِ الدِّينِ، قولوا : إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِينُ ، قولوا : اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ." (۱)

المبحث الثانی: الحمد میں الف لام کونسا ہے ؟

یہ بات کُتب فنون میں مذکور ہے کہ الف لام کی چار قسمیں ہیں؛۔

۱۔ جنسی. ۲۔ استغراقی. ۳۔ عہدِ خارجی. ۴۔ عہدِ ذہنی.

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ " الحمد لله" میں الف لام استغراق کے لیے ہے اور یہ چار تعمیمات اور ایک تخصیص پر مشتمل ہے، چار تعمیمات یہ ہیں۔

۱۔ تعمیمِ حمد. ۲۔ تعمیمِ حامد. ۳۔ تعمیمِ زمانی. ۴۔ تعمیمِ متعلق.

اور ایک تخصیص جو لفظ ''للہ'' کے لام میں ہے۔ اب اس کا معنی یوں ہوگا کہ تمام افرادِ حمد ہر حمد ہر حامد سے ہر زمان ومکان میں خاص اللہ تعالی ہی کے لیے ہیں، اس میں تعمیمِ حمد کا معنی الف لام استغرافی سے مستفاد ہے، تعمیمِ حامد بوجہ عدمِ ذکر حامد کے اور تعمیمِ زمان ومکان بوجہ جملہ اسمیہ کے ہے اور تخصیص حمد لامِ اختصاص سے مفہوم ہوتا ہے، اس لیے کہ ''للہ'' میں لام اختصاص کے لیے ہیں، لام کا اختصاص کے لیے آنا کلام عرب میں شائع ہے، جیسے ''الجل للفرس ''وغیرہ۔

=======================

(۱) دیکھئے تفسیر جواہر القرآن:۱/۳.

لیکن اس معنی پر سوالات وجوابات کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے کہ آپ نے کہا کہ تمام افراد حمد اللہ تعالی کے لیے ثابت ہیں، حالانکہ مخلوق کے لیے بھی صفات ہیں، بلکہ قرآنِ کریم نے خود مخلوق کے لیے صفات بیان کیے ہیں، چنانچہ قرآنِ مجید میں رسول اللہ ﷺ کے صفات ذکر ہیں، ارشاد ہے۔ لَقَد جَاءَكُم رَسُولٌ مِن أَنفُسِكُم عَزِيزٌ عَلَيهِ مَا عَنِتُّم حَرِيصٌ عَلَيكُم بِالمُؤمِنِينَ رَئُوفٌ رَحِيمٌ . (سورۃ التوبۃ:۱۲۸) اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے صفات ''رءوف''اور''رحیم'' کا بیان ہےاور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ إِنَّا أَرسَلنَاكَ شَاهِدًا وَمُبَشِّرًا وَنَذِيرًا وَدَاعِيًا إِلَى اللَّهِ بِإِذنِهِ وَسِرَاجًا مُنِيرًا . (سورۃ الأحزاب:۴۴،۴۵)۔ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کے صفات ''شاہد، مبشر، نذیر، داعی، سراج''اور ''مُنیر''وغیرہ صفات کا بیان ہے، حالانکہ آپ نے کہا کہ تمام صفات اللہ تعالی ہی کے لیے ثابت ہیں؟

اس کا ایک جواب یہ دیا جاتا ہے کہ مخلوق میں جو صفات ہیں درحقیقت میں یہ بھی اللہ تعالی کے صفات ہیں، کیونکہ خالق الصفات وہی ہے اور یہ صفات اللہ تعالی نے مخلوق میں ڈالی ہیں، جیسا کہ اگر کوئی شخص عالم، عادل اور سخی ہو تو اس میں علم، عدل اور سخاوت کی صفت ڈالنے والا اللہ تعالی ہی ہے، لہذا عالم، عادل اور سخی کی جو تعریف اور مدح کی جاتی ہے تو درحقیقت یہ بھی اللہ تعالی کی تعریف ہے نہ کہ اس شخصیت کی جو ان صفات کا حامل ہو۔(۱)

اس کا دوسرا جواب یہ ہے، تاہم اس سے قبل ایک تمہیدی مقدمے کا جاننا ضروری ہے کہ دراصل صفات کی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ صفاتِ عارضی. ۲۔ صفاتِ دائمی۔

مخلوق میں جو بھی صفات ہیں وہ تمام کے تمام حضیرۃ الزوال میں ہیں، یعنی عارضی اور فنا ہونے والی ہیں، کیونکہ مخلوق کو خود بھی ایک دن فنا ہونا ہے، ارشاد ہے۔ كُلُّ مَن عَلَيهَا فَانٍ وَيَبقَى وَجهُ رَبِّكَ ذُو الجَلَالِ وَالإِكرَامِ . (سورۃ الرحمٰن:۲۶،۲۷) اور یہ بات ظاہر ہے کہ مخلوقات پر جتنی بھی نعمتیں ہیں، وہ اللہ تعالی کی طرف سے ہیں، ارشاد ہے۔ وَمَا بِكُم مِن نِعمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ . (سورۃ النحل:۵۳) تمہارے اوپر جو بھی نعمتیں ہیں، خواہ علم ہو، بہادری ہو، عدالت ہو، سخاوت ہو وغیرہ وغیرہ۔ یہ تمام کی تمام اللہ تعالی کی طرف سے ہیں، کیونکہ علم وشجاعت اور سخاوت عطا کرنے والا اللہ تعالی ہی ہے، امام شاہ عبدالعزیز رحمہ اللہ مذکورہ آیت کی ذیل میں رقم طراز ہیں۔ کہ ہر کمال و نعمت در خیال و ذهن بشر می آید اُو را ازجناب اُو تعالی است ۔(۲) یعنی بندوں کے اُوپر جو بھی نعمتیں ہیں وہ تمام اللہ تعالی کی طرف سے ہیں، ان نعمتوں میں بندے کا کوئی کمال نہیں۔

==========================

(۱) دیکھیے جواہر القرآن:۱/۴.

(۲) تفسیر عزیزی: بذیل ہذہ الآیۃ.

دوسری قسم کے صفات دائمی ہیں، جس پر نہ تو کوئی فنا اور نہ ہی کوئی زوال طاری ہوگا، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہیں، ان صفات کیساتھ اللہ تعالی ہی موصوف ہے۔

اب جواب یہ ہے کہ مخلوق کے لیے جو صفات بیان کی جاتی ہیں وہ عارضی صفات ہیں، ایک دن فنا ہوں گی اور ظاہری بات ہے کہ جس چیز پر عدم اور فناء طاری ہو وہ کمال کی ضمانت نہیں بن سکتی۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ الحمد میں الف لام جنسی ہے، اب معنی یوں ہوگا۔ جنسِ حمد (یعنی ماہیتِ حمد اللہ تعالی) ہی کے لیے ہیں، پھر اس پر بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ ماہیتِ فعل اختیاری ہے اور بندہ تو خود مختار نہیں؟

پھر اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اس ماہیتِ حمد کی پہچان و معرفت اللہ تعالی ہی نے اپنے بندوں میں ودیعت فرمائی ہے اور ان صفات کا مودِع اللہ تعالی ہی ہے تو یہ بھی درحقیقت اللہ تعالی کی صفات بیان کرنا ہے۔

طلباء کرام! آپ نے قیل وقال کا تسلسل ملاحظہ کیا، یہ سوالات و جوابات کے طویل سلسلے ہیں جو ختم ہونے پہ نہیں آتے۔ دراصل سب سے بہتر اور بے غبار توجیہ وہی ہے جسے ہمارے مشائخ عظام رحمہم اللہ نے ترجیح دی ہے(۱) جس پر کوئی اعتراض و شبہ پیدا نہیں ہوتا۔ وہ یہ ہے کہ ''الحمد'' میں الف لام عہد خارجی ہے اور صفات سے صفاتِ مختصہ بذاتہ تعالی مراد ہیں، یعنی تمام صفاتِ الوہیت و کارسازی اللہ تعالی ہی کے لیے ہیں۔

بالفاظ دیگر صفات سے وہ صفات مراد ہیں، جو مافوق الاسباب ہیں، یعنی مالک و مختار، متصرف فی الأمور، مشکل کُشا اور حاجت روا وغیرہ۔ یہ حضرتِ شیخ مرحوم کی مخصوص اصطلاح تھی، یہ اصطلاح تفسیر مراغی میں بھی مذکور ہے، ماضی قریب کے معروف مفسر علامہ أحمد مصطفیٰ المراغیؒ فرماتے ہیں۔ إن كل ثناء جميل فهو لله تعالى؛ إذ هو مصدر جميع الكائنات، وهو الذى يسوس العالمين، ويربيهم من مبدئهم إلى نهايتهم، ويلهمهم ما فيه خيرهم وصلاحهم. (۲)

حضرت شیخ مرحوم کے الفاظ یہ ہیں کہ تمام صفاتِ کارسازیاں اور صفاتِ مافوق الاسباب اللہ تعالی ہی کے لیے ہیں اور حضرت شیخ القرآن علیہ الغفر ان یوں معنی بیان فرماتے تھے کہ تمام الوہیت و خدائی کے صفات اللہ تعالی ہی کے لیے ہیں۔

مذکورہ مفہوم الف لام عہد خارجی کی صورت میں متحقق ہوگا اور یہ بات اصولیین کی عین تحقیق کے مطابق ہے، اس لیے کہ کتب اصول فقہ میں یہ بات مصرح ہے کہ الف لام عہد خارجی اصل ہے اور جنس و استغراق وغیرہ کے لیے علی سبیل المجاز مستعمل ہوتا ہے،

========================

(۱) دیکھئے تفسیر جواہر القرآن: ۱/۴.

(۲) تفسیر مراغی: ۱/۳۰.

معروف متبحر اصولی علامہ سعد الدین تفتازانیؒ فرماتے ہیں۔ فَلِأَنَّ التَّعرِيفَ لَا يَلزَمُ أَن يَكُونَ لِلاستِغرَاقِ بَل العَهدُ هُوَ الأَصلُ. (١)

معروف عالم مُلا جیونؒ میں فرماتے ہیں۔ وفيه تنبيه على أن العهد هوا لأصل فى اللام . (٢)

جب یہ بات ثابت ہوئی کہ الف لام عہد خارجی اصل ہے، تو قاعدہ مسلمہ ہے۔"متى أمكن العمل بالحقيقة لا يصار الى المجاز ." جب حقیقت پرعمل ممکن ہوتو مجازی معنی مرادنہیں لیا جائے گا، یہاں معنی حقیقی مراد لینا صرف ممکن نہیں، بلکہ عین مقصود ہے، لہٰذا الف لام عہدِ خارجی مراد لینا اولی ہوا۔

اس معنی کی تائید قرآن مجید سے ہوتی ہے، ارشاد ہے۔ الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِى لَهُ مَا فِى السَّمَاوَاتِ وَمَا فِى الأَرضِ وَلَهُ الحَمدُ فِى الآخِرَةِ وَهُوَ الحَكِيمُ الخَبِيرُ. (سورۃ سبا: ۱) اس آیت میں صفات سے صفاتِ الوہیت مراد ہیں۔ایک دوسری ارشاد ہے۔ قُلِ الحَمدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصطَفَى آللَّهُ خَيرٌ أَمَّا يُشرِكُونَ. (سورۃ النمل:۵۹). اس سے قبل حضرت صالح علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی نجات کا بیان ہے اور مکذبین کی ہلاکت کا بیان ہے، اس کے بعد حضرت لوط علیہ السلام پر ایمان لانے والوں کی نجات کا اور نہ ماننے والوں کی ہلاکت کا تذکرہ ہے اور آخر میں فرمایا۔ قُلِ الحَمدُ لِلَّهِ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصطَفَى... ظالموں اور مشرکوں کو نیست و نابود کرنے والا اور اپنے نیکوکار بندوں کو نجات دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، یعنی مختار کل، متصرف فی الأمور وہی ہے تو تمام صفاتِ کارسازی بھی اسی کے لیے ہیں۔

ایک جگہ فرمایا۔ وَلَهُ الحَمدُ فِى السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ وَعَشِيًّا وَحِينَ تُظهِرُونَ. (سورۃ الروم:۱۸) اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ سُبحَانَ رَبِّكَ رَبِّ العِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى المُرسَلِينَ وَالحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ. (سورۃ الصافات:۱۸۰-۱۸۲) دوسری جگہ ارشاد ہے۔ الحَمدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ جَاعِلِ المَلَائِكَةِ رُسُلًا أُولِى أَجنِحَةٍ مَثنَى وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ يَزِيدُ فِى الخَلقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَىءٍ قَدِيرٌ. (سورۃ فاطر:۱) ایک جگہ فرمایا۔ فَقُطِعَ دَابِرُ القَومِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ. (سورۃ الانعام:۴۵) اس آیت میں صفات سے صفات کارسازی مراد ہیں، ورنہ معنی درست نہیں ہوگا، کیونکہ اس سے پہلے ظالموں اور نافرمانوں کے ہلاکت وتباہی کا تذکرہ ہے تو پھر "الحمدللہ" کہنا کس طرح درست ہوا کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں بلکہ صحیح معنی تب ہوگا کہ جب معنی یہ کیا جائے کہ تمام صفاتِ الوہیت وکارسازی اللہ ہی کے لیے ہیں، یعنی ظالموں اور نافرمانوں کو صفحۂ ہستی سے نیست ونابود کرنے والا۔ ان کی نسلوں

==========================

(۱) دیکھئے التلویح علی التوضیح:۱/۱۰۵.

(۲) دیکھئے نورالأنوار:۸۹.

کو جڑ سے اکھیڑنے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور عالم میں تغیرات کی ہوائیں چلانے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَإِذَا استَوَيتَ أَنتَ وَمَن مَعَكَ عَلَى الفُلكِ فَقُلِ الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِى نَجَّانَا مِنَ القَومِ الظَّالِمِينَ .(سورۃ المؤمنون:۲۸) **ایک جگہ ارشاد ہے۔** وَلَئِن سَأَلتَهُم مَن خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الحَمدُ لِلَّهِ بَل أَكثَرُهُم لَا يَعلَمُونَ . (سورۃ لقمان:۲۵) **ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔** وَلَئِن سَأَلتَهُم مَن نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحيَا بِهِ الأَرضَ مِن بَعدِ مَوتِهَا لَيَقُولُنَّ اللَّهُ قُلِ الحَمدُ لِلَّهِ بَل أَكثَرُهُم لَا يَعقِلُونَ. (سورۃ العنکبوت:۶۳) **ایک جگہ فرمایا۔** وَقَالُوا الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِى أَذهَبَ عَنَّا الحَزَنَ إِنَّ رَبَّنَا لَغَفُورٌ شَكُورٌ . (سورۃ فاطر:۳۴) **نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔** فَلِلَّهِ الحَمدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الأَرضِ رَبِّ العَالَمِينَ وَلَهُ الكِبرِيَاءُ فِى السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ وَهُوَ العَزِيزُ الحَكِيمُ . (سورۃ الجاثیہ:۳۶،۳۷).

اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَهُوَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الحَمدُ فِى الأُولَى وَالآخِرَةِ وَلَهُ الحُكمُ وَإِلَيهِ تُرجَعُونَ .(سورۃ القصص:۷۰) **ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔** الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِى وَهَبَ لِى عَلَى الكِبَرِ إِسمَاعِيلَ وَإِسحَاقَ إِنَّ رَبِّى لَسَمِيعُ الدُّعَاءِ. (سورۃ ابراہیم:۳۹) **ایک جگہ ارشاد ہے۔** وَنَزَعنَا مَا فِى صُدُورِهِم مِن غِلٍّ تَجرِى مِن تَحتِهِمُ الأَنهَارُ وَقَالُوا الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِى هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهتَدِىَ لَولَا أَن هَدَانَا اللَّهُ . (سورۃ الأعراف :۴۳) **ایک جگہ فرمایا۔** الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِى أَنزَلَ عَلَى عَبدِهِ الكِتَابَ وَلَم يَجعَل لَهُ عِوَجًا. (سورۃ الکہف:۱) **اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے۔** وَقُلِ الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِى لَم يَتَّخِذ وَلَدًا وَلَم يَكُن لَهُ شَرِيكٌ فِى المُلكِ وَلَم يَكُن لَهُ وَلِىٌّ مِنَ الذُّلِّ وَكَبِّرهُ تَكبِيرًا .(سورۃ بنی اسرائیل:۱۱۱) **ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔** دَعوَاهُم فِيهَا سُبحَانَكَ اللَّهُمَّ وَتَحِيَّتُهُم فِيهَا سَلَامٌ وَآخِرُ دَعوَاهُم أَنِ الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ. (سورۃ یونس آیت:۱۰) **ایک جگہ فرمایا۔** وَقَالُوا الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِى صَدَقَنَا وَعدَهُ وَأَورَثَنَا الأَرضَ نَتَبَوَّأُ مِنَ الجَنَّةِ حَيثُ نَشَاءُ فَنِعمَ أَجرُ العَامِلِينَ .(سورۃ الزمر:۷۴)

مذکورہ بالا تمام آیات میں صفات سے صفاتِ الوہیت اور کارسازی مراد ہیں، یہاں بھی یہی صفات معہودہ مراد ہیں اور الف لام عہدِ خارجی سے یہی معنی مستفاد ہوتا ہے، اس توجیہ پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔

احادیث میں بھی ایسے صفات پر حمد متفرع کیا گیا ہے، ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب کوئی خواب سے بیدار ہو جائے تو یہ دعا پڑھے۔ الحمد لله الذى أحيانا بعد ما أماتنا و اليه النشور . (۱)

========================

(۱) أخرجه البخارى ، باب ما يقول اذا نام : ۲۳۲۶/۵، رقم : ۵۹۵۳، ومسلم ، باب ما يقول عند النوم وأخذ المضجع : ۲۰۸۳/٤ ، رقم : ۲۷۱۱ . وابوداؤد، باب ما يقول عند النوم:۷۳۲/۲ ، رقم : ٥٠٤٩ .

یہاں حمد سے مراد موت کے بعد زندگی دینے کی صفت کی ہے، یعنی نیند سے بیدار کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

اسی طرح کھانے کے بعد یہ دعا منقول ہے۔ الحمد لله الذی أطعمنا وسقانا وجعلنا مسلمين .(١)

اور سوتے وقت یہ منقول ہے۔ الحمد لله الذى أطعمنا وسقانا وكفانا وآوانا وكم ممن لاكافى له ولا مؤوى . (٢) کھانا دینے والا اور ٹھکانہ دینے والا صرف اور صرف اللہ تعالیٰ ہے۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ صفاتِ کارسازی اور صفات مافوق الأسباب کا دارومدار اور انحصار علمِ کامل اور قدرتِ کاملہ پر ہے، یہی تعریف کامل کہلاتی ہے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ الحمد فى كلام العرب معناه الثناء الكامل.(٣)

طلباء محترم! یہاں پر چند توجہ طلب باتیں ذہن نشیں رکھنا ضروری ہیں:۔ ۱۔ حمد، مدح اور شکر میں فرق. ۲۔ حمد کی وجہ تخصیص اور حکمت۔

حمد، مدح اور شکر میں فرق:

حمد اور مدح میں اہل علم نے کئی فرق کیے ہیں، جن میں چند یہ ہیں۔

پہلا فرق: مدح عام ہے ذی روح اور غیر ذی روح دونوں پر اس کا اطلاق کیا جاتا ہے، جب کہ حمد کا اطلاق صرف اور صرف ذی روح پر کیا جاتا ہے، اس لیے "مدحت اللؤلؤ، مدحت البناء، مدحت فلاناً". کہنا درست ہے، لیکن "حمدت اللؤلؤ، حمدت البناء" کہنا درست نہیں۔

دوسرا فرق: مدح کبھی احسان سے پہلے ہوتی ہے اور کبھی احسان کے بعد ہوتی ہے، جب کہ حمد ہمیشہ احسان کے بعد ہوتا ہے۔

تیسرا فرق: مدح کبھی ممدوح ہوتی ہے اور کبھی مذموم ہوتی ہے، اگر ممدوح کی عدم موجودگی میں اس کی مدح کی جائے تو یہ جائز ہے، مثلا: فلاں اچھا عالم ہے، بہت سخی ہے وغیرہ وغیرہ۔ اور مدح کبھی مذموم ہوتی ہے کہ جب کسی کے سامنے اس کی مدح سرائی

==============================

(١) أخرجه ابوداؤد، باب ما يقول الرجل إذا طعم :٣٩٤/٢ ، رقم : ٣٨٥٠، والترمذى ، باب ما يقول إذا فرغ من الطعام : ٥٠٨/٥ ، رقم : ٣٤٥٧، وأحمد: ٣ /٢٣، ٩٨، رقم :١١٢٩٤.

(٢) أخرجه مسلم، باب مايقول عند النوم : ٤/ ٢٠٨٥ ، رقم : ٢٧١٥، وابوداؤد، باب ما يقول عند النوم : ٧٣٣/٢ ، رقم : ٥٠٥٣، والترمذى، باب ما جاء فى الدعاء إذا أوى إلى فراشه : ٤٧٠/٥ ، رقم : ٣٣٩٦، وأحمد: ١٥٣/٣ ، ١٦٧، رقم : ١٢٥٧٤، ١٢٧٣٥.

(٣) دیکھئے تفسیر قرطبی:۱/۱۳۳، تفسیر الجواہر الحسان للثعالبی: ۱/۲۲، تفسیر المحرر الوجیز:۱/۲، بذیل ہذہ الآیۃ.

کی جائے، ایک روایت میں آتا ہے۔ أحثوا فی وجوه المداحين التراب .(۱)

مدح سرائی کرنے والوں کے منہ میں مٹی ڈالو۔

ہاں اگر کسی شخصیت کا تعارف کرنا مقصود ہو تو پھر جائز ہے لیکن اس میں بھی غلو نہ کیا جائے، کیونکہ غلو فی المدح ناجائز ہے مزید تفصیل کے لئے شیخ القرآن رحمہ اللہ کی تصنیف لطیف ضیاء النور ملاحظہ ہو(۲)۔☆

اور حمد مطلقاً جائز ہے، خواہ ممدوح حاضر ہو، یا غائب ہو، بلکہ حمد تو مأمور بہ ہے، ایک روایت میں آتا ہے۔

من لم يحمد الناس لم يحمد الله (۳).

اس لیے حمد کا ذکر فرمایا، مفسر جلیل علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔ المدح: للحی ولغير الحی كاللؤلؤة والياقوتة الثمينة، والحمد: للحی فقط. والمدح: قد يكون قبل الإحسان وقد يكون بعده، والحمد: إنما يكون بعد الإحسان ـوالمدح: قد يكون منهياً عنه قال صلى الله عليه وسلم : احثوا التراب فی وجوه المداحين، والحمد: مأمور به مطلقاً قال صلى الله عليه وسلم : من لم يحمد الناس لم يحمد الله. والمدح: عبارة عن

=====================

(۱) أخرجه أحمد: ٥/٦ ، رقم: ٢٣٨٧٥، والطبرانی فی المعجم الكبير: ٢٣٩/٢٠ ، رقم: ١٧٣٢١ وأبونعيم فی حلية الأولياء: ٩٩/٦.

(۲) قال الشيخ محمدطاهر رحمه الله: والبدعة الشرعية على أقسام : ذلك ان اعتقدها صاحبهامن الأمور المدينية فتصيربدعة، وان لم يعتقدها من الأمور الدينية فتصيررسما مكروها وتكلفا فی الدين ... ومنهمااخترعه العلماء وطلبة العلم فی القعودوالجلوس والاستقبال والضيافة والألقاب العالية للأساتذة والمشايخ. (ضیاء النور:۲۴).

☆ أخرجه مسلم(٢٢٦٩/٤، رقم:٣٠٠٠) من طريق عَبدِ الرَّحمَنِ بنِ أَبِی بَكرَةَ عَن أَبِيهِ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ أَنَّهُ ذُكِرَ عِندَهُ رَجُلٌ فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ! مَا مِن رَجُلٍ بَعدَ رَسُولِ اللهِ ﷺ أَفضَلُ مِنهُ فِی كَذَا وَكَذَا فَقَالَ النَّبِیُّ ﷺ: وَيحَكَ قَطَعتَ عُنُقَ صَاحِبِكَ مِرَارًا يَقُولُ ذَلِكَ، ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ ﷺ: إِن كَانَ أَحَدُكُم مَادِحًا أَخَاهُ لَا مَحَالَةَ فَليَقُل: أَحسِبُ فُلَانًا إِن كَانَ يُرَى أَنَّهُ كَذَلِكَ، وَلَا أُزَكِّی عَلَى اللهِ أَحَدًا.

وأخرجه أيضاً(٢٢٩٧/٤، رقم:٣٠٠١) من طريق أَبِی بُردَةَ عَن أَبِی مُوسَى قَالَ: سَمِعَ النَّبِیُّ ﷺ رَجُلًا يُثنِی عَلَى رَجُلٍ وَيُطرِيهِ فِی المِدحَةِ فَقَالَ: لَقَد أَهلَكتُم أَو قَطَعتُم ظَهرَ الرَّجُلِ.

وأخرجه أيضاً(٢٢٩٧/٤، رقم:٣٠٠٢) من طريق مُجَاهِدٍ عَن أَبِی مَعمَرٍ قَالَ: قَامَ رَجُلٌ يُثنِی عَلَى أَمِيرٍ مِنَ الأُمَرَاءِ فَجَعَلَ المِقدَادُ يَحثِی عَلَيهِ التُّرَابَ وَقَالَ: أَمَرَنَا رَسُولُ اللهِ ﷺ أَن نَحثِیَ فِی وُجُوهِ المَدَّاحِينَ التُّرَابَ.

(۳) ذکرہ النیسابوری فی غرائب القرآن:۱/۹۳، والآلوسی فی روح المعانی:۱/۷۰.

القول الدال على أنه مختص بنوع من أنواع الفضائل باختياره وبغير اختياره. والحمد: قول دال على أنه مـختـص بفضيلة اختيارية معينة، وهى فضيلة الإنعام إليك وإلى غيرك، ولا بد أن يكون على جهة التفضيل لا على سبيل التهكم والاستهزاء والشكر على النعمة الواصلة إليك خاصة، وهو باللسان وقد يكون بالقلب(١).

شکر کا صدور شاکر سے حصولِ نعمت کے بعد ہوتا ہے اور حمد عام ہے، خواہ حصولِ نعمت سے پہلے ہو یا حصولِ نعمت کے بعد ہو، اس لیے حمد ذکر فرمایا۔ اور دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ شکر احسان اور انعام سے نوازنے والی ذات سے وجودِ نعمت پر دلالت کرتی ہے، یعنی اگر کسی نے کوئی احسان کیا تب اس کی شکر گزاری کی جائے گی اور حمد تو ہر حال میں محمود کی صفت ہوتی ہے خواہ اس نے نعمت کی یا نہیں، تب بھی وہ محمود ہوتا ہے، کیونکہ حمد صفتِ ذاتی ہے نہ کہ صفت عارضی ہے اور نعمت تو صفتِ عارضی ہے تو اسی وجہ سے شکر کا صیغہ استعمال کرنے کے بجائے حمد کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے۔

میرے شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ تعالی تمام بادشاہوں کا بادشاہ ہے اور اس کا کلام بھی تمام کلاموں کا بادشاہ ہے ،معروف محاورہ ہے۔'' كلام الملوك ملوك الكلام " .اللہ تعالی کا کلام یہ ہے۔ الحَمدُ للّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ . تمام صفاتِ الوہیت و کارسازی اللہ تعالی ہی کے لیے ہیں، جو پالنے والا ہے تمام جہانوں کا..

المبحث الثالث : ذكر الحمد و الحامد و المحمود و المحمود به :

حمد کا بیان "الحمد لله" میں ہے اور حامد کا ذکر "الحمد" کے فاعل سے مفہوم ہو رہا ہے، اس لیے کہ حمد مصدر ہے اور مصدر فاعل کا تقاضا کرتا ہے، تاہم فاعل کو بناء بر تعمیم کیا گیا ہے، فاعل عام ہے، خواہ انسان ہوں یا ملائکہ ہوں یا جن ہوں، یہاں تک کہ اللہ تعالی خود بھی اپنی نفس کی تعریف فرماتے ہیں، ارشاد ہے۔ سُبحَانَ رَبِّكَ رَبِّ العِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ وَسَلَامٌ عَلَى المُرسَلِينَ وَالحَمدُ لِلّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ .(سورۃ الصافات:۱۸۰-۱۸۲).

محمود اللہ تعالی ہی ہے ، یہ اختصاص '' للہ'' میں لام سے مفہوم ہو رہا ہے، قرآن مجید میں لام اختصاص کا استعمال شائع ہے، ارشاد ہے۔ فَلِلّٰهِ الحَمدُ رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَرَبِّ الأَرضِ رَبِّ العَالَمِينَ وَلَهُ الكِبرِيَاءُ فِى السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ وَهُوَ العَزِيزُ الحَكِيمُ. (سورۃ الجاثیہ:۳۶،۳۷) ایک جگہ فرمایا الحَمدُ لِلّٰهِ الَّذِى لَهُ مَا فِى السَّمَاوَاتِ وَمَا فِى الأَرضِ وَلَهُ الحَمدُ فِى الآخِرَةِ وَهُوَ الحَكِيمُ الخَبِيرُ . (سورۃ سبا:۱) نیز ارشاد ہے۔ وَهُوَ اللّٰهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ لَهُ الحَمدُ فِى الأُولَى وَالآخِرَةِ وَلَهُ الحُكمُ وَإِلَيهِ تُرجَعُونَ.(سورۃ القصص:۷۰)

مذکورہ بالا جملہ آیات میں لام اختصاص کے لیے ہے، جو اس بات پر دال ہے کہ محمود صرف اور صرف اللہ تعالی ہی ہے۔ اور جن

---

(۱) تفسیر غرائب القرآن للنسابوری:۱/۹۳، تفسیر ابن کثیر:۱/۴۳، تفسیر روح المعانی:۱/۷۰.

صفات پر حمد متفرع کیا گیا ہے وہ صفات الوہیت اور صفات کارسازی ہیں، مفسرین کرامؒ اس کا یہی معنی بیان فرماتے ہیں، جلیل القدر مفسر علامہ ابواللیث سمرقندیؒ (۱) فرماتے ہیں۔ الحمد لله يعني الوحدانية لله. وقد قيل: الألوهية لله. (۲)
امام المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ یوں معنی کرتے ہیں۔ ومعنى الحَمدُ لِلّٰهِ : الشكر خالصًا لله جل ثناؤه دون سائر ما يُعبد من دونه ودون كلّ ما برأ من خلقه. (۳)

صفاتِ کمالیہ کا مرجع:

یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ اللہ تعالی کے صفاتِ کمالیہ کا مرجع دو چیزیں ہیں، ایک علمِ کامل اور دوسری چیز قدرتِ کاملہ ہے، یعنی اللہ تعالی عالم ہے علمِ کامل کیساتھ اور قادر ہے قدرتِ کاملہ کیساتھ، قرآن مجید میں ہے۔ اللّٰهُ الَّذِي خَلَقَ سَبعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الأَرضِ مِثلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الأَمرُ بَينَهُنَّ لِتَعلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللّٰهَ قَد أَحَاطَ بِكُلِّ شَيءٍ عِلمًا . (سورة الطلاق:۱۲) آیت کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی وہ ذات ہے، جس نے سات آسمانوں اور سات زمینوں کو پیدا فرمایا اور اللہ تعالی کے فیصلے (خواہ تکوینی ہوں یا تشریعی) اُترتے ہیں، تکوینی فیصلے، جیسے زندگی، موت، صحت اور بیماری وغیرہ اور تشریعی فیصلے جیسے قرآن وحدیث۔ یہ فیصلے کیوں اترتے ہیں؟ لِتَعلَمُوا أَنَّ اللّٰهَ عَلَى كُلِّ شَيءٍ قَدِير . تاکہ تم جان لو کہ اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے اور "وَأَنَّ اللّٰهَ قَد أَحَاطَ بِكُلِّ شَيءٍ عِلماً ." اور اللہ تعالی نے کا علم ہر چیز پر احاطہ کیا ہوا ہے اور یہ دونوں صفات (علم کامل اور قدرتِ کاملہ) الوہیت کا مرجع ہیں اور جب اللہ تعالی علمِ کامل اور قدرتِ کامل کا مالک ہے تو تمام صفاتِ الوہیت و کارسازی بھی اسی ہی کے لیے ہیں اور یہی " الحمد لله " کا معنی ہے۔
تخصیص کی دوسری وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ یہاں مبتدا اور خبر دونوں معرفہ ہیں اور قاعدہ مسلمہ ہے کہ جب مبتدأ اور خبر دونوں معرفہ ہوں تو یہ حصر کا فائدہ دیتے ہیں، اس لیے مفسرین کرامؒ یوں معنی بیان فرماتے ہیں۔ الوحدانية لله. الشكر خالصًا لله جل ثناؤه دون سائر ما يُعبد من دونه.
مفسرین کرامؒ کے عبارات اور تعبیرات مختلف ہیں، تاہم سب کا مآل ایک ہے۔

ؔ عباراتنا شتى وحسنك واحد وكل إلى ذاك الجمال يشير

خلاصہ کلام یہ ہے کہ صفاتِ الوہیت کا مرجع دو چیزیں ہیں، ایک علم کامل اور دوسری قدرتِ کاملہ۔ باقی رہی یہ بات کہ صفات الوہیت کیا ہیں؟ اور کونسی ہیں؟ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب تم صفاتِ الوہیت کو پہچان لوگے تو تمہیں قرآنِ مجید میں

==============================

(۱) نام نصر بن محمد بن أحمد بن إبراہیم السمر قندی، کنیت أبو اللیث اور امام الہدی کے لقب سے مشہور ہوئے، مفسر، محدث، صوفی اور فقہ حنفی بہت بڑے امام تھے۔ ۳۷۳ھ کو وفات پائی۔ (الأعلام للزرکلی: ۸/ ۲۷، معجم المؤلفین: ۱۳/ ۹۱).
(۲) دیکھئے تفسیر بحر العلوم: ۱/ ۱۶.
(۳) دیکھئے تفسیر طبری: ۱/ ۱۳۵ .

کوئی اشکال نہیں ہوگا۔ صفاتِ الوہیت کا تذکرہ الف لام عہدِ خارجی کے بحث میں گزر چکا ہے، وہاں ملاحظہ ہوں۔

المبحث الرابع : معنى الحمد عند المفسرين :

مفسرین کرامؒ نے حمد کی متعدد معانی اور مفاہیم بیان کی ہیں، تاہم جو معنی علامہ محمد بن علی صابونی حفظہ اللہ نے صفوۃ التفاسیر میں بیان فرمایا ہے وہ واقعی طبیعت میں انشراح پیدا کرنے کے لائق ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔ الحمد : هو الثناء بالجميل على جهة التعظيم والتبجيل مقروناً بالمحبة(۲).

حمد کا مفہوم یہ ہے کہ احترام اور تعظیم کے طور پر تعریف بیان کرنا اور اس کا محرک محبت اور عقیدت ہو، اس لیے کہ بسا اوقات کسی کی تعریف کی جاتی ہے لیکن وہ محبت کی بنا پر نہیں کی جاتی، بلکہ خوف و دہشت کی وجہ سے خوش آمدی انداز میں مدح سرائی وغیرہ ہوتی ہے اور اس مدح سرائی کا اصل محرک جان بچانے کی فکر ہوتی ہے، جب کہ حمد کا اصل محرک خوف ولالچ نہیں بلکہ وہ حقیقی محبت اور عشق ہوتا ہے جو حمد وثناء پر مجبور کرے۔

باقی یہ تعریف تو عام کُتبِ تفسیر میں مذکور ہے۔ الحمد: هو الثناء على الجميل الاختياري من نعمة أو غيرها(۲). یعنی کسی کی اختیاری خوبی پر زبان سے تعریف کرنا خواہ اس کے مقابلہ میں نعمت ہو یا نہ ہو۔☆

======================

(۱) دیکھئے صفوۃ التفاسیر للصابونی:۱/۹، روائع البیان فی تفسیر آیات الأحکام:۱، بذیل قولہ تعالی: الحمد للہ.

(۲) دیکھئے تفسیر بیضاوی:۱/۴۲، تفسیر مظہری:۱/۴، التفسیر الواضح للدکتور محمود الحجازی:۱/۱۰.

☆قال الإمام ابن القيّم في طريق الهجرتين : الملك والحمد في حقه تعالى متلازمان. فكل ما شمله ملكه وقدرته شمله حمده فهو محمود في ملكه وله الملك والقدرة مع حمده، فكما يستحيل خروج شيء من الموجودات عن ملكه وقدرته يستحيل خروجها عن حمده وحكمته؛ ولهذا يحمد سبحانه نفسه عند خلقه وأمره لينبّه عباده على أن مصدر خلقه وأمره عن حمده. فهو محمود على كل ما خلقه، وأمر به حمد شكر وعبودية وحمد ثناء ومدح ويجمعهما التبارك ﴿فَتَبَارَكَ اللَّهُ﴾ يشمل ذلك كله. ولهذا ذكر هذه الكلمة عقيب قوله: ﴿أَلا لَهُ الخَلْقُ وَالأَمرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ العالَمِينَ﴾ (الأعراف:٥٤). فالحمد أوسع الصفات وأعم المدائح. والطرق إلى العلم به في غاية الكثرة والسبيل إلى اعتباره في ذرات العالم وجزئياته وتفاصيل الأمر والنهي واسعة جدا؛ لأن جميع أسمائه تبارك وتعالى حمد وصفاته حمد وأفعاله حمد وأحكامه حمد وعدله حمد وانتقامه من أعدائه حمد وفضله في إحسانه إلى أوليائه حمد والخلق والأمر، إنما قام بحمده ووجد بحمده وظهر بحمده، وكان الغاية هي حمده فحمده سبب ذلك وغايته ومظهره وحامله. فحمده روح كل شيء وقيام كل شيء بحمده وسريان حمده في الموجودات وظهور آثاره فيه أمر مشهود بالأبصار والبصائر. ثم قال: وبالجملة فكل صفة علياء واسم حسن وثناء جميل ،وكل حمد ومدح وتسبيح وتنزيه وتقديس وجلال وإكرام فهو لله عزّ وجلّ على أكمل الوجوه وأتمها وأدومها وجميع ما يوصف به ويذكر به ويخبر عنه به فهو محامد له وثناء وتسبيح وتقديس، فسبحانه وبحمده لا يحصى أحد من خلقه ثناء عليه. (تفسیر محاسن التأویل:۱/۲۲۶)

قوله تعالى: رَبِّ العَالَمِينَ:

یہ دعوی کے اثبات کے لیے پہلی دلیل ہے کہ جس طرح عالم اپنے وجود میں خالق کا محتاج ہے، اسی طرح اپنے بقاء ودوام میں مربی (تربیت کنندہ) کا محتاج ہے، اس نے نہ صرف یہ کہ تمام کائنات کو پیدا فرمایا، بلکہ ہر لمحہ تمام کائنات کو اپنے فضل وکرم سے نواز رہا ہے۔ اب لفظِ ''رب'' کے متعلق چند ابحاث ذہن نشیں رکھنا ضروری ہیں:۔

١۔ اطلاقات الربّ فی القرآن . ٢۔ معنی الرب. ٣۔ هل يجوز اطلاق الربّ على غيره تعالى؟

ذیل میں مذکورہ عنوانات کی ترتیب وار وضاحت کی جاتی ہے

المبحث الأول: اطلاقات الربّ فی القرآن:

قرآنِ مجید میں رب کئی معانی میں مستعمل ہے، جن میں چند یہ ہیں۔

۞...... ربّ بمعنی مالک، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّمَا أُمِرتُ أَن أَعبُدَ رَبَّ هَـذِهِ البَلدَةِ الَّذِی حَرَّمَهَا . (سورۃ النمل:٩١). ایک جگہ ارشاد ہے۔ فَلیَعبُدُوا رَبَّ هَذَا البَیتِ . (سورۃ قریش:٣). أی مالك هذا البيت.

اہل عرب کے محاوروں میں بھی ''رب'' بمعنی مالک استعمال ہوتا ہے، مشہور واقعہ ہے کہ جب ابرہہ نامی ظالم بادشاہ بیت اللہ کو منہدم کرنے کا ارادہ کر کے کئی ہزار فوج کو مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوا تو جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچا اور عبدالمطلب کے اونٹ ابرہہ کے قافلے والوں نے پکڑے تھے۔ عبدالمطلب نے جب اپنے اونٹوں کو چھڑوانے کی درخواست کی تو ابرہہ کہنے لگا کہ ارے تجھے اپنے اونٹوں کی فکر تو ہے! اور خانہ کعبہ جو تمہارے رب کا گھر ہے میں اُسے منہدم اور گرانے کا ارادہ کر چکا ہوں، تجھے اس کی کوئی فکر نہیں؟ عبدالمطلب کہنے لگا۔ إنی أنا رب الإبل وإن للبيت ربا سيمنعه. (١) میں تو اپنے اُونٹوں کا مالک ہوں اور خانہ کعبے کا مالک کوئی اور ہے، وہ اس کی دفاع کرلے گا۔ یہاں بھی ''ربّ'' بمعنی مالک ہے۔

۞......**دوسرا اطلاق:** ربّ بمعنی السید المطاع، جیسے ارشاد ہے۔ يَا صَاحِبَیِ السِّجنِ أَمَّا أَحَدُكُمَا فَیَسقِی رَبَّهُ خَمرًا . (سورۃ یوسف:٤١) یہاں ربّ بمعنی بادشاہ کے ہے، ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَقَالَ لِلَّذِی ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِنهُمَا اذكُرنِی عِندَ رَبِّكَ. یہاں بھی ربّ بمعنی بادشاہ وسید کے ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّی أَحسَنَ مَثوَایَ إِنَّهُ لَا يُفلِحُ الظَّالِمُونَ. یہاں بھی رب ایک توجیہ کے مطابق بادشاہ اور سید کے معنی میں ہے۔

حدیثِ جبریل میں ہے کہ جب حضرتِ جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے علاماتِ قیامت کے متعلق استفسار فرمایا۔

========================

(١) دیکھئے البدایہ والنہایہ:٢/١٧٢، تاریخ الملوک والأمم للطبری:١/٤٤١، تاریخ ابن خلدون:٢/٦٢.

آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ أن تلد الأمة ربتها. أی سیدها(۱).

۞...... ربّ بمعنی المصلح: جیسے ارشاد ہے۔ وَلَا يَنفَعُكُم نُصحِي إِن أَرَدتُ أَن أَنصَحَ لَكُم إِن كَانَ اللَّهُ يُرِيدُ أَن يُغوِيَكُم هُوَ رَبُّكُم. أی هو مصلحکم (۲). تمہارا اصلاح کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے میرے بس میں تو نہیں کہ تمہاری اصلاح کروں۔

۞...... ربّ بمعنی محافظ اور نگہبان، یعنی حفاظت و نگہبانی کرنے والا، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّا أَنزَلنَا التَّورَاةَ فِيهَا هُدًى وَنُورٌ يَحكُمُ بِهَا النَّبِيُّونَ الَّذِينَ أَسلَمُوا لِلَّذِينَ هَادُوا وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالأَحبَارُ بِمَا استُحفِظُوا مِن كِتَابِ اللَّهِ . (سورۃ المائدۃ: ۴۴) ''ربانیون'' رب کی جمع ہے، جس کا معنی حفاظت اور نگرانی کرنے والے ہیں۔

۞......ربّ بمعنی معبود، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُم فَاعبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُستَقِيمٌ. (سورۃ آل عمران:۵۱) یہاں ربّ بمعنی معبود ہے، یہی معنی عربی محاورات میں بھی مستعمل ہے۔

ایک لومڑی جس کی ہدایت کا ذریعہ بنی!!

زمانہ جاہلیت کا ایک مشرک حسب معمول اپنے بت کی پوجا کرنے کے لیے جا رہا تھا، جب دور سے نظر پڑی تو اس بُت پر ایک لومڑی پیشاب کر رہی تھی، جب اس نے یہ ماجرا دیکھا تو ہدایت فطری بھڑک اُٹھی ۔عقیدہ شرک کو خیر باد کہہ کر مشرف با اسلام ہوا، پھر اس نے یہ شعر کہا۔

؎ أَرَبٌّ يَبُولُ الثُّعلَبَانِ بِرَأسِهِ — لَقَد هَانَ مَن بَالَت عَلَيهِ الثَّعَالِب(۳)☆

==============================

(۱) أخرجه مسلم، باب بيان الإيمان والإسلام والإحسان ووجوب الإيمان بإثبات قدر الله سبحانه وتعالى : ۱/۲۶، رقم : ۸، وأبوداؤد، باب فی القدر: ۲/۶۳۵، رقم: ۴۶۹۵.

(۲) دیکھئے تفسیر قرطبی: ۱/۱۳۷.

(۳) دیکھئے تفسیر قرطبی: ۱/۱۳۷، اللباب لابن عادل الدمشقی:۱/۷، المحرر الوجیز:۱/۶۷، فتح القدیر للشوکانی:۱/۳۰.

☆ اسی طرح جب عمرو بن جموح نے اپنے بُت اور کتے کو ایک گنجان کنوئیں میں دیکھا تو کہنے لگا۔

وَاللَّهِ لَو كُنتَ إِلَهًا لَم تَكُن — أَنتَ وَكَلبٌ وَسطَ بِئرٍ فِي قَرَن
أُفٍّ لِمَلقَاكَ إِلَهًا مُستَدَن — الآنَ فَتَّشنَاكَ عَن سُوءِ الغَبَن
الحَمدُ لِلَّه العَلِيِّ ذِي المِنَن — الوَاهِبِ الرَّزَّاقِ دَيَّانِ الدِّيَن
هُوَ الَّذِي أَنقَذَنِي مِن قَبلِ أَن — أَكُونَ فِي ظُلمَةِ قَبرٍ مُرتَهَن (سیرۃ ابن ہشام:۱/۴۵۳)

۞...... رب بمعنی مربی، یعنی تربیت کنندہ، جیسے ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِن نَفسٍ وَاحِدَةٍ. (سورۃ النساء:۱) ایک جگہ ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم. (سورۃ البقرۃ:۲۱) ایک جگہ فرمایا۔ قُل أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ. (سورۃ الناس:۱)

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ تربیت دوطرح کی ہوتی ہے، ایک تربیت حقیقی اور دوسری تربیت مجازی، اگر مربی حقیقی ہو تو اس کی تربیت حقیقی کہلاتی ہے اور اگر مربی مجازی ہو تو اس کی تربیت مجازی کہلاتی ہے

۞...... ربّ بمعنی حاکم، جیسے ارشاد ہے۔ اتَّخَذُوا أَحبَارَهُم وَرُهبَانَهُم أَربَابًا مِن دُونِ اللَّهِ. (سورۃ التوبۃ:۳۱) ایک جگہ ارشاد ہے۔ قُل يَا أَهلَ الكِتَابِ تَعَالَوا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَينَنَا وَبَينَكُم أَلَّا نَعبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشرِكَ بِهِ شَيئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعضُنَا بَعضًا أَربَابًا مِن دُونِ اللَّهِ. (سورۃ ال عمران:۶۴).

مذکورہ بالا تمام معانی تفسیر قرطبی اور البحر المحیط وغیرہ میں ہیں(۱)☆۔

نیز مذکورہ معانی نور الایضاح کے حاشیہ میں اشعار کی صورت میں مذکور ہیں۔(۲)

قريب محيط مالك ومدبّر	مربّ كثير الخير والمولى للنعم
وخالقنا المعبود جابر كسرنا	ومصلحنا والصاحب الثابت القدم
وجامعنا والسيّد احفظ فهذه	معان أتت للرّب فادع لمن نظم

المبحث الثاني: معنى الربّ :

''ربّ'' کا لفظ اصل میں مصدر ہے، جس کا معنی تربیت کرنے کے ہیں، یعنی کسی شئی کو تدریجاً نشو ونما دے کر حد کمال تک پہنچانے کے ہیں، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ الرب في الأصل..............................

======================

(۱) مذکورہ تمام معانی کے لئے دیکھئے تفسیر قرطبی:۱/۱۳۷، التحریر والتنویر لابن عاشور ا/۹۵، فتح القدیر للشوکانی:۱/۳۰، المحرر الوجیز:۱/۲، اللباب لابن عادل الدمشقی:۱/۷.

☆ ولمّا ذكر سبحانه استحقاقه الذاتي بجميع المحامد بمقابلة الحمد باسم الذات أردفه بأسماء الصفات فقال: رَبِّ العالَمِينَ جمعا بين الاستحقاقين وهو؛ أي: رب العالمين كالبرهان على استحقاقه جميع المحامد الذاتي والصفاتي والدنيوي والأخروي؛ أي: مالك جميع من في السموات والأرض وغيرهما من ملك وإنس وجنّ وغيرهم ومعبوده. (تفسیر حدائق الروح والریحان:۱/۵۵)

(۲) دیکھئے ہامش نور الایضاح:۶

مصدر بمعنی التربیة : وھی تبلیغ الشیء إلی کمالہ شیئاً فشیئاً .(۱)

معروف مفسر علامہ ابوالبرکات نسفیؒ فرماتے ہیں۔ الرب المالک، ومنہ قول صفوان لأبی سفیان: لأن یربنی رجل من قریش أحب إلیّ من أن یربنی رجل من ھوازن. تقول: ربہ یربہ رباً فھو رب، ویجوز أن یکون وصفاً بالمصدر للمبالغة کما وصف بالعدل... وقال الواسطی: ھو الخالق ابتداء الفاتحة، والمربی غذاء، والغافر انتھاء.(۲).

تربیت کی اقسام اور انواع:

تربیت کی دو قسمیں ہیں:۔ ۱۔ تربیتِ جسمانی حسی. ۲۔ تربیتِ روحانی غیر حسی .

❁......**تربیتِ جسمانی حسی: وہ تربیت ہے، جس میں انسانی تخلیق کے جملہ مراحل کا بیان ہو، قرآن مجید میں انسانی تخلیق کا جا بہ جا تذکرہ کیا گیا ہے، کبھی مادہ بعید کا ذکر ہے اور کبھی مادہ قریب کا بیان ہے، جیسے ارشاد ہے۔** وَلَقَد خَلَقنَا الإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِن طِینٍ ثُمَّ جَعَلنَاہُ نُطفَةً فِی قَرَارٍ مَکِینٍ ثُمَّ خَلَقنَا النُّطفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقنَا العَلَقَةَ مُضغَةً فَخَلَقنَا المُضغَةَ عِظَامًا فَکَسَونَا العِظَامَ لَحمًا ثُمَّ أَنشَأنَاہُ خَلقًا آخَرَ فَتَبَارَکَ اللَّہُ أَحسَنُ الخَالِقِینَ. (سورۃ المؤمنون: ۱۲-۱۶). **ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔** قُتِلَ الإِنسَانُ مَا أَکفَرَہُ مِن أَیِّ شَیءٍ خَلَقَہُ مِن نُطفَةٍ خَلَقَہُ فَقَدَّرَہُ ثُمَّ السَّبِیلَ یَسَّرَہُ ثُمَّ أَمَاتَہُ فَأَقبَرَہُ ثُمَّ إِذَا شَاءَ أَنشَرَہُ . (سورۃ عبس:۱۷-۲۳) **ایک جگہ انسان کی تربیت کے اسباب کا یوں تذکرہ فرمایا۔** أَلَم نَجعَلِ الأَرضَ مِھَادًا وَالجِبَالَ أَوتَادًا وَخَلَقنَاکُم أَزوَاجًا وَجَعَلنَا نَومَکُم سُبَاتًا وَجَعَلنَا اللَّیلَ لِبَاسًا وَجَعَلنَا النَّھَارَ مَعَاشًا وَبَنَینَا فَوقَکُم سَبعًا شِدَادًا وَجَعَلنَا سِرَاجًا وَھَّاجًا وَأَنزَلنَا مِنَ المُعصِرَاتِ مَاءً ثَجَّاجًا لِنُخرِجَ بِہِ حَبًّا وَنَبَاتًا وَجَنَّاتٍ أَلفَافًا. (سورۃ النبأ: ۶-۱۶) .

❁......**تربیتِ روحانی غیر حسی: وہ تربیت ہے، جس میں انسان کی روحانی غیر مادی ارتقاء کا بیان ہو، روح کی ارتقاء کے لیے قرآن مجید نازل ہوا، جیسے ارشاد ہے۔** تَبَارَکَ الَّذِی نَزَّلَ الفُرقَانَ عَلَی عَبدِہِ لِیَکُونَ لِلعَالَمِینَ نَذِیراً. (سورۃ الفرقان:۱) **ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔** الرَّحمَنُ عَلَّمَ القُرآنَ خَلَقَ الإِنسَانَ عَلَّمَہُ البَیَانَ. (سورۃ الرحمٰن:۱-۴) **ایک جگہ ارشاد**

---

(۱) دیکھئے تفسیر بیضاوی:۱/۴۲.

(۲) دیکھئے تفسیر النسفی:۱/۳۰.

ہے۔ اقرَأ بِاسمِ رَبِّكَ الَّذِی خَلَقَ خَلَقَ الإِنسَانَ مِن عَلَقٍ .(سورۃ العلق: ۱-۲) ایک جگہ فرمایا۔ سَبِّحِ اسمَ رَبِّكَ الأَعلَی الَّذِی خَلَقَ فَسَوَّی وَالَّذِی قَدَّرَ فَهَدَی وَالَّذِی أَخرَجَ المَرعَی فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحوَی.(سورۃ الأعلیٰ:۱-۴)

قرآن مجید میں روح کو امر الٰہی کہا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَیَسأَلُونَكَ عَنِ الرُّوحِ قُلِ الرُّوحُ مِن أَمرِ رَبِّی وَمَا أُوتِیتُم مِنَ العِلمِ إِلَّا قَلِیلًا. (سورۃ بنی اسرائیل:۸۵). نیز قرآنِ کریم کو روح اس لیے کہا گیا ہے کہ اس میں روحوں کا علاج ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَکَذَلِكَ أَوحَینَا إِلَیكَ رُوحًا مِن أَمرِنَا مَا کُنتَ تَدرِی مَا الکِتَابُ وَلَا الإِیمَانُ وَلَکِن جَعَلنَاهُ نُورًا نَهدِی بِهِ مَن نَشَاءُ مِن عِبَادِنَا . (سورۃ الشوریٰ :۵۲). (۳)

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ ربوبیت اس نظام کو کہتے ہیں، جس کے تحت کوئی مخلوق عدم سے وجود میں آنے کے بعد تدریجاً پروان چڑھنے کے عمل سے گزرتی ہے، اب اس مفہوم کو سمجھنے کے لیے درج ذیل چند مباحث ذہن نشیں رکھیں۔

۱۔ اثبات الربوبیة لله تعالی . ۲۔ نفی الربوبیة عن غیره تعالی . ۳۔ أصول الربوبیة و نظامها .

۱۔ اثبات الربوبية لله تعالى کا بیان:

قرآن مجید میں صفت ربوبیت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ثابت کی گئی ہے، یعنی تمام جہان کا مربی حقیقی اور تربیت کنندہ اللہ تعالیٰ ہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ یَا أَیُّهَا النَّاسُ اعبُدُوا رَبَّکُمُ الَّذِی خَلَقَکُم وَالَّذِینَ مِن قَبلِکُم لَعَلَّکُم تَتَّقُونَ .(سورۃ البقرۃ: ۲۱) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قُل أَغَیرَ اللَّهِ أَبغِی رَبًّا وَهُوَ رَبُّ کُلِّ شَیءٍ. (سورۃ الأنعام:۱۶۴) نیز ارشاد ہے۔ أُمِرتُ أَن أَعبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشرِكَ بِهِ إِلَیهِ أَدعُو وَإِلَیهِ مَآبِ . (سورۃ الرعد:۳۵) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ یُولِجُ اللَّیلَ فِی النَّهَارِ وَیُولِجُ النَّهَارَ فِی اللَّیلِ وَسَخَّرَ الشَّمسَ وَالقَمَرَ کُلٌّ یَجرِی لِأَجَلٍ مُسَمًّی ذَلِکُمُ اللَّهُ رَبُّکُم لَهُ المُلكُ وَالَّذِینَ تَدعُونَ مِن دُونِهِ مَا یَملِکُونَ مِن قِطمِیرٍ . (سورۃ فاطر:۱۳)

مذکورہ تمام آیات میں اللہ تعالیٰ ربوبیت اپنے ثابت کرتا ہے کہ میں ہی تمہارا مربی اور تربیت کنندہ ہوں۔

۲۔ نفی الربوبية عن غيره تعالى کا بیان:

قرآن مجید میں جہاں اللہ تعالیٰ اپنے لیے ربوبیت ثابت کرتا ہے تو اس کیساتھ ساتھ غیر سے نفی بھی کرتا ہے کہ میرے سوا کوئی اور مربی اور تربیت کنندہ نہیں، جیسے ارشاد ہے۔ قُل أَغَیرَ اللَّهِ أَبغِی رَبًّا وَهُوَ رَبُّ کُلِّ شَیءٍ .(سورۃ الأنعام:۶۴) ایک

======================

(۳) دیکھئے غرائب القرآن للنیسابوری:۱/ ۹۷.

دوسری جگہ ارشاد ہے۔ يَا صَاحِبَيِ السِّجنِ أَأَربَابٌ مُتَفَرِّقُونَ خَيرٌ أَمِ اللَّهُ الوَاحِدُ القَهَّارُ مَا تَعبُدُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا أَسمَاءً سَمَّيتُمُوهَا أَنتُم وَآبَاؤُكُم مَا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلطَانٍ إِنِ الحُكمُ إِلَّا لِلَّهِ أَمَرَ أَلَّا تَعبُدُوا إِلَّا إِيَّاهُ ذَلِكَ الدِّينُ القَيِّمُ وَلَكِنَّ أَكثَرَ النَّاسِ لَا يَعلَمُونَ. **(سورۃ یوسف:۳۹-۴۰) ایک جگہ ارشاد ہے۔** كَذَلِكَ أَرسَلنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَد خَلَت مِن قَبلِهَا أُمَمٌ لِتَتلُوَ عَلَيهِمُ الَّذِي أَوحَينَا إِلَيكَ وَهُم يَكفُرُونَ بِالرَّحمَنِ قُل هُوَ رَبِّي لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيهِ تَوَكَّلتُ وَإِلَيهِ مَتَابِ . **(سورۃ الرعد:۳۰) ایک جگہ فرمایا۔** قُل يَا أَهلَ الكِتَابِ تَعَالَوا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَينَنَا وَبَينَكُم أَلَّا نَعبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشرِكَ بِهِ شَيئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعضُنَا بَعضًا أَربَابًا مِن دُونِ اللَّهِ فَإِن تَوَلَّوا فَقُولُوا اشهَدُوا بِأَنَّا مُسلِمُونَ . **(سورۃ ال عمران:۶۴)**

مذکورہ تمام آیات میں اللہ تعالی اپنے لیے صفت ربوبیت ثابت فرما کر غیر سے اسی صفت کی نفی فرماتے ہیں۔

۳۔ أصول الربوبية و نظامها کا بیان:

تمام عالم کا خالق اور مربی اللہ تعالی ہی ہے، اب وہ کیسے تربیت کنندہ ہے؟ اس کی انداز تخلیق کیسی ہے؟ سو اس حقیقت کو قرآن کریم میں جا بہ جا بیان فرمایا گیا ہے، ایک جگہ تخلیق عالم کا یوں بیان ہے کہ عالم کی تخلیق کس انداز سے ہوئی اور کیسے مراحل ارتقاء طے کرتی ہوئی موجودہ مرحلے تک پہنچی، جیسے ارشاد ہے۔ اللَّهُ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيرِ عَمَدٍ تَرَونَهَا ثُمَّ استَوَى عَلَى العَرشِ وَسَخَّرَ الشَّمسَ وَالقَمَرَ كُلٌّ يَجرِي لِأَجَلٍ مُسَمًّى يُدَبِّرُ الأَمرَ يُفَصِّلُ الآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاءِ رَبِّكُم تُوقِنُونَ وَهُوَ الَّذِي مَدَّ الأَرضَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ وَأَنهَارًا وَمِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ جَعَلَ فِيهَا زَوجَينِ اثنَينِ يُغشِي اللَّيلَ النَّهَارَ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَومٍ يَتَفَكَّرُونَ وَفِي الأَرضِ قِطَعٌ مُتَجَاوِرَاتٌ وَجَنَّاتٌ مِن أَعنَابٍ وَزَرعٌ وَنَخِيلٌ صِنوَانٌ وَغَيرُ صِنوَانٍ يُسقَى بِمَاءٍ وَاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعضَهَا عَلَى بَعضٍ فِي الأُكُلِ إِنَّ فِي ذَلِكَ لَآيَاتٍ لِقَومٍ يَعقِلُونَ. **(سورۃ الرعد:۲-۴)**

ایک جگہ انسانی تخلیق اور تربیت کا یوں بیان ہے۔ وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَكُم مِن نَفسٍ وَاحِدَةٍ فَمُستَقَرٌّ وَمُستَودَعٌ قَد فَصَّلنَا الآيَاتِ لِقَومٍ يَفقَهُونَ وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخرَجنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيءٍ فَأَخرَجنَا مِنهُ خَضِرًا نُخرِجُ مِنهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخلِ مِن طَلعِهَا قِنوَانٌ دَانِيَةٌ وَجَنَّاتٍ مِن أَعنَابٍ وَالزَّيتُونَ وَالرُّمَّانَ مُشتَبِهًا وَغَيرَ مُتَشَابِهٍ انظُرُوا

(۱) دیکھئے تفسیر جواہر القرآن:۱/۵.

إِلَى ثَمَرِهِ إِذَا أَثْمَرَ وَيَنْعِهِ إِنَّ فِي ذَلِكُم لَآيَاتٍ لِقَومٍ يُؤمِنُونَ. (سورۃ الأنعام:۹۷-۹۸). **ایک جگہ یوں فرمایا۔** هُوَ الَّذِي خَلَقَكُم فَمِنكُم كَافِرٌ وَمِنكُم مُؤمِنٌ وَاللَّهُ بِمَا تَعمَلُونَ بَصِيرٌ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ بِالحَقِّ وَصَوَّرَكُم فَأَحسَنَ صُوَرَكُم وَإِلَيهِ المَصِيرُ . (سورۃ التغابن:۲-۳)

ایک جگہ عالم کی تخلیق وتربیت کا اس انداز میں بیان ہے۔ خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ بِالحَقِّ تَعَالَى عَمَّا يُشرِكُونَ خَلَقَ الإِنسَانَ مِن نُطفَةٍ فَإِذَا هُوَ خَصِيمٌ مُبِينٌ وَالأَنعَامَ خَلَقَهَا لَكُم فِيهَا دِفءٌ وَمَنَافِعُ وَمِنهَا تَأكُلُونَ . (سورۃ النحل :۳-۵). **ایک جگہ انسان کی تخلیق نطفہ سے لے کر شکم مادر تک اور اس سے لے کر بڑھاپے اور پیرانہ سالی تک کے تمام منازل کا یوں بیان ہے۔** وَلَقَد خَلَقنَا الإِنسَانَ مِن سُلَالَةٍ مِن طِينٍ ثُمَّ جَعَلنَاهُ نُطفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقنَا النُّطفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقنَا العَلَقَةَ مُضغَةً فَخَلَقنَا المُضغَةَ عِظَامًا فَكَسَونَا العِظَامَ لَحمًا ثُمَّ أَنشَأنَاهُ خَلقًا آخَرَ فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحسَنُ الخَالِقِينَ . (سورۃ المؤمنون:۱۲-۱۴) **ان آیات میں نہایت عجیب انداز سے انسانی تخلیق اور اسکے ارتقائی مرحلوں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ایک دوسرے مقام میں یوں تذکرہ کیا گیا ہے۔** اللَّهُ الَّذِي خَلَقَكُم مِن ضَعفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعدِ ضَعفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِن بَعدِ قُوَّةٍ ضَعفًا وَشَيبَةً يَخلُقُ مَا يَشَاءُ وَهُوَ العَلِيمُ القَدِيرُ. (سورۃ الروم:۵۴).

المبحث الثالث: هل يجوز اطلاق الرّب على غيره تعالى ؟

''ربّ'' اللہ تعالی کی مخصوص صفت ہے، اضافت کے بغیر اس کا اطلاق مخلوق پر جائز نہیں، اس لیے کہ مخلوق خود تربیت کی محتاج ہے، البتہ اضافت کیساتھ اطلاق جائز ہے، جیسے "ربّ الدار ، ربّ الفرس" **وغیرہ کہنا جائز ہے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔** وفي الصحاح: والرب اسم من أسماء الله تعالى، ولا يقال في غيره إلا بالإضافة (۱).

معروف لغوی امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔ "فالرّبّ مصدر مستعار للفاعل، ولا يقال: الرّبّ مطلقا إلا لله تعالى المتكفّل بمصلحة الموجودات نحو قوله: ﴿بَلدَةٌ طَيِّبَةٌ وَرَبٌّ غَفُورٌ﴾.(سبا:١٥) ، وعلى هذا قوله تعالى: ﴿وَلا يَأمُرَكُم أَن تَتَّخِذُوا المَلائكَةَ وَالنَّبِيِّينَ أَرباباً﴾. (آل عمران:٨٠) أي:آلهة، وتزعمون أنهم الباري مسبّب الأسباب والمتولّي لمصالح العباد وبالإضافة يقال له ولغيره نحو قوله: رَبِّ العالَمِينَ(الفاتحة:١) ﴿ورَبُّكُم وَرَبُّ آبائِكُمُ الأَوَّلِينَ﴾. (الصافات:١٢٦) ويقال: رَبُّ الدّار ورَبُّ الفرس

=======================

(۱) دیکھئے تفسیر قرطبی:۱/۱۳۶.

لصاحبهما، وعلى ذلك قول الله تعالى: اذكُرنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنساهُ الشَّيطانُ ذِكرَ رَبِّهِ. (يوسف: ٤٢) وقوله تعالى: ارجِع إِلى رَبِّكَ (يوسف: ٥٠) وقوله: قالَ مَعاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّى أَحسَنَ مَثوایَ. (يوسف: ٢٣) قيل: عنى به الله تعالى. وقيل: عنى به الملك الذى ربّاه، والأوّل أليق." (۱)

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ ربّ کا اطلاق اللہ تعالی پر حقیقی طور پر کیا جاتا ہے، اس لیے حقیقی مربی اور تربیت کنندہ اللہ تعالی ہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ العَالَمِينَ رَبِّ مُوسَى وَهَارُونَ. **(سورۃ الأعراف:۱۲۱-۱۲۲) ایک جگہ ارشاد ہے۔** وَاذكُر رَبَّكَ فِى نَفسِكَ تَضَرُّعًا وَخِيفَةً وَدُونَ الجَهرِ مِنَ القَولِ بِالغُدُوِّ وَالآصَالِ وَلَا تَكُن مِنَ الغَافِلِينَ. **(سورۃ الأعراف:۲۰۵) ایک جگہ فرمایا۔** فَإِن تَوَلَّوا فَقُل حَسبِيَ اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ عَلَيهِ تَوَكَّلتُ وَهُوَ رَبُّ العَرشِ العَظِيمِ. **(سورۃ التوبۃ:۱۲۹) نیز فرمایا۔** سُبحَانَ رَبِّكَ رَبِّ العِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ. **(سورۃ الصافات:۱۸۰) ایک جگہ فرمایا۔** وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعرَى. **(سورۃ النجم آیت:۴۹) ایک جگہ یوں ارشاد ہے۔** فَأتِيَا فِرعَونَ فَقُولَا إِنَّا رَسُولُ رَبِّ العَالَمِينَ. **(سورۃ الشعراء آیت:۱۶) ایک جگہ فرمایا۔** قَالَ فِرعَونُ وَمَا رَبُّ العَالَمِينَ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ وَمَا بَينَهُمَا إِن كُنتُم مُوقِنِينَ. **(سورۃ الشعراء آیت:۲۱-۲۲) ایک جگہ فرمایا۔** قَالَ لَقَد عَلِمتَ مَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ. **(سورۃ بنی اسرائیل:۱۰۲).**

مذکورہ بالا آیات سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ربّ کا اطلاق اللہ تعالی پر حقیقی ہے اور جہاں پر ربّ کا اطلاق مخلوق پر کیا گیا ہے تو وہ علی سبیل المجاز ہے، جیسے سورۃ یوسف میں عزیز مصر پر ربّ کا اطلاق مجازاً کیا گیا ہے، چنانچہ ارشاد ہے۔ قَالَ مَعَاذَ اللَّهِ إِنَّهُ رَبِّى أَحسَنَ مَثوَایَ إِنَّهُ لَا يُفلِحُ الظَّالِمُونَ. **(سورۃ یوسف:۲۳)**

معروف مفسر علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں۔ "والرب فى الأصل مصدرٌ بمعنى التربية وهى تبليغُ الشئ إلى كمالِه شيئاً فشيئاً وُصف به الفاعل مبالغة كالعدل. وقيل: صفة مشبهة من ربَّه يرُبُّه مثل نمَّه يُنمُّه بعد جعله لازماً بنقله إلى فعُل بالضمِّ كما هو المشهور سُمّى به المالكُ؛ لأنه يحفظ ما يملِكه ويربيه، ولا يطلق على غيره تعالى إلا مقيد كربُّ الدار وربُّ الدابة ومنه قوله تعالى: ﴿فَيَسقِى رَبَّهُ خَمرًا﴾ وقوله تعالى: ﴿ارجِع إِلَى رَبِّكَ﴾. وما فى الصحيحين من أنه صلى الله عليه وسلم قال: لا يَقُل أحدُكم أطعم ربك وضئ ربَّك ولا يَقُل أحدُكم ربِّى وليَقُل سَيّدى ومولاى فقد قيل: إن النهىَ فيه للتنزيه. وأما الأرباب فحيث لم يكن إطلاقُه على الله سبحانه جاز فى إطلاقه الإطلاق والتقييد كما فى قوله تعالى: ﴿أأرباب متفرقون خير﴾ الآية" (۲).

======================

(۱) دیکھیے المفردات فی غریب القرآن: ۳۳۶.

(۲) تفسیر أبی السعود: ۱/۱۳

قوله تعالی: العَالَمِینَ.

"العالمین" کے متعلق چند باتیں ذہن نشیں رکھنا ضروری ہے۔

۱۔ "العالمین" کا مفہوم اور اس کے متعلق مفسرین کرامؒ کے اقوال. ۲۔ اطلاقات العالم فی القرآن.

المبحث الأول: العالمین کا مفہوم اوراس کے متعلق مفسرین کرامؒ کے اقوال:

"العـــالمیـن" عالم کی جمع ہے اور ''عالم'' ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جس سے دوسری چیز کا علم حاصل ہو، یہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے علاوہ ہر ایک موجود کو شامل ہے، خواہ جواہر ہوں یا اعراض ہوں، اس لیے کہ موجودات سے اللہ تعالیٰ خالق کا علم ہوتا ہے، کائنات کا ہر ایک ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے پر دال ہے۔ مفسر جلیل علامہ ابوالبرکات نسفیؒ فرماتے ہیں۔

"والعـالـم هو ما علم به الخالق من الأجسام والجواهر والأعراض أو كل موجود سوى الله تعالى سمى به لأنه علم على وجوده." (۱)

باقی رہی یہ بات کہ عالم سے کیا مراد ہے؟ اس میں اہل علم کے کئی اقوال ہیں، جن میں چند یہ ہیں۔ (۲)

پہلا قول: امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ نے دنیا اور آخرت میں پیدا کی ہے وہ عالم ہے، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ وقـال الـزجـاج: العالم كل ما خلق الله فى الدنيا والآخرة. قال القرطبى: وهذا هو الصحيح أنـه شـامل لكل العالمين؛ كقوله: ﴿قال فِرعَونُ وَمَا رَبُّ العَالَمِينَ قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالأرضِ وَمَا بَينَهُمَا إِن كُنتُم مُوقِنِينَ﴾ .(۳)

دوسرا قول: امام قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوا اجسام، جواہر اور اعراض ہیں اس کو عالم کہا جاتا ہے۔

تیسرا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ہر وہ چیز جو اللہ تعالیٰ کے وجود پر دال ہے، وہ عالم ہے، کائنات کا ذرہ ذرہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی گواہی دیتا ہے، ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

فیا عجبا کیف یعصی الإله | أم کیف یجحده الجاحد
وفی کل شیء لـــــه آیة | تدل علی أنه واحـــــد

========================

(۱) تفسیر النسفی:۱/۳۰.

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۱۳۱، تفسیر طبری:۱/۱۴۵، الدر المنثور للسیوطی:۱/۲۴.

(۳) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۱۳۲.

تعجب ہے کہ کس طرح اللہ تعالی کی نافرمانی کی جاتی ہے اور کس طرح اس کا انکار کیا جاتا ہے؟ حالانکہ ہر چیز میں اس کی نشانی ہے، جو اس کی وحدانیت پر دلالت کرتی ہے۔

چوتھا قول: امام فراءؒ اور امام ابوعبیدہؒ فرماتے ہیں کہ عالم ذوالعقول کو کہتے ہیں اور اس کے چار اصناف ہیں:۔ ۱۔ انسان. ۲۔ جنات. ۳۔ ملائکہ. ۴۔ شیاطین۔

پانچواں قول: سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی کے چالیس ہزار عالم ہیں اور دنیا مشرق سے لیکر مغرب تک ایک عالم ہے۔

چھٹا قول: حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک ہزار عالم ہیں، جس میں چھ سو بحر میں اور چار سو خشکی میں ہیں۔

ساتواں قول: امام مقاتلؒ فرماتے ہین کہ عالم اسی ہزار ہیں۔

آٹھواں قول: حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عالم اٹھارہ ہزار ہیں اور دنیا ان میں سے ایک عالم ہے۔(۱)

البحث الثانی : اطلاقات العالم فی القرآن :

عالم کا اطلاق قرآنِ مجید میں مختلف اشیاء پر کیا گیا ہے، جن میں چند یہ ہیں۔

۞...... **اطلاق العالم علی الانس والجن :** انسانوں اور جنات کے اوپر عالم کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ تَبَارَكَ الَّذِی نَزَّلَ الفُرقَانَ عَلَی عَبدِهِ لِيَكُونَ لِلعَالَمِينَ نَذِيرًا .(سورۃ الفرقان:۱) یہاں عالم سے انسان اور جنات مراد ہیں، کیونکہ احکاماتِ الٰہیہ کے مکلّف یہی دو فریق ہیں۔

۞...... **اطلاق العالم علی ما سوا الله :** اللہ تعالی کے سوا پر بھی عالم کا اطلاق کیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ قَالَ فِرعَونُ وَمَا رَبُّ العَالَمِينَ . (سورۃ الشعراء:۲۳) اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قَالَ رَبُّ المَشرِقِ وَالمَغرِبِ وَمَا بَينَهُمَا إِن كُنتُم تَعقِلُونَ . (سورۃ الشعراء:۲۸).

۞...... **اطلاق العالم علی اهل زمانه:** اہل زمانہ پر عالم کا اطلاق کیا جاتا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ أَتَأتُونَ الذُّكرَانَ مِنَ العَالَمِينَ. (سورۃ الشعراء:۱۶۵) یہاں عالم سے مراد اہلِ زمانہ ہیں اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلُوطًا إِذ قَالَ لِقَومِهِ أَتَأتُونَ الفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُم بِهَا مِن أَحَدٍ مِنَ العَالَمِينَ. (سورۃ الأعراف:۸۰) یہاں بھی عالم

==========================

(۱) مذکورہ بالا تمام اقوال کے لئے ملاحظہ ہوں۔ تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۳۱-۱۳۳، تفسیر طبری: ۱/۱۴۳-۱۴۵، الدر المنثور للسیوطی: ۱/۳۳، ۳۴، تفسیر اللباب لابن عادل الدمشقی: ۱/۹، ۱۰.

سے اہل زمانہ مراد ہیں۔

الغرض عالم کا اطلاق ان کے علاوہ دیگر معانی پر بھی کیا گیا ہے، تاہم ان میں کوئی تعارض نہیں۔ یہاں پر اگر اس کا اطلاق عام مان لیا جائے، یہ اصح ہوگا۔

قوله تعالى: الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ:

ماقبل میں اللہ تعالیٰ نے وصف عامہ ربوبیت کو ذکر فرمایا، اب وصف رحمٰن ذکر کیا، جس کا مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا رحم تمام مخلوقات کو شامل ہے، یہ ترغیب بعد الترہیب کے قبیل سے ہے، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ قال القرطبي: إنما وصف نفسه بالرحمن الرحيم بعد قوله: ﴿رب العالمين﴾ ليكون من باب قرن الترغيب بعد الترهيب كما قال تَعَالَى: ﴿نَبِّئ عِبادِي أَنِّي أَنَا الغَفُورُ الرَّحِيمُ. وَأَنَّ عَذابِي هُوَ العَذابُ الأَلِيمُ﴾ (الحِجرِ: ٤٩–٥٠) وَقَولُهُ تعالى: ﴿إِنَّ رَبَّكَ سَرِيعُ العِقَابِ وَإِنَّهُ لَغَفُورٌ رَحِيمٌ﴾ (الأنعام: ١٦٥) قال: فالرب فيه ترهيب، والرحمن الرحيم ترغيب۔ وفي صَحِيحِ مُسلِمٍ عَن أَبِي هُرَيرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: لَو يَعلَمُ المُؤمِنُ مَا عِندَ اللَّهِ مِنَ العقوبة ما طمع في جنته أَحَدٌ، وَلَو يُعلَمُ الكَافِرُ مَا عِندَ اللَّهِ من الرحمة ما قنط من رحمته أحد. (۱)

اب اس کے متعلق چند مباحث کا جاننا ضروری ہے:۔ ۱۔ ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' کا مفہوم. ۲۔ اس پر وارد ہونے والے اشکالات اور انکے جوابات. ۳۔ ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' میں فرق. ۴۔ کیا ان دونوں کا اطلاق مخلوق پر جائز ہے یا نہیں؟

المبحث الأول: ''رحمن'' اور ''رحیم'' کا مفہوم:

''رحمٰن'' اور ''رحیم'' کے اشتقاق میں اختلاف ہے، بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ غیر مشتق ہیں، اس لیے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اسماء مختصہ ہیں، تاہم جمہور اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ ''رحمۃ'' سے مشتق ہیں۔ ''رحمن'' بروزنِ (فعلان) اور ''رحيم'' بروزنِ (فعیل) دونوں مبالغے کے صیغے ہیں، لیکن ''رحمٰن'' میں مبالغہ زیادہ ہے۔ اب معنی یوں ہوگا۔ بے حد مہربان اور رحم والا ہے، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ اسمان مشتقان من الرحمة على وجه المبالغة، ورحمن أشد مبالغة من رحيم(۲).

=======================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۴۶.

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۲۴.

معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ وذهب الجمهور من الناس إلى أن الرحمن مشتق من الرحمة مبنى على المبالغة، ومعناه: ذو الرحمة الذى لا نظير له فيها؛ فلذلك لا يثنى ولا يجمع كما يثنى الرحيم ويجمع. قال ابن الحصار: ومما يدل على الاشتقاق ما خرجه الترمذى وصححه عن عبد الرحمن ابن عوف أنه سمع رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول: قال الله عز وجل أنا الرحمن خلقت الرحم وشققت لها اسما من اسمى فمن وصلها وصلته ومن قطعها قطعته. وهذا نص فى الاشتقاق فلا معنى للمخالفة .(١)

مفسر جلیل علامہ ابوحیان اندلسیؒ (۲) اپنی مایہ ناز تفسیر البحر المحیط میں فرماتے ہیں۔ یہ دونوں مبالغے کے صیغے ہیں اور دونوں میں فرق یہ ہے کہ ''رحمٰن'' میں مبالغہ باعتبار الکمال اور ''رحیم'' میں مبالغہ باعتبار التکرار ہے۔ اب معنی یوں ہوگا۔ بہت زیادہ بے حد مہربان ہے، جس طرح "غضبان" کا معنی بہت زیادہ غیض وغضب والا ہے، اور ''رحیم'' کا معنی بار بار رحم کرنے والا ہے، چنانچہ علامہ موصوف فرماتے ہیں۔ والذى يظهر أن جهة المبالغة مختلفة؛ فلذلك جمع بينهما فلا يكون من باب التوكيد، فمبالغة فعلان مثل غضبان وسكران من حيث الامتلاء والغلبة، ومبالغة فعيل من حيث التكرار والوقوع بمحال الرحمة (٣).

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ ''رحمٰن'' خاص الاسم اور عام الفعل ہے اور ''رحیم'' عام الاسم خاص الفعل ہے، یعنی ''رحمٰن'' کے مفہوم میں عموم اور ''رحیم'' کے مفہوم میں خصوص ملحوظ ہے، جیسے ایک روایت میں آتا ہے۔ يا رحمن الدنيا ورحيم الآخرة . (٤) اس لیے کہ دنیا میں اس کی رحمت عام ہے، ہر کسی کو شامل ہے، مسلمان اور کافر دونوں اس سے نفع اٹھاتے ہیں اور ''رحیم الاخرۃ'' اس لیے ہے کہ آخرت میں صرف اور صرف اہل ایمان کو اپنے رحمت سے نوازے گا، اتنا بڑا مہربان ہے کہ نہ تو کسی کا

---

(۱) تفسیر قرطبی: ۱/۱۰۴.

(۲) نام محمد بن یوسف بن علی بن یوسف ابن حیان الغرناطی الاندلسی الجیانی النفزی أثیر الدین أبوحیان، ۶۵۴ھ کو غرناطہ میں پیدا ہوئے اور قاہریہ میں رہائش تھی، تفسیر، حدیث، تاریخ، نحو اور لغت کے امام تھے، ۷۴۵ھ کو قاہریہ میں وفات پائی۔ (البلغة فی تراجم أئمة النحو واللغة: ۱/۵۸، ذیل تذکرۃ الحفاظ: ۱/۲۳، الأعلام للزرکلی: ۷/۱۵۲، معجم المؤلفین: ۱۳/۱۳۰)

(۳) دیکھئے البحر المحیط: ۱/۳۱.

(٤) أورده النسفى فى المدارك: ١/٧، والآلوسى فى روح المعانى: ١/٥٩، ٦٢، والنيسابورى فى غرائب القرآن: ١/٧٨، وأبوحيان فى البحر المحيط: ١/٣١.

رزق اطاعت اور فرمابرداری کی وجہ سے بڑھتا ہے اور نہ ہی کسی کا رزق معصیت ونافرمانی کی وجہ سے بن کرتا ہے حتی کہ نافرمانوں اور اپنے دشمنوں کو بھی بھوکا نہیں چھوڑتا، ہر کسی پر مہربان ہے اسی وجہ سے عارف باللہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

اے کریمے کہ ازخزانہ غیب گبروترسا وظیفہ خورداری

دوستاں راکجا کنی محروم کہ تو بادشمناں نظرداری

اور ''رحیم'' میں خصوصیت کا مفہوم ملحوظ ہے کہ خاص طور پر قیامت کے دن اہل ایمان پر مہربان ہوگا۔یعنی اہل ایمان کو جہنم کی شعلے مارتی ہوئی آگ سے محفوظ وماموں فرما کر ہمیشہ کی کامیابی وکامرانی سے نوازا کر جنت عطاء فرمادے گا۔

الغرض ''رحمٰن'' کا معنی یوں ہوگا کہ ہر چیز پر اور ہر کسی پر بے مہربان ہے،اس لیے کہ اللہ تعالی کی رحمت عام ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَرَحمَتِي وَسِعَت كُلَّ شَيءٍ. (سورۃ الأعراف:۱۵۶) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ الَّذِينَ يَحمِلُونَ العَرشَ وَمَن حَولَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمدِ رَبِّهِم وَيُؤمِنُونَ بِهِ وَيَستَغفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا وَسِعتَ كُلَّ شَيءٍ رَحمَةً وَعِلمًا .(سورۃ المومن:۷) اور ''رحیم'' میں خصوصیت میں پائی جاتی ہے، جیسے ارشادِ باری تعالی ہے۔ كَتَبَ عَلَى نَفسِهِ الرَّحمَةَ . اللہ تعالی نے اپنی ذات پر اہل ایمان کے لئے رحمت مقرر کی ہے،ایک روایت میں آتا ہے۔

عن أبی هريرة رضی الله عنه : أن رسول الله صلى الله عليه و سلم قال لما قضى الله الخلق كتب عنده فوق عرشه إن رحمتی سبقت غضبی . (۱)

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب اللہ تعالی نے فیصلے لکھ دیئے تو اپنے عرش پر یہ لکھ دیا کہ میری رحمت میری غضب پر سبقت کر چکی ہے۔

المبحث الثانی : ''رحمن'' اور'رحیم'' پر ھونے والے اشکالات اور انکے جوابات:

پہلا اشکال:

یہاں بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ ''رحمٰن'' اور ''رحیم'' دونوں ''رحمۃ'' سے مشتق ہیں اور رحمت رقۃ القلب کا اثر ہوتا ہے، اللہ تعالی جس طرح قلب سے منزہ ہے، اسی طرح قلب کے اثر سے بھی مبرہ ومنزہ ہے، اب ان کا اطلاق اللہ تعالی پر کیسے درست ہو

==============================

(۱) أخرجه البخاری ، باب وكان عرشه على الماء :٦/٢٧٠٠، رقم : ٦٩٨٦، ومسلم ، باب فى سعة رحمة الله تعالى وأنها سبقت غضبه : ٤/٢١٠٧، رقم : ٢٧٥١.

سکتا ہے، حالانکہ یہ دونوں مخلوق کی صفتیں ہیں؟

پہلا جواب: قرآنِ مجید کا ایک اصول ہے کہ وہ افعال جو مختص بالمخلوق ہیں، اگر ان کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی جائے تو اس وقت اس سے نتیجہ فعل مراد ہوتا ہے جو دراصل ماہیت اور مفہوم کا اثر ہوتا ہے نہ یہ کہ اس سے اصلِ فعل یعنی عین ماہیت اور مفہوم مراد ہوتا ہے، یہاں بھی نتیجہ فعل (شفقت و ہمدردی) مراد ہے، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ وأسماء الله تعالى إنما تؤخذ باعتبار الغايات التي هي أفعال دون المبادى التي تكون انفعالات (١).

حضرتِ شیخ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ بعض حضرات یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ رحمت میں معنی مجازی اور رقۃ القلب میں معنی حقیقی ہے، یہ درست نہیں، کیونکہ اس میں اللہ تعالی کے لئے صفتِ مجازی اور مخلوق کے لئے صفتِ حقیقی دینے کی خرابی لازم آتی ہے۔

دوسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ رحمت کی دو قسمیں ہیں ایک وہ رحمت ہے، جس کا تعلق مخلوق کے صفات کیساتھ ہو اور دوسری رحمت وہ ہے، جس کا تعلق خالق کے صفات کیساتھ ہو، اول الذکر قسم کا اثرِ مرتبہ اور نتیجہ رقۃ القلب ہوتا ہے اور ثانی الذکر قسم کا اثرِ مرتبہ اور نتیجہ ایصال الخیر اور دفع الشر عن المخلوق ہوتا ہے، یعنی مخلوقات کو ہر قسم کا فائدہ پہنچانا اور ہر طرح کے شرور وفسادات سے ان سے دفع کرنا۔ اس کی عام فہم مثال یوں سمجھئے کہ جب کوئی آدمی کسی بلند جگہ سے گر رہا ہو تو دیکھنے والوں کے دل میں اس کے لیے ہمدردی اور شفقت پیدا ہوتی ہے اور دل ہی دل میں اس کے لئے ترستے ہیں، لیکن دیکھنے والے نہ اسے خیر پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی اس کو گرنے سے بچا سکتے ہیں اور نہ ہی اس سے یہ تکلیف اور مصیبت دور کر سکتے ہیں، اب اسے رقۃ القلب کہا جاتا ہے اور اس حال مصیبت سے بچانے والی صرف اور صرف اللہ تعالی ہی کی ذاتِ عالی ہے، اس لیے کہ ایصال الخیر اور دفع الشر عن المخلوق خاصہ خداوندی ہے۔ یہ جواب پہلے سے زیادہ واضح اور بے غبار ہے۔

دوسرا اشکال:

اہل عرب جب کسی کی تعریف و مدح کرتے ہیں تو اس میں "ترقی من الأدنى الى الأعلى" کا اسلوب اپناتے ہیں، جیسے کہا جاتا ہے۔ "زيد عالم نحرير". اب نحریر میں عالم کے بنسبت زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے، اس لئے عالم کو مقدم اور نحریر کو موخر کیا گیا ہے، حالانکہ یہاں اس کے برعکس ہے کہ جس میں زیادہ مبالغہ پایا جاتا ہے "رحمٰن" اسے مقدم کیا گیا ہے اور "رحیم"، جس میں

==========================

(۱) تفسیر بیضاوی: ۱/ ۳۹.

مبالغہ کم ہے، اسے موخر کیا گیا ہے؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ دراصل ''رحمٰن'' اللہ تعالی کا خاص نام ہے، جب کہ ''رحیم'' عام ہے اس کا اطلاق مخلوق پر بھی جائز ہے، اس عظمت کے پیش نظر ''رحمٰن'' کو مقدم کیا گیا ہے، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ ولأنه صار كالعلم من حيث إنه لايوصف به غيره؛ لأن معناه المنعم الحقيقي البالغ في الرحمة غايتها، وذلك لا يصدق على غيره؛ لأن من عداه فهو مستعيض بلطفه وإنعامه (۱).

دوسرا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ''رحیم'' ماقبل کے لیے تتمہ ہے، اس لیے کہ بظاہر ایک وہم پیدا ہو رہا تھا کہ ''رحمٰن'' کا مفہوم یہ ہے کہ منعم بجلائل النعم اللہ تعالی ہے، پھر چھوٹی چھوٹی کون کرے گا؟ ''الرحیم'' کہہ کر اس وہم کو دور کر دیا کہ جس طرح بڑی بڑی نعمتیں کرنے اللہ تعالی ہے تو اسی طرح چھوٹی چھوٹی نعمتیں کرنے والا بھی اللہ تعالی ہی ہے، مفسر جلیل چنانچہ قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ أو لأن الرحمن لما دل على جلائل النعم وأوصلها ذكر الرحيم ليتناول ما خرج منها، فيكون كالتتمة والرديف له(۲).

تیسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ''رحمٰن'' کو رؤس الآیات کی موافقت کے لیے مقدم کیا گیا ہے مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ أو للمحافظة على رؤوس الآى(۳) .

تیسرا اشکال:

یہاں پر علامہ ابوالحسن علی بن محمد خازنؒ، علامہ نسفیؒ اور خطیب شربینیؒ (۴) نے ایک اشکال ذکر کیا ہے کہ " بسم اللــه" میں "الرحمن الرحيم" مذکور تھا، اب یہاں دوبارہ ذکر نا تکرار ہے، جو فصاحت و بلاغت کے منافی ہے؟

پہلا جواب: علامہ نسفیؒ اس کا جواب یوں دیتے ہیں کہ اسے مکرر لانا اس بات کی دلیل ہے کہ ''بسم اللہ'' سورہ فاتحہ کا جزء نہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔ ذكرهما قد مرّ وهو دليل على أن التسمية ليست من الفاتحة إذ لو كانت منها لما أعادهما

=====================

(۱) دیکھیے تفسیر بیضاوی: ۱/۳۹-۴۰، مسائل الرازی: ۲، غرائب القرآن للنیسابوری: ۱/۸۷.

(۲) دیکھیے تفسیر بیضاوی: ۱/۴۱.

(۳) تفسیر بیضاوی: ۱/۴۱.

(۴) نام محمد بن أحمد الشربيني شمس الدين، قاہرہ سے تعلق تھا، فقیہ، مفسر، متکلم، صرفی اور مسلکاً شافعی تھے۔ اور خطیب شربینی کے لقب سے مشہور ہوئے ۹۷۷ھ کو وفات پائی۔ (الأعلام للزركلی: ۶/۶. معجم المؤلفین: ۸/۲۶۹).

لخلو الإعادة عن الإفادة(١)

دوسرا جواب: معروف مفسر علامہ قرطبیؒ اور حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اسے مکرر ذکر کرنا ترغیب بعد الترہیب کے قبیل سے ہے کہ جب "الحمد لله" کہا تو اہل ایمان کے دل میں ایک رُعب اور خوف پیدا ہوا کہ مولا تیری ذات تو بہت عظیم ہے! نامعلوم ہمارے جیسے سیاہ کاروں اور گنہگاروں کو معاف بھی کردے گا یا نہیں؟!! اور نہ معلوم تو ہمارے جیسے خطا کاروں کو ہدایت وفلاح اور صراطِ مستقیم کی طرف رہنمائی کر بھی کرے گا یا نہیں؟ اب "الرحمٰن الرحیم" فرما کر اس خوف وگھبراہٹ کا ازالہ فرما دیا کہ گھبرانے کی ضرورت نہیں وہ ذات "رحمٰن ورحیم" ہے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ لأنـه لـمـا كان في اتصافه بـ رب العالمين ترهيب، قرنه بـ الرحمن الرحيم لما تضمن من الترغيب، ليجمع في صفاته بين الرهبة منه والرغبة إليه، فيكون أعون على طاعته وأمنع (٢).

بالفاظِ دیگر پہلے جلال کا تذکرہ تھا۔ الحَمدُ للّٰهِ رَبِّ العَالَمِينَ. اب جمال کا تذکرہ ہے۔ الرَّحمنِ الرَّحِيمِ . بے حد مہربان ہے اور بار بار رحم کرنے والا ہے، اور یہ قرآن، مجید کا اسلوب ہے کہ جلال کے جمال اور جمال کے بعد جلال کا تذکرہ کرتا ہے، چنانچہ دیکھئے سورۃ الأنعام آیت:۱۳۳ . وَرَبُّكَ الغَنِيُّ ذُو الرَّحمَةِ . . وَرَبُّكَ الغَنِي. یہ ذکرِ جلال ہے کہ تیرا رب تو بے پرواہ ہے اسے کسی کی ضرورت نہیں اور " ذُو الرَّحمَةِ ." یہ ذکرِ جمال ہے کہ بہت مہربان بھی ہے، اور اسی طرح دوسری جگہ ارشاد ہے۔ نَبِّئ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الغَفُورُ الرَّحِيمُ. یہ ذکرِ جمال ہے کہ میرے بندوں کو خبر دیجئے کہ میں معاف کرنے والا ہوں اور رحم کرنے والا ہوں، لیکن یہ بھی یاد رہے۔ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ العَذَابُ الأَلِيمُ . میری گرفت بھی بہت سخت ہے یہ بھی خیال رکھنا، یہ ذکرِ جلال ہے۔

اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوبِ شَدِيدِ العِقَابِ ذِي الطَّولِ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ إِلَيهِ المَصِيرُ . غَافِرِ الذَّنبِ وَقَابِلِ التَّوبِ. یہ ذکرِ جمال ہے کہ گناہوں کو معاف کرنے والا ہے اور توبہ کو قبول کرنے والا ہے اور شَدِيدِ العِقَابِ ذِي الطَّولِ. یہ ذکرِ جلال ہے کہ یہ بھی یاد رہے کہ سخت عذاب والا ہے۔

=====================

(۱) تفسیر مدارک:۱/۸.

(۲) دیکھئے تفسیر قرطبی:۱/۱۳۹، ابن کثیر: ۱/۱۲۵.

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

لو يعلم المؤمن ما عند الله من العقوبة ما طمع بجنته أحد ولو يعلم الكافر ما عند الله من الرحمة ما قنط من جنته أحد (١).

اگر مومن کو اللہ تعالی کے عذابوں کا علم ہو جاتا تو وہ کبھی بھی جنت کا طمع نہ رکھتا اور اگر کافر کو اللہ تعالی کے رحمتوں کا علم ہو جاتا تو وہ کبھی بھی جنت سے نا اُمید نہ ہوتا۔

تیسرا جواب: بعض اہل فرماتے ہیں کہ ''بسم اللہ..'' میں ''ب'' **استعانت کے لیے ہے اور** "الرحمن الرحيم" **اس کی تعلیل ہے، جب کہ یہاں**" الحمد لله.." **میں** اثبات الألوهية لله تعالى **کا بیان ہے اور اس کے بعد** "الرحمن الرحيم" **اس کی تعلیل ہے، اب حاصلِ معنی یوں ہوگا کہ اللہ تعالی سے مدد مانگو، کیونکہ وہ بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے اور تمام صفات کارسازی والوہیت اللہ تعالی ہی کے لئے ہیں، کیونکہ وہ بہت مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔**

خلاصہ کلام یہ ہے کہ" بسم الله.." **میں** "الرحمن الرحيم" **کا تذکرہ** "تخصيص الاستعانة منه" **کے لیے ہے، اور یہاں پر** "تخصيص الألوهية به" **کے لیے ہے، یعنی وہی ''رحمٰن ورحیم'' ہے، کیونکہ وہی مستعان ہے اور تمام صفاتِ الوہیت اللہ تعالی ہی کے لئے ہیں، کیونکہ وہی ''رحمٰن ورحیم'' ہے۔**

چوتھا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ تسمیہ میں "الرحمن الرحيم" **کا ذکر تھا، لیکن منعم علیہم کا تذکرہ نہ تھا، اب یہاں** "الرحمن الرحيم" **کے ذکر کیساتھ منعم علیہم کا بھی تذکرہ ہے، چنانچہ** "رب العالمين" **میں منعم علیہم کا ذکر ہے کہ پوری کائنات پر رحم کرنے والا ہے، معروف عالم علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ فرماتے ہیں۔** وقيل: إنما كُرِّر؛ لأن الرحمة هى الإنعام على المحتاج؛ وذكر فى الآية الأُولى المنعِم ولم يذكر المنعَم عليهم فأَعادها مع ذكرهم؛ وقال: ربِّ العالمين، الرحمن بهم أَجمعين، الرحيم بالمؤمنين خاصَّة يوم الدين ينعم عليهم ويغفر لهم(٢).

========================

(١) أخرجه مسلم، باب فى سعة رحمة الله تعالى وأنها سبقت غضبه: ٤/٢١١٩، رقم: ٢٧٥٥، وابن حبان، باب الخوف والتقوى: ٢/٤٣٢، رقم: ٦٥٦، وأبو يعلى: ١١/٣٩٢، رقم: ٦٥٠٧، والبيهقى فى شعب الايمان: ٢/٤، رقم: ١٠٠٠.

(٢) دیکھئے بصائر ذوی التمیز: ١/٨٨، بصيرة فى الحمد.

پانچواں جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تحمید کے لیے تعلیل ہے، علامہ مجدالدین فیرزآبادیؒ فرماتے ہیں۔ وقیل: كُرِّر لأَن المعنى: وجب الحمد لله؛ لأَنه الرَّحمن الرَّحيم(۱).

چھٹا جواب: بعض فرماتے ہیں کہ " الرحمن الرحيم" مابعد "مَالِكِ يَومِ الدِّين" کے لیے تمہید ہے، علامہ فیروزآبادیؒ فرماتے ہیں۔ وقيل: لمَّا أَرادذكر يوم الدين؛ لأَنه مِلكة ومالكه، وفيه يقع الجزاءُ والعقاب والثواب(۲).

المبحث الثالث: رحمن اور رحیم میں فرق :

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ دونوں ہم معنی الفاظ ہیں، ان دونوں میں کوئی فرق نہیں، جیسے " ندمان و نديم " وغیرہ ہیں، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ قال القرطبي: هما بمعنى واحد كندمان ونديم (۳) لیکن یہ بات محل نظر ہے، محققین حضرات فرماتے ہیں کہ ان دونوں میں فرق ہے، پھر انہوں نے مختلف فروق بیان فرمائے ہیں، جن میں چند یہ ہیں۔

مجاہد کبیر امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں۔ الرحمن: اذا سئل أعطى، والرحيم: اذا لم يسئل يغضب .

اس کی تائید سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے ہوتی ہے۔

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم : من لم يسئل الله يغضب عليه .(٤)

جو اللہ تعالی سے نہ مانگے تو اللہ تعالی اس پر غصہ ہوتے ہیں۔

ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

الله يغضب إن تركت سؤاله　　　وبنى آدم حين يسأل يغضب

مفسر جلیل علامہ ابوالحسن علی بن محمد خازنؒ فرماتے ہیں۔

فالرحمن هو المنعم بما لا يتصور صدور تلك النعمة من العباد والرحيم هو المنعم بما

=====================

(۱) دیکھئے بصائر ذوی التمیز :۱/۸۸، بصیرۃ فی الحمد.

(۲) دیکھئے بصائر ذوی التمیز :۱/۸۸، بصیرۃ فی الحمد.

(۳) تفسیر ابن کثیر:۱/ تفسیر بغوی:۱/۵۱، مفردات القرآن:۱/۳۹۱.

(٤) أخرجه الترمذی، باب ما جاء فی فضل الدعاء : ٥/٤٥٦ ، رقم : ٣٣٧٣، والبخاری فی الادب المفرد : ١/٢٢٩، رقم : ٦٥٨ .

يتصور صدور تلك النعمة من العباد (١).

پس رحمٰن کا اطلاق اس منعم پر کیا جاتا ہے جس کی نعمتوں کا صدور بندوں سے ممکن نہ ہو۔اور رحیم وہ انعام کرنے والی ذات ہوتی ہے کہ جس کی نعمت کا بندوں سے صادر ہونا ممکن ہو۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں۔ الرحمن : بكشف الكروب ، والرحيم : بغفران الذنوب .

رحمٰن مصائب دور کرنے کی وجہ سے جبکہ رحیم گناہوں کے بخشش کی وجہ سے کہلاتا ہے۔

علامہ عزیزیؒ فرماتے ہیں۔ الرحمن بجميع خلقه فى الأمطار ونعم الحواس والنعم العامة، الرحيم بالمؤمنين فى الهداية لهم واللطف بهم (٢). ☆

==============================

(۱) تفسیر خازن:۱/۱۹.

(۲) دیکھئے۔ تفسیر البحر المحیط:۱/۳۱، تفسیر ابن کثیر:۱/۱۲۶، معالم التنزیل:۱/۵۱، تفسیر غرائب القرآن:۱/۷۸.

☆ لقد أحسن أبواسحاق الثعلبى وأجاد حيث يقول: وقال بعضهم : الرَّحمن: العاطف على جميع خلقه كافرهم ومؤمنهم برّهم وفاجرهم بأن خلقهم ورزقهم قال الله تعالى:﴿ وَرَحمَتِى وَسِعَت كُلَّ شَىءٍ﴾، والرحيم: بالمؤمنين خاصّة بالهداية والتوفيق فى الدنيا والجنة والرؤية فى العقبى. عن مجاهد قال : الرَّحمن: بأهل الدنيا، والرحيم: بأهل الآخرة، وجاء فى الدعاء : يا رحمن الدنيا ورحيم الآخرة. وقال الضحّاك : الرَّحمن: بأهل السماء حين أسكنهم السماوات، وطوّقهم الطاعات، وجنّبهم الآفات، وقطع عنهم المطاعم واللذات۔ والرحيم: بأهل الأرض حين أرسل إليهم الرسل، وأنزل عليهم الكتب، وأعذر إليهم فى النصيحة، وصرف عنهم البلايا. وقال ابن المبارك: الرَّحمن : الذى إذا سُئل أعطى، والرحيم: إذا لم يُسأل غضب. وقال محمد بن على المزيدى: الرَّحمن: بالإنقاذ من النيران، وبيانه قوله تعالى: ﴿وَكُنتُم عَلَى شَفَا حُفرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِّنهَا﴾، والرحيم: بإدخالهم الجنان بيانه :﴿ ادخُلُوهَا بِسَلَامٍ امِنِينَ﴾. وقال المحاسبى: الرَّحمن : برحمة النفوس، والرحيم: برحمة القلوب. وقال السرىّ بن مغلس: الرَّحمن: بكشف الكروب، والرحيم: بغفران الذنوب. وقال عبد الله بن الجرّاح : الرَّحمن: بالطريق، والرحيم: بالعصمة والتوفيق. وقال مطهر بن الوراق : الرَّحمن: بغفران السيّئات وإن كن عظيمات، والرحيم: بقبول الطاعات وإن كنّ قليلات. وقال يحيى بن معاذ الرازى: الرَّحمن: بمصالح معاشهم، والرحيم: بمصالح معادهم. وقال الحسين بن الفضل: الرَّحمن: الذى يرحم العبد على كشف الضر ودفع الشر، والرحيم: الذى يرقّ وربما لا يقدر على الكشف. وقال أبو بكر الوراق أيضاً :الرَّحمن: بمن جحده، والرحيم : بمن وحّده، والرَّحمن: بمن كفر والرحيم بمن شكر. والرَّحمن: بمن قال نداً، والرحيم: بمن قال فردا. (الكشف والبيان:۱/۹۹-۱۰۱).

میرے شیخ مرحوم یوں فرق بیان فرمایا کرتے تھے کہ ''رحمٰن'' اس کو موصوف کو کہتے ہیں، جو بالفعل رحمت کر رہا ہو، اور جس کی رحمت کائنات کے ذرہ ذرہ کو شامل ہو اور ''رحیم'' اس ذات کو کہتے ہیں کہ رحم اس کی صفت لازمہ ہو، صفت عارضہ نہ ہو۔ اب مطلب یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ بالفعل ہر آن میں اپنی تمام مخلوق پر رحم فرما رہا ہے اور یہ رحم اس کی ذاتِ عالی کو لازم ہے، اس کی تائید علامہ جمال الدین قاسمیؒ کی اس عبارت سے ہوتی ہے۔ والذی أقول : إن لفظ : رحمن وصفٌ فعلیٌّ فیه معنی المبالغة کفعّال، ویدل فی استعمال اللغة علی الصفات العارضة کعطشان وغرثان وغضبان، وأما لفظ : رحیم ؛ فإنه یدل فی الاستعمال علی المعانی الثابتة کالأخلاق والسجایا فی الناس، کعلیم وحکیم وحلیم وجمیل (۱).☆

==============================

(۱) دیکھئے تفسیر محاسن التأویل:۱/۲۲۵.

☆ وقد ناقش فی کون ﴿الرَّحمنِ الرَّحِیمِ﴾ بمعنی واحد العلّامة الشیخ محمد عبده المصریّ فی مباحثه التفسیریة قائلا: إن ذلك غفلة نسأل الله أن یسامح صاحبها ثم قال: وأنا لا أجیر لمسلم أن یقول فی نفسه أو بلسانه: إن فی القرآن کلمة جاء ت لتأکید غیرها ولا معنی لها فی نفسها، بل لیس فی القرآن حرف جاء لغیر معنی مقصود. والجمهور: علی أن معنی الرحمن المنعم بجلائل النعم. ومعنی الرحیم المنعم بدقائقها. وبعضهم یقول: إن الرحمن هو المنعم بنعم عامة تشمل الکافرین مع غیرهم. والرحیم: المنعم بالنعم الخاصة بالمؤمنین. وکل هذا تحکم باللغة مبنیّ علی أن زیادة المبنی تدل علی زیادة المعنی. ولکن الزیادة تدل علی الوصف مطلقا فصیغة الرَّحمنِ تدل علی کثرة الإحسان الذی یعطیه سواء کان جلیلا أو دقیقا. وأما کون أفراد الإحسان التی یدل علیها اللفظ الأکثر حروفا أعظم من أفراد الإحسان التی یدل علیها اللفظ الأقل حروفا فهو غیر معنیّ ولا مراد، وقد قارب من قال: إن معنی الرَّحمنِ المحسن بالإحسان العام. ولکنه أخطأ فی تخصیص مدلول الرحیم بالمؤمنین. ولعل الذی حمل من قال: إن الثانی مؤکد للأول علی قوله هذا هو عدم الاقتناع بما قالوه من التفرقة مع عدم التفطّن لما هو أحسن منه، ثم قال: والذی أقول: إن لفظ رحمن وصف فعلیّ فیه معنی المبالغة کفعّال، ویدل فی استعمال اللغة علی الصفات العارضة کعطشان وغرثان وغضبان. وأما لفظ رحیم فإنه یدل فی الاستعمال علی المعانی الثابتة کالأخلاق والسجایا فی الناس کعلیم وحکیم وحلیم وجمیل. والقرآن لا یخرج عن الأسلوب العربیّ البلیغ فی الحکایة عن صفات الله عز وجل التی تعلو عن مماثله صفات المخلوقین، فلفظ الرَّحمنِ یدل علی من تصدر عنه آثار الرحمة بالفعل، وهی إفاضة النعم والإحسان، ولفظ الرَّحِیمِ یدل علی منشأ هذه الرحمة والإحسان، وعلی أنها من الصفات الثابتة الواجبة، وبهذا المعنی لا یستغنی بأحد الوصفین عن الآخر، ولا یکون الثانی مؤکّدا للأول. فإذا سمع العربیّ وصف الله جلّ ثناؤه بـ الرَّحمنِ، وفهم منه أنه المفیض للنعم فعلا لا یعتقد منه أن الرحمة من الصفات الواجبة له دائما؛ لأن الفعل قد ینقطع إذا کان عارضا لم ینشأ عن صفة لازمة ثابتة، فعند ما یسمع لفظ الرَّحِیمِ یکمل اعتقاده علی الوجه الذی یلیق بالله تعالی ویرضیه سبحانه. (تفسیر محاسن التأویل:۱/۲۲۵)

المبحث الرابع : رحمن کا اطلاق مخلوق پر جائز ہے یا نہیں؟

ماقبل یہ بات گزر چکی ہے کہ ''رحمٰن'' اللہ تعالی کا مخصوص نام ہے، اس کا اطلاق اللہ تعالی کے سوا کسی اور پر جائز نہیں، کیونکہ یہ بمنزلہ علم ذاتی کے ہے، امام المفسرین علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ الرحمن اسمٌ ممنوع(١).

رحمٰن ایسا نام ہے، جس کا اطلاق غیر اللہ پر ممنوع ہے۔

محدث جلیل امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔ مثل ما قلنا أنه من أسماء الله التی مَنَعَ التسمیَ بها العبادَ(٢).

جیسا کہ ہم نے کہا بے شک رحمٰن اللہ تعالی کے ان ناموں میں سے ہے جس سے بندوں کو مسمی کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ أكثر العلماء على أن الرحمن مختص بالله عزوجل لا يجوز أن يسمى به غيره ألاتراه قال: ﴿قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن﴾ فعادل الاسم الذی لا یشرکه فیه غیره. وقال: ﴿واسأل من أرسلنا من قبلك من رسلنا أجعلنا من دون الرحمن آلهة يعبدون﴾، فأخبر أن الرحمن هو المستحق للعبادة جل وعز. (٣)

اکثر علماء کے نزدیک رحمٰن اللہ تعالی کیساتھ خاص ہے کسی غیر کو اس نام سے موسوم کرنا جائز نہیں (دلیل یہ پیش فرماتے ہیں) کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالی فرماتے ہیں۔ اے میرے پاک پیغمبر! مشرکین مکہ سے کہہ دیجئے! کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو الخ... اب علامہ قرطبی کا طرز استدلال یوں ہے کہ اللہ تعالی نے اسم رحمٰن کو اسم اللہ کیساتھ برابری کے سطح پر ذکر فرمایا ہے ظاہری بات ہے کہ اسم اللہ میں اس کا کوئی شریک نہیں تو اسم رحمٰن میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں۔ (پھر دوسری آیت پیش فرماتے ہیں) اور اللہ تعالی فرماتے ہیں کیا ہم نے ان کے لئے رحمٰن کے علاوہ کوئی اور معبود مقرر فرمایا تھا جس کی وہ عبادت کرتے ہیں۔ امام قرطبیؒ کا طرز استدلال یوں ہے کہ اے میرے رسول! ان لوگوں کو کہہ دیجئے کہ رحمٰن ہی عبادت کا مستحق ہے۔ اب ظاہری بات ہے کہ اللہ تعالی کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں تو اسم رحمٰن کا اطلاق بھی غیر اللہ پر جائز نہیں۔

معروف مفسر علامہ ابوالحسن علی بن محمد خازنؒ فرماتے ہیں۔ لایقال لغیرالله رحمن (٤).

---

(١) دیکھئے تفسیر طبری:١/١٣٣، تفسیر ابن کثیر:١/١٢٧، الدرالمنثور للسیوطی:١/٢٤.

(٢) دیکھئے تفسیر طبری:١/١٣٣، تفسیر ابن کثیر:١/١٢٥.

(٣) دیکھئے تفسیر قرطبی:١/١٠٦.

(٤) دیکھئے تفسیر خازن:١/١٩.

مخلوق پر صفت رحمٰن کا اطلاق جائز نہیں۔

معروف لغوی امام راغبؒ میں فرماتے ہیں۔ ولا يطلق الرَّحمَنُ إلّا على الله تعالى من حيث إنّ معناه لا يصحّ إلّا له؛ إذ هو الذى وسع كلّ شىء رَحمَةً (١).

جلیل القدر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ واسمه تعالى الرحمن خاص به لم يُسم به غيره كما قال تعالى: ﴿قُلِ ادعُوا اللّهَ أَوِ ادعُوا الرَّحمَنَ أَيًّا مَا تَدعُوا فَلَهُ الأَسمَاءُ الحُسنَى﴾ وقال تعالى: ﴿وَاسأَل مَن أَرسَلنَا مِن قَبلِكَ مِن رُسُلِنَا أَجَعَلنَا مِن دُونِ الرَّحمَنِ آلِهَةً يُعبَدُونَ﴾ .(٢).

اللہ تعالی کا رحمٰن نامی نام اسی کیساتھ خاص ہے کسی غیر کو اسی کیساتھ مسمی نہیں کیا جائے گا۔ پھر وہی دو آیتیں بطور دلیل پیش فرماتے ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے رحمٰن اللہ تعالی کے لئے بمنزلہ علم ذاتی اور صفت مختصہ کے ہے اور اس کا اطلاق مخلوق پر جائز نہیں۔

ایک اشکال اوراس کا جواب:

بظاہر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مشرکین مکہ نے اللہ تعالی کی رحمانیت کا انکار کیسے کیا؟ ارشاد ہے۔ وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اسجُدُوا لِلرَّحمَنِ قَالُوا وَمَا الرَّحمَنُ. (سورة الفرقان:٦٠) اور اسی طرح صلح حدیبیہ کے موقعہ پر جب رسول اللہ ﷺ کے حکم سے سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے "بسم الله الرحمن الرحيم" لکھا، مشرکین مکہ میں سہیل بن عمرو نے کہا۔ لا نعرف الرحمن ولا الرحيم . ہم رحمٰن اور رحیم کو نہیں جانتے اور بعض روایات میں ہے۔ لا نعرف الرحمن الا رحمن اليمامة . اب انہوں نے ماننے کے باوجود انکار کیوں کیا؟

جواب: مشرکین مکہ کا اللہ تعالی کی صفت رحمانیت سے انکار محض جحود اور عناد کی وجہ سے تھا، ورنہ وہ دین اسلام کی حقانیت کے معترف تھے، جیسے ارشاد ہے۔ وَجَحَدُوا بِهَا وَاستَيقَنَتهَا أَنفُسُهُم ظُلمًا وَعُلُوًّا .(سورة النمل:١٤) نیز وہ یہ بات بخوبی جانتے تھے کہ رحمٰن اللہ تعالی کی صفتِ خاصہ ہے اس لئے کہ شعراء جاہلیت کے قصیدوں اور اشعار میں اللہ تعالی کی صفت رحمٰن کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ مفسر جلیل علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ والظاهر أن إنكارهم هذا إنما هو جُحود وعناد وتعنت فى

====================

(١) المفردات فی غریب القرآن:٣٤٧.

(٢) تفسیر ابن کثیر: ١٢٦/١.

كفرهم؛ فإنه قد وجد فى أشعارهم فى الجاهلية تسمية الله تعالى بالرحمن.(١)

باقی رہی یہ بات کہ رحمٰن الیمامہ کون تھا؟ تو یہ مسیلمہ نامی ایک بدنامہ زمانہ ایک شخص تھا جس نے حضور اقدس ﷺ کے زمانہ میں جھوٹی نبوت کا دعوی کیا تھا۔ اپنے آپ کو رحمٰن الیمامہ کہا کرتا تھا اور بعد میں مسیلمہ کذاب کے نام سے مشہور ہوئے۔(٢)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ''رحمٰن'' کا اطلاق مخلوق پر جائز نہیں، البتہ ''رحیم'' اسم مشترک ہے، اس کا اطلاق خالق اور مخلوق دونوں پر ہوتا ہے، جیسے سورۃ التوبۃ آیت:١١٧ إِنَّهُ بِهِم رَءُوفٌ رَحِيمٌ . اور سورۃ الأحزاب آیت:٤٣ وَكَانَ بِالْمُؤمِنِينَ رَحِيمًا . میں رسول اللہ ﷺ کو ''رحیم'' کہا گیا ہے، رسول اللہ ﷺ کو ''رحیم'' کہنے کی وجہ یہ ہے کہ ''رحیم'' (رحمۃ) سے مشتق ہے، جس کا معنی رقۃ القلب ہے، اور چونکہ رسول اللہ ﷺ بھی اپنی اُمت پر بے حد شفیق اور نہایت مہربان تھے، ہر وقت اپنی اُمت کی فکر رہتی، راتوں کو اٹھ کر اپنی اُمت کے لئے ہدایت کی دُعائیں فرماتے، ایک روایت میں آتا ہے کہ رات کو آپ ﷺ رُو رُو کر یہ آیت بار بار

========================

(١) دیکھئے ابن کثیر:١/١٢٧.

(٢) هومسيلمة بن ثمامة بن كبير بن حبيب الحنفى الوائلى أبو ثمامة: متنبئ من المعمرين. وفى الامثال (أكذب من مسيلمة). ولد ونشأ باليمامة فى القرية المسماة اليوم بالجبيلة بقرب (العيينة) بوادى حنيفة فى نجد، وتلقب فى الجاهلية بالرحمن، وعرف برحمان اليمامة، ولما ظهر الإسلام فى غربى الجزيرة، وافتتح النبى ﷺ مكة ودانت له العرب، جاء ه وفد من بنى حنيفة قيل: كان مسيلمة معهم إلا أنه تخلف مع الرحال خارج مكة، وهو شيخ هرم، فأسلم الوفد وذكروا للنبى ﷺ مكان مسيلمة، فأمر له بمثل ما أمر به لهم وقال: ليس بشركم مكانا. ولما رجعوا إلى ديارهم، كتب مسيلمة إلى النبى ﷺ: من مسيلمة رسول الله إلى محمد رسول الله. سلام عليك أما بعد: فانى قد أشركت فى الامر معك، وإن لنا نصف الارض ولقريش نصف الارض، ولكن قريشا قوم يعتدون. فأجابه: بسم الله الرحمن الرحيم: من محمد رسول الله إلى مسيلمة الكذاب السلام على من اتبع الهدى. أما بعد: فإن الارض لله يورثها من يشاء من عباده، والعاقبة للمتقين. وذلك فى أواخر سنة ١٠ هـ كما فى سيرة ابن هشام: وأكثر مسيلمة من وضع أسجاع يضاهى بها القرآن، وتوفى النبى ﷺ قبل القضاء على فتنته، فلما انتظم الامر الى أبى بكر انتدب له أعظم قواده (خالد بن الوليد) على رأس جيش قوى هاجم ديار بنى حنيفة، وصمد هؤلاء فكانت عدة من استشهد من المسلمين على قلتهم فى ذلك الحين ألفا ومئتى رجل منهم، أربعمائة وخمسون صحابيا (كما فى الشذرات) وانتهت المعركة بظفر خالد ومقتل مسيلمة سنة١٢هـ وكان مسيلمة ضئيل الجسم قالوا فى وصفه: (كان رويجلا، أصيغر، أخينس!) كما فى كتاب البدء والتاريخ. وقيل: اسمه هارون، ومسيلمة لقبه، كما فى تاريخ الخميس ويقال: كان اسمه مسلمة، وصغره المسلمون تحقيرا له . (الأعلام للزركلى:٧/٢٢٦).

پڑھتے۔ إِن تُعَذِّبهُم فَإِنَّهُم عِبَادُكَ وَإِن تَغفِر لَهُم فَإِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الحَكِيمُ. (سورة المائدة :١١٨) (١)

جب کل قیامت کے دن ہر ایک شخص اپنی فکر میں ڈوب کر اپنی خلاصی اور نجات کی التجائیں کرے گا، تو وہاں بھی رسول اللہ ﷺ ربّ ربّ اُمتی اُمتی !! (٢) کی زاریاں کریں گے، اس سے بڑھ کر شفقت اور کیا ہوسکتی ہے؟؟۔

قوله تعالى: مَالِكِ يَومِ الدِّينِ:

یہ اثبات دعوی کے لیے اثبات کے لیے تیسری دلیل ہے، اوراگر "الرحمن الرحیم" دونوں کو علیحدہ علیحدہ شمار کیا جائے تو پھر یہ چوتھی دلیل بن جائے گی، اب یہاں چند مباحث کا جاننا ضروری ہے:۔

١۔ مالک کا مفہوم، مالک اور ملِک میں فرق. ٢– اطلاقات الدين فى القرآن . ٣– اثبات المالكية لله وحده .

المبحث الأول : مالک کامفهوم :

''مالک'' اس ذات کو کہتے ہیں، جسے اختیاراتِ کلیہ حاصل ہوں۔ مجرم کو چاہے وہ معاف کردے چاہے سزا دے۔ کوئی اس سے باز پرس کرنے والا اور کوئی اس پر حاکم نہ ہو۔ صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

لامالك الا الله عزوجل(٣).

اللہ تعالی کے سوا کوئی بھی مالک نہیں۔

حاکم یا قاضی خواہ کتنے ہی وسیع اختیارات رکھتا ہو، بہر حال اس کے اختیارات محدود ہوتے ہیں وہ مجرم کو حسبِ ضابطہ سزا دینے پر مجبور ہوتا ہے، گویا خود حاکم پر حکومت ضابطہ یا قانون کی ہوتی ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اس کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ مالك يوم الدين، أى قاضى يوم الحساب. حساب کے دن کا مالک اور فیصلہ کرنے والا ہے،۔

بعض حضرات اس کا معنی بادشاہ کرتے ہیں حالانکہ یہ ملِک کا معنی ہے مالک کا معنی نہیں، کیونکہ ان دونوں میں فرق ہے۔ ''مالک'' کی قراءت مشہورہ ہے اور اس کو امام کسائی اور دیگر اہل علم نے اختیار کیا ہے اور ملِک قراءت غیر مشہورہ ہے جس کو امام

======================

(٢) دیکھئے الدر المنثور للسیوطی: ٣/٢٤٠.

(٣) أخرجه البخارى فى كتاب التفسير: ١٧٤٥/٤، رقم: ٤٤٣٥، ومسلم، باب أدنى أهل الجنة منزلة فيها: ١٨٠/١، ١٨٤، رقم: ١٩٣–١٩٤ .

حمزہ اور دیگر اہل علم نے راجح قرار دیا ہے، پھر اس میں اہل علم کے طویل ابحاث ہیں کہ ان دونوں میں سے کونسا اولی اور راجح ہے، ہم یہاں قدرے اختصار کیساتھ ''مالک'' کی وجوہ ترجیحات بیان کرتے ہیں۔

''مالک'' اور ''ملک'' میں فرق:

یہ اصول مسلم ہے کہ کثرة المبانی تدل علی کثرة المعانی. حروف کی زیادتی معانی کی زیادت پر دلالت کرتی ہے ،اب ظاہر ہے کہ ''مالک'' میں حروف بنسبت ''ملک'' کے زیادہ ہیں ،لہذا ''مالک'' ملک سے اولی ہوا،مفسر جلیل علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔ أن فيه حرفاً زائداً فيكون ثوابه أكثر(١)۔

ملک عام ہے اور مالک خاص ہے، چنانچہ ہر ملک مالک ہوسکتا ہے، ہر مالک ملک نہیں ہوسکتا ہے،مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ وقيل: ملك أولى؛ لأن كل ملك مالك، وليس كل مالك ملكا(٢).

بعض اہل علم فرماتے ہیں۔ملک کو رعیت معزول کرسکتی ہے لیکن مالک کو رعایا معزول نہیں کرسکتے۔

بعض فرماتے ہیں کہ ''مالک'' اللہ تعالی کی مدح کامل ہے اور ''مَلِک'' مخلوق کی مدح کامل ہے،لہذا مالک مَلِک سے اولی ہے۔(۳)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ''مَلِک'' مَلَك من الملوك کو کہا جاتا ہے جبکہ مالک مالك الملوك کو کہتے ہیں،جلیل القدر علامہ سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔فأما ملك: فهو ملك من الملوك، وأما مالك: فهو مالك الملوك(٤).

اللہ تعالی مالک الملوک ہے یعنی شہنشاہ، بادشاہوں کا بادشاہ۔

کسی کو شہنشاہ سے موسوم کرنا جائز نہیں!

مالک اس ذات کو کہتے ہیں جو مطلق الاختیار ہو، یعنی جس کو اختیارات کلیہ حاصل ہوں۔اور یہ خاصہ خداوندی ہے،مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔المالك هو المتصرف في الأعيان المملوكة كيف يشاء من الملك(٥).

=====================

(۱) تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۰۰.

(۲) تفسیر لباب التأویل للخازن:۱/۲۰.

(۳) دیکھئے تفسیر بیضاوی:۱/۵۵، غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۰۰-۱۰۱، السراج المنیر لخطیب الشربینی:۱/۱۷.

(۴) تفسیر بحر العلوم للسمرقندی:۱/۱۷.

(۵) تفسیر بیضاوی:۱/۵۶.

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

أخنع اسم عند الله رجل تسمى بملك الأملاك (١).

کسی آدمی کو شہنشائیت سے موسوم کرنا اللہ تعالی کے نزدیک ذلیل و پست ترین نام ہے۔

محدث جلیل سفیان ثوریؒ اس کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ یعنی شہنشاہ۔ کیونکہ شہنشاہ اللہ تعالی ہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ المُلكِ تُؤتِي المُلكَ مَن تَشَاءُ وَتَنزِعُ المُلكَ مِمَّن تَشَاءُ . (سورۃ آل عمران:٢٦). ایک جگہ فرمایا۔ أَلَيسَ اللَّهُ بِأَحكَمِ الحَاكِمِينَ . (سورۃ التین:٨)

ملک الملوک اور شہنشاہ اللہ تعالی ہی ہے اور محققین اہل علم کا قول بھی یہی ہے کہ بجز اللہ تعالی کے کسی کو مالک کہنا یا پکارنا جائز نہیں، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ لا يجوز أن يتسمى أحد بهذا الاسم ولا يدعى به إلا الله تعالى(٢). لہذا اس سے احتراز لازم ہے۔

ایک عجیب واقعہ!

معروف مفسر علامہ سمرقندیؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہے کہ محمد بن شجاع بلخیؒ فرماتے ہیں کہ میرا معمول امام کسائی کی قراءت " مالك يوم الدين ". پڑھنے کا تھا، لیکن بعض اہلِ لغت نے مجھے بتایا کہ " مَلِك "مالک سے زیادہ بلیغ ہے۔ تو میں نے امام حمزہؒ کی قراءت "مـلِك يوم الدين "کو پڑھنا شروع کیا، میں نے خواب میں ایک آدمی دیکھا اور وہ مجھے کہنے لگا کہ تو نے مالک کے الف کو کیوں حذف کیا؟ کیا تو نے رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔ اقـرَؤُواالـقُـرآنَ فَخماً مُفَخَّماً (٣). قرآنِ کریم کو تفخیم کیساتھ پڑھا کرو، لیکن اس کے باوجود بھی میں "مـلِك " پڑھتا رہا۔ ایک مرتبہ پھر میں نے خواب دیکھا تو ایک آدمی مجھے کہتا ہے کہ تو نے "مالک" کے الف کو کیوں حذف کیا؟ کیا تو رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔

==========================

(١) أخرجه البخاري، باب أبغض الأسماء إلى الله: ٢٢٩٢/٥، رقم: ٥٨٥٣، ومسلم، باب تحريم التسمي بملك الأملاك وبملك الملوك: ١٦٨٨/٣، رقم: ٢١٤٣، وابن حبان: ١٤٧/١٣، رقم: ٥٨٣٥، والحاكم: ٣٠٦/٤، رقم: ٧٧٢٣، والحميدي: ٤٧٨/٢، رقم: ١١٢٧.

(٢) تفسیر قرطبی: ١٤١/١.

(٣) أورده ابو الليث في التفسير: ١٧/١.

مَن قَرَأَ القُرآنَ فَلَهُ بِكُلِّ حَرفٍ عَشرُ حَسَنَاتٍ (١).

قرآنِ کریم کے ہر حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، اور آپ ''مالک'' کی الف کو چھوڑ کر دس نیکیوں کی کمی کیسے قبول فرماتے ہیں؟ جب صبح ہوئی تو میں امام قطربؒ کے پاس آیا، جو لغت کے بہت بڑے امام تھے، اور میں نے ان سے استفسار فرمایا۔ ما الفرق بين ملك ومالك؟ فقال: بينهما فرق كثير: فاما ملك فهو ملك من الملوك، وأما مالك فهو مالك الملوك. میں نے پھر امام کسائیؒ کی قراءت کو دوبارہ شروع کر دیا۔(٢)☆

المبحث الثانی: اطلاقات الدين في القرآن:

دین کے لفظی معنی جزاء اور بدلہ کے ہیں اور قیامت کو بھی "یوم الدین" اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ پورے حساب اور ہر عمل کے بدلے کا دن ہوگا۔ قرآنِ مجید میں ''دین'' متعدد معانی میں مستعمل ہے، تاہم اس سے پہلے ایک اصول ذہن نشین رکھیں کہ جب دین کی اضافت یوم کی طرف ہو تو اس وقت اس کا معنیٰ" یوم القيامة" اور" یوم الحساب" ہوتا ہے اور جب اس کی اضافت اسکے علاوہ کسی اور شئی کی طرف ہو تو پھر یہ متعدد معانی پر دال ہوتا ہے، پھر ان معنوں میں سے کسی ایک معنیٰ کی تعیین سیاق وسباق اور قرائن کی بنیاد پر کی جاتی ہے۔

۞...... دین بمعنی الاسلام والشرعیۃ، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّ الدِّينَ عِندَ اللَّهِ الإِسلَامُ .(سورة آل عمران:١٩). ایک

====================

(١) أخرجه الطبراني في المعجم الكبير: ١٣٠/٩، رقم: ٨٦٤٧، وعبد الرزاق في المصنف، باب تعليم القرآن وفضله: ٣٦٧/٣، رقم: ٥٩٩٣.

(٢) دیکھئے تفسیر بحر العلوم: ١٧/١.

☆عبارة المراغي هنا: قرأ بعض القراء مالك بالألف وبعض آخر ملك بلا ألف، والفارق بينهما: أنّ المالك: هو ذو الملك (بكسر الميم) والملك: هو ذو الملك(بضمّ الميم)، وقد جاء في الكتاب الكريم ما يعاضد كلّا من القرائتين فيعاضد الأولى قوله تعالى: ﴿يَومَ لا تَملِكُ نَفسٌ لِنَفسٍ شَيئا﴾ ويعاضد الثانية قوله: ﴿لِمَنِ المُلكُ اليَومَ﴾. قال الراغب: والقراء تان وإن رويتا عن جمع كثير من الصحابة فالثانية يعني: ملك بلا ألف يكنفها من الجلال والروعة وإثارة الخشية ما لا يوجد مثله في القراء ة الأولى يعني: مالك بالألف، فهي تدلّ على أنّه سبحانه هو المتصرّف في شؤون العقلاء بالأمر والنهي والجزاء ومن ثمّ يقال: ملك الناس ولا يقال: ملك الدابة وملك العبد وملك الدار.

فائدة: والفرق بين المُلكُ بضمّ الميم و المِلكُ بكسرها: أنّ الملك بضمّ الميم: عبارة عن السلطان القاهر والاستيلاء الباهر والغلبة التامة والقدرة على التصرّف الكلّي بالأمر والنهي. والملك بكسر الميم: عبارة عن السلطنة والتصرف غير التامّين. والفرق بين الوصفين بالنسبة إلى الرب سبحانه: أنّ الملك صفة لذاته والمالك صفة لفعله كما في الشوكاني. (تفسیر حدائق الروح والریحان: ٦٣/١)

جگہ ارشاد ہے۔ وَمَن یَبتَغِ غَیرَ الإِسلَامِ دِینًا .(سورۃ ال عمران آیت:۸۵). ایک جگہ فرمایا۔ الیَومَ أَکمَلتُ لَکُم دِینَکُم وَأَتمَمتُ عَلَیکُم نِعمَتِی وَرَضِیتُ لَکُمُ الإِسلَامَ دِینًا. (سورۃ المائدۃ آیت:۳). ایک جگہ فرمان الٰہی ہے۔ قُل یَـا أَیُّهَـا النَّـاسُ إِن کُنتُـم فِی شَكٍّ مِن دِینِی فَلَا أَعبُدُ الَّذِینَ تَعبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَکِن أَعبُدُ اللَّهَ الَّذِی یَتَوَفَّاکُم وَأُمِرتُ أَن أَکُونَ مِنَ المُؤمِنِینَ . (سورۃ یونس آیت:۱۰۴) وغیرہ۔

۞......دین بمعنی ملتِ باطلہ، جیسے ارشاد ہے۔ لَکُم دِینُکُم وَلِیَ دِینِ . (سورۃ الکافرون آیت:۶).

۞......دین بمعنی اطاعت فرمابرداری، جیسے ارشاد ہے۔ وَلَهُ الدِّینُ وَاصِبًا .(سورۃ النحل آیت:۵۲).

۞......دین بمعنی غلبہ، جیسے ارشاد ہے۔ فَلَولَا إِن کُنتُم غَیرَ مَدِینِینَ . (سورۃ الواقعہ آیت:۸۶).

۞......دین بمعنی حکم الشرعیۃ وحد الشرعیۃ، جیسے ارشاد ہے۔ الـزَّانِیَةُ وَالـزَّانِی فَاجلِدُوا کُلَّ وَاحِدٍ مِنهُمَا مِئَةَ جَلدَةٍ وَلَا تَأخُذکُم بِهِمَا رَأفَةٌ فِی دِینِ اللَّهِ . (سورۃ النور آیت:۲).

۞......دین بمعنی عادۃ الملک، یعنی بادشاہ کا قانون اور دستور،، جیسے ارشاد ہے۔ فَبَـدَأَ بِـأَوعِیَتِهِـم قَبلَ وِعَـاءِ أَخِیـهِ ثُـمَّ استَخرَجَهَا مِن وِعَاءِ أَخِیهِ کَذَلِكَ کِدنَا لِیُوسُفَ مَا کَانَ لِیَأخُذَ أَخَاهُ فِی دِینِ المَلِكِ .(سورۃ یوسف آیت: ۷۶).

۞......دین بمعنی العبادۃ:، جیسے ارشاد ہے۔ فَاعبُدِ اللَّهَ مُخلِصًا لَهُ الدِّینَ . (سورۃ الزمر آیت:۲) .

۞......دین بمعنی ملتِ مستقیمہ، جیسے ارشاد ہے۔ وَمَـا أُمِـرُوا إِلَّا لِیَعبُـدُوا اللَّهَ مُخلِصِینَ لَهُ الدِّینَ حُنَفَاءَ وَیُقِیمُوا الصَّلَاةَ وَیُؤتُوا الزَّکَاةَ وَذَلِكَ دِینُ القَیِّمَةِ . (سورۃ البینۃ آیت:۵).

۞...... دین بمعنی عقیدہ، جیسے ارشاد ہے۔ لَا إِکرَاهَ فِی الدِّینِ . (سورۃ البقرۃ آیت:۲۵۶).

۞...... دین بمعنی جزاء وسزا اور محاسبہ، جیسے ارشاد ہے۔ یَومَئِذٍ یُوَفِّیهِمُ اللَّهُ دِینَهُمُ الحَقَّ.(سورۃ النور: ۲۵).

۞......دین بمعنی دُعا و پکار، جیسے ارشاد ہے۔ فَادعُوا اللَّهَ مُخلِصِینَ لَهُ الدِّین .(سورۃ المومن آیت:۱۴) .

۞...... دین بمعنی یوم الحساب، جیسے ارشاد ہے۔ وَإِنَّ الـدِّیـنَ لَـوَاقِـعٌ .(سورۃ الذاریات:۶) ایک جگہ فرمایا۔ أَرَأَیـتَ الَّذِی یُکَذِّبُ بِالدِّینِ. (سورۃ الماعون:۱).

اس آیت میں بھی دین ''یوم الحساب'' کے معنی میں ہے۔(۱)

=======================

(۱) مذکورہ تمام معانی کے لیے دیکھئے بصائر ذوی التمیز :۴-۷۷-۷۷۵، بصیرۃ فی الدین.

المبحث الثالث: بيان علة التخصيص و اثبات المالكية لله تعالى وحده:

یہاں پر بظاہر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالی دنیا اور آخرت دونوں کا مالک ہے، یہاں قیامت کے دن کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ اس تخصیص کی کئی وجوہات ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:۔

پہلی وجہ: **بعض** اہل علم فرماتے ہیں کہ یہاں یوم الحساب کی تعظیم مقصود ہے کہ بڑی ہولنا کی والا دن ہے۔اس کا مالک بھی بہت ہی بڑی شان والا ہے!! نیز اس دن صفت مالکیت کا مشاہدہ و تحقق بڑے سے منکر کو بھی ہوگا۔مفسر جلیل علامہ ابو سعودؒ فرماتے ہیں۔ وتخصيصُه بالإضافة إما لتعظيمه وتهويله(١).

دوسری وجہ: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالی کی وحدانیت کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ تعالی خود اکیلے ہی فیصلہ فرمائیں گے۔ان کیساتھ فیصلے میں نہ حقیقتاً کوئی شریک ہوگا اور نہ ہی مجازاً۔اس لیے کہ دنیا میں لوگ مجازی پر حاکم اور فیصل ہوتے ہیں، وہاں کوئی اس نوعیت کا فیصلہ بھی نہیں کر سکے گا، ارشاد ہے۔ المُلكُ يَومَئِذٍ لِلَّهِ يَحكُمُ بَينَهُم.(سورۃ الحج آیت:٥٦) فیصلہ کرنے والا اسی دن اللہ تعالی ہی ہوگا اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالی ہے۔ يَومَ هُم بَارِزُونَ لَا يَخفَى عَلَى اللَّهِ مِنهُم شَيءٌ لِمَنِ المُلكُ اليَومَ لِلَّهِ الوَاحِدِ القَهَّارِ .(سورۃ المومن آیت:١٦).

مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ لأن ملك الأملاك يومئذ زائل فلا ملك، ولا أمر يومئذ إلا لله تعالى، كما قال تعالى : ﴿المُلكُ يَومَئِذٍ الحَقُّ لِلرَّحمنِ﴾ وقال : ﴿لِمَنِ المُلكُ اليَومَ لِلَّهِ الواحِدِ القَهَّارِ﴾. وقد يسمى فى دار الدنيا آحاد الناس بالملك، وذلك على المجاز لا على الحقيقة(٢).

تیسری وجہ: بعض علماء کرام فرماتے ہیں کہ تخصیص کی علت دراصل یہود و نصاری کے ایک باطل نظریے کی تردید ہے، یہود کا نظریہ کیا تھا؟ کہ ہمیں اول جہنم میں جانا ہی نہیں، اگر بالفرض چلے بھی گئے، تو چند دن کے بعد نکل جائیں گے۔جیسے ارشاد ہے۔ وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعدُودَةً . (سورۃ البقرۃ آیت:٨٠) اور اسی طرح وہ کہا کرتے تھے۔ وَقَالَتِ اليَهُودُ وَالنَّصَارَى نَحنُ أَبنَاءُ اللَّهِ وَأَحِبَّاؤُهُ. (سورۃ المائدۃ آیت:١٨). ہم تو اللہ تعالی کے محبوب ہیں اور محبوب کو کوئی سزا نہیں دیتا ہے تو اللہ تعالی ہمیں بھی سزا نہیں دے گا۔

==========================

(١) تفسير أبي السعود:١/١٦.

(٢) تفسير خازن:١/٢٠.

اسی طرح وہ یہ بھی کہا کرتے تھے۔ هَؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِندَاللَّهِ .(سورۃ یونس آیت:۱۸) ہمارے معبود کل قیامت کو ہمارے سفارشی ہوں گئے۔قرآنِ کریم نے اس نظریے کی تردید کردی کہ مَالِكِ يَومِ الدِّينِ . قیامت کے دن کا مالک اللہ تعالی ہی ہے، اس دن کسی اور کو اختیار نہیں ہوگا۔ ایک دوسری جگہ ان کی اس نظریہ باطلہ کی تردید فرمائی۔ لَيسَ بِأَمَانِيِّكُم وَلَا أَمَانِيِّ أَهلِ الكِتَابِ مَن يَعمَل سُوءًا يُجزَ بِهِ وَلَا يَجِد لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا . (سورۃ النساء آیت: ۱۲۳) نجات اور کامیابی کا انحصار اور دار و مدار تمہاری خواہشات پر موقوف نہیں، بلکہ یہ بھی یاد رہے۔ مَن يَعمَل سُوءًا يُجزَ بِهِ وَلَا يَجِد لَهُ مِن دُونِ اللَّهِ وَلِيًّا وَلَا نَصِيرًا . یعنی جس نے نافرمانی کی اس کو سزا دی جائے گی۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَمَا أَدرَاكَ مَا يَومُ الدِّينِ ثُمَّ مَا أَدرَاكَ مَا يَومُ الدِّينِ يَومَ لَا تَملِكُ نَفسٌ لِنَفسٍ شَيئًا وَالأَمرُ يَومَئِذٍ لِلَّهِ .(سورۃ الانفطار آیت:۱۷-۱۹) اس دن کوئی کسی چیز کا مالک اور مختار نہیں ہوگا۔

قرآن مجید کے مطالعہ سے بات واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالی مالکیت کی صفت اپنے لئے ثابت فرما کر غیر سے اس کی نفی کر فرماتے ہیں، جیسے ارشاد ہے۔ وَإِنَّ لَنَا لَلآخِرَةَ وَالأُولَى . (سورۃ اللیل آیت:۱۳) صرف ہمارے پاس ہی ہے دنیا اور آخرت کا اختیار ہے، علامہ آلوسیؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں۔ أی التصرف الكلي فيهما كيف ما نشاء فنفعل فيهما ما نشاء من الأفعال. (۱)

ایک جگہ یوں ارشاد ہے۔ وَيَومَ تَقُومُ السَّاعَةُ يُبلِسُ المُجرِمُونَ وَلَم يَكُن لَهُم مِن شُرَكَائِهِم شُفَعَاءُ وَكَانُوا بِشُرَكَائِهِم كَافِرِينَ .(سورۃ الروم آیت:۱۲-۱۳).

قوله تعالى: إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِينُ:

یہ دعوی سورت پر متفرع ہے کہ جب تم اللہ تعالی کو خالق اور رب مانتے ہو اور اس کی رحمانیت ورحیمیت اور مالکیت کا اعتراف کرتے ہو تو پھر یہ کہو۔ إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِينُ . ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے، اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے۔ اب یہاں چند مباحث ذہن نشیں رکھیں۔

۱۔ آیت کا مفہوم ۲۔ اطلاقات العبادۃ فی القرآن. ۳۔ عبادت کی حقیقت، اصطلاحی تعریف اور اس کے متعلق مفسرین کرام کے اقوال. ۴۔ اقسام العبادۃ. ۵۔ چند اشکالات اور ان کے جوابات۔

========================

(۱) دیکھئے تفسیر روح المعانی:۱۵۰/۳۰.

المبحث الأول: آیت کامفهوم

"إیـاك" حصر کے لیے ہے، پھر بحیثیت مفعول اس کی تقدیم "نـعبـد" فعل پر مزید حصر اور تخصیص کو مؤکد کر رہی ہے، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ وقـدم الـمـفـعول للتعظيم والاهتمام به والدلالة على الحصر؛ ولذلك قال ابن عباس رضى الله عنهما: معناه نعبدك ولا نعبد غيرك. (١)

معروف مفسر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ وقـدم الـمـفـعـول وهـو إيـاك، وكـرر لـلاهتـمـام والـحـصـر، أى لا نعبد إلا إياك ولا نتوكل إلا عليك، وهذا هو كمال الطاعة . (٢)

اس آیت میں صنعت التفات ہے، پہلے تین صیغے غائب کے ہیں اور اب یہاں غائب سے خطاب کی طرف التفات ہے، اس کی حکمت یہ ہے؟ سورت کی ابتداء سے لے کر یہاں تک اللہ تعالی کے ثناء اور صفات کا بیان تھا اور قاعدہ یہ ہے کہ ثناء اور صفات کے مقام میں غائب صیغوں کا استعمال اولی ہوتا ہے اور یہ دعا اور عبادت کا مقام ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ عبادت اور دعا کے مقام میں مخاطب صیغوں کا استعمال اولی ہوتا ہے، اس لیے کہ عبادت میں اصل استحضارِ قلب کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اس لیے یہاں غائب سے مخاطب کی طرف التفات کیا گیا ہے، مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ وفـائـدة ذلك من أول السورة إلى هنا ثناء، والثناء فى الغيبة أولى، ومن قوله : إياك نعبد دعاء، والخطاب فى الدعاء أولى(٣).

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ التفات کی حکمت یہ ہے کہ درحقیقت نماز کی ابتداء میں نمازی اجنبی ہوتا ہے، اس لیے غائب کے صیغے استعمال کیے گئے ہیں اور وہ جب یہاں تک پہنچتا ہے تو اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میرے بندے نے میری حمد بیان کی اور میری الوہیت، ربوبیت، رحمانیت، رحیمیت اور مالکیت کا اعتراف کیا، اب ہمارے درمیان کوئی حجاب نہ رہا۔ دوری قربت سے بدل گئی۔ اب میرے ساتھ ہم کلام ہو جا اور کہہ دے۔ إيــــاك نــعبــد.. معروف مفسر امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ أن الـمـصـلـى كـان أجـنبياً عند الشروع فى الصلاة، فلا جرم أثنى على الله بألفاظ المغايبة إلى قوله: مالك يوم الدين. ثم إنه تعالى كأنه يقول له: حمدتنى، وأقررت بكونى إلهاً رباً رحماناً رحيماً مالكاً ليوم الدين، فنعم

==============================

(١) تفسیر بیضاوی: ١/ ٢٩.

(٢) تفسیر ابن کثیر: ١/ ٤٨.

(٣) دیکھیے تفسیر خازن: ١/ ٢٠، تفسیر کبیر للرازی: ١/ ٢١٦.

العبد أنت قد رفعنا الحجاب، وأبدلنا البعد بالقرب، فتكلم بالمخاطبة، وقل: إياك نعبد(١).

بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ صنعتِ التفات تفنن کلام کی ایک نوع ہے، جس کا مقصد سامعین کو شوق دلانا ہوتا ہے، مفسر جلیل علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔ هذا يسمى الالتفات في علم البيان وذلك على عادة افتنانهم في الكلام والتنقل أسلوب إلى أسلوب تطرية لنشاط السامع (٢).

قرآن مجید میں صنعت التفات شائع ہے، اس کی ایک نوع مخاطب سے غائب کی طرف التفات ہے، جیسے ارشاد ہے۔

هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُم فِي البَرِّ وَالبَحرِ حَتَّى إِذَا كُنتُم فِي الفُلكِ وَجَرَينَ بِهِم بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتهَا رِيحٌ عَاصِفٌ وَجَاءَهُمُ المَوجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُم أُحِيطَ بِهِم دَعَوُا اللَّهَ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّينَ لَئِن أَنجَيتَنَا مِن هَذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ. (سورۃ یونس آیت:۲۱).

اس آیت میں "يُسَيِّرُكُم" **اور** "كُنتُم" **میں خطاب ہے اور** "جَرَينَ بِهِم، فَرِحُوا، وَظَنُّوا أَنَّهُم أُحِيطَ بِهِم، دَعَوُا الله" **میں غائب کی طرف التفات کیا گیا ہے اور پھر** "أَنجَيتَنَا" **میں خطاب کی طرف التفات کیا گیا ہے۔**

ایک نوع غائب سے مخاطب کی طرف التفات کرنا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَيَطُوفُ عَلَيهِم وِلدَانٌ مُخَلَّدُونَ إِذَا رَأَيتَهُم حَسِبتَهُم لُؤلُؤًا مَنثُورًا وَإِذَا رَأَيتَ ثَمَّ رَأَيتَ نَعِيمًا وَمُلكًا كَبِيرًا عَالِيَهُم ثِيَابُ سُندُسٍ خُضرٌ وَإِستَبرَقٌ وَحُلُّوا أَسَاوِرَ مِن فِضَّةٍ وَسَقَاهُم رَبُّهُم شَرَابًا طَهُورًا إِنَّ هَذَا كَانَ لَكُم جَزَاءً وَكَانَ سَعيُكُم مَشكُورً. (الدہر:۱۹-۲۲).

اس آیت میں "يَطُوفُ عَلَيهِم، عَالِيَهُم" **اور** "حُلُّوا" **غائب کے صیغے ہیں اور** "كَانَ لَكُم" **اور** "سَعيُكُم" **میں مخاطب کی طرف التفات کیا گیا ہے۔**

ایک نوع غائب سے متکلم کی طرف التفات کرنا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الأَرضَ مَهدًا وَسَلَكَ لَكُم فِيهَا سُبُلًا وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخرَجنَا بِهِ أَزوَاجًا مِن نَبَاتٍ شَتَّى. (سورۃ طٰہٰ:۵۳).

اس آیت میں "جَعَلَ، سَلَكَ، أَنزَلَ" **غائب کے صیغے ہیں اور** "فَأَخرَجنَا" **میں غائب سے متکلم کی طرف التفات کیا گیا ہے۔**(۳)☆

==========================

(۱) دیکھئے تفسیر کبیر للرازی:۱/۲۱۵.

(۲) غرائب القرآن للنیساری:۱/۸۵، السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۱۹، بیضاوی:۱/۶۳.

(۳) مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ البرہان فی علوم القرآن:۳/۳۱۴، الاتقان فی علوم القرآن:۳/۲۸۹. =

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ " اِیَـاکَ نَعْبُدُ وَاِیَا کَ نَسْتَعِیْن " میں مفعول بہ کی تقدیم مفید حصر ہے، جس سے تخصیص الاستعانة اور تخصیص العبادۃ مفہوم ہورہا ہے، ان دوکلموں کی فضیلت اور مقام کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ مفسر جلیل علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ والدين يرجع كله إلى هذين المعنيين(١).

یعنی سارے دین کا خلاصہ یہی دوکلمات إِيَّاكَ نَعبُدُ وإِيَّاكَ نَستَعِينُ ہیں۔

ماضی قریب کے معروف مفسر علامہ جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں۔

ولهذا قال العلماء: الفاتحة سر القرآن وسرها هذه الكلمة: إِيَّاكَ نَعبُدُ وَإِيَّاكَ نَستَعِينُ(٢).

علماء کرامؒ فرماتے ہیں کہ قرآن کریم کا راز سورہ فاتحہ ہے اور سورہ فاتحہ کا راز إِيَّاكَ نَعبُدُ وَإِيَّاكَ نَستَعِينُ ہے۔

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔ ان لكل شئى لباب ، ولباب لقرآن الحواميم(٣).

ہر چیز کا ایک مغز اور خلاصہ ہوتا ہے اور قرآن کریم کا خلاصہ حوامیم سبعہ ہیں۔

حوامیم سبعہ کا مبدء سورۃ الزمر ہے اور سورۃ الزمر کا دعوی "فَـاعبُدِ اللَّهَ مُخلِصًا لَهُ الدِّينَ أَلَا لِلَّهِ الدِّينُ الخَالِصُ." یعنی خالص اللہ تعالی ہی کی عبادت کرو اور اور مشکلات اور حاجات میں صرف اس ہی کو پُکارو۔ اور سورۃ الزمر کا خلاصہ سورۃ فاتحہ کے "إِيَّـاكَ نَعبُدُ" میں مذکور ہے اور حوامیم سبعہ کا خلاصہ "وإِيَّـاكَ نَستَعِين" میں ملحوظ ہے اور اس کا حاصل یہ ہے۔ " العبادة وا لاستعانة بجميع الأقسام لله تعالى وحده ." یہی وہ مسئلہ ہے، جس کی بدولت انسانیت کی تشکیل ہوئی اور تمام کائنات معرض وجود میں آیا۔

انسانیت کی تخلیق کا مقصد اصلی:

قرآن مجید میں یہ مسئلہ واضح طور پر بیان ہوا ہے کہ انس اور جن کی تخلیق کا راز اور مقصد اصلی اللہ تعالی کی عبادت اور اس سے

= ☆ قال العلامة القرطبي رحمه الله: ﴿إياك نعبد﴾ رجع من الغيبة إلى الخطاب على التلوين؛ لأن من أول السورة إلى هاهنا خبرا عن الله تعالى وثناء عليه كقوله: ﴿وسقاهم ربهم شرابا طهورا﴾، ثم قال:﴿ إن هذا كان لكم جزاء﴾،۔ وعكسه:﴿ حتى إذا كنتم في الفلك وجرين بهم ﴾ (يونس:٢٢). (تفسیر قرطبی:۱/۱۴۵)

(۱) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۱۳۴.

(۲) محاسن التأویل:۱/۳، بذیل ہذہ الآیۃ. وابن کثیر:۱/۱۳۴.

(٣) أورده السيوطى فى الدر المنثور : ٢٦٨/٧ ، والآلوسى فى روح المعانى ٢٤ /٣٩ ، والشوكانى فى الفتح : ٦٨٢/٤ .

استعانت ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالإِنسَ إِلَّا لِيَعبُدُونِ .(سورۃ الذاریات:۵۶) کہ ہم نے انسانوں اور جنات کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا مقصد خلقِ خدا کو اللہ تعالی کی طرف دعوت دینا تھا اور ان کا مشن یہ تھا اللہ تعالی ہی سے اپنی حاجات کے مانگتے رہو۔قرآن مجید میں اس مسئلے کو بہت وضاحت کیساتھ بیان کیا گیا ہے کہ ہر ایک نبی نے اپنی قوم کو اسی مسئلے کی دعوت دی، جیسے ارشاد ہے۔ وَلَقَد بَعَثنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا أَنِ اعبُدُوا اللَّهَ وَاجتَنِبُوا الطَّاغُوتَ فَمِنهُم مَن هَدَى اللَّهُ وَمِنهُم مَن حَقَّت عَلَيهِ الضَّلَالَة. (سورۃ النحل:۳۶) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَمَا أَرسَلنَا مِن قَبلِكَ مِن رَسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيهِ أَنَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعبُدُونِ .(سورۃ الأنبیاء:۲۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ إِذ جَاءَتهُمُ الرُّسُلُ مِن بَينِ أَيدِيهِم وَمِن خَلفِهِم أَلَّا تَعبُدُوا إِلَّا اللَّهَ .(سورۃ حٰم السجدۃ:۱۴) ایک جگہ فرمایا۔ شَرَعَ لَكُم مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّى بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوحَينَا إِلَيكَ وَمَا وَصَّينَا بِهِ إِبرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى أَن أَقِيمُوا الدِّينَ.(سورۃ الشوری:۱۳)

الغرض تمام انبیاء علیہم السلام کو اس مسئلہ کی تبلیغ کے لیے مبعوث کیا گیا، ان کا مشن اور پروگرام عقیدہ توحید کی اشاعت اور ترویج تھی۔آسمانی صحائف اور کتابوں کے نزول کا مقصد بھی اسی مسئلہ کی دعوت تھی۔ارشاد ہے۔ وَمَا تَفَرَّقَ الَّذِينَ أُوتُوا الكِتَابَ إِلَّا مِن بَعدِ مَا جَاءَتهُمُ البَيِّنَةُ وَمَا أُمِرُوا إِلَّا لِيَعبُدُوا اللَّهَ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّينَ حُنَفَاءَ وَيُقِيمُوا الصَّلَاةَ وَيُؤتُوا الزَّكَاةَ وَذَلِكَ دِينُ القَيِّمَة.(سورۃ البینۃ: ۴-۵)

یعنی تمام کتبِ سماویہ کا اصل مضمون یہی "العبادة والاستعانةلله وحده" تھا۔

قرآنِ مجید کے نزول کا مقصد بھی اسی مسئلہ کا بیان ہے، جیسے ارشاد ہے۔ الر كِتَابٌ أُحكِمَت آيَاتُهُ ثُمَّ فُصِّلَت مِن لَدُن حَكِيمٍ خَبِيرٍ أَلَّا تَعبُدُوا إِلَّا اللَّهَ إِنَّنِي لَكُم مِنهُ نَذِيرٌ وَبَشِيرٌ. (سورۃ ہود آیت:۱-۲) .

الغرض انس اور جن کی تخلیق، انبیاء علیہم السلام کی بعثت، کُتبِ سماویہ اور قرآن کریم کے نزول کا مقصد عبادت اور استعانت ہے، اسی وجہ سے مفسرِ جلیل علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں والدين يرجع كله إلى هذين المعنيين(۱).

المبحث الثانی : اطلاقات العبادة فی القرآن :

عبادت "عبد يعبد" سے ماخوذ ہے، یہی مادہ قرآن مجید میں متعدد معانی میں مستعمل ہے، جن میں چند مندرجہ ذیل ہیں۔

۞...... بمعنی مملوک، یعنی غلام ونوکر، جیسے ارشاد ہے۔ فَقَالُوا أَنُؤمِنُ لِبَشَرَينِ مِثلِنَا وَقَومُهُمَا لَنَا عَابِدُونَ.(سورۃ

==========================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۳۴.

المؤمنون:۴۷).

۞...... عبادت بمعنی اطاعت، جیسے ارشاد ہے۔ أَلَم أَعهَد إِلَيكُم يَا بَنِى آدَمَ أَن لَا تَعبُدُوا الشَّيطَانَ إِنَّهُ لَكُم عَدُوٌّ مُبِينٌ .(سورۃ یٰسں آیت:۶۰).

۞...... عبد بمعنی مطیع کامل، جیسے ارشاد ہے۔ وَعِبَادُ الرَّحمَنِ الَّذِينَ يَمشُونَ عَلَى الأَرضِ هَونًا وَإِذَا خَاطَبَهُمُ الجَاهِلُونَ قَالُوا سَلَامًا. (سورۃ الفرقان:۶۲) .

۞...... عبد بمعنی مجرمین، جیسے ارشاد ہے۔ وَيَومَ يَحشُرُهُم وَمَا يَعبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ فَيَقُولُ أَأَنتُم أَضلَلتُم عِبَادِى هَؤُلَاءِ أَم هُم ضَلُّوا السَّبِيلَ . (سورۃ الفرقان:۱۷) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ فَإِذَا جَاءَ وَعدُ أُولَاهُمَا بَعَثنَا عَلَيكُم عِبَادًا لَنَا .(سورۃ بنی اسرائیل:۵).

۞...... عبد بمعنی عبد شرعی، یعنی زرخرید ہ غلام، جیسے ارشاد ہے۔ ضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا عَبدًا مَملُوكًا.(النحل:۷۵).

۞...... عبد بمعنی المحتاجون الى الله تعالى فى الوجود ،یعنی ہر ایک بندہ پیدائشی طور پر اللہ تعالی کا محتاج ہے اور اسے عبد بالاعجاز کہتے ہے، جیسے ارشاد ہے۔ إِن كُلُّ مَن فِى السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ إِلَّا آتِى الرَّحمَنِ عَبدًا. (مریم:۹۳).

۞...... عبد بمعنی الأبرار والأخیار، جیسے ارشاد ہے۔ عَيناً يَشرَبُ بِهَا عِبَادُ اللَّهِ. (سورۃ الدہر:۶).

۞...... عبد بمعنی المصطفين والمجتبين ،یعنی اللہ تعالی کے منتخب شدہ بندے جیسے انبیاء، اولیاء وغیرہ، جیسے ارشاد ہے۔ ثُمَّ أَورَثنَا الكِتَابَ الَّذِينَ اصطَفَينَا مِن عِبَادِنَا. (سورۃ فاطر:۳۲) ایک جگہ فرمایا۔ وَسَلَامٌ عَلَى عِبَادِهِ الَّذِينَ اصطَفَى . (سورۃ النمل:۵۹).

۞...... عبد بمعنی أہل الکرامۃ، جیسے ارشاد ہے۔ وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِى عَنِّى فَإِنِّى قَرِيبٌ.(البقرۃ:۱۸۶).

۞...... عبد بمعنی اُمّت محمدی، جیسے ارشاد ہے۔ نَبِّىء عِبَادِى أَنِّى أَنَا الغَفُورُ الرَّحِيمُ. (سورۃ ابراہیم:۴۹) ایک جگہ فرمایا۔ أَنَّ الأَرضَ يَرِثُهَا عِبَادِىَ الصَّالِحُونَ. (سورۃ الأنبیاء:۱۰۵).

======================

☆ قال الشيخ الامام محمدطاهر رحمه الله: قدانتهى الى هاتين الكلمتين شرائع الأنبياء عليهم السلام ، وسرالكتب الالهية وحكمة ارسال الرسل. [سمط الدرر فی ربط الآیات والسور:۲۰].

۞...... عبد بمعنی اُمّتہ موسیٰ، جیسے ارشاد ہے۔ وَأَوحَينَآ إِلَى مُوسَى أَن أَسرِ بِعِبَادِي۔ (سورۃ طہ:۷۷).

۞...... عبد بمعنی الأتقیاء، جیسے ارشاد ہے۔ مِن عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيّاً .(سورۃ مریم آیت:۶۳).

۞...... عبد بمعنی اَہل الجنّۃ، جیسے ارشاد ہے۔ جَنَّاتِ عَدنٍ الَّتِي وَعَدَ الرَّحمَانُ عِبَادَهُ.(سورۃ مریم:۶۱).

۞...... عبد بمعنی قوم نوح، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّكَ إِن تَذَرهُم يُضِلُّوا عِبَادَكَ.(سورۃ نوح:۲۷).

۞...... عبد بمعنی الأنبیاء جیسے ارشاد ہے۔ ولَـكِـنَّ الـلَّـهَ يَمُنُّ عَلَى مَن يَشَآءُ مِن عِبَادِهِ. (سورۃ ابراہیم:۱۱).ایک جگہ فرمایا۔ يُلقِي الرُّوحَ مِن أَمرِهِ عَلَى مَن يَشَآءُ مِن عِبَادِهِ. (سورۃ النحل:۲).

۞...... عبد بمعنی المخلَصین المعصومین، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّ عِبَادِي لَيسَ لَكَ عَلَيهِم سُلطَانٌ.(الحجر:۴۲).

۞...... عبد بمعنی المنصورین علی الأعداء، جیسے ارشاد ہے۔ وَلَقَد سَبَقَت كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا المُرسَلِينَ.(الصافات:۱۷۱).

۞...... عبد بمعنی العلماء جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّمَا يَخشَى اللَّهَ مِن عِبَادِهِ العُلَمَاءُ.(سورۃ فاطر:۲۸).

۞...... عبد بمعنی المستحِقّين للبشرى، جیسے ارشاد ہے۔ فَبَشِّر عِبَادِ الَّذِينَ يَستَمِعُونَ القَول. (سورۃ الزمر:۱۸). (۱)

المبحث الثالث : عبادت کی حقیقت اور اس کے متعلق مفسرین کرامؒ کے اقوال:

"عبادة" لغت میں ذلت اور پستی کو کہتے ہیں۔"طريق معبد" ہموار راستے کو کہا جاتا ہے، مفسرین کرامؒ نے اس کی متعدد تعریفیں کی ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

معروف مفسر امام فخر الدین رازیؒ یوں تعریف بیان فرماتے ہیں۔ العبادة عبارة عن الفعل الذى يؤتى به لغرض تعظيم الغير(۲).

مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ والعبادة: أقصى غاية الخضوع والتذلل؛ وسمى العبد عبدا لذلته وانقياده۔ وقيل: العبادة عبارة عن الفعل الذى يؤدى به الفرض لتعظيم اللّه تعالى .(۳).

===================================

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے بصائر ذوی التمیز : ۱۰۸۲-۱۰۸٤، بصيرة فی عبد .

(۲) دیکھئے تفسیر کبیر للرازی:۱/۲۰۸.

(۳) تفسیر خازن:۱/۲۰.

ان دونوں تعریفوں کا مآل ایک ہے، یعنی جس فعل کے پیچھے تعظیم کا نظریہ محرک ہو۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں۔ والعبادة غاية التذلل من العبد ونهاية التعظيم للرب سبحانه وتعالى؛ لأنه العظيم المستحق للعبادة (١).

یعنی بندے کی طرف سے انتہائی عاجزی کیساتھ اللہ تعالی کی تعظیم کرنا اس لئے کہ وہ عظیم ذات ہی عبادت کی مستحق ہے۔

مفسر شہیر قاضی بیضاویؒ یوں تعریف فرماتے ہیں۔ والعبادة : أقصى غاية الخضوع والتذلل . (٢)

یعنی خضوع اور عاجزی کے انتہا کو عبادت کہا جاتا ہے، جس طرح " طريق معبد " اس راستے کو کہا جاتا ہے، جو بہت زیادہ روندا گیا ہو۔ " ثوب ذو عبدة " اس کپڑے کو کہا جاتا ہے جو انتہائی بوسیدہ ہو۔

مفسر جلیل علامہ جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں۔ والعبودية عند جميع العرب أصلها الذلة، وأنها تسمّى الطريق المذلل الذى قد وطئته الأقدام وذلّلته السابلة : معبّداً. ومنه قيل: للبعير المذلل بالركوب فى الحوائج : مبعّد. ومنه سمى العبد : عبداً؛ لذلته لمولاه(٣) .

معروف متبحر عالم حافظ ابن قیمؒ نے عبادت کی ایک جامع تعریف (جو جملہ انواع عبادات کو شامل ہے) فرماتے ہیں۔

العبادة: عبارة عن الاعتقاد و الشُعور بان للمعبود سلطة غيبية يقدربها على النفع و الضرر ، فكل ثناء ودعاء و تعظيم يصاحبه هذا الأعتقاد و الشُعور فهى عبادة(٤) .

یعنی عبادت اس اعتقاد اور شعور کا نام ہے کہ معبود کو ایک غیبی تسلط حاصل ہے، جس کی وجہ سے وہ نفع ونقصان پر قادر ہے، اسی وجہ سے ہر تعریف ہر پکار اور ہر تعظیم جو اس مذکورہ اعتقاد و شعور کیساتھ ہو تو وہ عبادت ہے۔

حافظ ابن قیمؒ کی یہ تعریف نہایت جامع اور پُر مغز ہے، جو عبادت کے تمام انواع ثناء، پُکار اور تعظیم وغیرہ سب کو شامل ہے، اس افادیت کے پیش نظر یہ ہمارے شیوخؒ کی پسند فرمودہ ہے(۵)۔

======================

(۱) تفسیر أبی السعود:۱/۱۶، مفردات القرآن:۲/ ۵۷.

(۲) تفسیر بیضاوی:۱/۲۶، تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۸۵، تفسیر أبی السعود:۱/۱۶.

(۳) تفسیر محاسن التأویل:۱/۲۲۸.

(۴) تفسیر جواہر القرآن:۱/۸. بحوالہ مدارج السالکین:۱/۴۰.

(۵) امداد الأحکام:۱/۱۲۲، العرفان من أصول القرآن:۱۶۵، مقدمۃ کتاب التوحید للعلامۃ عبد الغنی الجاجروی:۲/۲۰-۲۱.

یہ عبارت حضرت شیخ مرحوم مدارج السالکین کے حوالے بیان فرماتے اور تفسیر جواہر القرآن میں مذکورہ بالا حوالہ کیساتھ مندرج ہے، تاہم ہمیں تلاش بسیار کے باوجود یہ عبارت مدارج السالکین کے مطبوعہ نسخوں میں مل نہ سکی۔ عین ممکن ہے کہ حضرت شیخ رحمہ اللہ کے پاس مدارج السالکین کا جو نسخہ تھا اس کے حاشیہ وغیرہ میں مذکور ہو۔ اور اس کی تائید اس بات سے بھی ہوسکتی ہے کہ یہی عبارت علامہ عبدالحی لکھنویؒ نے مجموعۃ الفتاوی میں اور علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے امداد الأحکام میں مدارج السالکین کے حوالہ سے نقل فرمائی ہے۔(۳) ☆

عبادت کے اجزاء ترکیبیہ:

شیخ القرآنؒ فرمایا کرتے تھے کہ عبادت کے اجزاء ترکیبیہ (یعنی جن اشیاء سے عبادت مرکب ہے) تین ہیں:۔

۱۔ محبت کامل. ۲۔ خوف کامل. ۳۔ رجاء کامل۔

ان تینوں کے مجموعے کو عبادت کہا جاتا ہے، تاہم ان کیساتھ اسبابِ ظاہری کی قید ملحوظ ہے، اگر ان تین میں ایک بھی مفقود ہو تو اسے عبادت نہیں کہا جاتا ہے، یہی بات حافظ ابن قیمؒ مدارج السالکین میں اور علامہ قاسمیؒ نے محاسن التاویل میں ذکر فرماتے

---

(۳) قال الشيخ الامام محمدطاهررحمه الله : قال شيخ الاسلام العلامة الحافظ شمس الدين ابن القيم الجوزية رحمه الله فى مدارج السالكين : فالعبادة اعتقادية ،وهوأن يعتقد أن للمعبود سلطةغيبية ، والعملية أن يعمل له بفعل يشعر بأقصى غاية التعظيم مثل السجود، فالاعتقادية مثل أن يعبد بالعبادة، وهوالشرك فى العبادة كمافى هود، والأعراف، والزمر. أوأن يعتقدأن له علمامحيطاً، وهوالشرك فى العلم، أوأن يدعوه غائباًفهوالشرك فى الدعاء كمافى الأحقاف، ويونس، والرعد، والفاطر، والمؤمنون. وأن اعتقد أن له تصرف فهوشرك فى التصرف، والعملية كالسجودوالنذرله. [العرفان من أصول القرآن:١٦٥].

وقال الشيخ عبدالسلام الرستمى: وما أحسن ما قيل... ثم ذكر هذا التعريف ثم قال : وهذا التعريف جامع لجميع أفراد العبادات : من الصلاة، والزكاة، والصوم، والحج، والذكر، والنذر، والثناء، والدعاء، والعبادات : القولية، والبدنية، والمالية جميعًا، فكل من يعبد عبادة ويعتقد أن للمعبود على علمًا بجميع الحالات، وتصرفًا فى كل حال، فإن كان يعبد الله فهو عبادة الله، وإن كان يعبد لغير الله بهذا الاعتقاد فهو شرك وعبادة غير الله تعالى ۔ [جهود علماء الحنفية فى ابطال عقائد القبورية:١/٣١٨].

☆ قال شيخناالعلامة المحقق الشيخ ولى الله كابلجرامى رحمه الله بعد ذكرهذه العبارة : ملحوظة: عبارة المحشى ليست فى الطبعات المحققة، وانماكانت فى الطبعة الأولى ، ونقلتها من امداد الأحكام :١/١٢٢. نقلها هوعن المدارج:١/٤٠. [اعلام الأعلام بمفهوم الدين والاسلام:٢٤٣].

ہیں، مفسر جلیل علامہ جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں۔

وفيه إعلام بما صدع به الإسلام من تحرير الأنفس لله تعالى وتخليصها لعبادته وحده. أعنى : أن لا يشرك شيئاً ما معه، لا فى محبته كمحبته ، ولا فى خوفه، ولا فى رجاء ه، ولا فى التوكل عليه، ولا فى العمل له، ولا فى النذر له، ولا فى الخضوع له، ولا فى التذلل والتعظيم والسجود والتقريب؛ فإن كل ذلك إنما يستحقه فاطر الارض والسماوات وحده؛ وذلك أن لفظ العبادة يتضمن كمال الذل بكمال الحب، فلا بد أن يكون العابد محباً للإله المعبود كمال حب، ولا بد أن يكون ذليلاً له كمال الذل، وهما لا يصلحان إلا كله وحده، فهو الإله المستحق للعبادة الذى لا يستحقها إلا هو، وهى كمال الحب والذل والإجلال والتوكل والدعاء بما لا يقدر عليه إلا هو تعالى (١).

یہ تینوں اقسام قرآنِ مجید کے ایک آیت میں مذکور ہیں، ارشاد ہے۔ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدعُونَ يَبتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الوَسِيلَةَ أَيُّهُم أَقرَبُ وَيَرجُونَ رَحمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ إِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحذُورًا. (سورۃ بنی اسرائیل:۵۷) (۲)

اس آیت میں "أَيُّهُم أَقرَبُ" میں محبت کامل "وَيَرجُونَ رَحمَتَه" میں رجاء کامل اور "وَيَخَافُونَ عَذَابَه " میں خوفِ کامل کا تذکرہ ہے، اب اگر یہی چیزیں اسبابِ ظاہریہ کے بغیر کسی کے حق میں پائی جائیں تب تو عبادت کے زمرے میں شمار ہوں گے اور اگر یہ اسبابِ ظاہریہ کے تحت ہوں تو اسے عبادت نہیں کہا جائے گا۔ اور اگر اسبابِ ظاہریہ کے بغیر ان میں سے کوئی ایک صفت بھی اللہ تعالی کے سوا کسی غیر کے لیے ثابت کی جائے۔ وہ اس کا عابد اور وہ شئی اس کی معبود شمار ہوگی، کیونکہ حبِ الوہیت،

=======================

(۱) تفسیر محاسن التأویل:۱/۲۲۸.

(۲) قال الشيخ الامام محمدطاهر رحمه الله: وأماالعبادة فمركب من ثلاثة أجزاء: الخوف الكامل، والمحبة الكاملة، والرجاء التام التى هى بغيرالأسباب العادية الظاهرية، وقدبينه الله تعالى فى سورة بنى اسرائيل :٥٧حيث قال:﴿ أُولَئِكَ الَّذِينَ يَدعُونَ يَبتَغُونَ إِلَى رَبِّهِمُ الوَسِيلَةَ أَيُّهُم أَقرَبُ وَيَرجُونَ رَحمَتَهُ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ﴾ هذاهوالمحبة الكاملة ،أى القرب ﴿ أَيُّهُم أَقرَب ﴾ ، ﴿وَيَرجُونَ رَحمَتَهُ ﴾.. هذاهوالرجاء﴿ وَيَخَافُونَ عَذَابَهُ ﴾ هذاهوالخوف..فكل واحدمن هذه الأجزاء الثلاثة اذاثبت لغيرالله يصيرالهاًغيرمعبود، فعلم أن بين الاله والمعبودتفرقة ،وأن بينهماعموم وخصوص مطلق، فالاله عام مطلق والمعبودخاص منه،فكل معبوداله ولاعكس. [الفرقان من أصول القرآن:١٦، وسمط الدرر فى ربط الآيات والسور:٢٠-٢١].

خوف الوہیت اور رجاء الوہیت اللہ تعالی کیساتھ مختص ہے، عالم ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۱) اپنی مایہ ناز کتاب الفتح الربانی میں فرماتے ہیں۔

ويحك! من أطعمك؟ و أنت طفل فى بطن أمك ، أنت معتمد عليك، وعلى الخلق دنانيرك و درهمك ، وعلى بيعك و شراء ك، وعلى سلطان بلدك، كل من اعتمدت عليه فهو الهك، و كل من خفته و رجوته، فهو الهك (٢).

تیرا ناس ہو! تجھے کس نے کھلایا تھا جب تو اپنی ماں کے پیٹ میں تھا؟ اور آج دنیا کے مال وزر دراہم اور دنانیر پر یقین بن چکا ہے اور خرید وفروخت اور اپنے شہر کے بادشاہ پر تیرا اعتماد ہے اور ہر وہ چیز جس پر تیرا اعتماد ہے پس وہ تیرا الہ ہے اور ہر وہ چیز جس سے تو ڈرے اور اس سے اُمید کرے پس وہ تیرا الہ ومعبود ہے۔

المبحث الرابع : اقسام العبادو العبادة:

جس طرح عبادت کی اجزاءِ ترکیبیہ تین ہیں تو اسی طرح عبادت کے اقسام بھی تین ہیں:۔

۱۔ عبادت بالقلب. ۲۔ عبادت باللسان. ۳۔ عبادت بالجوارح.

۱۔ عبادت بالقلب کی تعریف: هو الاخلاص و الاعتماد والتوكل على الله والانابة اليه .

یعنی اخلاص، اعتماد، توکل اور انابت کو عبادت کہا جاتا ہے، ارشاد ہے۔ قُل هُوَ الرَّحمَنُ آمَنَّا بِهِ وَعَلَيهِ تَوَكَّلنَا فَسَتَعلَمُونَ مَن هُوَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ . (سورۃ الملک :۲۹) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ رَبَّنَا عَلَيكَ تَوَكَّلنَا وَإِلَيكَ أَنبنَا وَإِلَيكَ المَصِيرُ. (سورۃ الممتحنۃ:۴) ایک جگہ ارشاد ہے۔ إِن أُرِيدُ إِلَّا الإِصلَاحَ مَا استَطَعتُ وَمَا تَوفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيهِ تَوَكَّلتُ وَإِلَيهِ أُنِيبُ .(سورۃ ہود:۸۸) اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَلِلَّهِ غَيبُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ وَإِلَيهِ يُرجَعُ الأَمرُ كُلُّهُ فَاعبُدهُ وَتَوَكَّل عَلَيهِ. (سورۃ ہود :۱۲۳)

ان آیات میں التوكل و الانابة من أعمال القلب کا بیان ہے، یہاں" اياك نعبد . ." کا معنی یوں ہوگا۔ کہ ہم تجھ ہی پر اعتماد اور توکل کرتے ہیں اور تجھ ہی سے امید کرتے ہیں اور تیری طرف ہی انابت کرتے ہیں۔

==============================

(۱) نام عبدالقادر بن موسی بن عبداللہ بن جنکی دوست الحسنی، أبو محمد محیی الدین الجیلانی، ۴۷۱ھ کو جیلان میں پیدا ہوئے، بہت بڑے زاہد اور صوفی اور سلسلہ قادریہ کے بانی اور مؤسس ہیں، ۵۶۱ھ کو بغداد میں وفات پائی۔ (البدایہ والنہایہ:۲۵۲/۱۲، سیر أعلام النبلاء:۴۳۹/۲۰).

(۲) الفتح الربانی:۱۷.

۲۔ عبادت باللسان کی تعریف: هو دعوة الى الله تعالى والى توحيده ودينه تعالى.
اس کی یکتائی اور دین کی طرف بلانا، جیسے ارشاد ہے۔ أُمِرتُ أَن أَعبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشرِكَ بِهِ إِلَيهِ أَدعُو وَإِلَيهِ مَآبِ .(سورة الرعد:۳٦).

۳۔ عبادت بالجوارح کی تعریف: اپنے جملہ اعضاء کو اللہ تعالیٰ کی عبادت میں ہمہ وقت لگائے رکھنا، جیسے ارشاد ہے۔ يَـا أَيُّهَـا الَّـذِيـنَ آمَنُوا اركَعُوا وَاسجُدُوا وَاعبُدُوا رَبَّكُم وَافعَلُوا الخَيرَ لَعَلَّكُم تُفلِحُونَ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ. (سورة الحج:۷۷)

عبادت بالجوارح اس کی متعدد اقسام ہیں، لیکن ہم بطور اختصار چند ذکر کرتے ہیں، تبحر عالم حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں

فلا يكون العبد متحققا ب إياك نعبد إلا بأصلين عظيمين: أحدهما: متابعة الرسول، والثاني: الإخلاص للمعبود فهذا تحقيق إياك نعبد، والناس منقسمون بحسب هذين الأصلين أيضا إلى أربعة أقسام: أحدها: أهل الإخلاص للمعبود والمتابعة، وهم أهل إياك نعبد حقيقة، فأعمالهم كلها لله، وأقوالهم لله، وعطاؤهم لله، ومنعهم لله، وحبهم لله، وبغضهم لله، فمعاملتهم ظاهراوباطنا لوجه الله وحده، لا يريدون بذلك من الناس جزاء ولا شكورا، ولا ابتغاء الجاه عندهم ولا طلب المحمدة والمنزلة فى قلوبهم، ولا هربا من ذمهم بل قد عدوا الناس بمنزلة أصحاب القبور لا يملكون لهم ضرا ولا نفعا ولا موتا ولا حياة ولا نشورا ......الضرب الثاني: من لا إخلاص له ولا متابعة فليس عمله موافقا لشرع، وليس هوخالصا للمعبود، كأعمال المتزينين للناس المرائين لهم بما لم يشرعه الله ورسوله، وهؤلاء شرار الخلق، وأمقتهم إلى الله عز و جل، ولهم أوفر نصيب من قوله: ﴿لا تحسبن الذين يفرحون بما أتوا ويحبون أن يحمدوا بما لم يفعلوا فلا تحسبنهم بمفازة من العذاب ولهم عذاب أليم﴾ يفرحون بما أتوا من البدعة والضلالة والشرك، ويحبون أن يحمدوا باتباع السنة والإخلاص.. الضرب الثالث: من هو مخلص فى أعماله لكنها على غير متابعة الأمر، كجهال العباد.. الضرب الرابع: من أعماله على متابعة الأمر لكنها لغير الله، كطاعة المرائين،وكالرجل يقاتل رياء وحمية وشجاعة ويحج؛ ليقال ويقرأ القرآن؛ ليقال فهؤلاء أعمالهم ظاهرها أعمال صالحة مأمور بها، لكنها غير صالحة فلا تقبل، وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين. فكل أحد لم يؤمر إلا بعبادة الله بما أمر والإخلاص له فى العبادة، وهم أهل إياك نعبد وإياك نستعين(١) .

==============================

(۱) دیکھئے مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبد وإیاک نستعین:۱/۱۸۳.

عبادت کا دارومدار دو عظیم اصولوں پر ہیں اور انسان صرف اسی صورت میں حقیقی معنوں میں " إيــاك نـعبـد" پر عمل پیرا ہو سکتا ہے جب ان دو عظیم اصولوں کو مدنظر رکھے:۔ ۱۔ رسول ﷺ کی تابعداری. ۲۔ حقیقی معبود کو معبودان باطلہ سے خالص کرنا. اگر ان دو اصولوں پر لوگوں کو پرکھا جائے تو لوگ چار حصوں پر منقسم ہو جاتے ہیں۔

پہلی قسم: جو اپنی عبادت کو معبود برحق کے لئے خالص کرنے والے اور رسول ﷺ کی تابعداری کرنے والے ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جو حقیقت میں "إياك نـعبد " پر عمل کرنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کے تمام افعال حتی کہ دینا، روکنا، محبت کرنا دشمنی کرنا ظاہری اور باطنی تمام معاملات خالص اللہ تعالی کی رضامندی کے لئے ہوتے ہیں اور اللہ تعالی کی عبادت کرنے کی وجہ سے ان اہل لوگوں کا اصل مقصد مخلوق کے ہاں عزت تلاش کرنا، خوشامدی یا بدلے وغیرہ کی امید نہیں ہوتی، بلکہ ان کے نزدیک تو لوگوں کی حیثیت مردوں کی سی ہوتی ہے کہ نہ تو نفع نقصان کے مالک ہوتے ہیں اور نہ ہی زندگی و موت ان کی اختیار میں ہوتی ہے۔

دوسری قسم: وہ لوگ کہ جن کا عقیدہ اور نیت تو خالص ہوتی ہے، لیکن دوسرے اصول یعنی رسول ﷺ کی تابعداری سے محروم ہوتے ہیں اور انکے افعال شریعتِ محمدی کے موافق نہیں ہوتے، جب انکے اعمال اور عبادت شریعت کے موافق نہیں ہوتے تو نتیجۃً اللہ تعالی کے حق میں بھی خالص نہیں ٹھہرتے جیسے اہل ریاء لوگوں کے اعمال، یعنی جس کے پیچھے ریاء کا جذبہ کارفرما ہو۔ ظاہری بات ہے کہ ایسے لوگوں کے یہ اعمال شریعتِ محمدیؐ میں غیر مشروع اور اللہ تعالی کے ہاں نامقبول ہیں، جس کی وجہ سے یہ لوگ بدترین مخلوق اور قہر خداوندی کے سبب ہیں اور اللہ تعالی کے بیان کردہ اس وعید میں ان لوگوں کا کافی حصہ ہے، یعنی اس وعید کے مستحق ہیں۔ لا تـحسبـن الـذيـن يـفـرحـون بـما أتوا ويحبون أن يحمدوا بما لم يفعلوا فلا تحسبنهم بمفازة من العذاب ولهم عذاب أليم. خلاصہ یہ نکلا کہ یہ لوگ بدعات گمراہی اور شرکیات پر پھول نہیں سماتے اور ان کی یہ تمنا ہوتی ہے کہ سنت کی پیروی میں اخلاص کی وجہ سے وہ لوگوں میں ضرب المثل بن کر لوگوں کی زبانیں ان کی مدح سرائی میں مصروف رہیں۔

تیسری قسم: وہ لوگ جو اپنے اعمال وعبادت میں محض رضائے خداوندی حاصل کرنے کے متمنی ہوتے ہیں (یعنی ان کے اعمال کے پیچھے اصل محرک رضائے خداوندی کے حصول کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے، ریاونمود کی ملاوٹ نہیں ہوتی) البتہ ان کی عبادت اور اعمال تعلیمات رسولؐ کے مطابق نہیں ہوتے جیسے جاہل قسم کے لوگ۔

چوتھی قسم: وہ لوگ جن کے اعمال تو تعلیمات نبویؐ کے مطابق ہوتے ہیں، لیکن اعمال کے پیچھے رضائے خداوندی کے

حصول کے علاوہ کوئی جذبہ کارفرما ہوتا ہے جیسے دکھلاوہ پسند قسم کے لوگوں کی تابعداری کرنا، کہ وہ تابعداری تو کرتے ہیں لیکن اس تابعداری کے پیچھے اصل محرک دکھلاوے کا جذبہ ہوتا ہے۔ یا جیسے کوئی شخص جہاد کرتا ہے لیکن اس کے اس جہاد کے پس پشت ریاء ونمود، غیرت وقومیت، یا شجاعت وبہادری کا جذبہ کارفرما ہو۔ پس ظاہری طور پر ان لوگوں کے یہ اعمال تو نیک اور شریعت کے موافق ہوتے ہیں، لیکن درحقیقت بُرے اور ناقابلِ قبول ہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کو تو یہ حکم دیا گیا تھا کہ ان اعمال کے پیچھے اصل محرک رضائے خداوندی کے حصول کا جذبہ ہونا چاہیے۔ جب انہوں نے اس اصول سے روگردانی کی تو ان کے قابلِ قبول اعمال بھی نامقبول ٹھہرے۔ پس جن لوگوں کے اعمال کا اصل محرک رضائے خداوندی کا حصول ہو۔ اور ساتھ ساتھ ان کے اعمال تعلیماتِ نبویؐ کے بھی موافق ہوں تو یہی لوگ "إياك نعبد" کے دعوے میں سچے ہیں۔

عبادت بالجوارح کی اقسام: حافظ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

وأما العبوديات الخمس على الجوارح فعلى خمس وعشرين مرتبة أيضا؛ إذ الحواس خمسة، وعلى كل حاسة خمس عبوديات، فعلى السمع وجوب الإنصات والإستماع؛ لما أوجبه الله ورسوله عليه من استماع الإسلام والإيمان وفروضهما، وكذلك استماع القراءة في الصلاة إذا جهر بها الإمام واستماع الخطبة للجمعة في أصح قولي العلماء، و يحرم عليه استماع الكفر والبدع إلا حيث يكون في استماعه مصلحة راجحة من رده، أو الشهادة على قائله،أو زيادة قوة الإيمان والسنة بمعرفة ضدهما من الكفر والبدعة ونحو ذلك، وكإستماع أسرار من يهرب عنك بسره، ولا يحب أن يطلعك عليه ما لم يكن متضمنا لحق لله يجب القيام به، أو لأذى مسلم يتعين نصحه، وتحذيره منه، وكذلك استماع أصوات النساء الأجانب التي تخشى الفتنة بأصواتهن إذا لم تدع إليه حاجة من شهادة أو معاملة أو استفتاء أو محاكمة أو مداواة ونحوها، وكذلك استماع المعازف، وآلات الطرب، واللهو كالعود والطنبور واليراع ونحوها..

وأما السمع المستحب فكاستماع المستحب من العلم، وقراءة القرآن، وذكر الله، واستماع كل ما يحبه الله وليس بفرض والمكروه عكسه وهو استماع كل ما يكره ولا يعاقب عليه والمباح ظاهر. وأما النظر الواجب فالنظر في المصحف وكتب العلم عند تعين تعلم الواجب منها والنظر إذا تعين لتمييز الحلال من الحرام في الإعيان التي يأكلها، أو ينفقها، أو يستمتع بها، والأمانات التي يؤديها إلى أربابها؛ ليميز بينها ونحو ذلك ... والنظر الحرام النظر إلى الأجنبيات بشهوة مطلقا وبغيرها، إلا لحاجة كنظر الخاطب و

المستام والمعامل والشاهد والحاكم والطبيب وذى المحرم، والمستحب النظر فى كتب العلم والدين التى يزداد بها الرجل إيمانا وعلما، والنظر فى المصحف، ووجوه العلماء الصالحين، والوالدين، والنظر فى آيات الله المشهودة؛ ليستدل بها على توحيده، ومعرفته، وحكمته، والمكروه فضول النظر الذى لا مصلحة فيه؛ فإن له فضولا كما للسان فضولا، وكم قاد فضولها إلى فضول عز التلخص، منها وأعيى دواؤها. وقال بعض السلف: كانوا يكرهون فضول النظر،كما يكرهون فضول الكلام، والمباح النظر الذى لا مضرة فيه فى العاجل والآجل ولا منفعة.ومن النظر الحرام النظر إلى العورات.

وأما الذوق الواجب فتناول الطعام والشراب عند الإضطرار إليه وخوف الموت؛فإن تركه حتى مات مات عاصيا قاتلا لنفسه. قال الإمام أحمد وطاووس: من اضطر إلى أكل الميتة فلم يأكل حتى مات دخل النار ومن هذا تناول الدواء إذا تيقن النجاة له من الهلاك على أصح القولين، وإن ظن الشفاء به فهل هو مستحب مباح أو الأفضل تركه فيه نزاع معروف بين السلف والخلف، والذوق الحرام،كذوق الخمر والسموم القاتلة والذوق الممنوع منه للصوم الواجب.وأما المكروه فكذوق المشتبهات، والأكل فوق الحاجة، وذوق الطعام الفجاء ة، وهو الطعام الذى تفجأ آكله ولم يرد أن يدعوك إليه، وكأكل أطعمة المرائين فى الولائم والدعوات ونحوها ... والذوق المستحب أكل ما يعينك على طاعة الله عز و جل مما أذن الله فيه، والأكل مع الضيف؛ ليطيب له الأكل ،فينال منه غرضه، والأكل من طعام صاحب الدعوة الواجب إجابتها أو المستحب وقد أوجب بعض الفقهاء الأكل من الوليمة الواجب إجابتها للأمر به عن الشارع والذوق المباح ما لم يكن فيه إثم ولا رجحان .

وأما تعلق العبوديات الخمس بحاسة الشم فالشم الواجب كل شم تعين طريقا للتمييز بين الحلال... وأما الشم الحرام فالتعمد لشم الطيب فى الإحرام، وشم الطيب المغصوب، والمسروق، وتعمد شم الطيب من النساء الأجنبيات خشية الإفتتان بما ورائه. وأما الشم المستحب فشم ما يعينك على طاعة الله، ويقوى الحواس، ويبسط النفس للعلم والعمل، ومن هذا هدية الطيب والريحان، إذا أهديت لك، ففى صحيح مسلم عن النبى ﷺ من عرض عليه ريحان فلا يرده؛ فإنه طيب الريح خفيف المحمل.. والمكروه كشم طيب الظلمة، وأصحاب الشبهات، ونحو ذلك. والمباح مالا منع فيه من الله، ولا تبعة ولا فيه مصلحة دينية، ولا

تعلق له بالشرع. ومن البطش الواجب إعانة المضطر، ورمى الجمار، ومباشرة الوضوء، والتيمم، والحرام كقتل النفس التى حرم الله قتلها، ونهب المال المعصوم وضرب من لا يحل ضربه، ونحو ذلك وكأنواع اللعب المحرم بالنص كالنرد.

وأما المكروه فكالعبث واللعب الذى ليس بحرام، وكتابة مالا فائدة فى كتابته، ولا منفعة فيه فى الدنيا والآخرة، والمستحب كتابة كل ما فيه منفعة فى الدين، أو مصلحة لمسلم .. وأما المشى الواجب فالمشى إلى الجمعات، والجماعات فى أصح القولين؛ لبضعة والمشى حول البيت للطواف الواجب، والمشى بين الصفا والمروة بنفسه أو بمركوبه، والمشى إلى حكم الله ورسوله إذا دعى إليه، والمشى إلى صلة رحمه وبر والديه، والمشى إلى مجالس العلم الواجب طلبه وتعلمه، والمشى إلى الحج إذا قربت المسافة ولم يكن عليه فيه ضرر، والحرام المشى إلى معصية الله، وهو من رجل الشيطان قال تعالى: وأجلب عليهم بخيلك ورجلك. قال مقاتل استعن عليهم بركبان جندك ومشاتهم، فكل راكب وماش فى معصية الله فهو من جند إبليس.(۱)

اب ہم ذیل میں مذکورہ بالاعبارت کا حاصل بیان فرماتے ہیں۔

مذکورہ عبارت میں حافظ ابن قیمؒ عبادت کے پچیس مراتب بیان فرماتے ہیں،تاہم عبادت کے مراتب ذکرفرمانے سے پہلے انتہائی جامع انداز میں أما العبودات الخمس على الجوارح .. سےایک تمہید کی طرف اشارہ فرماتے ہیں کہ احکام شرعیہ پانچ قسم پر ہیں:۔ واجب، حرام، مستحب، مکروہ، مباح۔ اب اگرلوگوں میں بھی حکم شرعی کی حیثیت کوملحوظِ نظر رکھا جائے تو عبادتِ شرعی بھی پانچ قسم اقسام پر منقسم ہوجائے گی۔اب وہ اعضاء جوصدورِعبادت کا ذریعہ بنتی ہیں وہ بھی پانچ ہیں:۔ ہاتھ، ناک، منہ، آنکھ اورکان۔اب یہ بات یادرکھیں کہ ہرعبادت جوانسان کےان پانچ اعضاء میں سے کسی بھی عضو سےصادرہوگی،وہ مذکورہ بالا پانچ اقسام پر مشتمل ہوگی،لہذا جب عبادت کی ان پانچ اقسام کوان پانچ اعضاء کیساتھ ضرب دیں تو حاصل ضرب پچیس نکل آئے گا۔اب یہی پچیس مراتب حافظ ابن قیمؒ ذکرفرماتے ہیں۔

بہرحال عبادت کی پانچ قسمیں پانچ اعضاء کےاعتبار سے پچیس مراتب پر مشتمل ہیں اس لئے کہ انسانی حواس بھی پانچ قسم

==========================

(۱) دیکھئے مدارج السالکین بین منازل إیاک نعبدوإیاک نستعین:۱/۱۱۶-۱۲۲۔

پر ہیں اور ہر حسّ پر پانچ قسم کے عبادت متفرع ہوتی ہیں۔ کانوں کی عبادت یہ ہے کہ انسان بدکلامی اور غیر شرعی باتوں سے محفوظ رکھے یہ اس پر واجب ہے، اسی طرح ان چیزوں کا سننا جس کا اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ نے سننے کا حکم دے کر واجب فرمایا ہے مثلا ایمان، اسلام اور اسکے فرائض، اسی طرح جہروں نمازوں میں امام کی قراءت، تلاوت کو سننا اور علماء امت کے صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق جمعہ کے خطبہ کو خاموشی سے سننا۔

کانوں اور کفریات اور بدعات کا سننا حرام ہے، ہاں البتہ ایسی صورت میں ان کفریات و بدعات کے سننے کی گنجائش دی جا سکتی ہے جب ان کے سننے میں کوئی شرعی مصلحت ہو۔ یا مقصد یہ ہو کہ ان کفری و بدعی معلومات کو سن کر ان کی حقائق اور دلائل کی تہوں پر مطلع ہوا جائے تا کہ ان کی پُر زور اور مدلل تر دید ممکن بنائی جا سکے۔ یا ان سے قوتِ ایمانی کی ریادتی مقصود ہو اور سنت کی معرفت ملحوظِ نظر ہو، کیونکہ مشہور اور مسلم قاعدہ ہے ۔ تعرف الأشياء بأضدها ۔ مثال کے طور پر ایک آدمی جو نہ تو آپ کے قریب آئے اور نہ ہی اپنے عقائد اور نظریات پر آپ کو مطلع کرنے کے لئے تیار ہو تو ایسے آدمی کی راز دار باتوں کو سننا جائز ہے، بشرطیکہ وہ حقوق الٰہی کی رعایت اور ایفاء نہ کرے۔ اس لئے کہ حقوق الٰہی کا ایفاء اور عدم ایفاء اسکے باطن پر دال ہے، لیکن باطن ہم سے پوشیدہ ہے، لہذا ہمیں پوشیدہ چیز کے متعلق صرف ایک ہی صورت میں قطعی اور یقینی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جب ہم پر اس کا پوشیدہ مخفی راز ظاہر ہو جائے اور ان پوشیدہ احوال پر تب ہی علم حاصل ہوگا جب اس کی راز داریوں کو جاننے کی کوشش کی جائے گی۔

اسی طرح کسی مسلمان کو تکالیف پہنچانا بھی حرام ہے ہاں البتہ اس ایذاء رسانی کا مقصد اگر اس مسلمان بھائی کی بھلائی اور خیر خواہی چاہنا، یا اس کو برائی سے بچانا ہو تو پھر یہ ایذاء رسانی جائز ہے۔ اور اسی طرح اجنبی عورتوں کی آواز اگر فتنہ میں واقع ہونے کا خوف ہو سننا بھی حرام ہے مگر ضرورت کے وقت جائز ہے، جیسے گواہی، معاملہ، استفتاء یعنی شرعی مسائل کے متعلق پوچھنا ، یا قاضی کو فیصلہ کرنے کی ضرورت در پیش ہو۔

اللہ تعالی کی پسند دیدہ چیزوں کا سنا جو فرض نہ ہو مستحب ہیں ، جیسے علم مستحب، تلاوت قرآن اور ذکر الٰہی وغیرہ کا سننا۔ اور نظر مکروہ اس کا عکس ہے کہ جس کا سننا تو شرعاً پسند دیدہ ہو، لیکن بایں طور کہ اس کا ارتکاب سزاوار نہ ٹھہرے۔ اور مباح شنوائی تو ظاہر ہے۔

نظر کے واجبات میں سے قرآن مجید کا دیکھنا، ضروری علم سیکھنے کے لئے دینی کتابوں کا دیکھنا، مثلا ان چیزون کو دیکھنا جن کو کھایا، خرچ اور فائدہ اٹھایا جاتا ہے تا کہ حلال اور حرام میں تمیز کی جا سکے۔ اور امانتوں پر نظر رکھنا کہ انہیں ممتاز و جدا کر کے اپنے

اصلی مالک کے حوالے کیا جائے۔ بہر حال نظر حرام اجنبی عورتوں کو شہوت کیساتھ دیکھنا، البتہ حاجت کے وقت ضرورت کے مطابق دیکھنا جائز ہے، جیسے منگیتر، لین دین کرنے والا، گواہ، قاضی، ڈاکٹر اور ذی رحم رشتہ دار کا دیکھنا۔

اور مستحب نظر جیسے ان دینی اور علمی کتابوں کا دیکھنا جن کو دیکھنے سے ایمان اور علم کی زیادتی نصیب ہوتی ہو۔ اسی طرح قرآن مجید، اہل حق علماء کرام کے چہروں کو دیکھنا۔ اور اللہ تعالی کے ظاہری مشاہداتی نشانیوں کو دیکھنا جس سے مقصود اللہ تعالی کی توحید، معرفت اور حکمت پر استدلال کرنا ہو۔ مکروہ نظر وہ ہوتی ہے جس میں کوئی مصلحت اور فائدہ نہ ہو، جیسے زبان کے کچھ فضولیات ہیں اسی طرح نظر کے بھی فضولیات ہوتی ہیں، اور کتنی ہی فضولیات کی طرف کھینچنے والی اشیاء جس سے خلاصی مشکل ہوجاتی ہے اور اس کی علاج طبیب بھی عاجز ہوجاتے ہیں۔ اور بعض سلف فرماتے ہیں کہ سلف صالحین فضول گوئی کی طرح فضول نظری کو بھی ناپسند فرمایا کرتے ہیں۔ اور مباح نظر وہ ہوتی ہے جس میں نہ تو فی الحال اور نہ ہی آئندہ کے اعتبار سے کوئی نفع ونقصان ہو۔ اور حرام نظر جیسے کسی کی شرمگاہ کی طرف دیکھنا۔

بہر حال ذوق واجب وہ اضطراری حالت میں کھانا پینا کہ جب انسان کو یقین حاصل ہوجائے کہ اگر کھانا پینا چھوڑ دیا تو مرجائے گا، اب اگر وہ ایسی حالت میں مرجائے تو خودکشی کی موت مرئے گا۔ امام احمدؒ اور امام طاؤسؒ فرماتے ہیں۔ کہ اگر کوئی آدمی ایسی چیز کے کھانے کی طرف مجبور ہوجائے جو شرعاً ممنوع ہو، پھر نہ کھائے اور نہ کھانے کی وجہ سے مرجائے تو آگ میں داخل ہوگا۔ اور اسی طرح صحیح قول کے مطابق دوا کا استعمال جب یقین ہو کہ جان لیوا امراض سے نجات مل جائے گی واجب ہے اور اگر شفایابی کی امید وگمان ہو تو اس صورت میں سلف وخلف کے مابین مشہور اختلاف واقع ہو چکا ہے کہ آیا امید کی صورت میں دوائی مستحب، یا مباح یا چھوڑ دینا افضل ہے، اور ذوق حرام جیسے شراب اور مہلک زہر کا استعمال کرنا اور اسی طرح فرض روزوں کو کھانا بھی حرام ہے۔

بہر حال ذوق مکروہ جیسے مشتبہ اشیاء کو کھانا، یا ضرورت سے زیادہ کھانا۔ اور اچانک حاضر کیا جانے والا کہ صاحب طعام آپ کو دعوت دینے کا ارادہ نہ کرے۔ اور اسی طرح ریاء ونمود والے لوگوں کا ولیمہ اور دعوت میں کھانا تناول فرمانا۔ اور ذوق مستحب جیسے اللہ تعالی کی اجازت دی ہوئی ان چیزوں میں سے کھانا جو طاعت الہیہ میں مدد ثابت ہوں، اسی طرح مہمان کیساتھ کھانا تاکہ وہ خوشی سے کھائے، اور ایسی دعوتوں کا کھانا جن کی اجابت واجب یا مستحب ہو۔ اور تحقیق بعض فقہاء کرام نے دعوت ولیمہ کو بھی واجب الاجابت قرار دیا ہے اس لئے کہ شارع علیہ السلام نے اس کا حکم دیا ہے۔ ذوق مباح جس میں نہ تو گناہ ہو اور نہ ہی رجحان۔

اور سونگھنے کیساتھ جو پانچ قسم کی عبادات متعلق ہوتی ہے وہ یہ ہیں ہر وہ سونگھ جو حلال وحرام کے مابین فرق متعین کرئے واجب ہے اور بہر حال حرام سونگھ وہ حالت احرام میں خوشبو وغیرہ کا سونگھنا، اور اسی طرح چورائی اور غصب کی ہوئی خوشبو سونگھنا، اور فتنے کی خوف کی وجہ سے اجنبی عورتوں سے خوشبو سونگھنے کا ارادہ بھی حرام ہوجاتا ہے۔ اور رہی مستحب سونگھ تو وہ ایسی چیز کا سونگھنا جو اطاعت الہیہ میں معاون ثابت ہو جو حواس کو قوی کرے اور نفس انسانی کو علم وعمل کے تر وتازہ کرے اور خوشبو وغیرہ کا ہدیہ کرنا بھی اسی قبیلے سے ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں رسول اللہ ﷺ سے مروی ہے کہ جس شخص پر بھی خوشبو پیش کی گئی پس وہ اس کو واپس نہ کرے۔ مگروہ سونگھ جیسے جیسے ظالم اور اصحاب شہوات وغیرہ کے لوگوں کی خوشبو سونگھنا۔ اور مباح سونگھ کہ جس میں منع واطاعت مضر نہ ہو اور نہ ہی کوئی دینی مصلحت اس میں موجود ہو، اور نہ ہی شریعت کیساتھ اس کا تعلق ہو۔

اور قوت بطش پر جو چیزیں واجب ہیں، جیسے حالت اضطرار میں گرفتار شخص کی مدد کرنا، رمی جمار، وضوء اور تیمّم وغیرہ... بطش حرام، جیسے بے گناہ شخص کو قتل کرنا، کسی کا مال غصب کرنا اور جس کا مارنا پیٹنا جائز نہ ہو اس کو مارنا اور منصوص حرام کھیل شدہ، جیسے نردشیر وغیرہ کھلنا۔ اور مکروہ پکڑ یعنی بطش جیسے وہ کھیل جو حرام نہ ہو، اور ایسی چیز لکھنا جس کے لکھنے میں فائدہ نہ ہو۔ اور بطش مستحب جیسے ان چیزوں کا لکھنا جس میں دینی فائدہ ہو اور مسلمانوں کی مصلحت ہو۔

اور چلنے میں واجب جیسے صحیح قول کے مطابق جمعہ اور جماعات کی طرف چلنا، واجب طواف میں بیت اللہ کے گرد چکر لگانا، صفا مروہ درمیان سعی کرنا چاہے سواری پر ہو یا پیدل ہو۔ اللہ تعالی اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف چلنا جب اس کی طرف بلایا جائے، اسی طرح صلہ رحمی اور والدین کیساتھ احسان کے لئے چلنا، ان علمی مجالس کی طرف جانا جن کا سیکھنا اور طلب کرنا واجب ہو، اور حج بیت اللہ کی طرف چلنا جب سفر قریب ہو، بشرطیکہ کوئی شرعی عذر لاحق نہ ہو۔

اور حرام چلنا جیسے اللہ تعالی کی نافرمانی طرف چلنا، اور ایسا کرنے والا شیطان کے نقش قدم پر چلنے والوں میں سے ہوتا ہے جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے۔ وأجلب عليهم بخيلك ورجلك. امام مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ اپنے پیدل اور سوار لشکروں کیساتھ ان پر غلبہ حاصل کر، پس ظاہری بات کہ کہ سوار اور پیدل جب معصیت الہی میں محو ہو شیطان کے لشکر میں سے ہے۔

اب یہاں معنی یوں ہوگا " ایاك نعبد " ہم عبادت کے جملہ اقسام (خواہ عبادات بدنیہ ہو یا عبادات مالیہ ہوں) اللہ تعالی ہی کے لئے کرتے ہیں۔

تفسیر غرائب القرآن میں علامہ نیسابوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

لأن العبادة عبارة عن نهاية التعظيم فلا تليق الا لمن صدر منه غاية الانعام وهو الله تعالى ، و ذلك

لأن للعبد أحوالاً ثلاثة: الماضی والحاضر و المستقبل . أما الماضی : فقد كان معدوماً فأوجده: ﴿وَقَد خَلَقتُكَ مِن قَبلُ وَلَم تَكُ شَيئًا﴾ .(سورة مريم آيت : ٩) ﴿أَوَمَن كَانَ مَيتًا فَأَحيَينَاهُ﴾. (سورة الانعام : ١٢٢). ﴿وَكُنتُم أَموَاتًا فَأَحيَاكُم﴾. (سورة البقرة : ٢٨) وكان جاهلا فعلمه: ﴿وَاللَّهُ أَخرَجَكُم مِن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُم لَا تَعلَمُونَ شَيئًا﴾. (سورة النحل : ٧٨) ثم أسمعه و أبصره و أعقله: ﴿وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمعَ وَالأَبصَارَ وَالأَفئِدَةَ﴾ (سورة الملك آيت : ٢٣) فهو اله بهذا المعانی. وأما الحاضر فحاجاته كثيرة ، ووجوه افتقاره غير محصورة من أول عمره الى آخره مع انفتاح أبواب المعصية و انخلاع ربقة الطاعة، فهو ربّ رحمن رحيم من هذه الوجوه ، وأما المستقبل فأموره المتعلقةبما بعد الموت و أنه مالك يوم الدين بهذه الحيثية ، فلا مفزع للعبد فی شئی من أحواله الا اليه ، فلا يستحق عبادة العبد الا هو(١) .

عبادت نہایتِ تعظیم سے عبارت ہے اور ایسی تعظیم کی لائق وہ ذات ہو سکتی ہے جو بہت زیادہ منعم ہو اور یہ اس لئے کہ انسان کی تین حالتیں ہیں ماضی، حال اور مستقبل، ماضی میں انسان معدوم تھا تو اللہ تعالی نے اس کو عدم سے وجود میں لایا، جیسا کہ ارشادِ باری تعالی ہے ''کہ میں نے تجھے پیدا کیا حالانکہ تو اس پہلے نہ تھا۔'' (سورۃ مریم:۹) اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشادِ باری تعالی ہے ''کیا انسان مردو نہیں تھا؟ تو ہم ہی نے اسے زندہ کیا۔ (سورۃ الأنعام:۱۲۲) اور ایک دوسری جگہ ارشاد ہے ''کہ تم مردہ تھے تو پس ہم نے تمہیں زندہ کر دیا۔ (سورۃ البقرۃ:۲۸) اور انسان جاہل تھا تو اللہ تعالی نے اس کو علم سے نوازا، چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے'' کہ اللہ تعالی نے تمہیں شکمِ مادر سے نکالا اور تمہیں کسی چیز کا علم نہ تھا۔ (سورۃ النحل:۷۸) اور اسکو کان، آنکھیں اور عقل و سمجھ عطا فرمایا، چنانچہ ارشادِ باری تعالی ہے ''اللہ تعالی نے تمہیں کان، آنکھیں اور دل عطا فرمایا دیا۔ (سورۃ الملک:۲۳) تو اسی وجہ سے وہ الٰہ اور معبود ہے، اور حال میں انسانی حاجات بہت زیادہ ہے اور انسان پیدائش سے لے کر زندگی کے ہر لمحہ میں اللہ تعالی کا محتاج ہے اور اس کے باوجود وہ کسی بھی قسم کی معصیت اور گناہ سے دریغ نہیں کرتا اور اللہ تعالی کی اطاعت و فرمابرداری کو پسِ پشت ڈال دیتا ہے تو وہ اللہ تعالی اسی وجہ سے ربّ رحمٰن اور رحیم ہے۔ اور مستقبل میں وہ امور ہیں جو مرنے کے بعد ہوں اور اسی وجہ سے وہ قیامت کے دن کا مالک ہے، معلوم ہوا کہ انسان ہر لمحہ ہر وقت اللہ تعالی کا محتاج ہے پس عبادت اور بندگی کا وہی مستحق ہے اس کے علاوہ کوئی عبادت کا مستحق نہیں۔ اور ہر قسم کے عبادات کا مستحق صرف اللہ تعالی ہے، خواہ عباداتِ مالیہ ہوں

==========================

(۱) دیکھئے غرئب القرآن للنیسابوری:۱/۱۰۳.

اور بدنیہ ہوں یا عباداتِ زبانیہ ہوں اور پنجگانہ نماز میں بھی ان کلمات کا ورد کیا جاتا ہے۔ " التحيات لله و الصلوٰات و الطيّبات ."تمام عبادات کی لائق وہی ذات ہے۔

امام ابن قیمؒ نے قصیدہ نونیہ میں اس حقیقت کا یوں اظہار فرمایا ہے۔

لله حق لا يكـون لغيـــــره ولعبــــــده حق همـــا حقان

لا تجـعلوا الحقين حقا واحدا من غيــــر تمييز ولا فــــرقان

فالحج للرحمن دون رسولــه وكذا الــصلاة وذبح ذا القـربان

وكذا السجود ونذرنا ويميننا وكذا متاب العبد من عصيـــان

وكذا التوكل والانـابة والتقى وكذا الرجـــاء وخشية الرحمن

وكذا العبـــادة واستعانتنا به إياك نعبـــد ذان توحيـدان(١)

قوله تعالى : وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ :

یہ جملہ ماقبل پر عطف ہے، استعانت "عون" (مدد طلب کرنا) سے ماخوذ ہے اور اس میں "س" طلب کے لیے ہے یعنی نطلب مـنك الـعَـونَ عـلـى العبـادة . یہاں پر عبادت اور استعانت دونوں کے مفعول کو اس لئے حذف کیا گیا ہے، تاکہ یہ ہر ایک معبود اور مستعان کو شامل ہوجائے۔ استعانت پر عبادت کو اس لیے مقدم کیا گیا ہے کہ عبادت استعانت کے لیے وسیلہ ہے، یا نظم عبارت کو ملحوظ رکھا گیا ہے، مفسر جلیل علامہ ابوالبرکات نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "وقدمت العبادة على الاستعانة؛ لأن تقديم الوسيلة قبل طلب الحاجة أقرب إلى الإجابة، أو النـظم الآى كما قدم الرحمن وإن كان الأبلغ لا يقدم، وأطلقت الاستعانة لتتناول كل مستعان فيه، ويجوز أن يراد الاستعانة به وبتوفيقه على أداء العبادات." (٢)

یہ بات ذہن نشیں رہے کہ جس طرح عبادت کا دارومدار دو اصولوں پر تھا تو اسی طرح استعانت کا دارومدار بھی دو اصولوں پر ہے۔ الاعتماد و الثقة على الله تعالى. اللہ تعالیٰ پر پختہ یقین اور اعتماد کامل رکھنا۔(٣)

---

(۱) دیکھئے القصیدۃ النونیۃ لابن القیم الجوزیۃ:۲۴۹.

(۲) تفسیر النسفی:۱/۳۲.

(٣) قـال الشيخ الامام محمدطاهر رحمه الله: والاستعانة بالله تعالى متضمن للثقة والاعتماد على الله تعالى، فقد يكون للعبد ثقة على أحد ولايكون الاعتماد فى الأمور، فاذا اجتمعنا كانت استعانة وتوكلا، وقد جمع الله التوكل مع العبادة فى آيات؛=

المبحث الخامس: چند اشکالات اور ان کے جوابات:

پہلا اشکال:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ "ایاك" مفعول بہ (معمول) مقدم ہے اور اس کا عامل "نعبد" فعل مؤخر ہے، حالانکہ معمول کی تقدیم عامل پر جائز نہیں، یہاں تقدیمِ معمول کی کیا حکمت ہے؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ مفعول بہ کو حصر اور اختصاص کے لیے مقدم کیا گیا ہے، اس لیے کہ یہاں محض عبادت اور استعانت مقصود نہیں، بلکہ عبادت میں حصر اور اختصاص مطلوب ہے کہ ہم عبادت و پُکار صرف اور صرف اس ایک ذات کی کرتے ہیں، کسی غیر کی نہیں، یہی کمال اطاعت کی دلیل اور پوری دین کا خلاصہ ہے، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ وقدم المفعول وهو﴿إياك﴾ وكرر؛ للاهتمام والحصر أي: لا نعبد إلا إياك، ولا نتوكل إلا عليك، وهذا هو كمال الطاعة، والدين يرجع كله إلى هذين المعنيين(١).

دوسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ درحقیقت عابد کا منشاء اپنے معبود کی رضا مندی ہوتی ہے کہ مجھ سے میرا معبود راضی ہو، اس لیے کہ اگر عبادت قربِ الٰہی کا ذریعہ ہے تو رضائے خداوندی قرب الٰہی کا جزء لاینفک ہے اور قربت الٰہیہ رضائے خداوندی کے بغیر متحقق نہیں ہوسکتی۔ اس لیے مفعول کو مقدم کیا گیا ہے، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ أن العابد ينبغي أن يكون نظره إلى المعبود أولاً وبالذات(٢).

دوسرا اشکال:

"ایاك" مفعول بہ کو کیوں مکرر لایا گیا ہے، اس کی کیا حکمت ہے؟

جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ جس طرح مفعول کی تقدیم حصر اور اختصاص کے لیے تھی تو اسی طرح مفعول کا تکرار بھی حصر اور اختصاص کے لیے ہے، مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ بأنه كرر للتنصيص على أنه المستعان به لا

=====================

= فان التوكل تفويض الأمور مع الاعتماد عليه، قال تعالى عن شعيب عليه السلام: قال تعالى:﴿وَمَا تَوفِيقِي إِلَّا بِاللَّهِ عَلَيهِ تَوَكَّلتُ وَإِلَيهِ أُنِيبُ﴾[هود: ٨٨، ١٢٣]. [سمط الدرر فی ربط الآیات والسور:٢٩].

(١) تفسیر ابن کثیر:١/١٣٤، تفسیر بیضاوی:١/٦٨.

(٢) تفسیر بیضاوی:١/٦٨.

غیرہ(۱)۔ جس طرح معبود اللہ تعالی ہی ہے تو اسی طرح مستعان بھی اللہ تعالی ہی ہے اس کے سوا کوئی مستعان اور مددگار نہیں، جیسے ارشاد ہے۔ قَالَ رَبِّ احكُم بِالحَقِّ وَرَبُّنَا الرَّحمَنُ المُستَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ. (سورۃ الأنبیاء:۱۱۲) کہ مستعان اللہ تعالی ہی ہے اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ وَاللَّهُ المُستَعَانُ عَلَى مَا تَصِفُونَ . (سورۃ یوسف:۱۸) اسی مسئلے کی دعوت حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو دی تھی، ارشاد ہے۔ قَالَ مُوسَى لِقَومِهِ استَعِينُوا بِاللَّهِ وَاصبِرُوا. . . (سورۃ الأعراف:۱۲۸).

غیر خدا سے بغیر اسبابِ ظاہریہ کے مدد نہ مانگو۔ جس نے اللہ تعالی کے سوا کسی سے بغیر اسباب ظاہریہ کے مدد طلب کی تو وہ ہلاکت اور تباہی کی دلدل میں جا گرا۔ معروف مفسر علامہ مراغیؒ اس آیت کی تفسیر میں رقم طراز ہیں۔

وقد أمرنا اللّه فى هذه الآية: ألا نعبد أحدا سواه؛ لأنه المنفرد بالسلطان فلا ينبغى أن يشاركه فى العبادة سواه، ولا أن يعظم تعظيم المعبود غيره، كما أمرنا ألا نستعين بمن دونه، ولا نطلب المعونة المتممة للعمل والموصلة إلى الثمرة المرجوة إلا منه فيما وراء الأسباب التى يمكننا كسبها وتحصيلها.. فمن يستعين بقبر ناسك، أو ضريح عابد لقضاء حاجة له، أو تيسير أمر تعسّر عليه، أو شفاء مريض، أو هلاك عدو فقد ضل سواء السبيل، وأعرض عما شرعه اللّه، وارتكب ضربا من ضروب الوثنية التى كانت فاشية قبل الإسلام وبعده (۲).

اللہ تعالی نے اس آیت میں اس کا حکم دیا ہے کہ ہم اللہ تعالی کے سوا کسی عبادت نہ کریں، کیونکہ وہ اپنی بادشاہی میں اکیلا ہے تو یہ مناسب نہیں، اسکے ساتھ عبادت میں کسی کو شریک کر دیا جائے اور نہ ہی کسی کی اسی طرح تعظیم واحترام کی جائے، جس طرح اللہ تعالی کی تعظیم کی جائے اور جس طرح اللہ تعالی نے ہمیں اس بات کا امر کیا ہے کہ ہم اللہ تعالی کے سوا کسی سے مدد طلب نہیں کریں گے اور نہ ہی ہم کسی سے کسی کام کو سرانجام دینے کے لئے بغیرِ اسبابِ ظاہریہ کے مدد طلب کریں، جس طرح کسی سے دعا وغیرہ کی جائے اور جس نے کسی درگاہ سے مدد طلب کی یا ایسے کام کے متعلق مدد طلب کی جو اس کے لئے مشکل ہوئی یا کسی مریض کی شفا اور یا اپنے دشمن کی ہلاکت کے لئے اس سے مدد طلب کی تو وہ شخص سیدھے راستے سے گمراہ ہو گیا اور اس نے دینِ اسلام سے اعراض کیا اور اس نے بُت پرستوں جیسے افعال کا ارتکاب کیا۔

=========================

(۱) دیکھئے السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۱۶..

(۲) تفسیر المراغی:۱/۳۳-۳۴.

یہی مسئلہ احادیث مبارکہ میں بکثرت موجود ہے کہ مستعان صرف اور صرف اللہ تعالی ہی ہے، سنن ترمذی میں سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے۔

قال : كنت خلف رسول الله صلى الله عليه وسلم يوما فقال : يا غلام ! احفظ الله يحفظك احفظ الله تجده تجاهك وإذا سألت فاسأل الله وإذا استعنت فاستعن بالله واعلم أن الأمة لو اجتمعت على أن ينفعوك بشيء لم ينفعوك إلا بشيء قد كتبه الله لك ولو اجتمعوا على أن يضروك بشيء لم يضروك إلا بشيء قد كتبه الله عليك رفعت الأقلام وجفت الصحف(١).

سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ میں رسول اللہ ﷺ کیساتھ سواری پر سوار تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے مجھے ارشاد فرمایا اے جوان! اللہ تعالی کے احکامات کی محافظت کرنا اللہ تعالی تیری حفاظت فرمائے گا اور جب تو سوال کرے تو اللہ تعالی ہی سے سوال کرنا اور جب تو مدد مانگے تو اللہ تعالی ہی سے مدد طلب کرنا اور یہ بات جان لے کہ اگر پوری امت اس بات پر جمع ہو جائے کہ تجھے نفع پہنچائے تو تجھے نفع نہیں دے سکتے مگر وہ جو اللہ تعالی نے تیری مقدر میں لکھا ہوا اور اگر ساری امت تجھے نقصان دینے پر جمع ہو جائے تو تجھے نقصان نہیں دے سکتے مگر وہ جو اللہ تعالی نے تیرے لیے مقدر میں لکھ دیا ہو۔

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے شہرہ آفاق کتاب الفتح الربانی سے چند اقتباسات:

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے الفتح الربانی والفیض الرحمانی میں ایسے ایمان افروز نصائح فرماتے ہیں جو دلوں کو جلا بخشتی ہے اور جس سے قوتِ ایمانیہ بیدار ہوتی ہے اور جس کے مطالعہ سے عقیدہ توحید میں رسوخ اور تعلق مع اللہ میں حد درجہ کا کمال پیدا ہوتا ہے وہ اس مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر فرماتے ہیں۔

ان كان ولابُد لك من الطلب فاطلب منه لا من خلقه فان أبغض الخلق الى الله تعالى من يطلب الدنيا من

===================

(١) أخرجه الترمذي:٤/٦٦٧، رقم :٢٥١٦، وأحمد :١/٢٩٣، ٣٠٣، ٣٠٧، رقم : ٢٦٦٩، ٢٧٦٣، ٢٨٠٤، ، والهيثمي في مجمع الزوائد :٧/ ١٠٨.

خلقه ، استغيث به اليه هو الغنى و الخلق جميعهم فقراء لا يملكون لأنفسهم ولا لغيرهم ضراً ولا نفعاً(١)

ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں۔ اتبعوا ولا تبتدعوا وافقوا ولا تخالفوا أطيعوا ولا تعصوا أخلصوا ولاتشركوا ، وحدوا الحق عزوجل ، وعن بابه فلا تبرحوا سلو ولا تسئلوا غيره ، استعينوا ولا تستعينوا بغيره ، توكلوا عليه ولا تتوكلوا على غيره ...(٢).

ایک دوسری جگہ رقم طراز ہیں۔ يا عابد صنم الرياء ماتشم قرب الله تعالى لا دنيا ولا آخرة ، يا مشركاً بالخلق مقبلاعليهم بقلبه أعرض عنهم فليس منهم ضرولا نفع ولا عطاء ولا منع لا تدعى توحيد الله تعالى مع الشرك الملازم لقلبك فما يقع بيدك منه شيء .(٣)

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد فرماتے ہیں۔ يا غلام ! بنيتك ملازمة الكتاب والسنة والعمل لهما والاخلاص في العمل ، انى أرى علماء كم جهالًا وذهادكم طالبى الدنيا و راغبين فيها متوكلين على الخلق ناسين للحق ، الثقة بغير الحق تعالى سبب اللعنة ، عن النبیﷺ أنه قال : ملعون ملعون من كانت ثقته بمخلوق مثله (٤).

ایک جگہ رقم طراز ہیں۔ ومن وثق بمخلوق مثله فهو كالقابض على الماء يفتح يده لا يرى فيها شيئا (٥).

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی ایمان افروز وصیت:

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ اپنے فرزندار جمند عبدالوہابؒ کو وصیت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ عليك بتقوى الله و طاعته ولا تخف أحداً ولا ترجه، وكِلِ الحوائج كلها الى الله عزوجل، وأطلبها منه، ولا تثق بأحد سوى الله عزوجل ، ولا تعتمد الا عليه سبحانه التوحيد التوحيد التوحيد ، وجماع الكل التوحيد (٦).

================================

(١) الفتح الربانی والفیض الرحمانی:۱۲۱.

(۲) المصدر السابق:۱۵۱.

(۳) المصدر السابق:۱۲۷.

(۴) المصدر السابق:۱۲۵.

(۵) المصدالسابق:۱۴۵.

(۶) المصدر السابق:۳۰۲.

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اپنی حاجات اور مطالبات کو دربارِ الٰہی میں پیش کرنا اہل ایمان کی صفت خاصہ ہے اور ان کا اعتماد کامل اور پورا یقین اللہ تعالی کی ذاتِ عالی پر ہوتا ہے اور جو شخص اللہ تعالی کے در کو چھوڑ کر کسی درگاہ اور پیرانِ سوء کا رُخ کرتا ہے اور ان کے ناموں کی نذریں دیتا ہے اور انہیں غائبانہ پُکارتا ہے اور انہیں متصرف فی الأمور، مختارِ کل، عالم الغیب اور دستگیر سمجھتا ہے، تو اس عقیدہ کا حامل آدمی شرک اور کفر میں مبتلا ہے، امام المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔

قال أبو جعفر: ومعنى قوله: وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ : وإياك رَبنا نستعين على عبادتنا إيّاك وطاعتنا لك، وفى أمورنا كلها لا أحدًا سواك؛ إذ كان من يكفُر بك يَستعين فى أمورِه معبودَه الذى يعبُدُه من الأوثان دونَك، ونحن بك نستعين فى جميع أمورنا مخلصين لك العبادة(١).

اس کا حاصل یہ ہے کہ مستعان اور دُعا و پُکار کے لائق صرف اور صرف اللہ تعالی ہی ہے، اگر کوئی اللہ تعالی کے سوا یہ صفت کسی غیر میں جانے تو وہ کافر اور مشرک ہے، جیسے ارشاد ہے۔ لَـهُ دَعـوَةُ الـحَقِّ وَالَّـذِينَ يَدعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَستَجِيبُونَ لَهُم بِشَـيءٍ إِلَّا كَبَـاسِـطِ كَـفَّيـهِ إِلَى المَاءِ لِيَبلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ . (سورۃ الرعد:۱۴) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ إِن تَـدعُـوهُـم لَا يَسـمَـعُوا دُعَائَكُم وَلَو سَمِعُوا مَا استَجَابُوا لَكُم وَيَومَ القِيَامَةِ يَكفُرُونَ بِشِركِكُم وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثلُ خَبِيرٍ . (سورۃ فاطر:۱۴) ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہے۔ وَمَن أَضَلُّ مِمَّن يَدعُو مِن دُونِ اللَّـهِ مَـن لَا يَستَـجِيـبُ لَـهُ إِلَى يَومِ القِيَامَةِ وَهُم عَن دُعَائِهِم غَافِلُونَ ،وَإِذَا حُشِرَ النَّاسُ كَانُوا لَهُم أَعدَاءً وَكَانُوا بِـعِبَـادَتِهِم كَافِرِينَ . (سورۃ الأحقاف:۵-۶) ان آیات کا مضمون یہی ہے کہ اللہ تعالی کے سوا کسی کو غائبانہ پُکارنا یہ شرک اور کفر ہے، جو کفار اور مشرکین کا شیوہ ہے۔

تیسرا اشکال:

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالی کے سوا کسی سے مدد طلب کرنا کفر و شرک اور گمراہی ہے، حالانکہ حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی قوم سے مدد طلب فرمائی تھی۔ مَـن أَنـصَـارِي إِلَى اللَّـهِ... (سورۃ ال عمران:۵۲) میرا معاون و مددگار کون ہوگا؟ اور اسی طرح ساری دنیا پر بادشاہی کرنے والا ذوالقرنین بھی اپنی رعایا سے مدد کی درخواست طلب کی تھی۔

==================

(۱) دیکھئے تفسیر طبری:۱/۱۶۱.

فَأَعِينُونِي بِقُوَّةٍ أَجعَل بَينَكُم وَبَينَهُم رَدمًا ۔ (سورۃ الکہف:۹۵) یعنی اس دیوار کی تعمیر میں میری مدد کرو ، اور اسی طرح ایک دوسرے مقام میں ارشاد ہے۔ وَإِنِ استَنصَرُوكُم فِي الدِّينِ فَعَلَيكُمُ النَّصرُ ۔ ۔ (سورۃ الأنفال:۷۲) اگر تم سے کوئی دین کے معاملے میں تعاون و مدد کی درخواست کرے تو اس کی مدد کرو۔ اور اسی طرح بظاہر احادیث میں بھی" استعانت من غیر الله " کا ثبوت ملتا ہے؟

جواب: دراصل استعانت کی دو قسمیں ہیں، ایک استعانت ماتحت الاسباب ہے اور دوسری قسم استعانت مافوق الاسباب ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ تعالی ہر کام بغیر اسباب کے کرتا ہے اور مخلوق ہر کام میں اسباب کی محتاج ہے، یعنی اللہ تعالی بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے اور مخلوق دیکھنے میں آنکھوں کے محتاج ہیں اور اسی طرح اللہ تعالی بغیر کانوں کے سنتا ہے اور سننے میں کانوں کے محتاج ہیں، وغیرہ وغیرہ۔ اب ہماری استعانت سے استعانت مافوق الاسباب مراد ہے، جب کہ اشکال میں پیش کردہ آیات میں استعانت کی قسم اول مراد ہے۔ فلا یرد مایرد.

عالم ربانی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے کیا خوب فرمایا ہے۔ دع عنك الشرك بالخلق، ووحدالحق عزوجل هوخالق الأشياء جميعها و بيده الأشياء جميعها ، يا طالب الأشياء من غيره ! ماأنت عاقل هل شيء ليس هو فى خزائن الله تعالى؟ قال الله عزوجل : ﴿وَإِن مِن شَيءٍ إِلَّا عِندَنَا خَزَائِنُهُ﴾(۱).

اے انسان! مخلوق کو شریک کرنا چھوڑ حق تعالی شانہ کو یکتا مان کر اپنے عمل میں اس کی یکتائی دکھلا۔ (پھر شرک کے اصل محرک پر ضرب لگاتے ہیں) وہی ذات تمام اشیاء کا خالق ہے اور تمام اشیاء اسی کی قبضہ میں ہیں۔ اور مختلف چیزوں کی خاطر غیروں کے در پر جانے والے ! کیا تیری بالائی منزل سوچ سے خالی ہے۔ بتا تو سہی ! وہ کون سی چیز ہے جو قدرت کے خزانوں سے تجھے میسر نہیں۔

یہی فرق شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ اور علامہ احمد مصطفیٰ المراغی نے بھی کیا ہے کہ وہ مدد مخلوق سے طلب کرنا جائز ہے، جو مخلوق کے بس اور طاقت میں ہو، مفسر جلیل علامہ مراغیؒ فرماتے ہیں۔ وفى هذا القدر أمرنا أن نتعاون ويساعد بعضنا بعضا كما قال تعالى: ﴿وَتَعاوَنُوا عَلَى البِرِّ وَالتَّقوى وَلا تَعاوَنُوا عَلَى الإِثمِ وَالعُدوانِ﴾. فنحن نحضر الدواء مثلا لشفاء المرضى، ونجلب السلاح والكراع، ونكثر الجند لغلب العدو، ونضع فى الأرض السّماد ونرويها،

====================

(۱) دیکھئے الفتح الربانی:۵.

ونـقتـلع منها الحشائش الضارة للخصب وتكثير الغلة. وفيما وراء ذلك مما حجب عنا من الأسباب يجب أن نـفـوض أمـره إلـى الـلّـه تـعـالـى، فنستعين به وحده، ونفزع إليه فى شفاء مريضنا، ونصرنا على عدونا، ورفع الـجوائج السماوية والأرضية عن مزارعنا؛ إذ لا يقدر على دفع ذلك سواه، وهو قد وعدنا إذا نحن لجأنا إليه بـإجـابة سـؤلـنـا كـمـا قـال: ﴿ادعُونِى أَستَجِب لَكُم﴾. وأرشد إلى أنه قريب منا يسمع دعائنا، كما قال: ﴿وَنَحنُ أَقرَبُ إِلَيهِ مِن حَبلِ الوَرِيدِ﴾.(۱)

الغرض مخلوق سے اسباب ظاہر یہ کے مدد طلب کرنا صرف جائز نہیں، بلکہ مامور بہ ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَتَعَاوَنُوا عَلَى البِرِّ وَالتَّقوَى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الإِثمِ وَالعُدوَانِ. (سورۃ المائدۃ:۲) **ایک جگہ فرمایا۔** وَإِنِ استَنصَرُوكُم فِي الدِّينِ فَعَلَيكُمُ النَّصرُ . (سورۃ الأنفال:۷۲) **ایک دوسرے مقام میں ارشاد ہے۔** وَآتِ ذَا القُربَى حَقَّهُ وَالمِسكِينَ وَابنَ السَّبِيلِ . (سورۃ بنی اسرائیل:۲۶) **ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔** كُلُوا مِن ثَمَرِهِ إِذَا أَثمَرَ وَآتُوا حَقَّهُ يَومَ حَصَادِهِ. (سورۃ الأنعام :۱۴۱) **اس قسم کا تعاون مخلوق کے طاقت میں ہے اور اس کے جواز میں کوئی شبہ نہیں۔**

چوتھا اشکال:

عام طور پر مشرکین اور اہل بدعت کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالی کو متصرف فی الأمور معبودِ برحق مانتے ہیں اور اس کے سوا کسی غیر کی عبادت نہیں کرتے، البتہ اتنی بات ہے کہ غیر اللہ سے دعا مانگتے ہیں اور صرف غیر اللہ کو پکارتے ہیں، جس کی وجہ سے تم ہمیں مشرک کہتے ہو، حالانکہ قرآنِ مجید میں جہاں بھی غیر اللہ کی عبادت سے نفی وارد ہے تو وہ "یدعون" **اور** "تدعون" **وغیرہ صیغوں کیساتھ آئی ہے اور مفسرین کرامؒ جیسے صاحبِ جلالین وغیرہ اس کا معنی** "یعبدون" **اور** "تعبدون" **کیساتھ کرتے ہیں** ؟(۲)

====================

(۲) دیکھئے تفسیر مراغی:۱/۳۴. تفسیر عثمانی:۲.

(۲) دیکھئے تفسیر جلالین: ۱۲۲، ۱۷۱، سورۃ الأنعام آیت: ۱۱۷، ۵۶. ص: ۱۹۷، ۲۲۴، سورۃ الأعراف آیت: ۳۷، ۱۹۴. ص: ۲۸۶، سورۃ یونس آیت: ۶۶ص: ۲۹۹، سورۃ ہود آیت: ۱۰۱. ص: ۳۲۳، سورۃ الرعد آیت: ۱۴. ص: ۳۴۸، سورۃ النحل آیت: ۲۰. ص: ۳۷۳، سورۃ بنی اسرائیل آیت: ۶۷. ص: ۳۸۴، سورۃ الکہف آیت: ۲۸. ص: ۴۰۱، سورۃ مریم آیت: ۴۸. ص: ۴۴۲، ۴۴۴، سورۃ الحج آیت: ۶۲، ۷۳. ص: ۵۲۶، سورۃ العنکبوت آیت: ۴۲. ص: ۵۴۳، سورۃ لقمان آیت: ۳۰. ص: ۵۷۳، ۵۵۷، سورۃ فاطر آیت: ۱۳، ۴۰. ص: ۶۱۱، سورۃ الزمر آیت: ۳۸. ص: ۶۲۰، ۶۲۶، سورۃ المومن آیت: ۲۰، ۶۶. ص: ۶۳۷، سورۃ حٰم السجدۃ آیت: ۴۸. ص: ۶۵۵، سورۃ الزخرف آیت: ۸۶. ص: ۶۶، سورۃ الأحقاف آیت: ۴.وغیرہ۔

پہلا جواب: مفسرین کرامؒ بسا اوقات علی سبیل التمثیل ایک جزئی معنی اور مصداق بیان فرماتے ہیں، اب جن مفسرین کرامؒ اس نے اس کا معنی "یعبدون" اور " تعبدون " کیساتھ کیا ہے تو انہوں نے تمثیل کے طور پر ایک جزئی معنی بیان فرمایا ہے مفسر جلیل امام شاہ ولی اللہؒ میں فرماتے ہیں۔ مفسرین حاصل معنی بطریق افہام بیان می کنند۔ مردانِ ناواقف گمان می کنند کہ لفظی معنی کردہ اند۔ دُعا بمعنی مطلق خواندن کسے را منع نیست۔ مراد از خواندن کسے را در غائبانہ حاجات است، لہذا مفسرین تفسیر بعبادت می کنند۔'' (۲)

امام موصوف اس مسئلہ کی مزید وضاحت اپنی مایہ ناز کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں یوں فرماتے ہیں۔ ومنها أنهم كانوا يستعينون بغير اللّه في حوائجهم من شفاء المريض وغناء الفقير، وينذرون لهم يتوقعون إنجاح مقاصدهم بتلك النذور، ويتلون أسمائهم رجاء بركتها، فأوجب اللّه تعالى عليهم أن يقولوا في صلاتهم: ﴿إياك نعبد وإياك نستعين﴾. وقال تعالى: ﴿فلا تدعوا مع اللّه أحداً﴾. وليس المراد من الدعاء العبادة كما قاله المفسرون، بل هو الاستعانة لقوله تعالى: ﴿بل إياه تدعون فيكشف ما تدعون﴾ (٢).

دوسرا جواب: حضرت شیخ مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ " تدعون " ہر جگہ " تعبدون " کے معنی میں نہیں آتا، بلکہ قرآنِ کریم میں بعض مقامات ایسے ہیں جہاں پر مذکورالذکر معنی لینا درست ہی نہیں ہوسکتا، جیسے ارشاد ہے۔ إِذ تُصعِدُونَ وَلَا تَلوُونَ عَلَى أَحَدٍ وَالرَّسُولُ يَدعُوكُم فِي أُخرَاكُم. (سورۃ آل عمران :۱۵۳) ایک جگہ فرمایا۔ بَل إِيَّاهُ تَدعُونَ فَيَكشِفُ مَا تَدعُونَ إِلَيهِ . (سورۃ الأنعام:۴۱) یہاں پر " فَيَكشِفُ" اس بات پر دال ہے کہ "تدعون '' کا معنی" تعبدون " نہیں۔ نیز ایک جگہ فرمایا۔ لَا تَجعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَينَكُم كَدُعَاءِ بَعضِكُم بَعضًا. (سورۃ النور:۶۳)

مذکورہ بالا تمام مقامات میں دعا بمعنی عبادت کے نہیں۔ (۳)

پانچواں اشکال:

استعانت توفیق اور طلبِ عمل کو کہتے ہیں اور عبادت تکمیل العمل کو کہا جاتا ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ توفیق قبل العمل ہوتی

======================

(۱) مقدمہ جواہر القرآن:۳۹.

(۲) حجۃ اللہ البالغہ:۱/۱۳۳.

(۳) مقدمہ جواہر القرآن:۴۰.

ہے، لہذا یہاں "إِيَّاكَ نَستَعِينُ "کومقدم کرنا چاہیے تھا؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ "وَإِيَّـــاكَ نَستَـعِـينُ." کومؤخر میں کرنے میں رؤس الآیات کی موافقت کوملحوظ نظر رکھا گیا ہے، مفسرجلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ لتتوافق رؤوس الآی(١).

دوسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے اور یہ قرآن مجید کا اسلوب ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَلِلَّهِ غَيبُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ وَإِلَيهِ يُرجَعُ الأَمرُ كُلُّهُ فَاعبُدهُ وَتَوَكَّل عَلَيهِ .(سورۃ ہود:۱۲۳) اس آیت میں عبادت کے بعد توکل ذکر کرنا یہ تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے، اس لیے کہ توکل عبادت ہے۔ اب اسی طرح عبادت کے بعد استعانت ذکر کرنا بھی تخصیص بعد التعمیم کے قبیل سے ہے، حاصل یہ ہے۔ " العبـــادة للـــه تعـــالى والاستعانة منه ".

تیسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ "إِيَّـاكَ نَـعبُدُ "فعل کی ابتداء اور " وَإِيَّـاكَ نَستَـعِينُ " فعل کی انتہاء اور تکمیل ہے۔ اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ میرے مولا! میں تو تیرا ایک عاجز وفقیر بندہ ہوں! تیری دربارِ عالی میں عبادت شروع کرنے کی جسارت کر رہا ہوں، نامعلوم میں اس کو پورا بھی کرسکوں گا یا نہیں؟ اگر تیری توفیق میرے ساتھ شاملِ حال نہ ہو تو میں اس کو ادا نہیں کرسکتا، تو مجھے اس کو صحیح طرح ادا کرنے اور کما حقہ اتمام کی توفیق عطا فرما۔ مفسرجلیل علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔ كأنه يقول : شرعت فى العبادة فأستعين بك على إتمامها، حتى لا يمنعنى مانع ولا يعارضنى صارف(٢).

اہل علم اس کا خلاصہ ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں۔ السعى من العبد والاتمام من الله .

چوتھا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ استعانت کو موخر کرنے میں دفع العجب عن العباد ہے کہ "إِيَّـــاكَ نَـعبُـدُ " سے بندے میں ذرا سی عجب پسندی پیدا ہو جاتی ہے، اس لیے کہ جب بندہ اللہ تعالی کے دربار عالی میں کھڑا ہوتا ہے تو ایک نوع عجب پسندی کا شکار ہونے لگتا ہے کہ میں بھی اللہ تعالی کی عبادت کرتا ہوں!! اب "وَإِيَّاكَ نَستَعِينُ" سے اس پیدا شدہ عجب پسندی کا دفعیہ ہے کہ میں عبادت تیری ہی کرتا ہوں اور تیری ہی توفیق ومدد سے کرتا ہوں اور جو کچھ کر رہا ہوں تو یہ تیری توفیق کی مرہونِ

---

(١) تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی:١/١٦.

(٢) تفسیر غرائب القرآن للنیسابوری:١/١٠٧.

منت ہے، مفسر جلیل علامہ نیسا بوریؒ فرماتے ہیں۔ إيـاك نعبد: تورث العجب بالعبادة فأردفه بقوله: وإياك نستعين؛ لإزالة ذلك(۱).

نیز " نـعبد " صیغہ جمع متکلم میں بھی اس عجب پسندی کا ازالہ ہے کہ دنیا میں صرف تو عبادت کرنے والا نہیں، بلکہ تیرے سوا اور بھی کئی میرے فرمابردار بندے عبادت کرنے والے اور میرے در کے سوالی ہیں۔ مفسر جلیل علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ وإيثـارُ صيغةِ الـمتكلـم مـع الـغير فى الفعلين للإيذان بقصورِ نفسه وعدم لياقته بالوقوف فى مواقف الكبرياءِ منفرداً وعَـرضِ الـعبادة واستدعاءِ المعونة والهداية مستقلاً وأن ذلك إنما يُتصور من عصابةٍ هو من جُملتهم وجماعةٍ هـو مـن زُمـرتهـم كما هو ديدَنُ الملوكِ أو للإشعار باشتراك سائر الموحّدين له فى الحال العارضة له بناءً على تعاضُد الأدلةِ المُلجئة إلى ذلك(۲).

پانچواں جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ استعانت کا معنی طلب حاجت ہے اور عبادت کا معنی توحید ہے اور توحید بمنزلہ وسیلہ کے ہے اور ضابطہ یہ ہے کہ وسیلہ حاجت پر مقدم ہوتا ہے تو اسی وجہ سے استعانت کو عبادت سے موخر کر دیا گیا ہے۔(۱)

چھٹا جواب: بعض فرماتے ہیں کہ "نـعبـد"کا معنی توحید اور " نستـعیـن" بمنزلہ عمل کے ہے اور یہ اصول مسلم ہے۔" التـوحيـد مـقـدم عـلى العمل ". اس لیے کہ عقیدہ توحید کے بغیر عمل مفید نہیں، بلکہ عمل کی قبولیت کے لئے عقیدہ توحید کا ہونا اولین شرائط میں سے ہے، جیسے ارشاد ہے۔ لَـهُ دَعـوَـةُ الـحَـقِّ وَالَّـذِيـنَ يَدعُونَ مِن دُونِهِ لَا يَستَجِيبُونَ لَهُم بِشَىءٍ إِلَّا كَبَاسِطِ كَفَّيهِ إِلَى المَاءِ لِيَبلُغَ فَاهُ وَمَا هُوَ بِبَالِغِهِ وَمَا دُعَاءُ الكَافِرِينَ إِلَّا فِى ضَلَالٍ . (سورۃ الرعد:۱۴)(۳)

قوله تعالى : اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ.

اللہ تعالی کے وصف ربوبیت، وصف رحمانیت اور وصف عدالت کے اعتراف کے بعد جب انسان اللہ تعالی کی ذات بے مثال کا تصور کرتا ہے تو انتہائی عجز اور انکساری کے عالم میں صراط مستقیم کی رہنمائی اور اس پر استقامت کی دعا کرتا ہے، گویا یہ بندوں کی زبان سے درخواست ہے کہ اے ہادی برحق! ہم پر اپنا سیدھا راستہ کھول دے! اب آیت کی وضاحت کے پیش نظر چند مباحث

(۱) غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۰۷، تفسیر بیضاوی:۱/۶۳.
(۲) تفسیر ابی السعود:۱/۱۷.
(۳) دیکھئے مسائل الرازی:۲.

ذہن نشیں رکھیں۔

۱۔ **آیت کا ربط اور مفہوم** ۲۔ استعمال لفظ الهداية فی القرآن . ۳۔ اقسام الهداية وأنواعها . ٤۔ اطلاقات الهداية فی القرآن . ۵۔ **صراطِ مستقیم کا مفہوم** ٦۔ دعاة الصراط المستقيم و المانعين عنه، وما هی ثمرة الداعين الى الصراط المستقيم ؟ ۷۔ مفهوم الاستقامة . ۸۔ أسباب الاستقامة . ۹۔ ثمرات الاستقامة .

المبحث الأول : آیت کا ربط اور مفہوم:

یہ معونت مطلوبہ کا بیان ہے کہ اس سے ماقبل آیات میں فرمایا تھا کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے رہیں گے۔تو اللہ تعالی کی طرف سے یہ صدا آئی۔ بأی شیء أعینكم ؟ کہ تم کیا چاہتے ہو؟ تو اب " اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ" سے اس معونتِ مطلوبہ کا بیان ہے کہ ہم تو ہدایت کے طالب اور متلاشی ہیں،ہمیں ہدایت جیسی عظیم نعمت سے مالا مال فرمااور اس پر استقامت بھی عطا فرما۔اور اس کیساتھ ساتھ دعا اور سوال کا طریقہ بھی سیکھا دیا،مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ بيان للمعونة المطلوبة فكأنه قال: كيف أعينكم فقالوا : اهدنا..(۱)

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اے ہادی برحق !راہ حق ہم پر کھول دے،اس پر چلنے کی توفیق عطاء فرما۔اب طلب ہدایت کی دوصورتیں ہیں،ایک صورت یہ ہے کہ راہی اور سالک راستہ بھٹکا ہوا ہے اور وہ راستے کا متلاشی ہے،راہ منزل دریافت کررہا ہے اور دوسری صورت یہ ہے کہ راستہ مل چکا ہے،لیکن اس پر قائم رہنے کی درخواست کررہا ہے، یہاں یہی مؤخرالذکر معنی مراد ہے۔

ایک غلط فہمی کا ازالہ!

بعض حضرات اس کا معنی یہ کرتے ہیں ''دیکھا دے ہم کو سیدھا راستہ '' تاہم یہ معنی محل نظر ہے،،کیونکہ اس سے پہلے " ایاك نعبد "،فرمایا ہے،جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت پہلے سے موجود ہے اور اگر اس کا مذکورہ معنی کیا جائے تو یہ تحصیلِ حاصل لازم آئے گا کہ ہدایت پہلے ہی سے ہے تو پھر اس کا سوال کس طرح کیا جارہا ہے؟ اب اس کا واضح اور بے غبار معنی یہ ہے۔

"أی ثبتنا على الصراط المستقيم."

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ اس کا معنی یوں فرماتے ہیں۔ والمعنى: دلنا على الصراط المستقيم، وأرشدنا إليه، وأرنا

=======================

(۱) تفسیر السراج المنیر :۱/۱۸.

طريق هدايتك الموصلة إلى أنسك وقربك(۱).

معروف مفسر علامہ خازنؒ اور علامہ ابن الجوزیؒ واللفظ لہ فرماتے ہیں۔ثبتنا علی الهدی، زدنا هدیً، أرشدنا(۲)

اس وجہ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ معنی یوں فرماتے ہیں۔ ''چلا ہم کو سیدھی راہ پر ''(۳).

مفسر جلیل علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ اهدنا فی الاستقبال کما هديتنا فی الحال . (۴)

المبحث الثانی : استعمال لفظ الهداية فی القرآن:

قرآن مجید میں لفظ ہدایت تین طریقوں سے مستعمل ہے، یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ لفظ ہدایت ہمیشہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہوتا ہے، اس کے متعدی ہونے کے تین طریقے (مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ، بواسطہ الی، بواسطہ من) ہیں، تاہم اس سے قبل ایک تمہیدی مقدمہ ذہن نشیں رکھیں کہ "هــــداية" کے لغوی معانی راہ نمودن (راستہ دکھانا) کے ہیں اور اصطلاحی تعریف میں معتزلہ اور اشاعرہ کا اختلاف ہے۔معتزلہ کہتے ہیں کہ ہدایت ایصال الی المطلوب (وہ راستہ جو مطلوب تک پہنچا دے) کو کہتے ہیں۔اور حضرات اشاعرہ فرماتے ہیں کہ ہدایت اراءۃ الطریق (ایسی رہنمائی کرنا جو مطلوب تک پہنچا دے) کو کہتے ہیں۔

ان دونوں معنوں میں فرق یہ ہے کہ اول معنی ایصال الی المطلوب میں مطلوب تک پہنچنا لازم ہے، البتہ دوسرے معنی اراءۃ الطریق میں مطلوب تک پہنچنا تو در کنار طالب کا اس راستے پر چلنا بھی ضروری نہیں، جس کی طرف رہنمائی کی جائے۔عین ممکن ہے کہ وہ بھول کر کسی اور راستے پر چل پڑے، اب جب اس راستے پر چلنا ضروری نہیں تو مطلوب تک پہنچنا بطریق اولی ضروری نہیں۔یعنی ان دونوں میں نسبت عموم خصوص مطلق کی ہے کہ اراءۃ الطریق اعم مطلق ہے اور ایصال الی المطلوب اخص مطلق ہے۔جہاں ایصال الی المطلوب ہوگا تو وہاں اراءۃ الطریق بھی ہوگا اور جہاں اراءۃ الطریق ہو وہاں ایصال الی المطلوب ضروری نہیں۔

طلباء محترم! اول معنی (ایصال الی المطلوب) قرآن مجید کی اس آیت سے منقوض ہے۔ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَيْنَاهُم فَاستَحَبُّوا العَمَى عَلَى الهُدَى. (سورة فصلت:۱۷) .اس لیے کہ تاریخ شاہد ہے کہ قوم ثمود کا خاتمہ ایمان پر نہیں ہوا تھا۔اور دوسرا معنی اس

==============================

(۱) دیکھئے تفسیر قرطبی:۱/۱۴۷، زاد المسیر لابن الجوزی:۱/۱۵، روح المعانی:۱/۹۳، مسائل الرازی:۲.

(۲) تفسیر خازن:۱/۲۰، زاد المسیر لابن الجوزی:۱/۱۵.

(۳) تفسیر عثمانی:۲.

(۴) تفسیر مدارک: ۱/۱۰.

آیت سے منقوض ہے۔ إِنَّكَ لَا تَهدِی مَن أَحبَبتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهدِی مَن يَشَاءُ . (سورة القصص:٥٦). کیونکہ رسول اللہ ﷺ کے بعث کا مقصد ہی انسانیت کو سیدھا راستہ دکھانا تھا۔

اہل علم اس نقض کا دفعیہ یوں فرماتے ہیں کہ ہدایت دومعنوں (ایصال الی المطلوب اور اراءۃ الطریق) میں مشترک ہے جہاں جو معنی مناسب ہو تو وہاں وہی مراد لیا جائے گا۔ "انك لاتهدى.." میں ایصال الی المطلوب والا معنی مناسب ہے، جب کہ "وأماثمودفهدیناه.." میں اراءۃ الطریق والا معنی مناسب ہے، اب کوئی اشکال نہ رہا۔

باقی رہی یہ بات کہ ان میں سے کسی ایک معنی کو کس طرح متعین کیا جائے گا تو یہاں یہ بات ذہن نشیں رکھنا ضروری ہے کہ "هدى، يهدى" کا باب ہمیشہ دومفعولوں (مفعول اول کی طرف بلا واسطہ اور مفعول ثانی کی طرف بواسطہ جر) کی طرف متعدی ہوتا ہے، اب اگر مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی ہو تو ایصال الی المطلوب والا معنی مراد ہوگا، جیسے ارشاد ہے۔ وَيَهدِيَكَ صِرَاطًا مُستَقِيمًا. (سورة الفتح:٢) اس آیت میں بھی لفظ ہدایت مفعول ثانی کی طرف بالذات متعدی ہے تو یہاں ایصال الی المطلوب والا معنی مراد ہوگا۔ أى ثبتنا على الصراط المستقيم . یا معنی یہ ہوگا۔ أى اهدنا فى الاستقبال كما هديتنا فى الحال. یا یہ معنی یوں ہوگا۔ أى أرشدنا علم القرآن(١).

یا مفعول ثانی کی طرف حرف جر (من، الی) کے واسطہ سے متعدی ہوگا تو ثانی الذکر (اراءۃ الطریق) مراد ہوگا، "الی" کی مثال، جیسے "وَإِنَّكَ لَتَهدِی إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ" .(سورة الشورى :٥٢) ایک جگہ فرمایا۔ وَاللَّهُ يَدعُو إِلَى دَارِ السَّلَامِ وَيَهدِی مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ . (سورة یونس:٢٥) نیز فرمایا۔ وَمِن آبَائِهِم وَذُرِّيَّاتِهِم وَإِخوَانِهِم وَاجتَبَينَاهُم وَهَدَينَاهُم إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ . (سورة الأنعام:٨٧) ایک جگہ فرمایا۔ شَاكِرًا لِأَنعُمِهِ اجتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ . (سورة النحل آیت:١٢١) وغیرہ..

حرف جر "لام" کی مثال جیسے بَلِ اللَّهُ يَمُنُّ عَلَيكُم أَن هَدَاكُم لِلإِيمَانِ إِن كُنتُم صَادِقِينَ. (سورة الحجرات:١٧).

ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَاللَّهُ يَهدِی مَن يَشَاءُ إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ. (سورة البقرة آیت:٢١٣)

مذکورہ مقامات میں ہدایت اراء الطریق کے معنی میں ہے۔

اب یہاں اس ضابطے کا انطباق یوں ہوگا۔ "انك لاتهدى من أحببت" میں پہلا مفعول الطریق محذوف ہے

====================

(١) دیکھئے تفسیر قرطبی:١/١٤٧، تفسیر النسفی:١/١٠.

اور دوسرا مفعول "من أحببت" ہے، یعنی مفعول ثانی کی طرف بلا واسطہ متعدی ہے۔ اب فیما نحن "أهدنا الصراط المستقيم" میں مفعول اول "نا" ضمیر اور "الصراط المستقيم" اس کا مفعول ثانی بلا واسطہ حرف جر ہے، اب اس آیت معنی یہ ہوگا کہ ہمیں صراط مستقیم تک پہنچا دے۔ اور "أما ثمود فهديناه" میں مفعول ثانی "الى الصراط المستقيم" محذوف ہے، یعنی حرف جر کے واسطے سے ہدایت کا لفظ متعدی ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے قوم ثمود کو سیدھا راستہ دکھلا دیا تھا پھر انہوں نے اس کے مقابلے میں گمراہی کو اختیار کیا۔ (۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

قرآن مجید میں کبھی رسول اللہ ﷺ کی طرف ہدایت کی نسبت کی گئی ہے کہ آپ ہادی عالم ہیں جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَومٍ هَادٍ .(سورۃ الرعد:۷).اور کبھی آپ ﷺ سے ہدایت کی نفی کی جاتی ہے کہ ہدایت آپ کے اختیار میں نہیں جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّكَ لَا تَهدِى مَن أَحبَبتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهدِى مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعلَمُ بِالمُهتَدِينَ .(سورۃ القصص:۵۶) یعنی آپ کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے، حالانکہ آپ تو ہادی بن کے مبعوث کیے گئے؟

جواب: قرآنِ مجید میں جہاں رسول اللہ ﷺ کی طرف ہدایت کی نسبت کی گئی ہے تو وہاں ہدایت سے "اراء الطريق" مراد ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَإِنَّكَ لَتَهدِى إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ .(سورۃ الشوریٰ:۵۲) اور جہاں آپ سے ہدایت کی نفی کی گئی ہے تو اس سے "ایصال الی المطلوب" مراد ہے، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّكَ لَا تَهدِى مَن أَحبَبتَ وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهدِى مَن يَشَاءُ وَهُوَ أَعلَمُ بِالمُهتَدِينَ . (سورۃ القصص:۵۶) ایک جگہ ارشاد ہے۔ لَيسَ عَلَيكَ هُدَاهُم وَلَكِنَّ اللَّهَ يَهدِى مَن يَشَاءُ. (سورۃ البقرۃ:۲۷۲)، نیز فرمایا۔ وَمَا أَنتَ بِهَادِى العُميِ عَن ضَلَالَتِهِم.(سورۃ الروم:۵۳) فلا يرد ما يرد.

المبحث الثالث : بيان اقسام الهداية :

ہدایت کی تعریف کرنے کے بعد اب ہدایت کے اقسام اور انواع بیان کرتے ہیں۔ ہدایت کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ ہدایتِ فطری. ۲۔ ہدایت کسبی۔

۱۔ ہدایتِ فطری کی تعریف: وہ ہدایت ہے، جو اللہ تعالی نے انسان کی طبیعت اور فطرت میں ودیعت فرمائی ہے۔ اللہ تعالی نے اپنی مخلوقات کو غیر متناہی انعامات اور احسانات سے نوازا ہے۔ عدم سے وجود بخشا، جسمانی اور رحانی تربیت کے اسباب

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے حاشیۃ الشہاب علی تفسیر البیضاوی:۱/۱۹۰، تفسیر کبیر للرازی:۲/۱۹، تفسیر الکشاف مع الحواشی:۱/۳۵.

اور ذرائع مہیا کر کے اپنی صفت ربوبیت کو آشکارا کیا۔اور انسان کی فطرت میں ایسے استعداد ودیعت فرمائے ،جن کی بدولت ہر چیز کا ادراک کرتا ہے، جہاں عقل اور بصیرت سے نوازا ہے وہاں اس سے پہلے وجدان عطا کیا ہے، ایک بچہ جب پیدا ہوتا ہے تو پیدائش کے بعد غذا کی ضرورت کو محسوس کرتا ہے اور فطری طور پر غذا کے حصول کے لیے چیختا چلاتا ہے، جب ماں اسے اپنی چھاتی سے لگاتی ہے تو وہ ماں کے پستان کو منہ میں لے کر چوسنے لگتا ہے، ارشاد ہے۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِی أَعطَی کُلَّ شَیءٍ خَلقَهُ ثُمَّ هَدَی. (سورۃ طٰہٰ آیت:۵۰) اس مضمون کو ایک دوسری جگہ یوں بیان فرمایا ہے۔ سَبِّحِ اسمَ رَبِّكَ الأَعلَی الَّذِی خَلَقَ فَسَوَّی وَالَّذِی قَدَّرَ فَهَدَی .(سورۃ الأعلیٰ:۱-۲).

ہدایت فطری سے اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو نوازا ہے، صحیح بخاری میں روایت ہے۔

ما من مولود إلا يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه. (۱)

ہر ایک بچہ فطرتِ اسلام پر پیدا ہوتا ہے تو پھر اس کو والدین یہودی، نصارانی اور مجوسی بنا دیتے ہیں۔

۲۔ ہدایت کسبی کی تعریف: وہ ہدایت ہے، جو انسان کے فعل اور کسب کا نتیجہ تکوینی ہو۔اس کا حصول بغیر کسب کے ممکن نہیں۔قرآن مجید میں اس کے متنوع اسباب اور علل بیان کیے گئے ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں:۔

۱۔ الهداية بالعقل:

انسان اپنی عقل وفہم کے بل ہدایت پا سکتا ہے کہ عقل وسمجھ سے کام لے کر راہ راست کو اختیار کر لے، کیونکہ دنیا کی ہر ایک شئ ربّ العزت کی وحدانیت کی صدا لگتا ہے اور قرآن مجید بار بار انسان کی توجہ اس جانب مبذول کرواتا ہے کہ اے انسان! ذرا اپنی عقل سے بھی کام لے اور اس سے عبرت حاصل کرنا!، جیسا کہ ارشاد ہے۔ أَوَلَم يَهدِ لِلَّذِينَ يَرِثُونَ الأَرضَ مِن بَعدِ أَهلِهَا أَن لَو نَشَاءُ أَصَبنَاهُم بِذُنُوبِهِم وَنَطبَعُ عَلَى قُلُوبِهِم فَهُم لَا يَسمَعُونَ . (سورۃ الأعراف:۱۰۰) کیا ان لوگوں کو یہ بات عقل کے ذریعے سے معلوم نہیں ہوئی......؟

(۱) الحديث أخرجه البخاري، باب إذا أسلم الصبي فمات هل يصلى عليه وهل يعرض على الصبي الإسلام :۱/۴۵۶، رقم : ۱۲۹۲ ، ۲۹۳، والترمذي، باب ما جاء كل مولود يولد على الفطرة :۴/۴۴۷، رقم : ۲۱۳۸، ومالك في المؤطا، باب جامع الجنائز: ۱/ ۲۱۴، رقم : ۵۷۱.

٢۔ الهداية بنصب الدلائل:

اللہ تعالی انسانوں کو دلائل دکھا کر یہ بتلاتے ہیں کہ ان دلائل کو دیکھ کر راہ ہدایت کا انتخاب کرلو۔ جیسے ارشاد ہے۔ أَلَم نَجعَل لَهُ عَينَينِ وَلِسَانًا وَشَفَتَينِ وَهَدَينَاهُ النَّجدَينِ .(البلد:٨-١٠)،ایک جگہ فرمایا۔ هَل أَتَى عَلَى الإِنسَانِ حِينٌ مِنَ الدَّهرِ لَم يَكُن شَيئًا مَذكُورًا إِنَّا خَلَقنَا الإِنسَانَ مِن نُطفَةٍ أَمشَاجٍ نَبتَلِيهِ فَجَعَلنَاهُ سَمِيعًا بَصِيرًا .(الدہر:١-٢).وغیرہ۔

٣۔ الهداية بارسال الرسول:

اللہ تعالی اپنے برگزیدہ بندوں انبیاء علیہم السلام کو اس کے مبعوث فرماتے دیتے ہیں، تاکہ وہ مخلوق خدا کو صراط مستقیم پر چلنے کی دعوت دیں، جیسے ارشاد ہے۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَولَا أُنزِلَ عَلَيهِ آيَةٌ مِن رَبِّهِ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَومٍ هَادٍ .(الرعد:٧) وغیرہ۔

٤۔ الهداية بانزال الكُتب:

انسانیت کی رہنمائی اور فلاح و بہبود کے لئے اللہ تعالی نے آسمانی کتابیں نازل فرمائی، جو ہدایت کے سرچشمہ ہیں جیسے ارشاد ہے ۔ إِنَّ هَذَا القُرآنَ يَهدِي لِلَّتِي هِيَ أَقوَمُ. (سورۃ الاسراء:٩) ایک جگہ فرمایا۔ فَإِمَّا يَأتِيَنَّكُم مِنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ .(سورۃ البقرۃ:٣٨)اور اسی طرح آگے آیت:١٨٥میں ارشاد ہے۔ شَهرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ القُرآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الهُدَى وَالفُرقَانِ . ایک جگہ یوں فرمایا۔ وَآتَينَا مُوسَى الكِتَابَ وَجَعَلنَاهُ هُدًى لِبَنِي إِسرَائِيلَ أَلَّا تَتَّخِذُوا مِن دُونِي وَكِيلًا . (سورۃ بنی اسرائیل:٢)، نیز فرمایا۔ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأتِيَنَّكُم رُسُلٌ مِنكُم يَقُصُّونَ عَلَيكُم آيَاتِي فَمَنِ اتَّقَى وَأَصلَحَ فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ. (سورۃ الأعراف:٣٥)وغیرہ۔

معروف مفسر قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ وهداية الله تعالى تتنوع أنواعاً لا يحصيها عد كما قال تعالى: ﴿وَإِن تَعُدُّوا نِعمَةَ اللَّهِ لَا تُحصُوهَا﴾، ولكنها تنحصر في أجناس مترتبة:الأول: إفاضة القوى التي بها يتمكن المرء من الاهتداء إلى مصالحه كالقوة العقلية والحواس الباطنة والمشاعر الظاهرة.الثاني: نصب الدلائل الفارقة بين الحق والباطل والصلاح والفساد، ...الثالث: الهداية بإرسال الرسل وإنزال الكتب وإياها عنى ... الرابع: أن يكشف على قلوبهم السرائر ويريهم الأشياء كما هي بالوحي أو الإلهام والمنامات الصادقة وهذا قسم يختص بنيله الأنبياء والأولياء.

==========================

(١) دیکھئے تفسیر بیضاوی:١/٣٠، تفسیر المنار:١/٥٢-٥٣.

اس آیت میں ہدایت سے ہدایتِ کسبی مراد ہے اور یہی مطلوب ہے، اس لیے کہ ہدایتِ فطری ربّ کریم نے ہر ایک چیز کو عطا فرمائی ہے، اب حاصلِ معنی یوں ہوگا کہ ہمیں قرآن وسنت اور توحید کے راستے پر ہمیشہ کے لئے قائم ودائم رکھنا۔ (اللھم أدم علینا البقاء فی طریق الهدایة، وتقبل ثنائنا ودعائنا، واحفظنا من الغوایة والضلال). امین.

ہدایت کے مراتب کا بیان:

مفسرین کرامؒ نے ہدایت کے درج ذیل چار مراتب اور درجات بیان کیے ہیں:۔

۱۔ انابت. ۲۔ ہدایت. ۳۔ استقامت. ۴۔ ربط القلب۔

انابت کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی کی طرف رجوع کرنا اور ضد وعناد چھوڑ کر راہ ہدایت کی تلاش اور جستجو کرنا۔ ہدایت صرف ان لوگوں کا مقدر ہے، جن میں انابت کا مادہ ہو، جیسے ارشاد ہے۔ وَيَهدِي إِلَيهِ مَن أَنَابَ .(سورۃ الرعد آیت:۲۷).

ہدایت کا مفہوم یہ ہے کہ راہ راست پر فائز ہونا اور یہ مرتبہ انابت اور رجوع اللہ کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

استقامت کا مفہوم یہ ہے کہ راہ حق پر ڈٹ جانا۔ یہ مرتبہ ہدایت کے بعد حاصل ہوتا ہے، اس کے متعلق ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ استَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيهِمُ المَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحزَنُوا وَأَبشِرُوا بِالجَنَّةِ الَّتِي كُنتُم تُوعَدُونَ. (حم السجدۃ:۳۰). اس آیت میں دوسرے اور تیسرے مرتبہ کا بیان ہے۔'' رَبُّنَا اللَّهُ ''میں ہدایت اور'' ثُمَّ استَقَامُوا ''میں استقامت کا ذکر ہے۔

ربط القلب کا مفہوم یہ ہے کہ دلوں پر ثابت قدمی کی مہر ثبت ہو جائے۔ ہدایت کا آخری مرتبہ ہے، یہ ہدایت اور استقامت کے بعد حاصل ہوتا ہے۔ یہ اعتقاد اور ایمان کے رسوخ کا آخری درجہ ہے، جب مؤمن کو یہ مرتبہ مل جائے تو دنیا کی کوئی طاقت اس کے یقین کو متزلزل نہیں کر سکتی۔ یہ درجہ بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتا ہے، اصحاب کہف کو یہ درجہ حاصل تھا، ارشاد ہے۔ وَرَبَطنَا عَلَى قُلُوبِهِم إِذ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ لَن نَدعُوَ مِن دُونِهِ إِلَهًا لَقَد قُلنَا إِذًا شَطَطًا .(سورۃ الکہف:۱۴) اور یہ مرتبہ صحابہ کرامؓ کو بھی حاصل تھا، جیسے ارشاد ہے۔ وَلَكِنَّ اللَّهَ حَبَّبَ إِلَيكُمُ الإِيمَانَ وَزَيَّنَهُ فِي قُلُوبِكُم وَكَرَّهَ إِلَيكُمُ الكُفرَ وَالفُسُوقَ وَالعِصيَانَ أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ . (الحجرات:۷) (۱)

الغرض جب انبیاء علیہم السلام اور اہلِ حق مسئلہ توحید کی دعوت دیں، تو جن لوگوں کے دلوں میں انابت کا مادہ ہو وہ اس دعوت کو

========================

(۱) دیکھئے تفسیر جواہر القرآن:۱/۱۲.

قبول کر لیتے ہیں اور اس سے قبول کرنے کے بعد وہ ہدایت یافتہ بن جاتے ہیں۔ پھر اللہ تعالی ان کو استقامت بھی عطا فرمادیتے ہیں اور استقامت کے بعد ان کے دلوں پر ثابت قدمی کی مہر ثبت فرمادیتے ہیں جسے ربط القلب کہا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہدایت اور انابت دونوں کا عموماً تذکرہ ایک جگہ کیا جاتا ہے جیسے ارشاد ہے۔ وَيَهدِي إِلَيهِ مَن أَنَابَ . (سورۃ الرعد آیت:۲۷) ایک جگہ فرمایا۔ هُوَ الَّذِي يُرِيكُم آيَاتِهِ وَيُنَزِّلُ لَكُم مِنَ السَّمَاءِ رِزقًا وَمَا يَتَذَكَّرُ إِلَّا مَن يُنِيبُ . (سورۃ المومن:۱۳) ایک جگہ ارشاد ہے۔ مَن خَشِيَ الرَّحمَنَ بِالغَيبِ وَجَاءَ بِقَلبٍ مُنِيبٍ.(سورۃ ق:۳۳) وغیرہ.

استقامت کا صراحتاً ذکر دو سورتوں میں ہے، ایک جگہ سورۃ حٰم السجدۃ آیت:۳۰. إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ استَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيهِمُ المَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحزَنُوا وَأَبشِرُوا بِالجَنَّةِ الَّتِي كُنتُم تُوعَدُونَ . اور دوسری جگہ سورۃ الأحقاف آیت:۱۳ میں ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ استَقَامُوا فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ.

ربط القلب کا تذکرہ صراحتاً ایک مقام میں ہے، ارشاد ہے۔ وَرَبَطنَا عَلَى قُلُوبِهِم إِذ قَامُوا فَقَالُوا رَبُّنَا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ لَن نَدعُوَ مِن دُونِهِ إِلَهًا لَقَد قُلنَا إِذًا شَطَطًا. (سورۃ الکہف آیت:۱۴)

یہاں "اهدنا" میں ہدایت کے آخری دو درجے (استقامت، ربط القلب) حاصل کرنے کی درخواست کی گئی ہے، اس لیے کہ انابت اور ہدایت تو پہلے سے حاصل ہے۔ (۱)

ربط القلب کے مقابلے میں ختم القلب آتا ہے جس کی تفصیل سورۃ البقرۃ آیت:۷. خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِم وَعَلَى سَمعِهِم ..کے ذیل میں انشاء اللہ آئے گی۔

المبحث الرابع :اطلاق الهداية فى القرآن :

قرآنِ مجید میں ہدایت کا استعمال متعدد معانی میں کیا گیا ہے جن میں چند درج ذیل ہیں۔

پہلا معنی:...... ہدایت بمعنی استحکام اور اثبات، جیسے اشاد ہے۔ وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهدِيَنَّهُم سُبُلَنَا.(العنکبوت:۶۹).

دوسرا معنی:...... ہدایت بمعنی حصول الی الجنۃ، جیسے اشاد ہے۔ وَقَالُوا الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَهتَدِيَ لَولَا أَن هَدَانَا اللَّهُ. (سورۃ الأعراف:۴۳). نیز فرمایا۔ سَيَهدِيهِم وَيُصلِحُ بَالَهُم .(سورۃ محمد:۵).

تیسرا معنی:...... ہدایت بمعنی دین، جیسے اشاد ہے۔ وَلَا تُؤمِنُوا إِلَّا لِمَن تَبِعَ دِينَكُم قُل إِنَّ الهُدَى هُدَى اللَّهِ . (سورۃ

=========================

(۱) دیکھئے تفسیر جواہر القرآن:۱/۱۲.

ال عمران:۷۳). ایک جگہ ارشاد ہے۔ كَيفَ يَهدِى اللَّهُ قَومًا كَفَرُوا بَعدَ إِيمَانِهِم. (سورۃ ال عمران:۸٦).

چوتھا معنی:...... ہدایت بمعنی الکتب، جیسے اشاد ہے۔ قُلنَا اهبِطُوا مِنهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأتِيَنَّكُم مِنِّى هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ. (سورۃ البقرۃ:۳۸).

پانچواں معنی:...... ہدایت بمعنی قرآن، جیسے اشاد ہے۔ إِن هِىَ إِلَّا أَسمَاءٌ سَمَّيتُمُوهَا أَنتُم وَآبَاؤُكُم مَا أَنزَلَ اللَّهُ بِهَا مِن سُلطَانٍ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَمَا تَهوَى الأَنفُسُ وَلَقَد جَاءَهُم مِن رَبِّهِمُ الهُدَى. (سورۃ النجم:۲۳).

چھٹا معنی:...... ہدایت بمعنی معرفت، جیسے اشاد ہے۔ وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجمِ هُم يَهتَدُونَ. (سورۃ النحل:۱٦).

ساتواں معنی:...... ہدایت بمعنی توحید، جیسے اشاد ہے۔ وَقَالُوا إِن نَتَّبِعِ الهُدَى مَعَكَ نُتَخَطَّف مِن أَرضِنَا. (القصص:۵۷)

آٹھواں معنی:...... ہدایت بمعنی سنتِ رسول ﷺ، جیسے اشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَكتُمُونَ مَا أَنزَلنَا مِنَ البَيِّنَاتِ وَالهُدَى مِن بَعدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِى الكِتَابِ. (سورۃ البقرۃ :۱۵۹). ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الهُدَى.. (سورۃ النساء:۱۱۵).

نواں معنی:...... ہدایت بمعنی دعوت، جیسے اشاد ہے۔ وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَولَا أُنزِلَ عَلَيهِ آيَةٌ مِن رَبِّهِ إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرٌ وَلِكُلِّ قَومٍ هَادٍ. (سورۃ الرعد :۷).

دسواں معنی:...... ہدایت بمعنی بیان، جیسے اشاد ہے۔ وَأَمَّا ثَمُودُ فَهَدَينَاهُم فَاستَحَبُّوا العَمَى عَلَى الهُدَى. (سورۃ حٰمٓ السجدۃ آیت:۱۷).

یہاں ’’ اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ. ‘‘ میں ہدایت ثبات اور دوام کے معنی میں ہے۔(۱)

المبحث الخامس: صراطِ مستقیم کامفهوم

’’صراط‘‘ لغت میں راستے کو کہتے ہیں، جیسے ارشاد ہے۔ فَاهدُوهُم إِلَى صِرَاطِ الجَحِيمِ. (سورۃ الصافات:۲۳) اور ’’مستقیم‘‘ اسے کہتے ہیں، جس میں کوئی اونچ نیچ اور ٹیڑھا پن نہ ہو۔ صراط مستقیم استعارۃ تصریحیہ ہے، اس سے شریعت اور ملت اسلام مراد ہے۔ مفسر جلیل علامہ ابو سعودؒ فرماتے ہیں۔ الصراط الجادة أصله السين قُلبت صاداً لمكان الطاء كمصيطر فى مسيطر من سرط الشئ إذا ابتلعه سُمّيت به لأنها تسترِطُ السابلةَ إذا سلكوها كما سميت لَقماً لأنها

=========================

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے العرفان من أصول القرآن:۱۳۰.

تـلـتـقـمهـم .. وجـمـعـه صُـرُط كـكـتـاب وكُـتـب، وهـو كالطريق والسبيل فى التذكير والتأنيث، والمستقيم المستوى، والمراد به طريقُ الحق، وهى الملة الحنفية السمحة المتوسطةُ بين الإفراط والتفريط. (۱).☆

معروف مفسر علامہ ابن عادل دمشقی اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں کہ صراطِ مستقیم کا اطلاق قرآنِ مجید میں متعدد معانی پر کیا گیا ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

پہلا معنی:...... صراطِ مستقیم بمعنی قرآن، جیسے ارشاد ہے۔ وَمَن يَعتَصِم بِاللَّهِ فَقَد هُدِىَ إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ . (سورۃ ال عمران:۱۰۱) ایک جگہ فرمایا۔ وَهَـٰذَا صِـرَاطُ رَبِّكَ مُستَـقِيمًـا . (سورۃ الأنعام:۱۲۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَأَنَّ هَذَا صِرَاطِى مُستَقِيمًا فَاتَّبِعُوهُ. (سورۃ الأنعام:۱۵۳) .

دوسرا معنی:...... صراطِ مستقیم بمعنی سبیل الرسل، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّكَ لَمِنَ المُرسَلِينَ عَلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ . (سورۃ یٰس:۴) ایک جگہ فرمایا۔ فَاستَمسِك بِالَّذِى أُوحِىَ إِلَيكَ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ . (سورۃ الزخرف:۴۳) اایک جگہ ارشاد ہے۔ وَإِنَّكَ لَتَدعُوهُم إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ. (سورۃ المؤمنون:۷۳) ایک جگہ یوں فرمایا۔ شَاكِرًا لِأَنعُمِهِ اجتَبَاهُ وَهَدَاهُ إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ. (سورۃ النحل:۱۲۱).

تیسرا معنی:...... صراطِ مستقیم بمعنی العبادۃ، جیسے ارشاد ہے۔ وَأَنِ اعبُـدُونِـى هَـٰذَا صِـرَاطٌ مُستَقِيمٌ . (سورۃ یٰس:۶۱)

==============================

(۱) تفسیر ابی السعود:۱/۱۸.

☆ قـال الـحـافـظ ابـن الـقيـم رحـمه الله : أنه من صرطت الشىء أصرطه، إذا بلعته بلعا سهلا فسمى الطريق صراطا؛ لأنه يسترط الـمـارة فيـه، والـصـراط مـا جمع خمسة أوصاف: أن يكون طريقا مستقيما سهلا مسلوكا واسعا موصلا إلى المقصود فلا تسمى الـعرب الطريق المعوج صراطا، ولا الصعب المشتق، ولا المسدود غير الموصول، ومن تأمل موارد الصراط فى لسانهم واستعمالهم تبين له ذلك قال جرير:

أمير المؤمنين على صراطٍ   إذا أعوجَّ المواردُ مستقيم

وبنوا الصراط على زنة فعال؛ لأنه مشتمل على سالكه اشتمال الحلق على الشىء المسروط، وهذا الوزن كثير فى المشتملات على الأشيـاء كـالـلـحـاف والـخـمـار والـرداء والـغـطـاء والفراش والكتاب إلى سائر الباب، يأتى لثلاثة معان: أحدها: المصدر كالقتال والـضـراب. والثـانـى: الـمـفـعـول نـحـو الـكتاب والبناء والغراس. والثالث: أنه يقصد به قصد الآلة التى يحصل بها الفعل ويقع بها كالخمار والغطاء والسداد؛ لما يخمر به ؛ويغطى؛ ويسد به فهذا آلة محضة، والمفعول هو الشىء المخمر والمغطى والمسدود .
(بدائع الفوائد:۲/۲۵۴).

ایک جگہ فرمایا۔ وَإِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُم فَاعبُدُوهُ هَذَا صِرَاطٌ مُستَقِيمٌ . (سورۃ مریم:۳٦). (۱)

اب یہاں معنی یوں ہوگا کہ ہمیں قرآنِ کریم، انبیاء علیہم السلام کے راستے اور اپنی عبادت پر ہمیشہ کے لئے قائم ودائم رکھنا۔

حضرتِ شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہ ایک کامل ومکمل دعا ہے کہ ہدایت کے تمام معانی دل ودماغ میں مستحضر کرکے ربّ ذی الجلال کی حضور میں دعا کی جائے تو اس سے بڑھ کر اور کیا دعا ہوسکتی ہے؟ کہ اے میرے اللہ! مجھے ہدایت جیسی عظیم اور بے نظیر نعمت سے مالا مال فرما۔

المبحث السادس : دعاة الصراط المستقيم و المانعين عنهم :

ہر دور میں اللہ تعالی نے ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا کیں، جن کی زندگی کا مقصد خلقِ خدا کو ضلالت وگمراہی کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکال کر فلاح وہدایت کی دہلیز پر کھڑا کرنا تھا، انہوں نے اپنی ساری زندگیاں اس عظیم فریضے کو ادا کرنے کی خاطر صرف کیں، اس پر اپنے مال وجان قربان کرچل بسے۔ ان مقدس ہستیوں میں سرِ فہرست انبیاء علیہم السلام اور اس کے بعد انکے نقش وقدم پر چلنے والے خوش نصیب ہیں، جیسے ارشاد ہے۔ وَإِنَّكَ لَتَدعُوهُم إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤمِنُونَ بِالآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ . (سورۃ المؤمنون:۷۳،۷۴) ایک جگہ فرمایا۔ وَإِنَّكَ لَتَهدِي إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ . (سورۃ الشوریٰ:۵۲) ایک جگہ ارشاد ہے۔ فَاستَمسِك بِالَّذِي أُوحِيَ إِلَيكَ إِنَّكَ عَلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ. (سورۃ الزخرف:۴۳).

جہاں جن برگزیدہ ہستیوں نے اپنی عمر عزیز دین حقہ کی نشر واشاعت میں صرف کیں تو وہاں کچھ ناعاقبت اندیش وبدبخت عناصر خلق خدا کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کی مذموم سعی کرتے رہے اور اہل حق کے راستوں میں طرح طرح کی رکاوٹیں ڈالنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ اس ٹولے کی لگام شیطانِ مردود کے ہاتھوں میں تھی، اور کیوں نہ ہو؟ کہ شیطانِ مردود نے اس کی قسم اٹھائی تھی۔ قَالَ فَبِمَا أَغوَيتَنِي لَأَقعُدَنَّ لَهُم صِرَاطَكَ المُستَقِيمَ. (سورۃ الأعراف:۱٦) اور ایک جگہ اس کا انکشاف ہدہد نامی پرندے نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے دربار میں یوں فرمایا تھا۔ وَجَدتُّهَا وَقَومَهَا يَسجُدُونَ لِلشَّمسِ مِن دُونِ اللَّهِ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيطَانُ أَعمَالَهُم فَصَدَّهُم عَنِ السَّبِيلِ فَهُم لَا يَهتَدُونَ .(سورۃ النمل آیت:۲۴) شیطان مردود خلقِ خدا کو صراط مستقیم سے منع کرنے کی مذموم سعی کرتا رہتا ہے۔ اس شیطانی ٹولے کے چند زعماء کی ذیل میں نشاندہی کی

======================

(۱) اللباب لابن عادل الدمشقی:۱/۲۰۳.

جاتی ہے۔(۱)

۱۔ أخبارِ السوء والرهبانِ السوء :

اس سے وہ دنیا پرست مولوی اور پیر جو چند سکّوں کی خاطر اپنی ضمیر کا سودا کر دینِ الٰہی میں مختلف قسم کے تحریفات اوراختراعات کا مذموم دروازہ کھولیں مراد ہیں، جنہوں نے دین کو اپنی خواہشات کا تابع بنایا۔ جسے چاہے حلال کریں اور جسے حرام کہہ دیں۔ ایسے لوگوں کی قرآن مجید نے مذمت کرتے ہوئے فرمایاَ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الأَحبَارِ وَالرُّهبَانِ لَيَأكُلُونَ أَموَالَ النَّاسِ بِالبَاطِلِ وَيَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ.(سورۃ التوبۃ:۳۴).

محدث جلیل مجاہد کبیر امام عبداللہ بن مبارکؒ نے کیا خوب کہا ہے۔

هَل أَفسَدَ الدِّينَ إِلَّا المُلُوكُ وَأَحبَارُ سَوءٍ وَرُهبَانُهَا

۲۔ السادة والكبراء :

وہ گمراہ لیڈر اور حکمران جو اقتدار کے نشے میں مست کو ہو کر انسانیت کو دینِ حقہ سے روکنے کے درپے ہوں اور گمراہی وضلالت کے علمبردار ہوں کل قیامت کو ان کی تابعداری کرنے والے اللہ تعالیٰ کی دربار میں یوں حقیقت کا اظہار کرئیں گے۔ وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَائَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا .(سورۃ الأحزاب:٦٧).

۳۔ الكافرون والظالمون:

جو لوگ خود اللہ تعالیٰ کے باغی ہیں وہ اوروں کو بھی اس بغاوت پر لانے کی مذموم سعی کرتے ہیں اور صراطِ مستقیم سے خلقِ خدا کو روکتے ہیں جیسا کہ ارشاد ہے۔ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالآخِرَةِ كَافِرُونَ .(سورۃ الأعراف:۴۵).

باقی رہی یہ بات کہ صراطِ مستقیم سے اعراض کرنے والے کون ہیں؟ تو شیطان مردود کے مذموم سعی کا بالاخر نتیجہ یہ نکلا کہ کچھ لوگوں نے روزِ آخرت کا انکار کر کے اس مسلمہ حقیقت کو جھٹلانے لگے، اور اپنے اس باطل نظریے کے اثبات کے لئے اپنی ناقص فہم کے مطابق بے لگام عقلی گھوڑوں پر سوار ہو کر کفر وشرک کی بھیانک تاریکیوں میں جا گرے۔ جو ان کے ہمیشہ ہمیشہ ذلت ورسوائی کا سبب بنا، جیسے ارشاد ہے۔ الَّذِينَ يَصُدُّونَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ وَيَبغُونَهَا عِوَجًا وَهُم بِالآخِرَةِ كَافِرُونَ .(سورۃ

=========================

(۱) دیکھئے سمط الدرر فی ربط الآیات والسور:۳۰.

لأعراف:۴۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَإِنَّ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ عَنِ الصِّرَاطِ لَنَاكِبُونَ .(سورۃ المؤمنون:۷۴)ایک جگہ فرمایا۔ وَجَعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا لِيُضِلُّوا عَن سَبِيلِهِ. (سورۃ ابراہیم:۳۰)

صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کو کن کن نعمتوں سے نوازا جائے گا؟

ربّ ذی الجلال کی طرف سے صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لیے دنیا اور آخرت میں کامیابی اور کامرانی کا وعدہ کیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ فَمَنِ اتَّبَعَ هُدَايَ فَلَا يَضِلُّ وَلَا يَشْقَى .(سورۃ طٰہٰ:۱۲۳) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُم رُسُلٌ مِنكُم يَقُصُّونَ عَلَيكُم آيَاتِي فَمَنِ اتَّقَى وَأَصلَحَ فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ. (الأعراف:۳۵)

المبحث السابع : مفهوم الاستقامة :

"استقامة" کا معنی راستہ کا خط مستقیم کی مانند سیدھا ہونے کے ہیں، معروف لغوی عالم علامہ فیروز آبادیؒ فرماتے ہیں۔
والاستقامة يقال فى الطريق الذى يكون على خطٍّ مستقيم وبه شُبّه طريق الحقّ؛ نحو: ﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ﴾ واستقامة الإنسان لزومُه للمنهج المستقيم(١).

مسند احمد میں سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال: خطَّ لنا رسول الله صلى الله عليه وسلم يومًا خطًّا فقال: هذا سبيل الله ثم خط عن يمين ذلك الخطّ وعن شماله خطوطًا فقال: هذه سُبُل على كل سبيل منها شيطانٌ يدعو إليها. ثم قرأ هذه الآية:﴿وأن هذا صراطى مستقيمًا فاتبعوه ولا تتبعوا السبل فتفرق بكم عن سبيله﴾. (٢)

رسول اللہ ﷺ نے ایک لکیر کھینچی پھر فرمایا کہ یہ اللہ تعالی کا راستہ ہے، پھر اس کے دائیں بائیں متعدد لکیریں کھینچی اور فرمایا کہ ان راستوں میں سے ہر راستے پر شیطان مقرر ہے جو اس کی طرف دعوت دیتا ہے، یعنی یہ شیطان کے راستے ہیں اور پھر یہ آیت پڑھی الخ...

======================

(١) بصائر ذوی التمیز :۲/۱۴۶.

(٢) أخرجه الدارمى، باب فى كراهية أخذ الرأى: ١/٧٨، رقم: ٢٠٢، وأحمد : ١/٤٣٥، رقم: ٤١٤٢، وابن حبان: ١/١٨٠، رقم: ٦، والطيالسى: ٣٣، رقم: ٢٤٤، و البيهقى فى السنن الكبرى، ٣/٣٦٨، رقم: ٦٢٩٧.

اہل علم فرماتے ہیں۔ الإستقامة : امتثال كل مأمور واجتناب كل محذور.

ہر مامور بہ کام کرنا اور ہر ممنوع فعل سے اجتناب کرنا استقامت ہے۔

بعض اہل علم میں فرماتے ہیں۔ الإستقامة خير من ألف كرامة.(١)

استقامت دین پر ہزار کرامتوں سے بہتر ہے۔

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ کو استقامت کا حکم دیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ فَاستَقِم كَمَا أُمِرتَ وَمَن تَابَ مَعَكَ (سورۃ ہود:۱۱۲). مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ يأمر تعالى رسوله والمؤمنين بالثبات والدوام على الاستقامة؛ وذلك من أكبر العون على النصر(٢)

صحیح مسلم میں سیدنا سفیان بن عبداللہ ثقفی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال: قلت : يا رسول الله قل لي في الإسلام قولا لا أسأل عنه أحدا بعدك.

وفي رواية : غيرك قال : قل : آمنت بالله ثم استقم . (٣)

میں نے رسول اللہ ﷺ سے استفسار فرماتے ہیں کہ مجھے کوئی ایسی نصیحت فرمائیں کہ میں آپ ﷺ کے بعد کسی سے نہ پوچھوں تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایمان پر استقامت اختیار کرو۔

نیز قرآن مجید میں مومنین کے اوصاف میں وصفِ استقامت خاص طور پر ذکر ہے، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ استَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيهِمُ المَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحزَنُوا وَأَبشِرُوا بِالجَنَّةِ الَّتِي كُنتُم تُوعَدُونَ .(سورۃ حٰم السجدۃ:۳۰)(۴).

---

(۱) دیکھئے جمع الوسائل فی شرح الشمائل لعلی القاری:۱۱۴، الفتاوی الحدیثیۃ لابن حجر الہیتمی:۲۹۱.

(۲) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۴/۳۵۴.

(٣) أخرجه مسلم، باب جامع أوصاف الاسلام :١/٦٥، رقم : ٣٨ ، والدارمي، باب في حفظ اللسان :٢/٣٨٦، رقم :٢٧١٠، وأحمد :٣/٤٣١، ٤/٣٨٤ ، بألارقام :١٥٤٥٤ ، ١٥٤٥٥، ١٩٤٥٠.

(٤) وروى عن عمر رضى الله عنه أنه قال: على المنبر وهو يخطب:﴿إِنَّ الَّذِينَ قالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ استَقَامُوا﴾ فقال: استقاموا، والله على الطريقة؛ لطاعته ثم لم يرغوا روغان الثعالب. وقال عثمان رضى الله عنه: ثم أخلصوا العمل لله. وقال علي رضى الله عنه: ثم أدوا الفرائض۔ وأقوال التابعين بمعناها. قال ابن زيد وقتادة: استقاموا على الطاعة لله. وقال الحسن: استقاموا =

المبحث الثامن : أسباب الاستقامة :

اہل علم نے استقامت کے متعدد اسباب بیان کیے ہیں، جن میں اہم اسباب یہ ہیں۔

١۔ ترك الطغيان . ٢۔ ترك الركون الى الظَلَمَة. ٣۔ الاتيان بالعبادات البدنية . ٤۔ الصبر على المصائب.

پہلی دو صفتیں سلبی اور ثانی الذکر دو صفتیں ایجابی ہیں، اس لیے امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جمع الدين فى لائين، يعنى: لا تظغوا، ولا تركنوا (١). یعنی اللہ تعالی نے پورے دین کا خلاصہ دو "لا" کے درمیان رکھا ہے، ایک "لاتطغوا" اور دوسرا " لاتركنوا "ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے استقامت کے عظیم المرتبہ ہونے کی وجہ فرمایا تھا کہ مجھے سورۃ ہود اور اسکے ہم مثل سورتوں (جن میں استقامت کا امر کیا گیا ہے) نے مجھے بوڑھا کر دیا جب ان سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے استفسار فرمایا یا رسول الله ! قد شبت قال: شيبتنى هود وأخواتها (٢). ☆

======================

= على أمر الله فعملوا بطاعته، واجتنبوا معصيته. وقال مجاهد وعكرمة: استقاموا على شهادة: أن لا إله إلا الله حتى ماتوا. وقال سفيان الثورى: عملوا على وفاق ما قالوا. وقال الربيع: اعرضوا عما سوى الله. وقال الفضيل بن عياض: زهدوا فى الفانية ورغبوا فى الباقية. وقيل: استقاموا إسرارا كما استقاموا إقرارا. وقيل: استقاموا فعلا كما استقاموا قولا. وقال أنس: لما نزلت هذه الآية قال النبى صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: هم أمتى ورب الكعبة. وقال الإمام ابن فورك: السين سين الطلب مثل: استسقى أى سألوا من الله أن يثبتهم على الدين. وكان الحسن إذا قرأ هذه الآية قال: اللهم أنت ربنا فارزقنا الاستقامة. قلت: وهذه الأقوال وإن تداخلت فتلخيصها: اعتدلوا على طاعة الله عقدا وقولا وفعلا، وداموا على ذلك. (الجامع لأحكام القرآن للقرطبى:١٥/٣٥٨).

(١) دیکھئے روح المعانی:١٢/١٥٥.

(٢) أخرجه أبو يعلى :١٨٤/٢، رقم : ٨٨٠، وعبد الرزاق فى المصنف، باب تعليم القرآن و فضله :٣٦٨/٣، رقم : ٥٩٩٧، والطبرانى فى المعجم الكبير:١٢٣/٢٢، رقم : ٣١٨، وأبونعيم فى حلية الأولياء : ٤ / ٣٥٠ .

☆ الاستقامة: كلمة جامعة آخذة بمجامع الدين، وهو القيام بين يَدى الله تعالى على حقيقة الصّدق والوفاءِ بالعهد، والاستقامة تعلّق بالأقوال والأفعال والأحوال والنّيات. فالاستقامة فيها وقوعها لله، وبالله، وعلى أَمر الله. قال بعض العارفين:

المبحث التاسع : ثمرات الاستقامة:

استقامت کے بے شمار ثمرات اور فوائد ہیں، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

پہلا فائدہ:...... التسلية من الملائكه ، *جیسے ارشاد ہے۔* إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا. (*سورۃ حٰم السجدۃ آیت:۳۰*).

دوسرا فائدہ:...... البشارة بالجنة ، *جیسے ارشاد ہے۔* إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلَائِكَةُ أَلَّا تَخَافُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَبْشِرُوا بِالْجَنَّةِ الَّتِي كُنتُمْ تُوعَدُونَ نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِي أَنفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَدَّعُونَ. (*سورۃ حٰم السجدۃ:۳۰،۳۱*).

تیسرا فائدہ:...... الفوز بنعم الله تعالى ، *جیسے ارشاد ہے۔* وَأَن لَّوِ اسْتَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَأَسْقَيْنَاهُم مَّاءً غَدَقًا .(*سورۃ الجن آیت:۱۶*) *ایک جگہ فرمایا۔* إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ أُولَئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَالِدِينَ فِيهَا جَزَاءً بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ .(*سورۃ الأحقاف:۱۳،۱۴*) *ایک دوسری جگہ ان ہی نعمتوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ارشاد ہے۔* وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّئَاتِهِمْ وَلَأَدْخَلْنَاهُمْ جَنَّاتِ النَّعِيمِ وَلَوْ أَنَّهُمْ أَقَامُوا التَّوْرَاةَ وَالْإِنجِيلَ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِم مِّن رَّبِّهِمْ لَأَكَلُوا مِن فَوْقِهِمْ وَمِن تَحْتِ أَرْجُلِهِم مِّنْهُمْ أُمَّةٌ مُّقْتَصِدَةٌ وَكَثِيرٌ مِّنْهُمْ سَاءَ مَا يَعْمَلُونَ . (*سورۃ المائدۃ :۶۵-۶۶*) *اور ایک دوسرے مقام میں ارشاد ہے۔* وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ وَلَٰكِن كَذَّبُوا فَأَخَذْنَاهُم بِمَا كَانُوا يَكْسِبُونَ . (*سورۃ الأعراف آیت:۹۶*).

قوله تعالى : صِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ:

یہاں پر چند ابحاث کا ذہن نشیں رکھنا ضروری ہیں۔

===========================

= كن صاحب الاستقامة لا طالب الكرامة؛ فإن نفسك متحرّكة فى طلب الكرامة، وربّك يطالبك بالاستقامة۔ فالاستقامة للحال بمنزلة الرّوح من البدن، فكما أنّ البدن إذا خلا عن الرّوح فهو ميّت، فكذلك الحال إذا خلا عن الاستقامة فهو فاسد، وكما أن حياة الأحوال بها فزيادة أعمال الزّاهدين أيضاً ونورها وزكاؤها بها، فلا زكاء للعمل ولا صحّة بدونها. (*بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز:۱۲۹۰-۱۲۹۱، بصیرۃ فی قوم*).

۱۔ آیت کامفہوم ۲۔ منعوم علیہم کون ہیں؟ ۳۔ ایک اشکال اوراس کا جواب.

المبحث الأول : آیت کامفہوم:

"صراط " ماقبل "الصراط" سے بدل ہےاور " الصراط " میں الف لام عہدی ہےاور مقصوداس سے صراطِ مستقیم کا تعین ہے کہ صراط مستقیم صرف اورصرف ایک ہی راستہ ہے، اب معنی یوں ہوگا۔ کہ ہمیں صراط مستقیم پر قائم ودائم رکھنا یعنی ان لوگوں کا راستہ جن پر تونے انعام کیاہے۔اس میں دوسرا یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو ماقبل کے لئے صفت قرار دیا جائے تو پھر معنی یہ ہوگا۔ کہ ایسے لوگوں کا راستہ جو منعوم علیہم ہیں اور جن پر نہ تو تیرا غضب ہوااور نہ ہی وہ گمراہ ہوئے، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔

بدل من الأول بدل الكل وهو في حكم تكرير العامل من حيث إنه المقصود بالنسبة، وفائدته التوكيد والتنصيص على أن طريق المسلمين هو المشهود عليه بالاستقامة على آكد وجه وأبلغه؛ لأنه جعل كالتفسير والبيان له، فكأنه من البين الذى لا خفاء فيه أن الطريق المستقيم ما يكون طريق المؤمنين(۱).

نعمت سے کیا مراد ہے؟ ربّ ذی الجلال کے مخلوقات پر بے شمار انعامات واحسانات ہیں اور کائنات کا ذرہ ذرہ، انس وجن، مطیع اور عاصی ہرایک شئی اللہ تعالی کے نعمتوں سے لُطف اندوز ہوتے ہیں، جیسے ارشاد ہے۔ وَمَا بِكُم مِن نِعمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ. (سورۃ النحل:۵۳) اوراسی طرح ایک دوسری ارشاد ہے۔ وَإِن تَعُدُّوا نِعمَةَ اللَّهِ لَا تُحصُوهَ. (سورۃ ابراہیم:۳۴)

مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ نعمتیں دوقسم پر ہیں:۔

۱۔ دُنیوی نعمتیں. ۲۔ اخروی نعمتیں۔

پھر دُنیوی نعمتیں دوطرح کی ہیں:۔ ۱۔ وہبی (فطری). ۲۔ کسبی.

پھر وہبی کی دوقسمیں ہیں:۔ ۱۔ روحانی. ۲۔ جسمانی.

۱۔ روحانی جیسے روح، عقل، فہم اورفکر وغیرہ...

۲۔ جسمانی جیسے تخلیق بدن، کمالِ اعضاء اورصحت وغیرہ...

۲۔ **کسبی نعمتیں:** اوامر کی اتباع اوررزائل سے اجتناب کرنا۔اس کا حصول تب ممکن ہوسکتا ہے کہ انسان اپنے آپ کواوصافِ محمودہ سے مزین کرئے اورنفس کو بری عادتوں اوراخلاقِ رذیلہ سے پاک کرکے اعلی اخلاق سے اپنے آپ کوسنوارے۔نعم

========================

(۱) تفسیر بیضاوی:۱/۳۰.

اخرویہ اس پر متفرع اور اسی ہی کا ثمرہ ہیں، یعنی تزکیة النفس عن الرذائل، وتحليتها بالأخلاق السنية والملكات الفاضلة، وتزيين البدن بالهيئات المطبوعة، والحلى المستحسنة، وحصول الجاه والمال.

۲۔ اخروی نعمتیں: جیسے مغفرة الذنوب، رضا الٰہی، دخول فی الجنۃ اور مصاحبۃ مع الملائکۃ المقربین وغیرہ۔ یعنی أن يغفر له ما فرط منه، ويرضى عنه، ويبوء ه في أعلى عليين مع الملائكة المقربين أبد الآبدين(۱).

اس آیت میں نعمت سے کسبی نعمتیں (جو نعمت دُنیوی کی دوسری قسم ہے) مراد ہے۔ مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ والمراد هو القسم الأخير وما يكون وصلة إلى نيله من الآخرة فإن ما عدا ذلك يشترك فيه المؤمن والكافر(۲).

اب یہاں معنی یوں ہوگا۔ کہ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے نِعم دنیویہ کسبیہ اور نِعم اخرویہ کیے ہیں، نِعم اخرویہ اس لیے فرمایا کہ ان کیساتھ اس کا وعدہ ہو چکا ہے۔ نِعم کسبیہ میں من جملہ عظیم نعمت قرآن وسنت مراد ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَاذكُرُوا نِعمَةَ اللَّهِ عَلَيكُم وَمَا أَنزَلَ عَلَيكُم مِنَ الكِتَابِ وَالحِكمَةِ يَعِظُكُم بِهِ. (سورة البقرة آیت:۱۳۱) یعنی قرآن وسنت کو سیکھ کر اس عمل کرنا نعمتِ کسبی ہے۔ اسی طرح توفیق الی الایمان اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَاذكُرُوا نِعمَةَ اللَّهِ عَلَيكُم وَمِيثَاقَهُ الَّذِي وَاثَقَكُم بِهِ إِذ قُلتُم سَمِعنَا وَأَطَعنَا. (سورة المائدة آیت:۷). نیز دشمن کے مذموم عزائم سے حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کی نعمت عظمیٰ ہے، جیسے ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذكُرُوا نِعمَةَ اللَّهِ عَلَيكُم إِذ هَمَّ قَومٌ أَن يَبسُطُوا إِلَيكُم أَيدِيَهُم فَكَفَّ أَيدِيَهُم عَنكُم. (سورة المائدة آیت:۱۱). اور اسی طرح الفت بین القلوب اور دشمنی وعداوت سے حفاظت بھی اللہ تعالیٰ کی غیر معمولی نعمت ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَاعتَصِمُوا بِحَبلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذكُرُوا نِعمَةَ اللَّهِ عَلَيكُم إِذ كُنتُم أَعدَاءً فَأَلَّفَ بَينَ قُلُوبِكُم فَأَصبَحتُم بِنِعمَتِهِ إِخوَانًا وَكُنتُم عَلَى شَفَا حُفرَةٍ مِنَ النَّارِ فَأَنقَذَكُم مِنهَا. (سورة ال عمران آیت:۱۰۳). نیز انسان کے سفاک دشمن کو سرعام ہلاک کرنا عظیم احسان کہلاتا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَإِذ قَالَ مُوسَى لِقَومِهِ اذكُرُوا نِعمَةَ اللَّهِ عَلَيكُم إِذ أَنجَاكُم مِن آلِ فِرعَونَ يَسُومُونَكُم سُوءَ العَذَابِ وَيُذَبِّحُونَ أَبنَائَكُم وَيَستَحيُونَ نِسَائَكُم وَفِي ذَلِكُم بَلَاءٌ مِن رَبِّكُم عَظِيمٌ. (سورة ابراہیم آیت:۶).

====================

(۱) دیکھئے تفسیر بیضاوی:۱/۳۷.

(۲) تفسیر بیضاوی:۱/۳۱.

من جملہ اللہ تعالی کی نعمتوں میں سے فیضِ غیبی اور مدد غیبی بھی عظیم نعمت ہے، جیسے ارشاد ہے۔ يَـا أَيُّهَـا الَّذِينَ آمَنُوا اذكُرُوا نِـعـمَةَ اللَّهِ عَلَيكُم إِذ جَاءَ تكُم جُنُودٌ فَأَرسَلنَا عَلَيهِم رِيحًا وَجُنُودًا لَم تَرَوهَا وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعمَلُونَ بَصِيرًا .(سورة الأحزاب آیت:۹). اب معنی یوں ہوگا۔ کہ راستہ ان لوگوں کا جن پر تو نے نِعم خاصہ کیے ہیں، اور یہ مذکورہ بالا تمام نعمتیں خاص ہیں، یعنی قرآن وسنت کی تعلیم، توفیق الی الایمان، حفاظت من العدوّ اور فیضِ غیبی وغیرہ...

المبحث الثانی : منعوم علیهم کون هیں ؟

مفسرین کرامؒ کا اس بات میں اختلاف ہے کہ منعوم علیہم سے کون مراد ہیں؟ جمہور مفسرینؒ فرماتے ہیں کہ اس سے انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین مراد ہیں، انہوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے۔ وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنعَمَ اللَّهُ عَلَيهِم مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا .(سورة النساء:۶۹).

آیت کے سیاق سے یہی معلوم ہوتا ہے، لہذا دیگر اقوال ذکر کرنے کی ضرورت نہیں۔ معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

واختلف الناس فى المنعم عليهم فقال الجمهور من المفسرين: إنه أراد صراط النبيين والصديقين والشهداء والصالحين، وانتزعوا ذلك من قوله تعالى: ﴿وَمَن يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنعَمَ اللَّهُ عَلَيهِم مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولئكَ رَفِيقاً﴾ [النساء: ٦٩]۔ فالآية تقتضى أن هؤلاء على صراط مستقيم، وهو المطلوب فى آية الحمد. وجميع ما قيل إلى هذا يرجع، فلا معنى لتعديد الأقوال.(١)

مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ من البين الذى لا خفاء فيه إنّ الطريق المستقيم ما يكون طريق المؤمنين، وهذا هو الموافق لما خرّج ابن جرير عن ابن عباس: إن المراد بالذين أنعمت عليهم الأنبياء والملائكة والصدّيقون والشهداء ومن أطاعه وعبده .(٢)

اس آیت میں اللہ تعالی نے منعوم علیہم کی دو مخصوص اوصاف بیان کیے ہیں، ایک صفت السلامة من الغضب اور دوسری صفت السلامة من الضلال۔ ان کا حاصل یہ ہے کہ اہل ایمان اللہ تعالی کے غیض وغضب اور گمراہی سے مأمون ومحفوظ ہوں گے۔ مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ أنهم جمعوا بين النعمة المطلقة وهى نعمة الإيمان وبين السلامة

==============================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۱۴۹.

(۲) السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۱۹.

من غضب الله تعالى والضلال.(١)

المبحث الثالث : ایک اشکال اور اس کا جواب :

اشکال:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ یہاں اہل ایمان کی صرف ایک جماعت (منعوم علیہم) کا بیان ہے اور اس کے مقابلے میں اہل طغیان کے دو فریق (مغضوب علیہم اور ضالین) کا تذکرہ کیا گیا ہے۔اس کی کیا حکمت ہوسکتی ہے؟

جواب: درحقیقت اہل ایمان کا طرہ امتیاز یہ ہے کہ حق بات سنتے ہی اس پر عمل پیرا ہوجاتے ہیں، یہی قرآنی تعلیمات کا ماحصل ہے، اب جو لوگ اپنے علم پر عامل نہیں تو وہ مغضوب علیہم کہلاتے ہیں اور جنہوں نے علم جیسی عظیم نعمت کو پس پشت ڈال دیا تو وہ گمراہ ہوئے، اس لیے کہا جاتا ہے۔ "فمن ترك العمل فهو مغضوب، ومن ترك العلم فهو ضآل." لہذا اسی وجہ سے یہاں دو فریق یہود و نصاری کا تذکرہ کیا گیا ہے کہ یہود وہ بدقسمت گروہ تھا جنہوں علم کے باوجود عمل ترک کیا اور نصاری وہ بے ضمیر گروہ تھا جنہوں نے علم حاصل کرنے کی زحمت ہی نہیں اٹھائی۔لیکن منعوم علیہم وہ خوش نصیب ہستیاں ہیں جنہوں نے اپنے علم پر عمل کیا۔اللہ تعالی نے ہمیں ان کی اقتداء اور اتباع پر مامور کیا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَتِلكَ حُجَّتُنَا آتَينَاهَا إبرَاهِيمَ عَلَى قَومِهِ نَرفَعُ دَرَجَاتٍ مَن نَشَاءُ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ وَوَهَبنَا لَهُ إِسحَاقَ وَيَعقُوبَ كُلًّا هَدَينَا وَنُوحًا هَدَينَا مِن قَبلُ وَمِن ذُرِّيَّتِهِ دَاوُودَ وَسُلَيمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ وَكَذَلِكَ نَجزِي المُحسِنِينَ وَزَكَرِيَّا وَيَحيَى وَعِيسَى وَإِليَاسَ كُلٌّ مِنَ الصَّالِحِينَ وَإِسمَاعِيلَ وَاليَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلنَا عَلَى العَالَمِينَ وَمِن آبَائِهِم وَذُرِّيَّاتِهِم وَإِخوَانِهِم وَاجتَبَينَاهُم وَهَدَينَاهُم إِلَى صِرَاطٍ مُستَقِيمٍ ذَلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِن عِبَادِهِ وَلَو أَشرَكُوا لَحَبِطَ عَنهُم مَا كَانُوا يَعمَلُونَ أُولَئِكَ الَّذِينَ آتَينَاهُمُ الكِتَابَ وَالحُكمَ وَالنُّبُوَّةَ فَإِن يَكفُر بِهَا هَؤُلَاءِ فَقَد وَكَّلنَا بِهَا قَومًا لَيسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ فَبِهُدَاهُمُ اقتَدِه قُل لَا أَسأَلُكُم عَلَيهِ أَجرًا إِن هُوَ إِلَّا ذِكرَى لِلعَالَمِينَ . (سورۃ الأنعام آیت:۸۳-۹۰)

اس آیت میں ایک لطیف نکتے کی طرف اشارہ ہے کہ جن لوگوں کو یہ مرتبہ (منعوم علیہم) نصیب ہوا ہے، اس میں ان کا کوئی کمال نہیں، بلکہ اس کے پس پردہ فضل الہی اور انعام خداوندی کارفرما ہے، امام المفسرین علامہ ابن طبریؒ فرماتے ہیں۔قال أبو

---

(۱) السراج المنير للخطيب الشربيني:۱/۱۹.

جعفر: وفي هذه الآية دليلٌ واضح على أنّ طاعة الله جَلّ ثناؤه لا ينالها المُطيعون إلا بإنعام الله بها عليهم وتوفيقه إياهم لها. أوَ لا يسمعونه يقول: ﴿صراط الذين أنعمت عليهم﴾، فأضاف كلّ ما كان منهم من اهتداء وطاعة وعبادة إلى أنه إنعام منه عليهم(١).

منعوم علیہم کے اولین مصداق صحابہ کرامؓ:

انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کے بعد انسانیت کا سب سے مقدس گروہ حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ہے، یہ مقدس جماعت رسول اللہ ﷺ اور عام امت کے درمیان اللہ تعالی کا منتخب کردہ ایک واسطہ ہے، ان مقدس نفوس کے بغیر نہ امت کو قرآن ہاتھ آسکتا ہے اور نہ ہی رسالت اور اس کی تعلیمات کا کسی کو اس واسطے کے بغیر علم ہوسکتا ہے۔ یہ صدق ووفا کے زندہ مجسمہ تھے آپ علیہ السلام کے تعلیمات وفرمودات کو دنیا کے گوشے گوشے میں عام کرنے والے ہیں اور رشد وہدایت کے رسی کو اس طرح سے تھامے رکھا کہ أُولَئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ .(سورۃ البقرۃ:۵)، أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ .(سورۃ الحجرات:۷)، رَضِيَ اللَّهُ عَنهُم وَرَضُوا عَنهُ .(سورۃ البینۃ:۸)، وَلَقَد عَفَا اللَّهُ عَنهُم. (سورۃ آل عمران:۱۵۵)، لَقَد رَضِيَ اللَّهُ عَنِ المُؤمِنِينَ .(سورۃ الفتح:۱۸) وغیرہ کے تمغوں سے نوازے گئے۔

الغرض صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو رسول اللہ ﷺ کے مصاحبت کا جو شرف حاصل ہے، پوری امت کے اعمال حسنہ مل کر بھی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ وہ مقدس جماعت امت کے عام افراد کی طرح نہیں، بلکہ وہ حضرات ایک خاص مقام اور امتیازی شان کے حامل ہیں۔ اور یہ بلند مقام وامتیاز قرآن مجید کے نصوص وتصریحات سے ثابت شدہ ہے، جن میں من جملہ ایک نص یہ بھی ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اللہ رب العزت کے منعوم علیہم کے شرف سے نوازا۔ اور وہ اس کے اولین مصداق ہیں، علامہ ابن جریر طبریؒ اس کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ أي المسلمين(٢). اس لئے کہ قرآن مجید کے اولین مخاطب (مسلمان) یہ مبارک جماعت تھی۔

اب ان برگزیدہ ہستیوں پر تنقید وہی شخص کرسکتا ہے، جس کا دل خوفِ خدا سے عاری ہو۔ اغیار (روافض) نے جو کچھ لکھا اور کہا اس سے تو اللہ کی پناہ! بدقسمتی سے اپنے آپ کو اہل سنت کے علمبردار کہنے والوں نے بھی دشمنانانِ صحابہ کو خوب سیاہی

=======================

(۱) تفسیر طبری:۱/۱۷۹.

(۲) دیکھئے تفسیر طبری:۱/۱۷۸.

فراہم کی۔ان کی خوشنودی کے لئے خام مواد سے نامعلوم کتنے اوراق سیاہ کیے۔ان کے زہر آلودہ قلموں نے بہت کچھ تراشا۔ امیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ پر بے سروپا الزامات لگائے ،اور کاتب وحی ربّ العالمین خال المؤمنین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خلاف تاریخ کو آڑ بنا کر بہت کچھ لکھا۔(۱)

اس آیت میں روافض اور ذریت کی تردید ہے کہ تم جن فرشتہ صفت ہستیوں کے خلاف جو کچھ کہتے ہو وہ تو رب العزت کی طرف سے منعوم علیہم کے تمغے سے نوازے گئے ہیں!!!

قوله تعالى : غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلَا الضَّالِّينَ:

یہاں مجاز بالحذف ہے،تقدیر عبارت یوں ہے۔"غير صراط المغضوب عليهم"، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

واكتفى بالمضاف إليه عن ذكر المضاف، وقد دل سياق الكلام(٢) .

اب اس کے متعلق چند مباحث ذہن نشیں رکھیں۔

۱۔ آیت کا مفہوم ۲۔ ایک اشکال اور اس کا جواب. ۳۔ أسباب الغضب والضلالة. ۴۔ نسبۃ الاضلال فی القرآن. ۵۔ '' امین'' کا معنی اور فضیلت.

المبحث الأول :آیت کا مفهوم:

بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ "غیـــــــر"، "ســـــوی" استثنائیہ کے معنی میں ہے،اس صورت میں ترکیبی دو احتمال ہیں۔پہلا احتمال یہ ہے کہ یہ ماقبل " الذين أنعمت عليهم " سے بدل ہے۔اب معنی یوں ہوگا۔کہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر قائم و دائم رکھنا،جن پر تو نے انعام اور فضل فرمایا اور جن پر نہ تیرا غضب ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔یہ منعوم علیہم کی صفت ہوئی کہ

========================

(۱) یہ وہ بے جا اعتراضات اور جارحانہ حملے ہیں، جو مودودی صاحب نے خلافت وملوکیت میں اصحاب رسول ﷺ پر کیے ہیں،جس میں خاص طور پر امام مظلوم أمیر المؤمنین سیدنا عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ اور خال المؤمنین کاتب وحی رب العالمین سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو خاص طور پر نشانہ تنقید بنایا گیا ہے ۔ان بے سروپا اعتراضات ، بے اصل واساس تاریخی (تاریکی) روایات کی حقیقت شناسی کے لئے ملاحظہ فرمایئے۔ عادلانہ دفاع مؤلف: علامہ نورالحسن شاہ بخاریؒ، حقیقت مودودی مؤلف: شیخ القرآن حضرت مولانا محمد طاہرؒ، الأستاذ المودودي وشئ من حياته للعلامة محمد یوسف البنوریؒ، حضرت أمیر معاویہؓ اور تاریخی حقائق مؤلف: حضرت مولانا مفتی تقی عثمانی مدظلہ، قرآن وحدیث آثار صحابہؓ واقوال سلف کی روشنی میں تنقید انبیاء وصحابہ کا شرعی حکم مؤلف: حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوریؒ۔

(۲) تفسیر ابن کثیر:۱/۵۴.

منعوم علیہم وہ لوگ ہیں جو غضب اور ضلالت سے مامون ومحفوظ ہیں، مفسر جلیل خطیب شربینیؒ اور قاضی بیضاویؒ واللفظ لہ فرماتے ہیں۔ بدل من الذين على معنى أن المنعم عليهم هم الذين سلموا من الغضب والضلال(١).

دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ماقبل " الذين أنعمت عليهم " کے لیے صفت ہے اور صفت کا فائدہ یہ ہوگا کہ موصوف مذکورہ دونوں نعمتوں کا حامل ہے، ایک نعمت حصول ایمان اور دوسری نعمت السلامۃ من الغضب ۔اب معنی یوں ہوگا۔ کہ ہمیں ان لوگوں کے راستے پر قائم ودائم رکھنا جن پر تو نے انعام اور فضل فرمایا اور یہ منعوم علیہم ایسی جماعت ہے جو نعمت ایمان اور سلامۃ من الغضب کیساتھ متصف ہیں۔ مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "أو صفة له مبينة أو مقيدة على معنى أنهم جمعوا بين النعمة المطلقة وهى نعمة الإيمان وبين السلامة من الغضب والضلال."(٢).

معروف نحوی امام فراءؒ، امام زجاجؒ اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "غیر "، "لا" نافیہ کے معنی میں ہے۔اس کی تائید "ولاالضآلین " سے ہورہی ہے کہ یہاں بھی "لا" مذکور ہے، نیز یہ تکرار اس بات پر دال ہے کہ "غیر" ، "لا" نافیہ کے معنی میں ہے۔اب معنی یوں ہوگا۔ کہ نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر تیرا غضب ہوا ہے اور جو گمراہ ہوئے۔ اس معنی کی توثیق متعدد مفسرین کرامؒ نے فرمائی ہے، معروف لغوی اور نحوی عالم امام فراء کوفیؒ فرماتے ہیں۔ وأما قوله تعالى: وَلَا الضَّآلِّين، فإن معنى غير معنى "لا" فلذلك رُدّت عليها "ولا"،هذا كما تقول: فلان غير محسن ولا مُجمِل؛ فإذا كان غير بمعنى "سوى" لم يجز أن تُكَرَّ عليها "لا" ألا ترى أنه لا يجوز: عندى سوى عبد الله ولا زيد. وقد قال بعض من لا يعرف العربية: إن معنى غير فى الحمد معنى سوى(٣).

یہی معنی امام شاہ عبدالقادرؒ نے بھی موضح القرآن میں فرمایا ہے،(۴) اور اس معنی کی تائید سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اس روایت سے ہوتی ہے۔

عن ابن مسعود وعن أناس من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم: غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم هم

---

(۱) دیکھئے السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۱۰، تفسیر بیضاوی:۱/۷۳.

(۲) تفسیر بیضاوی:۱/۷۳.

(۳) معانی القرآن:۱/۶.

(۴) موضح القرآن:۳.

اليهود ولا الضالين هم النصارى.(١)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مستقل کلام ہے اور "غیــر" "لا" کے معنی میں ہے۔اس میں فرق ثلاثہ (منعوم علیہم ،مغضوب علیہم اور ضآلین) کا بیان ہے، ہمارے مشائخ عظامؒ سورۃ البقرۃ کا ربط سورہ فاتحہ سے یوں بیان فرماتے ہیں کہ سورہ فاتحہ میں فرق ثلاثہ کا اجمالا بیان ہے،اب سورۃ البقرۃ میں اس کی تفصیل ہے۔ یہ معنی تب ممکن ہوسکتا ہے جب "غیــر" ، "لا" کے معنی میں ہو۔(٢)

قرآنِ مجید میں لفظ "غیر" کا استعمال:

قرآنِ مجید میں لفظ "غیـر" ایک سوتیرہ مرتبہ مستعمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے کہ بعض مقامات میں "سوی" استثنائیہ کے معنی میں ہے،بعض مواضع میں ظاہراً نفی کے لیے ہے اور جب کہ بعض جگہوں میں ظاہراً وباطناً دونوں کی نفی کے لئے آتا ہے، ذیل میں اس کی قدرے تفصیل کی جاتی ہے۔

پہلا معنی:......" غیر "بمعنی "الا" استثنائیہ، جیسے ارشاد ہے۔ وَقَالَ فِرعَونُ يَا أَيُّهَا المَلَأُ مَا عَلِمتُ لَكُم مِن إِلَهٍ

=======================

(١) أورده ابن جريرفی جامع البيان:١/١٨٨، وابن كثير فی التفسير : ١/١٤٢ .

(١) قال العلامة جلال الدين السيوطی رحمه الله: [غيـر] إسم ملازم للإضافة والإبهام، فلا تتعرف ما لم تقع بين ضدين؛ ومن ثم جاز وصف المعرفة بها فی قوله: ﴿غير المغضوب عليهم﴾ والأصل أن تكون وصفا للنكرة نحو: ﴿فنعمل غير الذی كنا نعمل ﴾. وتقع حالا إن صلح موضعها [لا] واستثناء إن صلح موضعها [إلا] فتعرب بإعراب الاسم التالی إلا فی ذلك الكلام وقرئ قوله تعالى:﴿لا يستوی القاعدون من المؤمنين غير أولی الضرر﴾ بالرفع على أنها صفة القاعدون، أو إستثناء وأبدل على حد ما فعلوه إلا قليل، وبالنصب على الاستثناء وبالجر خارج السبع صفة للمؤمنين.

وفی المفردات للراغب غير تقال على أوجه: الأول: أن تكون للنفی المجرد من غير إثبات معنى به نحو: مررت برجل غير قائم، أی لا قائم، قال تعالى: ﴿ومن أضل ممن اتبع هواه بغير هدى﴾ ﴿وهو فی الخصام غير مبين﴾. الثانی: بمعنى إلا فيستثنى بها وتوصف به النكرة نحو: ﴿ما لكم من إله غيره﴾ ، ﴿هل من خالق غير الله﴾. الثالث: لنفی الصورة من غير مادتها نحو: الماء إذا كان حارا غيره إذا كان باردا، ومنه قوله تعالى: ﴿كلما نضجت جلودهم بدلناهم جلودا غيرها ﴾. الرابع: أن يكون ذلك متناولا لذات نحو: ﴿بما كنتم تقولون على الله غير الحق﴾. ﴿أغير الله أبغی ربا﴾. ﴿أئت بقرآن غير هذا﴾. ﴿يستبدل قوما غيركم﴾. (الاتقان فی علوم القرآن:١/٤٨٣-٤٨٤).

غَیرِی.(سورۃ القصص:۳۸) یعنی صرف اور صرف میں الٰہ ہوں میرے سوا اور کوئی الٰہ نہیں۔

دوسرا معنی:...... "غیر" بمعنی نفی، کبھی مطلق نفی کے لیے آتا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ فَإِن لَم یَستَجِیبُوا لَكَ فَاعلَم أَنَّمَا یَتَّبِعُونَ أَھوَائَھُم وَمَن أَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ ھَوَاہُ بِغَیرِ ھُدًی مِنَ اللَّهِ .(سورۃ القصص:۵۰).

تیسرا معنی:...... "غیر" بمعنی نفی ظاہراً، جیسے ارشاد ہے۔ كُلَّمَا نَضِجَت جُلُودُھُم بَدَّلنَاھُم جُلُودًا غَیرَھَا. (سورۃ النساء: ۵۶) یہاں غیر سے مراد یہ ہے کہ ان کے ظاہری چمڑے اور کھالیں بدلا دیئے جائیں۔

چوتھا معنی:...... "غیر" بمعنی نفی ظاہراً و باطناً، یعنی نفی من کل الوجوہ، جیسے ارشاد ہے۔ قُل أَغَیرَ اللَّهِ أَبغِی رَبًّا وَھُوَ رَبُّ كُلِّ شَیءٍ. (سورۃ الأنعام آیت:۱۶۴) اللہ تعالیٰ کے سوا کائنات میں اور کوئی الٰہ نہیں۔

''مغضوب علیھم'' اور ''ضآلین'' سے کون مراد ہیں؟

''مغضوب علیھم'' اور ''ضآلین'' اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں، تاہم جمہور مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ''مغضوب علیھم'' سے یہود مراد ہیں اور ''ضالین'' سے نصاری مراد ہیں، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ اختلف فی ﴿المَغضُوبِ عَلَیھِم و الضَّالِّینَ﴾ من ھم؟ فالجمھور أن المغضوب علیھم الیھود والضالین النصاری، وجاء ذلك مفسرا عن النبی صَلَّی اللَّهُ عَلَیهِ وَسَلَّمَ فی حدیث عدی بن حاتم وقصة إسلامه، أخرجه أبو داود الطیالسی فی مسنده والترمذی فی جامعه، وشھد لھذا التفسیر أیضا قوله سبحانه فی الیھود:﴿ وَبَاؤُ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ﴾ [البقرة:٦١، وآل عمران:١١٢]. وقال:﴿ وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَیھِم﴾ [الفتح:٦]، وقال فی النصاری:﴿قَد ضَلُّوا مِن قَبلُ وَأَضَلُّوا كَثِیراً وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِیلِ﴾ [المائدة:٧٧]. وقیل:﴿ المَغضُوبِ عَلَیھِم﴾ المشركون. ﴿والضَّالِّینَ﴾ المنافقون. وقیل:﴿ المَغضُوبِ عَلَیھِم﴾ ھو من أسقط فرض ھذه السورة فی الصلاة، و﴿الضَّالِّینَ﴾ عن بركة قراء تھا. حكاه السلمی فی حقائقه والماوردی فی تفسیره، ولیس بشیء. قال الماوردی: وھذا وجه مردود؛ لان ما تعارضت فیه الاخبار، وتقابلت فیه الآثار، وانتشر فیه الخلاف لم یجز أن یطلق علیه ھذا الحكم۔ وقیل:﴿المَغضُوبِ عَلَیھِم﴾ باتباع البدع و﴿الضَّالِّینَ ﴾ عن سنن الھد. قلت:وھذا حسن، وتفسیر النبی صلی الله علیه وسلم أولی وأعلی وأحسن. (١)

=====================

(۱) الجامع لأحكام القرآن:۱/ ۱۴۹-۱۵۰.

لیکن امام فخر الدین رازیؒ نے اسے اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام قرار دیا ہے، تاکہ ہر مغضوب اور ضال کو شامل ہو، چنانچہ فرماتے ہیں۔ معنى قوله : ﴿غَيرِ المغضوب عَلَيهِم الخ﴾ : الفائدة الأولى : المشهو أن المغضوب عليهم هم اليهود؛ لقوله تعالى: ﴿مَن لَّعَنَهُ الله وَغَضِبَ عَلَيه﴾. والضالين : هم النصارى؛ لقوله تعالى: ﴿قَد ضَلُّوا مِن قَبلُ وَأَضَلُّوا كَثِيراً وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السبيل﴾. وقيل : هذا ضعيف؛ لأن منكرى ا لصانع والمشركين أخبث ديناً من اليهود والنصارى فكان الاحتراز عن دينهم أولى، بل الأولى أن يحمل المغضوب عليهم على كل من أخطأ فى الأعمال الظاهرة، وهم الفساق، ويحمل الضالون على كل من أخطأ فى الاعتقاد؛ لأن اللفظ عام، والتقييد خلاف الأصل ، ويحتمل أن يقال : المغضوب عليهم: هم الكفار، والضالون: هم المنافقون؛ وذلك لأنه تعالى بدأ بذكر المؤمنين والثناء عليهم فى خمس آيات من أول البقرة، ثم أتبعه بذكر الكفار وهو قوله:﴿ إِنَّ الذين كَفَرُوا.﴾. ثم أتبعه بذكر المنافقين، وهو قوله :﴿وَمِنَ الناس مَن يَقُولُ أٰمَنَّا.﴾ فكذا ههنا بدأ بذكر المؤمنين وهو قوله : أَنعَمتَ عَلَيهِم ثم أتبعه بذكر الكفار وهو قوله : غَيرِ المغضوب عَلَيهِم، ثم أتبعه بذكر المنافقين وهو قوله : وَلَا الضالين (١).

========================

(۱) دیکھئے تفسیر کبیر للرازی:۱/۲۱۰۔

☆ قال العلامة السيوطى رحمه الله : رأيت فى تفسير قوله سبحانه وتعالى: ﴿غير المغضوب عليهم ولا الضالين﴾ نحو : عشرة أقول مع أن الوارد عن النبى صلى الله عليه وسلم وجميع الصحابة والتابعين ليس غير اليهود والنصارى، حتى قال ابن أبى حاتم : لا أعلم فى هذا اختلافا من المفسرين . [كشف الظنون: ١ /٤٢٧، علم التفسير]

قال العلامه محمد على الصابونى: وقال بعض المفسّرين : الأولى أن يُحمل ﴿ المغضوب عَلَيهِم﴾ على كلّ من أخطأ فى الأعمال الظاهرة وهم الفُساق، ويُحمل ﴿ الضالّون﴾ على كل من أخطأ فى الاعتقاد؛ لأنّ اللفظ عامٌّ، والتقييد خلاف الأصل والمنكرون للصانع والمشركون أخبثُ ديناً من اليهود والنّصارى، فكان الاحتراز عن دينهم أولى وهذا اختيار الإمام الفخر .

وقد ردّه الألوسى لأن تفسير المغضوب عليهم والضالين ب اليهود والنصارى جاء فى الحديث الصحيح المأثور فلا يُعتد بخلافه۔ وقال القرطبى: جمهور المفسّرين أن المغضوب عليهم اليهود والضالين النصارى وجاء ذلك مفسّراً عن النبى صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فى حديث عدىّ بن حاتم وقصة إسلامه. وقال أبو حيان : وإذا صحّ هذا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم وجب المصير إليه.

أقول : ما ذكره الفخر الرازى ليس فيه ردّ للمأثور، بل إنّه عمّم الحكم فجعله شاملاً لليهود والنصارى، ولجميع من =

امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ جو بات مشہور ہے کہ ''مغضوب علیہم'' سے مراد یہود اور ''ضآلین'' سے مراد نصاری ہے جو قرآن مجید کے مذکورہ آیات سے معلوم ہوتا ہے، بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ قول اس لئے درست نہیں کہ مشرکین اور دہریہ جو اللہ تعالی کے صانع ہونے کے منکر ہیں تو یہ اخبث الناس اور کائنات کے رذیل لوگ ہیں بنسبت یہود و نصاری کے، کیونکہ یہ تو وجود باری تعالی کے قائل ہیں، لہذا اولی بات یہ ہے جس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا کہ مغضوب علیہم سے مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے عمل میں کوتائیاں کی، جیسے فساق وفجار وغیرہ..اور ضآلین سے مراد وہ لوگ ہیں جن کا عقیدہ درست نہیں۔اور دسرا یہ احتمال یہ بھی ہے کہ مغضوب علیہم سے مراد کفار اور ضالین سے مراد منافقین ہیں، کیونکہ اللہ تعالی نے سورۃ البقرۃ کے اول میں اہل ایمان کے پانچ اوصاف بیان کیے اور پھر اس کے بعد "ان الذين كفروا.. " سے کفار کے اوصاف کا بیان اور پھر "ومن الناس.." سے منافقین کے اوصاف کا بیان کیا گیا ہے۔تو اسی طرح یہاں "أنعمت عليهم " سے اہل ایمان" غير المغضوب عليهم " سے کفار اور "ضآلين " سے منافقین کا اجمالی ہے۔

المبحث الثانی : ایک اشکال اور اس کا جواب :

اشکال:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ تقریر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ''مغضوب علیہم'' اور ''ضآلین'' اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں، ہر معاند اور فاسق وفاجر کو شامل ہے، لیکن سنن ترمذی میں سیدنا عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے کہ ''مغضوب علیہم'' سے یہود مرا ہیں اور ''ضآلین'' سے نصاری مراد ہیں؟

جواب: درحقیقت حدیث میں یہود اور نصاری کو علی سبیل التمثیل ذکر کیا گیا ہے کہ ''مغضوب علیہم'' اور ''ضآلین'' کے مصادیق میں من جملہ یہود اور نصاری بھی ہیں، اس لیے کہ اس زمانہ میں یہی دو گروہ غضب اور ضلالت کیساتھ معروف تھے، لہذا حدیث میں یہود اور نصاری کا ذکر علی سبیل التنصیص والتخصیص نہیں، بلکہ علی سبیل التمثیل ہے، مفسر جلیل علامہ جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں۔ إن المراد بالمغضوب عليهم والضالين : كل من جاد عن جادة الإسلام من أى : فرقة ونحلة، وتعيين بعض المفسرين فرقة منهم من باب تمثيل العام بأوضح أفراده وأشهرها، وهذا هو المراد بقول ابن أبى

=========================

= عن دين الله، وضلّ عن شرعه القويم حيث يدخل فى اللفظ جميع الكفّار والمنافقين. [روائع البیان فی تفسیر آیات الأحکام :ا/۳۰].

حاتم : لا أعلم بين المفسرين اختلافاً فى أن المغضوب عليهم اليهود والضالين النصارى.(١)

یہی وجہ ہے کہ مفسرین کرامؒ نے اس کے علاوہ دیگر مصداقات بھی ذکر کیے ہیں، مفسر جلیل محیی السنہ امام بغویؒ فرماتے ہیں۔

وقال سهل بن عبد الله : غير المغضوب عليهم بالبدعة ولا الضالين عن السنة(٢).

معروف مفسر علامہ ابوالحسن علی بن محمد خازنؒ فرماتے ہیں۔ وقيل: غير المغضوب عليهم بالبدعة، ولا الضالين عن السنة .(٣)

جلیل القدر مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ وقيل: المغضوب عليهم المشركون ،و الضالين المنافقون.. وقيل: المغضوب عليهم باتباع البدع، والضالين عن سنن الهدى. (٤)

باقی رہا یہ سوال! کہ یہود اور نصاری کو اس کا مصداق کیوں قرار دیا گیا ہے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہود دیدہ دانستہ طور پر دین اسلام سے منحرف ہوئے اور سینہ زوری کیساتھ محرمات الہیہ کا ارتکاب کیا، اس لیے وہ غضب کے مستحق ٹھہرے اور نصاری جہالت کا سرچشمہ تھے، وہ حق اور صداقت سے متعارف ہی نہیں تھے، اس لیے وہ بالخصوص گمراہی کیساتھ موصوف ہوئے۔ الغرض یہود و نصاری دونوں مغضوب اور ضال تھے،، لیکن مغضوبیت یہود کی مخصوص صفت تھی اور ضلالت نصاری کا خاص وصف تھا، اس کی مزید وضاحت کے لیے ہم مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ کی عبارت کو پیش کرتے ہیں۔ فإن طريقة أهل الإيمان مشتملة على العلم بالحق والعمل به، واليهود فقدواالعمل، والنصارى فقدوا العلم؛ ولهذا كان الغضب لليهود والضلال للنصارى؛ لأن من علم وترك استحق الغضب، بخلاف من لم يعلم۔ والنصارى لما كانوا قاصدين شيئاً لكنهم لا يهتدون إلى طريقه؛ لأنهم لم يأتوا الأمر من بابه، وهو اتباع الرسول الحق ضلوا، وكل من اليهود والنصارى ضال مغضوب عليه لكن أخص أوصاف اليهود الغضب، كما قال فيهم: ﴿مَن لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيهِ﴾.[المائدة: ٦٠] وأخص أوصاف النصارى الضلال كما قال:﴿ قَد ضَلُّوا مِن قَبلُ وَأَضَلُّوا كَثيرًا

---

(۱) دیکھئے تفسیر محاسن التاویل:۱/۲۳۵.

(۲) دیکھئے معالم التنزیل للبغوی: ۱/۵۵ .

(۳) لباب التاویل فی معانی التنزیل للخازن:۱/۲۱

(۴) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:۱/۱۵۰.

وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ﴾ [المائدة: ۷۷] وبهذا جاء ت ا لأحاديث والآثار(۱).

معروف عالم علامہ احمد رومیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب مجالس الأبرار میں رقم طراز ہیں۔

ومن لم يعرف الحق فهو ضال ، ومن عرفه و اختا رعليه غيره فهو مغضوب عليهم ، ومن عرفه واتبعه فهو منعم عليهم، وقد أمرنا الله تعالى أن نسأله فى كل يوم وليلة مرات عديدة أن يهديناصراط الذين أنعم عليهم غيرالمغضوب ولا الضالين، وبيّن فى ضمنه أن أهل السعادة هم الذين عرفوا الحق واتبعوه وكانوا مهتدين، وان أهل الشقاوة هم الذين لم يعرفوا الحق بل جهلوه وخرجوا منه، وكانوا ضالين أوعرفوه وخالفوه ولم يتبعوه بل اتبعوا غيره، وكانوا مغضوب عليهم، وقد ثبت فى الحديث: أن المغضوب عليهم اليهود، وأن الضالين النصارى؛ وانماسمى اليهود بالمغضوب والنصارى بالضالين مع كون كل واحد منهما ضآلاً ومغضوبا عليهم؛ لكون كل واحد منهما مختصاً بما غلب عليه من الجهل و العناد ؛ فان اليهود كانوا أمة عناد فخصوا بالغضب، والنصارى كانوا أمة جهل فخصوابالضلال؛ ولهذا قال سفيان بن عيينه رحمه الله : من فسد من علماء نا ففيه شبه من اليهود ؛لأن اليهود عرفوا الحق ولم يتبعوه بل عدلواعنه ، وكانوا مغضوبا عليهم ، ومن فسد من عبّادنا ففيه شبه من النصارى؛ لأن النصارىٰ لم يعرفوا الحق بل جهلوه وكانوا ضآلين؛ فان الله تعالى جعل العبادة سبباً للثواب والمعصية سبباً للعقاب. (۲).

جو شخص حق کو نہ پہچانے وہ گمراہ ہے اور جو آدمی حق کو پہچان کر پھر اس پر غیر حق کو ترجیح دے تو اس پر اللہ تعالی کا غضب ہے۔اور جو حق کو سمجھ کر اس پر عمل پیرا بھی ہو تو اس پر اللہ تعالی کا انعام ہے۔اللہ تعالی نے ہمیں حکم دیا کہ ہم شب وروز میں کئی بار یہ دعا طلب کریں کہ ہم کو ان لوگوں کا راستہ دکھا جس پر اس کا انعام ہوا ہے اور نہ راستہ ان لوگوں کا جن پر اس کا غضب ہوا ہے۔اسی ضمن میں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ سعادت مند وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو پہچان کر اس کی پیروی کی۔اور بد بخت وہ لوگ ہیں جنہوں نے حق کو نہ پہچانا اور اسی جہالت و نادانی میں رہے، اور اس سے نکل کر گمراہ ہوئے۔یا حق کو پہچان لیا لیکن اس کی مخالفت کی اور عمل نہ کیا، بلکہ غیر حق کی پیروی کر کے غضبِ الٰہی میں مبتلا ہو گئے اور حدیث میں آتا ہے کہ مغضوب علیہم یہود اور ضالین

=========================

(۱) دیکھئے تفسیر ابن کثیر:۱/۱۴۱.

(۲) مجالس الأبرار:٦٦.

نصاری ہیں۔ اور یہود کو مغضوب علیہم اور نصاری کو ضالین فرمایا حالانکہ ان میں سے ہر ایک گمراہ اور مغضوب ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک میں جہل وعناد پایا جاتا تھا یعنی یہود اہل عناد تھے اس لئے اس کو مغضوبیت کیساتھ مختص کیا۔ اور نصاری میں جہالت غالب تھی اس لئے ان کو گمراہی کیساتھ خاص کیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں۔۔ جو ہمارے علماء طبقہ میں جو آدمی بگڑ گیا تو اس میں یہودیت کی روش پائی جائے گی، کیونکہ یہود علم کے باوجود گمراہ ہوئے۔ اور جو ہمارے گوشہ نشینوں (پیروں) میں بگڑ گیا تو اس میں نصارنیت کی بُو پیدا ہوگی، اس لئے کہ نصاری نے حق بات سمجھنے کی زحمت ہی نہ اٹھائی کیونکہ حق تعالی جل شانہ نے عبادت کو ثواب کا اور گناہ کو عذاب کا سبب قرار دیا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

غضب ثوران النفس عند ارادۃ الانتقام کو کہتے ہیں، یعنی نفس کا انتقام کے ارادے سے بھڑک اُٹھنا۔ یہ ایک انفعالی کیفیت کا نام ہے اور اللہ تعالی ہر قسم کے انفعال اور تأثر سے منزہ ہے، اب اس کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کیسے درست ہو سکتی ہے؟

جواب: یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ وہ تمام صفات اور افعال جو مخلوق کیساتھ خاص ہیں جب ان کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی جائے تو ان سے علی سبیل المجاز اثر اور غایت مراد ہوتی ہے، اب غضب سے مخالف اور دشمن کو مقہور کرنا مراد ہے، یعنی انتقام اور بدلہ مراد ہے، مفسر جلیل علامہ خازنؒ اور علامہ خطیب شربینیؒ واللفظ لہ فرماتے ہیں۔ أنه إذا أسند إلى الله تعالى أريد به المنتهى والغاية فمعناه: إرادة الانتقام من العصاة، وإنزال العقوبة بهم، وأن يفعل بهم ما يفعل الملك إذا غضب على من تحت يده، نعوذ بالله من غضبه ونسأله رضاه ورحمته(۱). ☆

البحث الثالث : بيان أسباب الغضب و الضلالة :

یہ بات ماقبل گزر چکی ہے کہ لفظ غضب اور ضلالت اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہیں، ان کا تعلق کسی خاص گروہ یا خاص شخص کیساتھ نہیں، بلکہ جو شخص بھی قرآن وسنت سے اعراض کر کے کسی اور دین میں نجات تلاش کرے گا تو غضب خداوندی کا مستحق ہوگا۔ قرآن مجید نے اس حقیقت کو یوں آشکارا کیا ہے۔ بِئْسَمَا اشتَرَوا بِهِ أَنفُسَهُم أَن يَكفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغيًا أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ مِن فَضلِهِ عَلَى مَن يَشَاءُ مِن عِبَادِهِ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ. (سورۃ البقرۃ آیت:۹۰) کہ جس آدمی نے

====================

(۱) السراج المنیر لخطیب الشربینی:۱/۱۸، تفسیر خازن:۱/۲۰.

☆ قال ابن الخطيب رَحِمَهُ اللهُ تعالى : هنا قاعدة كليةٌ وهى أن جميع الأعراض النَّفسَانية أعنى الرحمة والفرح والسُّرور =

"ماأنزل الله" سے انکار کیا، وہ غضب کا مستحق ہوا۔ اب اس سے معلوم ہوا کہ غضب عام ہے۔ ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قُل هَل أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِن ذَٰلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ مَن لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيهِ وَجَعَلَ مِنهُمُ القِرَدَةَ وَالخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ. (سورۃ المائدۃ:۶۰) اور جس نے بھی سیدھے راستے سے اعراض کیا تو وہ مغضوب اور گمراہ ہوا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس طرح غضب عام ہے تو اسی طرح ضلالت بھی عام ہے۔

طلباء محترم! غضب کے اسباب کثیر ہونے کی وجہ سے شاید ہی اس مجموعہ قرطاس میں سما سکیں، لہذا طوالت کے خوف سے چند اسبابِ غضب بطور مُشتِ نمونہ از خروار ملاحظہ فرمائیے۔

❁...... الارتدادعن الدين ، جیسے ارشاد ہے۔ مَن كَفَرَ بِاللَّهِ مِن بَعدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَن أُكرِهَ وَقَلبُهُ مُطمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ وَلَكِن مَن شَرَحَ بِالكُفرِ صَدرًا فَعَلَيهِم غَضَبٌ مِنَ اللَّهِ. (سورۃ النحل آیت:۱۰۶)

❁...... قتل المومن ، جیسے ارشاد ہے۔ وَمَن يَقتُل مُؤمِنًا مُتَعَمِّدًا فَجَزَاؤُهُ جَهَنَّمُ خَالِدًا فِيهَا وَغَضِبَ اللَّهُ عَلَيهِ. (سورۃ النساء آیت:۹۳)

❁...... الانکار من الآخرة ، جیسے ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَوَلَّوا قَومًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيهِم قَد يَئِسُوا مِنَ الآخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الكُفَّارُ مِن أَصحَابِ القُبُورِ. (سورۃ الممتحنۃ آیت:۱۳).

❁...... الفرار من القتل : میدان جہاد سے بھاگ جانا غضبِ خداوندی کا سبب ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَمَن يُوَلِّهِم يَومَئِذٍ دُبُرَهُ إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِقِتَالٍ أَو مُتَحَيِّزًا إِلَى فِئَةٍ فَقَد بَاءَ بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ. (سورۃ الأنفال آیت:۱۶).

❁...... التبديل بنعمة الله تعالى : اللہ تعالی کے نعمتوں میں اپنی طرف سے تغیر وتبدل کرنا غضبِ خداوندی کو دعوت دینے

========================

= والغضب والحَيَاء والعُتُوّ والتكبر والاستهزاء لها أوائل ولها غايات. ومثاله: الغضب: فإنّ أول غليان دم القلب وغايته: إرادة إيصال الضَّرَرِ إلى المغضوب عليه فلفظ الغضب فى حق الله لا يحمل على أوله الذى هو غليان دم القلب بل على غايته الذى هو إرادة الإضرار وأيضاً الحَيَاءُ له أول وهو انكسار النفس وهذه قاعدة شريفة فى هذا الباب. (اللباب فى علوم الكتاب:۱/ ۲۲۵).

وقال ابن عرفة: الغضب من المخلوقين شيءٌ يُداخل قلوبَهم ويكون منه محمود ومذموم فالمذموم ما كان فى غير الحقّ۔ وأمّا غضب الله عزَّ وجلَّ فهو إنكاره على من عصاه فيعاقبه۔ وقال الطحاوى: إنَّ الله يغضب ويرضى لا كأَحد من الوَرَى۔ وقال غيرهما: المفاعيل إذا وليتها الصّفات فإنها تذكّر الصفات وتجمعها وتؤنّثها . (بصائر ذوى التميز فى لطائف الكتاب العزيز:۴/ ۱۳۵).

کے مترادف ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَإِذ قُلتُم يَا مُوسَى لَن نَصبِرَ عَلَى طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادعُ لَنَا رَبَّكَ يُخرِج لَنَا مِمَّا تُنبِتُ الأَرضُ مِن بَقلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا قَالَ أَتَستَبدِلُونَ الَّذِى هُوَ أَدنَى بِالَّذِى هُوَ خَيرٌ اهبِطُوا مِصرًا فَإِنَّ لَكُم مَا سَأَلتُم وَضُرِبَت عَلَيهِمُ الذِّلَّةُ وَالمَسكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ. (سورۃ البقرۃ آیت:٦١).

۞...... النفرة من أهل الدين : دین والوں سے نفرت اور ان کو حقیر نگاہ سے دیکھنا غضبِ خداوندی کا سبب ہے، جیسے ارشاد ہے۔ قُل يَا أَهلَ الكِتَابِ هَل تَنقِمُونَ مِنَّا إِلَّا أَن آمَنَّا بِاللَّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَينَا وَمَا أُنزِلَ مِن قَبلُ وَأَنَّ أَكثَرَكُم فَاسِقُونَ قُل هَل أُنَبِّئُكُم بِشَرٍّ مِن ذَلِكَ مَثُوبَةً عِندَ اللَّهِ مَن لَعَنَهُ اللَّهُ وَغَضِبَ عَلَيهِ وَجَعَلَ مِنهُمُ القِرَدَةَ وَالخَنَازِيرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوتَ أُولَئِكَ شَرٌّ مَكَانًا وَأَضَلُّ عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ. (سورۃ المائدۃ آیت:٦٠-٦١)

۞...... اتخاذ العجل الٰها : بچھڑے کو اپنا معبود سمجھ کر اس کی پوجا کرنا غضبِ الٰہی کا سبب ہے، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا العِجلَ سَيَنَالُهُم غَضَبٌ مِن رَبِّهِم وَذِلَّةٌ فِى الحَيَاةِ الدُّنيَا. (سورۃ الأعراف آیت:١٥٢).

۞...... الابتداع فى الدين : دین میں اپنی طرف سے خود ساختہ زیادتی کرنا غضبِ خداوندی کا سبب ہے، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُوا العِجلَ سَيَنَالُهُم غَضَبٌ مِن رَبِّهِم وَذِلَّةٌ فِى الحَيَاةِ الدُّنيَا.. (سورۃ الأعراف آیت:١٥٢).

۞......الانكار عن القرآن : قرآنِ کریم سے انکار کرنا غضبِ خداوندی کا سبب ہے، جیسے ارشاد ہے۔ بِئسَمَا اشتَرَوا بِهِ أَنفُسَهُم أَن يَكفُرُوا بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ بَغيًا أَن يُنَزِّلَ اللَّهُ مِن فَضلِهِ عَلَى مَن يَشَاءُ مِن عِبَادِهِ فَبَاءُوا بِغَضَبٍ عَلَى غَضَبٍ. (سورۃ البقرۃ آیت:٩٠). (١)

مذکورہ بالا غضب کے اسباب تھے، جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مغضوب علیہم عام ہیں اور اسی طرح ضلالت کے اسباب بھی عام ہونے کی وجہ سے ضآلین بھی عام ہیں، اب ذیل میں ضلالت کے اسباب کو اختصار کیساتھ بیان کیا جاتا ہے۔(٢)

أسباب الضلالة فى القرآن :

قرآنِ مجید میں ضلالت اور گمراہی کے متعدد اسباب ذکر ہیں، جن میں چند یہ ہیں۔

۞......تبديل الايمان بالكفر : ایمان کو چھوڑ کر کفر کو اختیار کرنا ضلالت کا سبب ہے، جیسے ارشاد ہے۔ أَم تُرِيدُونَ أَن

====================

(١) اللباب فی علوم الکتاب:١/ ٢٢٥.

(٢) والإضلال ضربان: أحدهما أن يكون سببه الضلال وذلك على وجهين: إمّا أن يضِلّ عنك الشيء كقولك: أضللتُ البعير أى ضلّ عنى؛ وإمّا أن يحكم بضلاله. فالضلال فى هذين سبب للإضلال. الضّرب الثانى: أن يكون الإضلال سببًا للضلال. =

تَسأَلُوا رَسُولَكُم كَمَا سُئِلَ مُوسَى مِن قَبلُ وَمَن يَتَبَدَّلِ الكُفرَ بِالإِيمَانِ فَقَد ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ. (سورۃ البقرۃ:۱۰۸).

۞...... الغلو فی الدین : دین میں اپنی طرف سے زیادتی کرنا ضلالت کا سبب ہے، جیسے ارشاد ہے۔ قُل يَا أَهلَ الكِتَابِ لَا تَغلُوا فِي دِينِكُم غَيرَ الحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوا أَهوَاءَ قَومٍ قَد ضَلُّوا مِن قَبلُ وَأَضَلُّوا كَثِيرًا وَضَلُّوا عَن سَوَاءِ السَّبِيلِ. (سورۃ المائدۃ آیت:۷۷).

۞...... ترك العمل : بدعملی اختیار کرنا ضلالت وگمراہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ أَلَم تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِنَ الكِتَابِ يَشتَرُونَ الضَّلَالَةَ وَيُرِيدُونَ أَن تَضِلُّوا السَّبِيلَ .(سورۃ النساء آیت:۴۴).

۞......الاعراض عن طاعة الرسول :رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے اعراض کرنا ضلالت اور گمراہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَلَولَا فَضلُ اللَّهِ عَلَيكَ وَرَحمَتُهُ لَهَمَّت طَائِفَةٌ مِنهُم أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلَّا أَنفُسَهُم . (سورۃ النساء آیت:۱۱۳) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَى رَسُولِهِ وَالكِتَابِ الَّذِي أَنزَلَ مِن قَبلُ وَمَن يَكفُر بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَاليَومِ الآخِرِ فَقَد ضَلَّ ضَلَالًا بَعِيدًا. (سورۃ النساء:۱۳۶).

۞......الصد عن سبيل الله :قرآن وسنت ست خلقِ خدا کو روکنا ضلالت اور گمراہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَن سَبِيلِ اللَّهِ قَد ضَلُّوا ضَلَالًا بَعِيدًا. (سورۃ النساء آیت:۱۶۷).

۞...... اتباع الهواء: خواہشات کی اتباع اور پیروی کرنا ضلالت وگمراہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ قُل إِنِّي نُهِيتُ أَن أَعبُدَ الَّذِينَ تَدعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ قُل لَا أَتَّبِعُ أَهوَاءَكُم قَد ضَلَلتُ إِذًا وَمَا أَنَا مِنَ المُهتَدِينَ. (سورۃ الأنعام آیت:۵۶).

۞...... الاعتراض على الرسل: انبیاء علیہم السلام پر اعتراضات کرنا ضلالت اور گمراہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَقَالُوا مَالِ

=======================

= وهو أن يزيّن للإنسان الباطل ليَضِلّ كقوله تعالى:﴿ لَهَمَّت طَّائِفَةٌ مِّنهُم أَن يُضِلُّوكَ وَمَا يُضِلُّونَ إِلاَّ أَنفُسَهُم﴾ أى يَتَحَرَّون أفعالا يقصدون بها أن تَضِلّ فلا يحصل من فعلهم ذلك إلاَّ ما فيه ضلال أنفسهم.

وإضلال الله تعالى للإنسان على وجهين: أحدهما: أن يكون سببه الضلال. وهو أن يَضِلّ الإنسانُ فيحكم الله عليه بذلك فى الدنيا ويعدل به عن طريق الجنَّة إلى النار فى الآخرة. وذلك الإضلال هو حق وعَدل؛ فإِنَّ الحكم على الضَّال بضلاله والعدولَ به عن طريق الجنَّة إلى النار حقّ وعدل. والثانى: من إضلال الله: هو أَنَّ الله تعالى وضع جِبِلَّة الإنسان على هيئةٍ إذا راعى طريقًا محمودًا كان أو مذمومًا أَلِفه واستطابهُ وتعسّر عليه صرفُه وانصرافه عنه. ويصير ذلك كالطبع الذى يأبى على النَّاقل؛ ولذلك قيل: العادة طبع ثان. وهذه القوّة فينا فعلٌ إلهىّ. (بصائر ذوی التمیز :۳/۴۸۳-۴۸۴)

هَـذَا الـرَّسُولِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمشِي فِي الأَسوَاقِ لَولَا أُنزِلَ إِلَيهِ مَلَكٌ فَيَكُونَ مَعَهُ نَذِيرًا أَو يُلقَى إِلَيهِ كَنزٌ أَو تَكُونُ لَـهُ جَـنَّةٌ يَـأكُـلُ مِـنهَـا وَقَـالَ الـظَّالِمُونَ إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا رَجُلًا مَسحُورًا انظُر كَيفَ ضَرَبُوا لَكَ الأَمثَالَ فَضَلُّوا فَلَا يَستَطِيعُونَ سَبِيلًا .(سورۃ الفرقان آیت:۷-۹).

۞......التودد مع أعداء الله : اللہ تعالی کے دشمنوں کیساتھ دوستی ومحبت کرنا ضلالت اور گمراہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا الَّـذِيـنَ آمَـنُوا لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُم أَولِيَاءَ تُلقُونَ إِلَيهِم بِالمَوَدَّةِ وَقَد كَفَرُوا بِمَا جَاءَكُم مِنَ الحَقِّ يُخرِجُونَ الـرَّسُـولَ وَإِيَّاكُم أَن تُؤمِنُوا بِاللَّهِ رَبِّكُم إِن كُنتُم خَرَجتُم جِهَادًا فِي سَبِيلِي وَابتِغَاءَ مَرضَاتِي تُسِرُّونَ إِلَيهِم بِالمَوَدَّةِ وَأَنَا أَعلَمُ بِمَا أَخفَيتُم وَمَا أَعلَنتُم وَمَن يَفعَلهُ مِنكُم فَقَد ضَلَّ سَوَاءَ السَّبِيلِ.(سورۃ الممتحنۃ آیت:۱).

۞......عبادة الكواكب : ستاروں کی پُوجا کرنا ضلالت اور گمراہی کا سبب ہے، جیسے ارشاد ہے۔ فَلَمَّا رَأَى القَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِن لَم يَهدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ مِنَ القَومِ الضَّالِّينَ .(سورۃ الأنعام آیت:۷۷)

۞...... عـصيان الرسل : اللہ تعالی کے مبعوث کردہ مبارک ہستیوں کی نافرمانی کرنا ضلالت اور گمراہی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ مَا كَانَ لِمُؤمِنٍ وَلَا مُؤمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمرًا أَن يَكُونَ لَهُمُ الخِيَرَةُ مِن أَمرِهِم وَمَن يَعصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَد ضَلَّ ضَلَالًا مُبِينًا.(سورۃ الأحزاب آیت:۳۶) وغیرہ۔

ایک اشکال اوراس کا جواب:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب غضب اور ضلالت کے اسباب متعدد ہیں تو پھر یہود کو''مغضوب علیہم'' اور نصاریٰ کو ''ضالین'' کیوں کہا گیا ہے، حالانکہ ان دونوں میں ہر ایک فریق ''مغضوب'' اور ضآل ہیں، پھر تخصیص کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

جواب : اگر چہ یہ دونوں اسباب یہود ونصاریٰ میں موجود تھے، لیکن یہود میں مغضوبیت غالب تھی اور جب کہ نصاری میں ضلالت غالب تھی، تو اسی وجہ سے یہود کو مغضوبیت اور نصاریٰ کو ضلالت کیساتھ خاص کیا گیا ہے، مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ إنما سمى كل من اليهود والنصارى بما ذكر مع أنه مغضوب عليه وضالّ لاختصاص كل منهما بـمـا غـلـب عـليه وقال صلى الله عليه وسلم إن المغضوب عليهم اليهود وإنّ الضالين النصارى رواه ابن حبان وصححه. (۱)

==========================

(۱) تفسیر السراج المنیر :۱/۱۹-۲۰.

معروف عالم رعلامہ احمد رومیؒ مجالس الأ برار میں مزید وضاحت کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں۔

وانما سمی الیهود بالمغضوب والنصاری بالضالین مع کون کل واحد منهما ضآلًا ومغضوبا علیهم؛ لکون کل واحد منهما مختصاً بما غلب علیه من الجهل و العناد ؛ فان الیهود کانوا أمة عناد فخصوا بالغضب، والنصاری کانوا أمة جهل فخصوابالضلال؛ ولهذا قال سفیان بن عیینه رحمه الله : من فسد من علماء نا ففیه شبه من الیهود ؛لأن الیهود عرفوا الحق ولم یتبعوه بل عدلواعنه ، وکانوا مغضوبا علیهم ، ومن فسد من عبّادنا ففیه شبه من النصاری؛ لأن النصاریٰ لم یعرفوا الحق بل جهلوه وکانوا ضآلین(١).

یعنی یہود میں ترک عمل کی خرابی تھی ، جوغضبِ خداوندی کا سبب ہے اورنصاریٰ میں ترکِ علم کی بیماری تھی ، جوضلالت اور گمراہی کا ذریعہ ہے ،سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں کہ جو ہمارے علماء میں سے بگڑ گیا تو اس میں یہود کی بُو آ گئی ، کیونکہ یہود نے باوجود علم کے عمل کو پسِ پشت ڈال دیا اور جو ہمارے گوشہ نشینوں میں بگڑ گیا تو اس میں نصاری کی بُو پیدا ہوگئی ،اس لیے نصاریٰ نے حق بات کی جاننے کی زحمت ہی نہیں اٹھائی۔

یہودیت اور نصارنیت کی روش!

یہودونصاری کی مغضوبیت وضلالت کا اصل سبب جہل اور ترک عمل تھا ،جس کی وجہ سے وہ ضلالت وگمراہی کے دریا میں تنکے کی طرح بہہ گئے اور رہتی دنیا کے لئے نشانہ عبرت بنے۔اب اگر یہی خرابیاں اُمت مسلمہ کے کسی فرد میں پائی جائیں تو اس میں یہودیت ونصارنیت کی روش پائی جائے گی ۔محدث جلیل سفیان بن عیینہؒ فرماتے ہیں۔

من فسد من علماء نا ففیه شبه من الیهود ؛لأن الیهود عرف الحق ولم یتبعوها بل عدلواعنه، وکانوا مغضوب علیهم ، ومن فسد من عبادنا ففیه شبه من النصاری ؛ لأن النصاریٰ لم یعرف الحق بل جهلوا عنه وکانوا ضآلین (٢).

ہمارے علماء طبقہ میں جو آدمی بگڑ گیا تو اس میں یہودیت کی روش پائی جائے گی ، کیونکہ یہود علم کے باوجود گمراہ ہوئے۔اور جو ہمارے گوشہ نشینوں (پیروں) میں بگڑ گیا تو اس میں نصارنیت کی بُو پیدا ہوگی ،اس لئے کہ نصاری

========================

(١) مجالس الأبرار:٦٦.

(٢) مجالس الأبرار:٦٦، اقتضاء الصراط المستقیم:١/ ٧٩، الفتاوی الکبری:٢/١۴٢، درء تعارض العقل والنقل:۴/ ١٣٧.

نے حق بات سمجھنے کی زحمت ہی نہ اٹھائی۔

الغرض یہود کا نمونہ علمائے سوء اور نصاریٰ کا نمونہ پیرانِ سوء ہیں ۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس حقیقت کا اظہار یوں فرمایا ہے۔

وبالجملة فان شئت أن ترى أنموذج اليهود فانظر الى علماء السوء من الذين يطلبون الدنيا وقد اعتادوا تقليد السلف ، وأعرضوا عن نصوص الكتا ب والسنة ، وتمسكوا بتعمق عالم وتشدده واستحسانه ، فأعرضوا عن كلام الشارع المعصوم ، وتمسكوا بأحاديث موضوعة وتأويلات فاسدة كانت سبب هلاكهم (٢). ☆

اگر تو نے یہود کا نمونہ دیکھنا ہے تو علمائے سوء کو دیکھئے! جو دنیا کے طالب اور قرآن وسنت کے نصوص سے اعراض کرتے ہیں اور ایک بزرگ اور عالم کی اقتداء کو ہی دین سمجھتے ہیں اور اس کے ہر بات کو بہ سروچشم تسلیم کرتے ہیں

=========================

(١) الفوزالكبيرفى أصول التفسير: ٢٥.

(٢) المصدرالسابق:٢٥ .

☆قال شيخ الاسلام ابن تيمية رحمه الله:وَفِى هَذِهِ الْأُمَّةِ مَن يَعرِفُ مَا لَا تَعرِفُهُ اليَهُودُ وَالنَّصَارَى بِلَا عَمَلٍ بِالعِلمِ. فَفِيهِم شَبَهٌ كَمَا قَالَ سُفيَانُ بنُ عُيَينَة : مَن فَسَدَ مِن عُلَمَائِنَا كَانَ فِيهِ شَبَهٌ مِن اليَهُودِ وَمَن فَسَدَ مِن عِبَادِنَا كَانَ فِيهِ شَبَهٌ مِن النَّصَارَى. بَل قَد قَالَ أَبُو هُرَيرَةَ : مَا أَقرَبَ اللَّيلَةَ مِن البَارِحَةِ أَنتُم أَشبَهُ النَّاسِ بِبَنِى إسرَائِيلَ . بَل فِى الحَدِيثِ الصَّحِيحِ : لَتَتَّبِعُنَّ سَنَنَ مَن كَانَ قَبلَكُم شِبرًا بِشِبرٍ وَذِرَاعًا بِذِرَاعٍ حَتَّى لَو دَخَلُوا جُحرَ ضَبٍّ لَدَخَلتُمُوهُ. قَالُوا : اليَهُودُ وَالنَّصَارَى. قَالَ : فَمَن ؟ وَفِى رِوَايَةٍ : فَارِسُ وَالرُّومُ قَالَ : وَمَن النَّاسُ إلَّا أُولَئِكَ . وَقَالَ : افتَرَقَت اليَهُودُ عَلَى إحدَى وَسَبعِينَ فِرقَةً وَافتَرَقَت النَّصَارَى عَلَى ثِنتَينِ وَسَبعِينَ فِرقَةً وَسَتَفتَرِقُ هَذِهِ الْأُمَّةُ عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبعِينَ فِرقَةً كُلُّهَا فِى النَّارِ إلَّا وَاحِدَةً .(مجموع الفتاوى:١٦/ ٥٦٧)

وقال الحافظ ابن القيم رحمه الله: كان السلف يقولون من فسد من علمائنا ففيه شبه من اليهود ومن فسد من عبادنا ففيه شبه من النصارى وهذا كما قالوا فإن من فسد من العلماء فاستعمل أخلاق اليهود من تحريف الكلم عن مواضعه وكتمان ما أنزل الله إذا كان فيه فوات غرضه وحسد من آتاه الله من فضله وطلب قتله وقتل الذين يأمرون بالقسط من الناس ويدعونهم إلى كتاب ربهم وسنة نبيهم إلى غير ذلك من الأخلاق التى ذم بها اليهود من الكفر واللى والكتمان والتحريف والتحيل على المحارم وتلبيس الحق بالباطل فهذا شبهه باليهود ظاهر . وأما من فسد من العباد فعبد الله بمقتضى هواه لا بما بعث به رسوله وغلا فى الشيوخ فأنزلهم منزلة الربوبية وجاوز ذلك إلى نوع من الحلول أو الإتحاد فشبهه بالنصارى ظاهر . (بدائع الفوائد:٢/ ٢٦٨)

اوراحادیث موضوعہ پرعمل پیرا ہیں اوریہی انکی ہلاکت اور بربادی کا سبب ہے۔

ایک جگہ رقم طراز ہیں۔

وان شئت أن ترى أنموذجاً لهذا الفريق ، فانظر اليوم الى أولاد المشايخ والأولياء(١) .

اگرنصاریٰ کانمونہ دیکھنا ہوتو پیرانِ سوءاورانکے اولاد کی طرف دیکھنا۔

مزیدوضاحت فرماتے ہیں ۔

وان شئت أن ترى أنموذجاًمن المنافقين ، فانطلق الى مجالس الأمراء ، وانظر الى مصاحبيهم، يرجحون مرضيهم على مرض الشارع(٢) .

اوراگرمنافقین کانمونہ دیکھنا ہوتواپنے زمانے کےسلاطین کودیکھئے جواپنی مرضی کےمطابق فیصلے کرتے ہیں،یعنی رب چاہی قانون کوچھوڑکرمن چاہی قانون کےمطابق فیصلے صادر کرتے ہیں۔

المبحث الرابع : بيان نسبة الاضلال فى القرآن :

قرآنِ مجید میں ''اضلال''(گمراہ کرنے) کی نسبت بعض مقامات میں اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہےاوربعض مقامات میں مخلوق کی طرف کی گئی ہے،یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ''اضلال'' کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف باعتبار الخالقیۃ اورمخلوق کی طرف باعتبار الأسباب کی جاتی ہے۔(٣)

======================

(١) الفوزالكبيرفى أصول التفسير: ٢٥.

(٢) المصدرالسابق:٢٥ .

(٣) إضلَالُ اللهِ تعالى للإنسان على أحد وجهين: أحدهما: أن يكون سببُهُ الضَّلَالَ وهو أن يَضِلَّ الإنسانُ فيحكم الله عليه بذلك فى الدنيا، ويعدل به عن طريق الجنّة إلى النار فى الآخرة، وذلك إضلَالٌ هو حقٌّ وعدلٌ، فالحكم على الضَّالِّ بضَلَالِهِ والعدول به عن طريق الجنّة إلى النار عدل وحقّ. والثانى من إضلَالِ اللهِ: هو أنّ الله تعالى وضع جبلّة الإنسان على هيئة إذا راعى طريقا محمودا كان أو مذموما ألفه واستطابه ولزمه وتعذّر صرفه وانصرافه عنه ويصير ذلك كالطّبع الذى يأبى على الناقل؛ ولذلك قيل: العادة طبع ثان. وهذه القوّة فى الإنسان فعل إلهىّ وإذا كان كذلك وقد ذكر فى غير هذا الموضع أنّ كلّ شيء يكون سببا فى وقوع فعل صحّ نسبة ذلك الفعل إليه فصحّ أن ينسب ضلال العبد إلى الله من هذا الوجه فيقال: أَضَلَّهُ اللهُ لا على الوجه الذى يتصوّره الجهلة ولما قلناه جعل الإِضلَالَ المنسوب إلى نفسه للكافر والفاسق دون المؤمن بل نفى عن =

شیخ القرآنؒ فرمایا کرتے تھے کہ قرآن کریم میں اضلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف تقریباً بتیس مقامات میں کی گئی ہے (۲) اور جب کہ مخلوق کی طرف بارہ مقامات میں ہوئی ہے، جس کی مختصر تفصیل یہ ہے۔

۞...... اضلال کی نسبت جابر وظالم حکمرانوں کی طرف، جیسے وَأَضَلَّ فِرعَونُ قَومَهُ وَمَا هَدَى .(سورۃ طٰہٰ آیت:۷۹).

۞...... اضلال کی نسبت بد باطن سامری کی طرف جیسے قَالَ فَإِنَّا قَد فَتَنَّا قَومَكَ مِن بَعدِكَ وَأَضَلَّهُمُ السَّامِرِيُّ.(طٰہٰ:۸۵).

۞...... اضلال کی نسبت معبودِ باطل کی طرف جیسے رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضلَلنَ كَثِيرًا مِنَ النَّاسِ. (سورۃ ابراہیم آیت:۳۶).

۞...... اضلال کی نسبت گمراہ لیڈروں اور بے ضمیر پیشواؤں کی طرف جیسے وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَ نَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا .(سورۃ الأحزاب آیت:۶۷).

۞...... اضلال کی نسبت اللہ تعالیٰ کے مبعوث کردہ رسول ﷺ کے مخالفین اور مخاصمین کی طرف جیسے وَقَد أَضَلُّوا كَثِيرًا وَلَا تَزِدِ الظَّالِمِينَ إِلَّا ضَلَالًا. (سورۃ نوح آیت:۲۴)

۞...... اضلال کی نسبت مجرمین اور عصاۃ کی طرف جیسے وَمَا أَضَلَّنَا إِلَّا المُجرِمُونَ .(سورۃ الشعراء آیت:۹۹).

۞...... اضلال کی نسبت دُنیا کے مال ومتاع کی طرف جیسے وَقَالَ مُوسَى رَبَّنَا إِنَّكَ آتَيتَ فِرعَونَ وَمَلَأَهُ زِينَةً وَأَموَالًا فِي الحَيَاةِ الدُّنيَا رَبَّنَا لِيُضِلُّوا عَن سَبِيلِكَ رَبَّنَا.(سورۃ یونس آیت:۸۸) وغیرہ۔

====================

= نفسه إضلَالَ المؤمنِ فقال:﴿وَما كانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوماً بَعدَ إِذ هَداهُم﴾ (التوبة:١١٥)، ﴿فَلَن يُضِلَّ أَعمالَهُم سَيَهدِيهِم﴾ (محمد:٤-٥)، وقال في الكافروالفاسق:﴿فَتَعساً لَهُم وَأَضَلَّ أَعمالَهُم﴾(محمد:٨)، ﴿وما يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الفاسِقِينَ﴾ (البقرة:٢٦) ﴿كَذلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ الكافِرِينَ﴾ (غافر:٧٤) ﴿وَيُضِلُّ اللَّهُ الظَّالِمِينَ﴾ (إبراهيم:٢٧) وعلى هذا النّحو تقليب الأفئدة في قوله: ﴿وَنُقَلِّبُ أَفئِدَتَهُم﴾ (الأنعام:١١٠) والختم على القلب في قوله: ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلى قُلُوبِهِم﴾ (البقرة:٧) وزيادة المرض في قوله:﴿ فِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ فَزادَهُمُ اللَّهُ مَرَضاً﴾ (البقرة:١٠). [المفردات في غريب القرآن:۵۱۱-۵۱۲]

(٢) قال الشيخ الاما م محمدطاهر رحمه الله : وينسب الضلاله الى الله تعالى؛ لأنه الخالق، وقدوقع النسبة في القرآن الى الله في اثنين وثلاثين موضعاً كمافي حجج القرآن ص:١٧. ونسبة الاضلال الى الشيطان في ثلاثين موضعاً، وهكذا الاغواء نسب الى الله تعالى في عشر مواضع. [العرفان من أصول القرآن:۱۳۱].

المبحث الخامس : ''آمین'' کامعنی اورفضیلت:

''آمین''اصل میں اسم فعل (مبنی علی الفتح) "استجب دعوتنا یا ربّ العالمین.'' کے معنی میں ہے کہ اے اللہ! ہماری اس التجاء کو اپنی دربارِ عالیہ میں قبول فرما۔''آمین'' مد (آمین) اور قصر (امین) دونوں لغت کیساتھ منقول ہے۔ مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ وعن ابن عباس رضی الله عنهما : سألت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن معناه فقال : افعل بنی علی الفتح كأين لالتقاء الساكنين وجاز مدّ ألفه وقصرها (١).

معروف معاصر عالم علامہ محمد علی صابونی فرماتے ہیں۔ قال ابن الأنباری: وأمّا آمین فدعاء ولیس من القرآن وهو اسم من أسماء الأفعال ومعناه: اللهمّ استجب وفیه لغتان: القصرُ أمین والمدّ آمین فالأول على وزن فعیل والثانی على وزن فاعِل(٢) .

سورہ فاتحہ کے اختتام پر آمین کی شرعی حیثیت:

اس بات پر اہل علم کا اجماع ہے کہ ''آمین'' قرآن مجید میں سے نہیں، تاہم اس کو سورہ فاتحہ کے اختتام میں پڑھنا بلا شبہ سنت ہے(۳)۔اس کی تصریح احادیث میں موجود ہے، نیز سورہ فاتحہ دعا ہے اور''آمین'' کو دعا کے آخر میں پڑھنا اس پر مہر ثبت کردینے کے مترادف ہے۔اب احادیث ملاحظہ فرمائیے۔سنن ترمذی میں سیدنا وائل بن حجر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

قال: سمعت النبی صلى الله عليه وسلم قرأ: غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلا الضَّالِّينَ.

فقال: آمین(٤).

میں نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھتے ہوئے سنا کہ " غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلا الضَّالِّين". تلاوت فرما کر''آمین'' پڑھا۔

سنن أبي داؤد میں سیدنا ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

کان رسول الله صلى الله عليه وسلم إذا تلا غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلا الضَّالِّينَ قال:

==============================

(۱) تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۲۱، روح المعانی:۱/۱۰۰.

(۲) روائع البیان تفسیر آیات الأحکام:۱/۳۱.

(۳) دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۴۴، معالم التنزیل للبغوی:۱/۵۵، روح المعانی:۱/۹۹، السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۲۲.

(٣) أخرجه الترمذی، باب ما جاء فی التأمین :٢/٢٧، رقم : ٢٤٨، وأحمد : ٤/٣١٥، ٣١٥، رقم: ١٨٨٦٢.

آمين(١).

رسول اللہ ﷺ "غَيرِ المَغضُوبِ عَلَيهِم وَلا الضَّالِّين" کے بعد "آمین" پڑھا کرتے تھے۔

آمین کی فضیلت:

احادیث میں آمین کے بے شمار فضائل وارد ہیں، سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

قال: آمين: خاتم رب العالمين على عباده المؤمنين.(٢)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "امین" اللہ تعالی کی طرف سے اہل ایمان پر ایک طرح مہر ہے۔

صحیح ابن خزیمہ میں سیدنا اُنس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

أعطيت آمين فى الصلاة وعند الدعاء لم يعط أحد قبلى إلا أن يكون موسى كان موسى يدعو وهارون يؤمن، فاختموا الدعاء بآمين؛ فإن الله يستجيبه لكم(٣).

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے نماز اور دعا میں اللہ تعالی کی طرف سے "آمین" عطا کیا گیا ہے کہ مجھ سے پہلے یہ کسی کو نہیں دیا گیا تھا بجز حضرت موسی علیہ السلام کے کہ آپ علیہ السلام دعا فرماتے اور حضرت ہارون علیہ السلام اس پر "آمین" پڑھتے۔ پس اپنی دعاؤں کو "آمین" کیساتھ ختم کرو، کیونکہ اللہ تعالی اس کو قبول فرماتے ہیں۔

مسئلہ "آمین" بالجہر پر ایک نظر:

واضح رہے کہ "آمین" کے آہستہ یا بلند آواز سے کہنے کے جواز پر تمام اہل علم کا اتفاق ہے، البتہ احناف ومــــن ســـلك مســـلكهـــم کے نزدیک آہستہ کہنا زیادہ بہتر ہے اور امام شافعیؒ اور دیگر اہل علم کے نزدیک بلند آواز سے کہنا اولی ہے، تاہم یہ

======================

(١) أخرجه أبو داؤد، باب التأمين وراء الإمام:٣٠٩/١، رقم: ٩٣٤، وابن ماجه، باب الجهر بآمين:٢٧٨/١، رقم: ٨٥٣.

(٢) أخرجه الطبرانى فى الدعاء:٨٩، رقم: ٢١٩، وابن عدى فى ضعفاء الرجال:٢٥٠/٦، أورده ابن كثير فى التفسير: ١٤٦/١، والماوردى فى النكت والعيون:٤٤٨/٢، والقرطبى فى أحكام القرآن:١٢٨/١، وضعفه الألبانى فى السلسلة الضعيفة:٦٧٧/٣.

(٣) أخرجه ابن خزيمة فى الصحيح، باب ذكر حسد اليهود المؤمنين على تأمينهم: ٣٩/٣، رقم: ١٥٨٦، وذكره ابن كثير فى التفسير: ١٤٦/١.

اختلاف جواز وعدم جواز میں نہیں، بلکہ اولی عدم اولی، راجح ومرجوح کا ہے(۱)۔

''آمین'' ایک دعا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں مشہور تابعی عطاء کا قول نقل ہے۔ آمین الدعاء (۲).

اب جب یہ بات ثابت ہوئی کہ ''آمین'' دعا ہے اور دعا میں بلاشبہ اخفاء اولی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ ادعُوا رَبَّكُم تَضَرُّعًا وَخُفيَةً إِنَّهُ لَا يُحِبُّ المُعتَدِينَ. (سورۃ الأعراف آیت:۵۵). اورحضرت زکریا علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا۔ إِذ نَادَى رَبَّهُ نِدَاءً خَفِيًّا. (سورۃ مریم آیت:۳).

خلاصہ کلام یہ ہے کہ ''آمین'' دعا ہے اور دعا میں اصل اخفاء ہوتی ہے، لہٰذا اسی وجہ سے ساداتِ حنفیہ ''آمین'' بالسر کو ترجیح دیتے ہیں۔ مزید دلائل اور تفصیل عنقریب انشاءاللہ آئے گی۔ (۳)

====================

(۱) قال الحافظ ابن القيم رحمه الله: من هذا أيضا جهر الإمام بالتأمين، وهذا من الاختلاف المباح الذى لا يعنف فيه من فعله ولا من تركه، وهذا كرفع اليدين فى الصلاة وتركه، وكالخلاف فى أنواع التشهدات وأنواع الأذان والإقامة وأنواع النسك من الإفراد والقران والتمتع. [زادالمعادفى هدى خيرالعباد:۱/۲٦۲].

(۲) صحيح بخارى، باب جهرالامام بالتأمين:۱/۲۷۰.

(۳) والحاصل من معنى الآيتين كما قاله المراغى: أنّ الله سبحانه وتعالى أمرنا باتباع صراط من تقدّمنا؛ لأنّ دين الله واحد فى جميع الأزمان فهو إيمان بالله ورسله واليوم الآخر وتخلّق بفاضل الأخلاق وعمل الخير وترك الشرّ وما عدا ذلك فهو فروع وأحكام تختلف باختلاف الزمان والمكان يرشد إلى ذلك قوله تعالى: ﴿إِنَّا أَوحَينا إِلَيكَ كَما أَوحَينا إِلى نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِن بَعدِهِ﴾. والـمَغضُوبِ قيل: هم الذين بلغهم الدين الحقّ الذى شرعه الله تعالى لعباده فرفضوه ونبذوه ورائهم ظهريّا وانصرفوا عن النظر فى الأدلّة؛ تقليدا لما ورثوه عن الآباء والأجداد وهؤلاء عاقبتهم النكال والوبال فى نار جهنم وبئس القرار. والضالّون: هم الذين لم يعرفوا الحقّ أو لم يعرفوه على الوجه الصحيح وهؤلاء هم الذين لم تبلغهم رسالة أو بلغتهم على وجه لم يستبن لهم فيه الحقّ فهم تائهون فى عماية لا يهتدون معها إلى مطلوب تعترضهم الشّبهات التى تلبّس الحق بالباطل والصواب بالخطأ إن لم يضلّوا فى شؤون الدنيا فقد ضلّوا فى شؤون الحياة الآخرة فمن حرم هدى الدين ظهر له أثر الاضطراب فى أحواله المعيشيّة وحلّت به الرزايا والذين جاؤوا على فترة من الرسل لا يكلّفون بشريعة ولا يعذّبون فى الآخرة؛ لقوله تعالى: ﴿وَما كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّى نَبعَثَ رَسُولًا﴾. وهذا رأى جمهرة العلماء وترى فئة منهم: أنّ العقل وحده كاف فى التكليف فمتى أوتيه الإنسان وجب عليه النظر فى ملكوت السموات والأرض والتدبّر والتفكّر فى خالق الكون وما يجب له من عبادة وإجلال بقدر ما يهديه عقله ويصل إليه اجتهاده وبذلك ينجو من عذاب النار يوم القيامة فإن لم يفعل ذلك كان من الهالكين. [حدائق الروح والریحان:۱/۸۲-۸۳].

اب ہم حسب معمول سورہ فاتحہ کے اختتام میں امتیازات السورۃ بیان کرتے ہیں، جنہیں ہم " المقاصد والمطالب العالیة وبیان المخمسات ." کے عنوان تعبیر کرتے ہیں، لیکن اس سے قبل ہم سورہ فاتحہ کے چند فوائد بیان کریں گے، جنہیں ہم "الفوائد العالیة للرد علی الفرق الباطلة " کے عنوان سے معنون کرتے ہیں۔

الفوائد العالیة للرد علی الفرق الباطلة

حق و باطل کا کشمکش روزِ اول سے تاہنوز جاری ہے اور یہ تسلسل قیامت کی صبح تک جاری رہے گا، یہ دراصل شیطان مردود کی مذموم سعی کا نتیجہ ہے۔انسانیت کے اس ازلی دشمن جس نے " فَبِعِزَّتِكَ لأُغوِيَنَّهُم أَجمَعِينَ " کی قسم اٹھا کر اپنی عداوت کا برملا اظہار کیا تھا۔وہ اس مذموم عزم میں ایک حد تک کامیاب رہا، اور خلق خدا کو صراطِ مستقیم سے ہٹانے کے لیے ہر مذموم سعی سے دریغ نہیں کی ۔عقائد واعمال دونوں پر ڈاکہ زنی کر کے انسانیت کو مختلف فرقوں میں بانٹا، کسی کو خالق حقیقی کے وجود سے انکار کرنے پر آمدہ کیا۔کسی کو کفر وشرک کے بھیانک وساوس ڈالے ۔کسی کو روزِ جزاء کے جھٹلانے پر ابھارا۔کسی کے گردن میں بدعات ورسومات کا طوق ڈالا۔اور کسی کو بُرے اعمال مزین کر کے بدعملی کے سیلاب میں تنکے کی طرح بہادیا۔

الغرض اس کے منحوس محنت نے تفرقہ بازی ڈال کر انسانیت کا شیرازہ بکھیر دیا۔قرآنِ مجید نے ان تمام فرقوں کی بیخ کنی کر کے دینِ اسلام کی حقانیت کا پیغام سنایا۔

اب سورہ فاتحہ جو پورے قرآن مجید کا تمہید واجمالی خلاصہ ہے، اس میں ان تمام فرق ہائے باطلہ کی اجمالا تردید کی گئی ہے۔ ملاحظہ کیجئے۔

الفائدة الأولی : "الحمد لله " میں مشرکین کی تردید کی گئی ہے کہ تمام صفاتِ کارسازی اللہ تعالی ہی کے لئے ہیں اس کیساتھ ان صفات میں کوئی شریک نہیں، وہ یکتا تمام صفات الوہیت کیساتھ متصف ہے۔

الفائدة الثانیة : "ربّ العالمین " میں دہریہ(۱) کی تردید ہے جو مادے کو نظامِ عالم کے لئے علت مانتے ہیں کہ دنیا کا نظام خود بخود چلتا ہے۔ یہ اپنے وجود اور عدم میں کسی غیر کا محتاج نہیں ۔اس میں اس بات کی صراحت ہے کہ عالم دنیا کے نظام کو چلانے والی ذاتِ باری تعالی ہے۔

=====================

(۱) الدهرية: هم الذين لايدينون بدين ولايؤمنون ببعث ولاحساب،ويقولون بقدم الدهر، والذين أخبرعنهم القرآن المجيد﴿وما يهلكنا إلا الدهر ...﴾. ولذلك ينسب اليهم دهرية. [المصباح المنير للفيومی:۳/۱۷۰، مادہ(دہر)، الملل والنحل للشہرستانی:۲/۲۴۴].

الفائدة الثالثة : "العالمين" میں مجوس(۱) کی تردید ہے کہ انسانوں کو اللہ تعالی پیدا کرنے والا ہے، لیکن دیگر حیوانات اور عالم کا مربی کوئی اور ہے، تو اس میں فرمادیا کہ تمام کائنات کا مربی اللہ تعالی ہی ہے اور اسکے سوا اور کوئی نہیں۔

الفائدة الرابعة : "الرحمن الرحیم" میں مشرکین فی البرکات کی تردید ہے، یعنی جو اللہ تعالی کے سوا اپنے معبودوں کو برکات دہندہ سمجھتے ہیں کہ "المبارك فی كل شئی" اللہ تعالی ہی ہے اس کے سوا اور کوئی نہیں۔

الفائدة الخامسة: "مالك يوم الدين" میں منکرین قیامت کی تردید کی گئی ہے اور اس کیساتھ ساتھ "المستعينين بالعباد الصالحين" کی بھی تردید کی گئی ہے، یعنی وہ اللہ تعالی کے علاوہ کسی غیر کو اپنے لئے شفعاء اور سفارشی مانتے ہیں کہ کل قیامت کے دن کا مالک ومختار اللہ تعالی ہی ہے۔

الفائدة السادسة : "اياك نعبد" میں جبریہ(۲) کی تردید ہے کہ انسان اپنے افعال کا نہ کاسب ہے اور نہ خالق ہے، بلکہ مجبورِ محض ہے تو اس سے ان کی تردید کی گئی ہے کہ اگر انسان مجبورِ محض ہے تو پھر وہ کیوں یہ کہتا ہے کہ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں؟ یعنی عبادت (فعل) کی نسبت اپنی طرف کرتا ہے، یہ اس بات کی دلیل ہے کہ انسان اپنے افعال کا کاسب نہیں۔

الفائدة السابعة: "اياك نستعين" میں معتزلہ(۳) اور قدریہ(۴) کی تردید ہے، معتزلہ اور قدریہ کا نظریہ ہے

========================

(۱) المجوس: كصَبُورٍ، رَجُلٌ صَغِيرُ الأُذُنَينِ، كانَ فى سابِقِ العُصُور، أَوَّلُ مَن وَضَعَ ديناً لِلمَجُوسِ ودَعَا إِليه، قالَهُ الأَزهَرِيُّ، وليسَ هُو زَرَادُشت الفارِسِيّ، كما قالَهُ بعضٌ؛ لأَنَّه كانَ بَعدَ إِبرَاهِيمَ عليه السلامُ، والمَجُوسِيَّةُ: دينٌ قديمٌ، وإِنمَا زَرَادُشت جَدَدَه وأَظهَره وزادَ فيه، قالَهُ شَيخُنا قال: هو مُعَرَّبٌ أَصلُه مِنج كُوش فعُرِّب مَجُوس. [تاج العروس للزبیدی:۱۶/۴۹۵].

(۲) الجبرية: الجبر: هو نفى الفعل حقيقة عن العبد وإضافته إلى الرب تعالى ،والجبرية أصناف: فالجبرية الخالصة: هى التى لا تثبت للعبد فعلا ولا قدرة على الفعل أصلا. والجبرية المتوسطة: هى التى تثبت للعبد قدرة غير مؤثرة أصلا، فأما من أثبت للقدرة الحادثة أثرا ما فى الفعل، وسمى ذلك كسبا فليس بجبرى، والمعتزلة يسمون من لم يثبت للقدرة الحادثة أثرا فى الإبداع والإحداث استقلالا جبريا۔ ويلزمهم أن يسموا من قال من أصحابهم بأن المتولدات أفعال لا فاعل لها جبريا؛ إذ لم يثبتوا للقدرة الحادثة فيها أثرا، والمصنفون فى المقالات عدوا النجارية والضرارية من الجبرية. [الملل والنحل للشہرستانی:۱/۸۴].

(۳) المعتزلة: إنما سُمُّوا المعتزلة لاعتزالهم الحق، وقيل: لاعتزالهم أقاويل المسلمين؛ لأن الناس كانوا مختلفين فى مرتكب الكبيرة، فقال بعضهم: هم مؤمنون بما معهم من الإيمان، وقال بعضهم: هم الكافرون، فأحدث واصل بن عطاء قولاً ثالثاً وفارق المسلمين واعتزل المؤمنين فقال: ما هم بمؤمنين ولا كافرين، فسُمّوا بذلك المعتزلة. [الغنیۃ لطالبی طریق الحق:۱/۱۲۹].

(٤) القدرية: هم فرقة من فرق المعتزلة، وقدسلكوا مسلك الجهنى، وهو أول من تكلم فى الاسلام فى القدر، ويذكر أنه =

کہ انسان قادرِ مطلق ہے یعنی اپنے افعال کا خالق بھی ہے۔

اور کاسب بھی ہے تو یہاں ان کی تردید کی گئی ہے کہ اگر انسان قادرِ مطلق ہے تو پھر یہ کیوں کہتا ہے۔ "ایاك نستعین" کہ ہم اپنے حاجات وضروریات کا تجھ ہی سے مطالبہ کرتے ہیں، تو اس سے معلوم ہوا کہ انسان قادرِ مطلق نہیں۔

الفائدة الثامنة : "ایاك نعبد وایاك نستعین" میں مرجئہ (۱) کی بھی تردید ہے، کیونکہ مرجئہ کا نظریہ ہے " المعصیة لا تضر مع الایمان کما لا تنفع مع الکفر طاعة. یعنی نجات کے لئے محض ایمان کافی ہے اعمال کی چنداں ضرورت نہیں۔ یہاں تردید اس طور پر ہے کہ اگر اعمال کی ضرورت نہیں، تو پھر انسان کو کیوں مکلّف بالعبادة والاستعانة کیوں ٹھہرایا گیا ہے؟

الفائدة التاسعة : "اهدنا الصراط المستقیم " میں اہلِ بدعت کی تردید ہے، کیونکہ انہوں بزعم خود اپنی نجات اور فلاح کے لیے مختلف خودساختہ طریقے اور راستے اختیار کیے، حالانکہ راہ نجات صرف اور صرف قرآن وسنت کا ہے، اس کے علاوہ باقی راستے ہلاکت اور بربادی کی طرف لے جانے والی ہیں۔

الفائدة العاشرة : "اهدنا الصراط المستقیم " میں منکرینِ حدیث اور منکرینِ ختمِ نبوت کی تردید کی گئی ہے کہ صراطِ مستقیم صرف اور صرف سنۃ الرسول اور سبیل الرسول ہے۔

الفائدة الحادی عشرة: "أنعمت علیهم " میں منکرینِ ختمِ نبوت اور انبیاء علیہم السلام کے عصمت کے منکرین کی

========================

= أخذذلك من نصرانی من الأساورة ، وتلمذ ه غیلان الدمشقی، وقدکان هذا الأخیرمن المبالغین فی القول بنفی القدر، حتی أسرف بذلك فی أیام هشام بن عبدالملك الذی کان شدیداً علی القدریة ، فأمربصلبه علی باب دمشق، وقدسموا بالقدریة لنفیهم القدر، وقالوا: ان العبدهوالفاعل للخیروالشروالایمان والکفر، وانه هوخالق أفعاله ، وفاعله من غیرأن یکون ذلك داخلاً فی ارادة اللہ تعالی وخلقه، وقدورد فی ذم القدریة أحادیث فی السنن وغیرها، منهامارواه أبوداؤدمن حدیث ابن عمرعن النبی ﷺ قال: القدریة مجوس هذه الأمة ،ان مرضوافلاتعودوهم ، وان ماتوافلاتشهدوهم . [الملل والنحل للشہرستانی: ۴۲/۱، التبصیر فی الدین:۶۳].

(۱) المرجئه: انماسموا المرجئة: لأنهاذعمت أن الواحدمن المکلفین اذا قال: لااله الا الله محمد رسول الله وفعل بعدذلك سائرالمعاصی لم یدخل النارأصلاً، وأن الایمان قول بلاعمل ، والأعمال الشرائع ، والایمان قول مجرد ، والناس لایتفاضلون فی الایمان. [الغنیة لطالبی طریق الحق:۱/ ۱۲۷، الملل والنحل للشہرستانی:۱/ ۱۳۸، التبصیر فی الدین:۹۷].

تردید ہے کہ منعوم علیہم میں سرِ فہرست انبیاء علیہم السلام ہیں، اور وہ اس کے اولین افراد ہیں۔

الــفــائدة الثانی عشرة : "أنـعـمت علیهم " میں روافض(۱) اورخوارج (۲) کی تردید ہے، کیونکہ وہ اصحابِ رسول ﷺ کو تنقید وتنقیص کا نشانہ ہدف بناتے ہیں۔ یہاں ان کی تردید ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین منعوم علیہم ہیں۔ (۳).

اب ہم یہاں سورہ فاتحہ کے امتیازات بالفاظِ دیگر "الـمـقـاصـد أوالـمـطـالب العالية وبيان المخمسات ." کو اختصار کیساتھ ذکر کرتے ہیں۔

========================

(۱) والـروافـض: جـنـود تـركـوا قائدهم، وانصرفوا فكل طائفة منهم رافضة، والنَّسَب إليهم رافِضِيّ، وذكر عمر بن شبة عن الأصـمعي أنه قال: سموا رافضة؛ لأنهم كانوا بايعوا زيد بن عليّ، ثم قالوا له: ابرأ من الشيخين نُقاتل معك، فأبى وقال: كانا وزيـرى جـدّى فـلا أبـرأ مـنـهـمـا. فـرفـضوه، وارفضُّوا عنـه؛ فسُمُّوا رافضة. [*تهذیب اللغة*: ۱۲/ ۱۳، *وغریب الحدیث لابن قتیبة*:۱/ ۲۰، *ولسان العرب*:۷/ ۱۵۶، *المصباح المنیر للفیومی*:۱/ ۲۳۲].

وقـال الـعلامة عبدالقاهر البغدادى رحمه الله : واتفقوا(أهل السنة) على أن اصول أحكام الشريعة: القرآن والسنة وإجماع السـلف وأكفروا من زعـم من الرافضة أن لا حجة اليوم فى القرآن والسنة؛ لدعواه فيها أن الصحابة غيروا بعض القرآن وحرفوا بعضه. [*الفرق بین الفرق*:۳۱۵].

وقـال الإمـام الشعبى رحمه اللّٰه: إن الروافض شر من اليهود والنصارى؛ فإن اليهود سئلوا عن أخبار ملتهم فقالوا : أصحاب مـوسى، والنصارى سئلوا عن أخبار ملتهم فقالوا: الحواريون الذين كانوا مع عيسى عليه السلام. وسئلت الرافضة عن شر هذه الأمة فـقـالـوا: أصـحاب محمد، فلا جرم يكون سيف الحق مسلولا عليهم إلى يوم القيامة، ولا يرى لهم قدم ثابت، ولا كلمة مـجتـمـعة، ولا راية مـنـصوبة، ولا ينصرهـم أحد الأصار مخذولا لشؤم بدعتهم. والعجب أنهم يتكلمون فى الصحابة ويسئون القول فيهم، ولا يتأملون كتاب اللّٰه حيث أثنى عليهم . [*التبصیر فی الدین للإسفرائنی*: ۴۱-۴۲].

وقـال أحـمـد بـن يـونـس رحـمـه الـلّٰـه : لو أن يهوديا ذبح شاة، وذبح رافضى؛ لأكلت ذبيحة اليهودى، و لم آكل ذبيحة الرافضى؛ لأنه مرتد عن الإسلام. [*الصارم المسلول للإمام ابن تیمیة*:۴۱۲].

وقال الإمام ابن حزم رحمه اللّٰه : فإن الروافض ليسوا من المسلمين ، إنما هى فرقة حدث أولها بعد موت رسول اللّٰه صلى الـلـه عـليـه وسـلم بخمس وعشرين سنة، وكان مبدؤها إجابة من خذله اللّٰه تعالى لدعوة من كاد الإسلام، وهى طائفة تجرى مجرى اليهود والنصارى فى الكذب والكفر. [*الفصل فی الملل والنحل*:۲/ ۲۵].

وقـال شيـخ الإسلام ابن تيمية رحمه اللّٰه فى معرض حديثه عن الرافضة فى منهاج السنة : واللّٰه يعلم وكفى باللّٰه عليماً ليس فى جميع الطوائف المنتسبة إلى الإسلام مع بدعة وضلالة شر منهم، لا أجهل، ولا أكذب، ولا أظلم، ولا أقرب إلى الكفر=

المقاصدالمهمة والمطالب العالية وبيان المخمسات

سورۃ فاتحہ کواُم القرآن اوراُساس القرآن ہونے کا شرف حاصل ہے،قرآن مجید کے جملہ مضامین اورمطالب سورۃ فاتحہ میں مذکور ہیں،الفاظ اگر چہ قلیل ہیں،لیکن مطالب اورمعانی کےلحاظ سےاس میں اس قدر فصاحت وبلاغت کے موتی سموئے ہوئے ہیں کہ جس کی حقیقت اورکنہ پرمطلع ہونا انسانی طاقت سے بالاتر ہے،تاہم ذیل میں چند مقاصد مہمہ اورمطالب عالیہ کو بیان کیاجاتاہے۔

۞...... سورت کی ابتداء میں اللہ تعالی کے پانچ صفات (اللہ ،ربّ، رحمٰن، رحیم، مالک) بیان کاہےاورسورت کےآخرمیں مخلوق کےاوصاف (منعوم علیہم،مغضوب علیہم،ضآلین) کا بیان ہے کہ مخلوق میں اللہ تعالی کےفرمانبرداراورنافرمان دونوں ہیں۔

۞...... سورت کی ابتداء میں اللہ تعالی کے وصف رحمانیت اوررحیمیت کا بیان ہےاوراس کیساتھ ساتھ ایک اہم مسئلہ اُم الخیرات

==============================

= والفسوق والعصيان، وأبعد عن حقائق الإيمان منهم. [منهاج السنة النبوية:۵/۱۶۱].

(۲) الخوارج : اعلم أن الخوارج عشرون فرقة وكلهم متفقون على أمرين لا مزيد عليهما فى الكفر والبدعة أحدهما: إنهم يزعمون أن عليا وعثمان وأصحاب الجمل والحكمين، وكل من رضى بالحكمين كفروا كلهم . والثانى: أنهم يزعمون أن كل من أذنب ذنبا من أمة محمد فهو كافر ويكون فى النار خالدا مخلدا إلا النجدات منهم؛ فإنهم قالوا: إن الفاسق كافر على معنى أنه كافر نعمة ربه فيكون اطلاق هذه التسمية عند هؤلاء منهم على معنى الكفران لا على معنى الكفر، ومما يجمع جميعهم أيضا تجويزهم الخروج على الإمام الجائر والكفر لا محالة لازم لهم لتكفيرهم أصحاب رسول الله . [التبصير فى الدين للإسفرايني:۴۵].

(۳) قال الشيخ الامام محمدطاهر رحمه الله: وفيهاالردعلى الفرق الباطلة فعلى المشركين بقوله:﴿الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ .الرَّحمَنِ الرَّحِيمِ .مَالِكِ يَومِ الدِّينِ﴾ حيث يحمدون لغيره ظانين منهم الرحمة. وعلى المبتدعين بقوله تعالى:﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ﴾ حيث ابتدعوا طريقا من أنفسهم سوى الاتباع لرسوله. وعلى الدهريين بقوله: ﴿ رَبِّ العَالَمِينَ﴾ أنه اله العالم ومربيهم ويرحمهم لا الدهر، ﴿مَالِكِ يَومِ الدِّينِ﴾ لاعادة الحياة الآخرة. وعلى المجوس بقوله:﴿رَبِّ العَالَمِينَ﴾؛لأنهم يقولون ربوبيته لاتشتمل للحيوان. وعلى منكرى التعلق علمه بالجزئيات بقوله: ﴿الحَمدُ لِلَّهِ﴾؛ وذلك أن الحمد لايكون الا لمن هو عالم بالأشياء جزئيات كانت أوكليات. وعلى منكرى النبوات بالوجوه العشرة التى ذكرناها. وعلى الروافضة بقوله:﴿أنعمت عليهم﴾ أنهم أصحاب محمد صلى الله عليه وسلم؛ لأنهم عرفوا الحق واتبعوه. وعلى القدرية والمعتزلة بقوله:﴿اياك نستعين﴾؛ ان العبد محتاج الى الاستعانة ؛ لأنه فاعل مختار. [سمط الدرر فى ربط الآيات والسور:۳۱-۳۲].

کا بیان ہے، جو جملہ حسنات کے لیے مبدء ہے اور وہ مسئلہ "الاقبال الی اللہ" ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالی کے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ جملہ اوامر کی اتباع اور نواہی سے اجتناب کرو۔ یہی اللہ تعالی کی رضا جوئی کا منشا ہے۔

اور سورت کے آخر میں ایک دوسرے مسئلہ اُم السیئات کا بیان ہے، جو منبع الآفات اور رأس المخالفات ہے، وہ مسئلہ "الاعراض عن اللہ تعالی" ہے۔ آسان لفظوں میں سورت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالی کے احکامات (توحیدِ باری تعالی) کو دل وجان سے مانو۔ رسول اللہ ﷺ کے رسالت کی تصدیق کرو۔ عبادت صرف اور صرف ایک اللہ تعالی ہی کرو۔ استعانت اور مدد بھی صرف اسی ہی سے طلب کرو۔ اور " لا تعرضوا عن أحكام الله " اللہ تعالی کے احکامات سے اعراض نہ کرنا۔ ورنہ مغضوبین اور ضآلین کی فہرست میں شامل ہو جاؤ گے۔

۞...... سورت میں اللہ تعالی کی توحید اور وحدانیت کو باری تعالی کی پانچ صفات (اللہ، ربّ، رحمٰن، رحیم، مالک) سے ثابت کیا گیا ہے اور اس کیساتھ ساتھ شرک کی نفی کی گئی ہے اور مہلک امراض ریاء، تکبر وغرور اور غضب وضلالت کے علاج کا بیان ہے۔

۞...... **ریاء کا علاج:** ریاء کا علاج "ایاك نعبد" میں ہے کہ میرے اللہ! میں تو تیرا ایک عاجز اور فقیر بندہ ہوں، تیری ہی عبادت کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔

۞...... **تکبر کا علاج:** تکبر اور غرور کا علاج" ایاك نستعین " میں مذکور ہے کہ میں تجھ ہی سے مدد طلب کرتا ہوں اور کرتا رہوں گا۔ میری حیثیت تو محض ایک سوالی و بھکاری کی ہے۔!!

۞...... **غضب اور ضلالت کا علاج:** غضب اور ضلالت کا علاج "اهدنا الصراط المستقيم " میں مذکور ہے کہ میرے اللہ! مجھے صراطِ مستقیم پر قائم ودائم رکھنا۔ غضب اور ضلالت کی تاریکیوں سے مأمون ومحفوظ رکھنا۔ (۱)

۞...... اس سورت میں اللہ تعالی نے بندوں کو مانگنے کا کامل اور مکمل طریقہ سکھایا ہے، جس کو تعلیم المسئلہ کہا جاتا ہے، یعنی جب اللہ تعالی سے کوئی چیز مانگنی ہو تو سب سے پہلے اس کی تعریفیں بیان کرو۔ اور اس کے بعد خود کو عاجز و فقیر اور سوالی سمجھ کر پھر اللہ تعالی کے دربار میں اپنی حاجات پیش کرو۔ تب دعا کو شرف قبولیت نصیب ہوگی۔

=========================

(۱) قال الشيخ الامام محمد طاهر رحمه الله: ومنها علاج أمراض المهلكة من الرياء بـ اياك نعبد، والكبر بـ اياك نستعين. والضلال والغضب [بـ] اهدنا الصراط المستقيم، فاذا شفي من تلك الأمراض صار من " الذين أنعمت عليهم." [سمط الدرر في ربط الآيات والسور: ۳۳].

۞...... اس سورت میں توسل الی الله بالأعمال الصالحة کا بیان ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ اعمالِ صالحہ کے طفیل اللہ تعالی کا قرب تلاش کرو، اوراس کے وسیلے سے اپنی حاجات طلب کرو۔ اور وہ اعمال یہ تین ہیں:۔ ۱۔ بیان صفات الله تعالی . ۲۔ العبادة لله وحده. ۳۔ الاستعانة بالله وحده.(۱)

۞...... اس سورت میں فرقِ ثلاثہ کے جزاء وسزا کا اجمالی طور پر بیان ہے کہ کونسا فریق کس جزاء وسزا کا مستحق ہے، جس کا حاصل یہ ہے:۔ ۱۔ الإنعام للمهتدين . ۲۔ والغضب للمعاندين . ۳۔ والضلالة للمجادلين .(۲)

امام فخر الدین رازیؒ تفسیر کبیر میں فرماتے ہیں سورہ فاتحہ دس صفات پر مشتمل ہے، جن میں پانچ صفاتِ باری تعالی اور پانچ صفات مخلوق کے مذکور ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔

وأما فوائد الأسماء الخمسة المذكورة فى هذه السورة فأشياء :

النكتة الأولى : أن سورة الفاتحة فيها عشرة أشياء: منها خمسة من صفات الربوبية، وهى : الله، والرب، والرحمن، والرحيم، والمالك. وخمسة أشياء من صفات العبد وهى : العبودية، والاستعانة، وطلب الهداية، وطلب الاستقامة، وطلب النعمة كما قال : ﴿ صِرَاطَ الذين أَنعَمتَ عَلَيهِم﴾ فانطبقت تلك الأسماء الخمسة على هذه الأحوال الخمسة، فكأنه قيل : ﴿إياك نعبد﴾؛ لأنك أنت الله، ﴿وإياك نستعين﴾؛ لأنك أنت الرب. ﴿ إهدنا الصراط المستقيم﴾؛ لأنك أنت الرحمن ، وارزقنا الاستقامة؛ لأنك أنت الرحيم، وأفض علينا سجال نعمك وكرمك؛ لأنك ﴿مالك يوم الدين﴾.

النكتة الثانية : قال عليه السلام: بنى الإسلام على خمس : شهادة أن لا إله إلا الله وأن محمداً رسول الله، وإقام الصلاة ، وإيتاء الزكاة، وصوم رمضان، وحج البيت، فشهادة أن لا إله إلا الله حاصلة من تجلى نور اسم الله، وإقام الصلاة من تجلى اسم الرب؛ لأن الرب مشتق من التربية، والعبد يربى إيمانه بمدد الصلاة، وإيتاء الزكاة من تجلى اسم الرحمن لأن الرحمن مبالغة فى الرحمة وإيتاء الزكاة؛ لأجل الرحمة على الفقراء،

========================

(۱) قال الشيخ الامام محمدطاهررحمه الله : ومنهاطريق التوسل الى الله سبحانه بأعمال الصالحة من تحميده وعبوديته والتوفيق منه لابالوسائل الشركية المخترعة. ومن أراد مزيد الاطلاع فلينظر : سمط الدررفى ربط الآيات والسور:۳۲.

(۲) قال الشيخ الامام محمدطاهررحمه الله: ومنهاذكرالجزاء للفرق الثلاثة بأوجزلفظ الانعام على المهتدين، والغضب والضلال على المعاندين والجاهلين. [سمط الدرر فی ربط الآیات والسور:۳۲]

ووجوب صوم رمضان من تجلى اسم الرحيم؛ لأن الصائم إذا جاع تذكر جوع الفقراء فيعطيهم ما يحتاجون إليه، وأيضاً إذا جاع حصل له فطام عن الالتذاذ بالمحسوسات، فعند الموت يسهل عليه مفارقتها ، ووجوب الحج من تجلى اسم مالك يوم الدين؛ لأن عند الحج يجب هجرة الوطن ومفارقة الأهل والولد وذلك يشبه سفر يوم القيامة وأيضاً الحاج يصير حافياً حاسراً عارياً، وهو يشبه حال أهل القيامة، وبالجملة فالنسبة بين الحج وبين أحوال القيامة كثيرة جداً .

النكتة الثالثة : الحواس خمس : أدب البصر بقوله:﴿ فاعتبروا ياأولى أُولِى الأبصار﴾ [الحشر:٢]. والسمع بقوله : ﴿ الذين يَستَمِعُونَ القول فَيَتَّبِعُونَ أَحسَنَهُ﴾ [الزمر:١٨]، والذوق بقوله :﴿ يأَيُّهَا الرسل كُلُوا مِنَ الطيبات واعملوا صالحاً ﴾ [المؤمنون:١٥] ، والشم بقوله:﴿ إِنّى لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ لَولَآ أَن تُفَنّدُونِ﴾ [يوسف:٩٤]، واللمس بقوله:﴿ والذين هُم لِفُرُوجِهِم حافظون﴾ [المعارج :٢٩، المؤمنون:٥]، فاستعن بأنوار هذه الأسماء الخمسة على دفع مضار هذه الأعداء الخمسة (١).

معروف مفسر علامہ نیسابوریؒ سورہ فاتحہ کے فوائد بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔

فإذا قال: الحمد لله فقد شكر الله واكتفى بالحاصل فزالت شهوته، ومن عرف: أنه رب العالمين زال حرصه فيما لم يجد وبخله فيما وجد، ومن عرف أنه: مالك يوم الدين بعد أن عرف: إنه الرحمن الرحيم زال غضبه، ومن قال: إياك نعبد وإياك نستعين زالكبره بالأول وعجبه بالثانى، وإذا قال: اهدنا الصراط المستقيم اندفع عنه شيطان الهوى، وإذا قال: صراط الذين أنعمت عليهم زال عنه كفره، وإذا قال: غير المغضوب عليهم ولا الضالين اندفعت بدعته، وإذا زالت عنه الأخلاق الستة اندفع عنه الحسد (٢).

===============.

(۱) دیکھئے تفسیر کبیر للرازی:۱/۲۴۲.

(۲) غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۲۵.

سورۃ البقرۃ

بسم الله الرحمن الرحيم

الم ۞ ذَلِكَ الكِتَابُ لَا رَيبَ فِيهِ هُدًى لِلمُتَّقِينَ ۞ الَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالغَيبِ وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ وَمِمَّا رَزَقنَاهُم يُنفِقُون ۞ وَالَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبلِكَ وَبِالآخِرَةِ هُم يُوقِنُونَ ۞ أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِن رَبِّهِم و أُولَئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ ۞

ترجمہ: اس کتاب میں کچھ شک نہیں راہ بتلاتی ہے ڈرانے والوں کو جو کہ یقین رکھتے ہیں بے دیکھی چیز کا اور قائم کرتے ہیں نماز کو اور جو ہم نے روزی دی ہے اس میں سے خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ جو ایمان لائے اس پر کہ جو نازل ہوا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل ہوا تجھ سے پہلے اور آخرت کو وہ یقینی جانتے ہیں وہی لوگ ہیں ہدایت پر اپنے پروردگار کی طرف سے اور وہی لوگ ہیں مراد کو پہنچنے والے۔

سورۃ البقرہ مدنی سورت ہے، یہ قراان مجید کی تمام سورتوں میں سب سے طویل سورت ہے اور سب سے چھوٹی سورت سورۃ الکوثر ہے، سورۃ البقرۃ میں دوسو چھیاسی آیات اور چالیس رکوع ہیں۔ اب اس کے متعلق چند اہم مباحث جاننا ضروری ہیں، تا کہ سورت کے جملہ مضامین کو بآسانی ضبط کیا جا سکے۔ ان مباحث کی تفصیل درج ذیل ہے۔

١ـ فضيلة السورة . ٢ـ تسمية السورة . ٣ـ ربط السورة . ٤ـ دعوى السورة وخلاصتها . ٥ـ مشكلات السورة .

المبحث الأول : فضيلة السورة:

سورۃ البقرۃ کی فضیلت کے متعلق متعدد روایات مروی ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

پہلی روایت:

سنن ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

" لكل شيء سنام وإن سنام القرآن سورة البقرة وفيها آية هي سيدة آي القرآن، هي آية الكرسي."(١)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ہر چیز کا ایک اعلی اور افضل حصہ ہوتا ہے اور قرآن مجید کا اعلی وافضل حصہ سورۃ البقرۃ ہے اور اس میں ایک ایسی آیت ہے جو قرآن مجید کی تمام آیات سے افضل ہے، اور وہ آیت الکرسی ہے۔

دوسری روایت:

صحیح مسلم میں حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

" اقرءوا سورة البقرة؛ فإن أخذها بركة وتركها حسرة ولا يستطيعها البطلة".(٢)

====================

(١) أخرجه الترمذي، باب ماجاء في فضل سورة البقرة وآية الكرسي: ١٥٧/٥، رقم: ٢٨٧٨، والدارمي، باب في فضل سورة البقرة:٥٣٩/٢، رقم: ٣٣٧٧، وأحمد: ٢٦/٥،رقم: ٢٠٣١٥، وابن حبان:٥٩/٣، رقم: ٧٨٠، والحاكم في المستدرك[باب] أخبارفي فضل سورة البقرة:٧٤٨/١، رقم: ٣٨٦٢.

(٢) أخرجه مسلم، باب فضل قراءة القرآن:٥٥٣/١، رقم:٨٠٤، وأحمد:٢٤٩/٥، ٢٥٤، ٢٥٧، رقم: ٢٢٢٠٠، ٢٢٤٧، ٢٢٢٦٧، وابن حبان:٣٢٢/١، والبيهقي في السنن الكبرى: ٣٩٥/٢، رقم:٣٨٦٢.

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ البقرہ کا پڑھا کرو، اس کا پڑھنا باعث برکت اور اس کا چھوڑنا موجبِ حسرت وندامت ہے اور باطل پرست لوگ اس پر قابو نہیں پا سکتے۔

محدثین کرام نے "ولا يستطيعها البطلة" کے کئی مطالب اور مفاہیم بیان کیے ہیں۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے کاہل اور سست لوگ مراد ہیں، اس لیے کہ یہ قرآن مجید کی سب سے بڑی سورت ہے اور اس میں بکثرت اوامر اور نواہی کا بیان ہے، جس کی وجہ سے کاہل اور سست افراد اس کے پڑھنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔

معروف مفسر علامہ قرطبیؒ راوی حدیث معاویہؓ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے ساحر اور جادوگر عناصر مراد ہیں، یعنی اس سورت کے پڑھنے والوں پر کسی کا جادو نہیں چل سکتا۔(۳)

تیسری روایت:

مسند فردوس دیلمی میں حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

"السورة التی يذكر فيها البقرة فسطاط القرآن." (۱)

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سورۃ البقرہ قرآن مجید کے لئے بمنزلہ خیمہ کے ہے۔

اس حدیث میں سورۃ البقرہ کو فسطاط یعنی خیمہ کہا گیا ہے کہ جس طرح خیمہ اپنے رہنے والوں پر محیط ہوتا ہے تو اسی طرح سورۃ البقرہ بھی مضامین اور احکامات کے اعتبار سے پورے قرآن مجید پر محیط ہے، اسی وجہ سے علامہ ابن العربی المالکیؒ فرماتے ہیں۔

"سمعت بعض أشياخی يقول: فيها ألف أمر، وألف نهی، وألف حكم، وألف خبر."(۲).

میں نے اپنے بعض مشائخؒ سے یہ بات سنی ہے کہ سورۃ البقرہ میں ایک ہزار اوامر، ایک ہزار نواہی، ایک ہزار احکام اور ایک ہزار اخبار مذکور ہیں۔

اسی وجہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سورۃ البقرہ کو فقاہت اور معانی کیساتھ بارہ سال میں پڑھی۔ اور آپ کے فرزند حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ سورت آٹھ سال میں پڑھی۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ " وتعلمها عمر رضی الله

======================

(۱) دیکھئے الجامع لأحکام القرآن: ۱/۱۵۲.

(۲) أخرجه الديلمی: ۲/۳۴۴، قال المناوی: (۴/۱۴۹) فيه إسماعيل بن أبی زياد الشامی، قال الذهبی: قال الدارقطنی: يضع الحديث.

(۳) دیکھئے أحکام القرآن لابن العربی: ۱/۱۵، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۱/۱۵۲، الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ۲/۲۱۳،

عنه بفقهها، وما تحتوى عليه فى اثنتى عشرة سنة، وابنه عبد الله فى ثمانى سنين." (١).

چوتھی روایت:

صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

" لا تجعلوا بيوتكم مقابر، وإن البيت الذى تقرأ فيه البقرة لا يدخله الشيطان."(٢).

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اپنے گھروں کو قبرستان مت بناؤ۔ بے شک جس گھر میں سورۃ البقرہ پڑھی جاتی ہو، تو اس میں شیطان داخل نہیں ہوسکتا۔

پانچویں روایت:

صحیح مسلم میں حضرت جبیر بن نفیرؒ سے روایت ہے۔

" قال سمعت النواس بن سمعان الكلابى يقول : سمعت النبى صلى الله عليه و سلم يقول يؤتى بالقرآن يوم القيامة وأهله الذين كانوا يعملون به تقدمه سورة البقرة وآل عمران، وضرب لهما رسول الله صلى الله عليه و سلم ثلاثة أمثال ما نسيتهن بعد قال: كأنهما غمامتان أو ظلتان سوداوان بينهما شرق، أو كأنهما حزقان من طير صواف تحاجان عن صاحبهما."(٣).

حضرت جبیر بن نفیرؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت سمعانؓ سے سنا۔ وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل فرمارہے تھے کہ قیامت کے دن قرآنِ مجید اور اس کے اہل (یعنی جو لوگ دنیا میں اس پر عمل کرتے رہے) کو لایا جائے گا۔ سورۃ البقرۃ اور سورۃ ال عمران ان کی قیادت کررہے ہونگے۔ اور رسول اللہ ﷺ نے ان کے لئے تین مثالیں بیان فرمائیں جو مجھے اس کے بعد نہ بھول سکی۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ وہ دونوں گویا

=====================

(١) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:١/١٥٢.

(٢) أخرجه مسلم، باب استحباب صلاة النافلة فى بيته وجوازها فى المسجد:١/٥٣٩، رقم: ٧٨٠، والترمذى، باب ما جاء فى فضل سورة البقرة وآية الكرسى:٥/١٥٥، رقم: ٢٨٧٧، والبيهقى فى شعب الايمان:٢/٤٥٤، رقم:٢٣٨١.

(٣) أخرجه مسلم، باب فضل قراءة القرآن:١/٥٥٤، رقم:٨٠٥، وأحمد : ٤/١٨٣، رقم:٧٤٧٤، والبيهقى فى شعب الايمان:٢/٤٥١، رقم:٢٣٧٣.

دوسیاہ بادل ہیں یا دوسیاہ سائے ہیں، جن کے درمیان روشنی اور چمک ہے، یا گویا یہ دونوں پرندوں کا گروہ ہیں، جو صفیں باندھے ہوئے ہیں، یہ دونوں اپنے اپنے قاری کی جانب سے جھگڑیں گی۔

سورۃ البقرہ کے فضیلت میں متعدد روایات کُتب احادیث وتفاسیر میں تفصیل کیساتھ مذکور ہیں۔ یہاں پر روایات کا استقصاء مقصود نہیں، اسی لئے ہم چند مذکورہ بالا روایات پر اکتفاء کرتے ہیں۔

المبحث الثانی : تسمیة السورة :

علامہ جلال الدین سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اہل علم سورۃ البقرۃ، سورۃ ال عمران، سورۃ النساء، سورۃ المائدۃ اور سورۃ الأنعام وغیرہ کہنے کو مکروہ کہتے ہیں(۱)، اس لیے طبرانی اور سنن بیہقی میں حضرت أنس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ " لا تقولوا سورة البقرة ولا سورة آل عمران، وسائر القرآن، ولكن قولوا: السورة التي يذكر فيها البقرة، والسورة التي يذكر فيها آل عمران، والقرآن على نحو هذا(۲).

سورۃ البقرۃ، سورۃ ال عمران نہ کہا کرو اور اسی طرح قرآن کریم کی تمام سورتیں...... بلکہ یوں کہا کرو وہ سورت جس میں بقرہ کا ذکر کیا گیا ہے اور وہ سورت جس میں ال عمران کا تذکرہ کیا گیا ہے اور اسی طرح تمام قرآنِ مجید کی سورتوں میں یوں کہا کرو۔ تاہم علامہ سیوطیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت سنداً ضعیف ہے، بلکہ علامہ ابن جوزیؒ نے اس کو موضوع قرار دیا ہے(۳)۔

صحیح بات یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے خود سورۃ البقرۃ، سورۃ ال عمران اور سورۃ النساء وغیرہ کہنا منقول ہے جیسا کہ ماقبل میں سورۃ البقرۃ کے فضائل میں گزر چکا ہے کہ " لكل شيء سنام وإن سنام القرآن سورة البقرة ." اور "اقرءوا سورة البقرة" وغیرہ ذلک...اور اسی طرح سند صحیح کیساتھ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ

========================

(۲) دیکھئے الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی:۱/۱۰۶.

(۱) أخرجه الطبراني في معجم الأوسط:٦/٤٧، رقم: ٨٠٥، والبيهقي في شعب الايمان:٢/٥١٩، رقم:٨٢٢٥، والهيثمي في مجمع الزوائد:٧/٧٠، رقم:١١٦١٧.

(۲) الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی:۱/۱۰۶، والموضوعات لابن الجوزی:۱/۲۵۰، اللآلی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة للسیوطی:۱/۲۱۸، وقال الحافظ ابن حجر في أماليه: أفرط ابن الجوزي في ايراده هذا الحديث في الموضوعات ، ولم يذكر مستنده الا قول أحمد في تضعيف عيس، وهذا لا يقتضي وضع الحديث ، وقد قال الفلاس: صدوق يخطي كثيرا . [تنزیه الشریعة المرفوعة:۱/۲۱۹].

(۳) الاتقان فی علوم القرآن:۱/۱۰۹.

عنہ سے روایت ہے۔ "هذا مقام الذى أنزلت عليه سورة البقرة" یہ وہ مقام ہے جہاں پر سورۃ البقرۃ نازل ہو چکی ہے ۔اور یہی قول جمہور اہل علم کے نزدیک راجح ومختار ہے۔(۳)

کتب تفسیر میں سورۃ البقرۃ کے متعدد نام مذکور ہیں، جن میں چند مشہور یہ ہیں:۔

١ ـ سورة البقرة . ٢ ـ سنام القرآن . ٣ ـ فسطاط القرآن . ٤ ـ ذروة القرآن . ٥ ـ ظهراوين . ٦ ـ نورين . ٧ ـ الكرسى .

سورۃ البقرۃ زیادہ مشہور ہے اسی وجہ سے اس کو ذکر کر دیا گیا ہے۔اور اس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اس سورت کے آٹھویں رکوع میں بقرہ کا واقعہ مذکور ہے اور یہ مجاز مرسل تسمیۃ الکل باسم الجزء کے قبیلے سے ہے۔

واقعہ بقرہ ایک نظر:

واقعہ بقرۃ کی مختصراً تفصیل یہ ہے۔کہ حضرت موسی علیہ السلام ایک طویل عرصہ تک اپنی قوم کو اللہ تعالی کی توحید ووحدانیت کی دعوت دیتے رہے اور انہیں مشرکانہ وجاہلانہ رسوم سے باز رہنے کی تلقین کی، درایں اثناء اللہ تعالی سے کوہ طور آنے کا حکم ہوا، حضرت موسی علیہ السلام حکم الہی کی تعمیل کرتے ہوئے کوہ طور چلے، ادھر سامری نامی آدمی نے اپنی خبث باطن کا اظہار کرتے ہوئے بنی اسرائیل سے سونے کے زیورات اپنے تحویل میں لے کر اس سے بچھڑا نما ایک صورت بنائی، پھر بنی اسرائیل سے کہنے لگا کہ یہ تمہارا الہ ومعبود ہے! ان کے سامنے اپنی حاجات ومطالبات پیش کرو۔بنی اسرائیل دعوت توحید سے انحراف کر کے بچھڑے کی پرستش میں منہمک ہوئے اور اس کی محبت وعقیدت ان کے دلوں میں بس گئی، اور یوں ہی یہ ایک مقدس جانور متصور ہونے لگا۔زمانہ جاہلیت میں یہود اور مشرکین کی باہمی اختلاط اور رہن سہن کی وجہ سے مشرکین بھی اس بیماری کے شکار ہوئے اور انہوں نے بھی رفتہ رفتہ گائے کی تعظیم وپُوجا شروع کی، اور یوں ہی یہ ایک محترم جانور متصور ہونے لگا، بالآخر ان میں مختلف قسم کے شرکیات اور رسوم نے جنم دیا، مؤرخین فرماتے ہیں کہ جب خشک سالی ہوتی، تو گائے کے دُم کیساتھ خشک گھاس اور خس وخاشاک وغیرہ باندھ کر آگ لگا دیتے، جس کی وجہ سے وہ چیختے چھلاتے ادھر اُدھر بھاگنے لگتی۔مشرکین اس منظر کو دیکھ کر کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالی کو اس پر رحم آئے گا اور اب بارش برسنے لگے گی۔زمانہ جاہلیت کا ایک سلیم الفطرت شاعر الورل الطائی

========================

(۱) دیکھئے لسان العرب لابن منظور الأفریقی:۴/۳۷، مادہ(بقر) وأیضاً:۸/۱۶۰، (سلع)، تاج العروس للزبیدی:۱۰/۲۲۷، مادہ(بقر) وأیضاً: ۲۱/۲۱۷، مادہ(سلع)، تہذیب اللغۃ للأزہری:۲/۶۰.

ایسے ضعیف الاعتقاد لوگوں کو ملامت کرتے ہوئے کیا خوب فرماتے ہیں۔

لا دَرَّ دَرُّ رِجَـــالٍ خَابَ سَعيُهُمُ   يَستَمطِرُونَ لَدَى الأَزمَات بالعُشَر

أَجَـــاعِلٌ أَنتَ بَيقُوراً مُسَلَّعَـــةً   ذَرِيعَـــةً لك بَينَ اللهِ والمَـــطَرِ (١)

ترجمہ: ان لوگوں کا عمل بے نتیجہ ٹھہرا اور انکی کوشش ناکام ثابت ہوئی جو خشک سالی میں عُشر (ایک پودے کا نام ہے) کے ذریعے بارش طلب کرتے ہیں۔ کیا وہ اللہ تعالی اور بارش کے درمیان اس گائے کو وسیلہ بناتے ہیں جس کی دُم سے سلع (ایک پودے کا نام ہے) کی ٹہنیاں باندھی ہوئی ہیں۔

موجودہ دور کے مشرکین!

ہمارے زمانے کے مشرکین بھی جب قحط سالی ہوتو اولیاء کرام کے مزارات اور قبروں پر پانی ڈالتے ہیں کہ اس کے طفیل ہم پر بارش برسے گی اور قحط سالی فراوانی میں تبدیل ہوجائے گی۔ یہ محض ان کا سوءاعتقاد اور مشرکانہ نظریہ ہے اور خودساختہ ایجادات اور بدعات ہیں۔ دین اسلام میں اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور یہ شرک اس زمانے کے مشرکین میں بھی رائج تھا، البتہ فرق صرف اتنا ہے کہ ان کا طریقہ کار موجودہ زمانے کے جدید مشرکوں سے مختلف تھا۔ صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ " لتتبعن سنن الذين من قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتى لو سلكوا جحر ضب لسلكتموه قالوا: يا رسول الله! اليهود والنصارى قال: فمن ؟ '.(١)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہود کی دل میں گائے کی محبت رچ بس گئی تھی تو اللہ تعالی نے اس محبت واحترام کو زائل کرنے کے لئے گائے کو ذبح کرنے کا حکم دیا تا کہ ان کے دلوں سے اسکی تقدس نکل جائے، مفسر جلیل علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "وقيـل : إنـمـا أمـروا بـذبـح البـقرة دون غيرها من البهائم؛ لأنها أفضل قرابينهم ولعبادتهم العجل، فأراد الله تعالى أن يهون معبودهم عندهم." (٢).

پھر انہوں نے اس میں حیل وحجت شروع کی اور طرح طرح کے بے جا سوالات کرنے لگے۔ بہرحال اسکی تفصیل اپنے مقام میں آئے گی انشاءاللہ۔

========================

(١) صحیح بخاری:٣/١٢٧٤، رقم:٣٢٦٩، وصحیح مسلم:٤/٢٠٥٤، رقم:٢٦٦٩.

(٢) تفسیر مدارک:١/٦١.

جس طرح یہود میں گائے کی پُوجا اور تعظیم کی جاتی تھی تو اسی طرح ہنود میں بھی گائے کو احترام اور تقدس کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس کی پرستش کی جاتی ہے نہ اسے ذبح کیا جاتا ہے اور نہ ہی اس سے کسی قسم کے انتفاع کو جائز سمجھا جاتا ہے، بلکہ اس کو ایک مقدس جانور اور معبود تصور کیا جاتا ہے۔

المبحث الثانی : ربط السورة :

ربط کے بیان کرنے سے پہلے یہ بات جاننا ضروری ہے کہ ربط بین السور اور ربط بین الآیات امرِ محدث اور کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ اس کا ثبوت خیر القرون اور اسلاف اُمت کے زمانے میں موجود ہے(۱)، قرآن مجید اپنے الفاظ کے فصاحت و بلاغت کے سبب سے معجز ہے، اسی طرح اپنی ترتیب اور ارتباط بین السُّور اور ارتباط بین الآیات کے اعتبار سے بھی اعجاز کے اعلیٰ مراتب پر فائز ہے، کیونکہ کسی ذی فہم اور باشعور آدمی کا کلام اور اسکی گفتگو میں باہم مناسبت اور ربط ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کی وہ عظیم کتاب جو تمام کتابوں کا ماخذ و مرجع ہے اور فصاحت و بلاغت کے اعلیٰ مقام پر فائز ہے، تو وہ کس طرح غیر مربوط ہوسکتی ہے؟؟

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ دنیا سے رحلت فرما گئے تو صحابہ کرامؓ کا سورۃ التوبۃ کے متعلق اختلاف ہوا کہ

======================

(۱) قال العلامة السيوطى رحمه الله: وعلم المناسبة علم شريف قل اعتناء المفسرين به؛ لدقته وممن أكثر فيه الإمام فخر الدين وقال فى تفسيره: أكثر لطائف القرآن مودعة فى الترتيبات والروابط . [الاتقان فی علوم القرآن:۲/۲۱۱].

وقال الشيخ أبو الحسن الشهرابانى: أول من أظهر ببغداد علم المناسبة ولم نكن سمعناه من غيره هو الشيخ الإمام أبو بكر النيسابورى، وكان غزير العلم فى الشريعة والأدب، وكان يقول على الكرسى إذا قرئ عليه الآية: لم جعلت هذه الآية إلى جنب هذه؟ وما الحكمة فى جعل هذه السورة إلى جنب هذه السورة ؟ وكان يزرى على علماء بغداد؛ لعدم علمهم بالمناسبة .

[البرہان فی علوم القرآن:۱/۳۶].

وقال الإمام الرازى فى تفسير سورة البقرة: ومن تأمل فى لطائف نظم هذه السورة وفى بدائع ترتيبها، علم أن القرآن كما أنه معجز بحسب فصاحة ألفاظه وشرف معانيه فهو أيضا بسبب ترتيبه ونظم آياته، ولعل الذين قالوا: إنه معجز بسبب أسلوبه أرادوا ذلك إلا أنى رأيت جمهور المفسرين معرضين عن هذه اللطائف غير منتبهين لهذه الأسرار، وليس الأمر فى هذا الباب إلا كما قيل:

ے والنجم تستصغر الأبصار صورته والذنب للطرف لا للنجم فى الصغر

[تفسیر الفخر الرازی:۷/۱۰۶-۱۰۷، الاتقان فی علوم القرآن:۲/۲۱۲].

یہ علیحدہ مستقل سورت ہے یا کسی دوسری سورت کا حصہ ہے؟ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے یہ رائے دی۔ ”ضعوها بعد سورة الأنفال؛ فان قصتها شبيهة بقصة الأنفال“.(۱) سورہ توبہ کو سورۃ الأنفال کے شامل کردو۔ کیونکہ ان دونوں کا مضمون آپس میں ملتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرامؓ بھی سورتوں کے درمیان باہمی مناسبت اور ربط کا لحاظ رکھتے تھے، بعض مفسرین کرامؒ نے اپنی تفاسیر میں اس کا التزام کیا ہے اور اس کی طرف بڑی اعتناء فرمائی ہے، نیز یہ ایک مستقل علم فن کی حیثیت رکھتا ہے، جس کو علم المناسبۃ کا کہا جاتا ہے، علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے البرہان فی علوم القرآن میں اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے الاتقان فی علوم القرآن میں نے اس پر بسط وتفصیل کیساتھ کلام کیا ہے(۲)، تاہم مفسرین کرام میں امام فخر الدین رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اور علامہ برہان الدین بقاعیؒ نے نظم الدرر میں اس کا خوب اہتمام کیا ہے۔

ماضی قریب میں علم المناسبۃ کے بحث کو وسعت دینے میں امام الموحدین شیخ المشائخ حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ اور ان کے تلامذہ نے ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے، انہوں نے آیات وسور کے باہمی ارتباط ومناسبت پر خصوصی توجہ دی ہے اور اس موضوع کے اہمیت کے پیش نظر گراں قدر کتابیں تصنیف فرمائی(۳)۔

مناسبت کے اقسام وانواع:

علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب ''البرہان فی علوم القرآن'' میں مناسبات کے متعدد انواع اور اقسام ذکر کیے ہیں، جن میں آیات کی باہمی مناسبت، ایک آیت کے اجزاء کا آپس میں ارتباط، ایک سورت کا دوسری سورت کیساتھ ربط، سورت کے اول کا آخر کیساتھ مناسبت، ایک سورت کے اول کا دوسری سورت کے آخر کیساتھ ربط اور اوائل سورت کی مقاصد سورت کیساتھ مناسبت وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، تاہم ہمارے مشائخ عموماً دو طرح کا ربط بیان فرماتے ہیں:۔

۱۔ ربط اسمی. ۲۔ ربط معنوی.

==========================

(۱) دیکھئے الجامع لأحکام القرآن: ۶۳/۸.

(۲) البرہان فی علوم القرآن: ۳۶/۱، النوع الثانی، الاتقان فی علوم القرآن: ۲۱۱/۲، النوع الثانی والستون.

(۳) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے مقدمہ تسہیل بلغۃ الحیران، از ڈاکٹر سراج الاسلام حنیف حفظہ اللہ.

ربط اسمی کا مفہوم:

ربط اسمی کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن مجید کی جملہ سورتوں کا ناموں کے اعتبار سے تعلق اور مناسبت بیان کرنا، یعنی ایک سورت کا دوسری سورت کیساتھ نام کے اعتبار سے کونسا ربط ہے؟

ربط معنوی کا مفہوم:

ربط معنوی کا مفہوم یہ ہے کہ قرآن مجید کی سورتوں کا مضامین کے اعتبار سے باہمی تعلق اور مناسبت بیان کرنا، یعنی ایک سورت کے مضامین کا دوسری سورت کے مضامین کیساتھ کونسا ربط اور علاقہ ہے؟

سورۃ البقرۃ کا ربط اسمی:

سورۃ البقرۃ کا ربط اسمی یہ ہے کہ سورہ فاتحہ میں ہم نے اللہ تعالی کے ساتھ وعدہ کیا تھا۔ " إِيَّاكَ نَعبُدُ وَإِيَّاكَ نَستَعِينُ ." أي نخصك بالعبادة والاستعانة . اب اس سورت میں ہم اللہ تعالی کیساتھ یہ عہد و پیمان کرتے ہیں کہ "ولا نعبد ولا نستعين البقرة كما فعل اليهود والمشركون."

یہ ہمارے شیخ کا مخصوص منہج واسلوب ہے، تفسیر جواہر القرآن میں سورۃ الأنعام تک مذکور ہے(۱) اور پھر ہر سورت کے اول میں اس کا اہتمام کیا گیا ہے۔ ہم یہاں آسانی کے لیے پورے قرآن مجید کا ربط اسمی بیان کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیے۔

اللهم اياك نعبد واياك نستعين ولا نعبد ولا نستعين البقرة، كما فعل اليهود والمشركون ، ولا نعبد ولا نستعين آل عمران كما فعل النصارى ، ونؤدى حقوق النساء نحلة ، فأنزل علينا مائدة من السماء بشرط أن لاتجعلوا فى الأنعام نصيباً لغير الله ، وينقذكم من الأعراف ، ويدخلكم فى الجنة ، ويؤتيكم أنفالا و توفيق توبة كما وفق لقوم يونس ، اللهم لاتجعل علينا مثل ما حمل على هود ويوسف ، ووفقنا لنسبحك مثل الرعد ، والتوكل مثل ابراهيم ، ولاتجعلنا مكذبين أصحاب الحجر ، وألهمنا سُبُل الخير كما ألهمت اليالنحل، اهدنا لكتابك كما هديت لبنى اسرائيل ، واربط على قلوبنا كما ربطت على قلوب أصحاب الكهف ، ومريم ،و طهٰ ، وجميع الأنبياء ، واجعلنا أصحاب الحج اليك مثل سائر المؤمنين ، ونور قلوبنا بنورك الذى أنزلت به الفرقان ، ولاتجعل مثل الشعراء الذين يقولون مالا يفعلون، بل ألهمنا سُبل الخير كما ألهمت الى النمل،

==================

(۱) دیکھئے تفسیر جواہر القرآن:۱/۱۴.

وشجعنا بقصص موسى فنجعل بيوتهم كبيوت العنكبوت، فنقلب عليهم كغلبة الروم على فارس، ونجاهد مثل جهاد لقمان وان لم تكن سجدة الأحزاب لكلمتك فأهلكهم مثل هلاك سبا يافاطر السموات والأرض ! وأثبتنا على التوحيد مثل صاحب يٓس وملائكة الصافات والأنبياء الذين ذكروا فى صٓ، ووفقنالبيان التوحيد لزمر المشركين مثل رجل المؤمن، ولدعوة سجدتك وان شاوروا شوریٰ خلاف القرآن لشبهات علينا بالزحرف من القول، فنجعل شبهاتهم دخاناً حتى يصير جاثية بين أيدينا أحقافاً، فان أطاعوا محمداً فلهم الفتح لأبواب الحجرات بالأمان بشرط الايمان بها فى قٓ والذاريات والطور، ولو آمنوا لارتفعوا مثل ارتفاع النجم والقمر، فأرحم علينا يا رحمن! وقت وقوع الواقعة واستعمال الحديد ووقت مجادلة الكفار، أو وقت استعمال الحديد التى هى آلة المجادلة لحشر الكفار، ولاتمتحن بمحنتك وقت صف القتال يوم الجمعة بمقابلة المنافقين هم أهل التغابن وأهل أن يطلقوا طلاقاً، وأن يحرم عليهم النعيم تحريماً، فلك كل شئى وكونه تحت القلم حتى الحآقة لله المعارج، فبعث الله بهذه الكلمة نوحا وعلمهاالجن، وبلغنا المزمل والمدثر قبل يوم القيامة فى حين من الدهر، لئلايعتذوا أولئلايعذبوا وقت مجئى المرسلات ووقت النبأ العظيم ووقت مجئى النازعات؛ لئلا يكون موجباً للعبس، كمايعبس الوجه عند التكويروالانفطار، فويل للمطففين يوم الانشقاق البروج والطلاق من الأعلى يوم الغاشية،فعلينا أن نتضرع وقت الفجر الى رب البلد ووقت طلوع الشمس وفى الليل والضحى لانشراح الصدر، ياربّ التين الذى خلقتنا من العلق، وأنزلت علينا فى ليلة القدر البينة، واحفظ يوم الزلزال نفوس العاديات فى الدنيا من قرع القارعة التى ألهمنا عنها التكاثر فى العصر، فأما الهمز وأصحاب الفيل وقريش الذين يمنعون الماعون فأولئك هم الكافرون، فاذا جاء نصرالله تبت أيديهم بقدرة الأحد الذى هو ربّ الفلق والناس.

سورۃ البقرۃ کا ربطِ معنوی :

سورۃ البقرۃ کا ربط سورہ فاتحہ کیساتھ متعدد وجوہات کی بناء پر ہے،جن میں ہم چندبطورِ مُشت نمونہ ازخروار کے ذکر کرتے ہیں۔

۞...... سورہ فاتحہ " الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ " کیساتھ شروع ہوا تھااورسورہ فاتحہ کے ناموں میں سے ایک نام تعلیم المسئلہ بھی ہے کہ یوں کہو " قولوا : الحمد لله . . .اب اس سورت کے آیت:۲۱ میں علت حمد کا بیان ہے کہ اللہ تعالی کے محامد اس لئے بیان کرو کہ وہ تمہارا ربّ ہے،اس نے تمہیں اورتمہارے آباءواجداد کو پیدا کیا۔یعنی یوں کہو۔" قولوا: الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ

العَالَمِينَ ؛ لأنه رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُم وَالَّذِينَ مِن قَبلِكُم لَعَلَّكُم تَتَّقُونَ ."

۞...... سورہ فاتحہ میں فرمایا تھا۔ " إِيَّـاكَ نَـعبُدُ ." اللہ ہم خاص تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور کرتے رہیں گے۔ یہ اجمال تھا، اس سورت آیت:۲۱ میں عبادت کا تفصیلی بیان ہے۔

۞...... سورہ فاتحہ میں فرمایا تھا۔ "وَإِيَّـاكَ نَستَـعِينُ " اللہ ہم خاص تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں اور مانگتے رہیں گے۔ اس سورت کے آیت:۱۵۳ میں استعانت کا تفصیلی بیان ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا استَعِينُوا بِالصَّبرِ وَالصَّلَاةِ.."

۞...... سورہ فاتحہ میں اللہ تعالی کے پانچ اسماءِ حسنی کا بیان تھا:۔ ۱۔ اللہ. ۲۔ ربّ. ۳۔ الرحمٰن. ۴۔ الرحیم. ۵۔ مالک. اب اس سورت آیت:۱۱۶، ۱۱۷. میں شرک کی تردید کی ضمن میں توحیدِ باری تعالی کو ادلہ خمسہ کیساتھ ثابت کیا گیا ہے، اور اس کیساتھ ساتھ اللہ تعالی سے ولد اور متبنی کی نفی کی گئی ہے۔

۞...... سورہ فاتحہ میں باری تعالی کے صفاتِ خمسہ کا بیان تھا، اس سورت میں خیرات کے مصارفِ خمسہ بیان ہے کہ صرف اللہ تعالی ہی کی عبادت کرنا اور خلقِ خدا پر احسان بھی کرنا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "يَسـأَلُـونَكَ مَـاذَا يُنفِقُونَ قُل مَا أَنفَقتُم مِن خَيرٍ فَـلِـلوَالِدَينِ وَالأَقرَبِينَ وَاليَتَامَى وَالمَسَاكِينِ وَابنِ السَّبِيلِ وَمَا تَفعَلُوا مِن خَيرٍ فَإِنَّ اللَّهَ بِهِ عَلِيمٌ." (آیت:۲۱۵) یعنی اللہ تعالی کی عبادت، رسول ﷺ کی اطاعت اور خلقِ خدا کی خدمت کرو۔ جیسا کہ ایک حدیث میں آتا ہے۔" اعبـدوا ربـكـم وأكرموا أخاكم "(۱).

۞...... سورہ فاتحہ میں راہ راست پر قائم ودائم رہنے کی درخواست اور التجاء تھی۔ " اهـدِنَـا الـصِّرَاطَ المُستَقِيمَ". اس سورت میں صراطِ مستقیم کی تعیین اور نشاندہی کی گئی ہے۔ " ذَلِكَ الكِتَابُ لَا رَيبَ فِيهِ هُدًى لِلمُتَّقِينَ."

۞...... سورہ فاتحہ میں مقاصدِ اربعہ عالیہ (اثبات التوحید، اثبات الرسالۃ، صداقۃ الکتاب، الایمان بالاخرۃ) کا اجمالاً بیان تھا، اس سورت میں اس کا تفصیلی بیان ہے۔

۞...... سورہ فاتحہ میں فرمایا تھا۔ " مَـالِكِ يَومِ الدِّينِ " اب اس سورت میں قیامت کے لئے تیاری اور اس سے تخویف دلائی گئی ہے، جیسا کا رشاد ہے۔ " وَاتَّـقُـوا يَـومًـا لَا تَـجـزِي نَـفـسٌ عَـن نَـفـسٍ شَيئًـا وَلَا يُقبَلُ مِنهَـا شَفَـاعَةٌ وَلَا

================

(۱) أخرجه أحمد: ٧٦/٦، رقم: ٢٤٥١٥، والهيثمى فى مجمع الزوائد: ٣٥٩/٤، رقم: ٧٦٥٤، وقال: فيه على بن زيد وحديثه حسن، وقد ضعف.

يؤْخَذُ مِنهَا عَدلٌ وَلَا هُم يُنصَرُونَ ." (آیت:۴۸).

۞...... سورہ فاتحہ میں فِرقِ ثلثہ (منعوم علیہم، مغضوب علیہم، ضآلین) کا اجمالاً بیان تھا، اس سورت میں ان کا تفصیلی بیان ہے ان کے اوصافِ حکم دنیوی، حکم اخروی کو بیان کی گیا ہے۔ بالفاظِ دیگر اس سورت کے اول میں فِرقِ ثلثہ کے اوصاف کیساتھ ان کے انجام و مآل کا بیان ہے، منعوم علیہم کا بیان " الَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالغَيبِ..." سے، مغضوب علیہم کا بیان " إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا..." سے اور ضآلین کا بیان "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ ..." سے کیا گیا ہے اور پارہ دوم میں ان کے انجام و مآل کا ذکر ہے، منعوم علیہم کا انجام " أُولَئِكَ عَلَيهِم صَلَوَاتٌ مِن رَبِّهِم وَرَحمَةٌ وَأُولَئِكَ هُمُ المُهتَدُونَ ." (آیت:۱۵۷) اور مغضوب علیہم کا انجام بد کا بیان "إِنَّ الَّذِينَ يَكتُمُونَ مَا أَنزَلنَا مِنَ البَيِّنَاتِ وَالهُدَى مِن بَعدِ مَا بَيَّنَّاهُ لِلنَّاسِ فِي الكِتَابِ أُولَئِكَ يَلعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلعَنُهُمُ اللَّاعِنُونَ." (آیت:۱۵۹) میں کیا گیا ہے۔

۞...... سورہ فاتحہ میں دعوی توحید " إِيَّاكَ نَعبُدُ وَإِيَّاكَ نَستَعِينُ " اختصار کیساتھ مذکور تھا، اس سورت میں اس کی تفصیل بیان کیا گیا ہے، یعنی نفی شرک فی الدعاء، نفی شرک فی التصرف، نفی شرک فی العبادۃ، نفی شرک فعلی اور شفاعت قہری۔ ان مذکورہ تمام انواع شرک کی تردید و مذمت بیان کی گئی ہے۔

اس کے علاوہ اور متعدد مناسبات ہیں۔ مزید تفصیل کے لئے علامہ سیوطیؒ کی کتاب تناسق الدرر فی ربط الآیات والسُور ملاحظہ ہو (۱)۔

البحث الرابع : دعوى السورة مع خلاصتها :

ہمارے مشائخ کا یہ مخصوص منہج واسلوب ہے کہ ہر سورت کے ابتداء میں سورت کا مرکزی دعوی اور محور بیان فرماتے ہیں، جس سے سورت کے جملہ مضامین کے فہم میں آسانی پیدا ہوجاتی ہے، اس کی مثال بیج اور تخم کی سی ہے، جس طرح درخت کے ہر پتے اور ہر شاخ میں تخم کا اثر ہوتا ہے اور اسی وجہ سے ہر درخت دوسری نوع کے درختوں سے ممتاز نظر آتا ہے، بعینہٖ اسی طرح سورت کی ہر آیت کو اصل دعوی سے ضرور کوئی نہ کوئی تعلق ہوتا ہے اور اسی دعوی کی بنیاد پر ایک سورت دوسری سورت سے ممتاز نظر آتی ہے۔

اب سورۃ البقرۃ کا دعوی " اثبات التوحيد بالحجج والبراهين أولاً مع صداقة الرسول والكتاب ثانياً ومع بيان

==================

(۱) تناسق الدرر فی ربط الآیات والسُور، سمط الدرر فی ربط الآیات والسور.

الجهاد والانفاق فی سبیل الله ثالثاً ورابعاً ."ہے(۱) یہ ساری سورت مذکورہ مضامین کے اردگرد گھومتی ہے۔(۱)

خلاصة السورة:

خلاصہ سے سورت کا ماحصل اور لب لباب مراد ہوتا ہے، ہمارے مشائخ عظامؒ سورۃ البقرۃ کا خلاصہ دو طرح سے بیان فرماتے تھے، ایک اجمالی خلاصہ اور دوسرا تفصیلی خلاصہ۔ ذیل میں مختصر تفصیل کی جاتی ہے۔

سورۃ البقرۃ کا اجمالی خلاصہ:

سورۃ البقرۃ کا اجمالی خلاصہ یہ ہے کہ دنیا میں بسنے والے مسلمانوں! دینی اور دنیوی طریقے سے اپنے آپ کو منظم کرکے " لااله الاالله محمد رسول الله" کی خاطر کفار، مشرکین اور منافقین کے خلاف اعلان جہاد کرو۔ تاکہ وہ اللہ تعالیٰ کی توحید اور وحدانیت کے سامنے سرِ تسلیم خم کردیں، ورنہ انہیں صفحۂ ہستی سے مٹادو۔

سورۃ البقرۃ کا تفصیلی خلاصہ:

شیخ القرآنؒ سورۃ البقرہ کا خلاصہ تفصیلی یوں بیان فرماتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ چار حصوں پر منقسم ہے اور اس میں چار اہم مضامین کا بیان ہے(۲)۔

قسم اول: ابتداءِ سورت تا آیت:۹۶۔ اس میں اثبات التوحید للہ وحدہ کا بیان ہے۔

قسم ثانی: آیت:۹۶ تا آیت:۱۷۶، اس میں اثبات الرسالۃ اور اس پر وارد ہونے والے اعتراضات اور اشکالات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

قسم ثالث: آیت:۱۷۶ تا آیت:۱۹۴، اس میں الجہاد فی سبیل اللہ تعالیٰ کا بیان ہے۔

=====================

(۱) *سمط الدرر فی ربط الآیات والسور*:۳۳.

(۲) قال الشيخ الامام محمد طاهر رحمه الله: دعوى السورة ما ذكر عليها الدلائل في تلك السورة والتخويف لمنكريها، وهذه عمود السورة تتمائز بها السورة من الآخر، وقد تكون للسورة دعوى واحدة، كما أن دعوى سورة الاخلاص التوحيد، وسورة الكافرون التبرى من المشركين، وسورة يٓس نفى شفاعة القهرية، وسورة الملك نفى الشرك فى البركة، وقد تكون متعددة كما فى البقرة التوحيد أولاً، واثبات الرسالة ثانياً، والجهاد ثالثاً، والانفاق رابعاً. [*العرفان من أصول القرآن*:٦٨].

(۳) *سمط الدرر فی ربط الآیات والسور*:۳۴-۴۰.

قسم رابع: آیت:۱۹۴ تا آخرِ سورت، اس میں الانفاق فی سبیل اللہ تعالی کا بیان ہے۔اب ذیل میں مذکورہ اجمال کی مختصراً تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

قسمِ اول کی تفصیل:

قسم اول میں تین ابواب پر مشتمل ہے:۔

بابِ اول: ابتداءِ سورت تا آیت:۲۱۔اس میں اکیس آیات ہیں،جس میں فرقِ ثلثہ (منعوم علیہم،مغضوب علیہم،ضآلین) کا بیان ہے۔پہلے پانچ آیتوں میں اوصاف المؤمنین اوران کے حکم دنیوی اور حکم اخروی کا تذکرہ ہے، پھر دو آیاتوں میں مغضوب علیہم کے قباحتوں،حکم دنیوی اور حکم اخروی کا بیان ہے،اس کے بعد تیرہ آیتوں میں ضآلین (منافقین) کے خباثتوں کا بیان ہے، اس کے ساتھ ان کے احکامِ دنیوی اور احکامِ اخروی کو بیان کیا گیا ہے اور پھر دو مثالوں سے منافقین کے احوال کی وضاحت کی گئی ہے،جو دراصل تنویر علی الفریقین الأخیرین کے قبیل سے ہے۔

باب دوم: آیت:۲۱ تا ۳۹،اس باب میں اولاً بیان مسئلہ توحید کا بیان ہے،اس کی وضاحت پانچ عقلی دلائل سے کی گئی ہے۔آیت:۲۳ میں اثبات الرسالۃ اور صداقۃ الکتاب۔آیت:۲۴ میں منکرین کے لئے تخویف۔آیت:۲۵ میں اہل ایمان کے لئے بشارت کا بیان ہے۔آیت:۲۶ میں صداقۃ الکتاب پر وارد ہونے والے شبہ کا ازالہ کیا جا رہا ہے۔اور پھر آیت:۲۸ سے نعم اربعہ کا بیان ہے:۔

نعمت اول: عدم سے وجود بخشا۔جیسا کہ ارشاد ہے۔ "كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللّٰهِ وَكُنتُم أَموَاتًا فَأَحيَاكُم......"

نعمت دوم: دنیا کی تمام نعمتیں تمہارے منفعت کے لئے پیدا کیے ہیں۔جیسا کہ ارشاد ہے۔"هُوَ الَّذِى خَلَقَ لَكُم مَا فِى الأَرضِ جَمِيعًا."

نعمت سوم: تعظيم الملائكة لأبيكم، یعنی فرشتوں جیسی معصوم مخلوق نے تمہارے جدِ امجد آدم علیہ السلام کی تعظیم وتکریم کی۔جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَإِذ قُلنَا لِلمَلَائِكَةِ اسجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبلِيسَ."

نعمت چہارم: اجابة دعاء أبيكم ، یعنی تمہارے جدِ امجد آدم علیہ السلام کے توبہ کو قبول فرمایا۔جیسا کہ ارشاد ہے۔ "فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ."

باب سوم: آیت: ۳۹ تا آیت:۹۶، اور يَا بَنِى إِسرَائِيلَ اذكُرُوا نِعمَتِيَ الَّتِى أَنعَمتُ عَلَيكُم وَأَوفُوا بِعَهدِى أُوفِ

بِعَهدِکُم.. یہ خطاب خاص بعد از خطاب عام ہے اور یہ باب سات فصلوں پر مشتمل ہے:۔

فصل اول: اس میں یہود کے تین اوصافِ مذمومہ کا بیان ہے:۔

۱۔ کتمان حق. ۲۔ ترک عمل. ۳۔ تحریف.

اس کے مقابلہ میں اہل ایمان کے تین اوصاف ممدوحہ کا تذکرہ کیا گیا ہے:۔ ۱۔ صبر . ۲۔ صلوۃ. ۳۔ ایمان بالآخرۃ . یعنی اہل کتاب (یہود ونصاری) کے مذکورہ اوصافِ مذمومہ سے اجتناب کرو۔ اور اہل ایمان کے صفاتِ حسنہ سے اپنے آپ کو مزین کرو۔ باقی چھے فصلیں خطاباتِ ستہ کے ضمن میں مذکور ہیں۔

خطاب اول:

خطاب اول آیت:۴۹ تا آیت:۶۳ ہے، اس میں بنی اسرائیل پر آٹھ نعمتوں اور دو عذابوں کا بیان ہے۔ وہ آٹھ نعمتیں یہ ہیں:۔

نعمت اول: **النجاة من فرعون** آیت:۴۹. وَإِذ نَجَّينَاكُم مِن آلِ فِرعَونَ يَسُومُونَكُم سُوءَ العَذَابِ......

نعمت دوم: **النجاة من الغرق** آیت:۵۰. وَإِذ فَرَقنَا بِكُمُ البَحرَ فَأَنجَينَاكُم ......

نعمت سوم: **اعطاء الكتاب** آیت:۵۳. وَإِذ آتَينَا مُوسَى الكِتَابَ وَالفُرقَانَ......

نعمت چہارم: **العفو عن القتل** آیت:۵۴. فَتَابَ عَلَيكُم إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ .

نعمت پنجم: **الحياة بعد المماة** آیت:۵۶. ثُمَّ بَعَثنَاكُم مِن بَعدِ مَوتِكُم......

نعمت ششم: **تظليل الغمام** آیت:۵۷. وَظَلَّلنَا عَلَيكُمُ الغَمَامَ..

نعمت ہفتم: **انزال المن والسلویٰ** آیت:۵۷. وَأَنزَلنَا عَلَيكُمُ المَنَّ وَالسَّلوَى .

نعمت ہشتم: **انفجار العيون من الحجر** آیت:۶۰. وَإِذِ استَسقَى مُوسَى لِقَومِهِ فَقُلنَا اضرِب بِعَصَاكَ الحَجَرَ فَانفَجَرَت مِنهُ اثنَتَا عَشرَةَ عَينًا..

اس کیساتھ ساتھ دو عذابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے:۔

پہلا عذاب: انزال العذاب بسوء الأدب **آیت:۵۹.** فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَولًا غَيرَ الَّذِي قِيلَ لَهُم فَأَنزَلنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجزًا مِنَ السَّمَاءِ .

دوسرا عذاب: الذلة والهوان بسبب الكفران **آیت:۶۱.** وَضُرِبَت عَلَيهِمُ الذِّلَّةُ وَالمَسكَنَةُ وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِنَ اللَّهِ...

اس خطاب کا تتمہ ترغیب کیساتھ کیا گیا ہے،آیت:۶۲. إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ ......

خطاب دوم:

خطاب دوم آیت:۶۳ آیت:۸۳ ہے،اس میں یہود کے اباءواجداد کے تین قباحتوں کا بیان ہے۔

پہلی قباحت: نقض العهود ، آیت:۶۳ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَإِذ أَخذنَا مِيثَاقَكُم وَرَفَعنَا فَوقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَينَاكُم بِقُوَّةٍ......"

دوسری قباحت: الحيل في ذبح البقرة،آیت:۶۷ جیسا کہ ارشاد ہے۔" وَإِذ قَالَ مُوسَى لِقَومِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأمُرُكُم أَن تَذبَحُوا بَقَرَةً......"

تیسری قباحت: اتهام البرئ (قتل النفس) آیت:۷۲ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَإِذ قَتَلتُم نَفسًا فَادَّارَأتُم فِيهَا وَاللَّهُ مُخرِجٌ مَا كُنتُم تَكتُمُونَ."

پھر اس کے بعد موجودہ یہود کی چار خباثتوں کا بیان ہے۔

پہلی خباثت: التحريف في كلام الله،آیت:۷۵ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أَفَتَطمَعُونَ أَن يُؤمِنُوا لَكُم وَقَد كَانَ فَرِيقٌ مِنهُم يَسمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُم يَعلَمُونَ."

دوسری خباثت: النفاق ، آیت:۷۶ جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَا بَعضُهُم إِلَى بَعضٍ قَالُوا أَتُحَدِّثُونَهُم بِمَا فَتَحَ اللَّهُ عَلَيكُم لِيُحَاجُّوكُم بِهِ عِندَ رَبِّكُم.."

تیسری خباثت: المقلدون لآراء اليهود ، آیت:۷۸ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمِنهُم أُمِّيُّونَ لَا يَعلَمُونَ الكِتَابَ إِلَّا أَمَانِيَّ وَإِن هُم إِلَّا يَظُنُّونَ ."

چوتھی خباثت: المخصصون لأنفسهم بالجنة ،آیت:۸۰ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَقَالُوا لَن تَمَسَّنَا النَّارُ إِلَّا أَيَّامًا مَعدُودَةً ..."

اس کی تعبیر یوں بھی کر سکتے ہیں کہ مخالفین اور معاندین کو پانچ گروہوں میں تقسیم کیا گیا ہے:۔

۱۔ محرفين . ۲۔ منافقين . ۳۔ مخصصين لأنفسهم بالجنة . ٤۔ مقلدين . ٥۔ مبدلين لدين الله.

آخر میں خطاب کا تتمہ زجر وتخویف اور بشارت کیساتھ کیا گیا ہے۔آیت:۸۱،۸۲.

خطاب سوم:

خطاب سوم آیت:۸۳ تا آیت:۸۷ ہے، اس میں اہل کتاب کی مزید دو اور خباثتوں اور خرابیوں کا بیان ہے:۔

پہلی خرابی: انکارهم من الأوامر، آیت:۸۳ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَإِذ أَخَذنَا مِيثَاقَ بَنِی إِسرَائِيلَ لَا تَعبُدُونَ إِلَّا اللَّه.."

دوسری خرابی: اتيانهم بالنواهی، آیت:۸۴ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَإِذ أَخَذنَا مِيثَاقَكُم لَا تَسفِكُونَ دِمَائَكُم..." اس کا تتمہ تخویف کیساتھ کیا گیا ہے۔ آیت:۸۶ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أُولَئِكَ الَّذِينَ اشتَرَوُا الحَيَاةَ الدُّنيَا بِالآخِرَةِ .."

خطاب چہارم:

خطاب چہارم آیت:۸۷ تا آیت:۸۸ ہے، اس میں اہل کتاب کی ایک اور قباحت **انكارهم من الأنبياء السابقين** کا بیان ہے۔ "وَلَقَد آتَينَا مُوسَى الكِتَابَ وَقَفَّينَا مِن بَعدِهِ بِالرُّسُلِ..."

خطاب پنجم:

خطاب پنجم آیت:۸۸ تا آیت:۹۱ ہے، اس میں اہل کتاب کی ایک اور خباثت کی نشاندہی کی گئی ہے۔ **انكارهم من نبوة سيدنا محمد** ﷺ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَمَّا جَاءَ هُم كِتَابٌ مِن عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُم..." مؤخر الذکر دونوں خطاب مآل کے اعتبار سے ایک ہیں، اس لئے دونوں کا تتمہ ایک ہی زجر و توبیخ کیساتھ ہے۔ آیت: ۹۰ جیسا کہ ارشاد ہے۔ بِئسَمَا اشتَرَوا بِهِ أَنفُسَهُم أَن يَكفُرُوا...

خطاب ششم:

آیت:۹۱ تا آیت:۹۶ اس میں ماسبق کا خلاصہ مذکور ہے۔

قسم ثانی کی تفصیل:

قسم ثانی آیت: ۹۶ تا آیت:۱۸۶ ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں صداقۃ الرسول اور اس پر وادر ہونے والے نو اعتراضات اور شبہات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

پہلا شبہ:

مخالفین اور معاندین کہتے تھے کہ آپ پر وحی حضرت جبریل علیہ السلام لاتا ہے، وہ ہمارا ازلی دشمن ہے اور ہمارے آباء و اجداد کو اس نے ہلاک کیا ہے، اسی وجہ سے ہم آپ کی رسالت کو نہیں مانتے ہیں، تو اس شبہے کے پانچ جوابات دیئے ہیں، جیسا کہ

ارشاد ہے۔ " قُل مَن كَانَ عَدُوًّا لِجبرِيلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلَى قَلبِكَ بِإِذنِ اللَّهِ ..."(آیت:۹۷)

دوسرا شبہ:

مخالفین اور معاندین کا دوسرا شبہ یہ تھا کہ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے جادو کے بزور پوری دنیا پر اپنی بادشاہی کا سکہ جمایا تھا، حالانکہ جادو غیر اللہ کی نداء وپُکار سے خالی نہیں ہوتا، پھر آپ ہمیں اس سے کیوں منع کرتے ہو؟ تو اس کا جواب آیت:۱۰۲. وَاتَّبَعُوا مَا تَتلُو الشَّيَاطِينُ عَلَى مُلكِ سُلَيمَانَ... کیساتھ دیا گیا ہے۔

تیسرا شبہ:

مخالفین اور معاندین کی طرف سے تیسرا اعتراض وشبہ یہ تھا کہ آپ ہمیں غیر اللہ کی نداء وپُکار سے منع کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی نے دوفرشتے ہاروت وماروت نامی جادو کی تعلیم کے بھیجے تھے۔ اور جادو میں غیر اللہ کی نداء وپکار لازماً ہوتی ہے؟ اس شبے کا جواب آیت:۱۰۲. "وَمَا أُنزِلَ عَلَى المَلَكَينِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ..." میں دیا گیا ہے۔

چوتھا شبہ:

مخالفین اور معاندین کی طرف سے چوتھا اعتراض اور شبہ یہ تھا کہ آپ ہمیں الفاظِ صحیحہ کے تلفظ سے کیوں منع کرتے ہیں؟ اس شبہ کا جواب دیا کہ یہ الفاظ مشتبہ موہمِ شرک ہیں۔ جیسا کہ آیت:۱۰۴ میں ارشاد ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا..."

پانچواں شبہ:

مخالفین اور معاندین کی طرف سے پانچواں اعتراض یہ تھا کہ آپ کی رسالت کو اس لئے نہیں مانتے کہ آپ کو خود اس میں شک وتردد ہے۔ بسا اوقات ایک مسئلہ بیان کردیتے ہیں، پھر اس سے رجوع کرلیتے ہیں کہ اب یہ منسوخ ہو چکا ہے؟ اس شبے کا جواب" مَا نَنسَخ مِن آيَةٍ أَو نُنسِهَا نَأتِ بِخَيرٍ مِنهَا أَو مِثلِهَا..." کیساتھ دیا گیا ہے۔

چھٹا شبہ:

مشرکین کا چھٹا اعتراض یہ تھا کہ آپ ہمیں اتخاذ الولد سے منع کرتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی نے حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسی علیہ السلام کو اپنا بیٹا بنایا ہے، اس ہم آپ کی رسالت تسلیم نہیں؟ اس شبے کے پانچ جوابات دیئے گئے ہیں۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَقَالُوا اتَّخَذَ اللَّهُ وَلَدًا سُبحَانَهُ بَل لَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ..."

ساتواں شبہ:

معاندین کا ساتواں شبہ یہ تھا کہ اگر آپ واقعی سچے رسول اور نبی آخر زمان ہیں، تو اللہ تعالیٰ ہمیں آپ کے رسالت کے متعلق خبر کیوں نہیں دیتا؟ اور ہمارے ساتھ ہم کلام کیوں نہیں ہوتا؟ اس شبہے کا جواب دیا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعلَمُونَ لَولَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَو تَأتِينَا آيَةٌ..."

ساتویں اور آٹھویں شبہے کے درمیان امور ثلثہ کا بیان ہے۔

الأمر الأول: أن بيت الله بنى للتوحيدفلم تعبدون فيه غيره ؟ آیت:۱۲۵. "وَإِذ جَعَلنَا البَيتَ مَثَابَةً لِلنَّاسِ وَأَمنًا..."

الأمرالثانى: أن ابراهيم عليه السلام بشربهذا النبى صلى الله عليه وسلم ودعاله. تو پھر اس کی نبوت سے کیوں سے انکار کرتے ہو؟ آیت:۱۲۹. "رَبَّنَا وَابعَث فِيهِم رَسُولًا مِنهُم..."

الأمر الثالث: أن التوحيد دين الأنبياء كلهم و تواصوا بذلك. تو پھر اس کا انکار کیوں کرتے ہو؟ آیت:۱۳۲. "وَوَصَّى بِهَا إِبرَاهِيمُ بَنِيهِ وَيَعقُوبُ ..."

اس کے بعد اہل کتاب کی تردید اور توبیخ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔

آٹھواں شبہ:

معاندین کا آٹھواں اعتراض یہ تھا کہ تحویل قبلہ کے متعلق ہے کہ آپ کو خود اپنے دین میں شک وتردد ہے، ایک وقت تک بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے رہے اور اب بیت اللہ کی طرف نما پڑھنا شروع کر دیا، اسی وجہ سے ہمیں آپ کی رسالت میں تردد ہے؟ اس شبہے کا جواب آیت:۱۴۲ میں دیا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُم عَن قِبلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيهَا ..."

نواں شبہ:

مشرکین مکہ کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ صفا اور مروہ کی پہاڑی پر آپ سعی کرتے ہیں حالانکہ زمانہ جاہلیت میں یہاں دو بُت رکھے گئے تھے، عساف صفا پر اور نائلہ مروہ پر۔ اور ہمیں اپنے معبودوں کی پُوجا اور طواف سے منع کرتے ہیں؟ اس شبہے کا جواب ۱۵۸ جیسا کہ ارشاد ہے۔ " إِنَّ الصَّفَا وَالمَروَةَ مِن شَعَائِرِ اللَّهِ..."

قسم ثالث کی تفصیل:

قسم ثالث آیت: ۱۷۷ تا ۱۹۴ ہے کہ اس میں مقصدِ ثالث جہاد فی سبیل اللہ تعالی کا بیان ہے۔ قرآن مجید کا یہ اسلوب یہ ہے کہ جب کسی مضمون کو بیان کرتا ہے، تو اس کے تمام پہلو اور متعلقات کیساتھ بیان کرتا ہے، اب یہاں سے مجاہد کی تربیت واصلاح کے لئے تین اہم اصول بیان کیے جارہے ہیں۔

اصل اول: تہذیب الاخلاق کے لیے دس اوصاف کا بیان ہے، جن میں اول الذکر پانچ صفات کا تعلق عقیدے کیساتھ اور ثانی الذکر پانچ صفات کا تعلق اعمال کیساتھ ہے۔ جیسا کہ آیت: ۱۷۷ میں ارشاد ہے۔ " لَيسَ البِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُم قِبَلَ المَشرِقِ وَالمَغرِبِ... " وہ اوصاف درج ذیل یہ ہیں۔

١ ـ الايمان بالله . ٢ ـ الايمان باليوم الآخرة . ٣ ـ الايمان بالملائكة . ٤ ـ الايمان بالكتُب السماوية . ٥ ـ الايمان بالانبياء عليهم السلام. ٦ ـ انفاق الأموال على ذوى القربى واليتٰمىٰ والمسٰكين. ٧ ـ اقامة الصلوٰة . ٨ ـ ايتاء الزكوة . ٩ ـ ايفاء العهود . ١٠ ـ الصبر على المصائب.

جب مجاہد مذکورہ اوصاف کا حامل ہو۔ اور ظاہری وباطنی دونوں طرح سے اس کی اصلاح ہو چکی ہو تو وہ تب اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہمہ وقت مستعد اور تیار رہے گا۔

اصل ثانی:

اس میں ملک کی اصلاح کے لئے اصول اربعہ کا بیان ہے تا کہ اندرونِ مملکت کسی قسم کا فساد وظلم نہ ہو۔ اور نہ ہی کسی کی حق تلفی ہو، کیونکہ جو ملک وریاست خود ظلم فساد کے حراست میں ہو تو اس کے باشندے کبھی بھی اپنی دفاع وجہاد کی استطاعت نہیں رکھ سکتے۔ اس لیے ملک کی اصلاح کے لئے چار قوانین بیان کیے جاتے ہیں، جس کو سیاست مدن سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

قانون اول: القصاص من الظالم جیسا کہ آیت: ۱۸۷ میں ارشاد ہے۔ " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيكُمُ القِصَاصُ فِى القَتلَى......"

قانون دوم: تقسيم الأموال بالقانون الشرعى جیسا کہ آیت: ۱۸۰ میں ارشاد ہے۔ "كُتِبَ عَلَيكُم إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ المَوتُ إِن تَرَكَ خَيرًا الوَصِيَّةُ .."

قانون سوم: مسئلة الصوم لارتباط النفس جیسا کہ آیت: ۱۸۳ میں ارشاد ہے۔ " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيكُمُ الصِّيَامُ ..."

قانون چہارم: **النهى عن الارتشاء** جیسا کہ آیت:۱۸۸ میں ارشاد ہے۔ " وَلَا تَأكُلُوا أَموَالَكُم بَينَكُم بِالبَاطِلِ.."

اصل ثالث:

اصل ثالث میں تدبیر منزل کے لئے اٹھارہ قوانین کا بیان ہے، اس لیے کہ جب مجاہد کے گھر بار میں امن وامان ہوگا اور کسی قسم کا فساد اور نا چاقی کی فضا نہ ہو ہوتو وہ خوب دل جمی سے رضا الٰہی کے لئے دشمنانِ اسلام کیساتھ جہاد کر سکے گا۔ وہ قوانین درج ذیل ہیں۔

قانون اول: **الانفاق**، گھر کا سربراہ اپنے اہل وعیال پر مال خرچ کرے گا۔ آیت:۲۱۵، يَسأَلُونَكَ مَاذَا يُنفِقُونَ قُل...

قانون دوم: **القتال**، گھر کا سربراہ بہادر وشجاع اور جنگجو ہو، تا کہ بوقت ضرورت قتال بھی کر سکتا ہو۔ جیسا کہ آیت:۲۱۶ میں ارشاد ہے۔ "**كُتِبَ عَلَيكُمُ القِتَالُ وَهُوَ كُرهٌ لَكُم...**"

قانون سوم: **حكم القتال فى أشهر الحرم** جیسا کہ آیت:۲۱۷ میں ارشاد ہے۔ " يَسأَلُونَكَ عَنِ الشَّهرِ الحَرَامِ قِتَالٍ فِيهِ..."

قانون چہارم: **النهى عن الخمر والميسر.** جیسا کہ آیت:۲۱۹ میں ارشاد ہے۔ " يَسأَلُونَكَ عَنِ الخَمرِ وَالمَيسِرِ قُل فِيهِمَا إِثمٌ كَبِيرٌ..."

قانون پنجم: **اصلاح اليتٰمى.** جیسا کہ آیت:۲۲۰ میں ارشاد ہے۔ "وَيَسأَلُونَكَ عَنِ اليَتَامَى قُل إِصلَاحٌ لَهُم خَيرٌ."

قانون ششم: **النهى عن نكاح المشركات.** جیسا کہ آیت:۲۲۱ میں ارشاد ہے۔ " وَلَا تَنكِحُوا المُشرِكَاتِ حَتَّى يُؤمِنَّ ..."

قانون ہفتم: **النهى عن الجماع فى الحيض .** جیسا کہ آیت:۲۲۲ میں ارشاد ہے۔ " وَيَسأَلُونَكَ عَنِ المَحِيضِ قُل هُوَ أَذًى فَاعتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي المَحِيضِ .."

قانون ہشتم: **مقصد الجماع.** جیسا آیت:۲۲۳ میں ارشاد ہے۔ " نِسَاؤُكُم حَرثٌ لَكُم فَأتُوا حَرثَكُم أَنَّى شِئتُم..."

قانون نہم: **الحلف والتعظيم لله.** جیسا کہ آیت:۲۲۴ میں ارشاد ہے۔ " وَلَا تَجعَلُوا اللَّهَ عُرضَةً لِّأَيمَانِكُم.."

قانون دہم: **مسئلة الايلاء :** جیسا کہ آیت:۲۲۶ میں ارشاد ہے۔ " لِلَّذِينَ يُؤلُونَ مِن نِسَائِهِم تَرَبُّصُ أَربَعَةِ أَشهُرٍ..."

قانون یازدہم : مسئلة الطلاق. جیسا کہ آیت:۲۲۹ میں ارشاد ہے۔ " الطَّلَاقُ مَرَّتَانِ فَإِمسَاكٌ بِمَعرُوفٍ أَو تَسرِيحٌ بِإِحسَانٍ ..."

قانون دوازدہم: مسئلة الرضاع. جیسا کہ آیت:۲۳۳ میں ارشاد ہے۔ "وَالوَالِدَاتُ يُرضِعنَ أَولَادَهُنَّ حَولَينِ كَامِلَينِ .."

قانون سیزدہم: عدة المتوفى عنها زوجها . جیسا کہ آیت:۲۳۴ میں ارشاد ہے۔ "وَالَّذِينَ يُتَوَفَّونَ مِنكُم وَيَذَرُونَ أَزوَاجًا ..."

قانون چہاردہم : حكم الخطبةفى العدة. جیسا کہ آیت:۲۳۵ میں ارشاد ہے۔ " وَلَا جُنَاحَ عَلَيكُم فِيمَا عَرَّضتُم بِهِ مِن خِطبَةِ النِّسَاءِ..."

قانون پانزدہم: طلاق الغير المدخول بها . جیسا کہ آیت:۲۳۶ میں ارشاد ہے۔ " لَا جُنَاحَ عَلَيكُم إِن طَلَّقتُمُ النِّسَاءَ مَا لَم تَمَسُّوهُنَّ..."

قانون شانزدہم: حكم محافظةالصلاة . جیسے آیت:۲۳۸ میں ارشاد ہے۔ "حَافِظُوا عَلَى الصَّلَوَاتِ وَالصَّلَاةِ الوُسطَى..."

قانون ہفدہم:الوصية للأزواج. جیسا کہ آیت:۲۴۰ ارشاد ہے۔ " وَالَّذِينَ يُتَوَفَّونَ مِنكُم وَيَذَرُونَ أَزوَاجًا وَصِيَّةً لِأَزوَاجِهِم ..."

قانون ہژدہم: حكم المتعة. جیسا کہ آیت:۲۴۱ میں ارشاد ہے۔ "وَلِلمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالمَعرُوفِ.."

قسم رابع کی تفصیل:

قسم رابع آیت:۲۵۴ تا آخر سورت ہے، اس میں مقصد رابع "الانفاق فی سبیل اللہ تعالیٰ" کا بیان ہے اور اس کیساتھ ساتھ دو فریقوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر بطور لف نشر غیر مرتب مذکورہ دونوں جماعتوں کا ذکر ہے۔ اور معاند کی مثال: " أَلَم تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ.." پھر اولیاء الرحمٰن کی دو مثالیں دو آیاتوں میں بیان کی گئی ہیں۔ مثال اول: " أَو كَالَّذِي مَرَّ عَلَى قَريَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا.." مثال دوم: "وَإِذ قَالَ إِبرَاهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيفَ تُحيِي المَوتَى.."

اس کے بعد منفقین فی سبیل اللہ تعالیٰ اور غیر منفقین فی سبیل اللہ کا بیان ہے۔ آیت:۲۶۱ تا ۲۶۶. پھر آیت:۲۶۷ سے مال طیب کو اللہ تعالیٰ راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب دلائی گئی ہے، پھر اس کے ساتھ التحذير للبخلاء کا بیان ہے، آیت:

۲۷۳. میں مصارف الانفاق کا بیان ہے۔ اور آیت: ۲۷۵. میں سود اور سودخور کی مذمت بیان کی گئی ہے۔ اور سورت کے آخر میں مقاصدِ اربعہ عالیہ کا اعادہ کیا گیا ہے۔

المبحث الخامس: مشكلات السورة :

مشکلات القرآن کا مفہوم یہ ہے کہ سورت کے مشکل آیات کا حل، دفع تعارض کے لیے متنوع توجہات اور توضیح وتشریح کرنا وغیرہ، یہ بات واضح ہے کہ یہ سورت طویل ہے، اس لیے مشکلات بھی زیادہ ہیں، لہذا یہ بحث آخر سورت تک جاری رہے گی۔

قوله تعالى : الٓمّٓ :

اس کے متعلق چند مباحث کا جاننا ضروری ہے:۔ ۱۔ حروف مقطعات کا مفہوم ۲۔ اس کے متعلق مفسرین کرامؒ اقوال

المبحث الأول : حروف مقطعات کامفهوم:

حروف مقطعات کے متعلق کچھ عرض کرنے سے پہلے ایک تمہیدی مقدمہ ذہن نشیں رکھنا ضروری ہے۔ یہ بات حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جن اعمال پر مکلّف کیا ہے، وہ دو طرح کے ہیں۔ ایک طرح کے افعال وہ ہیں، جن کی حکمت ولم معلوم ہے، جیسے نماز، روزہ، زکوۃ وغیرہ لک......مثلاً نماز کی حکمت ولم معلوم ہے، جو خشوع وخضوع سے عبارت ہے۔ اور روزے کی حکمت بھی معلوم ہے، جو قوت شہوانی اور قوت بہیمی کی مغلوبیت ہے۔ نیز زکوۃ کی لم وحکمت فقراء ومساکین کیساتھ ہمدردی اور تعاون ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کی حکمت اعلاء کلمۃ اللہ اور دین اسلام کی سربلندی ہے۔ الغرض مذکورہ تمام افعال کی حکمت ولم معلوم ہے۔

دوسرے قسم کے وہ افعال واعمال ہیں، جن کی حکمت ولم معلوم نہ ہو۔ جیسے بیت اللہ کا طواف، رمی جمرات، سعی بین الصفا والمروہ اور بیت اللہ کو چھوڑ کر مزدلفہ ومنٰی کا رُخ کرنا وغیرہ ذلک، اس سلسلہ میں معروف مفسر علامہ نیسا بوریؒ فرماتے ہیں۔

"الأفعال التى كلفنا بها. منها: ما يظهر وجه الحكمة فيه كالصلاة؛ فإن فيها تواضعاً للمعبود، والصوم ففيه كسر الشهوة، والزكاة ففيها سد خلة المساكين. ومنها: ما لا يظهر فيه الحكمة ككثير من أفعال الحج، ويحسن من الله تعالى الأمر بالنوعين؛ لظهور الامتثال بهما، بل كمال الانقياد فى النوع الثانى أظهر وأكثر؛ لأنه تعبد محض" (۱).

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ بنی نوع انسان صرف اوامر کی اتباع پر مکلّف ہے، اسے احکامات الہیہ پر عمل پیرا ہونے کی ہدایات

======================

(۱) غرائب القرآن:۱/۱۳۱، تفسیر کبیر للرازی:۲/۶، روح المعانی:۱/۱۰۱

دی گئی ہیں، احکام واوامر کے عِلَل وحِکَم دریافت کرنے سے ان کا کوئی سروکار نہیں، تاہم بعض احکام وہ ہیں، جن کے حکمت وِلم معلوم ہیں، اس اعتبار سے آیات قرآنیہ کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ معلوم الحکمۃ ۲۔ غیر معلوم الحکمۃ

معلوم الحکمۃ کا مفہوم:

معلوم الحکمۃ سے وہ محکم آیات مراد ہے، جن کا معنی ومفہوم معلوم ہو، غور وفکر اور تأمل سے مطلب واضح ہوسکتا ہو، جیسے وہ آیات جن سے احکامات کا استنباط اور استخراج کیا جاتا ہے۔

غیر معلوم الحکمۃ کا مفہوم:

غیر معلوم الحکمۃ سے وہ متشابہات مراد ہیں، جن کا معنی ومفہوم معلوم نہیں ہوتا۔

متشابہات کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ معلوم المعنی مجہول المراد کا مفہوم:

جن کا معنی معلوم ہو، لیکن مراد مجہول ہو، جیسے یدالله ، وجه الله ، بل یداہ مبسوطتٰن ، یوم یکشف عن الساق وغیرہ ذلک...اب ''ید، وجه، ساق'' وغیرہ کا معنی معلوم ہے، لیکن اس کی مراد مجہول ہے۔

۲۔ مجہول المعنی مجہول المراد کا مفہوم:

وہ آیات متشابہات کہلاتے ہیں، جن کا معنی ومفہوم دونوں معلوم نہ ہوں، جیسے حروف مقطعات۔

مقطعات کا مطلب یہ ہے کہ ''قطع'' سے ماخوذ ہے، یعنی علم انسانی کو اس کی رسائی سے قطع کیا گیا ہے، کہ وہ اس کے معنی ومفہوم کو نہیں جانتے۔ یہ حروف قرآنِ مجید کے انیس سورتوں کے اوائل میں مذکور ہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے:۔

''الٓمٓ'' چھے سورتوں (سورۃ البقرۃ، سورۃ ال عمران، سورۃ العنکبوت، سورۃ الروم، سورۃ لقمان، سورۃ السجدۃ) کے اوائل میں ، ''الٓمٓصٓ'' ایک سورت (الأعراف) کے اول میں، ''الٓمٓرٰ'' ایک سورت (الرعد) کے اول میں، ''طٰسٓ'' ایک سورت (النمل) کے اول میں، ''الٓرٰ'' پانچ سورتوں (سورۃ یونس، سورۃ ہود، سورۃ یوسف، سورۃ ابرہیم، سورۃ الحجر) کے اوائل میں، ''حٰمٓ'' ساتھ سورتوں (سورۃ المومن، سورۃ حٰمٓ السجدۃ، سورۃ الشوریٰ، سورۃ الزحرف، سورۃ الدخان، سورۃ الجاثیۃ، سورۃ الأحقاف) کے اوائل میں، ''طٰسٓمٓ'' دو سورتوں (سورۃ الشعراء، سورۃ القصص) کے اوائل میں، ''کٓھٰیٰعٓصٓ'' سورت (مریم) کے اول میں ، ''طٰہٰ'' سورت (طٰہٰ) کے اول میں، ''یٰسٓ'' سورۃ یٰسٓ کے اول میں، ''ص'' سورۃ صٓ کے اول میں، ''ق'' ایک سورۃ قٓ

کے اول میں اور ''ن'' سورۃ القلم) کے اول میں مذکور ہے۔(۱)

جب یہ بات معلوم ہے کہ ان حروف کے معنی اور مراد کے ادراک سے مخلوق عاجز وقاصر ہے۔تو پھر اس کی کیا حکمت ہوسکتی ہے؟ اہل علم نے اس کی متعدد حکمتیں بیان کیے ہیں۔جن میں چند یہ ہیں:۔

پہلی حکمت: المقصود منه اعجاز القرآن: ان حروف سے مقصود اعجازِ قرآنی ہے کہ قرآنِ مجید ایک معجز کتاب ہے،اور مخلوق اس کے جملہ علوم کے ادراک سے قاصر ہیں۔

دوسری حکمت: المقصود منه التحدی: اس سے مقصود تحدی و چیلنج ہے، یہ تحدی ان لوگوں کو دی جارہی ہے کہ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ قرآن مجید اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ کتاب نہیں،فرمایا کہ اگر یہ اللہ تعالی کی کتاب نہیں تو میدان میں اُتر کر ان حروف کا معنی تو بتاؤ؟؟!

تیسری حکمت: امتحان العلماء: اہل علم کا یہ ذوق ہوتا ہے کہ ہمیں کثرتِ معلومات پر حاصل ہو،اوران کی حرص میں ہمہ وقت مشغول رہتے ہیں۔جیسا کہ ایک روایت میں آتا ہے۔"منهومان لا يشبعان منهوم في علم لا يشبع ومنهوم في دنيا لا يشبع."(۲)

الغرض حروف مقطعات کے ذریعے اہل علم کا امتحان لیا گیا ہے کہ وہ ان حروف کے معانی تک رسائی کی زحمت نہ کریں۔ان کا معنی اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا۔اور عوام الناس کا امتحان محکمات کے ذریعے سے لیا گیا کہ وہ اس کے معنی معلوم ہونے کے باوجود کے اس کے سیکھنے سے اعراض کرتے ہیں۔اب یہ امتحان ہے کہ محکم آیات کو سمجھ کر ان پر عمل پیرا ہوجائیں۔

البحث الثاني : حروف مقطعات کے متعلق مفسرین کرام کے اقوال وآراء :

حروف مقطعات کے متعلق اہل علم کے دو قول ہیں:۔

قول اول: اکثر مفسرین کرام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ان حروف کا معنی اور مراد اللہ تعالی کے سوا اور کوئی نہیں جانتا ہے، ہمارا اس کے ظاہر پر ایمان ہے اور اللہ تعالی اس کی مراد بہتر جانتا ہے، امام فخر الدین رازیؒ، علامہ نظام الدین نیسابوریؒ، خطیب شربینیؒ اور دیگر اہل علم اس کے متعلق چند اقوال نقل کرتے ہیں۔جن کو ذیل میں اختصار کیساتھ ذکر کیا جاتا ہے۔

=====================

(۱) البرہان فی علوم القرآن للزرکشی:۱/۱۶۵.

(۲) أخرجه البزار كما في مجمع الزوائد(۱/۱۳۵) قال الهيثمي: فيه ليث بن أبي سليم وهو ضعيف.

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

في كل كتاب سر وسره في القرآن أوائل السور(١) .

ہر ایک کتاب کا پوشیدہ راز ہوتا ہے اور قرآن مجید کا راز سورتوں کے ابتدائی حروف ہیں۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل ہے۔

إن لكل كتاب صفوة وصفوة هذا الكتاب حروف التهجي(٢) .

ہر ایک کتاب کا عمدہ و بہتر حصہ ہوتا ہے اور قرآن مجید کا عمدہ و بہتر حصہ حروف تہجی ہیں۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

عجزت العلماء عن إدراكها،وقصرت خيول الخيال عن لحاقه (٣).

اہل علم اس کے معانی کے ادراک سے عاجز و قاصر ہیں اور اس کی حقیقت کو تلاش کرنے والوں کے گھوڑے تھک چکے ہیں۔

معروف تابعی امام شعبیؒ سے کسی نے ان حروف کے متعلق استفسار فرمایا۔تو آپؒ نے فرمایا۔

سر الله فلا تطلبوه(٤).

یہ اللہ تعالی کا راز ہے اس کے متعلق نہ پوچھو۔

مفسر جلیل امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔

أن هذا علم مستور وسر محجوب، استأثر الله تبارك وتعالى به (٥).

ایک پوشیدہ راز ہے جس کا علم اللہ تعالی کے سوا کسی کو نہیں۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

==========================

(۱) تفسیر کبیر للرازی:۱/۴، غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۳۰.

(۲) غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۳۰، السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۲۳.

(۳) روح المعانی:۱/۱۰۰، تفسیر کبیر للرازی:۲/۴.

(۴) روح المعانی:۱/۱۰۰، غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۳۰، السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۲۳، تفسیر کبیر للرازی:۲/۴.

(۵) تفسیر کبیر للرازی:۲/۴، غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۳۰.

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حروف مقطعات مجہول المعنی والمراد ہیں، تو کیا رسول اللہ ﷺ کو ان حروف کے معانی اور مراد معلوم تھا یا نہیں؟ اگر نہیں یہ تو شئی مجہول کیساتھ خطاب کرنا لازم آئے گا؟

جواب: درحقیقت ان حروف کے معانی سے رسول اللہ ﷺ باخبر تھے، باقی رہی یہ بات کہ انہیں کنایات سے کیوں مخاطب فرمایا؟ اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ عشق کا دستور کچھ ایسا ہوتا ہے کہ عاشق ومعشوق کے پوشیدہ راز کسی کو معلوم نہیں ہوتے۔ ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

ے میانِ عاشق ومعشوق رمزے ہست کراماً کاتبین را ہم خبر نیست

نیز ایک شاعر فرماتے ہیں۔

ے بین المحبین سر لیس یفشیه قول ولا قلم للخلق یحکیه

مفسر جلیل علامہ نیسابوریؒ رقم طراز ہیں۔

والتخاطب بالحروف المفردة سنة الأحباب فی سنن المحاب، فهو سر الحبیب مع الحبیب بحیث لا یطلع علیه الرقیب (۱).

باقی رہا مخالفین اور معاندین کا یہ اعتراض کہ قرآن کے مخاطب جب ہم ہیں، تو حروف کے معانی بھی ہمارے قابل فہم ہونا لازمی ہے، کچھ قابل اعتناء اور باوزن نہیں، کیا قرآن مجید کے تمام معانی ومطالب ان کے سمجھ میں آئے ہیں؟ اور کیا یہ ان کی حقیقت وکنہ سے پوری طرح باخبر ہیں؟ جب معاملہ ایسا نہیں، تو یہ اعتراض بے معنی ہے!

قول دوم: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ان کے معانی معلوم ہیں، پھر ہر ایک مفسر نے اپنی ذوق کے مطابق معنی بیان کیا ہے، چند اقوال درج ذیل ہیں۔

پہلا قول:...... امام خلیلؒ، امام سیبویہؒ اور اکثر متکلمین فرماتے ہیں کہ یہ اسماء ہیں، جیسے سحاب (بادل) کو عین، جبل (پہاڑ) کو قاف اور حوت (مچھلی) کو نون کہا جاتا ہے۔

دوسرا قول:......بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ اللہ تعالی کے اسماء حسنی ہیں، امیر المؤمنین حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے۔ یا کٓهیعصٓ یا حٰم عسقٓ!

========================

(۱) تفسیر غرائب القرآن:۱/۱۳۰.

تیسرا قول:......امام قتادہؒ،کلبیؒ اور سدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قرآن مجید کے نام ہیں۔

چوتھا قول:...... بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان حروف میں ہر ایک حرف اللہ تعالی کے نام اور صفت پر دلالت کرتا ہے، الف میں اشارہ "أحد، اول ، آخر ، ازلی، أبدی "طرف۔ لام میں اشارہ " لطیف" . اور میم میں اشارہ "مجید، ملك " کی طرف کیا گیا ہے۔

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے کہ "الٓمّٓ" میں " أنا الله أعلم "، "المص " میں " أنا الله أعلم وأفضل "اور "المرٓ" میں اشارہ " أنا الله أری " کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

پانچواں قول:......امام محمد بن کعب القرظیؒ فرماتے ہیں کہ یہ افعال الصفات ہیں۔ یعنی الف سے مراد " الأوه "(اس کی بردباری)لام سے مراد "لطفه "(اس کی لطف وکرم)اور میم سے مراد "مجده "(اس کی بزرگی) ہے۔

چھٹا قول:......بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اللہ سے الف، جبریل سے لام اور محمد سے میم لیا گیا ہے، یعنی أنزل الله الكتاب بواسطة جبريل (عليه السلام)على محمد (ﷺ).

ساتواں قول:......بعض صوفیاء کرام فرماتے ہیں کہ الف سے مراد "أنا" لام سے مراد "لی "اور میم سے مراد "منی" ہے، یعنی یہ عارفانہ اشارات ورموز ہیں۔

آٹھواں قول:......معروف نحوی عالم امام مبردؒ فرماتے ہیں کہ یہ حروف بمنزلہ ایقاظ وانتباہ اور " قرع العصا لمن تحدی" کے قبیل سے ہیں کہ اگر یہ مخلوق کا کلام ہوتا، تو فصحاء عرب اس کی نظیر ومثل لانے سے ہرگز عاجز نہ ہوتے!!۔ اس سے یہ معلوم ہوا کہ یہ خالق کی کتاب ہے۔

نواں قول:...... معروف نحوی امام قطربؒ فرماتے ہیں کہ کفار آپس میں ایک دوسرے کو کہا کرتے تھے۔ " لَا تَسمَعُوا لِهَذَا القُرآنِ وَالغَوا فِيهِ لَعَلَّكُم تَغلِبُونَ." (سورۃ حٰم السجدۃ آیت:۲۶) تو اللہ تعالی نے سورتوں کے اوائل میں یہ حروف نازل فرمادیئے، تاکہ جب انہیں سمجھ نہیں آئے گی، تو ان کے غیض وغضب اور حسد وبغض کی آگ مزید بھڑ کے گی۔

دسواں قول......بعض حضرات فرماتے ہیں کہ الف کا مخرج اقصی حلق، لام کا مخرج طرف اللسان، یعنی وسط مخرج اور میم (حروف شفویہ) آخر مخرج میں سے ہے۔ تو اس میں یہ اشارہ ہے کہ انسان کے تمام تر افعال خواہ اول ہو، یا درمیان ہو، یا آخر ہو۔ یہ تمام اللہ تعالی کی خوشنودی اور رضا جوئی کے لئے ہونے چاہیے۔(۱)

==================

(۱) دیکھئے غرائب القرآن:۱/۱۳۱-۱۳۳، تفسیر کبیر للرازی:۲/۶-۷، تفسیر بیضاوی:۱/۹۰، السراج المنیر للخطیب:۱/۲۳-۲۴.

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مذکورہ تمام اقوال محض تعبیرات وتاویلات ہیں، جو اہل علم نے اپنی ذوق علمی کی بناء پر اختیار کیے ہیں، تاہم مشاہیر صحابہ وتابعین اور اکثر مفسرین کا نقطہ نظر یہ ہے کہ یہ حروف ان متشابہات قرآنیہ میں سے ہیں، جن کا علم کسی خاص مصلحت کی بناء پر عالم بندوں کو نہیں دیا گیا ہے، اور بات ممکن ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو اس کا علم بطور ایک راز کے دیا گیا ہو، جس تبلیغ امت کے روک دی گئی ہو، اسی لئے رسول اللہ ﷺ سے ان حروف کی تفسیر وتشریح میں کچھ منقول نہیں۔

تابعی جلیل عامر بن شرحبیلؒ، سفیان ثوریؒ اور محدثین کرام کے ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ ہر آسمانی کتاب میں اللہ تعالی کے کچھ خاص رموز واسرار ہوتے ہیں، حروف مقطعات بھی اس قبیل سے ہیں اور یہ ان متشابہات میں سے ہیں، جن کا علم صرف اللہ تعالی کو ہی ہے، ہمارے لیے ان میں بحث وگفتگو جائز نہیں۔ اور ہمارے لیے ان حروف کے متعلق یہی نظریہ رکھنا چاہیے کہ یہ اللہ تعالی کے اسرار ہیں، ہم اس پر ایمان لانے پر مکلّف ہیں، باقی تفصیلات کے متعلق تحقیق کی ضرورت نہیں۔ الغرض صحیح بات یہ ہے کہ ان حروف کے معانی ومفہوم اللہ تعالی ہی بہتر جانتا ہے۔ مفسر جلیل امام قرطبی اندلسی فرماتے ہیں۔ "اختلف أهل التأويل فی الحروف التی فی أوائل السور، فقال عامر الشعبی وسفيان الثوری وجماعة من المحدثين: هی سر الله فی القرآن، ولله فی كل كتاب من كتبه سر۔ فهی من المتشابه الذی انفرد الله تعالی بعلمه، ولا يجب أن يتكلم فيها، ولكن نؤمن بها، ونقرأ كما جاء ت۔ وروی هذا القول عن أبی بكر الصديق، وعن علی بن أبی طالب رضی الله عنهما۔ وذكر أبو الليث السمرقندی عن عمر وعثمان، وابن مسعود أنهم قالوا: الحروف المقطعة من المكتوم الذی لا يفسر".(۱)

قوله تعالى: ذَٰلِكَ الْكِتَابُ:

قرآن مجید اول وہلہ سے اپنی عظمت وحقانیت کا اعلان بانگ دہل کر رہا ہے، کہ یہ کتاب سراپا ہدایت ہے اور دنیا وآخرت کی فلاح وبہبود کی ضامن ہے، نیز یہ ایک ایسا باضابطہ مستند صحیفہ آسمانی ہے کہ اس کی حریف ومقابل دنیا میں کوئی کتاب نہیں، یعنی یہ ایک ایسی کتاب کامل ہے کہ اس کے سامنے جملہ کتابیں ناقص ہیں، معروف مفسر علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں۔ "ومعناه: أنّ ذلك الكتاب هو الكتاب الكامل كأن ما عداه من الكتب فی مقابلته ناقص". (۲)

======================

(۱) تفسیر قرطبی: ۱/۱۵۴.

(۲) تفسیر کشاف: ۱/۳۳.

اس کے متعلق چند ابحاث کا جاننا ضروری ہے:۔ ا۔ "ذلك"اسم اشارہ بعید پر ایک اشکال اور اس کا جواب ۔ ۲۔ "الکتٰب" کی ترکیبی حیثیت۔ ۳۔ اطلاقات الکتاب فی القرآن .

اب ذیل میں مذکورہ بالا ابحاث کی مختصراً وضاحت کی جاتی ہے۔ملاحظہ ہوں۔

المبحث الأول : "ذلک" اسم اشارہ بعید پر ایک اشکال اور اس کا جواب :

اشکال:

عربی زبان میں "ذلك"اسم اشارہ مبہم کے لیے موضوع ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ اس کا مشار الیہ غیر محسوس مبصر ہوتا ہے، حالانکہ یہاں مشار الیہ قرآن مجید قریب اور محسوس مبصر ہے؟

پہلا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ دراصل بُعد کی دو قسمیں ہیں، ایک بُعد حسی اور دوسرا بُعد رتبی کہلاتا ہے، یہاں پر بُعد رتبی مراد ہے، جو بُعد مرتبت اور علو منزلت سے عبارت ہے، اور یہ صرف عربی زبان میں نہیں، بلکہ فارسی اور اردو میں بھی اشارہ بعید "آں"اظہار تکریم اور علوئے منزلت کے موقع پر آتا ہے، جیسے آنحضرت، آنجناب وغیرہ۔الغرض معنی یوں ہوگا۔ کہ یہ وہ عظیم الشان، بلند پایہ اور عظمت والی کتاب ہے! مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ "بأ ن الاشارة وقعت فيه للتعظيم" (۱) .

دوسرا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ "ذلك"کا مشار الیہ سورۃ البقرۃ سے پہلے نازل شدہ چھیاسی سورتیں مراد ہیں، جو مکہ مکرمہ میں نازل ہو چکی تھیں، جس میں اثبات التوحيد ، اثبات الرسالة ، صداقة الكتاب اور الايمان بالآخرة کا تفصیلی بیان کیا گیا ہے۔مفسر جلیل علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔" أو لأنه إشارة غلى ما نزل بمكة قبل سورة البقرة" (۲).

لیکن اس توجیہ پر بظاہر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ بعض سورتوں کو کس طرح قرآن مجید کہا گیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کے بعض اجزاء پر قرآن کا اطلاق شائع ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَإِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاستَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا ...... "(سورۃ الأعراف:۲۰۴) یہاں قرآن سے مراد بعض حصہ و جز مراد ہے۔اور اسی طرح جب جنات

=========================

(۱) السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۲۴.

(۲) غرائب القرآن:۱/۳۵، تفسیر کبیر للرازی:۲/۱۲.

نے وادی نخلہ میں رسول اللہ ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کریم کے بعض حصہ کی تلاوت سنی ۔تو کہنے لگے۔" قَالُوا يَا قَومَنَا إِنَّا سَمِعنَا كِتَابًا أُنزِلَ مِن بَعدِ مُوسَى مُصَدِّقًا لِمَا بَينَ يَدَيهِ......"(سورۃ الأحقاف:۳۰) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ "إِنَّا سَمِعنَا قُرآنًا عَجَبًا." (سورۃ الجن:۱) یہاں بھی قرآن اور کتاب سے مراد بعض حصہ مراد ہے۔معروف جلیل علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔ "وقد يسمى بعض القرآن قرآناً"(۱).

تیسرا جواب: بعض مفسرین کرام کا نقطہ نظریہ ہے کہ "ذلك" سے اشارہ اس وعدے کی طرف کیا گیا ہے جو رسول اللہ ﷺ سے نزولِ وحی کے ابتدائی مراحل میں ہوا تھا۔جیسا کہ ارشاد ہے۔ " إِنَّا سَنُلقِي عَلَيكَ قَولًا ثَقِيلًا." (سورۃ المزمل:۵)اسی وجہ سے اشارہ بعید لایا گیا ہے۔مفسر شہیر علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔ " أو لأنه إشارة إلى ما وعد به الرسول عند مبعثه" (۲).

چوتھا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ "ذلك"کا مشارالیہ لوح محفوظ ہے،یعنی یہ وہ کتاب ہے جو لوح محفوظ میں موجود ہے،جیسا کہ ارشاد ہے۔" وَإِنَّهُ فِي أُمِّ الكِتَابِ لَدَينَا لَعَلِيٌّ حَكِيمٌ".(سورۃ الزخرف:۴)نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ "إِنَّهُ لَقُرآنٌ كَرِيمٌ ، فِي كِتَابٍ مَكنُونٍ" .(سورۃ الواقعۃ:۷۷-۷۸) مفسر جلیل علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔ "أو المراد أن هذا المنزل هو ذلك المثبت في اللوح المحفوظ"(۳).

پانچواں جواب:

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "ذلك "کا مشارالیہ کتب متقدمہ سماویہ ہیں،اس لیے کہ یہ سورت مدنی ہے اور مدنیہ منورہ میں اکثر اہل کتاب بستے تھے،یہ ان پر اتمام حجت ہے کہ حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت عیسی علیہ السلام نے نبی آخر الزمان کے بعثت کی خبر دی تھی اور تورات وانجیل میں قرآن مجید کے نزول کا تذکرہ کیا گیا ہے،نیز یہ وہ عظیم الشان کتاب ہے کہ انبیاء سابقین نے اپنی اُمتوں کو اس کے متعلق خبر دی تھی کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اولاد میں نبی آخر الزمان پیدا ہوگا اور وہ کتاب اسی پر نازل ہوگی۔مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔" أو في الكتب المتقدّمة؛ لأن سورة البقرة مدنية كما مرّ وأكثرها

---

(۱) غرائب القرآن:۱/۳۵.

(۲) غرائب القرآن:۱/۱۳۵، تفسیر کبیر للرازی:۲/۱۲.

(۳) غرائب القرآن:۱/۱۳۵، تفسیر کبیر للرازی:۲/۱۲.

احتجاج على اليهود وعلى بنى إسرائيل، وقد كانت بنو إسرائيل أخبرهم موسى وعيسى عليهما الصلاة والسلام إن الله يرسل محمداً وينزل عليه كتاباً فقال تعالى : ذلك الكتاب، أى : الذى أخبر الأنبياء المتقدّمون بأن الله سينزله على النبىّ المبعوث من ولد إسماعيل."(١).☆

چھٹا جواب: امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ " ذلك "اور" هــذا" اسم اشارہ کے لیے موضوع ہیں۔ان دونوں میں اسم اشارہ فقط ''ذا'' ہے،جیسا کہ ارشاد ہے۔ " مَن ذَا الَّذِى يُقرِضُ اللَّهَ قَرضًا حَسَنًا ..."(سورة الحدید:١١) لیکن جب مخاطبین کو متنبہ اور متوجہ کرنا مقصود ہو تو حرف تنبیہ ''ہ'' اور ''لام وکاف'' خطابیہ اس پر داخل کیا جاتا ہے،جس سے مقصود مخاطب کو توجہ دلانا اور اسے متنبہ کرنا ہوتا ہے۔

الغرض "ذلك" وضع اصلی کے اعتبار سے اسم اشارہ بعید کے لئے موضوع نہیں، بلکہ یہ منقول عرفی ہے جیسے "دابة"وضع اصلی کے اعتبار سے "مايدب على الأرض " کے لئے موضوع ہے،لیکن پھر اس معنی سے منقول ہو کر چوپائیوں میں استعمال ہوتا ہے،مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ "وإذا ثبت هذا فنقول: إنا نحمله ههنا على مقتضى الوضع اللغوى لا على مقتضى الوضع العرفى وحينئذٍ لا يفيد البعد؛ ولأجل هذه المقاربة يقام كل واحد من اللفظين مقام الآخر"(٢).

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "هذا" اور ''ذلک'' دونوں اسموں کے درمیان تبادلہ عربی محاورہ میں شائع ہے،یعنی "هذا " اور "ذلك" ایک دوسرے کے جگہ استعمال ہوتے ہیں۔قرآن مجید میں "ذلك" بمعنی "هذا" مستعمل ہے،جیسا کہ ارشاد ہے۔ " قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَا فَارِضٌ وَلَا بِكرٌ عَوَانٌ بَينَ ذَلِكَ". (سورۃ البقرۃ ٦٨) اسی طرح حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر پوچھنے والوں سے کہا تھا۔ "قَالَ لَا يَأتِيكُمَا طَعَامٌ تُرزَقَانِهِ إِلَّا نَبَّأتُكُمَا بِتَأوِيلِهِ قَبلَ أَن يَأتِيَكُمَا

====================

(١) السراج المنیر للخطیب الشربینی:١/٢٥، غرائب القرآن:١/١٣٥.

☆ قال الحافظ ابن كثير رحمه الله: وقد ذهب بعض المفسرين فيما حكاه القرطبى وغيره أن ذلك إشارة إلى القرآن الذى وعد الرسول صلى الله عليه وسلم بإنزاله عليه أو التوراة أو الإنجيل أو نحو ذلك فى أقوال عشرة۔ وقد ضعف هذا المذهب كثيرون والله أعلم. والكتاب: القرآن۔ ومن قال: إن المراد بذلك الكتاب الإشارة إلى التوراة والإنجيل كما حكاه ابن جرير وغيره فقد أبعد النجعة وأغرق فى النزع وتكلف ما لا علم له به. [تفسیر ابن کثیر:١/٧٣].

(٢) تفسیر کبیر للرازی:٢/١٢-١٣، غرائب القرآن:١/١٣٥.

ذَلِكُمَا." (سورۃ یوسف:۳۷) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَجَاءت سَكرَةُ المَوتِ بِالحَقّ ذَلِكَ مَا كُنتَ مِنهُ تَحِيدُ." (سورۃ ق:۱۹) نیز ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "فَأَخَذَهُ اللهُ نَكَالَ الأخرة والأولى. إِنَّ فِي ذَلِكَ لَعِبرَةً لّمَن يخشى." (النازعات:۲۵،۲۶) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "وَمَا تِلكَ بِيَمِينِكَ ياموسى۔"(سورۃ طٰہٰ:۱۷)وغیرہ۔

مذکورہ بالا تمام مقامات میں "ذلك"،"هـذا" کے معنی میں مستعمل ہے،لیکن بسا اوقات اس کے برعکس بھی ہوتا ہے ،یعنی"هذا"اسم اشارہ "ذلك" کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَقَد كَتَبنَا فِي الزَّبُورِ مِن بَعدِ الذِّكرِ أَنَّ الأَرضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ إِنَّ فِي هَذَا لَبَلَاغًا لِقَومٍ عَابِدِينَ ." (سورۃ الأنبياء:۱۰۵،۱۰۶) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "وَعِندَهُم قاصرات الطرف أَترَابٌ هذا مَا تُوعَدُونَ لِيَومِ الحساب."(سورۃ ص:۵۲،۵۳) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَاذكُر عِبَادَنَا إِبرَاهِيمَ وَإِسحَاقَ وَيَعقُوبَ أُولِي الأَيدِي وَالأَبصَارِ إِنَّا أَخلَصنَاهُم بِخَالِصَةٍ ذِكرَى الدَّارِ وَإِنَّهُم عِندَنَا لَمِنَ المُصطَفَينَ الأَخيَارِ وَاذكُر إِسمَاعِيلَ وَاليَسَعَ وَذَا الكِفلِ وَكُلٌّ مِنَ الأَخيَارِ هَذَا ذِكرٌ وَإِنَّ لِلمُتَّقِينَ لَحُسنَ مَآبٍ." (سورۃ ص:۴۵-۴۹)وغیرہ۔

مذکورہ تمام مقامات میں " هذا " ، "ذلك " کے معنی میں مستعمل ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ "هـذا' اور" ذلك" وضع اصلی کے اعتبار سے اسم اشارہ قریب کے لئے موضوع ہیں۔اور یہ ایک دوسرے کے جگہ مستعمل ہوتے رہتے ہیں۔مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ "قال ابن جريج قال ابن عباس: ذلك الكتاب أى هذا الكتاب، وكذا قال مجاهد، وعكرمة، وسعيد بن جبير، والسدى، ومقاتل بن حيان، وزيد بن أسلم، وابن جريج أن ذلك بمعنى هذا. والعرب تقارض بين اسمى الإشارة هذين، فيستعملون كلا منهما مكان الآخر وهذا معروف فى كلامهم".(۱).

المبحث الثانی : "ذلک" کی ترکیبی حیثیت :

مفسرین کرام نے اس کی متعدد ترکیبی احتمالات ذکر ہیں،جن میں چند یہ ہیں۔

پہلا قول:...... بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ "ذلك "مبتداء "لاريب فيه "جملہ خبر ہے۔

دوسرا قول:...... بعض اہل علم فرماتے ہیں۔ "ذلك"مبتداء اور "الكتٰب "خبر اول "لاريب فيه " خبر بعد

====================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۷۲-۷۳

خبر ہے اور "الکتٰب" میں الف لام حقیقت کے لئے ہے۔ معنی یہ ہوگا۔ کامل مکمل اور صحیح معنوں میں کتاب یہی قرآنِ مجید ہے۔ یا الف لام عہدی ہے کہ یہ وہ کتاب ہے جس کا کتب سابقہ میں وعدہ کیا گیا تھا، جو ہدایت وفلاح کا سرچشمہ ہے، مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ ذلك الكتاب، أى الكتاب الذى أخبر الأنبياء المتقدمون بأن الله تعالى سينزله على النبى المبعوث من ولد إسماعيل(١).

تیسرا قول:...... بعض حضرات فرماتے ہیں۔ "ذلك الكتٰب" مبتداء "لاريب فيه" جملہ معترضہ "هدى للمتقين" خبر ہے۔ بایں صورت معنی یہ ہوگا۔ بے شک یہ کتاب ڈرنے والوں کے لئے سراپا ہدایت ہے۔

اس ترکیب پر نہ کوئی اشکال وارد ہوتا ہے اور نہ ہی مقدر ماننے کی ضرورت ہے۔ اور یہی ترکیب ہمارے مشائخ عظامؒ کی پسند دیدہ اور مختار کردہ ہے۔(٢)

المبحث الثالث: اطلاقات الكتاب فی القرآن:

قرآنِ مجید میں کتاب کا اطلاق متعدد معانی پر کیا گیا ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

۞...... کتاب بمعنی لوحِ محفوظ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَمَا تَسقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا يَعلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِى ظُلُمَاتِ الأَرضِ وَلَا رَطبٍ وَلَا يَابِسٍ إِلَّا فِى كِتَابٍ مُبِينٍ". (سورۃ الأنعام:٥٩) ایک جگہ روایت ہے۔ " قَد عَلِمنَا مَا تَنقُصُ الأَرضُ مِنهُم وَعِندَنَا كِتَابٌ حَفِيظٌ". (سورۃ ق:٤) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ " مَا أَصَابَ مِن مُصِيبَةٍ فِى الأَرضِ وَلَا فِى أَنفُسِكُم إِلَّا فِى كِتَابٍ مِن قَبلِ أَن نَبرَأَهَا". (سورۃ الحدید:٢٢) ایک جگہ ارشاد ہے۔ " وَكُلَّ شَىءٍ أحصَينَاهُ فِى إِمَامٍ مُبِينٍ." (سورۃ یٰس:١٢) وغیرہ ذلک......

۞...... کتاب بمعنی التوراۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَإِنَّ مِنهُم لَفَرِيقًا يَلوُونَ أَلسِنَتَهُم بِالكِتَابِ لِتَحسَبُوهُ مِنَ الكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الكِتَابِ".(سورۃ اٰل عمران:٧٨).

۞...... کتاب بمعنی الانجیل، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "قُل يَا أَهلَ الكِتَابِ تَعَالَوا إِلَى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَينَنَا وَبَينَكُم أَلَّا نَعبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشرِكَ بِهِ شَيئًا".(سورۃ اٰل عمران:٦٤).

======================

(١) تفسیر کبیر للرازی:٢/١٢.

(٢) جواہر القرآن:١/١٨، تسہیل بلغۃ الحیران:١/٩٩، نثر المرجان من مشکلات القرآن:٤٤، الہام الرحمٰن فی حل مشکلات القرآن:١/١٧.

۞...... کتاب بمعنی فرض، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيكُمُ القِصَاصُ فِي القَتلَى ".(سورۃ البقرۃ :۱۷۸)، ایک جگہ ارشاد ہے۔ " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُتِبَ عَلَيكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِينَ مِن قَبلِكُم". (سورة البقرة : ۱۸۳)، نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ " إِنَّ الصَّلَاةَ كَانَت عَلَى المُؤمِنِينَ كِتَابًا مَوقُوتًا".(سورۃ النساء:۱۰۳).

۞...... کتاب بمعنی الحجۃ والبرہان، جیسا کہ ارشاد ہے۔" فَأتُوا بِكِتَابِكُم إِن كُنتُم صَادِقِينَ ".(سورۃ الصافات:۱۵۷).

۞...... کتاب بمعنی الأجل، وقت معلومہ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمَا أَهلَكنَا مِن قَريَةٍ إِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ مَعلُومٌ".(الحجر:۴).

۞...... کتاب بمعنی کتاب الرحمۃ والمغفرۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " لَولَا كِتَابٌ مِنَ اللَّهِ سَبَقَ لَمَسَّكُم فِيمَا أَخَذتُم عَذَابٌ عَظِيمٌ".(سورۃ الأنفال:۶۸) ایک جگہ ارشاد ہے۔ " قُل لِمَن مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ قُل لِلَّهِ كَتَبَ عَلَى نَفسِهِ الرَّحمَةَ". (سورۃ الأنعام:۱۲).

۞...... کتاب بمعنی (خط) کتاب سلیمان الی بلقیس، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "قَالَت يَا أَيُّهَا المَلَأُ إِنِّي أُلقِيَ إِلَيَّ كِتَابٌ كَرِيمٌ ". (سورۃ النمل:۲۹).

۞...... کتاب بمعنی تاریخ أرباب السعادۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الأَبرَارِ لَفِي عِلِّيِّينَ" .(المطففین:۱۸).

۞...... کتاب بمعنی تاریخ أرباب الشقاوۃ، جیسے ارشاد ہے۔ " كَلَّا إِنَّ كِتَابَ الفُجَّارِ لَفِي سِجِّينٍ" . (المطففین:۷).

۞...... کتاب بمعنی اعمال نامہ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " كُلُّ أُمَّةٍ تُدعَى إِلَى كِتَابِهَا" .(سورۃ الجاثیۃ:۲۸) ایک جگہ ارشاد ہے۔ " وَنُخرِجُ لَهُ يَومَ القِيَامَةِ كِتَابًا يَلقَاهُ مَنشُورًا" .(سورۃ بنی اسرائیل:۱۳).

۞...... کتاب بمعنی مکاتبۃ السید عبدہ آقا کا اپنے غلام کو مکاتب بنانا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَالَّذِينَ يَبتَغُونَ الكِتَابَ مِمَّا مَلَكَت أَيمَانُكُم فَكَاتِبُوهُم".(سورۃ النور:۳۳).

۞...... کتاب بمعنی حکم شرعی، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " النَّبِيُّ أَولَى بِالمُؤمِنِينَ مِن أَنفُسِهِم وَأَزوَاجُهُ أُمَّهَاتُهُم وَأُولُو الأَرحَامِ بَعضُهُم أَولَى بِبَعضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ ". (سورۃ الأحزاب:۶).

۞...... کتاب بمعنی عدۃ المرأۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَلَا تَعزِمُوا عُقدَةَ النِّكَاحِ حَتَّى يَبلُغَ الكِتَابُ أَجَلَهُ" .(سورۃ البقرۃ:۲۳۵).

۞...... کتاب بمعنی قرآن کریم، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " ثُمَّ أَورَثنَا الكِتَابَ الَّذِينَ اصطَفَينَا مِن عِبَادِنَا ".(فاطر:۳۲)،

ایک جگہ ارشاد ہے۔ " وَهَذَا كِتَابٌ أَنزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ ".(سورۃ الأنعام:۹۲)(۱)

اس آیت میں بھی کتاب بمعنی قرآنِ مجید کے ہے۔اوراس پر اہل علم کا اتفاق ہے،مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ "اتفقوا على أن المراد من الكتاب القرآن"(۲) .

قوله تعالى : لَا رَيبَ فِيهِ:

اس کتاب میں نہ کوئی شک وتردد ہے اور نہ ہی کوئی خلجان واضطراب ، بلکہ یہ تو ایک ثابت شدہ حقیقت ہے ہر لفظ سے صداقت وحقانیت کی صدا گونجتی ہے ہر دعوی مدلل ومبرہن ہے، یہاں جو کچھ ہے، وہ تسکین واطمینان ہے اور علم واذعان ہے،اب اگر کسی بدنصیب کو اس کے خلاف نظر آتا ہے تو گناہ چشمِ آفتاب کا نہیں قصور شپرہ چشمی کا ہے، یہ نہیں فرمایا کہ اس کتاب میں کسی کو شک لاحق نہیں ہوگا، بلکہ یہ ارشاد فرمایا کہ اس کتاب کے مضامین شک وتردد سے بالاتر ہیں۔معروف مفسر علامہ زمخشریؒ رقم طراز ہیں۔ "ما نفى أنّ أحدا لا يرتاب فيه وإنما المنفي كونه متعلقا للريب ومظنة له لأنه من وضوح الدلالة وسطوع البرهان بحيث لا ينبغي لمرتاب أن يقع فيه." (۳)

مزید تفصیل کے لیے درج چند ابحاث ذہن نشیں رکھیں:۔

۱۔ "ریب " کا مفہوم۔ ۲۔ چند اشکالات اور ان کے جوابات۔

المبحث الأول : "ریب " کا مفہوم:

عربی لغت میں "ریب" کئی معانی میں مستعمل ہوتا ہے،جن میں چند درج ذیل ہیں۔

پہلا معنی: "ریب " بمعنی شک،جیسے کہ ایک روایت میں آتا ہے۔"دع ما يريبك الى ما لا يريبك."(۱).

اسی طرح اشعار عرب میں بھی آتا ہے۔

========================

(۱) مذکورہ بالا تمام معانی کی تفصیل کے لئے دیکھئے بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز: ۱۳۰۱-۱۳۰۲، بصیرۃ فی کتب، تفسیر کبیر للرازی:۱۳/۲.

(۲) تفسیر کبیر للرازی:۱۳/۲.

(۳) تفسیر کشاف:۳۴/۱.

(۱) أخرجه الترمذي، كتاب صفة القيامة: ٦٦٤/٤، رقم: ٢٥١٨، والنسائي، [باب] الحث على ترك الشبهات:٣٢٧/٨، رقم:٥٧١١، وأحمد في مسنده:٢٠٠/١، رقم: ١٧٢٣، ١٧٢٧، والدارمي:٢١٩/٢، رقم: ٢٥٣٢.

ے لَیسَ فی الحَقِّ یَا أُمَیمَةُ رَیبٌ إِنَّمَا الرَّیبُ مَا یَقُولُ الجَهُولُ

ترجمہ: اے امیمہ! حق میں کوئی شک نہیں ہوتا، شک تو اس میں ہوتا ہے، جو جاہل کہتا ہے۔

دوسرا معنی: "ریب" بمعنی تہمت، چنانچہ جمیل نامی ایک شاعر کہتا ہے۔

ے بُثَینَةُ قالت: یا جَمِیلُ أَرَبتَنِیُ فَقُلتُ: کِلاَنَا یَا بُثَینَ مُرِیب

ترجمہ: بثینہ نے کہا اے جمیل! تو نے مجھ پر تہمت لگائی ہے، میں نے کہا ہم میں سے ہر ایک

اے بثینہ! تہمت لگانے والا ہے۔

تیسرا معنی: "ریب" بمعنی حاجت، چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔

ے قضینا من تهامة کل ریب وخیبر ثم أجمعنا السیوفا

ترجمہ: ہم نے تہامہ اور خیبر سے ہر حاجت پورا کرلیا، پھر ہم نے تلواروں کو جمع کیا۔

چوتھا معنی: "ریب" بمعنی حوادثاتِ زمانہ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أَم یَقُولُونَ شَاعِرٌ نَتَرَبَّصُ بِهِ رَیبَ المَنُونِ." (سورۃ الطّور: ۳۰).(۱)

الغرض یہاں "ریب" بمعنی تہمت وشک کے ہے، یعنی مطلب یہ ہوگا کہ قرآن مجید پر تہمت مت لگاؤ۔ اور نہ ہی اس میں شک وتردد کرو۔ اس لیے کہ کفار اور مشرکین مکہ کی یہ مذموم عادت تھی کہ وہ قرآن مجید پر طرح طرح کی تہمتیں اور الزام لگاتے تھے۔ کبھی کہتے کہ یہ جادو ہے اور کبھی کہتے کہ یہ خودساختہ کلام ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَقَالَ الَّذِینَ کَفَرُوا إِن هَذَا إِلَّا إِفكٌ افتَرَاهُ وَأَعَانَهُ عَلَیهِ قَومٌ آخَرُونَ فَقَد جَاءُوا ظُلمًا وَزُورًا وَقَالُوا أَسَاطِیرُ الأَوَّلِینَ اکتَتَبَهَا فَهِیَ تُملَى عَلَیهِ بُکرَةً وَأَصِیلًا." (سورۃ الفرقان: ۴، ۵).

شک اور ریب میں فرق:

اہل علم نے شک اور ریب میں کئی فرق بیان کیے ہیں، چند یہ ہیں۔

پہلا فرق:...... شک میں تساوی الطرفین ہوتا ہے، یعنی عدم اور وجود دونوں کی جہت برابر اور یکساں ہوتی ہے۔ اور جب کہ

====================

(۱) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی: ۱/۱۵۹، تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۶۲، تفسیر کبیر: ۲/۱۸، النکت والعیون: ۱/۶۳.

ریب اضطراب نفس ہوتا ہے، یعنی دل کسی ایک شئی پر مطمئن نہیں ہوتا۔(۳)

دوسرا فرق:...... شک درجہ ادنی (سبب) اور ریب درجہ اعلی (مسبب) کہلاتا ہے، یعنی پہلے کسی چیز کا شک پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے بعد ریب پیدا ہونے لگتا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَإِنَّنَا لَفِي شَكٍّ مِمَّا تَدعُونَا إِلَيهِ مُرِيبٍ." (سورۃ ہود:۶۲) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "إِنَّهُم كَانُوا فِي شَكٍّ مُرِيبٍ".(سورۃ سبا:۵۴) یعنی وہ شک در شک میں مبتلا ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے ریب اعلی درجہ اور شک ادنی درجہ کہلاتا ہے ہے اور قانون یہ ہے کہ اعلی کی نفی ادنی کی نفی کو مستلزم ہوتی ہے۔ یعنی مطلب یہ ہے کہ جب اس میں ریب نہیں تو شک بطریقہ اولی نہیں۔

تیسرا فرق:...... قرآن مجید کی اصطلاح میں شک کے مقابلے میں استنصار اور بیان آتا ہے اور جبکہ ریب کے مقابلے میں تحدی و چیلنج آتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمَا كَانَ هَذَا القُرآنُ أَن يُفتَرَى مِن دُونِ اللَّهِ وَلَكِن تَصدِيقَ الَّذِى بَينَ يَدَيهِ وَتَفصِيلَ الكِتَابِ لَا رَيبَ فِيهِ مِن رَبِّ العَالَمِينَ أَم يَقُولُونَ افتَرَاهُ قُل فَأتُوا بِسُورَةٍ مِثلِهِ وَادعُوا مَنِ استَطَعتُم مِن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُم صَادِقِينَ." (سورۃ یونس:۳۷،۳۸) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَإِن كُنتُم فِى رَيبٍ مِمَّا نَزَّلنَا عَلَى عَبدِنَا فَأتُوا بِسُورَةٍ مِن مِثلِهِ وَادعُوا شُهَدَائَكُم مِن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُم صَادِقِينَ." (سورۃ البقرۃ:۲۳).

البحث الثانی : چند اشکالات اور ان کے جوابات :

"لا ریب فیه " پر بظاہر چند اشکالات وارد ہوتے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

پہلا اشکال:

یہاں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ "لا ریب فیه "کا معنی ہے کہ اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، حالانکہ قرآن مجید میں پہلے بہت

==========================

(۳) قال الحافظ ابن القيم رحمه الله: الفرق بين الشك والريب من وجوه: أحدها: أنه يقال شك مريب، لا يقال ريب مشكك. الثانى: أن يقال رابنى أمر كذا، ولا يقال شككنى. الثالث: أنه يقال رابه يريبه إذا أزعجه واقلقه، ومنه قول النبىﷺ وقدمر بظنى خافت فى اصل شجرة لا يريبه أحد، ولا يحسن هنا لا يشككه أحد. الرابع: أنه لا يقال للشاك فى طلوع الشمس أو فى غروبها أو دخول الشهر أو وقت الصلاة هو مرتاب فى ذلك، وان كان شاكا فيه. الخامس: إن الريب ضد الطمأنينة، واليقين فهو قلق واضطراب وانزعاج، كما أن اليقين والطمأنينة ثبات واستقرار. السادس: يقال رابنى مجيئه وذهابه وفعله، ولا يقال شككنى، فالشك سبب الريب؛ فإنه يشك أولا فيوقعه شكه فى الريب، فالشك مبتداالريب كما ان العلم مبتدأ اليقين. [بدائع الفوائد لابن القیم الجوزیۃ:۴/۹۱۳-۹۱۴، کتاب الکلیات لأبی البقاء الکفومی:۸۳۳، الفروق اللغویۃ لأبی ہلال العسکر ی:۲۶۴].

سے لوگوں نے شک کیا تھا اور اب بھی بہت سے معاندین شک میں مبتلا ہیں؟

پہلا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہاں نفی" لا ینبغی " کے معنی میں ہے اور یہ قرآن مجید میں شائع ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَاتَّبَعتُ مِلَّةَ آبَائِي إِبرَاهِيمَ وَإِسحَاقَ وَيَعقُوبَ مَا كَانَ لَنَا أَن نُشرِكَ بِاللَّهِ مِن شَيءٍ..."(سورة یوسف:۳۸) أي لا ينبغي لنا أن نشرك بالله ...... یہاں بھی معنی یہ ہوگا۔ لا ينبغي فيه الريب . اس کتاب میں شک وشبہ کرنا مناسب نہیں۔(۱)

دوسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ نفی نہی کے معنی میں ہے۔یعنی معنی یوں ہوگا۔" أي لا ترتابوا فيه أنه من عند الله تعالى ". اور نفی بمعنی نہی قرآنِ مجید میں شائع ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَأَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَا رَيبَ فِيهَا" . (سورة الحج:۷) بے شک قیامت آنے والی ہے، اس کے واقع ہونے میں شک نہ کرو۔ نیز ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ " الحَجُّ أَشهُرٌ مَعلُومَاتٌ فَمَن فَرَضَ فِيهِنَّ الحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الحَجِّ ..."(سورۃ البقرۃ:۱۹۷).(۲)

تیسرا جواب: معروف مفسر علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں ریب تہمت کے معنی میں ہے کہ قرآن مجید تہمت کا محل نہیں۔ اور ریب بمعنی تہمت کے اشعارِ عرب میں مستعمل ہے۔ جیسا کہ ایک شاعر فرماتے ہیں۔

بثينة قالت يا جميل أربتني   فقلت كلانا يا بثين مريب(۳)

چوتھا جواب: معروف نحوی عالم امام مبردؒ فرماتے ہیں۔ "لاريب فيه " کا تعلق " هدى للمتقين " کیساتھ ہے۔یعنی معنی یوں ہوگا۔ "أي لا ريب فيه أنه هدى للمتقين ."(٤). فلايرد مايرد .

پانچواں جواب: مفسر جلیل علامہ محمد ابن ابی بکر بن عبدالقادر الرازیؒ فرماتے ہیں۔" أي أنه ليس محلاً للريب ."(٥) معنی یوں ہوگا۔ قرآنِ مجید شک وریب کا محل ہی نہیں، اب اگر کوئی شک وتردد کرے تو گناہ چشم آفتاب کا نہیں قصور شپرہ چشمی

==========================

(۱) هذا مذهب الخليل وابن الأنبارى ، وانظر: زادالمسيرفى علم التفسيرلابن الجوزى:۱/۲۳.

(۲) مسائل الرازی:۳، السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۲۵، لباب التأویل فی معانی التنزیل للخازن:۱/۲۳.

(۳) زادالمسیر فی علم التفسیر:۱/۲۴.

(۴) المصدرالسابق:۱/۲۴.

(۵) مسائل الرازی:۳.

کا ہے۔

چھٹا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نفی اپنے معنی میں ہے، لیکن نفی شک وتردد کرنے والوں سے نہیں کی جارہی ہے، بلکہ بایں معنی کی جارہی ہے کہ اللہ تعالی کی طرف نازل کرنے میں، جبریل علیہ السلام کے لانے میں اور رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔ مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ "أي لا شك فيه أنه من عند الله وأنه الحق والصدق." (۱)

دوسرا اشکال:

مناطقہ کا یہ اصول مسلم ہے کہ شک ہمیشہ نسبت (قضیہ) میں ہوتا ہے اور قاعدہ یہ ہے کہ "والنسبة لا يتحقق الا بين الجملتين." جب کہ یہاں پر "الكتٰب" مفرد ہے، لہذا کتاب سے ریب کی نفی درست نہیں؟

جواب: دراصل یہ عبارت محذوف الصلہ ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "أي لا ريب فيه من ربّ العٰلمين." اور "القرآن يفسر بعضه بعضاً" کے قضیے کے مطابق یہ نسبت دیگر مقامات میں تام ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "تَنزِيلُ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ." (سورة السجدة:۱) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَمَا كَانَ هَـٰذَا الْقُرْآنُ أَن يُفْتَرَىٰ مِن دُونِ اللَّهِ وَلَـٰكِن تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ وَتَفْصِيلَ الْكِتَابِ لَا رَيْبَ فِيهِ مِن رَّبِّ الْعَالَمِينَ". (سورة یونس:۳۷).(۲)

قوله تعالى: هُدًى لِّلْمُتَّقِينَ:

قرآنِ مجید کی اصلی و بنیادی حیثیت ہدایت نامہ اور دستور حیات کی ہے اس قانونِ عام اور ہدایتِ تام سے فائدہ اٹھانے والے صرف وہ لوگ ہیں جو تقوی جیسی عظیم اور غیر معمولی نعمت سے مالا مال ہوں۔ اور ان کے دل میں خوف خدا ہو۔ کتابِ ہدایت نازل تو ساری دنیا کے لئے ہے اور خطاب سارے عالم سے کررہی ہے، لیکن اس سے مستفید وہی لوگ ہوں جو حق کے طالب اور متلاشی ہوں اور جن کا ضمیر زندہ ہو۔ آفتاب اپنی جگہ عالمتاب سہی، لیکن جن کی بصارت ضائع ہو چکی ہو ان کے لئے تیز سے تیز شعاع بے کار ہے اور اگر زمین بنجر ہو تو اس کے حق میں بڑی سے بڑی بارش بھی بے اثر ہے۔

اب مزید وضاحت کے لئے چند ابحاث ذہن نشیں رکھیں۔

=========================

(۱) تفسیر خازن:۱/۲۳

(۲) مخزن الدرر والغرر فی تفسیر الآیات والسور لشیخنا العلامۃ محمد طیب الطاہری حفظہ اللہ:۲۶.

۱۔ ایک اشکال اوراس کا جواب۔ ۲۔ متقین سے کون مراد ہیں؟ ۳۔ ثمرات التقویٰ۔ ۴۔ اطلاقات التقوی فی القرآن۔

المبحث الأول ایک اشکال اور اس کا جواب:

اشکال:

بظاہر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ قرآن مجید ''متقین'' کے لئے ہدایت ہے، حالانکہ ''متقین'' تو پہلے سے منصب ہدایت پر فائز ہیں اور ہدایت یافتہ ہیں۔ یہ تو بظاہر تحصیل حاصل لازم آ رہا ہے؟

جواب: اس اشکال کے مفسرین کرامؒ نے متعدد جوابات دیئے ہیں۔ چند یہ ہیں۔

پہلا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ہدایت لفظ مشترک ہے، جس کے متعدد معانی آتے ہیں، البتہ یہاں ہدایت نور کے معنی میں ہے، مفسر جلیل علامہ ابن جریر طبریؒ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ "هُدًى لِلْمُتَّقِين." أي نور للمتقين . (۱)

دوسرا جواب:

حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ دراصل "متقین "، "منيبين" کے معنی میں ہے، اس لئے کہ ہدایت کا حصول انابت اور رجوع الی اللہ پر موقوف ہے۔ نیز ہدایت جیسی عظیم نعمت اس شخص کو نصیب ہو سکتی ہے، جس کے دل میں انابت ہو۔ یعنی یہ مجاز مرسل ہے، اس میں سبب ومسبب کا علاقہ پایا جا رہا ہے۔ اسی وجہ سے اہل علم فرماتے ہیں۔ "الهداية لا يحصل الا بالانابة ". اب معنی یوں ہوگا کہ یہ ہدایت ہے ان لوگوں کے لئے جن میں انابت ہو۔ اور رجوع الی اللہ کا عنصر ہو۔

تیسرا جواب:

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر مذکورہ دونوں لفظ (هدیً اور متقین) اپنے معانی مراد پر محمول ہوں۔ تو تب بھی کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا۔ اس لئے کہ قرآن مجید کا منہج اور اسلوب یہ ہے کہ جب دو مسئلوں کو ذکر کرنا ہو تو اشرف واعلی کو ذکر کر کے ادنی کو اس پر قیاس کر لیتا ہے، اس کو علم معانی کے اصطلاح میں صنعت ایجاز کہتے ہیں، اور یہ قرآن مجید میں شائع ہے، ایک جگہ ارشاد ہے۔ "فَذَكِّر إِن نَفَعَتِ الذِّكرَى." (سورۃ الأعلی:۹) کہ آپ ان کو وعظ ونصیحت کریں خواہ وہ ان کو فائدہ دے (یا نہ دے)۔

==========================

(۱) تفسیر طبری:۱/۲۳۰، ابن کثیر:۱/۱۶۳، تفسیر ابن أبی حاتم:۱/۳۴، الدرر المنثور للسیوطی:۱/۶۰، فتح القدیر للشوکانی:۱/۵۲.

اس آیت میں انتفاع (اشرف واعلی) کو ذکر کر کے عدم انتفاع (ادنی) کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔ اور اسی طرح قرآن مجید کبھی کسی مسئلہ کے اہم پہلو کو ذکر کر کے غیر اہم کو اس پر قیاس کر دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَجَعَلَ لَكُم سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الحَرَّ ۔ (سورۃ النحل:۸۱) حالانکہ لباس تو گرمی سردی دونوں سے بچاؤ کے لئے ہوتا ہے، لیکن گرمی کا ذکر اہمیت کی وجہ سے گیا ہے ،اس لیے کہ بلاد عرب میں گرمی معمول سے زیادہ ہوتی ہے۔ تو بعینہ اسی طرح یہاں بھی متقین کو ذکر کر کے غیر متقین کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔ اب معنی یوں ہوگا۔ "ھدی للمتقین ولغیرھم من الکفار وغیرہ.."

لیکن یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ قرآن مجید سے استفادہ صرف متقین ہی کر سکتے ہیں اور یہ ان ہی کا خاصہ اور مقدر ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " إِنَّمَا تُنذِرُ مَنِ اتَّبَعَ الذِّكرَ وَخَشِيَ الرَّحمَنَ بِالغَيبِ". (سورۃ یٰس:۱۱) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "ذَكِّر فَإِنَّ الذِّكرَى تَنفَعُ المُؤمِنِينَ." (سورۃ الذاریات:۵۵) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ "فَذَكِّر بِالقُرآنِ مَن يَخَافُ وَعِيدِ." (سورۃ ق:۴۵) ایک جگہ فرمایا۔ "إِنَّمَا أَنتَ مُنذِرُ مَن يَخشَاهَا." (سورۃ النازعات:۴۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَلَو جَعَلنَاهُ قُرآنًا أَعجَمِيًّا لَقَالُوا لَولَا فُصِّلَت آيَاتُهُ أَأَعجَمِيٌّ وَعَرَبِيٌّ قُل هُوَ لِلَّذِينَ آمَنُوا هُدًى وَشِفَاءٌ ..." (سورۃ حٰم السجدۃ:۴۴) ایک جگہ فرمایا۔ "شَهرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ القُرآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الهُدَى وَالفُرقَانِ."(سورۃ البقرۃ:۱۸۵).

مذکورہ بالا تمام مقامات میں صنعت ایجاز ہے، یعنی فرد کامل اور اعلی کو ذکر کر کے اس پر ادنی افراد کو قیاس کیا گیا ہے۔(۱)

قارئین کرام! اس جواب سے وہ اشکال بھی حل ہو کہ یہاں پر " ھدی للمتقین " ہے اور ایک مقام پر " ھدی للناس " فرمایا؟ تو اس کا بھی جواب یہ ہے کہ یہ بھی صنعت ایجاز کے قبیل سے ہے، یعنی اعلی واشرف کو ذکر کر کے ادنی کو اس پر قیاس کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم!

المبحث الثانی: "متقین" کون ھیں ؟

عربی محاورہ کے اعتبار سے "متقین"، متقی کی جمع ہے اور یہ باب افتعال سے اسم فاعل کا صیغہ ہے، جو "وقـــــایۃ" سے مأخوذ ہے، اس معنی ہے۔(فرط الصیانۃ) حد درجہ بچنا۔

اصطلاح شرع میں متقی وہ ہوتا ہے، جو اپنے آپ کو اللہ تعالی کی نافرمانی سے حد درجہ بچاتا رہے اور اپنی نفس کو تمام اوامر کیساتھ

==========================

(۱) زاد المسیر لابن الجوزی:۱/۲۴.

متحلّی کرکے جملہ نواہی سے اجتناب کرے۔تاہم اہل علم سے اس کے متعلق متعدد اقوال ہیں۔جن میں چند یہ ہیں۔

پہلاقول: ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

" من أحب أن يكون أكرم الناس فليتق الله، ومن أحب أن يكون أقوى الناس فليتوكل على الله، ومن أحب أن يكون أغنى الناس فليكن بما في يد الله أوثق مما في يده (١).

دوسراقول: امیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

"التقوى ترك الإصرار عل المعصية ، وترك الاغترار وبالطاعة."(٢)

تیسراقول: معروف تابعی حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

"التقوى أن لا تختار على الله سوى الله، وتعلم أن الأمور كلها بيد الله٠(٣).

چوتھاقول: حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں۔

" التقوى أن لا يجد الخلق في لسانك عيباً، ولا الملائكة في أفعالك عيباً، ولا ملك العرش في سرك عيباً". (٤)

پانچواں قول: علامہ واقدیؒ فرماتے ہیں۔

"التقوى أن تزين سرك للحق كما زينت ظاهرك للخلق."(٥)

چھٹاقول: بعض اہل علم فرماتے ہیں۔

" التقوى أن لا يراك مولاك حيث نهاك."(٦)

---

(١) تفسیر کبیر للرازی:٢/٢١، غرائب القرآن للنیسابوری:١/ ١٣٨-١٣٩، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:١/١٦١.

(٢) تفسیر کبیر للرازی:٢/٢١، غرائب القرآن للنیسابوری:١/ ١٣٨-١٣٩، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:١/١٦١.

(٣) تفسیر کبیر للرازی:٢/٢١، غرائب القرآن للنیسابوری:١/ ١٣٨-١٣٩، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:١/١٦١.

(٤) تفسیر کبیر للرازی:٢/٢١، غرائب القرآن للنیسابوری:١/ ١٣٨-١٣٩، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:١/١٦١.

(٥) تفسیر کبیر للرازی:٢/٢١، غرائب القرآن للنیسابوری:١/ ١٣٨-١٣٩، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:١/١٦١.

(٦) تفسیر کبیر للرازی:٢/٢١، غرائب القرآن للنیسابوری:١/ ١٣٨-١٣٩، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:١/١٦١.

ساتواں قول: بعض حضرات نے کیا خوب فرماتے ہیں۔

"المتقى من سلك سبيل المصطفى، ونبذ الدنيا وراء القفا، وكلف نفسه الإخلاص والوفاء، واجتنب الحرام والجفا." (١)

آٹھواں قول: ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں۔

" المتقى من إذا قال: قال لله: ومن إذا عمل عمل لله.(٢)

نواں قول: ابوسلیمان دارانیؒ فرماتے ہیں۔

"المتقون الذين نزع الله عن قلوبهم حب الشهوات. "(٣)

ایک مرتبہ اَمیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ سے تقوی کے متعلق پوچھا، حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا: کیا تمہارا کبھی خاردار اور کانٹوں والے راستہ سے گزر ہوا ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ نے کہا۔ جی ہاں! حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا پھر تم نے اس کے گزرتے ہوئے کیا کیا تھا؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرمایا کہ میں نے کپڑے اوپر کر لئے اور بچ کے احتیاط سے گزرا۔ حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ یہی تقوی ہے۔ (۴)

تقوی کے متعلق معروف شاعر ابن المعتز نے کیا خوب کہا ہے۔

ے خل الذنوب صغيـــــرها وكبيـــــرها ذاك التقى

واصنع كـــــماش فوق أر ض الشوك يحذر مـا يرى

لا تحقـــــرن صغيـــــرة إن الجبـــــال من الحصى.

ترجمہ: تو گناہ صغیرہ اور کبیرہ کو چھوڑ دے یہی تقوی ہے اور کانٹوں والی زمین کے اوپر چلنے والے کی طرح کر کہ وہ کانٹوں کو دیکھ کر احتیاط کرتا ہے، صغیرہ گناہ کو بھی حقیر نہ سمجھ، اس لیے پہاڑ کنکروں سے بنتے ہیں۔

====================

(۱) تفسیر کبیر للرازی:۲/۲۱.

(۲) تفسیر کبیر للرازی:۲/۲۱، غرائب القرآن للنیسابوری:۱/ ۱۳۸-۱۳۹، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:۱/۱۶۱.

(۳) تفسیر کبیر للرازی:۲/۲۱، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:۱/۱۶۱.

(۴) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:۱/۱۶۱.

سیدنا ابو درداؓ سے ایک مرتبہ کسی نے پوچھا کہ آپ ساتھی شعر کہتے رہتے ہیں اور آپ سے کوئی شعر نہیں سنا، تو انہوں نے فرمایا۔ (۱)

یرید المــــرء أن یؤتی مناه ویأبی الله إلا مــــــــــا أرادا
یقول المرء فائدتی ومالی وتقوی الله أفضل ما استفـــادا

ترجمہ: انسان اپنی خواہش پوری کرنے کا ارادہ کرتا ہے، مگر اللہ تعالی وہی عطا کرتا ہے، جو وہ چاہے، انسان کہتا ہے کہ میرا مال اور میرا فائدہ! حالانکہ جو اس نے فائدہ اٹھایا، اس میں سے افضل و بہتر اللہ تعالی کا تقوی ہے۔

المبحث الثالث : ثمرات التقویٰ :

دنیا و آخرت کی فلاح و بہبود کا دار و مدار ایمان کے بعد تقوی اور عمل صالح پر ہے، قرآن مجید میں ایمان کیساتھ ساتھ بار بار تقوی اور خوف خدا کی ترغیب دی گئی ہے اور جس شخص نے متقیانہ اور پرہیزگارانہ زندگی بسر کی، تو اسے ایسی غیر معمولی نعمتوں نوازا جائے گا، کہ انسانی عقل اس کے حقیقت کے ادراک اور کنہ سے قاصر ہے، صحیح بخاری میں حدیث قدسی ہے۔" قال الله أعددت لعبادی الصالحین ما لا عین رأت ولا أذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ".(۲)

قرآن مجید نے اہل تقوی کے لیے مختلف انعامات کا تذکرہ کیا، چند انعامات درج ذیل ہیں۔

❁...... **تکفیر السیئات و مغفرة الذنوب**، جیسا کہ ارشاد ہے۔" یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا إِن تَتَّقُوا اللَّهَ یَجعَل لَکُم فُرقَانًا وَیُکَفِّر عَنکُم سَیِّئَاتِکُم وَیَغفِر لَکُم. "(سورۃ الأنفال:۲۹).

❁...... **الغلبة والمعیة الخاصة**، جیسے ارشاد ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ مَعَ الَّذِینَ اتَّقَوا وَالَّذِینَ هُم مُحسِنُونَ ."(النحل:۱۲۸).

❁...... **الخروج من الغم والمحنة**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَمَن یَتَّقِ اللَّهَ یَجعَل لَهُ مَخرَجًا". (سورۃ الطلاق:۲).

❁...... **التیسر والسهولة فی الأمر**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمَن یَتَّقِ اللَّهَ یَجعَل لَهُ مِن أَمرِهِ یُسرًا."(الطلاق:۴).

==========================

(۱) مذکورہ بالا تمام اقوال کی تفصیل کے لئے دیکھئے تفسیر کبیر للرازی:۲/۲۱، غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۳۸-۱۳۹، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:۱/۱۶۱.

(۲) صحیح بخاری:۳/۱۱۸۵، رقم:۳۰۷۲، صحیح مسلم:۴/۲۱۷۴، رقم:۲۸۲۴.

(۲) قال العلامة أبوالسعودالعمادی رحمه الله: والتحقیق أن للتقوی ثلاث مراتبَ : الأولی : التوقی عن العذاب =

۞...... **الأجر العظیم**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يُكَفِّر عَنهُ سَيِّئَاتِهِ وَيُعظِم لَهُ أَجرًا. "(سورۃ الطلاق:۵).

۞......**اجابة الأعمال**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَاتلُ عَلَيهِم نَبَأَ ابنَى آدَمَ بِالحَقِّ إِذ قَرَّبَا قُربَانًا فَتُقُبِّلَ مِن أَحَدِهِمَا وَلَم يُتَقَبَّل مِنَ الآخَرِ قَالَ لَأَقتُلَنَّكَ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ المُتَّقِينَ." (سورۃ المائدۃ:۲۷).

۞......**الدخول فى الجنة**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "تِلكَ الجَنَّةُ الَّتِى نُورِثُ مِن عِبَادِنَا مَن كَانَ تَقِيًّا." (مریم:۶۳).

۞......**النجاة من النار والعقوبة**، جیسے ارشاد ہے۔ "ثُمَّ نُنَجِّى الَّذِينَ اتَّقَوا وَنَذَرُ الظَّالِمِينَ فِيهَا جِثِيًّا."(مریم:۷۲).

۞......**توسيع الرزق**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمَن يَتَّقِ اللَّهَ يَجعَل لَهُ مَخرَجًا وَيَرزُقهُ مِن حَيثُ لَا يَحتَسِبُ." (سورۃ الطلاق:۳).

۞......**الفوز بالمراد**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَيُنَجِّى اللَّهُ الَّذِينَ اتَّقَوا بِمَفَازَتِهِم لَا يَمَسُّهُمُ السُّوءُ وَلَا هُم يَحزَنُونَ." (سورۃ الزمر:۶۱) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ "إِنَّ لِلمُتَّقِينَ مَفَازًا." (سورۃ النبا:۳۱).

۞......**البشارة بالكرامة**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّ أَكرَمَكُم عِندَ اللَّهِ أَتقَاكُم." (سورۃ الحجرات:۱۳).

۞......**الشهادة لهم بالصدق**، جیسا کہ ارشاد ہے۔"أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ المُتَّقُونَ." (البقرۃ:۱۷۷).

۞......**بشارة المحب**، جیسے ارشاد ہے۔ "بَلَى مَن أَوفَى بِعَهدِهِ وَاتَّقَى فَإِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ المُتَّقِينَ." (ال عمران:۷۶).

۞...... **الفلاح**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُم تُفلِحُونَ. (سورۃ البقرۃ:۱۸۹، سورۃ ال عمران:۱۳۰،۲۰۰).

۞......**نيل الوصال والقربة**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "لَن يَنَالَ اللَّهَ لُحُومُهَا وَلَا دِمَاؤُهَا وَلَكِن يَنَالُهُ التَّقوَى مِنكُم." (سورۃ الحج:۳۷).

۞......**كمال العبودية**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنتُم مُسلِمُونَ." (سورۃ ال عمران:۱۰۲).

=====================

= المخلّد بالتبرؤ عن الكفر، وعليه قوله تعالى: ﴿وَأَلزَمَهُم كَلِمَةَ التقوى﴾. والثانية: التجنبُ عن كل ما يُؤثِم من فعل أو ترك حتى الصغائر عند قوم، وهو المتعارَفُ بالتقوى فى الشرع، وهو المعنيُّ بقوله تعالى: ﴿وَلَو أَنَّ أَهلَ القرى امَنُوا واتقوا﴾. والثالثة: أن يتنزه عن كل ما يشغَلُ سرَّه عن الحق عز وجل، ويتبتّلَ إليه بكلّيته، وهى التقوى الحقيقيةُ المأمورُ بها فى قوله تعالى: ﴿يا أيها الذين امَنُوا اتقوا الله حَقَّ تُقَاتِهِ﴾، ولهذه المرتبة عَرضٌ عريض يتفاوت فيه طبقاتُ أصحابها حسَب تفاوتِ درجاتِ استعداداتهم الفائضة عليهم بموجَب المشيئة الإلهية.. [تفسير ارشاد العقل السليم الى مزايا الكتاب الكريم:۱/۲۸].

۞......**الجنات والعيون،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "قُل أَؤُنَبِّئُكُم بِخَيرٍ مِن ذَلِكُم لِلَّذِينَ اتَّقَوا عِندَ رَبِّهِم جَنَّاتٌ تَجرِي مِن تَحتِهَا الأَنهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَأَزوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَرِضوَانٌ مِنَ اللَّهِ." (سورۃ آل عمران:۱۵، وأیضاً:۱۹۸، سورۃ المائدۃ: ۶۵، سورۃ الحجر:۴۵، سورۃ النحل:۳۰،۳۱، سورۃ ص:۴۹، سورۃ الدخان:۵۱،۵۲، سورۃ الدخان:۱۵، سورۃ الطّور:۱۷، سورۃ الفجر:۵۴، سورۃ القلم:۳۴).

۞......**الأمن من البلية،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّ المُتَّقِينَ فِي مَقَامٍ أَمِينٍ." (سورۃ الدخان:۵۱).

۞......**عز الفوقية على الخلق،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَالَّذِينَ اتَّقَوا فَوقَهُم يَومَ القِيَامَةِ." (سورۃ البقرۃ:۲۱۲).

۞......**قبول الصدقة،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ الله مِنَ المتقين". (سورۃ البقرۃ:۲۷)

۞......**الصّفاء والصّفوة،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "فَإِنَّهَا مِن تَقوَى القلوب." (سورۃ الحج:۳۲)

۞......**زوال الخوف والحزن من العقوبة،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "فَمَنِ اتَّقَى وَأَصلَحَ فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ." (سورۃ الأعراف:۳۵).

۞......**الأزواج الموافقة،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ " إِنَّ لِلمُتَّقِينَ مَفَازاً" إلى قوله: "وَكَوَاعِبَ أَترَاباً." (النباء:۳۱-۳۳)

۞...... **قُرب الحضرة واللِّقاءِ والرّؤية،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّ المتقين فِي جَنَّاتٍ وَنَهَرٍ۔ فِي مَقعَدِ صِدقٍ عِندَ مَلِيكٍ مُقتَدِرٍ." (سورۃ القمر:۵۴-۵۵) (۱)

البحث الرابع : اطلاقات التقوى فى القرآن :

قرآن مجید میں تقویٰ کا اطلاق مختلف معانی پر کیا گیا ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

۞...... تقویٰ بمعنی **الخوف والخشية،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "يَا أَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُم مِن نَفسٍ وَاحِدَةٍ." (سورۃ النساء:۱).

۞...... تقویٰ بمعنی **الطاعة والعبادة،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَهُ مَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ وَلَهُ الدِّينُ وَاصِبًا أَفَغَيرَ اللَّهِ تَتَّقُونَ." (سورۃ النحل:۵۲).

۞...... تقویٰ بمعنی **ترك المعصية والذلة،** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَيسَ البِرُّ بِأَن تَأتُوا البُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَكِنَّ

=========================

(۱) دیکھئے بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز:۳/۳۰۱-۳۰۳، بصیرۃ فی التقویٰ.

البِرَّ مَنِ اتَّقَى وَأتُوا البُيُوتَ مِن أَبوَابِهَا وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُم تُفلِحُونَ."(سورۃ البقرۃ:۱۸۹)، أی اتركوا خلاف أمره.

۞...... تقویٰ بمعنی **التوحيد والشهادة**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَقُولُوا قَولًا سَدِيدًا." (سورۃ الأحزاب:۷۰).

۞...... تقویٰ بمعنی **الاخلاص والمعرفة**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّ الَّذِينَ يَغُضُّونَ أَصوَاتَهُم عِندَ رَسُولِ اللَّهِ أُولَئِكَ الَّذِينَ امتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُم لِلتَّقوَى." (سورۃ الحجرات:۳).

۞...... تقویٰ بمعنی **الاحتراز عن السؤال**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيرَ الزَّادِ التَّقوَى." (سورۃ البقرۃ:۱۹۷).(۱)

قوله تعالى : الَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالغَيبِ:

یہ محل جرء میں واقع ہے، یعنی یہ ماقبل "للمتقين" کے لیے صفت (کاشفہ یا مادحہ) ہے، یا بدل ہے اور یا عطف بیان ہے۔ یا محل رفع میں خبر واقع ہے اور "هو" مبتداء محذوف ہے، اس آیت میں متقین کی مخصوص صفات اور علامات بیان کی جارہی ہیں، جن میں ایمان کی اجمالی تعریف اور اساسی اصول مذکور ہیں اور اس کیساتھ ساتھ عمل صالح کے بنیادی ارکان کا بھی بیان ہے، کہ ان اوصاف کے حامل متقی کہلاتے ہیں، وہ یہ پانچ اوصاف یہ ہیں۔ ۱۔ الايمان بالله تعالى . ۲۔ اقامة الصلوٰة. ۳۔ ایتاء الزکوۃ . ٤۔ الايمان بالقرآن والكتب السابقة . ٥۔ الايمان بالآخرة .

اب ان اوصاف کو ذرا وضاحت کیساتھ بیان کیا جاتا ہے، جن کے متعلق درج ذیل چند مباحث ذہن نشیں رکھیں۔

۱۔ ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم۔ ۲۔ غیب کا لغوی اا اور اصطلاحی مفہوم۔ ۳۔ معنى الآية فى ضوء أقوال المفسرين .

المبحث الأول : ایمان کا لغوی اور اصطلاحی مفهوم :

ایمان لغت کے اعتبار سے باب افعال کا مصدر ہے اور " امن " سے، ماخوذ ہے، بمعنی مامون ہونا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أَفَأَمِنَ أَهلُ القُرَى أَن يَأتِيَهُم بَأسُنَا بَيَاتًا." (سورۃ الأعراف:۹۷) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "أَفَأَمِنُوا مَكرَ اللَّهِ." (سورۃ الأعراف:۹۹) وغیرہ ذلک......اور جب اس کو باب افعال پر لے گئے تو متعدی ہو کر اس کا معنی مامون کر دینا ہوگا۔

========================

(۱) دیکھئے بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز:۳/۳۰۳ بصیرۃ فی التقوی.

اہل علم نے اپنے ذوق کے مطابق اس کی مختلف اصطلاحی تعریفات کیے ہیں، لیکن سب سے جامع تعریف یہ ہے۔" الایمان : التصدیق بماجاء به النبی صلی الله علیه وسلم." (١)

ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ اس میں اہل علم کے سات معروف مذاہب ہیں، جن میں دو مذہب اہل حق اور باقی پانچ اہل باطل کے ہیں۔

پہلا مذہب:...... جمہور فقہاء ومحدثین، ائمہ ثلثہ بشمول سفیان ثوریؒ اور امام بخاریؒ کے نزدیک ایمان اشیاء ثلاثہ سے مرکب ہے، تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور عمل بالأرکان۔

دوسرا مذہب:...... جمہور متکلمین اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ایمان بسیط ہے، صرف تصدیق قلبی کا نام ہے۔ اقرار باللسان اور عمل بالارکان ایمان میں داخل نہیں، البتہ اقرار باللسان اجراء احکام اور تکمیل ایمان کے لئے ضرور شرط ہیں (٢)۔

اہل باطل کے معروف پانچ مذاہب ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

پہلا مذہب:...... معتزلہ کا نقطہ نظر یہ ہے، کہ ایمان اشیاء ثلاثہ سے مرکب ہے۔ تصدیق بالجنان، اقرار باللسان اور عمل بالأرکان سے۔ اور یہ تینوں ایمان کی حقیقت میں داخل ہیں، ان میں سے کسی ایک کو ترک کرنے کی وجہ سے کوئی اسلام سے خارج ہوکر دائرہ کفر میں داخل نہیں ہوگا۔ بلکہ اس کے لئے منزلہ بین المنزلتین ہوگا۔

دوسرا مذہب:......خوارج کا نظریہ بھی تقریبا یہ ہے، مگر فرق صرف اتنا ہے کہ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص اسلام کے کسی ایک جزء کو ترک کردے، تو وہ دائرہ اسلام سے خارج ہوکر کفر کے زمرے میں داخل ہوجائے گا۔

تیسرا مذہب:...... مرجئہ کہتے ہیں کہ ایمان بسیط ہے، فقط تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان اور عمل بالأرکان نہ حقیقت ایمان میں داخل ہیں اور نہ تکمیل ایمان کے لئے شرط ہیں۔ اور ان کا یہ قول مشہور ہے۔ "لاتضر المعصية مع الایمان كمالا تنفع الطاعة مع الكفر ."

======================

(١) مرقاة المفاتيح: ١/ ٥٠،

(٢) واختلف العلماء فيه على أقوال أولها: عليه الأكثرون والأشعرى والمحققون أنه مجرد تصديق النبى عليه الصلاة والسلام فيما علم مجيئه بالضرورة تفصيلا فى الأمور التفصيلية وإجمالا فى الإجمالية تصديقا جازما ولو لغير دليل حتى يدخل إيمان المقلد فهو صحيح على الأصح. (مرقاة المفاتيح: ١/ ٥٠)

چوتھا مذھب: ......جہمیہ کا زعم باطل یہ ہے کہ ایمان صرف علم ومعرفت کا نام ہے دیگر اعمال کی چنداں ضرورت نہیں۔

پانچواں مذھب: ......کرامیہ کا خیال یہ ہے کہ ایمان صرف اقرار باللسان کا نام ہے،تصدیق بالجنان اور عمل بالاً کان کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔

باقی ایمان کے متعلق ابحاث کتب احادیث اور علم کلام میں بسط وتفصیل کیساتھ مذکور ہیں۔وہاں ملاحظہ ہوں۔

المبحث الثانی : غیب کا لغوی اور اصطلاحی مفھوم:

''غیب'' اجوف یائی سے مصدر کا صیغہ ہے،لغت میں شہود کی ضد ہے اور اصطلاح میں ہر اس چیز کو کہتے ہیں،جو محسوسات اور معقولات سے ماوراء ہو،یعنی جو نظر سے چھپی ہوئی ہو اور مشاہدہ وتجربہ سے بالاتر ہو۔مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ " والمراد به الخفى الذى لا يدركه الحس ولا تقتضيه بديهة العقل."(١)

تقریباً یہی معنی معروف حنفی مفسر علامہ سید محمود آلوسیؒ نے بھی کیا ہے۔فرماتے ہیں۔ "وفسره جمع هنا بما لا يقع تحت الحواس، ولا تقتضيه بداهة العقل.(٢)

مفسر جلیل امام فخر الدین رازیؒ اس معنی کی نسبت جمہور اہل علم کی طرف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔"وهو قول جمهور المفسرين :أن الغيب هو الذى يكون غائباً عن الحاسة." (٣)

غیب کا مفہوم:

مفسرین کرامؒ سے غیب کی تفسیر اور مفہوم کے متعلق مختلف اقوال منقول ہیں۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ غیب سے باری تعالی کی ذات مراد ہے،تاہم علامہ ابن العربیؒ نے اس قول کو ضعیف قرار دیا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ غیب سے قضاء وقدر مراد ہے۔

بعض علماء فرماتے ہیں کہ غیب سے قرآن مجید اور اس میں موجودہ غیوب مراد ہیں۔

بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ غیب سے ہر وہ چیز مراد ہے،جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے خبر دی ہو،اور اس کے ادراک

======================

(١) تفسیر بیضاوی:١/١١٤.

(٢) روح المعانی:٢/١١٧.

(٣) تفسیر کبیر للرازی:٢/٢٧.

سے انسانی عقل قاصر ہو، جیسے علامات قیامت، عذاب قبر، حشر ونشر، صراط، میزان اور جنت وجہنم وغیرہ۔

معروف مفسر علامہ ابن عطیہ اندلسیؒ فرماتے ہیں کہ ان اقوال میں کوئی تعارض نہیں، بلکہ سب پر غیب کا اطلاق ہوتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ واختلفت عبارة المفسرين فى تمثيل ذلك فقالت فرقة: الغيب فى هذه الآية هو الله عز وجل وقال آخرون: القضاء والقدر وقال آخرون: القرآن وما فيه من الغيوب وقال آخرون: الحشر والصراط والميزان والجنة والنار. قال القاضي أبو محمد: وهذه الأقوال لا تتعارض بل يقع الغيب على جميعها(١).

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ غیب سے مراد ایمان شرعی ہے، صحیح مسلم میں روایت ہے کہ حضرت جبریل علیہ السلام نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔ مجھے ایمان کے متعلق کچھ عرض فرمائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔" أن تؤمن بالله وملائكته وكتبه ورسله واليوم الآخر وتؤمن بالقدر خيره وشره". جبریل علیہ السلام نے کہا۔ آپ نے سچ فرمایا۔(۲)

جلیل القدر صحابی رسول عبداللہ بن مسعودؓ نے ایک مرتبہ ارشاد فرمایا۔ کہ کوئی مؤمن ایمان بالغیب سے افضل ایمان نہیں لایا، پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔" الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ بِالغَيبِ..."

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ غیب سے لوگوں کے دل مراد ہیں، کہ مؤمن ظاہری اور باطنی دونوں طرح ایمان سے مشرف ہوتا ہے، جب کہ منافق کا ایمان صرف زبانی کلامی ہوتا ہے، ایک شاعر نے کیا خوب کہا۔

وبالغيب آمنا وقد كان قومنا يصلون للأوثان قبل محمد

یہ توجیہ زیادہ صحیح اور مناسب معلوم ہوتی ہے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے۔ "هذا قول حسن". (۳)

غیب کی اقسام اور انواع:

غیب کی دو قسمیں ہیں:۔

پہلی قسم: غیب کی پہلی قسم وہ ہے، جس پر کوئی دلیل نہ ہو، جیسے 'وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو" وغیرہ۔

دوسری قسم: غیب کی دوسری قسم وہ ہے، جس پر کوئی دلیل ہو، جیسے اللہ تعالی ذات وصفات، آخرت اور حساب وغیرہ۔ اس

======================

(۱) تفسیر المحرر الوجیز: ۱/۸۴.

(۲) صحیح مسلم: ۱/۳۶، رقم ۸.

(۳) تفسیر قرطبی: ۱/۱۶۴.

آیت میں یہی دوسری قسم مراد ہے، امام فخر الدین رازیؒ اور قاضی بیضاویؒ واللفظ لہ فرماتے ہیں۔ "وهو قسمان: قسم لا دليل عليه، وهو المعنى بقوله تعالى: وعنده مفاتح الغيب لا يعلمها إلا هو . وقسم: نصب موقع عليه دليل كالصانع وصفاته واليوم الآخر وأحواله، وهو المراد به في هذه الآية .(١)

لیکن میری (شیخ محترم حفظہ اللہ) رائے یہ ہے کہ غیب کی یہاں پر دونوں قسمیں مراد ہیں، یعنی اہل ایمان وہ کہلاتے ہیں، جو جملہ مغیبات پر یقین رکھتے ہوں، خواہ ان پر دلائل قائم ہوں، یا نہ ہوں۔ اس لئے کہ تمام مغیبات کا علم اللہ تعالی کے سوا کسی کو نہیں۔ اور یہی کمالِ اطاعت کی علامت ہے کہ دلیل ہو یا نہ ہو پس سر تسلیم خم کردے۔

غیب کے معانی ومطالب:

غیب کی کئی معانی ومطالب ہیں۔ چند درج ذیل ہیں۔

پہلا معنی:......غیب بمعنی وحی، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمَا هُوَ عَلَى الغَيبِ بِضَنِينٍ ." (سورۃ التکویر:۲۴).

دوسرا معنی:......غیب بمعنی لوح محفوظ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أَطَّلَعَ الغَيبَ أَمِ اتَّخَذَ عِندَ الرَّحمَنِ عَهدًا." (مریم:۷۸)

تیسرا معنی:......غیب بمعنی عدم الدلیل، جیسا کہ ارشاد ہے۔" سَيَقُولُونَ ثَلَاثَةٌ رَابِعُهُم كَلبُهُم وَيَقُولُونَ خَمسَةٌ سَادِسُهُم كَلبُهُم رَجمًا بِالغَيبِ." (سورۃ الکہف:۲۲).

چوتھا معنی:......غیب بمعنی وقت الغیبوبۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "ذَلِكَ لِيَعلَمَ أَنِّى لَم أَخُنهُ بِالغَيبِ ." (سورۃ یوسف:۵۲)

پانچواں معنی:......غیب بمعنی الأشياء الغائبة التى لا دليل عليه، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " الَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالغَيبِ." (سورۃ البقرۃ:۳)

اس آیت میں یہی پانچواں معنی مراد ہے۔(۲)

المبحث الثالث : معنى الآية فى ضوء أقوال المفسرين :

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ غیب سے مراد وہ اشیاء ہیں، جو محسوسات اور معقولات سے ماوراء ہوں اور انسانی عقل جن کے ادراک سے قاصر ہو۔ یعنی اللہ تعالی پر بن دیکھے ایمان لاتے ہیں، اسی طرح ملائکہ، جنت، جہنم، حساب، بعث بعد الموت وغیرہ

======================

(۱) تفسیر بیضاوی:۱/۱۱۴.

(۲) تفسیر کبیر:۱/۲۸۷.

ذلک.. پر بھی بن دیکھے ایمان رکھتے ہیں۔ اور انہیں اس حقیقت پر اعتمادِ راسخ اور کامل یقین ہے۔ مفسر جلیل علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "بما غاب عنهم مما أنبأهم به النبی علیه السلام من أمر البعث والنشور والحساب وغير ذلك".(۱)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ غیب سے دل مراد ہیں، اس لئے کہ وہ بھی پوشیدہ ہوتا ہے، اب معنی یہ ہوگا۔ کہ مومن وہ ہیں، جو دل سے ایمان لاتے ہیں۔ ان لوگوں کی مانند نہیں، جن کا یمان محض زبانی کلامی کہلاتا ہے۔ معروف مفسر علامہ ابوالسعود العمادیؒ فرماتے ہیں۔" وقيل : المرادُ بالغيب القلبُ؛ لأنه مستور ، والمعنى :يؤمنون بقلوبهم لا كالذين يقولون بأفواههم ما ليس فی قلوبهم."(۲)

مفسر جلیل علامہ سید محمود آلوسیؒ رقم طراز ہیں۔

"واختار أبو مسلم الأصفهانی: أن المراد أن هؤلاء المتقين يؤمنون بالغيب، أی حال الغيبة عنكم كما يؤمنون حال الحضور، لا كالمنافقين الذين إِذَا لَقُوا الذين آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوا إلى شياطينهم قَالُوا إِنَّا مَعَكُم إِنَّمَا نَحنُ مُستَهزِئُونَ." (سورۃ البقرۃ:۱۴).(۳)

ابومسلم اصفہانی نے اس قول کو راجح قرار دیا کہ اس سے مراد وہ اہل ایمان ہیں، جو جس طرح تمہارے سامنے مومن ہو کر رہتے ہیں۔ تو اسی طرح تمہارے عدم موجودگی میں بھی مومن بن کے رہتے ہیں۔ نہ کہ ان منافقین کی طرح ہیں کہ جب وہ اہل ایمان سے ملتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور جب اپنے شیاطین رہنماوں کے پاس چلے جاتے ہیں، تو کہتے ہیں کہ ہم تو تمہارے ساتھ ہیں اور مومنوں کیساتھ تو ہم نے استہزاء و تمسخر کیا کرتے ہیں۔

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ مؤمن وہ کہلاتے ہیں کہ جو ان چیزوں پر ایمان لاتے ہیں جو ادلہ اور براہین سے ثابت شدہ ہیں۔

الغرض ایمان بالغیب کو تقوی کی علامت اس لئے قرار دیا ہے کہ محسوسات کی تصدیق ایمان اور تقوی کی علامت نہیں، اس لئے کہ جو چیز ظاہری یا باطنی حواس سے مدرک ہو، اس کی تصدیق اختیاری نہیں، بلکہ اضطراری کہلاتی ہے اور شرعی طور پر وہ ایمان معتبر ہے، جو ارادہ اور اختیار کیساتھ ہو۔

==================

(۱) تفسیر النسفی: ۱/ ۱۶-۱۷.

(۲) تفسیر أبی السعود: ۱/ ۲۹.

(۳) روح المعانی: ۱/ ۱۱۸.

بعض اہل علم نے غیب اور غائب میں یہ فرق بتلایا ہے کہ غائب وہ ہوتا ہے کہ نہ تو اسے دیکھ سکے اور نہ ہی وہ تجھے دیکھ سکے ،اور غیب وہ ہوتا ہے کہ تو اسے دیکھ نہ سکے،لیکن وہ تجھے دیکھ رہا ہو۔

قوله تعالى: وَيُقِيمُونَ الصَّلَاةَ :

یہ عطف الجملہ علی الجملہ کے قبیل سے ہےاور یہ متقین کی دوسری صفت " اقامة الصلوة " ہے کہ متقین وہ لوگ ہیں، جو نماز قائم کرتے ہیں۔اب اس آیت کی وضاحت کے متعلق چند مباحث کا جاننا ضروری ہے۔

۱۔ "اقامة الصلاة" کا مفہوم۔ ۲۔ صلوٰۃ کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم۔ ۳۔ اطلاقات الصلوٰۃ فی القرآن

المبحث الأول : "اقامة الصلاة" کا مفهوم :

"يُقِيمُونَ" متقین کی دوسری صفت اقامت صلوۃ ہے،اقامت صلوۃ کا مفہوم یہ ہے کہ نماز کو جملہ حقوق ولوازم کیساتھ اداکرنے کا اہتمام کرنا،یعنی نماز کو ہر جہت اور ہر حیثیت سے درست کرنے کا نام اقامت ہے،جس میں نماز کے فرائض،واجبات،سنن،مستحبات اور اس پر دوام والتزام وغیرہ شامل ہے،مفسر جلیل علامہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔"أی يـديـمون الصلاة. وقد قيل أيضاً: إن العبد يديم الصلاة. وقد قيل : يحافظون على الصلوات الخمس بمواقيتها وركوعها وسجودها والتضرع بعدها.(۱)

معروف مفسر علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ "أی يداومون عليها فی مواقيتها بحدودها وإتمام أركانها وحفظها من أن يقع فيها خلل فی فرائضها وسننها وآدابها.(۲)

حضرت شیخ القرآن علیہ الغفران اس کا معنی یوں فرماتے تھے۔ "أی يروجون الصلٰوة."

اس لئے کہ اقامت صلوۃ اور محض ادائے صلوۃ میں فرق ہے،نماز کو کما حقہ ادا کرنے کا نام اقامت صلوۃ ہے،کیونکہ عربی محاورہ میں کسی شئی کے اقامت کا معنی یہ ہوتے ہیں کہ اسے اس طرح ادا کیا جائے، جو اس کا حق ہے،،اور جب کہ محض ادائے صلوۃ میں اس اطرح کا لحاظ نہیں رکھا جاتا ہے۔معروف مفسر امام راغب اصفہانیؒ رقم طراز ہیں۔"إقـامة الـصـلاة: تـوفية حـدودهـا وإدامتها وتخصيص "الإقامة" تنبيه على أنه لم يرد إيقاعها فقط. ولهذا لم يأمر بالصلاة، ولم يمدح بها إلا

===========================

(۱) تفسیر بحر العلوم:۱/۲۳.

(۲) تفسیر خازن:۱/۲۵.

بـلـفـظ الإقـامة نـحـو: ﴿أَقِـمِ الـصَّلَاـةَ﴾ وقوله: ﴿وَالمُقِيمِينَ الصَّلَاةَ﴾ و ﴿الَّذِينَ يُقِيمُونَ الصَّلَاةَ﴾، ولـم يقل الـمـصـلـى إلا فـى المنافقين ﴿فَوَيلٌ لِلمُصَلِّينَ الَّذِينَ هُم عَن صَلَاتِهِم سَاهُونَ﴾ وذلك تنبيه أن المصلين كثير والمقيمين لها قليل، كما قال عمر رضى الله عنه: "الحاج قليل والركب كثير". ولهذا قال عليه السلام: "من صـلـى ركـعتيـن مـقبلاً بـقلبه على الله خرج من ذنوبه كيوم ولدته أمه". فذكر مع قوله صلى الله عليه وسلم الإقبـال بـقـلبـه عـلـى الله تنبيهاً على معنى الإقامة، وبذلك عظم ثوابه وكثير من الأفعال التى حث تعالى على تـوفية حـقـه ذكـره بـلـفظ الإقامة نحو: ﴿وَلَو أَنَّهُم أَقَامُوا التَّورَاةَ وَالإِنجِيلَ﴾ ونحو: ﴿وَأَقِيمُوا الوَزنَ بِالقِسطِ﴾ تنبيهاً على المحافظة على تعديله." (۱)

اقامت کے مفہوم کے متعلق یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ فعل کا معنی متعلق اور منسوب الیہ کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے، جیسا کہ "قام زید "اور "قام السوق " میں فرق واضح ہے۔ "قام زید"کا معنی زید کھڑا ہے اور "قام السوق "کا معنی بازار گرم ہے ۔اوراسی طرح "جاء زید " اور "جاء برد" میں بھی فرق ظاہر ہے، چنانچہ "جاء ززید "کا معنی زید چل کر آیا۔اور "جاء برد" کا معنی سردی ظاہر ہوگئی۔اسی طرح یہاں بھی قیام کا معنی منسوب الیہ (صـلاـة) کے اعتبار سے بدلا ہے۔تو اسی وجہ سے مفسرین کرامؒ یوں معنی کرتے ہیں۔کہ نمازوں کو دائمی طور پر ادا کرتے ہیں، جیسا کہ ماقبل میں مفسرین کرام کے حوالے سے اس کے معانی نقل کر دی گئی ہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ یہاں پر نماز کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟ تو اس کی وجہ ظاہر ہے کہ دین کے تمام شعبوں میں سب سے اہم ترین فریضہ نماز ہے ،قرآن وسنت میں اس کی اہتمام کی نہایت تاکید فرمائی گئی ہے ،حتی کہ اس کو اسلام اور کفر کا حد فاصل قرار دیا گیا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے سے مخلوق کا تعلق ورشتہ خالق سے بنتا ہے اور یہ رضاالٰہی کا اہم ذریعہ ہے ،سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

" أحب شيء إلى الله الصلاةُ لوقتها، ومن ترك الصلاة فلا دِينَ له، والصلاةُ عِمَادُ الدِّينِ.(۳)

اللہ تعالی کو سب سے محبوب چیز نماز کو اپنے وقت پہ ادا کرنا ہے اور جس آدمی نے نماز چھوڑ دی اس کا کوئی

=======================

(۱) تفسیر الراغب:۱/۸۱.

(۲) أخرجه البيهقى فى شعب الايمان:۳/۳۹، ۲۸۰۷، وضعفه الألبانى فى صحيح وضعيف الجامع الصغير:۱۱۹، رقم:۱۱۸۳.

اسی وجہ سے امیر المؤمنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں وزراء کے نام یہ پیغام جاری کیا تھا۔

إن أهم أمركم عندى الصلاة، فمن حفظها، وحافظ عليها حفظ دينه، ومن ضيعها فهو لما سواها أضيع(١) .

میرے نزدیک سب سے مہتم بالشان چیز نماز ہے، جو شخص اس کا اہتمام اور حفاظت کرتا ہے، تو دین کے دیگر امور کا بھی اہتمام کر سکتا ہے اور جو شخص اس کو ضائع کرتا ہے، تو وہ دین کے دیگر امور کو بھی ضائع کرے گا۔

صلٰوۃ دین کے معنی میں بھی آتا ہے، اس لئے کہ نماز ایک جامع لفظ ہے، جو تمام احکام الہیہ کو شامل ہے، اس توجیہ کے مطابق معنی یوں ہوگا۔ وہ دین اسلام کو تمام عالم دنیا میں رائج کرتے ہیں۔

المبحث الثانی " صلٰوۃ " کا لغوی اورا صطلاحی مفہوم:

لفظ "صلٰوۃ "معتل اللام ہے، جو "صلّی یصلّی" سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے دعا کرنا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَصَلِّ عَلَيهِم.. " (سورۃ التوبۃ:۱۰۳) "أي ادع لهم". اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

"إذا دعى أحدكم فليجب فإن كان صائما فليصل". (۲)

یعنی تم میں سے کسی کو کھانے کی دعوت دی جائے، تو اس کی دعوت قبول کرے اور اگر روزہ ہو تو دعا کرے۔

اکثر اہل علم کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ اس حدیث میں "صلوۃ" سے مراد دعا ہے۔

ایک روایت میں آتا ہے کہ جب حضرت اسماء رضی اللہ عنہا نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو جنم دیا، تو حضرت اسماءؓ نے انہیں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیجا۔ حضرت اسماءؓ نے فرمایا۔ "ثم مسحه وصلى عليه(٣). رسول اللہ ﷺ نے اس پر اپنا دست مبارک پھیرا، اور اس کے دعا فرمائی۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "صلٰوۃ " صليت العصا بالنار. سے مشتق ہے، یہ عرب اس وقت کہا کرتے ہیں کہ جب لکڑی

========================

(١) أخرجه مالك فى المؤطا، باب وقوت الصلاة:١/٦، رقم:٦، والبيهقى فى سنن الكبرى:١/٤٤٥، رقم:١٩٣٥، والطحاوى فى شرح معانى الآثار، باب صلاة العصرهل تعجل أوتؤخر:١/١٩٣، رقم:١١٥٢، وعبدالرزاق فى المصنف:١/٥٣٦، رقم:٢٠٣٧.

(۲) صحیح مسلم:۲/۱۰۵۴، رقم ۱۴۳۱۔

(۳) تاریخ دمشق لابن عساکر:۴۱/٦.

کو آگ کے اندر گرم کر کے سیدھی اور نرم کی جائے، اور چونکہ نماز میں بھی انسان نرم اور اللہ تعالی کے احکامات کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیتا ہے۔ کبھی تکبیر کہتا ہے اور کبھی رکوع وسجود میں ربّ ذی الجلال کی عظمت کی صدائیں لگاتا ہے۔ اور کبھی قیام وقعود میں اللہ تعالی کی بڑائی بیان کرتا ہے۔ مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ " اشتقاقها من الصلى، وهى النار من قولهم: صليت العصا إذا قومتها بالصلى، فالمصلى كأنه يسعى فى تعديل باطنه وظاهره مثل من يحاول تقويم الخشبة بعرضها على النار."(۱).

اصطلاح میں یہ منقول شرعی ہے، جس کا معنی ارکانِ مخصوصہ کو اوقاتِ مخصوصہ میں ادا کرنا۔ یعنی " الصلٰوة: عبارة عن الأركان المخصوصة بالأفعال المخصوصة فى الأوقات المخصوصة (۲).

حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ نماز کچھ کہنے اور کچھ کرنے کو کہتے ہیں۔

المبحث الثالث : اطلاقات الصلٰوة فى القرآن :

قرآنِ مجید میں لفظ "صلٰوة" مختلف معانی میں مستعمل ہے۔ جن میں چند درج ذیل ہیں۔

❁...... صلوة بمعنی دعا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَصَلِّ عَلَيهِم إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَهُم." (سورة التوبة:۱۰۳).

❁...... صلوة بمعنی صلٰوة الجنازة، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنهُم مَاتَ أَبَدًا." (سورة التوبة:۸۴).

❁...... صلٰوة بمعنی الاستغفار، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا صَلُّوا عَلَيهِ." (سورة الأحزاب:۵۶).

❁...... صلوة بمعنی الرحمة، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "هُوَ الَّذِى يُصَلِّى عَلَيكُم وَمَلَائِكَتُهُ". (سورة الأحزاب:۴۳).

❁...... صلوة بمعنی صلٰوة الخوف، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَإِذَا كُنتَ فِيهِم فَأَقَمتَ لَهُمُ الصَّلَاةَ.." (النساء:۱۰۲).

======================

(۱) تفسیر کبیر للرازی:۲/۲۷۵.

(۲) الصلاة فى اللغة : الدعاء، وفى الشريعة : أفعال وأقوال على صفات مخصوصة، وفى تسميتها بالصلاة ثلاثة أقوال: أحدها: أنها سميت بذلك؛ لرفع الصَّلا، وهو مغرز الذنب من الفرس. والثانى: أنها من صليت العود إذا لينته، فالمصلى يلين ويخشع. والثالث: أنها مبنية على السؤال والدعاء، والصلاة فى اللغة : الدعاء وهى فى هذا المكان اسم جنس، قال مقاتل: أراد بها هاهنا: الصلوات الخمس۔ وفى معنى إقامتها ثلاثة أقوال:أحدها : أنه تمام فعلها على الوجه المأمور به، روى عن ابن عباس ومجاهد۔ والثانى: أنه المحافظة على مواقيتها ووضوئها وركوعها وسجودها، قاله قتادة ومقاتل ۔والثالث : إدامتها، والعرب تقول فى الشىء الراتب : قائم وفلان يقيم أرزاق الجند، قاله ابن كيسان. [زاد المسير لابن الجوزى:۱/۲۸].

۞...... صلوۃ بمعنی صلوٰۃ العید ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَذَكَرَ اسمَ رَبِّهِ فَصَلَّى". (سورۃ الأعلی:۱۵).

۞...... صلوۃ بمعنی صلوٰۃ الجمعۃ ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نُودِيَ لِلصَّلَاةِ مِن يَومِ الجُمُعَةِ". (سورۃ الجمعۃ:۹).

۞...... صلوۃ بمعنی صلوٰۃ الجماعۃ ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَإِذَا نَادَيتُم إِلَى الصَّلَاةِ اتَّخَذُوهَا هُزُوًا وَلَعِبًا.." (سورۃ المائدۃ:۵۸).

۞...... صلوۃ بمعنی صلوۃ السفر ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَإِذَا ضَرَبتُم فِي الأَرضِ فَلَيسَ عَلَيكُم جُنَاحٌ أَن تَقصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ.." (سورۃ النساء:۱۰۱).

۞...... صلوۃ بمعنی صلوٰۃ الأمم الماضیۃ ،جیسے ارشاد ہے۔ "وَأَوصَانِي بِالصَّلَاةِ وَالزَّكَاةِ مَا دُمتُ حَيًّا." (مریم:۳۱).

۞...... صلوۃ بمعنی کنائس الیھود ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَولَا دَفعُ اللَّهِ النَّاسَ بَعضَهُم بِبَعضٍ لَهُدِّمَت صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ". (سوورۃ الحج:۴۰).

۞...... صلوٰۃ بمعنی الصلوات الخمس ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ .." (سورۃ البقرۃ:۴۳).

۞...... صلوۃ بمعنی الاسلام ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ " فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلَّى." (سورۃ القیامۃ:۳۱) "أی لا أسلم."

۞...... صلوۃ بمعنی الدین ،جیسے ارشاد ہے۔ "قَالُوا يَا شُعَيبُ أَصَلَاتُكَ تَأمُرُكَ أَن نَترُكَ مَا يَعبُدُ آبَاؤُنَا." (ہود:۸۷).

۞...... صلوۃ بمعنی آفرین وشاباش ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أُولَئِكَ عَلَيهِم صَلَوَاتٌ مِن رَبِّهِم وَرَحمَةٌ.." (البقرۃ:۱۵۷).

۞...... صلوۃ بمعنی القراءۃ ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَا تَجهَر بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِت بِهَ.." (سورۃ بنی اسرائیل:۱۱۰).

۞...... صلوۃ بمعنی تسبیح الوحوش ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أَلَم تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُسَبِّحُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ وَالطَّيرُ صَافَّاتٍ كُلٌّ قَد عَلِمَ صَلَاتَهُ.." (سورۃ النور:۴۱).

۞...... صلوۃ بمعنی صلوۃ مصطلحۃ ، جیسے ارشاد ہے۔ "فَإِذَا قَضَيتُمُ الصَّلَاةَ فَاذكُرُوا اللَّهَ." (النساء:۱۰۳).(۱)

یہاں ''صلوۃ'' سے مراد صلوۃ نماز ہے، جو ارکانِ مخصوصہ کو افعالِ مخصوصہ کیساتھ ادا کرنے سے عبارت ہے، بعض اہل علم کے نزدیک نماز سے فرض نماز مراد ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ فرائض اور نوافل سب مراد ہیں، یہی قول صحیح ہے۔

==========================

(۱) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز ۳/ ۴۳۷، بصیرۃ فی صلوۃ.

قوله تعالى: وَمِمَّا رَزَقنَاهُم يُنفِقُونَ :

یہ جملہ بھی ماقبل پر عطف ہے۔" مِمَّا" جار مجرور " يُنفِقُونَ" کیساتھ متعلق ہے،اور مفعول کو بناء بر تعمیم حذف کیا گیا ہے،اس آیت میں متقین کی تیسری صفت انفاق فی سبیل اللہ کا بیان ہے، کہ متقی وہ لوگ ہیں، جو اللہ تعالی کے راستے میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں،یعنی متقین کا ایمان بھی کامل ہے اور عمل بھی ہے،ایمان اور عمل دونوں کے مجموعے کو اسلام سے تعبیر کیا جا ہے، گویا اس آیت میں ایمان کی تعریف کیساتھ اسلام کی طرف بھی اشارہ کیا گیا ہے۔

لفظ" رزق" اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے، ہر طرح کی نعمتوں کو شامل ہے،خواہ مادی نعمتیں ہوں، جیسے مال اور صحت وغیرہ۔ یا روحانی نعمتیں ہوں، جیسے علم،فہم وفراست وغیرہ۔اور" رَزَقـنَـاهُـم" میں رزق کو اپنی طرف منسوب کرکے یہ بتادیا کہ انسان کو جو نعمت بھی ملتی ہے، یہ اللہ تعالی کی عطاء کا ثمرہ ہے،انسان کا ذاتی کوئی کمال نہیں۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں۔ "مما " اپنے عموم پر محمول ہے اور رزق حصہ کے معنی میں ہے،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَتَجعَلُونَ رِزقَـكُم أَنَّكُم تُكَذِّبُونَ ". (سورة الواقعة:٨٢) اس توجیہ کے مطابق معنی یوں ہوگا۔ "أى مـمـا أعطيناهم ينفقون من العلم والحكمة والمال وغيره ذلك ... خواہ علم وحکمت ہو، یا مال وزر ہو، یا رزق وجان ہو تو سب کو اللہ تعالی کے راستے میں صرف کرتے ہوں، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "مما ينفقون: أى مما علمنا هم يعلمون."(١).

معروف مفسر علامہ بغویؒ فرماتے ہیں۔ " وَمِمَّا رَزَقنَاهُم: أى أعطيناهم، والرزق اسم لكل ما ينتفع به حتى الولد والعبد."(٢).

مفسر شہیر علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔

"ومـمـا رزقـنـاهـم، أى أعـطـيـنـاهـم من الرزق وهو اسم لما ينتفع به من مال وولد وأصله الحظ والنصيب ينفقون أى يخرجون ويتصدقون فى طاعة الله تعالى وسبيله."(٣).

ہم نے جو ان کو رزق دیا ہے اور رزق ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے، جس سے انتفاع لیا جائے، خواہ مال ہو، یا اولاد ہو۔اور رزق اصل

======================

(١) الجامع لأحكام القرآن:١/١٧٩.

(٢) معالم التنزيل للبغوی:١/٦٣.

(٣) تفسیر خازن:١/٢٥.

میں حصہ کو کہتے ہیں۔اور اس کو اللہ تعالی کے اطاعت اور راستے میں خرچ کرتے ہیں۔تو اس میں انفاقِ واجبی زکوۃ ،نذر، اپنے جان اور اہل عیال پر خرچ کرنا،اور اگر جہاد میں ضرورت ہو تو وہاں بھی خرچ کرنے سے دریغ نہ کرتے ہوں۔یا انفاق مندوب ہو۔جو صدقہ فطر اور صلہ رحمی وغیرہ میں صرف کیا جائے۔معروف مفسر علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔ "وأولى التأويلات بالآية وأحقُّها بصفة القوم: أن يكونوا كانوا لجميع اللازم لهم في أموالهم مُؤدِّين زكاةً كان ذلك، أو نفَقةَ مَن لزمته نفقتُه من أهل وعيال وغيرهم ممن تجب عليهم نَفَقتُه بالقرابة والمِلك وغير ذلك۔لأن الله جل ثناؤه عَمّ وصفهم إذ وصَفهم بالإنفاق مما رزقهم، فمدحهم بذلك من صفتهم۔ فكان معلومًا أنه إذ لم يخصُص مدحَهم ووصفَهم بنوع من النفقات المحمود عليها صاحبُها دونَ نوعٍ بخبر ولا غيره، أنهم موصوفون بجميع معاني النفقات المحمودِ عليها صاحبُها من طيِّب ما رزقهم رَبُّهم من أموالهم وأملاكهم وذلك الحلالُ منه الذي لم يَشُبهُ حرامٌ." (١)

مفسر جلیل علامہ خازنؒ رقم طراز ہیں۔" ويدخل فيه إنفاق الواجب كالزكاة والنذر والإنفاق على النفس وعلى من تجب نفقته عليه والإنفاق في الجهاد إذا وجب عليه والإنفاق في المندوب وهو صدقه التطوع ومواساة الإخوان".(٢)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اعمال صالحہ میں سے من جملہ انفاق فی سبیل اللہ کی تخصیص کیوں کی گئی ہے؟

جواب:مفسرین کرامؒ اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ عبادات بدنیہ میں سب سے اہم عبادت نماز ہے اور عبادات مالیہ میں سب سے اہم عبادت انفاق ہے، نیز یہ مجاز مرسل ذکر جزء مراد کل ہے،یعنی اس سے جملہ عبادات مالیہ مراد ہیں۔نیز انفاق کی حکمت و لم بھی یہ ہے کہ انسان اپنے خالق حقیقی کی رضا جوئی پر اپنا تن من لوٹا دے،کہیں مال کی فرط محبت اسے اپنے رب سے بیگانہ نہ کردے۔

قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ کی بار ہا بار ترغیب دی گئی ہے اور اس کیساتھ ساتھ اسراف اور فضول خرچی کا بھی روکا گیا ہے،

===================

(١) تفسیر ابن جریر:١/٢٤٤.

(٢) تفسیر خازن:١/٢٥.

جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَالَّذِينَ إِذَا أَنفَقُوا لَم يُسرِفُوا وَلَم يَقتُرُوا وَكَانَ بَينَ ذَلِكَ قَوَامًا .(سورۃ الفرقان:٦٧) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَآتِ ذَا القُربَى حَقَّهُ وَالمِسكِينَ وَابنَ السَّبِيلِ وَلَا تُبَذِّر تَبذِيرًا إِنَّ المُبَذِّرِينَ كَانُوا إِخوَانَ الشَّيَاطِينِ وَكَانَ الشَّيطَانُ لِرَبِّهِ كَفُورًا". (سورۃ بنی اسرائیل:٢٦،٢٧) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔" يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَنفِقُوا مِن طَيِّبَاتِ مَا كَسَبتُم وَمِمَّا أَخرَجنَا لَكُم مِنَ الأَرضِ... .. إِن تُبدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَإِن تُخفُوهَا وَتُؤتُوهَا الفُقَرَاءَ فَهُوَ خَيرٌ لَكُم.." (سورۃ البقرہ:٢٦٧-٢٧١)

قوله تعالى : وَالَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيكَ وَمَا أُنزِلَ مِن قَبلِكَ :

یہ جملہ بھی ماقبل "الَّذِينَ يُؤمِنُونَ بِالغَيبِ" پرعطف ہے، یا "هم" مبتداء محذوف کی خبر ہے، اس میں متقین کی چوتھی صفت کا بیان ہے، کہ متقی وہ لوگ ہیں، جن قرآن مجید اور تمام کتُب سابقہ پر ایمان ہے اور یہ درحقیقت ایمان بالغیب کی تفسیر ہے ،حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں اہل ایمان دوطرح کے تھے، ایک وہ حضرات جو پہلے مشرکین تھے، پھر مشرف باسلام ہوئے اور دوسرے وہ حضرات تھے، جو پہلے اہل کتاب یہود ونصاری تھے ،پھر مسلمان ہوئے، ماقبل آیت میں پہلے طبقہ کا ذکر تھا، اور اس آیت میں دوسرے طبقہ کا تذکرہ ہے ،اس لیے اس آیت میں قرآن مجید کیساتھ دیگر کتب سماویہ پر بھی ایمان لانے کی تصریح کی گئی ہے۔ نیز آج بھی ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ ان کتابوں پر اس طرح ایمان لائے کہ جو کچھ اللہ تعالی نے اس میں نازل فرمایا، وہ سب حق ہے، البتہ عمل صرف قرآن مجید ہی پر کیا جائے گیا۔(١)

مزید تفصیل کے لیے درج ذیل چند ابحاث ذہن نشیں رکھیں۔

١۔ "ما" سے کیا مراد ہے؟ ٢۔ قرآنِ مجید اور کتب سابقہ پر ایمان لانے کی تفصیل۔

البحث الأول : "ما" سے کیا مراد ہے ؟

لفظ "ما" اپنے معنی حقیقی عموم پر محمول ہے اور اس کا مدلول عام ہے، خواہ وحی متلو ہو۔ یا وحی غیر متلو ہو، وحی جلی ہو، یا وحی خفی ہو۔ وحی غیر متلو کا مفہوم رسول اللہ ﷺ کے احادیث مبارکہ ہیں ،جس طرح قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری ہے ،تو اسی طرح احادیث مبارکہ کو بھی ماننا لازمی ہے، اس لیے احادیث قرآن مجید کی تشریح وتفسیر ہے، ماضی قریب کے معروف مفسر علامہ أحمد مصطفیٰ المراغیؒ

===================

(١) تفسیر أبی السعود:١/٣٢.

فرماتے ہیں۔ ”هو القرآن الذی یتلی والوحی الذی لا یتلی، وهو ما بینه النبی صلی اللّٰه علیه وسلم من أعداد الرکعات فی الصلاۃ ومقادیر الزکاۃ وحدود الجنایات، قال تعالی: ﴿وَأَنزَلنا إِلَیكَ الذِّكرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ ما نُزِّلَ إِلَیهِم﴾. وقال: ﴿وَما یَنطِقُ عَنِ الهَوى إِن هُوَ إِلّا وَحیٌ یُوحى﴾۔“(۱)

البحث الثانی : قرآن مجید اور کتب سابقہ پر ایمان لانے کی تفصیل:

قرآن مجید اور کتب سابقہ پر ایمان لانے کا مطلب یہ ہے کہ تمام کتب سماویہ کے صداقت وحقانیت کا صدق دل سے اقرار کرنا، اوران کی سچائی پر کامل اذعان ویقین رکھنا، اوراس بات کا معترف ہونا کہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ پر، تورات حضرت موسیٰ علیہ السلام پر، زبور حضرت داؤد علیہ السلام پر اور انجیل حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوچکی ہیں، لیکن یہ بات ملحوظ رہے کہ قرآن مجید پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے اوراس کے جملہ احکامات کی اتباع اور پیروی کرنا اور دیگر کتب سماویہ پر اس طرح اجمالی ایمان لانا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتابیں ہیں، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ نہ ان کی جملہ احکام کی تصدیق کی جائے اور نہ ہی تکذیب کی جائے، جیسا کہ صحیح بخاری میں روایت ہے۔

”لا تصدقوا أهل الکتاب ولا تکذبوهم، وقولوا: آمنا بالله وما أنزل إلینا.“ (۲).

مشہور ومعروف واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تورات کی تلاوت فرمارہے تھے، اسی اثناء میں رسول اللہ ﷺ تشریف لائے۔ اور یہ ماجرا دیکھتے ہی آپ ﷺ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہوگیا۔ ایک صحابیؓ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”ویحك یا ابن الخطاب! ألا تری وجه رسول الله صلی الله علیه وسلم! فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم: لا تسألوا أهل الکتاب عن شیء؛ فإنهم لن یهدوکم، وقد ضلوا، وإنکم إما أن تکذبوا بحق أو تصدقوا بباطل، والله لو کان موسی بین أظهرکم ما حل له إلا أن یتبعنی. وفی روایة لوکان موسیٰ حیا ما وسعه الا ....

====================

(۱) تفسیر المراغی: ۱/۴۳-۴۴.

(۱) أخرجه البخاری، کتاب التفسیر: ۴/۱۶۳۰، رقم: ۴۲۱۵، والبیهقی فی السنن الکبری: ۱۰/۱۶۳، رقم: ۲۰۴۰۲، والبزار: ۱۵/۲۱۰، رقم: ۸۶۱۷.

اتباعی." (۱)

معروف مفسر علامہ عبدالماجد دریا آبادیؒ "ماأنزل اليك "کی تفسیر میں ایک لطیف نکتہ بیان فرماتے ہیں۔

" آیت کی عبارت سے یہ مسئلہ صاف ہوجاتا ہے کہ تین چیزیں الگ الگ ہیں، ایک کلام کا نازل کرنے والا، یعنی اللہ تعالی۔ دوسرا وہ شخص جس پر کلام نازل ہوا ہے، یعنی اللہ کا رسولؐ برحق۔ تیسرا خود کلام۔ بروز، تمثیل، حلول اور وحدت الوجود (اپنی عوامی مفہوم ہیں) ان سب مشرکانہ اور نیم مشرکانہ عقائد کی جڑ اس آیت سے کٹ جاتی ہے۔ نہ کلام متمثل ہوا اور نہ رسولؐ (نعوذ باللہ) اتارا آسمانی قالب میں خدا ہے، بلکہ ایک مستقل انسانی شخصیت رکھتے ہیں۔ (۲)

ایک اشکال اور اس جواب:

بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ قرآن مجید اور دیگر کتب سابقہ مسائل اصولیہ میں متفق ہیں، لیکن فروعی مسائل میں باہم تضاد پایا جاتا ہے، جیسے نماز، روزہ اور زکوۃ وغیرہ کے کیفیت وکمیت میں اختلاف پایا جاتا ہے، پھر تو پوری طرح سب پر ایمان لانا بظاہر ممکن نہیں؟

جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ دراصل ایمان دوطرح کا ہوتا ہے۔ ایمان اجمالی اور ایمان تفصیلی۔ کتب سابقہ پر ایمان اجمالی لانا ضروری ہے کہ وہ تمام اللہ تعالی کی طرف سے نازل شدہ ہیں، جب کہ قرآنِ مجید پر تفصیلی ایمان لانا ضروری ہے کہ اس کے تمام احکامات کو دل وجان سے تسلیم کیا جائے۔ فلا یرد ما یرد.

مسئلہ ختم نبوت پر ایک واضح دلیل:

اس آیت کے سیاق وسباق سے ختم نبوت کا ایک اصولی اور اعتقادی مسئلہ معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ آخری نبی ہیں اور آپ کی وحی آخری وحی ہے، اس لیے کہ اگر قرآن مجید کے بعد کوئی وحی نازل ہوتی، تو جس طرح اس آیت میں قرآن

=====================

(۲) فتح الباری لابن حجر العسقلانی:۱۳/ ۵۲۵، تفسیر ابن کثیر:۲/ ۶۸.

قـال ابـن كثيـر: وفـی بـعـض الأحاديث :لَو كَانَ مُوسَى وَعِيسَى حَيَّيْنِ لَمَا وَسِعَهُمَا إلا اتِّبَاعِي. وقال الألباني: وهو حديث محفوظ دون ذكر عيسى فيه؛ فإنه منكر عندى لم أره فى شىء من طرقه. انظر: شرح عقيدة الطحاوية:۵۱۱.

(۲) تفسیر ماجدی ص:۷.

مجیداور کتب سابقہ پر ایمان واعتقاد ضروری قرار دیا گیا، تو بعینہ اسی طرح آئندہ نازل ہونے والی کتاب اوروحی پر ایمان لانے کا تذکرہ ضرور ہوتا، بلکہ اس کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہوتی ، کیونکہ کتب سابقہ تورات، زبوراورانجیل پر ایمان لانا پہلے سے معلوم ہے، اگر رسول اللہ ﷺ کے بعد بھی نبوت اوروحی کا سلسلہ جاری ہوتا، تو اس بات کی پہلے سے زیادہ ضرورت دی، تاکہ بعد آنے والے لوگ کسی اشتباہ کا شکار نہ ہوں، لیکن قرآن مجید میں جہاں ایمان کا تذکرہ ہے، تو وہاں کتب سابقہ اورانبیاء سابقین علیہم السلام کا ذکر بھی ہے، بعد میں آنے والے کسی وحی اور نبی کا کوئی تذکرہ نہیں، اس طرح یہاں بھی آپ کے بعد کسی وحی اور کسی نبی کا کوئی ذکر نہیں، یوں نہیں فرمایا۔ کہ متقی وہ ہیں، جو آپ کے بعد آنے والے وحی اور نبی پر ایمان لاتے ہوں!

الغرض یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ آپ کے بعد کوئی کتاب نازل نہیں ہوگی اور نہ ہی کوئی نبی مبعوث کیا جائے گا۔ ختم نبوت کا عقیدہ اجماعی عقیدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ بلاتاویل اور تخصیص خاتم النبیین ہیں۔ آپ کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، اور اس مسلمہ عقیدہ کا منکر دائرہ اسلام سے خارج ہے۔(۱)

=======================

(۱) قال الامام أبوالحامدالغزالی رحمه الله: أن الأمة فهمت بالإجماع من هذا اللفظ ومن قرائن أحواله أنه أفهم عدم نبی بعده أبداً وعدم رسول الله أبداً وأنه ليس فيه تأويل ولا تخصيص فمنكر هذا لا يكون إلا منكر الإجماع. [الاقتصاد فی الاعتقاد: ۸۳].

وقال السيدمحمودالآلوسی رحمه الله: وكونه صلّى اللّه عليه وسلم خاتم النبيين مما نطق به الكتاب وصدعت به السنّة وأجمعت عليه الأمة فيكفر مدعی خلافه ويقتل إن أصر. [روح المعانی:۱۱/۲۱۹-۲۲۰].

وسئل عن الشيخ عبدالعزيز بن عبدالله بن بازرحمه الله: ماحكم الشرع من يدعی النبوة ؟ فأجاب عنه: خاتم الرسل هو محمد عليه الصلاة والسلام، ومن زعم أن هناك نبی بعد محمد فهو كافر، لا محمد إسماعيل ولا غيره، خاتم الرسل هو محمد بن عبد الله بن عبد المطلب، وهو أفضلهم، وهو أمامهم وهو قائدهم وهو خاتمهم، كما قال تعالى فی كتابه العظيم :﴿ ما كان محمداً أبا أحدٍ من رجالكم ولكن رسول الله وخاتم النبيين﴾. وثبت بالتواتر أنه قال: أنا خاتم النبيين لا نبی بعدی. فمن زعم أن علياً نبی، أو أن محمد بن إسماعيل نبی، أو المهدی نبی، أو فلان أو فلان، أو قال : المختار نبی، أو مسيلمة نبی، أو الأسود العنسی نبی فهو كافر وهذا مرتد، أو قال: أن غلام أحمد ميرزا غلام أحمد نبی ، كل هؤلاء ضلال كفار . [الأسئلة اليامية عن العقيدة الإسماعيلية:۲۴، الحق والميزان فی عقيدة مكاران ونجران:۲۰].

قوله تعالی : وَبِالْآخِرَةِ هُم يُوقِنُونَ:

یہ جملہ بھی ماقبل پر عطف ہے اور جار مجرور "یُوقِنُونَ" کیساتھ متعلق ہے، اس آیت میں متقین کی پانچویں صفت " الایمان بالآخرۃ " کا بیان ہے۔ آخرت سے مراد دارالآخرۃ یا عالم آخرت مراد ہے، جس کو قرآن مجید نے دارالقرار اور عقبی وغیرہ ناموں سے ذکر کیا ہے، آخرت کا ذکر ماقبل میں ایمان بالغیب کے زمرے میں ہو چکا ہے، تاہم صراحت کیساتھ اسے دوبارہ اس لیے ذکر کیا گیا ہے کہ یہ ایمان کا ایک لازمی جزء ہے، اسی کی وجہ سے انسان میں عمل صالح کا داعیہ اور جذبہ پیدا ہوتا ہے اور یہ وہ عقیدہ ہے کہ جس کی وجہ سے انسان کے دل میں خوف خدا پیدا ہوتا ہے، اور اسے رب ذی الجلال کے حضور میں جواب دہ ہونے کا فکر رہتا ہے۔ اور یہ وہ عقیدہ ہے، جس کی وجہ سے انسان کو جزاء وسزا کا سوچ رہتا ہے، پورا قرآن مجید اس عقیدہ کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ یقین کا مفہوم یہ نہیں کہ محض عقل کسی عقیدہ اور نظریہ کو استدلالا مان لے، یا بادلِ ناخواستہ سکوت اختیار کرے، یا محض رسمی یا سطحی طور پر اقرار کر دے، بلکہ دل وجان سے معتقد اور منقاد ہو جانے کا نام یقین اور اذعان ہے، اس لیے کہ یقین شک، ظن اور گمان کا مقابل اور قسیم ہے، اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آخرت کا صرف یقین کر لینا مقصد نہیں، بلکہ اس کا ایسا یقین واعتقاد ضروری ہے جیسے کوئی چیز آنکھوں کے سامنے ہو۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یقین کا مرتبہ محض علم سے قوی تر ہے، تاہم جملہ کی ترکیب یعنی "یوقنون" کے تأخر اور "بالآخرۃ" کی تقدم اور "ھم"، ضمیر فصل کے اضافہ نے قوت کئی درجہ اور بڑھا دی، اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ اہل ایمان کے ہاں عقیدہ آخرت اس درجہ اہم ہے، گویا وہ بس اسی پر یقین رکھتے ہیں، یہی عقیدہ ان کی زندگی میں رچا بسا رہتا ہے(۱)۔

اب مزید وضاحت کے لیے درج ذیل چند مباحث ذہن نشیں رکھیں۔

۱۔ "بالآخرۃ" کا مفہوم۔ ۲۔ آخرت کی وجہ تسمیہ۔

البحث الأول: "بالآخرة" کا مفهوم:

آخرت سے مراد عالم آخرت ہے، جس کو قرآن مجید نے " یوم القیامہ، یوم الدین، یوم الفصل، یوم الجزاء، دار القرار اور عقبی وغیرہ۔ مختلف تعبیرات اور ناموں سے ذکر کیا ہے، اور یہ "بالآخرۃ" موصوفہ مقدرہ کی صفت ہے۔

---

(۱) ملخص تفسیر ماجدی:۸.

أی بالدار الآخرة هم یوقنون، أی بالیوم الآخرة هم یوقنون .

مرزا غلام احمد قادیانی کا ایک غلط استدلال اور اس کا جواب:

مرزا غلام احمد قادیانی دجال اپنی جھوٹی نبوت ثابت کرنے کے لیے اس آیت سے ایک غلط استدلال کرتا ہے کہ یہاں موصوفہ مقدرہ "النبوۃ" ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "أی بالنبوۃ الآخرۃ" اور نبوت سے مراد میری نبوت ہے کہ وہ آخری نبی پر ایمان لاتے ہیں جو کہ میں ہوں۔ لیکن یہ استدلال اس کے سوءِ فہم اور حماقت پر مبنی ہے، بلکہ یہاں پر آخرت سے مراد روزِ آخرت ہے۔ اور "القرآن یفسر بعضه بعضاً" کے اصول کے مطابق اس کی تفسیر دیگر مقامات میں ملاحظہ ہو۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ "إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَى وَالصَّابِئِينَ مَن آمَنَ بِاللَّهِ وَاليَومِ الآخِرِ.." (سورۃ البقرۃ:۶۲،) ایک جگہ ارشاد ہے۔"لَيسَ البِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُم قِبَلَ المَشرِقِ وَالمَغرِبِ وَلَكِنَّ البِرَّ مَن آمَنَ بِاللَّهِ وَاليَومِ الآخِرِ .."(سورۃ البقرۃ:۱۷۷) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَمَا هَذِهِ الحَيَاةُ الدُّنيَا إِلَّا لَهوٌ وَلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الآخِرَةَ لَهِيَ الحَيَوَانُ." (سورۃ العنکبوت:۶۴).

مذکورہ بالا تمام مقامات میں "الآخرۃ" کی صفت "الیوم الآخرۃ" اور "الدار الآخرۃ" واقع ہوچکی ہے۔

المبحث الثانی: آخرت کی وجہ تسمیہ:

لغت میں آخرت "آخر" کا مؤنث ہے، اور اس کے مقابلے میں اول آتا ہے، جس طرح دنیا کو نشاۃ اولیٰ سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسی طرح آخرت کو نشاۃ ثانیہ سے تعبیر کیا جاتا ہے، قرآن مجید میں بسا اوقات یہ "الـــــدار" کی صفت واقع ہوتی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ "وَإِنَّ الدَّارَ الآخِرَةَ لَهِيَ الحَيَوَانُ." (العنکبوت:۶۴)، کبھی اس کی آخرت کی طرف اضافت ہوتی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ "وَلَلدَّارُ الآخِرَةُ خَيرٌ لِلَّذِينَ يَتَّقُونَ ." (الأنعام:۳۲) نیز ایک ارشاد ہے۔ "وَلَدارُ الآخِرَةِ خَيرٌ لِلَّذِينَ اتَّقَوا" (یوسف:۱۰۹) اور کبھی اسے بغیر کسی قید کے ذکر کیا جاتا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ "أُولَئِكَ الَّذِينَ لَيسَ لَهُم فِي الآخِرَةِ إِلَّا النَّارُ ." (ہود:۱۶). (۱)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ آخرت دنیا کے بہ نسبت بعید ہے، کیونکہ دنیا "دنا یدنوا" سے مشتق ہے، جس کا معنی ہے۔ قریب ہونا۔ اسی وجہ سے اس کو آخرت کہا جاتا ہے۔

=======================

(۱) المفردات فی غریب القرآن:۲۹.

بعض حضرات نے یہ وجہ بھی بیان فرمائی ہے کہ دنیا شب وروز کے انقلابات اور متنوع تغیرات سے عبارت ہے اور آخرت کا دن وہ آخری دن ہوگا کہ اس کے بعد شب وروز کے تغیرات رونما نہیں ہوں گے، لہذا اسی وجہ سے اس کو آخرت کہا جاتا ہے۔معروف مفسر خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ " سميت الدنيا دنيا؛ لدنوّها من الآخرة، وسميت الآخرة آخرة؛ لتأخرها وكونها بعد فناء الدنيا، وهي تأنيث الآخر صفة الدار، وبدليل قوله تعالى: ﴿تلك الدار الآخرة﴾. القصص:۸۳). (۱)

قوله تعالى: أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِن رَبِّهِم وَ أُولَئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ:

قرآنِ مجید کا منہج اور اسلوبِ بیان یہ ہے کہ جب کسی فریق کے اوصاف ذکر کرتا ہے، تو اس کیساتھ ساتھ بطور تفریع ان پر مرتب ہونے والے نتائج وعواقب کا تذکرہ بھی کرتا ہے، اس آیت میں بھی متقین کے اوصاف محمودہ ذکر کرنے کے بعد ان کے عاقبت محمودہ کا تذکرہ فرمایا۔ کہ مذکورہ اوصاف کے حامل دنیا میں رشد وہدایت کے علمبردار ہیں اور آخرت میں بھی کامیاب وکامران ہوں گے، اب ان اوصاف کیساتھ متصف ہونے والوں کے دنیوی اوراخروی کامیابی وکامرانی کا اعلان فرمایا۔ "أُولَئِكَ عَلَى هُدًى مِن رَبِّهِم وَ أُولَئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ."

اس آیت میں دونوں جگہ دونوں" أُولَئِك" کا مشار الیہ مذکورہ بالا اوصاف کے حامل ہیں، یعنی جو لوگ مذکورہ اوصاف کیساتھ متصف ہیں، وہ دنیا میں بھی ہدایت یافتہ ہیں اور آخرت میں بھی انہیں خاطر خواہ کامیابی ہوگی، معروف مفسر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ " المتصفون بما تقدم من الإيمان بالغيب، وإقام الصلاة، والإنفاق من الذى رزقهم الله، والإيمان بما أنزل الله إلى الرسول، ومن قبله من الرسل، والإيقان بالدار الآخرة، وهو يستلزم الاستعداد لها من العمل بالصالحات وترك المحرمات."(۲)

اس آیت میں دنیوی اور اخروی دونوں بشارتوں کا بیان ہے۔"أُولَئِك" اسم اشارہ جمع لاکر اس بات کی اشارہ کیا گیا ہے کہ مذکورہ اوصاف کے حامل دنیا وآخرت دونوں میں کامیاب وکامران ہیں، اس لیے کہ اسم اشارہ میں ذات مع الوصف ملحوظ ہوتا ہے، اب معنی یوں ہوگا۔ کہ مذکورہ اوصاف کے حامل (خواہ صحابہ کرامؓ ہوں یا دیگر اہل ایمان ہوں) کامیاب وکامران ہیں۔

====================

(۱) تفسیر الخطیب الشربینی:۱/۲۵.

(۲) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۷۱.

قرآن مجید میں اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے وقت اکثر کلمہ استعلاء "علی" مذکور ہوتا ہے۔اس سے مقصود مدح ہوتی ہےاور کفار کے اوصاف ذکر کرتے وقت اکثر کلمہ تعمق "فی"لایا جاتا ہے،اس مقصود قباحت و مذمت ہوتی ہے۔اسی طرح یہاں بھی اہل ایمان کے اوصاف کے سیاق میں کلمہ استعلاء "علی"مذکور ہےاور یہ استعارہ تصریحیہ مصرحہ تبعیہ ہے،یعنی اہل ایمان رشد و ہدایت پر اس طرح متمکن و فائز ہیں جیسے کسی سوار کے زیر رکاب اس کی سواری ہو،اس مقصود تشبیہ المعقول بالمحسوس ہے۔ معروف مفسر امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ "بیان لتمکنهم من الهدى واستقرارهم عليه حيث شبهت حالهم بحال من اعتلى الشيء وركبه، ونظيره: فلان على الحق أو على الباطل." (١)

"هدى" میں تنوین تعظیم کے لئے ہےاور اس کو نکرہ اس لئے لایا گیا ہے کہ اس میں اس قدر ابہام ہے کہ اس کی حقیقت اور کنہ تک رسائی ممکن نہیں ۔امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ وإنما نكر هُدىً؛ ليفيد ضرباً مبهماً لا يبلغ كنهه ولا يقدر قدره، كما يقال: لو أبصرت فلاناً لأبصرت رجلًا.(٢) ☆

"مِن رَبِّهِم" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ ہدایت مقبول ہوگی، جو اللہ تعالی کی طرف سے ہو، ورنہ دنیا میں تو ہر ایک شخص اپنے آپ کو ہدایت کا علمبردار کہتا ہے،فرعون نے بھی کہا تھا۔"وَمَا أَهدِيكُم إِلَّا سَبِيلَ الرَّشَادِ" . (غافر:٢٩) نیز اہل باطل بھی اپنے آپ کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں! یہاں اس لئے وضاحت کر دی کہ ہدایت یافتہ وہ لوگ ہیں، جو اپنے رب کی طرف سے ہدایت پر فائز ہوں۔

" أُولَئِكَ" کو مکرر لانے میں اس بات کی اشارہ ہے کہ جس طرح متقین کو ہدایت پر تمکن اور استعلاء کی خصوصیت حاصل ہے ،تو یعینہ اسی طرح وہ فلاح و کامرانی کے بھی حامل ہیں ۔اور یہ حضرات دیگر لوگوں سے ان دو خصوصیات کی بناء پر ممتاز ہیں۔ اور مبتداء و خبر کی تعریف مفید حصر ہے،ضمیر فصل "هـــــم" سے بھی مقصود حصر و اختصاص ہے۔یعنی یہی لوگ دنیا و آخرت میں کامیاب و کامران ہیں،مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ "في تكرير أُولئِكَ تنبيه على أنهم كما ثبت لهم الاختصاص بالهدى ثبت لهم الاختصاص بالفلاح أيضاً، فقد تميزوا عن غيرهم بهذين الاختصاصين(٣).

=====================

(١) تفسیر کبیر للرازی:٢/ ٢٧٨-٢٧٩.

☆ قال عون بن عبد الله: الهدى من الله كثير، ولا يبصره إلا بصير، ولا يعمل به إلا يسير، ألا ترى أن نجوم السماء يبصرها البصراء، ولا يهتدى بها إلا العلماء۔ [تفسیر کبیر:٢/ ٢٧٩].

(٣) تفسیر کبیر:٢/ ٢٧٩.

فلاح کامفہوم:

لغت میں "فلاح" کے معنی پھاڑنا کے ہیں، عربی محاورہ ہے۔ "الحدید بالحدید یُفلح" لوہا لوہے کو کاٹتا ہے، اس لیے کسان کو بھی "فـــلاح" کہا جاتا ہے، کیونکہ وہ بھی زمین کو پھاڑتا ہے، فلاح کے معنی کامیابی اور کامرانی بھی ہے، اس اعتبار سے فلاح کا مفہوم بہت وسیع ہے، دنیا اور آخرت دونوں کے تمام خوبیوں کو شامل ہے۔ معروف لغوی عالم امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ دنیوی فلاح ان سعادتوں کو حاصل کرنے کا نام ہے، جس سے دنیوی زندگی خوشگوار بنتی ہو، یعنی عزت کی بقاء اور حصول مال وزر وغیرہ۔ اوراخروی فلاح چار چیزوں کے حاصل ہونے کا نام ہے، ایک چیز بقاء بلافنا، دوسری چیز غنا بلافقر، تیسری چیز عزت بلا ذلت، چوتھی چیز علم بلا جہل ہے، اس لیے حدیث میں آتا ہے۔ "لاعیــش الا عیـش الآخرة" (۱) کہ آخرت کی زندگی حقیقی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے، قرآن مجید نے اس کے متعلق فرمایا۔ "أَلا إِنَّ حِـزبَ الـلَّهِ هُمُ المُفلِحُونَ". (المجادلة:۲۲) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "قَد أَفلَحَ مَن تَزَكَّى." (الأعلى:۱۴) ایک جگہ فرمایا۔ "قَد أَفلَحَ مَن زَكَّاها". (الشمس:۹) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "قَـد أَفلَحَ المُؤمِنُونَ" (المؤمنون:۱) نیز ایک جگہ فرمایا۔ "لَـعَلَّكُم تُفلِحُونَ" (البقرة:۱۸۹) ایک جگہ ارشادفرمایا۔ "إِنَّهُ لا يُفلِحُ الكافِرُونَ ." (المؤمنون:۱۱۷) ایک جگہ فرمان ہے۔ "فَأُولئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ ". (الحشر:۹).(۲)

عرفِ عام میں فلاح ظفر بالمطلوب اور نجاۃ من المرہوب کو کہتے ہیں، ، یعنی مطلوب کے حصول اور مرہوب سے اجتناب کرنے کا نام فلاح ہے۔ دنیا میں دوطرح کی اشیاء پائے جاتے ہیں، ایک مرغوبات اور دوسرے مرھوبات۔ انسانی فطرت ہمہ وقت مرغوبات کی طلب میں رہتی ہے اور مرھوبات سے حتی الامکان کنارہ کش رہنے کی کوشش کرتی ہے، اسی وجہ معروف حنفی مفسر علامہ نسفیؒ معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ "أی الظافرون بما طلبوا، الناجون عما هربوا (۳)☆.

===================

(۱) صحیح بخاری:۱/۱۶۵، رقم:۴۱۸، صحیح مسلم:۳/۱۴۳۱، رقم:۱۸۰۵.

(۲) المفردات فی غریب القرآن:۶۴۴.

(۳) تفسیر النسفی:۱/۴۳.

☆قال صاحب الكشاف بعد تفسيره لهذه الآية الكريمة: فانظر كيف كرر الله التنبيه على اختصاص المتقين بنيل ما لا يناله أحد على طرق شتى وهي: ذكر اسم الإشارة وتكريره وتعريف المفلحين وتوسيط ضمير الفصل بينه وبين أولئك ليبصرك مرتباتهم ويرغبك في طلب ما طلبوا وينشطك لتقديم ما قدموا ويثبطك عن الطمع الفارغ والرجاء الكاذب والتمنى على الله ما لا تقتضيه حكمته ولم تسبق به كلمته . (تفسیر الکشاف:۱/۴۶)

مفسرِ جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "المفلحون هم الذين أدركوا ما طلبوا، ونجوا من شر مأمنه هربوا.(١)

المبحث الثانی : آیت کے ظاہر سے معتزلہ اور مرجئہ کا ایک غلط استدلال اور اس کا جواب:

اس آیت کے ظاہر سے معتزلہ اور مرجئہ بزعم خود ایک استدلال کرتے ہیں، معتزلہ کہتے ہیں۔ " المخل عن العمل لامومن ولا كافر "، یعنی گناہ کبیر کا مرتکب نہ مؤمن ہے اور نہ ہی کافر ہے، بلکہ اس کے لئے "منزله بين المنزلتين " ہے۔اب یہاں "أُولَئِكَ هُمُ الْمُفلِحُونَ" میں حصر اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ وہی لوگ کامیاب وکامران ہیں جو مذکورہ صفات کے حامل ہیں اور جن میں یہ اوصافِ مذکورہ نہ ہوں تو وہ فلاح وکامیابی نہیں پا سکتے۔اب بظاہر اس حصر سے معلوم ہوتا ہے کہ "مخل بالعمل " ،فلاح نہیں پا سکتا ہے؟

مرجئہ کا طرزِ استدلال یوں ہے کہ آیت میں مذکورہ اوصافِ خمسہ کے حاملین کے لئے فلاح کا بیان ہے، اگر چہ وہ معصیات کے مرتکب ہوں، کیونکہ ایمان صرف تصدیق قلبی کا نام ہے اور اقرار باللسان اور عمل بالارکان ایمان کی حقیقت میں داخل نہیں ،مرجئہ کا نقطہ نظر یہ ہے۔ " لاتضر المعصية مع الايمان، كما لا تنفع الطاعة مع الكفر .؟

پہلا جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں حصر مطلق فلاح کے لئے نہیں، بلکہ فلاح مطلق کے لیے ہے، یعنی یہاں حصر اور اختصاص مطلق فلاح اور مطلق نجات کے اعتبار سے نہیں، بلکہ فلاح کامل اور نجات کامل کے اعتبار سے ہے، کیونکہ مطلق نجات کے لئے تو نفسِ ایمان کافی ہوتا ہے، معروف مفسر امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ "أن قوله :" أُولَئِكَ هُمُ الْمُفلِحُونَ." يدل على أنهم الكاملون في الفلاح ." (٢)

یہ بات ظاہر ہے کہ گناہ کبیر کا مرتکب لامحالہ غیر کامل فی الفلاح ہوتا ہے، لہذا اس سے معتزلہ کا استدلال درست نہیں۔

دوسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہاں حصر مراتب اور درجات کے اعتبار سے ہے، اس لئے کہ قرآن مجید انسانوں کے مختلف درجات بیان کرتا ہے، بسا اوقات انسانوں کو دو جماعتوں میں تقسیم کر دیتا ہے، ایک مومن اور دوسرا کافر، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أَلَم تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الأَرضِ وَالشَّمسُ وَالقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالجِبَالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيهِ العَذَابُ.." (سورۃ الحج:١٨). پھر کبھی اہل ایمان کو دو جماعتوں میں تقسیم کیا

---

(١) تفسیر قرطبی:١/١٨٢.

(٢) تفسیر کبیر للرازی:٢/٢٨٠، تفسیر مظہری:١/٢٢.

جا تا ہے، ایک اعلی مومن اور دوسرا ادنی درجہ کا مؤمن۔ جیسے ارشاد ہے۔ "وَكُنتُم أَزوَاجًا ثَلَاثَةً فَأَصحَابُ المَيمَنَةِ مَا أَصحَابُ المَيمَنَةِ وَأَصحَابُ المَشأَمَةِ مَا أَصحَابُ المَشأَمَةِ وَالسَّابِقُونَ السَّابِقُونَ أُولَئِكَ المُقَرَّبُونَ ." (الواقعۃ: ۷-۱۱).

کبھی اہل ایمان کو تین جماعتوں میں تقسیم کیا جاتا ہے، ادنی، متوسط اور اعلی، جیسے ارشاد ہے۔" ثُمَّ أَورَثنَا الكِتَابَ الَّذِينَ اصطَفَينَا مِن عِبَادِنَا فَمِنهُم ظَالِمٌ لِنَفسِهِ وَمِنهُم مُقتَصِدٌ وَمِنهُم سَابِقٌ بِالخَيرَاتِ بِإِذنِ اللَّهِ ." (سورۃ فاطر:۳۲).

بسا اوقات صنعت ایجاز ہوتا ہے، یعنی درجات اعلی کو ذکر کرنے کے بعد دیگر درجات (متوسط، ادنی) سے صرفِ نظر کیا جاتا ہے، اب یہاں پر بھی اسی اسلوب کو اپنایا گیا ہے کہ صرف کاملین فی الفلاح کو ذکر کر کے دیگر درجات کو ترک کیا گیا ہے۔ لہذا یہاں پر حصر اعلی درجے کے اعتبار سے ہے نہ کہ مطلقِ نجات وفلاح مراد ہے۔

مرجئہ کے استدلال کا جواب:

اس آیت میں اہل ایمان کی ایک عظیم صفت تقویٰ کا بیان ہے۔ اور تقویٰ "الامتثال بالأوامر والاجتناب عن النواهی " سے عبارت ہے۔ جس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اقرار باللسان اور عمل بالأرکان ایمان کے حقیقت میں داخل ہیں۔ اور معصیات کے ہوتے ہوئے تقویٰ کا حصول ممکن نہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہاں نفسِ مومن کو مفلح نہیں، بلکہ متقی کو مفلح کہا گیا ہے۔ لہذا اس آیت کے ظاہر سے مرجئہ کا استدلال کرنا درست نہیں۔ مفسر جلیل امام فخر الدین رازیؒ رقم طراز ہیں۔ "أن وصفهم بالتقوى يكفى فى نيل الثواب؛ لأنه يتضمن اتقاء المعاصى واتقاء ترك الواجبات." (۱)

المبحث الثالث : أوصاف المؤمنين فى القرآن:

قرآنِ مجید میں اہل ایمان کے اوصاف کو جا بجا بیان کیا گیا ہے، یہ ایک طویل مضمون ہے، جس کے لئے کئی دفاتر درکار ہیں، تاہم یہاں پر جملہ اوصاف کا استقصاء مقصود نہیں، بلکہ چند اوصاف کو بطور مُشت نمونہ از خروار کے ذکر کیا جاتا ہے۔ لیکن ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن نشیں رہے کہ جہاں پر قرآنِ مجید اوصاف المؤمنین کا تذکرہ کرتا ہے، تو اس کے اولین مخاطبین اور مصداق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ہیں۔ وہ تمام اوصاف حسنہ کے بدرجہ اتم حامل تھے۔ جس کی تفصیل اپنے مقام پر ان شاء اللہ آئے گی، تاہم مؤمنین کے چند اوصاف ممدوحہ ملاحظہ ہوں۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ "لَيسَ البِرَّ أَن تُوَلُّوا وُجُوهَكُم قِبَلَ المَشرِقِ

========================

(۱) تفسیر کبیر: ۲/۲۸۰.

وَالمَغرِبِ وَلَكِنَّ البِرَّ مَن آمَنَ بِاللَّهِ وَاليَومِ الآخِرِ وَالمَلَائِكَةِ وَالكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى المَالَ عَلَى حُبِّهِ ذَوِى القُربَى وَاليَتَامَى وَالمَسَاكِينَ وَابنَ السَّبِيلِ وَالسَّائِلِينَ وَفِى الرِّقَابِ وَأَقَامَ الصَّلَاةَ وَآتَى الزَّكَاةَ وَالمُوفُونَ بِعَهدِهِم إِذَا عَاهَدُوا وَالصَّابِرِينَ فِى البَأسَاءِ وَالضَّرَّاءِ وَحِينَ البَأسِ أُولَئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَأُولَئِكَ هُمُ المُتَّقُونَ. (البقرة:۱۷۷).

اس آیت میں اہل ایمان کے دس عظیم اوصاف کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن میں درج ذیل پانچ اوصاف کا تعلق عقیدہ کیساتھ ہے۔ ۱۔ الایمان بالله . ۲۔ الایمان باليوم الآخرة . ۳۔ الایمان بالملائكة . ٤۔ الایمان بجميع الكُتُب المنزلة . ٥۔ الایمان بسائر الأنبياء عليهم السلام .

اور باقی پانچ اوصاف کا تعلق عقیدہ کیساتھ ہے۔ ۱۔ الانفاق . ۲۔ اقامة الصلٰوة . ۳۔ ايتاء الزكوة. ٤۔ ايفاء العهود . ٥۔ الصبر على المصائب فى جميع الأحوال .

اسی طرح مزید اوصاف دیکھئے۔سورۃ ال عمران:۱۶، ۱۷، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۹۰، ۱۹۴، ۱۷۲، ۱۷۱، سورۃ الأنفال:۲-۴، سورۃ المؤمنون: ۱-۱۱، سورۃ الفرقان:۶۳-۷۴۔

مذکورہ آیات میں اہل ایمان کے متعدد اوصاف بیان کیے گئے ہیں۔تاہم مزید اوصاف کی نشاندہی ساتھ ساتھ کی جائے گی۔

====================

☆ تأمّل كيف نبّه سبحانه وتعالى على اختصاص المتقين بنيل ما لا يناله أحد من وجوه شتّى: بناء الكلام على اسم الإشارة؛ للتعليل مع الإيجاز وتكريره وتعريف الخبر وتوسيط الفصل لإظهار قدرهم والترغيب فى اقتفاء أثرهم. وقد تشبثت الوعيدية بهذه الآية فى خلود الفساق من أهل القبلة فى العذاب وردّ بأن المراد بالمفلحون: الكاملون فى فلاحهم ويلزمه عدم كمال الفلاح لمن ليس على صفتهم لا عدم الفلاح لهم رأسا كما فى تفسير البيضاوى. وحاصل الفلاح يرجع إلى ثلاثة أشياء : أحدها: الظفر على النفس فلم يتابعوا هواها والدنيا فلم يطغوا بزخارفها والشيطان فلم يفتنوا بوساوسه وقرناء السوء فلم يبتلوا بمكروهاتهم. والمعنى: أولئك الموصوفون بالصفات المذكورة كائنون على هدى ورشاد كاين من ربّهم ومعبودهم ومالكهم وأولئك المذكورون هم المفلحون؛ أى: الفائزون فى الدنيا وفى الآخرة بالجنّة والناجون من النار والمقطوع لهم بالخير فى الدنيا والآخرة. وقال ابن كثير: وَأُولِيكَ هُمُ المُفلِحُونَ؛ أى : المنجحون المدركون ما طلبوا عند الله بأعمالهم وإيمانهم بالله وكتبه ورسله من الفوز ب الثواب والخلود فى الجنات والنجاة مما أعدّ الله لأعدائه من العقاب.

فائدة: ويستفاد من هذه الآيات : أنّ الهداية الموصلة إلى الفلاح الأبدىّ لا تحصل إلا لمن اتصف بالتقوى وآمن بالغيب الذى أخبر به محمدﷺ وأقام الصلاة المفروضة وأنفق فى الواجبات مما رزقه الله تعالى وآمن بالكتاب الذى أنزل على محمد ﷺوعلى الرسل قبله عليهم الصلاة والسلام وأيقن مجىء الدار الآخرة. (حدائق الروح والریحان:۱/۱۲۵)

قوله تعالی: إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيهِم أَأَنذَرتَهُم أَم لَم تُنذِرهُم لَا يُؤمِنُونَ ﴿٦﴾ خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِم وَعَلَى سَمعِهِم وَعَلَى أَبصَارِهِم غِشَاوَةٌ وَلَهُم عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٧﴾.

ترجمہ: بے شک جولوگ کافر ہو چکے برابر ہےان کوتو ڈرائے یا نہ ڈرائے وہ ایمان نہ لائیں گے مہر کردی اللہ نے اُن کے دلوں پراوراُن کے کانوں پراوراُن کی آنکھوں پر پردہ ہے اوراُن کے لئے بڑا عذاب ہے۔

یہاں چند ابحاث ذہن نشیں رکھیں، تاکہ آیت کے سمجھنے میں آسانی ہو۔

۱۔ آیت کا ماقبل سے ربط ۲۔ آیت کا مفہوم ۳۔ چند اشکالات اوران کے جوابات ۴۔ کفر کے اقسام وانواع ۵۔ اطلاقات الکفر فی القرآن .

المبحث الأول : آیت کا ماقبل سے ربط:

سورت کے خلاصہ میں یہ بات گزر چکی ہے کہ سورۃ البقرۃ کا پہلا حصہ تین ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اول میں تین فریقوں (منعوم علیہم ،مغضوب علیہم اور ضآلین) کا بیان ہے۔ پہلی جماعت منعوم علیہم کا تذکرہ ماقبل پانچ آیتوں میں ہوا۔ اب یہاں سے دوسری جماعت مغضوب علیہم (کفار) کا دوآیتوں میں ذکر کیا جارہاہے، اس کے ساتھ ساتھ حکم دنیوی اور حکم اخروی بھی بیان کیا گیاہے۔ اورپھر تیرہ آیتوں میں ضآلین (منافقین) کے اوصاف اوراحکام دنیویہ اوراحکام اخرویہ مذکور ہیں ۔(۱)

حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا فرماتے کہ یہ ایک فطری امر ہے کہ جب کوئی داعی حق مسئلہ کرے، تو لوگوں کی تین جماعتیں بن جاتی

====================

(۱) قال محمودأحمدالحجازی: المناسبة: ابتدأ اللّه هذه السورة بالكلام عن القرآن الكريم وموقف الناس منه وذكر أنهم أنواع : فمنهم من آمن به وعمل صالحا وأولئك هم المفلحون، ومنهم من كفر واستكبر عن الحق قولا وعملا أولئك أصحاب النار هم فيها خالدون. [التفسیر الواضح:۱/۱۶].

و قال العلامة برهان الدين البقاعی رحمه الله: ولما أردف البيان لأوصاف المؤمنين التعريف بأحوال الكافرين، وكانوا قد انقسموا على مصارحين ومنافقين، وكان المنافقين قسمين: جهالاً من مشركی العرب، وعلماء من كفار بنی إسرائيل كان الأنسب ليفرغ من قسم برأسة على عجل الدائة أولاًبالمصارحين، فذكر ما أراد من أمرهم فی ايتين؛ لأن أمرهم أهون وشأنهم أيسر لقصدهم بما يوهنهم بالكلام، أو بالسيف على ان ذكرهم على وجه يعم جميع الأقسام فقال: مخاطباًلأعظم المنعم عليهم على وجه التسلية والإعجاز فی معرض الجواب لسؤال من كأنه قال : هذا خال الكتاب للمؤنين فما حاله للكافرين ؟. [نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور:۱/۳۷].

ہیں، ایک ماننے والے، دوسرے نہ ماننے والے اور تیسرے مفاد پرست، جنہیں قرآن مجید نے ''مذبذب'' کہا ہے، یعنی جی حضوری اور درباری قسم کے لوگ!!۔ اور یہ فرقہ کفار کے بہ نسبت کفار زیادہ نقصان دے اور مضر ہوتا ہے، کیونکہ بظاہر تو مسلمان بنے پھرتے ہیں، لیکن دل میں کفر ہوتا ہے۔ یہ لوگ تھے جنہوں نے دنیوی مفاد واغراض کی خاطر اپنی ضمیر کی آواز کو ظاہر کرنے کے بجائے دھوکہ اور فریب کی راہ اختیار کی۔ مسلمانوں سے کہتے کہ ہم مسلمان ہیں، قرآنی تعلیمات اور ہدایات کو مانتے ہیں، ہم تمہارے حامی ہیں، لیکن ان کے دلوں میں کفر وشرک بسا ہوا تھا، کفار کے پاس جا کر انہیں کہتے کہ ہم مسلمانوں کیساتھ اس لئے ملتے ہیں کہ ان کے پوشیدہ رازوں کو معلوم کرلیں۔ الغرض اب یہاں سے فریق دوم مغضوب علیہم یعنی کفار کا بیان ہے۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ جس طرح لوگوں کے تین فریق ہیں، مؤمن، کفار اور منافقین۔ تو اسی طرح انسانوں کے بھی تین حالتیں ہیں یا زندہ ہوگا، یا مردہ ہوگا اور یا زندہ ہوگا، لیکن بیمار ہوگا۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کافر ہر حالت میں مردہ ہے اور مومن ہر حالت میں زندہ ہوتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أَوَمَن كَانَ مَيتًا فَأَحيَينَاهُ وَجَعَلنَا لَهُ نُورًا يَمشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيسَ بِخَارِجٍ مِنهَا. (سورة الأنعام:۱۲۲) منافق ہر حالت میں امراضِ باطنیہ کا شکار ہوتا ہے، البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ منافق کا معاملہ مشتبہ ہوتا ہے، جس کی وجہ سے ان کے پہچانے میں مشکل ہوتا ہے۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ جس طرح مؤمنین کا ایمان ظاہر ہے، اسی طرح کفار کا کفر بھی ظاہر ہے تو اسی وجہ سے دو آیا توں میں ان کا ذکر کیا گیا ہے اور منافق کی مثال کشتی کی مانند ہوتی ہے جب پانی کی سطح اوپر ہوتی ہے، کشتی بھی اوپر ہوتی ہے اور جب پانی کی سطح نیچے ہوتی ہے، تو کشتی بھی نیچے ہوتی ہے، نیز اسی طرح جس سمت ہواؤں کا رُخ ہوتا ہے، تو کشتی بھی اسی طرف چلتی ہے۔ یہی حالت منافقین کی بھی ہے کہ جب اہل ایمان کا غلبہ ہو تو ان کے ساتھی بن جاتے ہیں اور جب کفر غالب ہونے لگتا ہے تو انکے حامی ومددگار بن جاتے ہیں۔ منافق کا نہ کوئی دین ہوتا ہے اور نہ ہی کوئی ایمان۔ صحیح مسلم میں روایت ہے۔" مثل المنافق كمثل الشاة العائرة بين الغنمين تَعِيرُ إلى هذه مرة وإلى هذه مرة لا تدرى أيها تتبع." (۱)

انبیاء علیہم السلام کی تاریخ اس بات پر شاہد ہے کہ جب بھی کسی نے حق کی صدا بلند کی۔ تو لوگوں میں مختلف قسم کے اختلافات پیدا ہوئے، جنگ وجدال کی فضا نے جنم دیا، اہل حق اور اہل باطل کے درمیان محاذ آرائیاں ہوئیں، لوگ مختلف گروہوں میں تقسیم

=====================

(۱) أخرجه مسلم، كتاب صفات المنافقين:٢١٤٦/٤، رقم:٢٧٨٤، وأحمد:١٤٣/٢، رقم:٦٢٩٨، والنسائي:١٢٤/٨، رقم:٥٠٣٧.

ہوئے، معاندین مقابلے میں آئے، کچھ تذبذب کے شکار رہے اور بعض کی فطرت سلیمہ نے حق قبول کرلیا، قرآن مجید ان تاریخی حقائق سے بھرا پڑا ہے، حضرت صالح علیہ السلام نے اپنی قوم کو مسئلہ توحید کی دعوت دی تو لوگ دو فریقوں میں تقسیم ہو گئے ،جیسا کہ ارشاد ہے۔" وَلَقَد أَرسَلنَا إِلَى ثَمُودَ أَخَاهُم صَالِحًا أَنِ اعبُدُوا اللَّهَ فَإِذَا هُم فَرِيقَانِ يَختَصِمُونَ." (سورۃ النمل:۴۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔" قَالَ المَلَأُ الَّذِينَ استَكبَرُوا مِن قَومِهِ لِلَّذِينَ استُضعِفُوا لِمَن آمَنَ مِنهُم أَتَعلَمُونَ أَنَّ صَالِحًا مُرسَلٌ مِن رَبِّهِ قَالُوا إِنَّا بِمَا أُرسِلَ بِهِ مُؤمِنُونَ قَالَ الَّذِينَ استَكبَرُوا إِنَّا بِالَّذِي آمَنتُم بِهِ كَافِرُونَ." (سورۃ الأعراف:۷۵،۷۶) وغیرہ ذلک......

ان آیات میں مبلغ اور داعی حق کے لئے تسلی ہے کہ مسئلہ حق بیان کرنے میں لوگوں کی طرف سے ایذاء رسانی اور بدخلقی کا مظاہرہ ہوگا، لیکن آپ نے ان کی کوئی پرواہ نہیں کرنی ہے۔ اور مسئلہ حق کے بیان میں کسی قسم کی مایوسی اور حوصلہ شکنی کا شکار نہ ہونا۔ اور اس طرح کے تکالیف ومصائب دُعاۃ حق پر آچکے ہیں، لیکن انہیں ذرا بھر بھی نہ ہلا سکے۔ لہذا آپ بھی خوب ڈٹ کر مسئلہ توحید بیان کریں۔ اور اسی مشن پر قائم ودائم رہیں۔

المبحث الثانی: آیت کا مفہوم:

کلمہ "اِنَّ" کا اکثر استعمال ان مواقع میں ہوتا ہے کہ جہاں مخاطب کو کسی قسم کا شک وتردد ہو۔ "الذین" اسم موصول محل نصب میں واقع ہے اور یہ "انَّ" کا اسم ہے اور "سواء" خبر "انّ" ہے اور "لا یؤمنون" جملہ مفسرہ ماقبل کی تفسیر ہے، اب معنی یوں ہوگا۔ بے شک وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا، ان پر برابر ہے، آپ کا بیان کرنا اور بیان نہ کرنا، اس لئے کہ وہ ایمان نہیں لاتے۔ مفسر جلیل علامہ مظہریؒ فرماتے ہیں۔ "خبر[ان] وسوآء اسم بمعنى الاستواء نعت به، كما ينعت بالمصادر، وما بعده مرفوع على الفاعلية كأنّه قيل: مستو عليهم إنذارك وعدمه... لا يُؤمِنُونَ جملة مفسرة لاجمال ما قبلها." (۱)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ " أَأَنذَرتَهُم" میں ہمزہ اَحدالأمرین کے لئے ہے کہ آپ بیان کریں یا بیان نہ کریں تو وہ ایمان نہیں لاتے۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ یہ ہمزہ تسویہ کے لئے ہے، معروف نحوی شارح کافیہ رضی فرماتے ہیں۔ جو ہمزہ " لیت

==========================

(۱) تفسیر مظہری:۱/۲۲-۲۳.

شعری ، لا أبالی ، ما أبالی ، سواء " کے بعد آجائے، تو وہ تسویہ کے لئے ہوتی ہے(۱) جب کہ یہاں "سواء " کے بعد واقع ہوچکی ہے، تو یہ تسویہ کے لئے ہے۔ اور "سوا " ،"استواء " کے معنی میں آتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔"قُل یَا أَھلَ الکِتَابِ تَعَالَوا إِلَی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَینَنَا وَبَینَکُم." (سورۃ آل عمران:٦٤) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔" فِی أَربَعَۃِ أَیَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِینَ . (سورۃ حٰم السجدۃ:١٠)

اب معنی یوں ہوگا کہ آپ کا بیان کرنا اور بیان نہ کرنا دونوں ان پر برابر و یکساں ہے۔

اعلام اور انذار میں فرق:

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ تخویف او ر وتحذیر کیساتھ خبر دینے کو''انذار'' کہتے ہیں، یعنی''انذار''مطلق ڈرانے کو نہیں کہتے ، بلکہ ایسے ڈرانے کو کہتے ہیں، جس میں شفقت اور محبت بھی ملحوظ ہو۔ اور'' اعلام'' مطلق خبرداری کو کہا جاتا ہے، یعنی دونوں میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے ہر منذِر معلم ہوتا ہے، لیکن ہر معلم منذِر نہیں ہوتا ہے۔ یہاں پر صرف انذار کو اس لئے ذکر کیا کہ انذار بہ نسبت تبشیر وبشارت کے زیادہ مؤثر ہوتا ہے، کیونکہ اس میں ڈرانے کیساتھ شفقت اور مہربانی کا پہلو بھی ہوتا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت سے اولی ہوتا ہے۔ اور جس کو انذار فائدہ نہ دے، تو اسے بشارت وتبشیر بطریقہ اولی فائدہ نہیں دے سکتی ہے، مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔" والإنذار: إعلام مع تخويف وتحذير، فكل منذر معلم، وليس كل معلم منذراً، وإنما اقتصر عليه دون البشارة؛ لأنه أوقع فی القلب وأشدّ تأثيراً فی النفس من حيث أن دفع الضرر أهمّ من جلب النفع، فإذا لم ينفع فيهم الإنذار كانت البشارة بعدم النفع أولی." (۲)

==========================

(۱) قال العلامة رضی الدين الأسترآباذی: معنی التسوية فی الهمزة وأم وأما همزة التسوية وأم التسوية فهما اللتان تليان قولهم سواء وقولهم لا أبالی ومتصرفاته نحو قولك: سواء علی أقمت أم قعدت ولا أبالی أقام زيد أم قعد. [شرح الرضی علی الکافیۃ:٤/٤٠٩].

وقال جمال الدين ابن هشام الأنصاری: قد تخرج الهمزة عن الاستفهام الحقيقی فترد لثمانية معان: أحدها: التسوية وربما توهم أن المراد بها الهمزة الواقعة بعد كلمة سواء بخصوصها وليس كذلك بل كما تقع بعدها تقع بعد ما أبالی وما أدری وليت شعری ونحوهن، والضابط أنها الهمزة الداخلة علی جملة يصح حلول المصدر محلها نحو: سواء عليهم . أستغفرت لهم أم لم تستغفر لهم، ونحو: ما أبالی أقمت أم قعدت، ألا تری أنه يصح سواء عليهم الاستغفار وعدمه، وما أبالی بقيامك وعدمه . [مغنی اللبیب عن کتب الأعاریب:٢٤].

(۲) تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی:١/٢٦.

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں بظاہر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ " سَوَاءٌ عَلَیهِم أَأَنذَرتَهُم أَم لَم تُنذِرهُم لَا یُؤمِنُونَ." میں "سواء" سے قبل ''واؤ'' عاطفہ مذکور نہیں، اور جب کہ سورۃ یٰس آیت:۱۰. "وَسَوَاءٌ عَلَیهِم أَأَنذَرتَهُم أَم لَم تُنذِرهُم لَا یُؤمِنُونَ." میں "سواء" سے قبل ''واؤ'' عاطفہ ذکر ہے، اس کی کیا حکمت ولم ہے؟

جواب: درحقیقت وہاں (سورہ یٰس میں) یہ ایک مستقل جملہ اور کلام ہے، جب کہ یہاں "سواء ، اِنّ "کی خبر ہے، جو جزء جملہ ہے، اس لئے ''واؤ'' عاطفہ ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ معاصر مفسر علامہ محمد اٗمین ہروی فرماتے ہیں۔ قلت: لأنّ ما هنا جملة هی خبر عن اسم إنّ و ما هناك جملة عطفت علی أخری فبینهما فرق.(۱)☆

المبحث الثالث: چند اشکالات اور انکے جوابات:

پہلا اشکال:

جب یہ بات مسلم ہے کہ وہ اپنے کفر وشرک پر ڈٹے ہیں اور ایمان نہیں لاتے، تو پھر ارسال الرسل اور دعوت وتبلیغ کا کیا فائدہ اور حکمت ہے؟

پہلا جواب: درحقیقت ارسال الرسل اور دعوت وتبلیغ سے مقصود اتمام حجت ہے تا کہ کل قیامت کو کوئی بارگاہ الٰہی میں یہ عذر پیش نہ کر سکے کہ ہمیں دعوت حق نہیں پہنچی تھی اور نہ ہمارے پاس کوئی داعی حق آیا تھا، اللہ تعالی نے اتمام حجت کے طور پر ہر زمانہ میں انبیاء علیہم السلام اور دعاۃ حق پیدا فرمائے، جنہوں نے خلق خدا کو ملت اسلام اور دین حقہ کی دعوت دی۔ اور اس مشن کی تکمیل کے لیے زندگی بھر کوشاں رہے، ارسال رسل کی اسی حکمت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد ہے۔ "وَلَولَا أَن تُصِیبَهُم مُصِیبَةٌ بِمَا قَدَّمَت أَیدِیهِم فَیَقُولُوا رَبَّنَا لَولَا أَرسَلتَ إِلَینَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آیَاتِكَ وَنَكُونَ مِنَ المُؤمِنِینَ." (سورۃ القصص:۴۷)

==========================

(۱) تفسیر حدائق الروح والریحان:۱/۱۴۰.

☆ وإنما لم یقل: سواء علیك كما قال لعبدة الأوثان: ﴿سَوَاءٌ عَلَیكُم أَدَعَوتُمُوهُم أَم أَنتُم صامِتُونَ﴾؛ لأنّ إنذارك وترك إنذارك لیسا سواء فی حقّك؛ لأنّك تثاب علی الإنذار وإن لم یؤمنوا وأمّا فی حقّهم فهما سواء فی عدم الإفادة؛ لأنّهم لا یؤمنون فی الحالین وهو نظیر الأمر بالمعروف والنهی عن المنكر فإنّه یثاب به الآمر وإن لم یمتثل المأمور. وكان هؤلاء القوم كقوم هود علیه السلام حیث قالوا له: سَوَاءٌ عَلَینا أَوَعَظتَ أَم لَم تَكُن مِنَ الواعِظِینَ﴾. [تفسیر حدائق الروح والریحان:۱/۱۴۰]

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "وَلَو أَنَّا أَهلَكنَاهُم بِعَذَابٍ مِن قَبلِهِ لَقَالُوا رَبَّنَا لَولَا أَرسَلتَ إِلَينَا رَسُولًا فَنَتَّبِعَ آيَاتِكَ مِن قَبلِ أَن نَذِلَّ وَنَخزَى. " (سورۃ طٰہٰ:۱۳۴) **نیز جگہ ارشاد ہے۔** " رُسُلًا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعدَ الرُّسُلِ." (سورۃ النساء:۱۶۵) **وغیرہ ذلک..**

دوسرا جواب:

بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہاں کفار سے ضدی اور ہٹ دھرم قسم کے کافر ہیں، جوازلی شقی و بدبخت ہیں، جن کے دلوں پر مہر جباریت لگ چکی ہے، جیسے ابوجہل اور ابولہب وغیرہ۔ معروف مفسر امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ "إنهم رؤساء اليهود المعاندون الذين وصفهم اللّه تعالى بأنهم يكتمون الحق وهم يعلمون، وهو قول ابن عباس رضى اللّه عنهما. وقال آخرون : بل المراد قوم من المشركين كأبى لهب، وأبى جهل، والوليد بن المغيرة، وأضرابهم، وهم الذين جحدوا بعد البينة وأنكروا بعد المعرفة." (۱)

دوسرا اشکال:

اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ کفار ایمان نہیں لاتے، حالانکہ اس آیت کے نزول کے بعد بھی بہت سے لوگوں نے ایمان لایا ہے اور اب بھی ایمان لاتے ہیں۔ تو اس کا کیا معنی ہے؟

جواب: اس کا اشکال کا جواب سمجھنے سے پہلے کفر کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم اور اس کے اقسام کا جاننا ضروری ہے۔

کفر کا لغوی اور اصطلاحی مفہوم:

لغت میں ''کفر'' چھپانے کو کہتے ہیں اور اہل عرب اندھیری اور تاریکی رات کو " ليلة كافرة **" کہتے ہیں، نیز کافر کو کافر بھی اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نعمتوں کو چھپاتا ہے۔ مفسر جلیل علامہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔** "والكفر فى اللغة: هو الستر يقال: ليلة كافرة إذا كات شديدة الظلمة؛ وإنما سمى الكافر كافراً لأنه يستر نعم الله تعالى."(۲).

معروف مفسر علامہ ابومحمد حسین بن مسعود بغویؒ رقم طراز ہیں۔

==========================

(۱) تفسیر کبیر للرازی:۲/۲۸۴.

(۲) تفسیر بحر العلوم:۱/۲۴.

"والكفر: هو الجحود، وأصله من الكفر وهو الستر، ومنه سمى الليل كافرا؛ لأنه يستر الأشياء بظلمته، وسمى الزارع كافرا؛ لأنه يستر الحب بالتراب، والكافر يستر الحق بجحوده."(١)

کفر سے مراد کفرانکاری ہے اور کفر لغت میں چھپانے کو کہتے ہیں، رات کو کافر اس لئے کہا جاتا ہے کہ وہ ہر چیز کو اپنی تاریکی سے چھپادیتی ہے، نیز کاشت کو کو بھی کافر اس لئے کہتے ہیں کہ وہ بھی بیج کو زمین میں چھپاتا ہے اور چونکہ کافر بھی مسئلہ حق کو چھپاتا ہے، اسی وجہ سے کافر کو کافر کہا جاتا ہے۔

اشعارِ عرب میں بھی کفر بمعنی چھپانے کے آتا ہے، جیسا کہ لبید بن ربیعہ کا شعر ہے۔

ؐ یعلو طریقة متنها متواتر في لیلة كفر النجوم غمامها

اوراصطلاح شرع میں کفر "إنكار ما علم بالضرورة مجيء الرسول عليه الصلاة والسلام به." ضرویاتِ دین کا انکار کرنے کا نام کفر ہے۔(۲)

البحث الرابع : کفرکے اقسام اورانواع:

خطیب شربینیؒ، علامہ ابن عادلؒ، علامہ بغویؒ اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں کہ کفر کی چار قسمیں ہیں(۳):۔

۱۔ کفرِ انکاری. ۲۔ کفرِ جحودی. ۳۔ کفرِ عنادی. ۴۔ کفرِ نفاقی.

۱......**کفرِ انکاری کامفہوم:** ظاہری اور باطنی طور پر اللہ تعالی کے وجود کا انکار کرنا، جیسے دہریہ۔ ان کا نظریہ یہ ہے کہ کائنات کا کوئی صانع نہیں، یہ نظام عالم خود بخود چلتا ہے، اس کا چلانے والا کوئی نہیں۔

۲...... **کفرِ جحودی کامفہوم:** اللہ تعالی کا محض زبان سے انکار کرنا، لیکن دل میں اعتراف کرنا۔ جیسے ابلیس، فرعون اور یہود وغیرہ کا کفر، چنانچہ ابلیس نے جب فرشتوں کواترتے ہوئے دیکھا، تو اڑیوں کے بل پیچھے بھاگتا ہوا کہنے لگا۔ "إِنِّي بَرِيءٌ مِنكُم إِنِّي أَرَى مَا لَا تَرَونَ إِنِّي أَخَافُ اللَّهَ." (سورۃ الأنفال:۴۸) نیز فرعون بھی اللہ تعالی کے وجود کا معترف تھا اور وہ بخوبی جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام نبی برحق ہیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "قَالَ لَقَد عَلِمت

========================

(۱) تفسیر معالم التنزیل:۱/۶۴.

(۲) ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم:۱/ ۳۸، الخطیب الشربینی:۱/ ۲۷.

(۱) تفسیر السراج المنیر للخطب الشربینی:۱/ ۲۷-۲۸، تفسیر اللباب لابن عادل الدمشقی:۱/ ۳۱۹، معالم التنزیل للبغوی:۱/۶۴.

َمَا أَنزَلَ هَؤُلَاءِ إِلَّا رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرضِ بَصَائر۔" (سورۃ بنی اسرائیل:۱۰۲)

یہود بھی دل سے اسلام کی حقانیت تسلیم کرتے تھے، انہوں دین اسلام کی صداقت وسچائی کا کامل یقین تھا، لیکن ضد وعناد کی وجہ سے ماننے کے لیے تیار نہ تھے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَمَّا جَاءَ هُم كِتَابٌ مِن عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُم وَكَانُوا مِن قَبلُ يَستَفتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَائَهُم مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ۔" (سورۃ البقرۃ:۸۹) کہ تورات میں جس نبی آخر الزمان کی خوشخبری دی گئی ہے یہ وہی نبی ہے۔

۳......**کفرِ عنادی کا مفہوم:** دل اور زبان دونوں سے دینِ اسلام کی حقانیت کا اعتراف کرنا، لیکن اس کے باوجود بھی انکار پر ڈٹے رہنا، جیسے ابو طالب کا کفر۔ ابو طالب کفر وشرک کے باوجود بھی رسول اللہ ﷺ کیساتھ بے پناہ احسانات کیے۔ ہر قسم کا تعاون اور مدد کرتا رہا، مشہور واقعہ ہے کہ جب مشرکین مکہ آپ ﷺ کے خلاف جمع ہو گئے اور مختلف قسم کے تدابیر کرنے لگے، تو ابو طالب نے آپ ﷺ کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

واللّهِ لَن يَصِلُوا إِلَيكَ بجَمعِهِم	حَتّى أوَسّدَ فِى التُّرابِ دَفِينَا
فَاصدَع بأمرِكَ مَا عَلَيكَ غَضَاضَةٌ	وابشِر وَقَرّ بِذاكَ مِنكَ عُيُونَا
وَدَعَوتَنِى وَعَرفتُ أنّكَ نَاصِحِى	وَلَقَد صَدَقتَ وَكُنتَ ثَمّ أمِينَا
وَعرَضتَ دِيناً قَد عَلِمتُ بأنّهُ	مِن خَيرِ أديَانِ البَرِيّةِ دِينَا
لَولَا المَلامَةُ أو حِذارُ مَسَبّةٍ	لَوَجَدتَنِى سَمحاً بِذَاكَ مُبِينَا

جب ابو طالب قریب مرگ ہوا، نزع کی حالت میں تھا، رسول اللہ ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی، تو وہ کہنے لگا۔ جب آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی، تو کہنے لگے۔ "لولا أن تُعيِّرُني قُرَيشٌ لأقرت بها عَينكَ ، ولكن أذُبُّ عنك ما حييتُ۔" (۱) اگر قریش مجھے ملامت نہ کرتے، تو میں آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن کر دین اسلام کو قبول کر لیتا، اور آپ کو معلوم ہے کہ میں زندگی بھر تیری دفاع کرتا رہا۔

۴...... **کفرِ نفاقی کا مفہوم:** زبان سے اقرار کرنا اور دل ہی دل میں انکار کرنا۔ اور محض مفاد پرستی کے لئے اپنے آپ کو مسلمان ظاہر کرنا، جیسے منافقین کا کفر۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِاليَومِ الآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤمِنِينَ۔"

==========================

(۱) تفسیر اللباب لابن عادل الدمشقی: ۱/۳۱۹.

طلباءکرام! حضرت شیخ پنجابی میں منافق کی مثال یودیتے ''اُوتُوں لاالہ الا الله وچوں کالی بلاً' زبان سے "لاالہ الا الله " لیکن دل میں نفاق بھرا ہوا۔اورایک شاعر نے اس کی ترجمانی یوں کی ہے۔

برزبان تسبیح ودردل گاؤخر ایں چنیں تسبیح کہ دارد اثر

منافقین کاوطیرہ یہ ہے کہ صرف زبان سے اقرار کرتے ہیں لیکن دل میں کفر پوشیدہ ہوتا ہے،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِذَا جَاءَ كَ المُنَافِقُونَ قَالُوا نَشهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ يَعلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ يَشهَدُ إِنَّ المُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ." (المنافقون:۱).

اب یہاں اصل جواب کوسمجھئے کہ یہاں کفر سے مراد کفر جحودی ہے،رئیس المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔ "وأما معنى الكفر فى قوله "إن الذين كفروا" فإنه الجُحُود۔ وذلك أن الأحبار من يَهودِ المدينة جحدوا نبوّةَ محمد صلى الله عليه وسلم وستَروه عن الناس وكتمُوا أمره وهُم يعرفونه كما يعرفون أبنائهم."(۱)

معروف مفسر علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "ستر الحق بالجحود." (۲)

الغرض اس آیت میں کفار جحودی کافر مراد ہیں،جنہوں نے باوجود حق جاننے کے انکار کیا،تسلیم کرنے کی زحمت نہ اٹھائی اور اپنے ضد وہٹ دھرمی پر ڈٹے رہے،تو ان کا بیان کرنا اور بیان نہ کرنا دونوں یکساں ہیں،اس لئے کہ وہ ایمان نہیں لاتے ہیں ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَلَمَّا جَاءَ هُم كِتَابٌ مِن عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُم وَكَانُوا مِن قَبلُ يَستَفتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَائَهُم مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ." (سورة البقرة:۸۹) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔" وَلَمَّا جَاءَ هُم رَسُولٌ مِن عِندِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُم نَبَذَ فَرِيقٌ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الكِتَابَ كِتَابَ اللَّهِ وَرَاءَ ظُهُورِهِم كَأَنَّهُم لَا يَعلَمُونَ". (سورة البقرة:۱۰۱) ایک جگہ فرمان ہے۔ "وَجَحَدُوا بِهَا وَاستَيقَنَتهَا أَنفُسُهُم ظُلمًا وَعُلُوًّا." (النمل:۱۴)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کفار سے مراد ضدی وہٹ دھرم ہیں،جو باوجود دینِ حقہ کو جاننے کے ایمان نہیں لاتے ہیں،اب ان کو مسئلہ بیان کرنا اور نہ کرنا دونوں یکساں ہے۔

المبحث الخامس: اطلاقات الكفر فى القرآن:

قرآنِ مجید میں کفر متعدد معنوں میں مستعمل ہے،جن میں چند درج ذیل ہیں۔

======================

(۱) تفسیر طبری:۱/۲۵۵.

(۲) تفسیر النسفی:۱/۲۹.

❁...... کفر بمعنی شرک، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُم أَموَاتًا فَأَحيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم." (البقرۃ:۲۸)

❁...... کفر بمعنی کتمان الحق، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُم كُفَّارٌ أُولَئِكَ عَلَيهِم لَعنَةُ اللَّهِ وَالمَلَائِكَةِ وَالنَّاسِ أَجمَعِينَ ." (سورۃ البقرۃ:۱۶۱).

❁...... کفر بمعنی الاعراض عن طاعۃ الرسول، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "قُل أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَإِن تَوَلَّوا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الكَافِرِينَ." (سورۃ آل عمران:۳۲)

❁...... کفر بمعنی کفران النعمۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔"وَإِذ تَأَذَّنَ رَبُّكُم لَئِن شَكَرتُم لَأَزِيدَنَّكُم وَلَئِن كَفَرتُم إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ ." (سورۃ ابراہیم:۷، سورۃ النحل:۱۱۲) ایک جگہ ارشاد ہے۔"وَاشكُرُوا لِي وَلَا تَكفُرُونِ ." (سورۃ البقرۃ:۱۵۲) نیز ایک جگہ فرمان ہے۔"لِيَبلُوَنِي أَأَشكُرُ أَم أَكفُرُ وَمَن شَكَرَ فَإِنَّمَا يَشكُرُ لِنَفسِهِ وَمَن كَفَرَ فَإِنَّ رَبِّي غَنِيٌّ كَرِيمٌ." (سورۃ النمل:۴۰).

❁...... کفر بمعنی ترک العمل، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " يَا أَهلَ الكِتَابِ لِمَ تَكفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ." (سورۃ آل عمران:۷۰).

❁...... کفر بمعنی الارتداد، جیسا کہ ارشاد ہے۔" كَيفَ يَهدِي اللَّهُ قَومًا كَفَرُوا بَعدَ إِيمَانِهِم وَشَهِدُوا أَنَّ الرَّسُولَ حَقٌّ وَجَائَهُمُ البَيِّنَاتُ.." (سورۃ آل عمران:۸۶).

❁...... کفر بمعنی البراءۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّا بُرَآءُ مِنكُم وَمِمَّا تَعبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرنَا بِكُم." (سورۃ الممتحنۃ: ۴) "أي تبرء نامنكم." ایک جگہ ارشاد ہے۔ " ثُمَّ يَومَ القِيَامَةِ يَكفُرُ بَعضُكُم بِبَعضٍ.."(سورۃ العنکبوت:۲۵).

❁...... کفر بمعنی نفاق، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ كَفَرُوا وَقَالُوا لِإِخوَانِهِم إِذَا ضَرَبُوا فِي الأَرضِ أَو كَانُوا غُزًّى لَو كَانُوا عِندَنَا مَا مَاتُوا وَمَا قُتِلُوا.."(سورۃ آل عمران:۱۵۶).

❁...... کفر بمعنی الجحود، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " فَلَمَّا جَاءَ هُم مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ." (سورۃ البقرۃ:۸۹).

❁...... کفر بمعنی ستر التوحید وتغطیته، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيهِم أَأَنذَرتَهُم أَم لَم تُنذِرهُم لَا يُؤمِنُونَ." (سورۃ البقرۃ:۶) اور یہاں بھی یہی معنی مراد ہے۔ (۱)

==================

(۱) وحاصله : أنّ من جحد الله سبحانه أو أنكر وحدانيته أو أنكر شيئًا مما أنزله على رسوله أو أنكر نبوة محمد صلّى الله عليه وسلّم أو نبوة أحد من الرسل عليهم الصلاة والسلام فهو كافر فإن مات على ذلك فهو فى النار خالدا فيها ولا يغفر الله سبحانه له والمراد بالذين كفروا هنا: من علم الله سبحانه أنّ الكفر قد رسخ فى قلوبهم حتى أصبحوا غير مستعدّين للإيمان=

قوله تعالى: ﴿خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِم وَعَلَى سَمعِهِم وَعَلَى أَبصَارِهِم غِشَاوَةٌ وَلَهُم عَذَابٌ عَظِيمٌ﴾.

یہ جملہ معللہ ہے، جو ماقبل کی علت اور سبب ہے، یعنی یہاں سے مغضوب علیہم (کفار) کا حکم دنیوی اور حکم اخروی بیان ہے اور عدم ایمان کا سبب بتایا جارہا ہے، الغرض یہ عدمِ ایمان کے لئے تعلیل اور برہانِ لمی ہے۔

اب اس کے متعلق چند ابحاث جاننا ضروری ہیں:۔

۱۔ آیت کا مفہوم ۲۔ چند اشکالات اور ان کے جوابات ۳۔ أسباب الختم وتعبيراته فى القرآن. ٤۔ بيان أوصاف قلوب الكفار فى القرآن. ٦۔ اقسام القلوب. ۷۔ أحوال القلوب.

المبحث الأول: آیت کا مفہوم:

لغت میں "ختـــــــم" کسی چیز پر مہر کی طرح نشان لگانے کو کہتے ہیں اور کبھی اس نشان کو بھی کہتے ہیں، جو مہر لگانے سے بن جاتا ہے، تاہم مجاز کے طور اس سے کسی چیز کے متعلق وثوق حاصل کر لینا اور اس کا محفوظ مراد ہوتا ہے، جیسے کتابوں یا دروازوں پر مہر لگا کر انہیں محفوظ کر دیا جاتا ہے، تاکہ کوئی چیز اس کے اندر داخل نہ ہو۔ امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔"الخَتمُ والطّبع يقال على وجهين: مصدر خَتَمتُ وطبعت وهو تأثير الشيء كنقش الخاتم والطّابع. والثاني: الأثر الحاصل عن النّقش ويتجوّز بذلك تارة فى الاستيثاق من الشيء، والمنع منه اعتبارا بما يحصل من المنع بالختم على الكتب والأبواب". (۱)

معروف لغوی امام زجاجؒ فرماتے ہیں۔ "الختم: التغطية".

یعنی ختم مہر لگانے کو کہتے ہیں اور مہر لگانے کے بعد اس چیز میں اپنی طرف سے کوئی تصرف نہیں کر سکتا۔ اللہ تعالی نے ان کے

====================

= بجحودهم بالنبى صلّى الله عليه وسلّم وبما جاء به بعد أن بلغتهم رسالته بلاغا صحيحا وعرضت عليهم الدلائل على صحتها للنظر والبحث فأعرضوا عنها عنادا واستهزاء۔ وسبب كفرهم: إما عناد للحق بعد معرفته وقد كان من هذا الصنف جماعة من المشركين واليهود فى زمن النبى صلّى الله عليه وسلّم كأبى جهل وأضرابه وأحبار اليهود ككعب بن الأشرف وإما إعراض عن معرفته واستكبار عن النظر فيه. والمعرضون عن الحقّ يوجدون فى كلّ زمان ومكان وهؤلاء إذا طاف بهم طائف الحقّ لوّوا رؤوسهم واستكبروا وهم معرضون وفيهم يقول تبارك وتعالى: ﴿إِنَّ شَرَّ الدَّوَابِّ عِندَ اللَّهِ الصُّمُّ البُكمُ الَّذِينَ لا يَعقِلُونَ وَلَو عَلِمَ اللَّهُ فِيهِم خَيرًا لَّأَسمَعَهُم وَلَو أَسمَعَهُم لَتَوَلَّوا وَهُم مُعرِضُونَ﴾. [حدائق الروح والریحان:۱۳۹]

(۱) المفردات فی غریب القرآن:۲/۲۷۴-۲۷۵.

دلوں اور کانوں پر مہر لگا دیئے اور آنکھوں پر پردے ہیں، نہ تو وہ ہدایت حاصل کر سکتے ہیں اور نہ ہی استفادہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ حق کو سمجھنے کے تین اسباب ہیں۔ اول دل سے بات کو سمجھتا ہو۔ دوم خود نہ سوچے بلکہ کسی سے سن کر مسئلہ سمجھ جائے اور سوم کسی کو دیکھ کر بات سمجھ میں آ جائے۔ اور ان کی یہ تینوں طاقتیں ختم ہو چکی ہیں۔ تو یہ حق کو قبول نہیں کر سکتے۔

"قلوب" قلب کی جمع ہے، لغت میں پلٹنے کو کہتے ہیں، بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ انسان کے دل کو قلب اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ بھی کثرت سے الٹتا پلٹتا رہتا ہے(۱)، جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔

ے مَا سُمِّيَ القَلبُ إِلَّا مِن تَقَلُّبِهِ   فَاحذَر عَلَى القلب من قلب وتحويل

اس آیت میں قلب سے مراد گوست و پوست کا بنا ہوا دل نہیں، بلکہ وہ قوت مراد ہے، جو عقل و شعور کا مرکز ہو۔ جس کی وجہ سے انسان کی انسانیت قائم رہتی ہے اور اسی کی وجہ سے احکام شرعیہ کا مخاطب اور مکلّف بنتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔" إِنَّ فِـي ذَلِكَ لَـذِكـرَى لِـمَـن كَـانَ لَـهُ قَـلـبٌ أَو أَلـقَـى السَّـمـعَ وَهُـوَ شَهِـيدٌ ." (قٓ:۳۷) نیز اسی قوت کو کہیں نفس سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔"وَنَـفـسٍ وَمَـا سَـوَّاهَـا فَـأَلهَـمَهَا فُجُورَهَا وَتَقوَاهَا." (الشمس:۷-۸) اس قوت پر جب مہر لگ گئی، تو فہم واستدلال اور تدبر و تفکر کے تمام دروازے بند مقفل ہو گئے۔

"سمع" مصدر ہے، اس کے معنی کے ہیں، جو ایک عضو ہے اور کبھی اس کا اطلاق قوت سامعہ پر بھی ہوتا ہے، اس آیت میں یہی معنی مراد ہے، اس قوت پر مہر لگ گئی، تو کان کے ذریعہ سے جو ہدایت دل کو پہنچ جاتی تھی، اس کا دروازہ بھی بند ہو گیا۔ یعنی حق بات کو نہ سنتے ہیں اور نہ اس سے استفادہ کر سکتے ہیں۔

"أبصارهم" یہ "بصر" کی جمع ہے، آنکھ کی روشنی کو کہتے ہیں، جس طرح دل کی روشنی کو بصیرت کہتے ہیں، کبھی اس کا اطلاق قوت باصرہ پر ہوتا ہے، اس آیت میں یہی معنی مراد ہے۔

اہل علم فرماتے ہیں کہ "علی قلوبهم" اور "علی سمعهم" میں کلمہ "علی" کو مکرر لانے میں اس بات کی اشارہ ہے کہ قلوب اور اسماع پر ہر ایک مہر جداگانہ اور مستقل ہے۔ مفسر جلیل علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں۔ لو لم يكرّر لكان انتظاما للقلوب والأسماع فی تعدية واحدة وحين استجدّ للأسماع تعدية على حدة كان أدل على شدة الختم فی الموضعين(۲).

======================

(۱) تفسیر القرآن لابن المنذر:۱/۱۲۲، الدرر المنثور للسیوطی:۱/۲۱۴، فتح القدیر للشوکانی:۱/۱۳۱۔

(۲) تفسیر الکشاف:۱/۵۲.

"غشاوۃ" اسم جامد یا اسم آلہ کا صیغہ ہے، اس پردے کو کہتے ہیں، جو کسی چیز پر حاوی ہوکر ہر طرف سے اسے ڈھانک لے۔

"ولھم عذاب عظیم" عذاب سے مراد سخت تکلیف ہے، اس کے اصل میں اہل علم کا اختلاف ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ "عَذَبَ الرَّجُلُ" کے محاورہ سے مشتق ہے، یعنی اس نے (پیاس کی شدت کی وجہ سے) کھانا اور نیند چھوڑ دی، اور اسے شخص کو عربی محاورہ میں "عَاذِب" اور "عذوب" کہتے ہیں، لہذا التعذیب کا اصل معنی ہیں کسی کو بھوک اور بیدار رہنے پر اکسانا۔ بعض فرماتے ہیں کہ یہ "عذب" (شیریں) سے مشتق ہے، اس میں سلب مأ خذ ہے، اب "عَذَّبْتُه" کے معنی ہے۔ میں نے اسے زندگی کی لذت ولطف محروم کردیا، جیسے "مرَّضتُه" کا معنی ہے۔ میں نے اس سے مرض دور کیا۔ اور "قذَّیته" کا مطلب ہے۔ میں نے اس کی آنکھ سے تنکا نکالا۔ فن لغت کے معروف عالم امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔'' واختلف في أصله فقال بعضهم: هو من قولهم: عَذَبَ الرّجلُ: إذا ترك المأكل والنّوم، فهو عَاذِبٌ وعَذُوبٌ. فَالتَّعذِيبُ في الأصل: هو حمل الإنسان أن يُعَذَّبَ أي: يجوع ويسهر. وقيل: أصله من العَذبِ، فَعَذَّبتُهُ أي: أزلت عَذبَ حياته على بناء مرّضته، وقذّيته. وقيل: أصل التَّعذِيبِ إكثارُ الضّرب بِعَذَبَةِ السّوطِ أي: طرفها. وقد قال بعض أهل اللّغة: التَّعذِيبُ هو الضّربُ. وقيل: هو من قولهم: ماءٌ عَذَبٌ إذا كان فيه قذى وكدر، فيكون عَذَّبتُهُ كقولك: كدّرت عيشه، وزلّقت حياته، وعَذَبَةُ السّوطِ واللّسانِ والشجرِ: أطرافُها.''(۱)

یہ تخویف اخروی ہے کہ دنیا کی سزا تو یہ ہے کہ اسباب علم مقفل ہوچکے ہیں، لیکن آخرت میں اپنے اعمال بد کا نتیجہ تکوینی بھگتنا پڑے گا، دنیا میں کفر وشرک کا نتیجہ کل قیامت کو عذاب عظیم کی صورت میں ظاہر ہوجائے گا، یعنی دنیا میں جو بیج وتخم ڈالو گئے کل قیامت کو تناور درختوں کی صورت میں نمودار ہوگا۔ قرآن مجید نے عذاب الہی کی مختلف صورتیں بیان کی ہیں، تاہم انسانی عقل ان سب کی حقیقت وکنہ کے ادراک سے قاصر ہے، نیز "عظیم" کے نکرہ ہونا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ عذاب کسی خاص نوعیت اور غیر متعارف نوعیت کا ہوگا، مفسر جلیل علامہ آلوسیؒ رقم طراز ہیں۔" والتنكير فيه للنوعية أي لهم في الآخرة نوع من العذاب غير متعارف في عذاب الدنيا."(۲)

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں "ختم" اور "غشاوۃ" سے یہ مراد نہیں کہ اللہ تعالی نے حقیقۃً ان کے دلوں اور

======================

(۱) المفردات فی غریب القرآن: ۵۵۵.

(۲) روح المعانی: ۱/۱۴۰.

کانوں پرکوئی مہرلگادی ہے،اوران کے آنکھوں پرکوئی پردہ ہے ، بلکہ اس کامطلب یہ ہے کہ یہ مخالفین ومعاندین اوردشمنان اسلام اپنے خبث باطن اورخواہشات نفسانیہ کی وجہ سے اس حالت کو پہنچ گئے ہیں، کہ کفروشرک اور ہرنافرمانی انہیں مستحسن نظر آتی ہے،اللہ تعالی کی بغاوت اوردین اسلام کی مخالفت انہیں لذیذ ومرغوب معلوم ہوتی ہے،اب ان کی حالت نجاست کے کیڑے کی مانند ہے،جس کوگندگی اورنجاست سے طبعی رغبت ہوتی ہےاورخوشبو سے طبعی نفرت ہوتی ہے،بعینہ یہی حالت معاندین اورمخالفین کی بھی ہے کہ وہ کفروشرک پرفریفتہ ہیں اوردین حقہ کی خوشبو سے انہیں نفرت ہے۔

الغرض اس آیت میں استعارہ تصریحیہ مصرحہ تبعیہ ہے،اللہ تعالی نے کافروں کی اس حالت کوبطوراستعارہ ختم اورغشاوہ کیساتھ تعبیرفرمایاہے،اس کامطلب یہ ہے کہ جس طرح مہراور پردہ بیرونی اشیاء کے وصول اورنفوذ سے مانع ہوتے ہیں،اسی طرح ان کی یہ حالت ایمان اورہدایت کوان کے دلوں تک نہیں پہنچنے دیتی ہے اوراندرونی کفرکواندر سے باہرآنے نہیں دیتی۔حضرت ابن مسعودؓاورابن عباسؓ فرماتے ہیں۔دلوں پرمہرلگانے کامطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی کے پیغام کویادنہ کرنا،اوراس کی آیات میں غوروفکراورتأمل نہ کرنا،اورکانوں پرمہرلگانے کامعنی یہ ہے کہ قرآن مجیدکونہ سننا،اوردعوت حق کی طرف اعتناء نہ کرنا۔اورآنکھوں پرمہرلگانے کامفہوم یہ ہے کہ اس کے مخلوقات اورعجائب کونگاہ عبرت سے نہ دیکھنا۔مفسرجلیل علامہ قرطبی اندلسیؒ رقم طرازہیں۔" الختم يكون محسوسا كما بيناء ومعنى كما في هذه الآية۔ فالختم على القلوب: عدم الوعى عن الحق سبحانه، مفهوم مخاطباته، والفكر فى آياته. وعلى السمع: عدم فهمهم للقرآن إذا تلى عليهم، أو دعوا إلى وحدانيته۔ وعلى الأبصار: عدم هدايتها للنظر فى مخلوقاته وعجائب مصنوعاته، هذا معنى قول ابن عباس، وابن مسعود، وقتادة وغيرهم." (۱)

البحث الثانی : چند اشکالات اور انکے جوابات :

چوتھی صدی ہجری کےمعروف مفسرعلامہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں بظاہر دواشکال ہیں،ایک لفظ کے اعتبار سے اوردوسرامعنی کے اعتبار سے۔ملاحظہ فرمایئے۔

پہلااشکال:

لفظ کےاعتبار سے بظاہر یہ اشکال پیداہوتاہے کہ "قلوب"اور" ابصار"کوجمع لانے میں اور" سمع"کومفرد ذکر کرنے میں

=======================

(۱) تفسیرقرطبی:۱/۱۸۶.

کیا لم وحکمت ہے؟

پہلا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ "سمع " مصدر ہے، اور ضابطہ یہ ہے "ان المصدر لا یثنی ولا یجمع."" اور مصدر حالت افراد میں بھی جمع کا معنی دیتا ہے، معروف مفسر علامہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔"إن السمع مصدر والمصدر لا یثنی ولا یجمع فلهذا المعنی والله أعلم ذکر بلفظ الوحدان." (١)

نیز مفسر جلیل علامہ جاراللہ زمخشریؒ فرماتے ہیں۔" السمع مصدر فی أصله والمصادر لا تجمع."(٢)

دوسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ مجاز بالحذف ہے، یعنی مضاف محذوف ہے۔" أی موضع سمعهم." کیونکہ ختم "سمع " پر نہیں لگ سکتا، اس لئے کہ "سمع " از قبیل اعراض ہے۔ مفسر جلیل علامہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ "وقد قیل: معنی وَعَلی سَمعِهِم أی: موضع سمعهم لأن السمع لا یختم وإنما یختم موضع السمع." (٣) ☆

تیسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جب کسی لفظ کی اضافت جمع کی طرف ہو، تو اسے صیغہ جمع کیساتھ ذکر کرنے کی ضرورت نہیں رہتی، اس آیت میں بھی "سمع "کی اضافت "هم "ضمیر جمع کی طرف کی گئی ہے۔ مفسر جلیل علامہ ابواللیث

===================

(١) بحرالعلوم:١/٢٥.

(٢) الکشاف:١/٥٣، تفسیر قرطبی:١/١٩٠، تفسیر کبیر:٢/٢٩٥]

(٣) [بحرالعلوم:١/٢٥، تفسیر قرطبی:١/١٩٠، تفسیر کبیر:٢/٢٩٥]

☆ قال الامام الراغب رحمه الله : فقوله:﴿ خَتَمَ اللَّهُ عَلى قُلُوبِهِم﴾ [البقرة :٧]، وقوله تعالی:﴿ قُل أَرَأَيتُم إِن أَخَذَ اللَّهُ سَمعَكُم وَأَبصارَكُم وَخَتَمَ عَلى قُلُوبِكُم ﴾ [الأنعام:٤٦]، إشارة إلی ما أجری الله به العادة أنّ الإنسان إذا تناهی فی اعتقاد باطل أو ارتكاب محظور ولا یكون منه تلفّت بوجه إلی الحقّ یورثه ذلك هیئة تمرّنه علی استحسان المعاصی وكأنما یختم بذلك علی قلبه وعلی ذلك:﴿أُولئِكَ الَّذينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلى قُلُوبِهِم وَسَمعِهِم وَأَبصارِهِم﴾ وعلی هذا النّحو استعارة الإغفال فی قوله عزّ وجلّ:﴿ وَلا تُطِع مَن أَغفَلنا قَلبَهُ عَن ذِكرِنا﴾[الكهف :٢٨]، واستعارة الكنّ فی قوله تعالی:﴿ وَجَعَلنا عَلى قُلُوبِهِم أَكِنَّةً أَن يَفقَهُوهُ﴾[الأنعام: ٢٥]، واستعارة القساوة فی قوله تعالی:﴿ وَجَعَلنا قُلُوبَهُم قاسِيَةً ﴾[المائدة:١٣]، قال الجبّائیّ : یجعل الله ختما علی قلوب الكفّار لیكون دلالة للملائكة علی كفرهم فلا یدعون لهم ولیس ذلك بشیء فإنّ هذه الكتابة إن كانت محسوسة فمن حقّها أن یدركها أصحاب التّشریح وإن كانت معقولة غیر محسوسة فالملائكة باطّلاعهم علی اعتقاداتهم مستغنیة عن الاستدلال۔ وقال بعضهم: ختمه شهادته تعالی علیه أنه لا یؤمن. [المفردات فی غریب القرآن:٢٧٥]

سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔" وقد قيل: إن الإضافة إلى الجماعة تغني عن لفظ الجماعة؛ لأنه قال: ﴿وَعَلى سَمعِهِم﴾ فقد أضاف إلى الجماعة، والشيء إذا أضيف إلى الجماعة مرة يذكر بلفظ الجماعة، ومرة يذكر بلفظ الوحدان، فلو ذكر القلوب والأبصار بلفظ الوحدان لكان سديداً في اللغة، فذكر البعض بلفظ الوحدان، والبعض بلفظ الجماعة، وهذه علامة الفصاحة؛ لأن كتاب الله تعالى أفصح الكلام."(۱)

چوتھا جواب: معروف نحوی امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ "سمع " کے ماقبل اور مابعد دونوں صیغے جمع ہیں، اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ "سمع " سے بھی مراد جمع ہے، قرآن مجید میں ارشاد ہے۔"اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ." (سورۃ البقرۃ:۲۵۷) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "أَوَلَم يَرَوا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ اليَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ . .(سورۃ النحل: آیت:۴۸) مذکورہ آیات میں دونوں جگہ جمع سے پہلے مفرد لانا۔ اس بات کی دلیل ہے کہ اس سے بھی جمع مراد ہے۔ مفسر جلیل علامہ علامہ ابن عادل دمشقیؒ فرماتے ہیں۔ "قال سيبويه: إنه وإن وُحِّد لفظ السمع إلَّا أن ذكر ما قبله وما بعده بلفظ الجمع دليل على إرادة الجمع ." (۲)☆

دوسرا اشکال:

بظاہر مفہوم اور معنی کے اعتبار سے اشکال یہ ہے کہ اس آیت سے بظاہر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جب اللہ تعالی نے معاندین کے اسباب علم " قلب، سمع "اور" بصر "مقفل کر دیئے، جس کی وجہ سے وہ ایمان نہیں لاتے، اب ایمان نہ لانے میں ان کا کوئی قصور نہیں، بلکہ انہیں اس معاملہ میں معذور سمجھنا لینا چاہیے، اور انہیں عذاب دینا تو اللہ تعالی کے قانون عدل وانصاف کے

---

(۱) تفسیر بحر العلوم:۱/۲۵.

(۲) تفسیر اللباب:۱/۳۲۴، تفسیر کبیر:۲/۲۹۵.

☆ قال العلامة القرطبي الأندلسي رحمه الله: في هذه الآية أدل دليل وأوضح سبيل على أن الله سبحانه خالق الهدى والضلال والكفر والإيمان فاعتبروا أيها السامعون! وتعجبوا أيها المفكرون من عقول القدرية !القائلين بخلق إيمانهم وهداهم فإن الختم هو الطبع فمن أين لهم الايمان ولو جهدوا، وقد طبع على قلوبهم وعلى سمعهم وجعل على أبصارهم غشاوة فمتى يهتدون أو من يهديهم من بعد الله إذا أضلهم وأصمهم وأعمى أبصارهم ﴿ومن يضلل الله فما له من هاد﴾ [الزمر:۲۳]، وكان فعل الله ذلك عدلا فيمن أضله وخذله إذ لم يمنعه حقا وجب له فتزول صفة العدل وإنما منعهم ما كان له أن يتفضل به عليهم لا ما وجب لهم. [تفسیر قرطبی:۱/۱۸۶-۱۸۷]

منافی ہے، نیز اس آیت سے بظاہر جبریہ کی اس غلط نظریہ کی تائید بھی ہوتی ہے کہ انسان مجبور محض کالجماد ہے نہ اپنے افعال کا خالق ہےاور نہ ہی کاسب ہے؟

پہلا جواب:

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اسباب علم کو ماؤف اور مقفل کرنے کی اصل وجہ یہ تھی کہ انہوں نے دین حقہ کی برملا مخالفت کی، ضد وعناد پر اتر آئے، شرارت وتکذیب کا ارتکاب کرکے اپنی استعداد برباد کرلی، اور یہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی کی مخالفت پر کمربستہ ہوجاتا ہے، وہ ہروقت مخالفت ہی کی کوشش میں رہتا ہے، تو اس کی استعداد وصلاحیت ختم ہوجاتی ہے حتی کہ بالکل نیست ونابود ہوجاتی ہے، تاہم اللہ تعالی کی طرف سے یہ ختم اور طبع ابتداء نہ تھا، بلکہ ان کے اعراض واستکبار اور تکذیب وانکار کی پاداش میں تھا، جیسا ایک جگہ ارشاد ہے۔"فَبِمَا نَقضِهِم مِيثَاقَهُم وَكُفرِهِم بِآيَاتِ اللَّهِ وَقَتلِهِمُ الأَنبِيَاءَ بِغَيرِ حَقٍّ وَقَولِهِم قُلُوبُنَا غُلفٌ بَل طَبَعَ اللَّهُ عَلَيهَا بِكُفرِهِم فَلَا يُؤمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا." (سورۃ النساء:۱۵۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔"فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُم وَاللَّهُ لَا يَهدِي القَومَ الفَاسِقِينَ." (الصّف:۵) نیز ایک جگہ فرمایا۔"وَنُقَلِّبُ أَفئِدَتَهُم وَأَبصَارَهُم كَمَا لَم يُؤمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُم فِي طُغيَانِهِم يَعمَهُونَ." (الأنعام:۱۱۰).

مفسر جلیل علامہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔"والجواب عن هذا: أن يقال: إنه ختم مجازاة لكفرهم. كما قال في آية أخرى: ﴿بَل طَبَعَ اللَّهُ عَلَيهَا بِكُفرِهِم﴾ [النساء:١٥٥]؛ لأن الله تعالى قد يسر عليهم سبيل الهدى فلو جاهدوا لوفقهم كما قال تعالى: ﴿وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهدِيَنَّهُم سُبُلَنَا﴾ [العنكبوت:٦٩]، فلما لم يجاهدوا واختاروا الكفر عاقبهم الله تعالى في الدنيا بالختم على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى أبصارهم وفي الآخرة بالعذاب العظيم." (۱)

الغرض ان کا مسلوب الحواس ہونا ان کے اعمالِ بد کا نتیجہ تکوینی ہےاور یہ ان کی ہاتھوں کی اپنی کمائی ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی نے انسانوں کو پیدا فرما کر تمام دلائل توحید نصب کردیئے، شمس وقمر کا نظام، ستاروں کی چمک ودمک، پھولوں کی مہک، لیل ونہار کے انقلابات، زمین کی سرسبز وشادابی اور آسمان کی رفعت وبلندی یہ تمام انقلابات اللہ تعالی کی وحدانیت کی صدائیں دیتے ہیں۔اور اس کیساتھ ساتھ دلائل نقلیہ کے بھی انبار لگادیئے، ہر دور میں انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے اور انسانیت کی فلاح وبہبود کے

==================

(۱) تفسیر بحر العلوم:۱/۲۵.

لئے کتابیں اور صحیفے نازل فرمائے، ہدایت کے تمام تر اسباب ذرائع مہیا فرمائے تا کہ انسان اس سے ہدایت حاصل کر لے، لیکن کفار نے نہ دلائل عقلیہ کی طرف التفات کیا، نہ ہی ادلہ نقلیہ کی طرف توجہ مبذول کی۔ بلکہ ان سب سے اعراض اور وگردانی کی، اسی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ گئی۔اور یہ سب کچھ ان کے اپنے کیے ہوئے اعمال کا لازمی نتیجہ ہے۔اس کی مثال یوں سمجھ لیں۔کہ جب کمرے کے دروازے کو بند کیا جائے، تو یہ بات ظاہر ہے کہ تاریکی چھا جاتی ہے۔اب اس تاریکی کی نسبت اللہ تعالی کی طرف اس طور پر کی جاتی ہے کہ اللہ تعالی خالق ظلمت ہے اور جس نے دروازہ بند کیا، وہ اس فعل کا سبب مباشر ہے۔یہ تاریکی اس کے فعل کا نتیجہ ہے، بعینہ اسی طرح یہاں پر بھی ختم القلب ان کے اعمال بد کا نتیجہ تکوینی ہے، البتہ اللہ تعالی کی طرف نسبت باعتبار خالق الأشیاء کے ہے کہ اللہ تعالی نے "ختم "اور"طبع "کو پیدا فرمایا ہے۔(۱)

حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ اب یہاں ایک اور سوال باقی رہ جاتا ہے کہ "ختم الله علی قلوبهم" میں مہر لگانے کو اللہ تعالی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مہر لگنا ان کے اعمال کا نتیجہ نہیں، بلکہ اللہ تعالی کا فعل ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کے نزدیک تمام افعال عباد کا خالق خدا تعالی ہے اور ہر کام کے لیے فاعلِ مباشر اور سبب کا ہونا ضروری ہے اور کام کو چونکہ تینوں سے نسبت ہوتی ہے، اللہ تعالی سے مخلوق ہونے کی نسبت، فاعل سے صدور کی اور سبب سے ترتب کی۔اس لیے فعل کو تینوں کی طرف منسوب کیا جاسکتا ہے، مثال کے طور پر ایک شخص کو قتل وغارت گری کی جرم میں پھانسی دے دی جاتی ہے، تو

======================

(۱) قال الشيخ الامام محمد طاهر رحمه الله: وقد ذكر العلامة الحافظ شمس الدين ابن القيم الجوزية رحمه الله تعالى : مثالين للختم يسهل على الانسان فهمه، ويركزه في الأذهان الوسطانية، ويندفع به ما تيفوه به من جهلاء هذا الزمان، وهم شرذمة قليلة من العوام وأكثرهم من يتعلم الانجليزية في الكليات، أحدهما: أن الرجل اذا كان له فرس، ألقى عليه السرج وألجمه بلجام، فله الاختيار اما يركبه واما يهمله، فاذا ركبه فبعد ذلك له الخيار بسرعة في السير أوبوقفة، لكنه اذا ركزه اليه برجله، وجعله سريعا بالسيروقطع اللجام وخرق، فآلان لايبقى له الاختيار بالفرس في أن يلقى منه، فكذا حال اثم الرجل له خيار يفعله أو يتركه، فمن شاء فليؤمن ومن شاء فليكفر، فاذا فعل الاثم مرة أومرتين، فكأنما ركب الفرس يبقى له الخيار بعد، واذا صارت سيئة سجية له، فلا يبقى له الخيارالآن، بل هوشقى ابدى. أعاذنا الله منه. وثانيهما: أن الرجل اذا كان وقع نظره على صورة حسنة بغتة، فله الخيار ينظراليه أم لا، لكن اذا نظراليه ثانياً بعد فبقى له الخيارأيضاً، ثم اذا نظراليه متحلاً بحيلة أنها من آثار قدرة الله تعالى فيثى النظراليه، واشتغل فيه فيتعلق محبته بسوداء قلبه، فلا يمكن التخلص منه، بل يفعل كل ما أمره هواه، فليقيه فى مكان سحيق . [*العرفان من أصول القرآن*:۹۵].

اس پر لوگ مختلف عبارتوں سے رائے زنی کریں گے۔کوئی کہے گا۔''اللہ نے اس کا بیڑا غرق کر دیا''! کوئی کہے گا۔''اس نے خود ہی اپنا خانہ خراب کر دیا''! اور کوئی یوں گویا ہوگا کہ ''بداعمالیاں اسے لے ڈوبیں''! اپنی اپنی جگہ تینوں فقرے صحیح ہیں، جس نے اس مجرم کی تباہی کو خدا کی طرف منسوب کیا ہے، اس کی ہرگز یہ غرض نہیں اور نہ ہی سامعین نے اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ اس کی تباہی ذمہ دار اللہ تعالی ہے اور وہ مجرم بری الذمہ اور بے قصور ہے، بلکہ اس کی تباہی کو اللہ کی طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ خالق الأفعال ہے۔باقی رہی اس کی تباہی تو وہ اس کے اپنے ہی اعمال کا نتیجہ ہے، اسی طرح مہر لگانے کو مختلف نسبتوں کی وجہ سے مختلف ذوات کی طرف منسوب کیا گیا ہے، مہر لگنے کا اصل سبب چونکہ ان کے اپنے اعمال تھے، اس لیے کبھی اس کیفیت کو ان کے اعمال سے وابستہ کیا گیا ہے۔(۱)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسان کو علم کے ذرائع اور اسباب سے مالا مال فرمایا، قوت باصرہ اور قوت سامعہ جیسی غیر معمولی نعمتوں سے نوازا، غور وفکر کے متنوع افکار عطاء کیے اور عقل وفراست کی قیمتی دولت دی، جیسے ارشاد ہے۔'' وَاللَّهُ أَخرَجَكُم مِن بُطُونِ أُمَّهَاتِكُم لَا تَعلَمُونَ شَيئًا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمعَ وَالأَبصَارَ وَالأَفئِدَةَ لَعَلَّكُم تَشكُرُونَ.'' (النحل:۷۸)

جملہ انواع دلائل کے انبار لگا دیئے، بے شمار دلائل عقلیہ اور نقلیہ قائم کیے، جیسے ارشاد ہے۔'' لَخَلقُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ أَكبَرُ مِن خَلقِ النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكثَرَ النَّاسِ لَا يَعلَمُونَ وَمَا يَستَوِي الأَعمَى وَالبَصِيرُ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ وَلَا المُسِيءُ قَلِيلًا مَا تَتَذَكَّرُونَ. إِنَّ السَّاعَةَ لَآتِيَةٌ لَا رَيبَ فِيهَا وَلَكِنَّ أَكثَرَ النَّاسِ لَا يُؤمِنُونَ وَقَالَ رَبُّكُمُ ادعُونِي أَستَجِب لَكُم إِنَّ الَّذِينَ يَستَكبِرُونَ عَن عِبَادَتِي سَيَدخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيلَ لِتَسكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبصِرًا إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَكِنَّ أَكثَرَ النَّاسِ لَا يَشكُرُونَ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُم خَالِقُ كُلِّ شَيءٍ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَأَنَّى تُؤفَكُونَ كَذَلِكَ يُؤفَكُ الَّذِينَ كَانُوا بِآيَاتِ اللَّهِ يَجحَدُونَ اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الأَرضَ قَرَارًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَصَوَّرَكُم فَأَحسَنَ صُوَرَكُم وَرَزَقَكُم مِنَ الطَّيِّبَاتِ ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُم فَتَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ العَالَمِينَ هُوَ الحَيُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ فَادعُوهُ مُخلِصِينَ لَهُ الدِّينَ الحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العَالَمِينَ .(حم السجدة:۵۷-۶۵).

نیز انسانیت کی ہدایت اور فلاح و بہبود کے لئے انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے، جو زندگی بھر خلق خدا کو کامیابی و کامرانی کی دعوت دیتے رہے، تا کہ کوئی قیامت کو اپنے لاعلمی کا اظہار نہ کرے اور نہ ہی خود کو معذور سمجھے، جیسا کہ ارشاد ہے۔'' رُسُلًا

====================

(۱) تفسیر جواہر القرآن:۱/۲۱.

مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى اللَّهِ حُجَّةٌ بَعدَ الرُّسُلِ.' (سورۃ النساء:۱۶۵)

اس کیساتھ ساتھ انسان کوفطرت سلیمہ بھی عطاء فرمائی، تا کہ یہ اپنے حقیقی معبود کا پہچان سکے، جیسا کہ ارشاد ہے۔" لَقَد خَلَقنَا الإِنسَانَ فِی أَحسَنِ تَقوِیمٍ." (سورۃ التین:۴) ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔"سَبِّحِ اسمَ رَبِّكَ الأَعلَى الَّذِی خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِی قَدَّرَ فَهَدَى." (سورۃ الأعلیٰ:۱-۳) نیز ارشاد ہے۔" وَهَدَینَاهُ النَّجدَینِ." (سورۃ البلد:۱۰) ایک جگہ فرمایا۔"قَالَ رَبُّنَا الَّذِی أَعطَى كُلَّ شَیءٍ خَلقَهُ ثُمَّ هَدَى." (سورۃ طٰہٰ:۵۰)؛

صحیح بخاری میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔

"ما من مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه، كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء، هل تحسون فيها من جدعاء، ثم يقول أبو هريرة رضى الله عنه: ﴿فطرة الله التى فطر الناس عليها﴾ "(١)

نیز اس کیساتھ ساتھ اسباب کو بروکار لانے کا حکم بھی دیا ہے، جیسے ارشاد ہے۔"وَلَقَد مَكَّنَّاهُم فِیمَا إِن مَكَّنَّاكُم فِیهِ وَجَعَلنَا لَهُم سَمعًا وَأَبصَارًا وَأَفئِدَةً فَمَا أَغنَى عَنهُم سَمعُهُم وَلَا أَبصَارُهُم وَلَا أَفئِدَتُهُم مِن شَیءٍ."(الأحقاف:۲۶)

آخر کار اس بے اعتنائی کا نتیجہ یہ نکل آیا، اسباب علم بے کار و مفلوج ہو گئے اور حق کو قبول کرنے کے استعداد بھی ختم ہوئے، اور اس عام فہم مثال یہ ہے کہ جیسے لوہا زنگ لگ جائے، تو پھر وہ قابلِ انتفاع نہیں رہتا، تو بعینہ اسی طرح انسان جب اپنے اسباب علم کو بروئے کار نہ لائے، تو استعداد ختم ہو جاتی ہیں اور اسے مختوم القلب قرار دیا جاتا ہے، جیسا ارشاد ہے۔' بَلَى مَن كَسَبَ سَيِّئَةً وَأَحَاطَت بِهِ خَطِيئَتُهُ فَأُولَئِكَ أَصحَابُ النَّارِ هُم فِيهَا خَالِدُونَ." (سورۃ البقرۃ:۸۱)

مسند احمد میں سیدنا ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

"إن المؤمن إذا أذنب كانت نكتة سوداء فى قلبه فإن تاب واستغفر صقل قلبه وإن زاد زادت حتى تعلو قلبه فذلكم" الران" الذى ذكر الله تعالى: ﴿كلا بل ران على قلوبهم ما كانوا يكسبون﴾ [المطففين:۱۴]. (۱)

====================

(۱) صحیح بخاری:۱/۴۵۶، رقم:۱۲۹۲، صحیح مسلم:۴/۲۰۴۷، رقم:۲۶۵۸، سنن أبی داوٗد:۴/۲۲۹، رقم:۴۷۱۴.

(۲) مسند أحمد:۲/۲۹۷، رقم:۷۹۲۹، سنن الترمذی:۵/۴۳۴، رقم:۳۳۳۴، سنن ابن ماجہ:۲/۱۴۱۸، رقم:۴۲۴۴.

''جب کوئی مومن گناہ کرتا ہے، تو اس کے دل پر ایک سیاہ نکتہ لگ جاتا ہے، اگر وہ توبہ کرے تو وہ مٹ جاتا ہے اور اگر وہ توبہ نہ کرے تو بڑتے بڑے پورے دل پر احاطہ کر لیتا ہے اور یہ وہ زنگ جس کے متعلق ارشادِ باری تعالی ہے۔''ان کے دلوں پر بسبب بُرے اعمال کے زنگ لگ چکے ہیں۔''

یہ نکتہ پورے دل کو گھیر لیتا ہے، تو اس کی فہم واستعداد ختم ہو جاتی ہیں اور پھر حق بات کو قبول کرنے طاقت نہیں رہتی۔ جلیل القدر تابعی امام مجاہدؒ نے ایک مرتبہ اپنا ہاتھ دیکھا کر کہا کہ دل ہتھیلی کی مانند ہے، اور بندے کے گناہوں کی وجہ سے وہ آہستہ آہستہ سمٹ جاتا ہے، اور آخر وہ بند ہو جاتا ہے، یعنی جب آدمی کوئی گناہ کر لیتا ہے، تو وہ ایک انگلی بند ہو جاتی ہے، پھر دوسرا گناہ کیا، تو دوسری انگلی بند ہو گئی، حتی کہ تمام انگلیاں بند ہونے کیساتھ مٹھی بھی بند ہو گئی، اب ظاہر بات ہے کہ اس میں کوئی چیز داخل نہیں ہو سکتی، تو بعینہ اسی طرح دل پر پردے پڑ جاتے ہیں اور دل مقفل ہو جاتا ہے، پھر اس میں حق اثر نہیں کرتا(۱)۔

الغرض دل پر مہر لگ جانا، ان کے اعمال بد کا نتیجہ تکوینی ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔''وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الْجِنِّ وَالْإِنسِ لَهُمْ قُلُوبٌ لَا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَا يَسْمَعُونَ بِهَا أُولَئِكَ كَالْأَنْعَامِ بَلْ هُمْ أَضَلُّ أُولَئِكَ هُمُ الْغَافِلُونَ.'' (سورۃ الأعراف:۱۷۹) علم کے اسباب وذرائع کے ہوتے ہوئے بھی اس سے کچھ فائدہ نہ اٹھا یا سکے، اور نہ دل سے حق بات سوچی اور نہ ہی آنکھوں سے حق کا مشاہدہ کیا اور نہ ہی کانوں سے حق بات سننے کی زحمت اٹھائی، حالانکہ یہ اعضاء کو حق بات قبول کرنے کے لئے عطا کیے گئے تھے۔ کسی صاحبِ دل نے کیا خوب کہا ہے۔

برائے دیدن چشم آمد ~ برائے حق شنیدن تیز گوش است

اگر حق را نہ بینی و نہ شنوی ~ سر خر مرتو تُرا بالائے دوش است

دوسرا جواب: قرآن مجید میں اہل ایمان اور کفار کے اوصاف کا تذکرہ کبھی ایجاز کے طور پر اور کبھی اطناب کے طور پر کیا جاتا ہے، یعنی بسا اوقات اہل ایمان کے اوصاف اجمالی طور پر ذکر کیے جاتے ہیں اور کبھی تفصیلی طور پر بیان کیے جاتے ہیں، اسی طرح کفار کے اوصاف بھی کبھی اجمالا اور کبھی تفصیلا ذکر کیے ہیں، اور اس آیت میں ایجاز کو اختیار کیا گیا ہے۔

طلباء کرام! ہدایت کے متعلق کچھ عرض کرنے کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اب اس کے مقابل ضلالت کے متعلق بھی کچھ عرض کیا جائے، تا کہ دونوں کا مرتبہ اور مقام واضح طور پر معلوم ہو جائے اور افہام وتفہیم میں آسانی رہے۔

=====================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۸۴.

یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ جس طرح ہدایت کے چار (انابت، ہدایت، استقامت، ربط القلب) مراتب ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے کہ انابت فعل عبد، ہدایت ثمرہ، استقامت نتیجہ اور ربط القلب باری تعالی کا احسان واکرام ہوتا ہے، اب بعینہ اسی طرح ضلالت کے بھی چار مراتب (شک، ضلالت، جدال، ختم القلب) ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے کہ اس میں شک فعل عبد، ضلالت ثمرہ، جدال نتیجہ اور ختم القلب اس کی گمراہی کا نتیجہ تکوینی ہے۔ یہ ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جب کوئی مسئلہ حق بیان کرتا ہے تو مخاطبین میں بعض ناعاقبت اندیش شک وتردد کرنے لگتے ہیں، پھر شک میں مبتلا ہو کر ضلالت وگمراہی کے شکار ہوجاتے ہیں، پھر رفتہ رفتہ اہل حق کیساتھ دست وگریباں ہوجاتے ہیں اور ان کے خلاف محاذ آرائی شروع کر لیتے ہیں، بالاخر ان کے دلوں پر مہر جباریت لگ جاتی ہے، جس کی وجہ سے پھر ان میں حق بات سننے کی قوت اور مسئلہ حق تسلیم کرنے کا مادہ باقی نہیں رہتا۔

طلباء کرام! قرآن مجید نے ضلالت کے ان چاروں مراتب کو ایک مقام میں یوں بیان فرمایا۔ ''وَلَقَد جَاءَكُم يُوسُفُ مِن قَبلُ بِالبَيِّنَاتِ فَمَا زِلتُم فِي شَكٍّ مِمَّا جَائَكُم بِهِ حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلتُم لَن يَبعَثَ اللَّهُ مِن بَعدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن هُوَ مُسرِفٌ مُرتَابٌ الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيرِ سُلطَانٍ أَتَاهُم كَبُرَ مَقتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ .(سورۃ المؤمن:۳۴،۳۵)

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ اللہ تعالی نے خود ان کے اسباب علم پر مہر لگائیں ہیں، اور یہی اہل سنت کا نقطہ نظر ہے، تاہم معتزلہ کا گمان یہ ہے کہ کسی کے دل کے پر مہر لگا نا دینا ایک امر قبیح ہے اور اللہ تعالی ہر ایک قبیح سے منزہ ہے، اس لئے معتزلہ اس قسم کی تمام آیتوں میں تأویل کرتے ہیں، مسلک اعتزال کے معروف علمبر ار علامہ جاراللہ زمخشریؒ نے اس مقام میں مختلف تأویلات کر کے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ یہاں ''ختم'' کی نسبت اللہ تعالی کی طرف از قبیل اسناد مجازی ہے(۱)، لیکن مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ ان کی یہ تمام تأویلات غلط اور بے ہود ہیں، فرماتے ہیں۔ "وقد أطنب الزمخشري في تقرير ما رده ابن جرير هاهنا، وتأول الآية من خمسة أوجه، وكلها ضعيفة جدا، وما جرأه على ذلك إلا اعتزاله؛ لأن الختم على قلوبهم ومنعها من وصول الحق إليها قبيح عنده يتعالى الله عنه في اعتقاده، ولو فهم قوله تعالى: ﴿فلما زاغوا أزاغ الله قلوبهم﴾[الصف: ٥]، وقوله: ﴿ونقلب أفيدتهم وأبصارهم كما لم يؤمنوا

=====================

(۱) تفسیر الکشاف:۱/۴۹.

به أول مرة ونذرهم فی طغیانهم یعمهون﴾ [الأنعام: ١١٠]، وما أشبه من الآیات الدالة علی أنه تعالی إنما ختم علی قلوبهم، وحال بینهم وبین الهدی جزاء وفاقا علی تمادیهم فی الباطل، وترکهم الحق، وهذا عدل منه تعالی حسن، ولیس بقبیح فلو أحاط علما بهذا لما قال ما قال. والله أعلم. " (١)

قارئین کرام! اس تفصیل سے یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ہر چیز کا خالق اللہ ہی ہے، بندہ کسی چیز کا خالق نہیں، البتہ کاسب ہے اور یہی طائفہ منصورہ اہل سنت والجماعت کا مسلک بھی ہے، تاہم معتزلہ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خالق ہے، لیکن معتزلہ کا یہ خیال باطل ہے، اور یہ قرآن مجید کے صریح نصوص کے خلاف ہے، من جملہ نصوص میں سے یہ آیت بھی ہے اور یہ اس مسئلہ پر عبارۃ النص ہے، دیگر آیات ملاحظہ ہوں۔ ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَاللَّهُ خَلَقَكُم وَمَا تَعمَلُونَ". (سورۃ الصافات:٩٦) ایک جگہ فرمایا۔"ذَلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُم لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيءٍ".(سورۃ الأنعام:١٠٢) نیز ایک جگہ فرمایا۔" أَفَمَن يَخلُقُ كَمَن لَا يَخلُقُ أَفَلَا تَذَكَّرُونَ." (سورۃ النحل:١٧) وغیرہ.

نیز معتزلہ کا مسلک عقل کی رو سے بھی باطل ہے، اس لیے کہ اگر انسان اپنے افعال کا خالق ہوتا، تو لامحالہ اسے اپنے افعال کی جملہ تفاصیل کا علم ہوتا، کیونکہ خالق کا عالم ہونا ضروری ہوتا ہے، یعنی جو افعال اس سے صادر ہوتے ہیں، ان کے تمام احوال سے بخوبی واقف ہو، حالانکہ انسان کا حال تو یہ ہے کہ جب وہ چلتا ہے، تو چلنے کے درمیان کچھ سکنات بھی ظہور پذیر ہوتے ہیں، نیز حرکت کا بھی یہی حال ہے، بعض حرکت سریع اور بعض بطی ہوتی ہے، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ چلنے والے کو اس کے متعلق کچھ علم نہیں ہوتا ہے، نہ سکنات متخللہ کا علم ہوتا ہے اور نہ ہی اسے حرکات کی کیفیات معلوم ہوتے ہیں۔ اب ظاہر ہے کہ اگر کسی شخص سے اس کے متعلق سوال کیا جائے، تو اس کے پاس سوائے "لاأدری" کے کچھ جواب نہ ہوگا۔ یہ حال تو انسان کے ظاہری حالت کا ہے، کہ جس سے انسان کا جاہل ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی افعال خفیہ میں غور وفکر کرے، تو اس کی جہالت کا مزید انکشاف ہوگا کہ چلنے میں یا کسی چیز کو پکڑنے میں کتنی قوت صرف ہوتی ہے؟ اور اعضاء کو کتنی حرکت دینی پڑتی ہے؟ اس کا جواب بھی انسان کے پاس کوئی نہیں۔ اس سے بھی یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان اپنے افعال کا خالق نہیں ہو سکتا۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ انسان اپنے افعال کا خالق نہیں، بلکہ کاسب ہے، علم کلام کی کتابوں میں اس مسئلہ کی تفصیل مذکور ہے۔ وہاں ملاحظہ ہو۔

=====================

(١) تفسیر ابن کثیر: ١/٨٥.

المبحث الثالث : أسبا ب الختم وتعبيراته فى القرآن :

قرآنِ مجید میں ختم القلب کے متعدد اسباب بیان کیے گئے ہیں، جن میں چند درج یل ہیں۔

۞...... اتباع الهواء ،جیسا کہ ارشاد ہے۔"أَفَرَأَيتَ مَنِ اتَّخَذَ إِلَهَهُ هَوَاهُ وَأَضَلَّهُ اللَّهُ عَلَى عِلمٍ وَخَتَمَ عَلَى سَمعِهِ وَقَلبِهِ وَجَعَلَ عَلَى بَصَرِهِ غِشَاوَةً فَمَن يَهدِيهِ مِن بَعدِ اللَّهِ." (سورۃ الجاثیۃ:۲۳).

۞......الجدال فى آيات الله ،جیسا کہ ارشاد ہے۔" الَّذِينَ يُجَادِلُونَ فِي آيَاتِ اللَّهِ بِغَيرِ سُلطَانٍ أَتَاهُم كَبُرَ مَقتًا عِندَ اللَّهِ وَعِندَ الَّذِينَ آمَنُوا كَذَلِكَ يَطبَعُ اللَّهُ عَلَى كُلِّ قَلبِ مُتَكَبِّرٍ جَبَّارٍ." (سورۃ المؤمن:۳۵).

۞......الكفر ،جیسا کہ ارشاد ہے۔"ذَلِكَ بِأَنَّهُم آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِم فَهُم لَا يَفقَهُونَ." (المنافقون:۳).

۞......الجحود بآيات الله ،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَقَد مَكَّنَّاهُم فِيمَا إِن مَكَّنَّاكُم فِيهِ وَجَعَلنَا لَهُم سَمعًا وَأَبصَارًا وَأَفئِدَةً فَمَا أَغنَى عَنهُم سَمعُهُم وَلَا أَبصَارُهُم وَلَا أَفئِدَتُهُم مِن شَيءٍ إِذ كَانُوا يَجحَدُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَحَاقَ بِهِم مَا كَانُوا بِهِ يَستَهزِءونَ." (سورۃ الأحقاف:۲۶).

۞......حبّ الدنيا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ ''ذَلِكَ بِأَنَّهُمُ استَحَبُّوا الحَيَاةَ الدُّنيَا عَلَى الآخِرَةِ وَأَنَّ اللَّهَ لَا يَهدِى القَومَ الكَافِرِينَ أُولَئِكَ الَّذِينَ طَبَعَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِم وَسَمعِهِم وَأَبصَارِهِم وَأُولَئِكَ هُمُ الغَافِلُونَ". (سورۃ النحل:۱۰۷،۱۰۸).

۞...... ترک الایمان ،جیسا کہ ارشاد ہے۔" تِلكَ القُرَى نَقُصُّ عَلَيكَ مِن أَنبَائِهَا وَلَقَد جَاءَتهُم رُسُلُهُم بِالبَيِّنَاتِ فَمَا كَانُوا لِيُؤمِنُوا بِمَا كَذَّبُوا مِن قَبلُ كَذَلِكَ يَطبَعُ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِ الكَافِرِينَ." (سورۃ الأعراف:۱۰۱).(۱)

البحث الرابع: أوصاف قلوب الكفارفى القرآن

معروف مفسر علامہ قرطبیؒ اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالی نے کفار کے قلوب کے متعدد اوصاف بیان کیے ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں۔

۞......الانکار ،جیسے ارشاد ہے۔ فَالَّذِينَ لَا يُؤمِنُونَ بِالآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُنكِرَةٌ وَهُم مُستَكبِرُونَ". (النحل:۲۲).

۞...... الحمية،جیسا کہ ارشاد ہے۔"إِذ جَعَلَ الَّذِينَ كَفَرُوا فِى قُلُوبِهِمُ الحَمِيَّةَ حَمِيَّةَ الجَاهِلِيَّةِ." (سورۃ الفتح:۲۶)

۞...... الانصراف، جیسے ارشاد ہے۔ "ثُمَّ انصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُم قَومٌ لَا يَفقَهُونَ ."(سورۃ التوبۃ:۱۲۷).

======================

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے شفاء العلیل لابن القیم الجوزیۃ:۸۵.

۞...... **القساوة**،جیسا کہ ارشاد ہے۔"ثُمَّ قَسَت قُلُوبُكُم مِن بَعدِ ذَلِكَ فَهِيَ كَالحِجَارَةِ أَو أَشَدُّ قَسوَةً." (سورۃ البقرۃ:۷۴) ایک جگہ فرمایا۔ "فَوَيلٌ لِلقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِن ذِكرِ اللَّهِ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ."(سورۃ الزمر:۲۲).

۞...... **الموت**،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّمَا يَستَجِيبُ الَّذِينَ يَسمَعُونَ وَالمَوتَى يَبعَثُهُمُ اللَّهُ ثُمَّ إِلَيهِ يُرجَعُونَ." (سورۃ الأنعام:۳۶)ایک جگہ ارشاد ہے۔ "أَوَمَن كَانَ مَيتًا فَأَحيَينَاهُ وَجَعَلنَا لَهُ نُورًا يَمشِي بِهِ فِي النَّاسِ." (سورۃ الأنعام:۱۲۲).

۞...... **الرين**،جیسا کہ ارشاد ہے۔"كَلَّا بَل رَانَ عَلَى قُلُوبِهِم مَا كَانُوا يَكسِبُونَ" .(سورۃ المطففین:۱۴).

۞...... **المرض**،جیسا کہ ارشاد ہے۔ فِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا .(سورۃ البقرۃ:۱۰) .

۞...... **الضيق**،جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَمَن يُرِد أَن يُضِلَّهُ يَجعَل صَدرَهُ ضَيِّقًا حَرَجًا.(سورۃ الأنعام:۱۲۵).

۞...... **الطبع**،جیسا کہ ارشاد ہے۔ بَل طَبَعَ اللَّهُ عَلَيهَا بِكُفرِهِم فَلَا يُؤمِنُونَ إِلَّا قَلِيلًا .(سورۃ النساء:۱۵۵) ایک جگہ فرمایا۔ "فَطُبِعَ عَلَى قُلُوبِهِم فَهُم لَا يَفقَهُونَ." (سورۃ المنافقون:۳).(۲)

۞...... **الختم**،جیسا کہ ارشاد ہے۔"خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِم."(سورۃ البقرۃ:۷).

۞...... **غلف**،جیسا کہ ارشاد ہے۔"وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلفٌ بَل لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفرِهِم." (سورۃ البقرۃ:۸۸).

۞...... **الأكنة**،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدعُونَا إِلَيهِ".(سورۃ حٰم السجدۃ:۵).

۞......**القفل**،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ القُرآنَ أَم عَلَى قُلُوبٍ أَقفَالُهَا."(سورۃ محمد:۲۴).

۞...... **السد**،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَجَعَلنَا مِن بَينِ أَيدِيهِم سَدًّا وَمِن خَلفِهِم سَدًّا." (سورۃ یٰسٓ:۹).

۞...... **الغفلة**،جیسا کہ ارشاد ہے۔"وَلَا تُطِع مَن أَغفَلنَا قَلبَهُ عَن ذِكرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمرُهُ فُرُطًا." (سورۃ الکہف:۲۸).(۱)

المبحث الخامس: بيان اطلاقات القلب :

قرآنِ مجید میں قلب کئی معانی میں مستعمل ہے،جن میں چند درج ذیل ہیں۔

۞...... **قلب بمعنی العقل**،جیسا کہ ارشاد ہے۔ "خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِم".(سورۃ البقرۃ آیت:۷) ایک جگہ فرمایا۔

=====================

(۱) الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:۱/۱۸۶.

"وَلَقَد ذَرَأنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيرًا مِنَ الجِنِّ وَالإِنسِ لَهُم قُلُوبٌ لَا يَفقَهُونَ بِهَا." (سورۃ الأعراف آیت:۱۷۹) **ایک جگہ ارشاد ہے۔** "إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلبٌ أَو أَلقَى السَّمعَ وَهُوَ شَهِيدٌ." (سورۃ ق:۳۷).

❁...... **قلب بمعنی رائ و التدبیر**، جیسے ارشاد ہے۔ "لَا يُقَاتِلُونَكُم جَمِيعًا إِلَّا فِي قُرًى مُحَصَّنَةٍ أَو مِن وَرَاءِ جُدُرٍ بَأسُهُم بَينَهُم شَدِيدٌ تَحسَبُهُم جَمِيعًا وَقُلُوبُهُم شَتَّىٰ." (سورۃ الحشر آیت:۱۴). "أي آرائهم مختلفة."

❁...... **قلب بمعنی حقیقة القلب الذی فی الصدر**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "فَإِنَّهَا لَا تَعمَى الأَبصَارُ وَلَكِن تَعمَى القُلُوبُ الَّتِي فِي الصُّدُورِ." (سورۃ الحج آیت:۴۶).

❁...... **قلب بمعنی روح**، جیسے ارشاد ہے۔ "وَإِذ زَاغَتِ الأَبصَارُ وَبَلَغَتِ القُلُوبُ الحَنَاجِرَ وَتَظُنُّونَ بِاللَّهِ الظُّنُونَا." (سورۃ الأحزاب آیت:۱۰).(۱)

البحث السادس: أقسام القلوب:

علامہ مجد الدین فیروز آبادیؒ اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں کہ قلوب کی سات قسمیں ہیں۔

❁...... **قلب الكافر**، جیسے ارشاد ہے۔ إِلَٰهُكُم إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَالَّذِينَ لَا يُؤمِنُونَ بِالآخِرَةِ قُلُوبُهُم مُنكِرَةٌ.(النحل:۲۲)

❁...... **قلب المنافق**، جیسے ارشاد ہے۔ فِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ .(سورۃ البقرۃ:۱۰).

❁...... **قلب العاصين**، جیسے ارشاد ہے۔ ثُمَّ قَسَت قُلُوبُكُم مِن بَعدِ ذَٰلِكَ فَهِيَ كَالحِجَارَةِ أَو أَشَدُّ قَسوَةً.(سورۃ البقرۃ:۷۴) **ایک جگہ فرمایا۔** فَوَيلٌ لِلقَاسِيَةِ قُلُوبُهُم مِن ذِكرِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ فِي ضَلَالٍ مُبِينٍ . (سورة الزمر: ٢٢) **ایک جگہ فرمایا۔** كَلَّا بَل رَانَ عَلَىٰ قُلُوبِهِم مَا كَانُوا يَكسِبُونَ .(سورۃ المطففین:۱۴).

❁...... **قلب خواص العباد**، جیسے ارشاد ہے۔ مَن خَشِيَ الرَّحمَٰنَ بِالغَيبِ وَجَاءَ بِقَلبٍ مُنِيبٍ.(سورۃ ق:۳۳).

❁...... **قلب المجيبين**، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّ فِي ذَٰلِكَ لَذِكرَىٰ لِمَن كَانَ لَهُ قَلبٌ أَو أَلقَى السَّمعَ وَهُوَ شَهِيدٌ .(سورۃ ق:۳۷).

❁...... **قلب الخائفين**، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّمَا المُؤمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَت قُلُوبُهُم.(سورۃ الأنفال:۲) **ایک جگہ فرمایا۔** الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَت قُلُوبُهُم.(سورۃ الحج:۳۵) **ایک جگہ فرمان ہے۔** وَالَّذِينَ يُؤتُونَ مَا آتَوا

=======================

(۱) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز:۴/۱۲۷، بصیرۃ فی قلب.

وَقُلُوبُهُم وَجِلَةٌ أَنَّهُم إِلَى رَبِّهِم رَاجِعُونَ. (سورۃ المؤمنون:۶۰).

۞......قلب العارفين، جیسے ارشاد ہے۔ إِلَّا مَن أَتَى اللَّهَ بِقَلبٍ سَلِيمٍ .(سورۃ الشعراء:۸۹).(۱)

المبحث السابع: أحوال القلوب:

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ قلوب کے سات اَحوال ہوتے ہیں، جس کی تفصیل یہ ہے:۔

پھلی حالت:...... قلب الكافر فى غلاف وغطاء، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "أَم عَلَى قُلُوبٍ أَقفَالُهَا." (سورۃ محمد:۲۴) ایک جگہ ارشاد ہے۔" وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلفٌ بَل لَعَنَهُمُ اللَّهُ بِكُفرِهِم." (سورۃ البقرۃ:۸۸) ایک جگہ فرمایا۔ "وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدعُونَا إِلَيهِ." (سورۃ حٰم السجدۃ:۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَجَعَلنَا عَلَى قُلُوبِهِم أَكِنَّةً أَن يَفقَهُوهُ بِكُفرِهِم." (سورۃ البقرۃ:۸۸) ایک جگہ فرمایا۔ "وَقَالُوا قُلُوبُنَا فِي أَكِنَّةٍ مِمَّا تَدعُونَا إِلَيهِ." (سورۃ حٰم السجدۃ:۵) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَجَعَلنَا عَلَى قُلُوبِهِم أَكِنَّةً أَن يَفقَهُوهُ." (سورۃ الأنعام:۲۵).

دوسری حالت:...... قلب المنافق فى حجاب الرياء، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "خَتَمَ اللَّهُ عَلَى قُلُوبِهِم." (سورۃ البقرۃ:۷) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "تَشَابَهَت قُلُوبُهُم." (سورۃ البقرۃ:۱۱۸).

تیسری حالت:...... قلب المبتدع فى الزيغ والهوىٰ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم زَيغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنهُ ابتِغَاءَ الفِتنَةِ." (سورۃ ال عمران:۷) ایک جگہ فرمایا۔ "رَبَّنَا لَا تُزِغ قُلُوبَنَا بَعدَ إِذ هَدَيتَنَا." (سورۃ ال عمران:۸) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ "فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُم." (سورۃ الصّف:۵).

چوتھی حالت:...... قلب الفاسق الغريق فى بحر الغناء، جیسا کہ ارشاد ہے۔"لِيَجعَلَ اللَّهُ ذَلِكَ حَسرَةً فِي قُلُوبِهِم." (سورۃ ال عمران:۱۵۶) ایک جگہ فرمایا۔"سَنُلقِي فِي قُلُوبِ الَّذِينَ كَفَرُوا الرُّعبَ."(ال عمران:۱۵۱).

پانچویں حالت:......قلب الغافل الراغب فى الدنيا ودار الفناء، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَا تُطِع مَن أَغفَلنَا قَلبَهُ عَن ذِكرِنَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ وَكَانَ أَمرُهُ فُرُطًا." (سورۃ الكهف:۲۸).

چھٹی حالت:...... قلب العابد المنتظر ثواب حضرة الكبرياء، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " إِلَّا مَن أَتَى اللَّهَ بِقَلبٍ سَلِيمٍ." (سورۃ الشعراء:۸۹) ایک جگہ فرمایا۔ "إِذ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلبٍ سَلِيمٍ." (سورۃ الصافات:۸۴).

=======================

(۱) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز۵،۱۲۷، بصیرۃ قلب.

ساتویں حالت:...... **قلب العارف المنتظر اللقاء فی دار البقاء**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِلَّا مَن أُكرِهَ وَقَلبُهُ مُطمَئِنٌّ بِالإِيمَانِ." (سورۃ النحل:١٠٦) ایک جگہ فرمایا۔ "الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطمَئِنُّ قُلُوبُهُم بِذِكرِ اللَّهِ أَلَا بِذِكرِ اللَّهِ تَطمَئِنُّ القُلُوبُ." (سورۃ الرعد:٢٨).(١)

قوله تعالى: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِاليَومِ الآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤمِنِينَ ﴿٨﴾ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُم وَمَا يَشعُرُونَ ﴿٩﴾ فِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا وَلَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ بِمَا كَانُوا يَكذِبُونَ ﴿١٠﴾

ترجمہ: اورلوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور دن قیامت پر اور وہ ہرگز مؤمن نہیں دغابازی کرتے ہیں اللہ سے اور ایمان والوں سے اور دراصل کسی کو دغا (دھوکہ) نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سوچتے اُن کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے اُن کی بیماری اور اُن کے لئے دردناک عذاب ہے اس پر کہ جھوٹ کہتے تھے۔

قوله تعالى: وَمِنَ النَّاسِ مَن يَقُولُ آمَنَّا بِاللَّهِ وَبِاليَومِ الآخِرِ وَمَا هُم بِمُؤمِنِينَ.

یہاں چند مباحث ذہن نشیں رکھیں:۔

١۔ آیت کا مفہوم ٢۔ آیت کا ربط ماقبل سے. ٣۔ ایک اشکال اور اس کا جواب. ٣۔ اطلاقات القول فی القرآن.

المبحث الأول: آیت کا مفهوم:

اس آیت میں منافقین کے اوصاف قبیحہ کا بیان ہے اور ان کے ایمان کی حقیقت بیان کی جارہی ہے۔ "ومن الناس" خبر مقدم اور "من يقول" مبتدا مؤخر ہے، یہ جملہ عاطفہ یا استنافیہ ہے۔

"الناس" کے مادہ اشتقاق میں نحات کا اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ "انس" سے مشتق ہے، اس لیے کہ انسان ایک دوسرے سے مانوس اور مألوف ہوتے ہیں، کیونکہ انسان طبعی طور پر متمدن ہے، اس کی زندگی کا مزاج باہم انس اور میل جول کے بغیر نہیں بن سکتا، اور نہ ہی اکیلا ضروریات زندگی کا انتظام کرسکتا ہے، بعض نے کہا ہے کہ اسے جس چیز سے محبت ہوتی ہے، اسی

=======================

(١) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز ٤/٢٩٠، بصیرة قلب.

سے مانوس ہوجاتا ہے، اس لیے اسے انسان کہا جاتا ہے۔ ایک شاعر فرماتے ہیں۔

وَمَا سُمِّیَ الإِنسَانُ إِلَّا لِأُنسِهِ وَلَا القَلبُ إِلَّا أَنَّهُ یَتَقَلَّبُ

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ "نَسِیَ" سے ماخوذ ہے، اس میں قلب مکانی کرکے "نیس" بنایا، پھر "قال" والا قانون سے "ناس" بنا، پھر اس پر الف لام تعریف داخل کردیا، تو "الناس" بن گیا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ "نَسِیَ آدَمُ عَهدَ اللّٰهِ فَسُمِّیَ إِنسَانًا." ایک روایت میں آتا ہے۔ "نَسِیَ آدَمُ فَنَسِیَت ذُرِّیَّتُهُ." نیز قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ "وَلَقَد عَهِدنا إِلی آدَمَ مِن قَبلُ فَنَسِیَ." (طٰہٰ:۱۱۵). (۱)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ باب افعال "آنَسَ" (اس نے ظاہر کیا) سے مشتق ہے، کیونکہ آدمی بھی ایک دوسرے کو دکھائی دیتے ہیں، اور یہ اصل میں "اُنَاس" تھا، ہمزہ کو حذف کرکے اس کے عوض ال لام تعریف لایا گیا، بعض کے نزدیک یہ ''انسان'' کی جمع ہے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ اسم جمع ہے۔ اس میں الف لام جنسی یا عہد خارجی ہے۔ (۲)

اگر الف لام جنسی ہو تو "مَن" موصوفہ ہوگا، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "ومن الناس ناس یقولون: کذا"۔ اور اگر الف لام عہد خارجی ہو تو "مَن" موصولہ ہوگا، جیسے ارشاد ہے۔ مفسر جلیل علامہ جار اللہ زمخشریؒ فرماتے ہیں۔ "ومن فی ﴿مَن یَقُولُ﴾ موصوفة کأنه قیل: ومن الناس ناس یقولون کذا کقوله: ﴿من المؤمنین رجال﴾، إن جعلت اللام للجنس. وإن جعلتها للعهد فموصولة کقوله: ﴿وَمِنهُمُ الَّذِینَ یُؤذُونَ النَّبِیَّ﴾. (۳)

"آمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالیَومِ الآخِرِ" یہ جملہ مقولہ قول ہے۔ "یقول" صیغہ فعل مضارع معلوم ہے اور اس کے ضمیر کا مرجع "من" ہے اور قول اصل میں اس لفظ کو کہتے ہیں جو معنی موضوع لہ کے لئے وضع ہو۔ اور اس کا اطلاق نسبت اسنادی اور کلام نفسی دونوں پر ہوتا ہے۔ آخرت سے مراد روز قیامت ہے۔ اس آیت میں جملہ ایمانیات میں سے صرف ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کو ذکر کرنے کی وجہ یا تو یہ ہے کہ سلسلہ ایمان الغیب میں سب سے زیادہ مہتم بالشان ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ ہے، یا اس کی وجہ یہ ہے کہ بعض دفعہ کسی سلسلہ کی پہلی اور آخری چیز کی ذکر کردیتے ہیں اور مقصود استیعاب اور احاطہ ہوتا ہے، اسی طرح یہاں مقصود یہ ہے کہ ہم اہل ایمان کی طرح اول آخر تک تمام چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان کی ایمان کی نفی

=======================

(۱) تفسیر قرطبی: ۱/۱۹۳.

(۲) تفسیر قرطبی: ۱/۱۹۳، الکشاف: ۱/۵۴.

(۳) تفسیر کشاف: ۱/۵۴، تفسیر ابی السعود: ۱/۳۹.

کردی۔

معروف مفسرجلیل علامہ ابوالسعو دعمادیؒ فرماتے ہیں۔" والمرادُ باليوم الآخِرِ من وقت الحشر الى مالا يتناهى، أو إلى أن يدخُلَ أهلُ الجنةِ الجنةَ، وأهلُ النار النارَ، إذ لا حدَّ ورائه وتخصيصُهم للإيمان بهما بالذكر مع تكرير الباءِ لادعاء أنهم قد حازوا الإيمانَ من قُطريه، وأحاطوا به من طرفيه، وأنهم قد آمنوا بكلَ منهما على الأصالة والاستحكام، وقد دسوا تحته ماهم عليه من العقائد الفاسدة حيث لم يكن إيمانُهم بواحد منهما إيماناً في الحقيقة، إذ كانوا مشركين بالله بقولهم: ﴿عَزِيزٌ ابن الله﴾ وجاحدين باليوم الآخر بقولهم: ﴿لَن تَمَسَّنَا النار إلا أيامـا معدودة﴾ ونحوذلك وحكايةُ عبارتهم لبيان كمالِ خبثهم ودعارتِهم، فإن ما قالوا لو صدر عنهم لا على وجه الخِداعِ والنفاقِ، وعقيدتُهم عقيدتُهم لم يكن ذلك إيماناً، فكيف وهم يقولونه تمويهاً على المؤمنين واستهزاءً بهم". (۱)

"وَمَا هُم بِمُؤمِنِين" جملہ اسمیہ حالیہ ہے، جودوام اوراستمرار پردال ہے، اس میں حرف ''ب'' تاکید کے لیے ہے، سیاق کا تقاضہ یہ تھا کہ ماقبل فعل "قالوا امنّا" کے تردید میں "ما امنوا" یا اسی قسم کا کوئی اورفعل ماضی لاجاتا، تاہم یہاں تاکید کے لیے فعل کے بجائے اسم فاعل لایا گیاہے تاکہ ان لوگوں سے ایمان کی نفی ماضی، حال اور مستقبل اور ہرزمانہ میں کی جائے، یعنی انہوں نے کسی وقت میں بھی ایمان نہیں لایا، یہ مبالغہ فی التکذیب کے قبیل سے ہے۔ مفسرجلیل علامہ ابوالسعو دعمادیؒ فرماتے ہیں۔ "ردٌ لما ادعَوه ونفيٌ لما انتحلوه، وما حجازية؛ فإن جوازَ دخولِ الباء في خبرها؛ لتأكيد النفي اتفاقيٌّ بخلاف التميمية، وإيثارُ الجملة الاسميةِ على الفعلية الموافقةِ؛ لدعواهم المردودةِ للمبالغة في الرد بإفادة انتفاءِ الإيمانِ عنهم في جميع الأزمنة، لا في الماضي فقط، كما يفيده الفعلية." (۲)

المبحث الثاني: آیت کاربط:

یہاں سے تیسرے فریق ضآلین (منافقین) کے اوصافِ مذمومہ اوران کے دنیوی اوراخروی احکام کابیان ہے۔ یہ وہ بے ضمیرلوگ ہیں، جوکسی دباؤاورمصلحت کی بناءپرزبان سے اقرارکرتے ہیں، مگردل سے نہیں مانتے۔ اس گروہ کامختصرتاریخی پس

====================

(۱) تفسیرابی السعود: ۱/۴۰.

(۲) تفسیرابی السعود: ۱/۴۰.

کچھ یوں ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ مدینہ منورہ ہجرت فرما کر تشریف لائے، تو اوس اور خزرج کے اکثر قبائل نے انصار بن کر آپ ﷺ کا ساتھ دیا اور صدق دل سے اسلام میں داخل ہوگئے، لیکن یہود نے روز اول سے مخالفت شروع کی۔ مدینہ منورہ میں یہود کے تین قبیلے تھے، بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ۔ ان میں بنو قینقاع خزرج کے حلیف بنے ہوئے تھے اور باقی دو قبیلوں کا بھائی چارہ اوس سے تھا۔

جب اسلام اور کفر کا پہلا معرکہ جنگ بدر ہوا، جس سے اسلام دنیا میں غالب ہونے لگا، کفر و شرک کا زور ٹوٹ گیا، اور مسلمانوں کا سکہ جم گیا، لوگ گروہ در گروہ اسلام قبول کرنے لگے، ان دنوں مدینہ منورہ میں عبداللہ بن ابی بن سلول نامی شخص کی باقاعدہ سرداری کا اعلان ہونے والا تھا، جس کا تعلق خزرج کے قبیلے سے تھا، لیکن اوس اور خزرج دونوں اسے اپنا لیڈر اور بڑا مانتے تھے، اِدھر اوس اور خزرج کا رخ اسلام کی طرف ہوا، اس کی سرداری یوں ہی خاک میں ملی۔ جس کی وجہ سے اس کے دل میں اسلام کے خلاف غیض وغضب کی آگ بھڑک اٹھی، دین اسلام کی روز افزوں ترقی، معرکوں میں نصرت وفتح نے اسے مخبوط الحواس کر دیا۔ اس نے دیکھا کہ یوں کام نہیں چلے گا۔ فوراً بظاہر اسلام قبول کر لینے اور بہ باطن کافر رہنے کی ٹھان لی۔ اور اپنے حلقہ احباب کو بھی یہی ہدایت کی۔ یوں ہی منافقین کی ایک مستقل جماعت معرض وجود میں آئی۔

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ مکی مہاجرین میں بحمد اللہ ایک آدمی بھی منافق نہ تھا، بلکہ ان نفوس قدسیہ نے اپنے اہل وعیال اور مال ومتاع کو دین اسلام کی خاطر قربان کیا تھا، اور اللہ کے رسول ﷺ کا نامساعد حالات میں ساتھ دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔ "فأما المهاجرون فلم يكن فيهم أحد نافق؛ لأنه لم يكن أحد يهاجر مكرها، بل يهاجر فيترك ماله وولده وأرضه رغبة فيما عند الله في الدار الآخرة."(۱)

ہمارے مشائخ یہاں ایک لطیف نکتہ بیان فرماتے ہیں کہ کفار کے اوصاف کا بیان دو آیتوں میں بیان ہے اور جب کہ منافقین کے اوصافِ قبیحہ تیرہ آیاتوں میں ذکر کیے جا رہے ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ کفار کی دشمنی اور عداوت اسلام کیساتھ بالکل ظاہر باہر ہے، اور دین اسلام کے علی الاعلان دشمن ہیں۔ اس لئے ان کی معرفت میں کسی قسم کا کوئی خفاء نہیں۔ البتہ منافقین مارِ آستین ہیں، کفار سے بڑھ کر اہل ایمان کے دشمن ہیں(۱)، کیونکہ ان کی دشمنی وعداوت مخفی ہوتی ہے۔ اس لئے ان کے اوصاف کثیرہ بیان کیے، تاکہ ان کی پہچان آسانی کیساتھ کی جا سکے۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ "اعلم أن المفسرين أجمعوا على أن

===================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۸۷.

ذلك فی وصف المنافقين قالوا: وصف اللّٰه الأصناف الثلاثة من المؤمنين والكافرين والمنافقين، فبدأ بالمؤمنين المخلصين الذين صحت سرائرهم، وسلمت ضمائرهم، ثم أتبعهم بالكافرين الذين من صفتهم الإقامة على الجحود والعناد، ثم وصف حال من يقول بلسانه إنه مؤمن وضميره يخالف ذلك." (۱)☆

طلباءِ محترم! منافقین کے بے شمار عادات قبیحہ ہیں، کچھ یہاں، کچھ سورۃ التوبہ میں، کچھ سورۃ الأحزاب اور کچھ سورۃ المنافقون میں مذکور ہیں، ہر ایک عادت قباحت میں دوسری سے بڑھ کر ہے، تاہم سب سے زیادہ مضر عادت دروغ گوئی ہے، جس کا ذکر اس آیت میں ہے اور احادیث مبارکہ میں بھی منافقین کی یہ مخصوص صفت بیان ہوئی ہے، صحیح بخاری میں روایت ہے۔

"آية المنافق ثلاث: إذا حدث كذب، وإذا وعد أخلف، وإذا اؤتمن خان." (۲)

ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔

"أربع من كن فيه كان منافقا خالصا، ومن كانت فيه خصلة منهن كانت فيه خصلة

=========================

(۱) تفسیر کبیر للرازی:۲/۲۹۹.

☆ قال العلامة النيسابوری رحمه الله: زعم قوم أن الكفر الأصلی أقبح من النفاق لأن الكافر جاهل بالقلب كاذب باللسان والمنافق جاهل بالقلب صادق باللسان. وقال الآخرون: المنافق أيضا كاذب باللسان لأنه يخبر عن كونه على ذلك الاعتقاد مع أنه ليس عليه۔ قال عز من قائل: وَاللَّهُ يَشْهَدُ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَكَاذِبُونَ المنافقون: وأيضا إنه قصد التلبيس والكافر الأصلی لا يقصد ذلك۔ وأيضا الكافر الأصلی على طبع الرجال والمنافق على طبيعة الخنائی. وأيضا الكافر ما رضی لنفسه بالكذب بل استنكف منه والمنافق رضی بالكذب۔ وأيضا المنافق ضم إلى الكفر الاستهزاء والخداع دون الكافر الأصلی ولغلظ كفر المنافقين قال الله تعالى: ﴿إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِی الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ﴾ [النساء:١٤٥]، ووصف حال الكفار فی آيتين وحال المنافقين فی ثلاث عشرة آية نعی عليهم فيها خبثهم ونكرهم وفضحهم وسفههم واستجهلهم واستهزأ بهم وتهكم بفعلهم وسجل بطغيانهم وعمههم ودعاهم صما بكما عميا وضرب لهم الأمثال الشنيعة. [غرائب القرآن:۱/۱۶۱، اللباب لابن عادل:۱/۳۳۴]

(۲) أخرجه البخاری، باب علامات المنافق:١/٢١، رقم:٣٣، ومسلم، باب بيان خصال المنافق:١/٧٨، رقم:٥٩، والترمذی، باب ماجاء فی علامة المنافق:٤/٣١٥، رقم:٢٦٣١، والنسائی فی السنن الكبرى:٦/٣٢٩، وأحمد: ٢/٣٥٧، رقم:٨٦٧٠، والبغوی فی شرح السنة:١/٧٢، رقم:٣٥.

من النفاق حتى يدعها، إذا اؤتمن خان، وإذا حدث كذب، وإذا عاهد غدر، وإذا خاصم فجر." (١)

اس آیت میں بھی یہی صفت بیان ہوئی ہے کہ ہم مومن ہیں، حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔ نیز اس آیت میں جہمیہ کی تردید ہے، کہ ایمان صرف اقرار لسانی کا نام نہیں، ورنہ منافقین مؤمن کہلاتے۔ رئیس المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔"وفي هذه الآية دلالةٌ واضحة على بُطول ما زَعَمته الجهميةُ من أنّ الإيمان هو التصديق بالقول دون سائر المعاني غيره. وقد أخبر الله جل ثناؤه عن الذين ذكرهم في كتابه من أهل النفاق أنهم قالوا بألسنتهم: ﴿آمنا بالله وباليوم الآخر﴾، ثم نفَى عنهم أن يكونوا مؤمنين؛ إذ كان اعتقادهم غيرَ مُصَدِّقٍ قِيلَهُم ذلك." (٢)

مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "والآية تدل على أن من ادعى الإيمان وخالف قلبه لسانه بالاعتقاد لم يكن مؤمناً؛ لأن من تفوه بالشهادتين فارغ القلب عما يوافقه أو ينافيه لم يكن مؤمناً." (٣)

البحث الثانی: ایک اشکال اوراس کا جواب:

اشکال:

یہ بات ظاہر ہے کہ ایمان تصدیق قلبی سے عبارت ہے اور اقرار باللسان اجراء احکام کے لئے شرط ہے، جب وہ اپنے زبان سے کہتے ہیں کہ ہم مؤمن ہیں، پھر ان سے ایمان کی نفی کیوں کی گئی ہے؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ "یقول" قول سے مشتق ہے اور لغت میں اس کے متعدد معانی آتے ہیں "قول" بمعنی کذب، اقرار، عقیدہ، افتراء، قول اللہ اور تصور فی القلب وغیرہ ذلک......اور یہاں پر "قول" بمعنی کذب کے ہے۔ اب معنی یوں ہوگا کہ بعض لوگوں وہ ہیں، جو جھوٹ بول کر کہتے ہیں کہ ہم ایمان لا چکے ہیں، لہذا ان کا ایمان معتبر نہیں۔ مفسر جلیل حافظ

========================

(٢) أخرجه البخاري، باب علامات المنافق: ٢١/١، رقم: ٣٤، ومسلم، باب بيان خصال المنافق: ٧٨/١، رقم: ٥٨، وأحمد: ١٨٩/٢، رقم: ٦٧٦٨.

(٢) تفسیر طبری: ۲۷۲/۱.

(٣) تفسیر بیضاوی: ۴۴/۱.

ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔"أی یقولون ذلك قولا لیس ورائه شیء آخر، کما قال تعالی: ﴿إذا جاء ك المنافقون قالوا نشهد إنك لرسول الله والله یعلم إنك لرسوله المنافقون﴾ أی إنما یقولون ذلك إذا جاء وك فقط، لا فی نفس الأمر، ولهذا یؤکدون فی الشهادة بإن ولام التأکید فی خبرها، کما أکدوا أمرهم قالوا: ﴿آمنا بالله وبالیوم الآخر﴾، ولیس الأمر کذلك کما کذبهم الله فی شهادتهم وفی خبرهم هذا بالنسبة إلی اعتقادهم بقوله تعالی: ﴿والله یشهد إن المنافقین لکاذبون المنافقون﴾، وبقوله: ﴿وما هم بمؤمنین﴾."(۱)

معروف مفسر علامہ ابواللیث سمرقندیؒ رقم طراز ہیں۔"وفی هذه الآیة دلیل علی أن القول بغیر تصدیق القلب لا یکون إیماناً لأن المنافقین کانوا یقولون بألسنتهم ولم یکن لهم تصدیق القلب فنفی الله الإیمان عنهم فقال: ﴿وَمَا هُم بِمُؤمِنِینَ﴾." (۲)

دوسرا جواب: ***بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ مؤمنین سے مراد جماعۃ المؤمنین ہے کہ وہ اہل ایمان کے جماعت میں سے نہیں ہیں۔ ماضی قریب کے معروف مفسر علامہ احمد مصطفیٰ المراغیؒ فرماتے ہیں۔*** "أی وما هم بداخلین فی عداد المؤمنین الصادقین الذین یشعرون تعظیم سلطان الله، ویعلمون أنه مطّلع علی سرهم ونجواهم؛ إذ هم کانوا یکتفون ببعض ظواهر العبادات ظنا منهم أن ذلك یرضی ربهم، ثم هم بعد ذلك منغمسون فی الشرور والمآثم من کذب وغشّ وخیانة وطمع إلی نحو ذلك مما حکاه الکتاب الکریم عنهم، ونقله الرواة أجمعون." (۳)

تیسرا جواب: ***بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "یقول" سے صرف زبانی کلامی اقرار مراد ہے، یعنی منافقین کے دل اور زبان میں باہم تضاد ہے، اس صورت میں ایمان قلبی کی نفی ہے، ان کے دل میں ایمان نہیں، جیسے ارشاد ہے۔*** "إِذَا جَاءَ كَ المُنَافِقُونَ قَالُوا نَشهَدُ إِنَّكَ لَرَسُولُ اللَّهِ وَاللَّهُ یَعلَمُ إِنَّكَ لَرَسُولُهُ وَاللَّهُ یَشهَدُ إِنَّ المُنَافِقِینَ لَكَاذِبُونَ." **(سورۃ المنافقون:۱)** **ایک جگہ ارشاد ہے۔** "یَا أَیُّهَا الَّذِینَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالكِتَابِ الَّذِی نَزَّلَ عَلَی رَسُولِهِ وَالكِتَابِ الَّذِی أَنزَلَ مِن قَبلُ وَمَن یَكفُر بِاللَّهِ وَمَلَائِكَتِهِ وَكُتُبِهِ وَرُسُلِهِ وَالیَومِ الآخِرِ فَقَد ضَلَّ ضَلَالًا بَعِیدًا." **(النساء:۱۳۶) وغیرہ۔**

=========================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۸۸.

(۲) تفسیر بحر العلوم:۱/۲۶.

(۳) تفسیر المراغی:۱/۴۹-۵۰.

المبحث الثالث: اطلاقات القول فی القرآن:

قرآن مجید میں قول کا اطلاق متعدد معانی پر کیا گیا ہے۔ چند معانی درج ذیل ہیں۔

۞...... قول بمعنی کذب، جیسا کہ ارشاد ہے۔ ”وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الكَذِبَ وَهُم يَعلَمُونَ.“ (ال عمران:۷۵،۷۸).

۞...... قول بمعنی الاعتقاد، جیسا کہ ارشاد ہے۔ ”قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيهِ رَاجِعُونَ.“ (سورة البقرة:۱۵۶) ایک جگہ ارشاد ہے۔ ”إِنَّ الَّذِينَ قَالُوا رَبُّنَا اللَّهُ ثُمّ استَقَامُوا.“ (سورة حٰم السجدة:۳۰).

۞...... قول بمعنی المتصور فی النفس، جیسا کہ ارشاد ہے۔ ”وَيَقُولُونَ فِي أَنفُسِهِم لَولَا يُعَذِّبُنَا اللَّهُ بِمَا نَقُولُ.“ (سورة المجادلة:۸).

۞...... قول بمعنی قول الله، جیسا کہ ارشاد ہے۔ ”وَقَالَ اللَّهُ لَا تَتَّخِذُوا إِلَهَينِ اثنَينِ إِنَّمَا هُوَ إِلَهٌ وَاحِدٌ فَإِيَّايَ فَارهَبُونِ.“ (سورة النحل:۵۱).

۞...... قول بمعنی الالهام، جیسے ارشاد ہے۔ قُلنَا يَا ذَا القَرنَينِ إِمَّا أَن تُعَذِّبَ وَإِمَّا أَن تَتَّخِذَ فِيهِم حُسنًا.“ (الكهف:۸۶).

۞...... قول بمعنی المقول فیه، جیسا کہ ارشاد ہے۔ ”إِنَّهُ لَقَولُ رَسُولٍ كَرِيمٍ.“ (سورة التكوير:۱۹).(۱)

قوله تعالى: يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُم وَمَا يَشعُرُونَ.

اس آیت میں منافقین کی دوسری خصلت قبیحہ دورنگی اور چالبازی بیان کی جارہی ہے کہ وہ چالبازی کی راہ سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، لیکن اس دورنگی کا انجام بدخود انہیں بھگتنا پڑے گا، یہ ناداں اور بے وقوف سمجھتے نہیں۔ ان کی عقل مفتور اور حواس مفلوج ہو چکے ہیں۔ منافقین کی طرف سے خداع اور مکر ظاہر ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر ظاہراً احکام اسلام کا جاری ہونا، یا دنیوی نعمتیں دے کر استدراج اور امہال میں مبتلا کرنا، یہ بھی بظاہر خداع کی ایک صورت ہے، ظاہر میں تو اعزاز واکرام ہے اور درپردہ تذلیل وتحقیر ہے۔ مفسر جلیل علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔ ”كانت صورة صنعهم مع الله حيث يتظاهرون بالإيمان وهم كافرون صورة صنع الخادعين، وصورة صنع الله معهم حيث أمر بإجراء أحكام المسلمين عليهم، وهم عنده أهل الدرك الأسفل من النار صورة صنع الخادع.“ (۲)

====================

(۱) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز:۳۰۳/۴، بصیرة فی قول.

(۲) تفسیر غرائب القرآن:۱۶۳/۱.

یہ ماقبل "یقول" کا بیان ہے، اوران کے زبانی کلامی ایمان لانے کی توضیح ہے، یا جملہ استنافیہ سوال مقدرہ کا جواب ہے۔ کہ جب ان کے دل میں ایمان نہیں، تو پھر اپنے آپ کو مؤمن ظاہر کرنے کا کیا مقصد ہے؟ مفسر جلیل علامہ ابوسعود عمادیؒ فرماتے ہیں۔"﴿ يخادعون الله والذين امَنُوا﴾، بيانٌ ليقولُ وتوضيحٌ لما هو غرضُهم مما يقولون، أو استئنافٌ وقع جواباً عن سؤال ينساق إليه الذهن، كأنه قيل: ما لهم يقولون ذلك وهم غيرُ مؤمنين ؟ فقيل :﴿ يخادعون الله..﴾(١)

"يخادعون" باب مفاعلہ سے مضارع معلوم کا صیغہ ہے، اس کا مبدء اشتقاق "خدع" ہے، فن لغت کے معروف عالم امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ "خـــــداع" کے معنی ہیں، جو کچھ دل میں ہو اس کے خلاف ظاہر کر کے کسی کو اس چیز سے پھیر دینا، جس کے وہ درپے ہو۔ یعنی "خدع" چھپی چیز کو کہتے ہیں، عربی مقولہ ہے۔ "انخدعت الضب فى حجرها." گوہ اپنے بل میں چھپ گئی۔ نیز "مُخدع" اس کمرے کو کہا جاتا ہے، جس میں قیمتی سامان وغیرہ رکھا جائے۔ اب یہاں معنی یوں ہوگا کہ وہ اللہ تعالی سے اپنے اعمال کو چھپاتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی تو عالم الغیب والشہادۃ ہے، ظاہر وباطن دونوں سے باخبر ہے۔(۲)

''وَمَا يَخدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُم '' یہ جملہ حالیہ ہے، جو "يخادعون" کے ضمیر فاعل سے حال واقع ہے۔ منافقین کا سمجھنا کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو دھوکہ دیتے ہیں، یہ ان کی خام خیالی ہے، ان کی دھوکہ دہی کا نقصان خود انہیں پہنچ رہا ہے۔ معروف مفسر علامہ ابوسعود عمادیؒ فرماتے ہیں۔ ''وهو حالٌ من ضمير﴿ يخادعون﴾ أى يفعلون، والحالُ أنهم ما يُضرون بذلك إلا أنفسَهم؛ فإن دائرةَ فعلِهم مقصورةٌ عليهم، أوما يخدعون حقيقةً إلا أنفسَهم حيث يُغرونها بالأكاذيب، فيُلقُونها فى مهاوى الردى." (٣)

مفسر جلیل علامہ قرطبی اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ " نفى وإيجاب أى ما تحل عاقبة الخدع إلا بهم. ومن كلامهم: من خدع من لا يخدع فإنما يخدع نفسه. وهذا صحيح ؛لأن الخداع إنما يكون مع من لا يعرف البواطن، وأم

======================

(۱) تفسیر أبی السعود:۱/۴۶، بذیل ہذہ الآیۃ.

(۲) المفردات فی غریب القرآن:۲۷۶.

(۳) ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم:۱/۴۶، تفسیر بیضاوی:۱/۴۵.

ا من عرف البواطن فمن دخل معه فى الخداع، فإنما يخدع نفسه. ودل هذا على أن المنافقين لم يعرفوا الله؛ إذ لو عرفوه لعرفوا أنه لا يخدع". (۱)☆

''وَمَا يَشعُرُونَ '' یہ جملہ عاطفہ ہے، یا''یَخدَعُونَ '' کی ضمیر فاعل سے جملہ حال واقع ہے۔"شعور" احساس کو کہتے ہیں اور یہ محسوسات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے، یعنی ان کا یہ مکر وفریب ایک محسوس چیز ہے، لیکن ان کے حواس میں فتور آ گیا ہے کہ انہیں یہ بڑی بات بھی سمجھ نہیں آتی۔ معروف مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "لا يحسون لذلك لتمادى غفلتهم، جعل لحوق وبال الخداع ورجوع ضرره إليهم فى الظهور كالمحسوس الذى لا يخفى إلا على

======================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۱۹۶.

قال العلامة أبوالسعودالعمادى رحمه الله: فإنهم كانوا مداومين على الخَدع، والخِدعُ أن يوهم صاحبَه خلاف ما يريد به من المكروء؛ ليوقعَه فيه مِن حيثُ لَا يحتسبُ، أو يوهمَه المساعدةَ على ما يريد هو به؛ ليغترّ بذلك فينجوا منه بسهولة من قولهم ضبٌّ خادع وخُدَع، وهو الذى إذا أمر الحارش يده على باب جُحره يوهمه الإقبالَ عليه، فيخرج من بابه الآخر. وكلا المعنيين مناسبٌ للمقام؛ فإنهم كانوا يريدون بما صنعوا أن يطّلعوا على أسرار المؤمنين، فيذيعوها إلى المنابذين، وأن يدفعوا عن أنفسهم ما يصيب سائر الكفرة، واياما كان فنسبتُه إلى الله سبحانه، إما على طريق الاستعارة والتمثيل؛ لإفادة كمال شناعةِ جنايتهم، أى يعامِلون معاملة الخادعين، وإما على طريقة المجاز العقلى بأن يُنسب إليه تعالى ما حقه أن يُنسب إلى الرسولﷺ إبانةً لمكانته عنده تعالى، كما ينبئ عنه قوله تعالى:﴿ إِنَّ الذين يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ الله يَدُ الله فَوقَ أَيدِيهِم﴾، وقوله تعالى:﴿ مَّن يُطِعِ الرسول فَقَد أَطَاعَ الله﴾ مع إفادة كمال الشناعةِ كما مر. وإما لمجرد التوطئة والتمهيد لما بعده من نِسبته إلى الذين آمنوا، والإيذانِ بقوةِ اختصاصِهم به تعالى كما فى قوله تعالى:﴿ والله وَرَسُولُهُ أَحَقُّ أَن يُرضُوهُ﴾، وقوله تعالى: ﴿إِنَّ الذين يُؤذُونَ الله وَرَسُولَهُ﴾، وإبقاءُ صيغة المخادعةِ على معناها الحقيقى بناءً على زعمهم الفاسدِ وترجمةٌ عن اعتقادهم الباطل كأنه قيل: يزعمون أنهم يخدعون الله، والله يخدعهم. أو على جعلها استعارة تَبَعِيّة أو تمثيلاً؛ لما أن صورةَ صُنعِهم مع الله تعالى والمؤمنين، وصنعِه تعالى معهم بإجراء أحكامِ الإسلام عليهم، وهم عنده أخبثُ الكفرة وأهلُ الدَّرك الأسفلِ من النار استدراجاً لهم، وامتثالُ الرسولﷺ والمؤمنين بأمر الله تعالى فى ذلك مجازاةٌ لهم بمثل صنيعهم صورةَ صنيعِ المتخادعين كما قيل: مما لا يرتضيه الذوق السليم. أما الأولُ: فلأن المنافقين لو اعتقدوا أن الله تعالى يخدعُهم بمقابلة خَدعِهم له لم يُتصَّور منهم التصدّى للخدع. وأما الثانى: فلأن مقتضى المقام إيرادُ حالهم خاصةً وتصويرُها بما يليقُ بَها منَ الصورة المستهجنة، وبيان غائلتها آيلةٌ إليهم من حيث لا يحتسبون كما يُعرب عنه قوله عز وجل. [تفسیر ارشاد العقل السلیم:۱/۴۰-۴۱]

مؤوف الحواس والشعور." (١)

"یشـــعـــرون" کے مفعول کو تعمیم یا ظہور کے بناء پر حذف کر دیا گیا ہے، مفسر جلیل علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ "وحــذفُ المـفـعـولِ إمـا لـظهـوره أو لـعمومه، أي ما يشعرون بشيء أصلاً، جُعل لُحوقُ وبالِ ما صنعوا بهم في الظهور بمنزلة الأمر المحسوسِ الذي لا يخفى إلا على مَؤوفِ الحواس مختلِّ المشاعر." (٢)

یہاں چند ابحاث ذہن نشیں رکھیں:۔ ١۔ چند اشکالات اور ان کے جوابات۔ ٢۔ علم اور شعور میں فرق۔

المبحث الأول: چند اشکالات اور ان کے جوابات:

پہلا اشکال:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مخادعہ باب مفاعلہ ہونے کی وجہ سے مشارکت کا مقتضی ہے۔ اس میں صدور فعل جانبین سے ہوتا ہے، اب بظاہر اس کا معنی یوں ہوگا۔ کہ وہ اللہ تعالی کو دھوکہ دیتے ہیں اور اللہ تعالی ان کو دھوکہ دیتا ہے، حالانکہ نہ اللہ تعالی کسی کو دھوکہ دیتا ہے اور نہ ہی کوئی اللہ تعالی کو دھوکہ دے سکتا ہے؟

پہلا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ دراصل یہاں مفاعلہ مبالغہ کے لئے ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اہل ایمان کیساتھ بہت زیادہ اور ہر وقت دھوکہ کرتے ہیں، تیرہویں صدی ہجری کے معروف مفسر علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ "ويـكـون إيثـار صيـغة الـمفاعلة؛ لإفادة المبالغة في الكيفية؛ فإن الفعل متى غولب فيه بولغ به، أو في الكمية كما في الممارسة والمزاولة؛ فإنهم كانوا مداومين على الخدع." (٣)

دوسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس میں صنعت مشاکلت ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ مفاعلہ میں ہر جگہ مشارکت کا پایا جانا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ کبھی یہ مجرد عن المشارکت بھی ہوتی ہے، یعنی اس میں صدور فعل جانبِ واحد سے ہوتا ہے، جس طرح کہا جاتا ہے "عـاقب الأمير اللص." بادشاہ نے چور کا تعاقب کیا۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ بادشاہ نے چور کا اور چور نے بادشاہ کا تعاقب کیا۔ اب یہاں معنی یوں ہوگا کہ وہ اللہ تعالی کیساتھ دھوکہ کرتے ہیں۔ مفسر جلیل علامہ علاء الدین خازنؒ فرماتے

==============================

(١) تفسیر بیضاوی: ١/٤٥.

(٢) تفسیر ابی السعود: ١/٤١.

(٣) روح المعانی: ١/١٤٩.

فرماتے ہیں۔ "المفاعلة قد ترد لا على وجه المشاركة تقول: عافاك الله، وطارقت النعل، وعاقبت اللص، فالمخادعة هنا عبارة عن فعل الواحد، والله تعالى منزه عن أن يكون منه خداع."(۱)

دوسرا اشکال:

ماقبل تفصیل سے یہ بات معلوم ہوئی کہ مخادعہ " خداع " سے ماخوذ ہے، جس کا معنی ہے، مخفی اور چھپی ہوئی چیز۔ اب یہاں معنی یوں ہوگا کہ وہ اللہ تعالی سے اپنے اعمال چھپاتے ہیں، حالانکہ اللہ تعالی تو عالم الغیب والشہادۃ ہے ظاہر و باطن دونوں سے باخبر ہے؟

پہلا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہ اپنے گمان فاسد کے مطابق اللہ تعالی کو دھوکہ دیتے ہیں، ان کی خام خیالی اور حماقت پر مبنی ہے۔ معروف حنفی مفسر علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ " وقيل معناه يخادعون الله في زعمهم؛ لأنهم يظنون أن الله ممن يصح خداعه." (۲)

دوسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور اہل ایمان کو دھوکہ دینا اللہ تعالی کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے جلیل القدر مفسر علامہ ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں۔ "لا يقصد أحد مخادعة اللَّه، لكنهم كانوا يقصدون مخادعة المؤمنين وأولياءِ اللَّه فأضاف اللَّه عَزَّ وَجَلَّ ذلك إلى نفسه؛ لعِظم قدرهم وارتفاع منزلتهم عند اللَّه؛ وهو كقوله: ﴿إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ﴾، واللَّه لا يحتاج أن ينصر، ولكن كأنه قال: إن تنصروا أولياء اللَّه ينصركم؛ وهو كقوله: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ﴾، واللَّه لا يُبايَع، ولكن إضافة ذلك إلى نفسه؛ لعظم قدر نبيه وعلو منزلته عند اللَّه تعالى، فكذلك الأول أضاف مخادعتهم أولياءَه إلى نفسه؛ لعلو منزلتهم عند الله وقدرهم لديه." (۳)

تیسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہاں مجاز بالحذف ہے، مضاف محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ " أي يخادعون رسول الله." لیکن یہ ان کا محض خیال وگمانِ باطل ہے، اس کا وبال خود ان پر ہی پڑھے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَا

==================

(۱) تفسیر خازن: ۱/ ۲۷.

(۲) تفسیر النسفی: ۱/ ۱۷، بذیل ہذہ الآیۃ.

(۳) تأویلات أہل السنۃ: ۱/ ۳۸۳.

يَحزُنكَ الَّذِينَ يُسَارِعُونَ فِي الكُفرِ إِنَّهُم لَن يَضُرُّوا اللَّهَ شَيئًا يُرِيدُ اللَّهُ أَلَّا يَجعَلَ لَهُم حَظًّا فِي الآخِرَةِ وَلَهُم عَذَابٌ عَظِيمٌ." (سورة آل عمران:١٧٦).(١)

چوتھا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اصل مقصود اہل ایمان کو دھوکہ دینا مراد ہے، لیکن "يخادعون الله" کو محض استطراداً ذکر کیا گیا ہے۔ معروف مفسر علامہ بغویؒ فرماتے ہیں۔ "وقيل: ذكر الله هاهنا تحسين، والقصد بالمخادعة الذين آمنوا كقوله تعالى: ﴿فأن لله خمسه وللرسول﴾". (الأنفال:٤١)(٢)

پانچواں جواب: بعض علماء فرماتے ہیں کہ یہ مجاز عقلی ہے، یعنی ان کی نفاق اور دورنگی کو خداع (دھوکہ) کہا گیا ہے، مفسر جلیل علامہ محمود صافیؒ فرماتے ہیں۔ "أو سمّى نفاقهم خداعا لشبهه بفعل المخادع. وهذا من قبيل المجاز العقلي." (٣)

المبحث الثاني: علم اورشعورمیں فرق:

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ کسی شئی کی حقیقت اور مآل دونوں سے باخبر ہونے کو علم کہتے ہیں اور شعور کا مفہوم یہ ہے کہ محض کسی چیز کی حقیقت معلوم ہو، لیکن انجام کا کوئی علم نہ ہو۔ علم صرف انسان کا خاصہ ہے، لیکن شعور دیگر حیوانات میں بھی پایا جاتا ہے۔

اس آیت میں اس بات کی اشارہ ہے کہ منافقین حیوانوں سے بھی بدتر ہیں کہ ان کو خداع اور دھوکے کا انجام کا علم تک نہیں۔

======================

(١) قال العلامة أبوطاهر محمد بن يعقوب الفيروزآبادي رحمه الله: الخداع ورد في القرآن على أربعة أوجه: الأوّل: خداع الكفار رسول الله صلّى الله عليه وسلّم بأن يعقدوا معه عهداً في الظّاهر وينقضوه في الباطن ﴿وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخدَعُوكَ فَإِنَّ حَسبَكَ اللَّهُ﴾. الثّاني: خداع اليهود مع أهل الإيمان يصالحونهم في الظّاهر، ويتهيئون لحربهم في الباطن ﴿يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَمَا يَخدَعُونَ إِلَّا أَنفُسَهُم﴾. الثالث: خداع المنافقين مع المؤمنين بإظهار الإيمان وإبطان الكفر ﴿إِنَّ المُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ﴾. الرّابع: خداع الله الكفّار والمنافقينَ بإسبال النّعمة عليهم في الدّنيا، وادّخار أنواع العقوبة لهم في العُقبى ﴿وَهُوَ خَادِعُهُم﴾. وقيل في قوله تعالى: ﴿يُخَادِعُون اللهَ﴾ أي يخادعون رسول الله وأولياءَه. ونُسب ذلك إلى الله من حيث إنَّ معاملة الرّسول صلّى الله عليه وسلّم كمعاملته؛ ولذلك قال الله تعالى: ﴿إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ﴾ وجُعل ذلك خداعاً تفظيعاً لفعلهم وتنبيهاً على عظم الرَّسول صلّى الله عليه وسلّم وعظم أوليائه. [**بصائر ذوي التميز في لطائف الكتاب العزيز**:٥٢٩/٢، **بصيرة في الخداع**].

(٢) معالم التنزيل:٨٧/١.

(٣) اعراب القرآن:٤٩/١.

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ علم کی بہ نسبت شعور میں زیادہ دقت ہوتی ہے، شاعر کو بھی شاعر اس لیے کہتے ہیں کہ وہ دقیق اور باریک معانی کا ادراک کرتا ہے، لیکن اللہ تعالی پر شاعر کا اطلاق درست نہیں، کیونکہ اس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔(۱)

قوله تعالى : فِي قُلُوبِهِم مَرَض :

منافقین کا اپنے نفسوں کو فریب اور دھوکہ بالکل ظاہر اور بدیہی ہے، لیکن انہیں اس لیے نظر نہیں آتا کہ ان کے دلوں میں ایک خاص قسم کا مرض ہے، جس کی وجہ سے ان کی قوت ادراکیہ ماؤف ہو چکی ہے اور حواس مفلوج ہیں، یہ کتاب ہدایت ان پر ذرا بھر بھی اثر انداز نہیں ہوتی، بلکہ ان کا مرض دن بدن بڑھتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو شخص صفراء کا مریض ہو، اسے قند بھی تلخ معلوم ہوتی ہے۔ معروف شاعر متنبّی نے کیا خوب کہا ہے۔

وَمَن يَكُ ذا فَمٍ مُرٍ مَريضٍ يَجِد مُرّاً بِه الماءَ الزُّلالا

جس شخص کے منہ کا ذائقہ تلخ ہوا سے آب زلال بھی تلخ معلوم ہوتا ہے۔

بعینہ اسی طرح جو شخص کفر اور نفاق کی مرض میں مبتلا ہوا سے ایمان کی حلاوت اور شیرینی کہاں محسوس ہوتی ہے؟ کفر اور نفاق کے صفراء نے اس کی قوت ذائقہ کو تلخ بنایا، اس لیے انہیں ایمان اور اسلام کی حلاوت اور شیرینی محسوس نہیں ہوتی۔

الغرض منافقین کے دلوں میں شک اور نفاق کا مرض ہے، یہ بات ظاہر ہے کہ شک میں تردد بین الأمرین ہوتا ہے اور منافق بھی ہمیشہ تردد کا شکار رہتا۔ صحیح مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعا روایت ہے۔

"مثل المنافق كمثل الشاة العائرة بين الغنمين، تعير إلى هذه مرة وإلى هذه مرة." (۲)

====================

(۱) الفرق بين العلم والشعور: أن العلم: (هو اعتقاد الشيء على ما هو به على سبل الثقة) هو ما ذكرناه، والشعور: علم يوصل إليه من وجه دقيق كدقة الشعر؛ ولهذا قيل: للشاعر شاعر ؛لفطنته لدقيق المعاني. وقيل: للشعير شعير؛ للشظية الدقيقة التى فى طرفة خلاف الحنطة، ولا يقال: الله تعالى يشعر؛ لأن الأشياء لا تدق عنه . وقال بعضهم: الذم للإنسان بأنه لا يشعر أشد مبالغة من ذمة بأنه لا يعلم؛ لأنه إذا قال: لا يشعر فكأنه أخرجه إلى معنى الحمار. وكأنه قال: لا يعلم من وجه واضح ولا خفي، وهو كقولك: لا يحس، وهذا قول من يقول: إن الشعور هو أن يدرك بالمشاعر، وهي الحواس كما أن الإحساس هو الإدراك بالحاسة؛ ولهذا لا يوصف الله بذلك. [الفروق اللغوية:۸۱-۸۲]

(۲) صحیح مسلم:۴/۲۱۴۶، رقم:۲۷۸۴، مسند أحمد:۲/۱۴۳، رقم:۶۲۹۸.

اب یہاں چند ابحاث ذہن نشیں رکھیں۔

ا۔آیت کا مفہوم ۲۔ اطلاقات المرض فی القرآن.

المبحث الأول :آیت کا مفہوم

"فِی قُلُوبِهِم مَرَض " یہ ماقبل خداع کے لیے تعلیل اور برہان لمی ہے۔"فِی قُلُوبِهِم" خبر مقدم اور "مَرَض" مبتداء مؤخر ہے۔"مَرَض" کی تنکیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ مرض غیر متعارف نوع کا ہے،مفسر جلیل علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔" والتنكيرُ للدلالة على كونه نوعاً مُبهماً غيرَ ما يتعارفه الناس من الأمراض." (۱)

مرض کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے مزاج خصوصی کا اعتدال اور توازن کی حد سے نکل جانا۔یعنی اس حالت غیر طبعیہ کو کہتے ہیں،جو افعال طبعیہ میں خلل پیدا کر دیتی ہے،رفتہ رفتہ اسے ہلاکت کے گڑھے میں ڈال دیتی ہے،اور کبھی مجازی طور پر اس کا اطلاق اغراض نفسانیہ پر بھی ہوتا ہے،جیسے کفر وشرک،نفاق،حسد وبغض وغیرہ۔اس آیت میں استعارہ تصریحیہ مصرحہ ہے ،کفر وشرک اور جہل ونفاق وغیرہ مستعار لہ اور "مرض" مستعار منہ ہے۔(۲)

---

(۱) تفسیر أبی السعود:۱/۴۲.

(۲) قال العلامة الزمخشرى رحمه الله: واستعمال المرض فى القلب يجوز أن يكون حقيقة ومجازا فالحقيقة أن يراد الألم كما تقول:فى جوفه مرض. والمجاز أن يستعار لبعض أعراض القلب كسوء الاعتقاد والغل والحسد والميل إلى المعاصى والعزم عليها واستشعار الهوى والجبن والضعف وغير ذلك مما هو فساد وآفة شبيهة بالمرض، كما استعيرت الصحة والسلامة فى نقائض ذلك. والمراد به هنا ما فى قلوبهم من سوء الاعتقاد والكفر أو من الغل والحسد والبغضاء؛ لأن صدورهم كانت تغلى على رسول اللّهﷺ والمؤمنين غلا وحنقاً، ويبغضونهم البغضاء التى وصفها اللّه تعالى فى قوله: ﴿قَد بَدَتِ البَغضاءُ مِن أَفواهِهِم وَما تُخفِى صُدُورُهُم أَكبَرُ﴾، ويتحرقون عليهم حسدا ﴿إِن تَمسَسكُم حَسَنَةٌ تَسُؤهُم﴾، وناهيك مما كان من ابن أبىّ، وقول سعد بن عبادة لرسول اللّهﷺ: اعف عنه يا رسول اللّه! واصفح فو اللّه! لقد أعطاك اللّه الذى أعطاك، ولقد اصطلح أهل هذه البحيرة أن يعصبوه بالعصابة، فلما ردّ اللّه ذلك بالحق الذى أعطاكه شرق بذلك . أو يراد ما تداخل قلوبهم من الضعف والجبن والخور؛ لأن قلوبهم كانت قوية، إما لقوة طمعهم فيما كانوا يتحدثون به: أن ريح الإسلام تهب حيناً ثم تسكن ولوائه يخفق أياما، ثم يقرّ فضعفت حين ملكها اليأس عند إنزال اللّه على رسوله النصر وإظهار دين الحق على الدين كله. وإما لجرامتهم وجسارتهم فى الحروب فضعفت جبناً وخورا حين قذف اللّه فى قلوبهم الرعب وشاهدوا شوكة المسلمين، وإمداد اللّه لهم بالملائكة. قال رسول اللّهﷺ: نصرت بالرعب مسيرة شهر. [تفسير الكشاف:۱/۵۹-۶۰].

مرض کی دو قسمیں ہیں، ایک مرض جسمانی اور دوسرا مرض روحانی۔ یہاں مرض روحانی مراد ہے، کہ ان کی روحانیت ختم ہو چکی ہے، دل ایمان سے عاری ہے، جس کی وجہ سے ان میں بے شمار فسادات اور خرابیوں نے جنم دیا ہے، علامہ اُبوالسعود دعمادیؒ فرماتے ہیں۔ ''المرض: عبارة عما يعرِضُ للبدن فيُخرجه عن الاعتدال اللائق به ويوجب الخللَ في أفاعيله ويؤدّي إلى الموت استُعير ههنا لما في قلوبهم من الجهل وسوءِ العقيدة وعداوةِ النبي ﷺ وغيرِ ذلك من فنون الكفر المؤدي إلى الهلاك الروحاني." (۱)

اہل علم فرماتے ہیں کہ امراض روحانیہ کے متعدد انواع ہیں اور اس کے بے شمار اسباب اور دواعی ہیں، تاہم سب کا مرجع دو چیزیں ہیں:۔ ا۔ شکوک وشبہات. ۲۔ شہوات نفسانیہ.

۱۔ شکوک وشبھات: نقل کو اپنی عقل پر پرکھنے کا اصول وضع کرکے قرآن وحدیث میں مختلف قسم کے لایعنی اعتراضات اور چہ می گوئیاں کرنا۔ اور یہ ہمیشہ سے اہل باطل کا وطیرہ رہا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ وَالْكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا." (سورۃ المدثر:۳۱) یہاں مرض سے شک اور ریب مراد ہے۔ اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "أَفِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ أَمِ ارتَابُوا." (سورۃ النور:۵۰).

۲۔ شھوات نفسانیه: نفسانی خواہشات میں مبتلا ہو کر مرض کا شکار ہو جانا، منافقین دیگر امراض کیساتھ ساتھ اسی مرض کے بھی شکار رہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔"يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَيَطْمَعَ الَّذِي فِي قَلْبِهِ مَرَضٌ." (سورۃ الأحزاب:۳۲).

اس آیت میں مرض سے قلبی اور روحانی مرض ہے، چوتھی صدی کے جلیل القدر مفسر علامہ ابواللیث سمرقندیؒ اس آیت کی ذیل میں رقم طراز ہیں۔ " يعني شكاً ونفاقاً وظلمة وضعفاً؛ لأن المريض فيه فترة ووهن والشاك أيضاً في أمره فترة وضعف۔ فعبَّر بالمرض عن الشك لأن المنافقين فيهم ضعف ووهن ألا ترى إلى قوله تعالى: ﴿ يَحسَبُونَ كُلَّ صَيحَةٍ عَلَيهِم هُمُ العَدُوُّ﴾ (المنافقون: ٤). ويقال: إن المريض تعرض للهلاك فسمى النفاق مرضاً؛ لأن النفاق قد يهلك صاحبه؛ لأن الخلق على مراتب: ثلاث ميت في الأحوال كلها كالكافر. وحي في الأحوال كلها كالمؤمن لقوله تعالى: ﴿أَوَمَن كَانَ مَيتاً فَأَحيَيناهُ﴾ (الأنعام:٢٧). ومريض كالمنافق."(۲)

=======================

(۱) تفسیر أبي السعود:۱/۴۸.

(۲) تفسیر بحرالعلوم:۱/۲۶-۲۷.

چھٹی صدی ہجری کے معروف مفسر علامہ ابن عطیہ اندلسیؒ فرماتے ہیں۔

"المرض: عبارة مستعارة للفساد الذی فی عقائد هؤلاء المنافقين، وذلك إما أن يكون شكا، وإما جحدا بسبب حسدهم مع علمهم بصحة ما يجحدون." (۱)

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "والمرض: عبارة مستعارة للفساد الذی فی عقائدهم وذلك إما أن يكون شكا ونفاقا وإما جحدا وتكذيبا." (۲)

ماضی قریب کے معروف مفسر علامہ عبدالرحمٰن سعدیؒ رقم طراز ہیں۔

والمراد بالمرض هنا: مرض الشك والشبهات والنفاق؛ لأن القلب يعرض له مرضان يخرجانه عن صحته واعتداله: مرض الشبهات الباطلة ومرض الشهوات المردية، فالكفر والنفاق والشكوك والبدع كلها من مرض الشبهات. والزنا ومحبة الفواحش و المعاصي وفعلها من مرض الشهوات كما قال تعالى: ﴿فَيَطمَعَ الَّذِی فِی قَلبِهِ مَرَضٌ﴾،وهی شهوة الزنا، والمعافی من عوفی من هذين المرضين، فحصل له اليقين والإيمان والصبر عن كل معصية فرفل فی أثواب العافية. وفی قوله عن المنافقين: ﴿فِی قُلُوبِهِم مَرَضٌ فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا﴾ بيان لحكمته تعالى فی تقدير المعاصی على العاصين، وأنه بسبب ذنوبهم السابقة يبتليهم بالمعاصی اللاحقة الموجبة لعقوباتها كما قال تعالى: ﴿وَنُقَلِّبُ أَفئِدَتَهُم وَأَبصَارَهُم كَمَا لَم يُؤمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ﴾، وقال تعالى: ﴿فَلَمَّا زَاغُوا أَزَاغَ اللَّهُ قُلُوبَهُم﴾، وقال تعالى: ﴿وَأَمَّا الَّذِينَ فِی قُلُوبِهِم مَرَضٌ فَزَادَتهُم رِجسًا إِلَى رِجسِهِم﴾ فعقوبة المعصية المعصية بعدها، كما أن من ثواب الحسنة الحسنة بعدها قال تعالى: ﴿وَيَزِيدُ اللَّهُ الَّذِينَ اهتَدَوا هُدًى﴾.(۳) ☆

==================

(۱) تفسیر المحرر الوجیز:۱/۹۲.

(۲) تفسیر قرطبی:۱/۱۹۷.

(۳) تفسیر السعدی:۴۲.

☆ قال القطب العلّامة: أمراض القلب: إمّا متعلّقة بالدين، وهو سوء الاعتقاد والكفر، أو بالأخلاق، وهی إما رذائل فعليّة كالغلّ والحسد. وإما رذائل انفعاليّة كالضعف والجبن. فحمل المرض أوّلا على الكفر، ثمّ على الهيئات الفعلية، ثمّ على الهيئات الانفعالية. (تفسیر حدائق الروح والریحان:۱/۱۷۱)

المبحث الثانی: اطلاقات المرض فی القرآن:

قرآن مجید میں مرض کا اطلاق متعدد معانی پر کیا گیا ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

پهلا معنی:...... مرض بمعنی مرض البدن (بیمار ہونا) جیسا کہ ارشاد ہے۔ "لَيسَ عَلَى الأَعمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الأَعرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى المَرِيضِ حَرَجٌ.." (سورۃ النور:۶۱) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "فَمَن كَانَ مِنكُم مَّرِيضًا أَو عَلَى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّن أَيَّامٍ أُخَرَ." (سورۃ ال عمران:۱۸۴).

دوسرا معنی:...... مرض بمعنی فتور اور خواہشات نفسانیہ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ لَستُنَّ كَأَحَدٍ مِنَ النِّسَاءِ إِنِ اتَّقَيتُنَّ فَلَا تَخضَعنَ بِالقَولِ فَيَطمَعَ الَّذِى فِى قَلبِهِ مَرَضٌ." (سورۃ الأحزاب:۳۲).

تیسرا معنی:...... مرض بمعنی شک، نفاق اور ظلمت، جیسے ارشاد ہے۔ "فِى قُلُوبِهِم مَرَض." (سورۃ البقرۃ:۱۰).

قوله تعالى : فَزَادَهُمُ اللَّهُ مَرَضًا .

"ف" عاطفہ یا استنافیہ ہے، اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ آگے جس فعل کا ذکر آرہا ہے، وہ محض ثمرہ اور نتیجہ کے طور پر پیدا ہوا ہے، مرض بڑھانے کی اسناد اللہ تعالی کی طرف اسناد حقیقی ہے، مفسر جلیل علامہ ابوسعود عمادیؒ فرماتے ہیں۔ " والجملةُ معطوفةٌ على ما قبلها، والفاء للدِلالة على ترتيب مضمونها عليه، وبه اتضح كونُهم من الكفرة المختومِ على قلوبهم مع زيادة بيانِ السبب. وقيل: زادهم كفراً بزيادة التكاليف الشرعية؛ لأنهم كانوا كلما ازداد التكاليفُ بنزول الوحى يزدادون كفراً. ويجوز أن يكون المرض مستعاراً لما تداخلَ قلوبَهم من الضعف والجُبن والخَوَر عند مشاهدتهم لعزة المسلمين، فزيادتُه تعالى إياهم مرضاً ما فعل بهم من إلقاء الرَّوع، وقذف الرعب فى قلوبهم عند إعزازِ الدين بإمداد النبيِّ ﷺ بإنزال الملائكة وتأييدِه بفنون النصر والتمكين فقولُه تعالى:﴿ فِى قُلُوبِهِم مَّرَضٌ﴾ الخ.. حينئذ استئنافٌ تعليلى لقوله تعالى:﴿ يخادعون الله﴾ الخ.. كأنه قيل: ما لهم يخادعون ويداهنون؟ ولم لا يجاهرون بِمَا فِى قُلُوبِهِم من الكفر؟ فقيل فى قلوبهم: ضَعفٌ مضاعَف هذه حالُهم فى الدنيا. "(۱)

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس جملہ میں دو احتمال ہیں، یا یہ زمانہ ماضی سے حکایت اور خبر ہے، یا جملہ دعائیہ ہے، اگر اول

==================

(۱) تفسیر ابی السعود:۱/۴۲.

الذکراحتمال (اخبارعن الماضی) مرادلیاجائے،تومعنی یہ ہوگا کہ جب احکامات الٰہیہ نازل ہوتے رہے، ان کا مرض بڑھتا رہا ،اوران کے ذہن میں مزید شکوک وشبہات پیداہوتے رہے۔جیسا کہ ارشادہے۔ "وَأَمَّا الذين فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتهُم رِجسًا إلى رِجسِهِم وَمَاتُوا وَهُم كافرون." (سورۃ التوبۃ:۱۲۵).

اوراگرثانی احتمال (جملہ دعائیہ) مرادلیاجائے،توپھرمعنی یوں ہوگا۔اللہ تعالیٰ منافقین کےمرض کومزید بڑھادےاورانہیں اسی مرض میں مبتلا رکھے۔جیسا کہ یہودکےحق میں بدعا کی گئی ہے۔"وَقَالَتِ اليَهُودُ عُزَيرٌ ابنُ اللَّهِ وَقَالَتِ النَّصَارَى المَسِيحُ ابنُ اللَّهِ ذَلِكَ قَولُهُم بِأَفوَاهِهِم يُضَاهِئُونَ قَولَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن قَبلُ قَاتَلَهُمُ اللَّهُ." (سورۃ التوبۃ:۳۰).

مفسرجلیل علامہ أبواللیث سمرقندی حنفیؒ فرماتے ہیں۔ "وهذا اللفظ يحتمل معنين: يحتمل الخبر عن الماضى، ويحتمل الدعاء؛ فإن كان المراد به الخبر فمعناه: فى قلوبهم مرض فزادهم الله مرضاً إلى مرضهم، كما قال فى آية أخرى: ﴿وَأَمَّا الذين فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ فَزَادَتهُم رِجسًا إلى رِجسِهِم وَمَاتُوا وَهُم كافرون﴾. [التوبة:١٢٥]؛ لأن كل سورة نزلت يشكون فيها فكان ذلك المرض لهم، وللمؤمنين زيادة اليقين، وإن كان المراد به: الدعاء فمعناه: فزادهم الله مرضاً على مرضهم، على وجه الذم والطرد لهم، كما قال فى آية أخرى: ﴿وَقَالَتِ اليهود عُزَيرٌ ابن الله وَقَالَتِ النصارى المسيح ابن الله ذلك قَولُهُم بأفواههم يضاهئون قَولَ الذين كَفَرُوا مِن قَبلُ قاتلهم الله أنى يُؤفَكُونَ﴾. [التوبة: ٣٠]، أو لعنهم الله(١).

طلباءمحترم! اب مذکورہ بالا دونوں احتمالوں پر بظاہراشکال وارد ہوتا ہے، ملاحظہ ہوں۔

پہلا اشکال:

یہ اشکال احتمال اول (اخبارعن الماضی) پروارد ہوتا ہے کہ مرض کا علاج کرکے اس کوختم کرنا چاہیے تھا،حالانکہ اسے مزید بڑھانے کی خبردی گئی؟

جواب: حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ یہاں ادماج ہے،اس لئے کہ دنیا طب کا قانون یہ ہے کہ جب مریض طبیب کے پاس جاتا ہے،تووہ اسے تشخیص مرض کے بعددوائی تجویز کردیتا ہےاوراس کےساتھ ساتھ پرہیز کرنے کی بھی تاکید کرتا ہے کہ فلاں چیزکونہیں کھانااورفلاں چیز سے پرہیز کرناوغیرہ وغیرہ......لیکن جب مریض پرہیز کا اہتمام نہیں کرتااورمسلسل بد

======================

(۱) تفسیر بحرالعلوم:۱/۱۵.

پرہیزی کرتا رہتا ہے، بالاخر وہ بیماری اس کے لئے جان لیوا ثابت ہوجاتی ہے، اب ظاہری بات ہے کہ اس میں طبیب کا کوئی قصور نہیں، بلکہ یہ اس کی اپنی بد پرہیزی کا نتیجہ تکوینی ہے۔ توبعینہ اسی طرح اللہ تعالی نے انسانیت کی فلاح کے لئے عظیم روحانی رہبر ورہنما رسول اللہ ﷺ مبعوث فرمایا، اوراس ساتھ ساتھ نسخہ علاج قرآنِ مجید تجویز فرمایا۔ لیکن بعض ناعاقبت اندیشوں نے اس کی ذرا بھر پرواہ نہیں کی اور مسلسل لاپرواہی اور بد پرہیزی کرتے رہے، تو بالآخر امراضِ روحانیہ نے ان کے دلوں کو گھیر دیا اور تباہی وبربادی کے دلدل میں جا گرے، اوراب اگر یہ ذرا بھر احکامات الٰہیہ کی طرف توجہ مبذول کرتے، تو یہ نسخہ ہدایت ان کے لئے شفایاب ثابت ہوجاتا۔ اس لیے کہ یہ کتاب سراپا رشد وہدایت ہے، قرآن مجید میں ایک جگہ ارشاد ہے۔ " يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَد جَاءَ تكُم مَوعِظَةٌ مِن رَبِّكُم وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحمَةٌ لِلمُؤمِنِينَ ". (سورۃ یونس:۵۷) اوراسی طرح ایک مقام میں ارشاد ہے۔ "وَنُنَزِّلُ مِنَ القُرآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَرَحمَةٌ لِلمُؤمِنِينَ." (سورۃ بنی اسرائیل:۸۲).

لیکن (البلية كل البلية) انہوں نے معالج (حضوراقدس ﷺ) اورنسخہ (قرآنِ کریم) دونوں کی تکذیب کی۔ تواللہ تعالی نے ان کے مرض کو بڑھادیا۔ حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے۔ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دوا کی۔'' (۱)

اس مسئلہ کی وضاحت قرآن مجید نے مختلف اسالیب ومناہج سے کی ہے، ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ فَزَادَتهُم رِجسًا إِلَى رِجسِهِم وَمَاتُوا وَهُم كَافِرُونَ." (سورۃ التوبۃ:۱۲۵) نیز ایک دوسرے مقام میں ارشاد ہے۔ "وَإِذَا مَا أُنزِلَت سُورَةٌ نَظَرَ بَعضُهُم إِلَى بَعضٍ هَل يَرَاكُم مِن أَحَدٍ ثُمَّ انصَرَفُوا صَرَفَ اللَّهُ قُلُوبَهُم بِأَنَّهُم قَومٌ لَا يَفقَهُونَ." (سورۃ التوبۃ:۱۲۷) اوراسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "وَتَرَى كَثِيرًا مِنهُم يُسَارِعُونَ فِي الإِثمِ وَالعُدوَانِ وَأَكلِهِمُ السُّحتَ لَبِئسَ مَا كَانُوا يَعمَلُونَ."(سورۃ المائدۃ:۶۲).

==================

(۱) قال الامام أبومنصورالماتريدى رحمه الله: سَمَّى عَزَّ وَجَلَّ المنافقين مرضى؛ لاضطرابهم فى الدِّين؛ لأنهم كانوا يظهرون الموافقة للمؤمنين بالقول ويضمرون الخلاف لهم بالقلب؛ فكان حالهم كحال المريض الذى هو مضطرب بين الموت والحياة؛ إذ المريض يشرف ربما على الموت ويرجو الإقبال عليه منه ثانيًا؛ فهو مضطرب بين ذلك فكذلك هم لما كانوا مضطربين فى دينهم سماهم مرضى. وأما سائر الكفرة؛ فإنهم لم يضطربوا فى الدِّين، بل أظهروا بالقول على ما أضمروا بالقلب؛ فسماهم موتى لما لم ينتفعوا بحياتهم ولم يكتسبوا الحياة الدائمة، وسمى المؤمنين أحياء؛ لما انتفعوا بحياتهم واكتسبوا الحياة الدائمة لموافقتهم باللسان والقلب جميعًا لدين اللَّه عَزَّ وَجَلَّ واللَّه أعلم. (تأويلات أهل السنة:۱/۳۸۴)

دوسرا اشکال:

یہ اشکال احتمال ثانی (جملہ دعائیہ) پر وارد ہوتا ہے کہ بددعا تو وہ کرتا ہے، جو خصم کے مقابلے سے عاجز وقاصر ہو، اور اپنا انتقام نہ لے سکتا ہو، حالانکہ اللہ تعالیٰ تو ''عزیز ذو انتقام ہے؟

جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ جملہ دعائیہ لانے میں اس بات کی اشارہ ہے کہ معاندین اور منافقین کے لئے بددعا جائز ہے، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی زمین پر بدترین لوگ ہیں، مفسر جلیل علامہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ "هذا تعليم من الله تعالى أنه يجوز الدعاء على المنافقين والطرد لهم؛ لأنهم شر خلق الله تعالى؛ لأنه وعد لهم يوم القيامة الدرك الأسفل من النار.(١)

قوله تعالى : وَلَهُم عَذَابٌ أَلِيمٌ:

یہ تخویف اخروی ہے، "اليم" "ألم" سے ماخوذ ہے (فعیل بمعنی مفعل) بمعنی "مؤلم" دردناک عذاب۔ ماقبل آیت: ۷ میں کافروں کے لیے جس عذاب کی خبر دی جاچکی ہے، اس کی صفت "عظيم" آئی ہے اور اس آیت میں منافقین کے لیے جس عذاب کی وعید ہے، اس کی صفت "أليم" آئی ہے، یعنی دکھ پہنچانے والا عذاب۔ گویا اس میں تکلیف اور اذیت کا پہلو زیادہ نمایاں ہوگا۔ اس لیے کہ منافق کافر تو تھے، لیکن کافر ہونے کیساتھ ساتھ خادع وکاذب بھی تھے، تو "عذاب عظیم" کے مستحق اپنے کفر کے بناء پر ہوچکے تھے اور منافقت کا "عذاب أليم" ان پر مزید زیادتی ہے، گویا منافقین دونوں عذابوں کے مستحق ہوئے، مفسر جلیل علامہ ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ "وقد حصل للمنافقين مجموع العذابين: العذاب العظيم المذكور في الآية. قيل: لانخراطهم معهم ولانتظامهم فيهم. ألا ترى أن الله تعالى في تلك الآية قد أخبر أنهم لا يؤمنون في قوله: ﴿لا يؤمنون﴾ وأخبر بذلك في هذه الآية بقوله: ﴿وما هم بمؤمنين﴾ والعذاب الأليم، فصار المنافقون أشد عذابا من غيرهم من الكفار بالنص على حصول العذابين المذكورين لهم؛ ولذلك قال تعالى: ﴿إن المنافقين في الدرك الأسفل من النار﴾." (٢)

"ألم" کا اسناد "عذاب" کی طرف اسناد عقلی ہے، یعنی (جس کے درد سے ان کے دل بے چین ہوں گے) اور چونکہ منافقین

=====================

(١) تفسیر بحر العلوم: ١/ ٢٧.

(٢) البحر المحیط: ١/ ٩٨.

اہل ایمان کو دھوکہ دے کر ان کی دل آزاری کیا کرتے تھے، تو ان کو بھی ایسا عذاب دیا جائے گا جو ان کے دلوں کو درد پہنچائے۔ نیز منافقین اہل ایمان کو دھوکہ دے کر خوشیاں مناتے رہتے۔ تو انہیں کو بھی اسی طرح عذاب دیا جائے گا، جو ان کی خوشیوں کو رنج وغم میں بدل دے۔ ماضی قریب کے معروف مفسر علامہ جمال الدین قاسمیؒ فرماتے ہیں۔ " قال فی المحکم: الألیم من العذاب الذی یبلغ إیجاعه غایة البلوغ. ومنه یعلم وجه إیثاره فی عذاب المنافقین علی العظم المتقدم فی وصف عذاب الکافرین ویؤیده: ﴿ إِنَّ الْمُنَافِقِينَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ وَلَن تَجِدَ لَهُمْ نَصِيراً ﴾." (النساء:۱۴۵)(۱)

قوله تعالى : بِمَا كَانُوا يَكْذِبُونَ.

"ب" سببیت یا مقابلہ کے لیے ہے۔ "ما" مصدریہ ہے اور "کانوا" فعل از افعال ناقصہ ہے، جو دوام واستمرار کا فائدہ دیتا ہے، یعنی مسلسل کذب بیانی اور نفاق پر اصرار کرنے کی وجہ سے انہیں مذکورہ سزا کا حکم سنایا گیا ہے، مفسر جلیل علامہ ابو سعودؒ فرماتے ہیں۔ "الباء للسببیة، أو للمقابلة، وما مصدریة داخلة فی الحقیقة علی یکذبون، وکلمة کانوا مقحمة لإفادة دوامِ کذِبهم وتجدُّدِه أی بسبب کذبهم أو بمقابلة کذبهم المتجددِ المستمرِّ الذی هو قولهم آمنا بالله وبالیوم الأخر وهم غیر مؤمنین.(۲)

اس آیت میں بھی جھوٹ سے نفاق مراد ہے، یعنی دل میں کفر چھپائے ہوئے ہیں، لیکن زبان سے "امنابالله" کا اقرار کرتے ہیں، یعنی دردناک عذاب میں مبتلا ہونے کا سبب ان کا دعوی ایمان باللہ والیوم الاخرۃ میں جھوٹا ہونا ہے۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "ومعناه بکذبهم وقولهم آمنا ولیسوا بمؤمنین." (۳)☆

====================

(۱) تفسیر محاسن التأویل: ۱/۲۵۱.

(۲) تفسیر ابی السعود: ۱/۴۲.

(۳) تفسیر قرطبی: ۱/۱۹۸.

☆ قال الشیخ أحمد مصطفی المراغی رحمه الله: وقد جعل العذاب جزاء الکذب دون سائر موجباته الأخری، کالکفر وغیره من أعمال السوء؛ للتحذیر منه وبیان فظاعته، وعظم جرمه، وللإشعار بأن الکفر من محتویاته، وإلیه ینتهی فی حدوده وغایاته؛ ومن ثمّ حذّر منه القرآن أتمّ التحذیر، فما فشا فی أمة إلا کثرت فیها الجرائم، وشاعت فیها الرذائل، فهو مصدر کل رذیلة، ومنشأ کل کبیرة، وقد روی عن النبی صلی اللّه علیه وسلم أنه قال: إیاکم والکذب؛ فإنه مجانب للإیمان. [تفسیر المراغی: ۱/۵۲].

قوله تعالى : وَإِذَا قِيلَ لَهُم لَا تُفسِدُوا فِى الأَرضِ قَالُوا إِنَّمَا نَحنُ مُصلِحُونَ﴿١١﴾ أَلَا إِنَّهُم هُمُ المُفسِدُونَ وَلَكِن لَا يَشعُرُونَ ﴿١٢﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُم آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُم هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِن لَا يَعلَمُونَ﴿١٣﴾ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوا إِلَى شَيَاطِينِهِم قَالُوا إِنَّا مَعَكُم إِنَّمَا نَحنُ مُستَهزِءُونَ﴿١٤﴾ اللَّهُ يَستَهزِئُ بِهِم وَيَمُدُّهُم فِى طُغيَانِهِم يَعمَهُونَ﴿١٥﴾ أُولَئِكَ الَّذِينَ اشتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالهُدَى فَمَا رَبِحَت تِجَارَتُهُم وَمَا كَانُوا مُهتَدِينَ﴿١٦﴾.

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان کو فساد نہ ڈالو ملک میں تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں جان لو! وہی ہیں خرابی کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے۔ اور جب کہا جاتا ہے اُن کو ایمان لاؤ جس طرح ایمان لائے سب لوگ تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جس طرح ایمان لائے بے وقوف جان لو! وہی ہیں بے وقوف لیکن نہیں جانتے اور جب ملاقات کرتے مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ہنسی کرتے ہیں (یعنی مسلمانوں سے) اللہ ہنسی کرتا ہے اُن سے اور ترقی دیتا ہے اُن کو اُن کی سرکشی میں (اور) حالت یہ ہے کہ وہ عقل کے اندھے ہیں وہی ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی ہدایت کے بدلے سو نافع نہ ہوئی اُن کی سوداگری اور نہ ہوئے راہ پانے والے۔

اب یہاں سے منافقین کی چھٹی خباثت فساد فی الارض کا بیان ہے، یہاں چند ابحاث جاننا ضروری ہیں:۔

۱۔ آیت کا مفہوم ۲۔ فساد کا مفہوم ۳۔ فساد کے اقسام وانواع ۴۔ اطلاقات الفساد فی القرآن.

المبحث الأول: آیت کامفہوم:

"و"استنافیہ ہے، یا عاطفہ ہے، اس کا عطف ماقبل "یکذبون" پر ہے، یا "یقول امنا" پر ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "ومن الناس من اذاقیل لهم لاتفسدوافی الأرض.." تاہم "یکذبون" پر عطف اصح ہے، مفسر جلیل علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں۔ "وَإِذا قِيلَ لَهُم معطوف على ﴿يكذبون﴾، ويجوز أن يعطف على ﴿يَقُولُ آمَنَّا﴾؛ لأنك لو قلت: ومن الناس من إذا قيل لهم لا تفسدوا.." كان صحيحا. والأوّل أوجه." (۱)

"إِذَا" ظرف زمان متضمن معنی شرط ہے۔ "قِيلَ" فعل شرط ہے۔ بعض اہل علم نے اس کا قائل رسول اللہ ﷺ کو قرار دیا ہے، بعض نے عام مؤمنین کو، اور کسی نے اللہ تعالیٰ کو فاعل قرار دیا ہے، تاہم الفاظ میں سب کا احتمال ہے، مفسر جلیل علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ "أي من القائل (لا تفسدوا في الأرض). فمنهم من قال: ذلك القائل هو الله تعالى. ومنهم من قال: هو الرسول عليه السلام. ومنهم من قال: بعض المؤمنين. وكل ذلك محتمل". (۲)

"لَهُم" ضمیر کا مرجع منافقین یا یہود ہے۔ "لَا تُفسِدُوا فِي الأَرضِ" یہ جملہ قائم مقام نائب فاعل ہے۔ "قَالُوا إِنَّمَا نَحنُ مُصلِحُونَ" جملہ فعلیہ جواب شرط ہے۔ "إِنَّمَا نَحنُ مُصلِحُونَ" مقولہ قول محل نصب میں واقع ہے۔ "إِنَّمَا" کلمہ حصر ہے، مبتداء اور خبر کی تعریف بھی مفید حصر ہے۔

"أَلَا" حرف تنبیہ "انَّ" حرف تاکید "هم" ضمیر حصر کے لیے ہے، مبتداء اور خبر دونوں کا معرفہ ہونا بھی مفید حصر ہے، یہ منافقین (۳)

======================

(۱) تفسیر کشاف: ۱/۶۲۔

(۲) تفسیر کبیر: ۲/۳۰۶۔

(۳) قال الامام رشیدرضاالمصری رحمه الله: هَكَذَا شَأنُ كُلِّ مُفسِدٍ يَدَّعِي أَنَّهُ مُصلِحٌ فِي نَفسِ إِفسَادِهِ فَإِن كَانَ عَلَى بَيِّنَةٍ مِن إِفسَادِهِ عَارِفًا أَنَّهُ مُضِلٌّ وَإِنَّمَا يَكُونُ كَذَلِكَ إِذَا كَانَ إِفسَادُهُ لِغَيرِهِ لِعَدَاوَةٍ مِنهُ لَهُ فَإِنَّمَا يَدَّعِي ذَلِكَ لِتَبرِئَةِ نَفسِهِ مِن وَصمَةِ الإِفسَادِ بِالتَّموِيهِ وَالمُوَارَبَةِ وَإِن كَانَ مَسُوقًا إِلَى الإِفسَادِ بِسُوءِ التَّقلِيدِ الأَعمَى الَّذِي لَا مِيزَانَ فِيهِ لِمَعرِفَةِ الإِصلَاحِ مِنَ الإِفسَادِ إِلَّا الثِّقَةُ بِالرُّؤَسَاءِ المُقَلِّدِينَ فَهُوَ يَدَّعِيهِ عَنِ اعتِقَادٍ وَلَا يُرِيدُ أَن يَفهَمَ غَيرَ مَا تَلَقَّاهُ عَنهُم وَإِن كَانَ أَثَرُ تَقلِيدِهِم وَالسَّيرُ عَلَى طَرِيقَتِهِم مُفسِدًا لِلأُمَّةِ فِي الوَاقِعِ وَنَفسِ الأَمرِ؛ لِأَنَّ الوُجُودَ وَالحَقِيقَةَ الوَاقِعَةَ لَا قِيمَةَ لَهُمَا وَلَا اعتِبَارَ فِي نَظَرِ المُقَلِّدِينَ بَل هُم لَا يَعرِفُونَ مَنَاشِئَ الفَسَادِ وَمَصَادِرَ الخَلَلِ وَلَا مَزَالِقَ الزَّلَلِ لِأَنَّهُم عَطَّلُوا نَظَرَهُمُ الَّذِي يُمَيِّزُ ذَلِكَ وَأَرَادُوا أَن يُوقِعُوا غَيرَهُم بِهَذِهِ المَهَالِكِ بِصَدِّهِم عَن سَبِيلِ الإِسلَامِ الدَّاعِي إِلَى الوَحدَةِ وَالِالتِئَامِ فَكَانَ ذَلِكَ مِنهُم دُعَاءً إِلَى الفُرقَةِ وَالِانفِصَامِ وَالثَّبَاتِ عَلَى عِبَادَةِ المَلَائِكَةِ أَوِ البَشَرِ أَوِ الأَصنَامِ وَأَيُّ إِفسَادٍ فِي الأَرضِ أَعظَمُ مِنَ التَّنفِيرِ عَنِ اتِّبَاعِ الحَقِّ وَعَنِ الِاعتِصَامِ بِدِينٍ فِيهِ سَعَادَةُ الدَّارَينِ وَالأَرضُ إِنَّمَا تَفسُدُ وَتَصلُحُ بِأَهلِهَا. (تفسیر المنار: ۱/۱۳۲)

کی تردید بلیغ ہے۔ مفسر جلیل علامہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ " ألا"کلمة تنبيه، فنبه المؤمنين وأعلمهم نفاقهم، فكأنه قال: ألا أيها المؤمنون اعلموا! أنهم هم المفسدون العاص، ويكون تكرار كلمة "هم" على وجه التأكيد، والعرب إذا كررت الكلام تريد به التأكيد." (۱)

"وَلَكِن لَا يَشعُرُون" جملہ عاطفہ ہے، یا ماقبل " المُفسِدُونَ" کی ضمیر فاعل سے جملہ حال واقع ہے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ "لا یشعرون" کے دو مطلب ہوسکتے ہیں، ایک مطلب یہ ہے کہ یہ منافقین اپنے فسادی ہونے کو بھی نہیں جانتے، کیونکہ وہ جو کچھ کررہے ہیں اسی کو بزعم خود اصلاح تصور کرتے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ منافقین اس عذاب سے بے خبر ہیں، جو اللہ تعالی نے ان کے لئے تیار کیا ہے، مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔" أي: لا يفطنون بمعنى لا يعلمون أنهم هم المفسدون بذلك، أي:لأنهم يظنون أن الذى هم عليه من إبطان الكفر صلاح. وقيل: لا يعلمون ما أعدّ الله لهم من العذاب." (۲)

ان آیت میں منافقین کی چھٹی خباثت فساد فی الارض کا بیان ہے کہ منافقین اپنے خبث باطن کی وجہ سے اس حد تک پہنچ گئے کہ فساد کو اصلاح اور اصلاح کو فساد اور مرض کو صحت سمجھنے لگے۔ اور اپنے آپ کو مصلح اور امن وامان کے علمبردار خیال کرتے تھے ،حالانکہ درحقیقت فساد اور تخریب کاری کے منبع تھے، منافقین کئی طرح سے فساد پھیلاتے تھے، کبھی مسلمانوں کے راز فاش کرتے ،کبھی کافروں کو مسلمانوں کی مخالفت پر ابھارتے ،کبھی معاندین کے شکوک وشبہات کو ضعیف الاعتقاد مسلمانوں کے سامنے نقل کرتے ،تاکہ ان میں تذبذب اور اضطراب کی فضا پیدا ہو، ان سب خرابیوں کو اللہ تعالی نے فساد سے تعبیر فرمایا ہے، جب مسلمان انہیں اس طرح کے نازیبا حرکتوں سے منع کرتے ،تو یہ جواب میں یہ کہتے کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، ہم مصالحت کے لیے کوشاں ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ سب شیر وشکر ہوجائیں، آپس میں کوئی اختلاف نہ رہے، دین اسلام کی وجہ سے جو اختلافات رونما ہوچکے ہیں اور جنگ وجدال کی فضا پیدا ہوچکی ہے، یہ سب تنازعے یک لخت ختم ہوجائے اور دوبارہ پھر ملت پہلی حالت پر لوٹ آئے۔ ترجمان القرآن عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں۔ "أن معناه : أنانقصد الاصلاح بين المسلمين والكافرين." یعنی ہم تو اصلاح کے علمبردار ہیں اور یہی ہمارا نصب العین ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " فَكَيفَ إِذَا أَصَابَتهُم

==================

(۱) تفسیر بحر العلوم:۱/ ۲۸.

(۲) السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۳۲.

مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَت أَيدِيهِم ثُمَّ جَاءُوكَ يَحلِفُونَ بِاللَّهِ إِن أَرَدنَا إِلَّا إِحسَانًا وَتَوفِيقًا." (سورۃ النساء:۶۲).

اللہ تعالیٰ نے منافقین کی اس خام خیالی اور زعم باطل سے اہل ایمان کو آگاہ فرمایا کہ یہی لوگ مفسد ہیں، کفر اور ایمان اور شرک وتوحید کو ایک کرنا چاہتے ہیں اور جس کفر وشرک کی بیخ کنی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی، یہ فتنہ پرداز پھر اسی فساد کو ایک بار پھر اپنی جگہ پر لانا چاہتے ہیں، یہ بے بنیاد خیالات ان کے حماقت اور سوءِ فہم پر مبنی ہیں!(۱)

معروف مفسر علامہ ابوالبرکات نسفیؒ فساد کا مفہوم بیان کرتے ہوئے رقم طراز ہیں۔ "والفساد فی الأرض: هيج الحروب والفتن؛ لأن فی ذلك فساد ما فی الأرض، وانتفاء الاستقامة عن أحوال الناس والزروع والمنافع الدينية والدنيوية، وكان فساد المنافقين فی الأرض: أنهم كانوا يمايلون الكفار، ويمالئونهم على المسلمين بإفشاء أسرارهم إليهم، وإغرائهم عليهم، وذلك مما يؤدی إلى هيج الفتن بينهم." (۲)

مفسر جلیل علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔

"أو النفاق الذی صافوا به الكفار فأطلعوهم على أسرار المؤمنين؛ فإن كل ذلك يؤدی؛ ولو بالوسائط إلى خراب الأرض وقلة الخير ونزع البركة وتعطل المنافع." (۳)

جلیل القدر مفسر علامہ ابواللیث سمرقندیؒ یوں رقمطراز ہیں۔

"أی: لا تعملوا فيها بالمعاصی وهو الفساد؛ لأن الأرض كانت قبل أن يبعث النبی عليه السلام فيها

==================

(۱) مفسر قرآن علامہ عبدالماجد دریا آبادیؒ اس آیت کی تفسیر میں بہت خوب رقم طراز ہیں۔اس سے معلوم ہوا کہ قانون شریعت کے علاوہ کسی دین جاہلی پر قائم رہنا،اس کے طور طریقوں کی اشاعت کرنا فساد فی الارض کے مرادف ہے،امن عالم ونظام اقوام قائم جب ہی رہ سکتا ہے،جب عمل درآمد قانون شریعت پر رہے،اس راہ سے انحراف، بلکہ سرمو تجاوز کرنا بھی دنیا کو بدنظمی،ابتری،کشت وخون اور ہر قسم کی طبقاتی جنگ وکشمکش کو دعوت دینا ہے،چنانچہ دنیا عملاً اس کا تجربہ بارہا کرچکی ہے اور اس وقت بھی کررہی ہے،اسلام کے اس پہلو پر کہ وہ نظام عالم کا بہترین ضامن ہے،اللہ مراتب میں اضافہ کرے،ہمارے زمانہ میں اقبال نے شاعرانہ زبان میں خوب ہی لکھ دیا ہے....جواب بعنیہ وہ ہے،جو آج بھی خدا معلوم امت کے اندر کے کتنے منافقوں کی زبان پر ہے،دین میں قدم قدم پر ڈالتے جاتے ہیں اور زبان پر دعوے وہی تجدد کے،تجدید کے اصلاح،تعمیر کے ہیں۔ (تفسیر ماجدی۱۱)

(۲) تفسیر النسفی:۱/۱۸.

(۳) روح المعانی:۱/۱۱۵.

الفساد؛ وكان يُعمل فيها بالمعاصى، فلما بعث الله النبى عليه السلام، ارتفع الفساد، وصلحت الأرض؛ فإذا عملوا بالمعاصى فقد أفسدوا فى الأرض بعد إصلاحها."(١).

مفسر جلیل علامہ سمرقندیؒ مزید فرماتے ہیں۔

"وقد قيل: معنى لا تفسدوا فى الأرض بعد إصلاحها، أى لا تداهنوا بين الناس، ولا تعملوا بالمداهنة."(٢)

بعض اہل علم فرماتے ہیں فساد سے مراد مداہنت نہ کرو اور نہ ہی خود مداہنت و مصلحت پسندی کا شکار ہونا۔

ترجمان القرآن رئیس المفسرین سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فساد سے کفر مراد ہے۔(۳)

تابعی جلیل امام مجاہدؒ فرماتے ہیں۔

" أنه ترك امتثال الأوامر و اجتناب النواهى." (٤)

ماضی قریب معروف مفسر علامہ احمد مصطفیٰ المراغیؒ فرماتے ہیں۔

" المنهى عنه هنا: الأسباب المؤدية إلى الفساد من إفشاء أسرار المؤمنين إلى الكفار، وإغرائهم بالمؤمنين، وتنفيرهم من اتباع محمد صلى اللّه عليه وسلم، والأخذ بما جاء به من الإصلاح إلى نحو أولئك من فنون الشر وصنوف الفتن، كما يقول إنسان لآخر: لا تقتل نفسك بيدك، ولا تلق بيديك إلى التهلكة، إذا أقدم على ما هذه عاقبته."(۵).

المبحث الثانی: فساد کے اقسام وانواع:

فساد کے متعدد اقسام اور انواع ہیں، تاہم مجموعی طور پر اس کی دو قسمیں ہیں:۔

ا۔ فساد دنیوی. ۲۔ فساد دینی.

پھر ان میں سے ہر ایک کی اصلی اور وصفی ہونے کی اعتبار سے دو دو قسمیں ہیں، تو یہ کل چار قسمیں ہوئی:۔

====================

(۱) تفسیر بحر العلوم:۱/۱۶.

(۲) تفسیر بحر العلوم:۱/۱۶.

(۳) روح المعانی:/۱۵۵.

(۴) المصدر السابق:۱/۱۵۵.

(۵) تفسیر المراغی:۱/۵۳.

۱۔ فسادِ دنیوی اصلاً. ۲۔ فساد دنیوی وصفاً. ۳۔ فسادِ دینی اصلاً. ۴۔ فسادِ دینی وصفاً.

پہلی قسم فسادِ دنیوی اصلاً: کسی شئی کو جڑ سے اکھیڑ دینا، مثلاً مکان وغیرہ کو بنیادوں سے اکھیڑ دینا۔

دوسری قسم فساد دنیوی وصفاً: کسی شئی کے محض وصف کو ختم کر دینا۔

تیسری قسم فسادِ دینی اصلاً: کسی شئی کو اصلاً ختم کر دینا، مثلاً توحید باری تعالیٰ ختم کر کے شرک وکفر شروع کر دینا۔

چوتھی قسم فساد دینی وصفاً: کسی شئی کے وصف میں تغیر وتبدیل کرنا، مثلاً سنت کی جگہ بدعت شروع کر دینا وغیرہ۔

یہاں پر فساد سے مراد فسادِ دینی ہے، جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔(۱)

المبحث الثالث: اطلاقات الفساد فی القرآن:

قرآنِ مجید میں فساد کا اطلاق متعدد معانی پر کیا گیا ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

۞...... **الصد عن طاعة رسول ﷺ** جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَكَانَ فِي الْمَدِينَةِ تِسْعَةُ رَهْطٍ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ." (سورۃ النمل:۴۸) **ایک جگہ ارشاد ہے۔** "وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ." (سورۃ الشعراء:۱۵۱،۱۵۲).

۞...... **اہلاک الحرث والنسل**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ " وَإِذَا تَوَلَّى سَعَى فِي الْأَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ." (سورۃ البقرۃ:۲۰۵).

۞...... **قطع الأرحام**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ." (محمد:۲۲).

۞...... **ترک الموالات مع المؤمنین**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَالَّذِينَ كَفَرُوا بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ إِلَّا تَفْعَلُوهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْأَرْضِ وَفَسَادٌ كَبِيرٌ. (سورۃ الأنفال:۷۳).

۞...... **المحاربة مع الله ورسوله**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِينَ يُحَارِبُونَ اللَّهَ وَرَسُولَهُ وَيَسْعَوْنَ فِي الْأَرْضِ فَسَادًا." (سورۃ المائدۃ:۳۳).

۞...... **تخریب العالم**، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "لَوْ كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا." (سورۃ الأنبياء:۲۲) **ایک جگہ**

======================

(۱) قال الشيخ أحمد مصطفى المراغى : أى لا شأن لنا إلا الإصلاح، فنحن بعيدون عن شوائب الإفساد باتباعنا =

ارشاد ہے۔ "وَلَوِ اتَّبَعَ الحَقُّ أَهوَاءَ هُم لَفَسَدَتِ السَّمَوَاتُ وَالأَرضُ وَمَن فِيهِنَّ." (سورۃ المؤمنون:۷۱) ایک جگہ فرمایا۔ "قَالَت إِنَّ المُلُوكَ إِذَا دَخَلُوا قَريَةً أَفسَدُوهَا وَجَعَلُوا أَعِزَّةَ أَهلِهَا أَذِلَّةً." (سورۃ النمل:۳۴).

۞......الشرک والکفر والمعاصی، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَلَا تُفسِدُوا فِى الأَرضِ بَعدَ إِصلَاحِهَا." (الأعراف:۵۶) "أى لا تفسدوا بالكفر بعد اصلاحها بالايمان."

۞......التفریق والاختلاف، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَقَالَ المَلَأُ مِن قَومِ فِرعَونَ أَتَذَرُ مُوسَى وَقَومَهُ لِيُفسِدُوا فِى الأَرضِ وَيَذَرَكَ وَآلِهَتَكَ." (سورۃ الأعراف:۱۲۷).

۞......الخلاف عن الشرعیۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔"وَقَضَينَا إِلَى بَنِى إِسرَائِيلَ فِى الكِتَابِ لَتُفسِدُنَّ فِى الأَرضِ مَرَّتَينِ." (سورۃ بنی اسرائیل:۴).

واضح رہے کہ یہاں پر مذکورہ بالا تمام معانی کیے جاسکتے ہیں یعنی: لاتفسدوا فى الأرض بصد الناس عن اتباع النبى ﷺ، واهلاك الحرث، والنسل، وقطع الأرحام، وترك الموالاة مع المؤمنين، والمحاربة مع الله ورسوله وتحريب العالم، والشرك والكفر، والمعاصى والخلاف عن الشرعية ..

اسی طرح اس کے اور معانی بھی آتے ہیں جو درج ذیل ہیں۔

۞......القحط وقلۃ النبات، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "ظَهَرَ الفَسَادُ فِى البَرِّ وَالبَحرِ بِمَا كَسَبَت أَيدِى النَّاسِ." (الروم:۴۱).

۞......السحر، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "إِنَّ اللَّهَ سَيُبطِلُهُ إِنَّ اللَّهَ لَا يُصلِحُ عَمَلَ المُفسِدِينَ." (سورۃ یونس:۸۱) أى السحرة.

۞...... أکل مال الغیر بالباطل، جیسا کہ ارشاد ہے۔"وَيَسأَلُونَكَ عَنِ اليَتَامَى قُل إِصلَاحٌ لَهُم خَيرٌ وَإِن تُخَالِطُوهُم

==================

=رؤسائنا الذين استنبطوا تعاليمهم من الأنبياء ، فكيف ندع ما تلقيناه منهم ونعتنق دينا جديدا لا عهد لنا به من قبل؟ وهكذا شأن المفسدين فى كل زمان يدّعون فى إفسادهم أنه هو الإصلاح بعينه؛ فإن كانوا على بينة من إفسادهم وضلالهم فهم يدّعون ذلك؛ ليبرئوا أنفسهم من وصمة الإفساد بالتمويه والخداع، وإن كانوا مسوقين إليه تقليدا للرؤساء فهم يدّعونه عن اعتقاد، وإن كان السير على منهاجه مفسدا للأمة فى الحقيقة والواقع؛ إذ هم عطّلوا وسائل البحث التى تميز الإصلاح من الإفساد فهم بصدهم عن سبيل الإسلام الداعى إلى الوحدة والالتئام، يدعون إلى الفرقة والانفصام، وأىّ إفساد فى الأرض أعظم من التنفير من اتباع الحق والسير على منهاج الباطل ومؤازرة أهله ؟. [تفسیر المراغی:۱/۵۳-۵۴].

۞...... الارتدادوالزناوقطع الطریق،جیسا کہ ارشاد ہے۔"مِن أَجلِ ذَلِكَ كَتَبنَا عَلَى بَنِي إِسرَائِيلَ أَنَّهُ مَن قَتَلَ نَفسًا بِغَيرِ نَفسٍ أَو فَسَادٍ فِي الأَرضِ فَكَأَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيعًا......(سورۃ المائدۃ:۳۲).

یہاں پر بظاہر ایک اشکال ہوتا ہے کہ اگر یہ واقع ونفس الامر میں فساد ہے تو پھر اس کی اصلاح کیوں نہیں کرتے؟ تو "لکن لا یشعرون" سے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اصلاح تو وہ کریں گے جن میں عقل وشعور ہو۔اوران میں تو عقل وشعور نامی کوئی چیز ہی نہیں تو یہ اصلاح کیسے کر سکتے ہیں؟؟

قوله تعالى : وَإِذَا قِيلَ لَهُم آمِنُوا كَمَا آمَنَ النَّاسُ قَالُوا أَنُؤمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ أَلَا إِنَّهُم هُمُ السُّفَهَاءُ وَلَكِن لَا يَعلَمُونَ ﴿۱۳﴾

اس آیت میں منافقین کی آٹھویں صفت تنقیص العقلاء بیان ہورہی ہے کہ منافقین اہل ایمان کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔جب ان کو امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے طور پر نصیحت آموز لہجہ میں ان کو ایمان کی دعوت دی جائے،تو کہتے ہیں کہ ہم ان بےوقوفوں کی طرح ایمان لائیں!معروف مفسر علامہ مراغیؒ فرماتے ہیں۔ أرادوا بالسفهاء أتباع النبى صلى الله عليه وسلم .أما المهاجرون منهم فلأنهم عادوا قومهم وأقاربهم وهجروا أوطانهم وتركوا ديارهم ليتّبعوا النبى صلى الله عليه وسلم ويسيروا على هديه. وأما الأنصار فلأنهم شاركوا المهاجرين فى ديارهم وأموالهم.ولا يستبعد ممن انهمك فى السفاهة وتمادى فى الغواية وممن زيّن له سوء عمله فرآه حسنا وظن الضلال هدى أن يسمى الهدى سفها وضلالا. (۱)

اب یہاں درج ذیل مباحث ذہن نشیں رکھیں۔

۱۔ آیت کامفہوم ۲۔ چنداشکالات اوران کے جوابات۔

البحث الأول: آیت کامفہوم:

"وَ" عاطفہ یااستنافیہ ہے۔"قِيلَ لَهُم" جملہ فعل شرط ہے۔مؤمن بہ کوغایت ظہور کی وجہ سے حذف کیا گیا ہے۔ "کَمَا" جارمجرورمصدر محذوف کی صفت ہے،تقدیر عبارت یوں ہوگی۔" آمنوا إيمانا كإيمان الناس" . یا موضع نصب میں حال واقع ہے۔"النَّاس" کے الف لام میں دواحتمال ہیں،یاالف لام جنسی ہے،یاالف لام عہدی ہے،اگرالف لام جنس

=====================

(۱) تفسیر مراغی:۱/۵۴.

مرادلیا جائے۔تو اس سے وہ انسان مراد ہیں، جو انسانیت میں کامل اور عقل میں راسخ ہوں، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں ۔ "واللام فی الناس للجنس، والمراد به الكاملون فی الانسانية العاملون بقضية العقل."(١)

اگر الف لام عہدی ہو، تو اس سے اصحاب رسول ﷺ مراد ہیں کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسا ایمان لے آؤ۔تو معنی ہوگا۔ "آمنوا إيمانا مقرونا بالإخلاص، متمحضا عن شوائب النفاق مماثلا لإيمانهم."(٢).

''قَالُوا أَنُؤْمِنُ كَمَا آمَنَ السُّفَهَاءُ'' یہ جملہ جزاء ہے۔''السُّفَهَاءُ'' یہ "سفيه"کی جمع ہے، جیسے "حکماء"حکیم اور"حلماء"حلیم کی جمع ہے، اس کا لغوی معنی جسمانی ہلکا پن کے ہیں، اسی وجہ سے زیادہ مضطرب رہنے والی مہار کو "زمام سفية" کہا جاتا ہے اور "ثوب سفية" کے معنی ردی کپڑے کے ہیں، پھر اسی وجہ سے یہ لفظ نقصان عقل کے سبب خفت نفس کے معنی میں استعمال ہونے لگا ہے۔

معروف مفسر علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔ "السفيه: الجاهل الضعيفُ الرأى القليلُ المعرفة بمواضع المنافع والمضارّ".(٣)

اس کا استعمال امور دنیوی اور اخروی دونوں میں ہوتا ہے، امور دنیوی میں سفاہت کے متعلق فرمایا۔ "وَلا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَموالَكُمُ."(النساء:۵) اور سفاہت اخروی کے متعلق فرمایا۔ "وَأَنَّهُ كانَ يَقُولُ سَفِيهُنا عَلَى اللَّهِ شَطَطاً" (الجن:۴).

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔"فنبّه أنهم هم السّفهاء فى تسمية المؤمنين سفهاء، وعلى ذلك قوله: ﴿سَيَقُولُ السُّفَهاءُ مِنَ النَّاسِ ما وَلَّاهُم عَن قِبلَتِهِمُ الَّتِي كانُوا عَلَيها﴾." (البقرة:۱۴۲) (۴)

یہ منافقین کی تردید بلیغ ہے۔ "ألا" حرف تنبیہ "إنّ" برائے تحقیق "هم" ضمیر للتاکید "السفهاء" خبر معرف باللام۔یہ تاکید در تاکید ہے کہ یہی بے وقوف و ناداں اور احمق ہیں، لیکن حمق بالائے حمق یہ ہے کہ یہ اپنے بے وقوفی و نادانی اور حماقت کو بھی نہیں جانتے۔

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہ انتہائی نصیحت آموز وعظ ہے، اس لیے کہ ایمان کی تکمیل دو چیزوں سے ہوتی ہے، ناشائستہ

=======================

(١) تفسیر بیضاوی:١/٤٦.

(٢) تفسیر أبی السعود:١/٥٢.

(٣) تفسیر طبری:١/٢٩٣.

(۴) المفردات:۴۱۴.

حرکات سے گریز کرنا اور اللہ تعالی کے اس فرمان کا مقصد بھی یہی ہے کہ "لاتفسدوا" اور دوسری چیز ماموارت کو بجالانا اور یہی مطلب باری تعالی کے اس فرمان کا ہے۔ ''امنوا کما امن الناس ." یعنی ان لوگوں کی طرح ایمان لاؤ، جو انسانیت میں کامل ہیں اور جن کا ظاہر باطن کے موافق ہو، اور مقتضی عقل پر عمل پیرا ہوں۔ مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ هـذا من تمـام النصح والإرشاد؛ فإنّ كمال الإيمان بمجموع أمرين: الإعراض عما لا ينبغي، وهو المقصود بقوله: لا تفسدوا. والإتيان بما ينبغي، وهو المطلوب بقوله: آمنوا كما آمن الناس، أي: كإيمان الناس الكاملين في الإنسانية الموافق باطنهم فيه لظاهرهم العاملين بقضية العقل(١).

صحابہ کرامؓ معیار حق ہیں!

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین معیار حق ہیں، اس مطلب یہ ہے کہ ان کے اقوال وافعال حق وباطل کی کسوٹی ہیں۔ اس مقدس جماعت نے جو کچھ فرمایا اور جو دینی کام کیا تو وہ ہمارے لئے مشعلِ راہ اور ذریعہ نجات ہے اور ان کا عمل ہمارے لئے حجت ہے۔ اور ایمان کو تب شرفِ قبولیت نصیب ہوگی جب صحابہ کرامؓ کی ایمان کی طرح ہو، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "فَإِن آمَنُوا بِمِثلِ مَا آمَنتُم بِهِ فَقَدِ اهتَدَوا." (سورۃ البقرۃ:۱۳۷) اور جو شخص صحابہ کرامؓ کے راستے سے ہٹ کر اور کوئی راستہ تلاش کرے تو گمراہ ہوجائے گا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الهُدَى وَيَتَّبِع غَيرَ سَبِيلِ المُؤمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّى وَنُصلِهِ جَهَنَّمَ وَسَاءَ ت مَصِيرًا." (سورۃ النساء:۱۱۵).

اس مقدس جماعت کے بارے میں قرآنِ مجید نے یہ صاف اعلان فرمایا ہے۔ "أُولَئِكَ هُمُ المُفلِحُونَ." (سورۃ البقرۃ:۵)، "أُولَئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ." (سورۃ الحجرات:۷) اور ظاہری بات ہے کہ مفلح کا تابع ہوتا ہے اور راشد کا تابع راشد ہی ہوتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو معیار حق بتلاتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

"ليأتين على أمتي ما أتى على بني إسرائيل، وإن بني إسرائيل تفرقت على ثنتين وسبعين ملة، وتفترق أمتي على ثلاث وسبعين ملة، كلهم في النار إلا ملة واحدة قالوا: ومن هي

---

(١) السراج المنير للخطيب الشربيني:١/٣٣.

يا رسول الله ! قال : ما أنا عليه وأصحابى ." (١)

میری امت پر وہ سب کچھ آئے گا جو بنی اسرائیل پر آچکا تھا۔ بنی اسرائیل کے بہتر (۷۲) فرقے ہو گئے تھے اور میری امت کے تہتر (۷۳) فرقے ہو جائیں گے وہ سب دوزخی ہوں گئے، مگر ایک ملت (فرقہ) ناجی ہوگی۔ تو صحابہ کرامؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ! وہ کونسا فرقہ ہوگا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ یہ وہ ملت ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ کرامؓ ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کے نقش قدم پر چلنے کی وصیت فرمائی۔

"اقتدوا باللذين من بعدى أبى بكر و عمر ."(٢)

نیز ارشاد فرمایا۔

"فعليكم بسنتى وسنة الخلفاء الراشدين المهديين، عضوا عليها بالنواجذ، وإياكم و الأمور المحدثات؛ فان كل بدعة ضلالة." (٣)

اپنے اوپر میرے اور میرے ہدایت یافتہ خلفائے راشدین کے طریقے کو لازم کرلو۔ اور داڑھیوں کیساتھ مضبوطی سے پکڑلو۔

اور اسی طرح صحابہ کرامؓ کو نجوم ہدایت قرار دیا۔

أصحابى كالنجومِ فبأيِّهِم اقتديتم اهتديتم(٤).

میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہے، ان میں سے جس کی اقتداء کروگے راہ ہدایت پاؤ گے۔

==========================

(١) أخرجه الترمذى، باب ماجاء فى افتراق الأمة:٢٦/٥، رقم: ٢٦٤١، والبغوى فى شرح السنة:٢١٣/١.

(٢) أخرجه الترمذى، باب فى مناقب أبى بكر وعمر رضى الله عنهما كليهما:٦٠٩/٥، رقم: ٣٦٦٢، والبيهقى فى السنن الكبرى:٢١٢/٥، رقم: ١٠٣٤٨، والحاكم فى المستدرك:٧٩/٣، رقم:٤٤٥١، وصححه الذهبى فى التلخيص.

(٣) أخرجه الترمذى، باب ماجاء فى الآخذبالسنة واجتناب البدع:٤٤/٥، رقم:٢٦٧٦، أبوداؤد، باب فى لزوم السنة:٢٠٠/٤، رقم: ٤٦٠٧، وابن ماجه، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين:١٥/١، رقم:٤٢.

(٤) أخرجه ابن عبدالبرفى جامع بيان العلم:٥٢٥/٢، وابن حزم فى الأحكام:٨٢/٦، وابن حجرفى تلخيص الخبير:٤٦٢/٤، وقال ابن حزم : هذه رواية ساقطة ، وقال المحقق الشيخ خان بادشاه:خبرموضوع باطل. انظر: السيف الصقيل:٢٣١. وانظر أيضاً: البدرالمنيرلابن الملقن:٥٨٤/٩، والسلسلة الضعيفة:٤٤/١، رقم:٥٨.

اورایک دوسری روایت میں آتا ہے۔

"إذا رأيتم الذين يسبون أصحابي فقولوا: لعنة الله على شركم." (۱)

جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو۔ جو میرے صحابہ کو بُرا کہتے ہیں، تو تم کہو کہ خدا کی لعنت ہے تمہارے اس فعل بد پر۔

سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے امت کو صحابہ کرامؓ کے متعلق کیا خوب وصیت فرمائی ہے۔ دل کی گہرائیوں سے ملاحظہ فرمایئے۔ فرماتے ہیں۔

"مَن كانَ مُستَنًّا فَلْيَستَنَّ بمن قد ماتَ؛ فإنَّ الحيَّ لا تُؤمَنُ عليه الفِتنَةُ، أولئك أصحابُ محمد ﷺ كانوا أفضلَ هذه الأمة، أبرَّها قلوبًا، وأعمقَها علمًا، وأقلَّها تكلُّفًا، اختارهم الله لصحبة نبيِّه، ولإقامة دِينه، فاعرِفوا لهم فضلَهم ، واتبعُوهم على أثرهم، وتمسَّكوا بما استَطَعتُم من أخلاقِهم و سيَرِهم؛ فإنهم كانوا على الهُدَى المستقيم" (۲)

جو شخص کسی کی اقتداء کرنا چاہتا ہے تو اس کو چاہئے کہ اصحابِ رسول ﷺ کی اقتداء کرے، کیونکہ یہ حضرات ساری اُمت میں سب سے انکے قلوب کے اعتبار سے پاک اور علم کے اعتبار سے گہرے اور تکلف کرنے میں بہت کم۔ یہ وہ قوم ہے جس کو اللہ تعالی نے اپنے نبی کی صحبت اور دین کی اقامت کے لئے پسند فرمایا ہے تم ان کی قدر کو پہچانو۔ اور ان کے آثار کا اتباع کرو، کیونکہ یہی لوگ صراطِ مستقیم پر ہیں۔

الغرض صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں اور ان کو تنقید و تنقیص کا نشانہ ہو دو وہی شخص بنا سکتا ہے جس کا دل نفاق سے گرد آلودہ ہو۔ ان پر طرح طرح کے لایعنی اعتراضات کرنا اور انکے متعلق بدگمانیاں پیدا کرنا یہ روافض (سود الله وجوههم) اور ان کی ذریت کا

====================

(۱) أخرجه الترمذی، كتاب المناقب:٥/٦٩٧، رقم:٣٨٦٦، قال أبو عيسى: هذا حديث منكر لا نعرفه من حديث عبيد الله بن عمر إلا من هذا الوجه و النضر مجهول و سيف مجهول، والطبرانی فی المعجم الأوسط:١٩١/٨، رقم:٨٣٦٦.

(۲) أورده البغوی فی شرح السنة:٢١٤/١، وابن القيم فی اعلام الموقعين:٢٠٢/٢-٢٠٣، وانظر:اغاثة اللفهان:١٥٩/١، والصواعق المرسلة:١١٨/٣.

شیوہ ہے۔ "سَيَعلَمُ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَيَّ مُنقَلَبٍ يَنقَلِبُونَ." اس کی مزید تفصیل انشاءاللہ اپنے مقام پرآئے گی۔

المبحث الثانی: اشکالات اوران کے جوابات:

پہلا اشکال:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ منافقین اپنے کفر کو ظاہر نہیں کرتے، بلکہ سینوں میں چھپاتے ہیں، حالانکہ یہاں تو انہوں برملا طور پر کفر کا اظہار کرلیا"أنؤمن كما امن السفها". اس کی کیا وجہ ہوسکتی ہے؟

جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اس بات کا برملا اعلان نہیں کیا تھا، بلکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کو کہا کرتے تھے، تو اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرامؓ کو مطلع فرمایا کہ یہ لوگ تو اہل ایمان کے متعلق اپنے مجالس میں یوں کہا کرتے ہیں۔ "أنؤمن كما امن السفهاء". مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ "كانوا يظهرون هذا القول فيما بينهم، لا عند المؤمنين، فأخبر الله نبيه صلى الله عليه وسلم والمؤمنين بذلك، فرد الله ذلك عليهم بقوله: ﴿ألا إنهم هم السفهاء﴾."(١)

دوسرا اشکال:

منافقین سے ایمان کا مطالبہ کیوں کیا جارہا ہے؟ حالانکہ جب پہلے انہوں نے " امنا بالله ..." کہا۔ تو ان کے اس اقرار کو "وماهم بمؤمنين " مسترد کردیا گیا؟

جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ وہاں پر نفی ایمانِ نفاقی کی تھی اور یہاں پر امر ایمانِ خالص کا ہے، مطلب یہ ہے کہ نفاق والے ایمان کو چھوڑ کر اخلاص والا ایمان پیدا کرو۔ معروف مفسر علامہ اُبوسعودؒ فرماتے ہیں۔ "آمنوا إيماناً مقروناً بالإخلاص متمحضاً عن شوائب النفاق مماثلاً لإيمانهم."(٢) اوران اوصاف کے حامل ایمان حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا تھا۔

تیسرا اشکال:

منافقین نے صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کو کیوں بے وقوف کہا تھا اور کس نظریے کی بنیاد پر ان کی طرف یہ سوء نسبت کیا

---

(١) تفسیر خازن: ١/ ٢٧-٢٨.

(٢) تفسیر أبي السعود: ١/ ٥٢، تفسیر بیضاوی: ١/ ١٧٤.

کرتے تھے؟

جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ دراصل منافقین بزعم خود اہل ایمان کے اعتقاد اور رائے کو باطل خیال کیا کرتے تھے اور چونکہ اہل ایمان میں سے اکثر فقراء ومساکین تھے، جیسے حضرت بلال اور حضرت صہیب رضی اللہ عنہما وغیرہ...... تو اس لئے ان کی طرف یہ سوء نسبت کیا کرتے تھے، قاضی بیضاویؒ اور علامہ خطیب شربینیؒ واللفظ لہ فرماتے ہیں۔ "وإنما سفهوهم لاعتقاد فساد رأيهم أو لتحقير شأنهم؛ فإنّ أكثر المؤمنين كانوا فقراء، ومنهم موال كصهيب وبلال.(۱) **اور اپنے آپ** کو معزز اور دانش ور سمجھتے تھے کہ ہم تو نہایت فہم وفہراست والے ہیں، حالات کے نزاکت کو ہم جانتے ہیں، جیسا کہ ارشاد ہے۔" وَمِنهُم مَن يَقُولُ ائذَن لِي وَلَا تَفتِنِّي أَلَا فِي الفِتنَةِ سَقَطُوا وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيطَةٌ بِالكَافِرِينَ." (سورۃ التوبۃ: ۴۹) اور اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ "وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لِلَّذِينَ آمَنُوا لَو كَانَ خَيرًا مَا سَبَقُونَا إِلَيهِ." (الأحقاف: ۱۱).

ہر دور میں باطل پرستوں اور دنیا کے پجاریوں نے اہل حق کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا اور ان کو کم فہم اور ناداں سمجھتے رہے اور بزعم خود اپنے آپ کو فہم وفہراست اور علم ودانش کے علمبردار تصور کرتے رہے، حضرت شیخ رحمہ اللہ نے جواہر القرآن میں اس مسئلہ کو خوب آشکارا کیا ہے۔

> امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ منافقین صاحبِ اقتدار لوگ تھے وہ دولت واقتدار کے نشے میں مخمور طبقہ دینِ اسلام کو باطل سمجھتا تھا اور جو شخص باطل دین کو قبول کرے تو وہ بے وقوف ہوتا ہے، جیسا کہ آج کل روشن خیالی کے مرض میں مبتلا اور نشہ اقتدار میں بدمست طبقہ دین کا درد رکھنے والوں اور خدا اور رسول ﷺ کے احکام سے بغاوت پر حرف گیری کرنے والوں کو کم فہم دقیانوسی اور موجودہ تقاضوں سے بے خبر وغیرہ...... کے القاب سے سرفراز فرماتے ہیں یہ بعینہ ان منافقین کی تقلید ہے۔(۲)

تاریخ عالم میں سب سے پہلے اہل ایمان کو حقارت وذلت کی نگاہ سے دیکھنے والے حضرت نوح علیہ السلام کے قوم کے کفار اور باغی تھے، جنہوں نے اہل کا تمسخر اور مذاق اڑایا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَيهِ مَلَأٌ مِن قَومِهِ سَخِرُوا مِنهُ قَالَ إِن تَسخَرُوا مِنَّا فَإِنَّا نَسخَرُ مِنكُم كَمَا تَسخَرُونَ." (سورۃ ہود: ۳۸).

=====================

(۱) تفسیر بیضاوی: ۱/۱۷۵، السراج المنير للخطيب الشربيني: ۱/۳۲.

(۲) تفسیر جواہر القرآن: ۱/۲۲، ۲۳.

ایک اشکال اوراس کا جواب:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہے ماقبل آیت کا تتمہ ”لا یشعرو ن“ کیساتھ ہے اوراس آیت کا تتمہ ”لا یعلمون “ کیساتھ ہے، اس کی کیا حکمت ہے؟

جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں فن تغائر ہے، یعنی یہاں ایمان کا مطالبہ ہے اور ایمان کی تکمیل علمِ یقینی کے بغیر ممکن نہیں، اس لئے یہاں پر تتمہ ”لا یعلمون “ کیساتھ ہے اور ثانی الذکر آیت میں سفاہت کا ذکر ہے، جو جہالت سے عبارت ہے، تو اس کے مقابلے میں علم لانا زیادہ مناسب ہے۔ نیز ایمان کا ادراک اوراس کی حقیقت وکنہ تک رسائی کے لئے نظرِ دقیق اور فکر راسخ کا ہونا ضروری ہے، تو اس لئے تتمہ ”لا یعلمون “کیساتھ لایا گیا ہے اور جب کہ فساد اور بغاوت دنیوی امور ہیں اور یہ محسوسات کی مانند ہیں، تاہم اس کے لئے فکر راسخ کی چنداں ضرورت نہیں تو اس لئے اول الذکر آیت کا تتمہ ”لا یشعرون “ کیساتھ لایا گیا ہے۔ مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ ”بأنّ التعبير بلا يعلمون أكثر مطابقة لذكر السفه؛ لأن السفه جهل فطابقه العلم؛ ولأنّ أمر الإيمان أخروى يحتاج إلى دقة نظر، فعبر فى الآية التى اشتملت عليه بلا يعلمون، وأمر البغى والفساد دنيوى فهو كالمحسوس لا يحتاج إلى دقة نظر، فعبر فى الآية التى اشتملت عليه بلا يشعرون.“ (١).

ماضی قریب کے معروف مفسر شیخ أحمد مصطفیٰ المراغیؒ یوں رقم طراز ہیں۔ ”وقد ختمت هذه الآية بلا يعلمون، وسابقتها بلا يشعرون؛ لأن الإيمان لا يتم إلا بالعلم اليقينى، والفائدة المرجوّة منه: وهى السعادة فى المعاش والمعاد لا يدركها إلا من يعلم حقيقته، ويدرك كنهه فهم قد أخطأوا فى إدراك مصلحتهم ومصلحة غيرهم، أما نفاقهم وإفسادهم فى الأرض فقد بلغ من الوضوح مبلغ الأمور المحسوسة التى تصل إلى الحواس والمشاعر، ولكن لا حس لهم حتى يدركوه.“(٢)☆

======================

(١) تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی:١/٣٢.

(٢) تفسیر المراغی:١/٥٣.

☆ وفى الروح: واعلم أن قوله تعالى: ﴿وَما يَشعُرُونَ﴾ فى الآية الأولى: نفى الإحساس عنهم وفى الثانية: نفى الفطنة؛ لأنّ معرفة الصلاح والفساد يدرك بالفطنة وفى الآية الثالثة: نفى العلم وفى نفيها على هذه الوجوه تنبيه لطيف ومعنى دقيق وذلك: أنّه بيّن فى الأولى: أنّ فى استعمالهم الخديعة نهاية الجهل الدال على عدم الحسّ وفى الثانية: أنّهم لا يفطنون تنبيها على أنّ ذلك لازم لهم؛ لأنّ من لا حسّ له لا فطنة له وفى الثالثة: أنّهم لا يعلمون تنبيها على أنّ ذلك أيضا لازم لهم؛ لأنّ من لا فطنة =

قوله تعالى : ﴿ وَإِذَا لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا قَالُوا آمَنَّا وَإِذَا خَلَوا إِلَى شَيَاطِينِهِم قَالُوا إِنَّا مَعَكُم إِنَّمَا نَحنُ مُستَهزِءُونَ ﴾.

اور جب ملاقات کرتے مسلمانوں سے تو کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں بے شک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ہنسی کرتے ہیں (یعنی مسلمانوں سے)

اس آیت میں منافقین کی ایک اور قباحت دورنگی (اقوال میں باہم تناقض)) بیان کی جارہی ہے کہ جب یہ لوگ اہل ایمان سے ملتے ہیں، تو انہیں خوش کرنے کے لیے کہتے ہیں کہ ہم مومن ہیں اور جب اپنے زعماء اور شیطانی لیڈروں سے جا ملتے ہیں

=====================

= لـه لا عـلـم له فإنّ العلم تابع للعقل كما حكى: أنّ الله تعالى لمّا خلق آدم عليه السلام أتى إليه جبريل عليه السلام بثلاث تحف: العلم والحياء والعقل. فقال: يا آدم اختر من هذه الثلاث ما تريد فاختار العقل. فأشار جبريل إلى العلم والحياء بالرجوع إلى مقرّهما فقالا: إنّا كنا فى عالم الأرواح مجتمعين فلا نرضى أن يفترق بعضنا عن بعض فى الأشباح أيضا فنتبع العقل حيث كـان فـقـال جبـريـل عـليـه السـلام: استـقـرا فاستقر العقل فى الدماغ والعلم فى القلب والحياء فى العين. فليسارع العاقل إلى تحصيل العلم والمعرفة حتى يصل إلى توحيد الفعل والصفة.

قـال الإمـام الـقشيـرى رحـمـه الـلـه تـعـالـى : للعقل نجوم وهى للشيطان رجوم وللعلوم أقمار هى للقلوب أنوار واستبصار ولـلـمـعـارف شـمـوس ولها على أسرار العارفين طلوع والعلم اللدنّى هو الذى ينفتح فى بيت القلب من غير سبب مألوف من الـخـارج ولـلقلب بابان: باب إلى الخارج يأخذ العلم من الحواس وباب إلى الداخل يأخذ العلم بالإلهام. فمثل القلب كمثل الـحـوض الـذى يجرى فيه أنهار خمسة فلا يخلو ماؤه عن كدرة ما دام يحصل ماؤه من الأنهار الخمسة بخلاف ما إذا خرج مـاؤه مـن قـعره حيث يكون ماؤه أصفى وأجلى فكذا القلب إذا حصل له العلم من طريق الحواس الخمس الظاهرة لا يخلو من كدرة وشكّ وشبهة بخلاف ما إذا ظهر من صميم القلب بطريق الفيض الإلهىّ فإنّه أصفى وأولى. انتهى.

قـال الشيـخ زيـن الـديـن الـحـافـىّ رحـمه الله تعالى : والعجب ممن دخل فى هذه الطريقة المحمدية وأراد أن يصل إلى الحقيقة اليقينية وقد حصّل من الاصطلاحات ما يستخرج بها المعانى من كتاب الله وأحاديث رسوله ﷺ ثمّ لا يشتغل بذكر الـلـه وبمراقبته والإعراض عما سواه لتنصبّ إلى قلبه العلوم اللدنية التى لو عاش ألف سنة فى تدريس الاصطلاحات وتصنيفها لا يشـمّ مـنـهـا رائـحة ولا يشـاهـد مـن آثـارها وأنوارها لمعة. فالعلم بلا عمل عقيم والعمل بلا علم سقيم والعمل بالعلم صراط مستقيم. انتهى. [تفسیر حدائق الروح والریحان:۱/۱۸۰-۱۸۱].

،تو انہیں بتا کید یقین دلاتے ہیں کہ ہم تمہارے حامی ہیں اور مؤمنوں کیساتھ تو محض استہزاء اور مذاق کرتے رہتے ہیں۔انہیں صرف بے وقوف بنانے اور دل لگی کرنے کے لیے ان سے ملتے ہیں۔وہ بے وقوف اور سادہ قسم کے لوگ ہیں، ہماری ان باتوں کو سچ جان کر ہمیں اپنے رازوں اور دلی ارادوں سے مطلع کرتے اور فوائد میں شریک بنالیتے ہیں،اس کے جواب میں اللہ تعالی فرماتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے کیا دل لگی اور تمسخر کررہے ہیں، اللہ تعالی ان سے دل لگی کررہا ہے کہ ان کو ڈھیل دیکر اس خراب حالت میں چھوڑ رکھا ہے، جس کا نتیجہ دین و دنیا کی خرابی اور آخرت میں سخت عذاب ہے۔

اس آیت کے متعلق دو مباحث ذہن نشیں رکھیں:۔

۱۔ آیت کامفہوم ۲۔ چند اشکالات اور ان کے جوابات

المبحث الأول: آیت کامفهوم:

’’وَ‘‘ عاطفہ ہے۔’’لَقُوا الَّذِينَ آمَنُوا ‘‘فعل شرط ہے۔’’قَالُوا آمَنَّا ‘‘جزاء ہے۔’’وَإِذَا خَلَوا إِلَى شَيَاطِينِهِم... ‘‘کا ماقبل پرعطف ہے۔’’خَلَوا‘‘ ماضی کا صیغہ ہے، یہ "ب"اور "الی" دونوں کیساتھ متعدی ہوتا ہے، جیسا کہ عربی محاورہ ہے۔ "خلوت بفلان والیه " لیکن جب اس کا صلہ "الی "آجائے۔تو یہ "ذھاب "کے معنی کو متضمن ہوتا ہے، یہاں پر " ذاھبین "مقدر ہے جو "خلوا" کے ضمیر فاعل سے حال واقع ہورہا ہے، مطلب یہ ہے کہ منافقین مسلمانوں سے ملنے کے بعد جب اپنے لیڈروں کے پاس جاتے ہیں، تو وہاں مسلمانوں کے سامنے کیے ہوئے اقرار کے خلاف باتیں کرتے ہیں، اس کا فائدہ یہ ہے کہ منافقین منافقت خوب عیاں ہوتی جاتی ہے۔’’شَيَاطِينِ ‘‘ شیطان کی جمع ہے۔

شیطان کامعنی اور مفہوم:

لفظ" شیطان "یا"شطن" سے مشتق ہے، اس میں ’’نون‘‘ اصلی ہے، جس کے معنی دور ہونے کے ہیں۔"بئر شَطُونٌ "(بہت گہرا کنواں)"شَطَنَتِ الدّار" (گھر کا دور ہونا)"غربة شَطُونٌ" (وطن سے دوری) وغیرہ اسی سے مشتق ہیں۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس میں ’’نون‘‘ زائدہ ہے اور یہ "شاط یشیط" سے مشتق ہے، جس کے معنی غصہ سے سوختہ ہوجانے کے ہیں اور شیطان کو بھی شیطان اسی لیے کہا جاتا ہے کہ وہ آگ سے پیدا ہوا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔’’وَخَلَقَ الجَانَّ مِن مارِجٍ مِن نارٍ."(الرحمٰن،۱۴) یہی وجہ ہے کہ اس میں قوت غضبیہ اور حمیت مذمومہ افراط کیساتھ پائی جاتی ہے، اس بناء پر اس نے آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے سے انکار کر دیا تھا۔

======================

(۱) المفردات فی غریب القرآن:۵۴۵.

لفظِ ''شیطان'' اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے۔ ہر سرکش ومتمرد چیز کو کہتے ہیں، خواہ انسانوں میں سے ہو، یا جناتوں میں سے ہو، یا جانوروں میں سے ہو۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

" أن الشيطان كل متمرد من الجن والإنس والدواب .

مفسر جلیل علامہ سمرقندیؒ امام ابوعبیدہؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

" قال أبو عبيدة : كل عات متمرد فهو شيطان."

الغرض شیطان لغت میں سرکش اور حد سے گزرنے والے کو کہتے ہیں، خواہ جنوں میں سے ہو، یا انسانوں میں سے ہو، ارشاد ہے۔ "وَكَذَلِكَ جَعَلنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِينَ الإنسِ وَالجِنِّ يُوحِي بَعضُهُم إِلَى بَعضٍ زُخرُفَ القَولِ غُرُورًا."(سورۃ الأنعام:١١٢)

مسند احمد میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا " نعوذ بالله من شياطين الإنس والجن." تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ! کیا انسانوں میں شیاطین ہوتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا جی ہاں! (١)

یہاں شیاطین سے مراد سرکش و باغی لیڈر اور کفر کے سرغنے مراد ہیں، معروف مفسر علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ " يعني: سادتهم وكبرائهم ورؤسائهم من أحبار اليهود ورؤوس المشركين والمنافقين."

سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔

"من يهود الذين يأمرونهم بالتكذيب وخلاف ما جاء به الرسول."

تابعی جلیل امام مجاہدؒ فرماتے ہیں۔

"وَإِذَا خَلَوا إِلَى شَيَاطِينِهِم " أى إلى أصحابهم من المنافقين والمشركين."

معروف تابعی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں۔

"وَإِذَا خَلَوا إِلَى شَيَاطِينِهِم " أى إلى رؤوسهم وقادتهم فى الشرك والشر."(٢)

==================

(١) تفسیر ابن کثیر: ١/٩٤.

(٢) تفسیر ابن کثیر: ١/٩٤.

قَالُوا إِنَّا مَعَكُم:

" قَالُوا" جزاء ہے۔" إِنَّا مَعَكُم"، محل نصب میں مقولہ قول واقع ہے،منافقین نے ظاہری طور پر اقرار میں "امنّا" کہا،جس میں انہوں نے کوئی حرف تاکید استعمال نہیں کیا،اورشیاطین اورائمۃ الکفر کی معیت اورمسلمانوں کے استہزاء کو بیان کیا،تو حرف"انّ" اور"انما" اور جملہ اسمیہ سے اس کو مؤکد کیا، یہ تاکیدی کلمات انکار کی بناء پر نہیں، بلکہ اظہار شوق ورغبت کے لیے تھے۔مفسرجلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "خاطبوا المؤمنين بالجملة الفعلية، والشياطين بالجملة الإسمية المؤكدة "بإن" لأنهم قصدوا بالأولى دعوى إحداث الإيمان. وبالثانية تحقيق ثباتهم على ما كانوا عليه ولأنه لم يكن لهم باعث من عقيدة وصدق رغبة فيما خاطبوا به المؤمنين، ولا توقع رواج ادعاء الكمال فى الإيمان على المؤمنين من المهاجرين والأنصار، بخلاف ما قالوه مع الكفار." (۱)

یہاں معیت سے دین واعتقاد میں شرکت ومساوات مراد ہے،مفسرجلیل علامہ اَبوسعود عمادیؒ فرماتے ہیں۔ "أى فى الدين والاعتقاد لانفارقكم فى حال من الأحوال."(۲).

اوراس تاکید سے ان کو یقین دلانی مقصود ہے کیونکہ وہ ان کی اہل ایمان کیساتھ اختلاط اورآپس میں میل وجول کی وجہ سے شک وتردد میں تھے تو اس لئے انہوں اپنے کلام میں تاکید درتاکید لایا تاکہ ان کا خوب اعتماد ویقین پیدا ہوجائے۔

إِنَّمَا نَحنُ مُستَهزِءُ ونَ:

یہ ماقبل کی تاکید ہے،اس لیے کہ کسی چیز سے استہزاء کرنے والاخوداس کا مرتکب نہیں ہوتا، بلکہ وہ اس کے خلاف پرمصر رہتاہے۔یاماقبل سے بدل ہے۔یاجملہ استنافیہ ہے،سوال مقدر کا جواب ہے کہ کفار منافقین سے سوال کرتے کہ جب تم ہمارے حامی ہو،تو پھران کے پاس جانے کی ضروت کیاہے؟ منافقین کہتے ہیں کہ ہم توان سے استہزاء کرتے ہیں!مفسرجلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "تأكيد لما قبله لأن المستهزئ بالشيء المستخف به مُصِرٌّ على خلافه. أو بدل منه لأن من حقر الإسلام فقد عظم الكفر. أو استئناف فكأن الشياطين قالوا لهم: لما قالوا إنا معكم، إن صح ذلك فما بالكم توافقون المؤمنين وتدعون الإيمان، فأجابوا بذلك." (۳)

====================

(۱) تفسیر بیضاوی:۱/۴۷.

(۲) تفسیر اَبی السعود:۱/۴۶.

(۳) تفسیر بیضاوی:۱/۴۷.

"استھزاء" لغت میں تمسخر، ہنسی اڑانے اور دل بہلانے کہتے ہیں، یعنی ہم اہل ایمان کیساتھ ہنسی اڑاتے ہیں۔ آگے آیت میں تمسخر کے سزا کا بیان ہے۔

المبحث الثانی: چند اشکالات اوران کے جوابات:

پہلا اشکال:

ماقبل آیت "ومن الناس من یقول امنا باللہ" میں منافقین کے ظاہری ایمان لانے کا ذکر ہے، تو اب اسے دوبارہ کیوں ذکر کیا گیا ہے، یہ تو بظاہر تکرار ہے، جو فصاحت و بلاغت کے منافی ہے؟

جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ "من الناس من یقول امنا باللہ" میں ان کے اعتقاد کا بیان تھا اور اب یہاں ان کا اہل ایمان کیساتھ معاملہ وصنیع بیان ہو رہا ہے کہ جب اہل ایمان سے ملاقات کرتے ہیں تو اپنے آپ کو مومن ظاہر کرتے ہیں، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "بیان لمعاملتھم المؤمنین والکفار، وما صدرت بہ القصۃ فمساقہ لبیان مذھبھم وتمھید نفاقھم، فلیس بتکریر."(۱)

دوسرا اشکال:

منافقین جب اہل ایمان کیساتھ خطاب کرتے ہیں، تو جملہ فعلیہ "امنا" سے اپنے کلام کومصدر کرتے ہیں اور جب اپنے گمراہ رہنماہوں اور پیشواؤں سے مخاطب ہوتے ہیں، تو ان کی یقین دلانی کے لیے جملہ اسمیہ "اِنّا معکم" لاتے ہیں، اس کی کیا حکمت ہے؟

جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ منافقین کا اہل ایمان کے سامنے نفس اظہار ایمان مقصود تھا، جو جملہ فعلیہ سے حاصل ہو جاتا ہے اور اپنے روءسا اور زعماء کو حقیقت حال بتلانا مقصود تھا کہ ہم پہلے بھی تمہارے ساتھ تھے اور اب بھی تمہارے ساتھ ہیں اور ہمیشہ تمہارے ہو کر رہیں گے۔ اسی وجہ سے جملہ اسمیہ لایا ہے، جو دوام وثبات پر دلالت کرتا ہے۔ مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "خاطبوا المؤمنین بالجملۃ الفعلیۃ والشیاطین بالجملۃ الإسمیۃ المؤکدۃ بإن لأنھم قصدوا بالأولی دعوی إحداث الإیمان وبالثانیۃ تحقیق ثباتھم علی ما کانوا علیہ." (۲)

=========================

(۱) تفسیر بیضاوی: ۱/ ۴۷۔

(۲) تفسیر بیضاوی: ۱/ ۴۷۔

قوله تعالیٰ: اللّٰهُ يَستَهزِئُ بِهِم.

آیت کامفہوم یہ ہے کہ ان کے تمسخر کوانہیں ہی پر پلٹ دے گا(۱)، عربی محاورہ میں جزائے فعل کواصل فعل کا نام دیا جاتا ہے، اس کوعلم بدیع کی اصطلاح میں صنعت مشاکلت کہتے ہیں، یعنی استہزا کے سزا کواستہزا سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسے سیئہ کے جزاء کو سیئہ، اعتداء کے جزاء کواعتداء، نسیان کے جزاء کونسیان، مکر کے جزاء کومکر اور خداع کے جزاء کوخداع سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَمَنِ اعتَدَى عَلَيكُم فَاعتَدُوا عَلَيهِ بِمِثلِ مَا اعتَدَى عَلَيكُم .(سورۃ البقرۃ:۱۹۴) ایک جگہ ارشاد ہے۔ إِنَّ المُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُم .(سورۃ النساء:۱۴۲) ایک جگہ فرمایا۔ وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثلُهَا. (سورۃ الشوریٰ:۴۰) ایک جگہ ارشاد ہے۔ نَسُوا اللّٰهَ فَنَسِيَهُم. .(سورۃ التوبۃ:٦٧) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَإِذَا أَذَقنَا النَّاسَ رَحمَةً مِن بَعدِ ضَرَّاءَ مَسَّتهُم إِذَا لَهُم مَكرٌ فِي آيَاتِنَا قُلِ اللّٰهُ أَسرَعُ مَكرًا.(سورۃ یونس:۲۱) وغیرہ ذلک...

مذکورہ بالا تمام مقامات میں افعال سے مراد جزاء الأ فعال ہیں۔ مفسرین کرام اس کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

مفسر جلیل علامہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ أی یجازیهم جزاء الاستهزاء.(٢)

علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردیؒ فرماتے ہیں۔ معناه أنه یحاربهم علی استهزائهم، فسمی الجزاء باسم المجازی علیه.(٣)

معروف مفسر علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ إما بأن یراد بالاستهزاء جزاؤه لما بین الفعل وجزاء ه من مشابهة فی القدر وملابسة قویة ونوع سببیة مع وجود المشاکلة المحسنة ههنا.(٤)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ استہزاء سے استہزاء والا معاملہ مراد ہے، دنیا میں بایں طور کہ ان کے اوپر دین اسلام کے احکامات جاری کیے اوران کو سرکشی وبغاوت کی ڈھیل دی اور مال ومتاع کی فروانی عطاء کی، تاکہ وہ خوب طغیانی وسرکشی کرجائیں اور آخرت

====================

(١) قال الحافظ ابن كثیر رحمه الله: وهذا إخبار من الله تعالی أنّه مجازیهم جزاء الاستهزاء ومعاقبهم عقوبة الخداع فأخرج الخبر عن الجزاء مخرج الخبر عن الفعل الذی استحقّوا العقاب علیه۔ فاللفظ متفق والمعنی مختلف كقوله تعالی:﴿ فَمَنِ اعتَدَى عَلَيكُم فَاعتَدُوا عَلَيهِ﴾؛ لأنّ الأول ظلم والثانی عدل. تفسیر ابن کثیر:۱/۹۴-۹۵.

(۲) بحر العلوم:۱/۲۹.

(۳) النکت والعیون:۱/۷۷.

(۴) روح المعانی:۱/۱٦۰.

میں استہزاء یہ ہے کہ جہنم سے ایک دروازہ جنت کی طرف کھول دیا جائے گا، تو وہ سارے اس کی طرف دوڑ کر آجائیں گے، جب اس کے قریب ہونے لگیں گے، تو اس کو بند کر دیا جائے گا، جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَـالیَومَ الَّذِینَ آمَنُوا مِنَ الكُفَّارِ يَضحَكُونَ. (سورۃ المطففین:۳۴) اور اسی طرح اہل جنت ان سے پوچھیں گے۔ وَنَـادَى أَصـحَـابُ الـجَـنَّةِ أَصـحَـابَ النَّارِ أَن قَد وَجَـدنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا فَهَل وَجَدتُم مَا وَعَدَ رَبُّكُم حَقًّا قَالُوا نَعَم فَأَذَّنَ مُؤَذِّنٌ بَينَهُم أَن لَعنَةُ اللَّهِ عَلَى الظَّالِمِينَ . (سورۃ الأعراف:۴۴).

مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ يعاملهم معاملة المستهزیء، أما فی الدنيا :فبإجراء أحكام الإسلام عليهم واستـدراجهم بالإمهال، والزيادة فی النعمة مع التمادی فی الطغيان، وأمّا فی الآخرة :فبأن يفتح لهم، وهم فی النار باباً إلى الجنة فيسرعون نحوه، فإذا صاروا إليه سد عليهم الباب، وذلك قوله تعالى: فاليوم الذين آمنوا من الكفار يضحكون.(سورۃ المصطففین:۳۴).(۱)☆

طلباء محترم! اس توجیہ سے وہ اشکال بھی ختم ہو گیا ہے کہ استہزاء تو من باب العبث ہے اور اللہ تعالی تو اتیان بمالاینبغی سے منزہ

===================

(۱) السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۲۶.

☆ اختلف العلماء فی المراد باستهزاء الله بهم على تسعة أقوال:

أحـدهـا: أنه يفتح لهم باب من الجنة وهم فی النار فيسرعون إليه فيغلق ثم يفتح لهم باب آخر فيسرعون فيغلق فيضحك منهم المؤمنون. روى عـن ابـن عبـاس. والثـانـی: أنه إذا كان يوم القيامة جمدت النّار لهم كما تجمد الإهالة فی القدر فيمشون فتنخسف بهم. روی عن الـحسـن البـصـری. والثـالـث: أن الاستهزاء بهم: إذا ضرب بينهم وبين المؤمنين بسور له باب باطنه فيه الرحمة وظاهره من قبله العذاب فيبقون فی الظلمة فيقال لهم: ﴿ارجِعُوا وَرَاءَ كُم فَالتَمِسُوا نُوراً﴾ قاله مقاتل. والرابع: أن المراد به: يجازيهم على استهزائهم فقوبل اللفظ بـمثـلـه لـفـظـاً وإن خـالفه معنى فهو كقوله تعالى: ﴿وَجَزاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِثلُها﴾ وقوله:﴿ فَمَنِ اعتَدى عَلَيكُم فَاعتَدُوا عَلَيهِ بِمِثلِ مَا اعتَدى عَلَيكُم﴾. وقال عمرو بن كلثوم:

ألا لا يجهلن أحدٌ علينا فنجهلَ فوق جهل الجاهلينا

أراد: فـنـعـاقبـه بـأغلظ من عقوبته. والخامس: أن الاستهزاء من الله تعالى التّخطئة لهم والتّجهيل فمعناه: الله يخطّئ فعلهم ويجهلهم فی الإقـامة على كفرهمـ والسادس: أن استهزائه: استدراجه إياهم. والسابع: أنه إيقاع استهزائهم بهم وردّ خداعهم ومكرهم عليهم. ذكر هـذه الأقـوال مـحـمّـد بن القاسم الأنباری. والثامن: أن الاستهزاء بهم أن يقال لأحدهم فی النار وهو فی غاية الذل: ذُق إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الـكَـرِيـمُ ـ ذكـره شيـخـنـا فـی كتـابـهـ والتـاسـع: أنـه لما أظهروا من أحكام إسلامهم فی الدنيا خلاف ما أبطن لهم فی الآخرة كان كالاستهزاء بهم. [تفسیر زاد المسیر :۱/۳۴-۳۵]

ومبرہ ہے؟

قوله تعالى : وَيَمُدُّهُم فِي طُغيَانِهِم يَعمَهُونَ .

اہل لغت فرماتے ہیں۔ "مدّ یمدُّ" مجرد سے بمعنی زیادتی اور مزید سے بمعنی مہلت دینے کے آتا ہے، امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید میں عموماً "امـدَّ" (باب افعال) خیر اور "مـدّ" (ثلاثی مجرد) شر میں مستعمل ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

"وقـال بـعـضـهـم: أكثـر مـا جاء من الإمداد فى القرآن فبالخير نحو قوله تعالى: ﴿وَأَمدَدنَاهُم بِفَاكِهَةٍ﴾ وقوله: ﴿نُـمِـدُّهُـم بِـهِ مِـن مَالٍ وَبَنِينَ﴾ وقال: وما كان من المد فبالشر نحو قوله تعالى: ﴿وَنَمُدُّ لَهُ مِنَ العَذَابِ مَدًّا﴾ وقال: ﴿ وَإِخوَانُهُم يَمُدُّونَهُم فِي الغَيِّ﴾".(۱)

معروف مفسر علامہ ابن الجوزیؒ حضرت مجاہدؒ سے اس کا معنی یوں نقل کرتے ہیں۔ أى يزيدهم (۲).

حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ قال ابن جرير: والصواب نزيدهم على وجه الإملاء والترك لهم فى عتوهم وتمردهم كـمـا قـال تـعـالـى: وَنُـقَـلِّـبُ أَفئِـدَتَهُـم وَأَبـصـارَهُـم كَما لَم يُؤمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَنَذَرُهُم فِى طُغيانِهِم يَعمَهُونَ. [الأنعام:۱۱۰]

معاندین کی مال واولاد کی فراوانی ان کے لیے باعث خیر نہیں، بلکہ یہ مہلت اور استدراج کے ہے، جیسا کہ ارشاد باری تعالی ہے۔ وَلَا يَـحسَبَـنَّ الَّـذِيـنَ كَـفَـرُوا أَنَّـمَـا نُـملِي لَهُم خَيرٌ لِأَنفُسِهِم إِنَّمَا نُملِي لَهُم لِيَزدَادُوا إِثمًا وَلَهُم عَذَابٌ مُهِينٌ. (سورۃ آل عمران:۱۷۸) ایک جگہ ارشاد ہے۔ أَيَـحسَبُـونَ أَنَّـمـا نُـمِـدُّهُـم بِـهِ مِـن مالٍ وَبَنِينَ نُسارِعُ لَهُم فِي الـخَيـراتِ بَـل لَا يَشـعُـرُونَ. (المؤمنون:۵۵-۵۶) ایک جگہ فرمایا۔ سَـنَـستَـدرِجُـهُـم مِـن حَيـثُ لا يَـعـلَـمُـونَ .(الأعراف:۱۸۲) ایک جگہ ارشاد ہے۔ فَـلَـمَّـا نَسُـوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحنا عَلَيهِم أَبوابَ كُلِّ شَيءٍ حَتَّى إِذا فَرِحُوا بِما أُوتُوا أَخَذناهُم بَغتَةً فَإِذا هُم مُبلِسُونَ۔ فَقُطِعَ دابِرُ القَومِ الَّذِينَ ظَلَمُوا وَالحَمدُ لِلَّهِ رَبِّ العالَمِينَ .(الأنعام:۱۱۰).

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالی نے ان کی سرکشی اور بغاوت کو بڑھادیا اور گمراہ ہوئے، تو اس میں ان کا کیا قصور

======================

(۱) تفسیر الراغب:۱/۱۰۴.

(۲) تفسیر زاد المسیر :۱/۳۴.

(۳) تفسیر ابن کثیر:۱/۹۵.

ہے؟

جواب: درحقیقت یہ ان کی بداعمالیوں کا نتیجہ تکوینی ہے، نیز "مـد" کی نسبت اللہ تعالی کی طرف باعتبار خلق کے ہے، معروف مفسر علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ وإسنادُ هذا المد إلى الله تعالى مع إسناده في قوله تعالى:﴿ وإخوانهم يَمُدُّونَهُم فِي الغي﴾ محققٌ لقاعدة أهلِ الحقِ من أن جميعَ الأشياء مستند من حيث الخلقُ إليه سبحانه وإن كانت أفعالُ العباد من حيث الكسبُ مستندةً إليهم(۱).

طغیان کا مفہوم:

طغیان "طغى يطغى " سے مصدر ہے، بمعنی حد سے تجاوز کرنا،(يعني الزيادة على القدر ، والخروج عن حيز الاعتدال في الكثرة). اوراہل عرب "طغى البحر " اس وقت کہتے ہیں جب دریا کی موجیں اپنے حدود سے تجاوز کر جائیں، اور "طغى السيل " اس وقت کہتے ہیں جب سیلاب بھر کر آجائے اور حد سے تجاوز کرے، جیسے ارشاد باری تعالی ہے۔ إِنَّا لَمَّا طَغَى الْمَاءُ حَمَلْنَاكُم فِي الجَارِيَةِ . (سورۃ الحاقہ:۱۱) أي قدره . اوراسی طرح فرعون کے متعلق فرمایا۔ اذهب إلى فِرعَونَ إِنَّهُ طغى. (سورۃ طہ:۲۴) أي أسرف وتجاوز الحد.

اس آیت میں طغیان سے مراد اِن کی کفر وسرکشی ہے، معروف مفسر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ وقال الضحاك عن ابن عباس: في طغيانهم يعمهون في كفرهم يترددون. وكذا فسره السدي بسنده عن الصحابة وبه يقول أبو العالية وقتادة والربيع بن أنس ومجاهد وأبو مالك وعبد الرحمن بن زيد: في كفرهم وضلالتهم.(۲).

اس آیت سے اہل سنت کے نظریے کی تائید بھی ہوتی ہے کہ انسان اپنے افعال کا کاسب ہے، کیونکہ طغیان فعل العبد ہے۔

عمہ اور عمی کا مفہوم:

لغت میں "عمہ" حیرانگی کی وجہ سے کسی کام میں متردد ہونے کو کہتے ہیں، عربی محاورہ ہے۔"عمه الرجل يعمه عموها وعمها فهو عمه وعامه إذا حار".(۳)

=========================

(۱) تفسیر ابی السعود:۱/۴۷.

(۲) تفسیر ابن کثیر:۱/۹۵.

(۳) تفسیر قرطبی:۱/۲۰۹.

یعنی آدمی حیران اور متردد ہوا۔ نیز "رجل عامه وعمه" متحیر اور متردد شخص کو کہا جاتا ہے۔ عمہ دل کی بینائی کو کہتے ہیں جیسا کہ عمی آنکھوں کی بینائی کو کہا جاتا ہے، قاضی بیضاویؒ اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں۔ والعمه فی البصيرة كالعمى فی البصر (۱)

الغرض "عمه " دل کیساتھ خاص ہے اور "عمی" بصر کیساتھ خاص ہے۔ بالفاظِ دیگر "عمه" کا مقابل بصیرت اور "عمی" کا مقابل بصارت آتا ہے، یعنی ان دونوں میں نسبت تباین کی ہے۔ مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ والعمه: مثل العمى إلا أن العمى عام فی البصر والرأی، والعمه فی الرأی خاصة، وهو التردد والتحير لا يدری أين يتوجه(۲).

معروف لغوی عالم علامہ ابوالبقاءؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب "الکلیات" میں رقم طراز ہیں۔ العمه: التحير والتردد بحيث لا يدری أين يتوجه وهو فی البصيرة كالعمى فی البصر، قيل: العمى عام فی البصر والرأی والعمه: فی الرأی خاصة(۳) .

اس صورت اس میں عموم خصوص مطلق کی نسبت ہے، "عمیٰ" عام مطلق یعنی "بصر" اور رائے دونوں میں مستعمل ہوتا ہے اور "عمه" خاص مطلق ہے صرف رائے میں استعمال ہوتا ہے۔ (۴)

===================

(۱) تفسیر بیضاوی: ۱/ ۴۸.

(۲) تفسیر کبیر للرازی: ۲/ ۷۲.

(۳) کتاب الکلیات لأبی البقاء: ۶۵۲.

(٤) والعَمَهُ فی البصيرة كالعمى فی البصر وهو التحيرُ والتردد بحيث لايدری أين يتوجه وإسنادُ هذا المد إلى الله تعالى مع إسناده فی قوله تعالى وإخوانهم يَمُدُّونَهُم فِی الغی محققٌ لقاعدة أهلِ الحقِ من أن جميعَ الأشياء مستند من حيث الخلقُ إليه سبحانه وإن كانت أفعالُ العباد من حيث الكسبُ مستندةً إليهم والمعتزلةُ لمّا تعذر عليهم إجراءُ النظم الكريم على مسلكه نكبوا إلى شعاب التأويل فأجابوا أولاً بأنهم لما أصرّوا على كفرهم خذلهم الله تعالى ومنعهم ألطافَه فتزايد الرَّينُ فی قلوبهم فسُمِّی ذلك مدداً فی الطغيان فأُسند إيلاؤه إليه تعالى ففی السند مجازٌ لغوی وفی الإسناد مجاز عقلی لأنه إسناد للفعل إلى المسبِّب له وفاعله الحقيقی هم الكفرة وثانياً بأنه أريد بالمد فی الطغيان ترك القسر والإلحاد إلى الإيمان كما فی قوله تعالى وَنَذَرُهُم فِی طُغيَانِهِم يَعمَهُونَ فالمجاز فی المسند فقط وثالثاً بأن المراد معناه الحقيقی وهو فعل الشيطان لكنه أُسند إليه سبحانه مجازاً لأنه بتمكينه تعالى وإقداره. (ارشاد العقل السلیم: ۱/ ۴۸)

قوله تعالی: أُولَئِكَ الَّذِينَ اشتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالهُدَی فَمَا رَبِحَت تِجَارَتُهُم وَمَا كَانُوا مُهتَدِينَ.
وہی ہیں جنہوں نے مول لی گمراہی ہدایت کے بدلے سو نافع نہ ہوئی اُن کی سوداگری اور نہ ہوئے راہ پانے والے۔

قوله تعالی: أُولَئِكَ الَّذِينَ اشتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالهُدَی:

"أُولَئِك" اسم اشارہ محل رفع میں مبتداء ہے، اس کا مشار الیہ ماقبل اوصاف مذمومہ کے حاملین ہیں، معروف مفسر علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ أولئك إشارةٌ إلى المذكورين باعتبار اتصافهم بما ذكر من الصفات الشنيعة المميِّزة لهم عمن عداهم أكملَ تمييز بحيث صاروا كأنهم حُضّارٌ مشاهِدون على ما هم عليه وما فيه من معنى البعد للإيذانِ ببُعدِ منزلتِهم في الشر وسوء الحال.(١)

یہ جملہ ماقبل کی تقریر وتاکید ہے، اس سے مقصود معاندین کی حماقت کا بیان ہے اور یہ استعارہ تصریحیہ ترشیحیہ ہے، "بِالهُدَی" میں "ب" کا معنی "بعوض" ہے۔ای بدلا منه. ترجمان القرآن ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ أخذوا الضلالة وتركوا الهدى. ومعناه استبدلوا واختاروا الكفر على الإيمان(٢).

یہ اسناد مجازی ہے، ربح اور نفع کا اسناد غیر ماھولہ تجارت کی طرف کیا گیا ہے، کلام عرب میں اسناد مجازی شائع ہے، کہا جاتا ہے۔ ربح بيعك، وخسرت صفقتك. ليل قائم ونهار صائم . اس کا معنی ہے۔ ربحت وخسرت في بيعك. وقمت في ليلك وصمت في نهارك. ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

نَهَارُكَ هَائِمٌ وَلَيْلُكَ نَائِمُ كَذَلِكَ فِي الدُّنيَا تَعِيشُ البَهَائِمُ

"وَمَا كَانُوا مُهتَدِين" یہ ماقبل پر عطف ہے، اس میں صنعت تتمیم ہے کہ یہ ماقبل تمام امور میں گمراہ تر ہیں۔ یعنی یہ لوگ گمراہی کو اختیار کرنے کی وجہ سے راہ ہدایت پر نہ تھے، یا باری تعالی کے علم میں ہدایت یافتہ نہ تھے، معروف مفسر علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔ وما كانوا مهتدين في اشترائهم الضلالة. وقيل: في سابق علم الله(٣).

==================

(١) تفسیر ابی السعود ا:/٤٧.
(٢) تفسیر قرطبی:ا/٢١٠.
(٣) تفسیر قرطبی:ا/٢١١.

آیت کا مفہوم:

یہ نتیجہ بطورِثمرہ ہے اور معاندین کے قابل استہزاء ہونے پر دلیل لمی ہے، کہ یہ لوگ اتنے بے وقوف اور ناداں ہیں کہ انہوں نے ہدایت کو پس پُشت ڈال کر گمراہی کو خرید (اختیار) لیا، لیکن ان کی یہ تجارت بے سود و بلا فائدہ ہے، کیونکہ تجارت سے مقصود رأس المال کی سلامتی اور ربح (نفع) کا حصول ہوتا ہے، انہوں نے رأس المال (جو فطرتِ سلیمہ اور استعدادِ مدرکہ ہیں) ہی کو ضائع کردیا، ظاہری بات ہے کہ رأس المال کے ضائع ہونے کی صورت میں نفع کا حصول ممکن نہیں ہوسکتا (۱)، معروف مفسر قاضی بیضاویؒ اور خطیب شربینیؒ واللفظ لہ فرماتے ہیں۔ فإنّ المقصود منها سلامة رأس المال والربح، وهؤلاء قد أضاعوا الأمرين؛ لأنّ رأس مالهم كان الفطرة السليمة، والعقل الصرف ،فلما اعتقدوا هذه الضلالات بطل استعداهم، واختل عقلهم، ولم يبق لهم رأس مال يتوصلون به إلى إدراك الحق، ونيل الكمال، فبقوا خاسرين آيسين عن الربح فاقدين للأصل(۲).

مفسر جلیل علامہ ابن جریر طبریؒ حضرت قتادۃؓ سے (اشتروا الضلالة بالهدى) کی تفسیر نقل کرتے ہیں۔

قد وَالله رأيتموهم خرجوا من الهدى إلى الضلالة، ومن الجماعة إلى الفُرقة، ومن الأمن إلى الخوف، ومن السُّنة إلى البدعة.(۳)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

اس آیت کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ یہ لوگ پہلے ہدایت یافتہ تھے، اس کے بعد انہوں نے ضلالت اور گمراہی کا سودا کرلیا، حالانکہ منافقین تو پاس پہلے سے گمراہ تھے، تو پھر "اشتراء" کیسے ہوا ؟

=====================

(۱) قال الشيخ أحمد مصطفى المراغى رحمه الله: أى هؤلاء قد رغبوا عن الهدى وسلوك الطريق المستقيم، ومالوا إلى الضلال، واشتروه، ولكن لم تكن تجارتهم رابحة؛ إذ هم أضاعوا رأس المال، وهو ما كان لهم من الفطرة السليمة، والاستعداد لإدراك الحقائق ونيل الكمال، فأصبحوا خاسرين آيسين من الربح. وإن من كانت هذه حالهم فلا علم لهم بطرق التجارة؛ فإن التاجر إن فاته الربح فى صفقة فربما تداركه فى أخرى ما دام رأس المال موجودا، أما وقد فقد رأس المال فلا سبيل إلى الربح بحال. [تفسیر المراغی:۱/ ۵۷].

(۲) تفسیر بیضاوی:۱/ ۴۸. تفسیر الخطیب الشربینی:۱/ ۲۷.

(۳) تفسیر جامع البیان:۱/ ۳۱۷.

پہلا جواب: درحقیقت "اشتراء" مجاز مستعار ہے، جو "اختار" سے استعارہ ہے اور یہاں "اشتراء" سے اس کا لازمی معنی (اختیار کرنا) مراد ہے کیونکہ جو چیز آدمی خریدتا ہے، تو پہلے اسے پسند کرتا ہے۔ اس صورت "ب"، "علی" کے معنی میں ہوگی۔ أی اختاروا الضلالة علی الهدیٰ .

معروف مفسر علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ فاما أن يقال: إن الاشتراء مجاز عن الاختيار؛ لأن المشتری للشیء مختار له، فكأنه تعالى قال: اختاروا الضلالة على الهدى .(١)

دوسرا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ہدایت کے اسباب وذرائع کے ہوتے ہوئے راہ راست پر نہ آنا ضلالت کو ہدایت کے بدلے فروخت کرنے کے مترادف ہے، معروف مفسر امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ جعلوا لتمكنهم منه كأنه فی أيديهم فإذا تركوه ومالوا إلى الضلالة فقد استبدلوها به(٢).

تیسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہاں ہدایت سے ہدایتِ فطری غیر کسبی مراد ہے جو اللہ تعالی نے ہر انسان کو عطاء کی ہے، اور ہر چیز کی فطرت میں رکھی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ قَالَ رَبُّنَا الَّذِي أَعطَى كُلَّ شَيءٍ خَلقَهُ ثُمَّ هَدَى.(طٰہٰ:٥٠) مسند احمد میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ ما من مولود إلا يولد على الفطرة فأبواه يهودانه أو ينصرانه أو يمجسانه كما تنتج البهيمة بهيمة جمعاء هل تحسون فيها من جدعاء(٢).

اس صورت میں "اشتراء" اپنے حقیقی معنی میں ہے اور "ب" بھی اپنے معنی پر محمول ہے، اب کسی مجاز کی ارتکاب کی ضرورت بھی نہیں رہی۔ معروف مفسر علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ أو يقال: المراد بالهدى الهدى الجبلی وقد كان حاصلاً لهم حقيقة فإن كل مولود يولد على الفطرة.(٣)☆

==================

(۱) روح المعانی:۱/۱۶۳.

(۲) تفسیر کبیر:۲/۳۱۱

(۳) مسند احمد:۲/۳۱۵، رقم:۸۱۶۴.

(۴) روح المعانی:۱/۱۶۲.

☆ قال العلامة محمدجمال الدين القاسمی رحمه الله: جعلوا لتمكُّنهم منه– بتيسير أسبابه– كأنه فی أيديهم، فإذا تركوه إلى الضلالة قد عطَّلوه، واستبدلوها به، فاستعير ثبوته لتمكُّنهم بجامع المشاركة فی استتباع الجدوى، ولا مِرية فی أن هذه المرتبة من التمكن كانت حاصلة لهم بما شاهدوه من الآيات الباهرة والمعجزات القاهرة من جهة النبی ﷺ =

قوله تعالی : مَثَلُهُم كَمَثَلِ الَّذِى استَوقَدَ نَارًا فَلَمَّا أَضَائَت مَا حَولَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِم وَتَرَكَهُم فِى ظُلُمَاتٍ لَا يُبصِرُونَ ﴿۱۷﴾ صُمٌّ بُكمٌ عُمىٌ فَهُم لَا يَرجِعُونَ ﴿۱۸﴾ أَو كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعدٌ وَبَرقٌ يَجعَلُونَ أَصَابِعَهُم فِى آذَانِهِم مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ المَوتِ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالكَافِرِينَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ البَرقُ يَخطَفُ أَبصَارَهُم كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَشَوا فِيهِ وَإِذَا أَظلَمَ عَلَيهِم قَامُوا وَلَو شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمعِهِم وَأَبصَارِهِم إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَىءٍ قَدِيرٌ ﴿۲۰﴾.

ترجمہ: مثال اُن کی اُس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کردیا آگ نے اُس کے آس پاس کو تو زائل کردی اللہ نے اُن کی روشنی اور چھوڑا اُن کو اندھیرے میں کہ کچھ نہیں دیکھتے بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے یا اُن کی مثال ایسی ہے جیسے زور سے مینہ پڑ رہا ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی دیتے ہیں انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ کرنے والا ہے کافروں کا قریب ہے کہ بجلی اُچک لے اُن کی آنکھیں جب چمکتی ہے اُن پر تو چلنے لگتے ہے اُس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہو جاتا ہے تو کھڑے رہے جاتے ہیں اور اگر اللہ چاہے تو لے جائے ان کے کان اور آنکھیں بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

====================

=. [تفسیر محاسن التأویل:۱/۲۵۴].

قَالَ الأُستَاذُ: وَقَد فَسَّرُوا اشتَرَوا بِاستَبدَلُوا وَهُوَ غَيرُ سَدِيدٍ؛ لِأَنَّ بَينَ اللَّفظَينِ فَصلًا فِى المَعنَى وَكُلَّنَا نَعتَقِدُ وَالحَقُّ مَا نَعتَقِدُ أَنَّ القُرآنَ فِى أَعلَى دَرَجِ البَلَاغَةِ لَا يَختَارُ لَفظًا عَلَى لَفظٍ مِن شَأنِهِ أَن يَقُومَ مَقَامَهُ وَلَا يُرَجِّحَ أُسلُوبًا عَلَى أُسلُوبٍ يُمكِنُ تَأدِيَةُ المُرَادِ بِهِ إِلَّا لِحِكمَةٍ فِى ذَلِكَ وَخُصُوصِيَّةٍ لَا تُوجَدُ فِى غَيرِ مَا اختَارَهُ وَرَجَّحَهُ وَوَجهُ اختِيَارِهِ اشتَرَوا عَلَى استَبدَلُوا أَنَّ الأَوَّلَ أَخَصُّ مِن وَجهَينِ: أَحَدُهُمَا: أَنَّ الِاستِبدَالَ لَا يَكُونُ شِرَاءً إِلَّا إِذَا كَانَ فِيهِ فَائِدَةٌ يَقصِدُهَا المُستَبدَلُ مِنهُ سَوَاءٌ كَانَتِ الفَائِدَةُ حَقِيقِيَّةً أَو وَهمِيَّةً. ثَانِيهِمَا: أَنَّ الشِّرَاءَ يَكُونُ بَينَ مُتَبَايِعِينَ بِخِلَافِ الِاستِبدَالِ فَإِذَا أَخَذتَ ثَوبًا مِن ثِيَابِكَ بَدَلَ آخَرَ يُقَالُ: إِنَّكَ استَبدَلتَ ثَوبًا بِثَوبٍ فَالمَعنَى الَّذِى تُؤَدِّيهِ الآيَةُ: أَنَّ أُولَئِكَ القَومَ اختَارُوا الضَّلَالَةَ عَلَى الهُدَى لِفَائِدَةٍ لَهُم بِإِزَائِهَا يَعتَقِدُونَ الحُصُولَ عَلَيهَا مِنَ النَّاسِ فَهُوَ مُعَاوَضَةٌ بَينَ طَرَفَينِ يُقصَدُ بِهَا الرِّبحُ وَهَذَا هُوَ مَعنَى الِاشتِرَاءِ وَالشِّرَاءِ وَمَثَلُهُمَا البَيعُ وَالِابتِيَاعُ وَلَا يُؤَدِّيهِ مُطلَقُ الِاستِبدَالِ. (تفسیر المنار:۱/۱۳۹)

قرآنِ مجید کے اولین مخاطب عرب ہیں بیانِ اسلوب میں ان کی رعایت کی گئی ہے۔عرب جب کسی مسئلہ کی وضاحت کرتے ہیں تو دلیل کیساتھ مثال بیان کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں تا کہ کوئی پہلومخاطبین سے پوشیدہ نہ رہے،توبعینہ اسی طرح یہاں بھی یہی اسلوب اپنایا گیا ہے(۱) کہ ابتدائے سورت میں یہاں تک تین فریقوں کا بیان تھا:۔ ۱۔ مستفیدین (منعوم علیہم) ۲۔ منکرین (مغضوب علیہم) ۳۔ منافقین (ضالین)

اول الذکر جماعت کی مثال بیان کرنے کی چنداں ضرورت نہیں،اس لیے کہ عیاں راچہ بیاں! نیز اہل ایمان اپنے احوال سے بخوبی واقف ہیں، کیونکہ انسان کا علم اپنے نفس پر حضوری ہوتا ہےاامؤخر الذکر دونوں فریق (منکرین اورمنافقین) کے اوصاف بیان کرنے کے بعد مزید توضیح کے لیے مثالیں بیان کی جارہی ہیں،تا کہ ان کی صحیح طرح سے شناسائی ہوجائے اوران کے احوال سے اہل ایمان باخبر رہیں۔اب آیت کی تفسیر سمجھنے کے لیے چند مباحث ذہن نشیں رکھیں۔

۱۔ مثال کا لغوی اوراصطلاحی مفہوم ۲۔ تفسیر المفردات. ۳۔ عام مفسرین کرامؒ کی تحقیق ۴۔ ہمارے مشائخ کی تحقیق ۵۔ اطلاقات المثل فی القرآن. ۶۔ چنداشکالات اوران کے جوابات. ۷۔ اطلاقات النارفی القرآن. ۸۔ اطلاقات النورفی القرآن. ۹۔ اطلاقات الظلمات فی القرآن.

اب ذیل میں مذکورہ بالاعنوانات کی اختصار کیساتھ وضاحت کی جاتی ہے،ملاحظہ کیجئے۔

البحث الأول : مثال کالغوی اوراصطلاحی مفہوم

مثال لغت میں نظیر،صفت اورعبرت وغیرہ کے معنی میں آتا ہے،اس کی جمع "امثال" آتی ہےاوراصطلاح میں اس کلمہ (القول السائر) کوکہا جاتا ہے جولوگوں کے زبان پر جاری وساری ہو۔اورغرابت ولطافت پرمبنی ہو(۲)،یعنی مثال ایسی بات کو کہتے

======================

(۱) قال الشيخ أحمدمصطفى المراغي رحمه الله: نهج القرآن الكريم نهج العرب فی أساليبها فضرب الأمثال التی تجلی المعانی أتم جلاء، وتحدث فی النفوس من الأثر ما لا يقدر قدره، ولا يسبر غوره؛ لما فيها من إبراز المعقولات الخفية فی معرض المحسوسات الجليّة، وإظهار ما ينكر فی لباس ما يعرف ويشهر، وعلى هذا السنن ضرب اللّه مثل المنافقين [تفسیر المراغی:۱/۵۷].

(۲) قال العلامة ابن منظورالافريقی: ان للفظ "المثل" معانی مختلفة، كالنظيروالصفة والعبرة، ومايجعل مثالا لغيره يحذى عليه الى غير ذلك من المعانی.[لسان العرب:۱۱/۶۱۰، القاموس المحيط:۱۳۶۴].

وقال أبوالسعودالعمادی: والمثل فی الأصل بمعنى المثل والنظير يقال: مثل ومثل ومثيل، كشبه وشبه وشبيه، ثم أطلق على=

ہیں کہ جو کسی دوسری بات سے ملتی جلتی ہو، اور ان میں سے ہر ایک کے ذریعہ دوسری کا مطلب واضح ہو جاتا ہو۔

امثال کے اَن گنت فوائد اور حکمتیں ہیں۔ من جملہ ان میں سے تذکیر، وعظ، تخصیص، عبرت، تقریب المراد للعقل، مراد کی محسوس صورت میں نمائش، تفخیم، تحقیر، تحقیق، رفع الأستار عن الحقائق، اظہار المتخیل فی صورۃ المحقق، ابراز المتوہم فی معرض المتیقن، اختصار الالفاظ مع بلاغۃ المعنی اور انزال الغائب بمنزلۃ الحاضر وغیرہ ذلک..

قرآن مجید میں امثال کے اغراض ومقاصد کو بیان کیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَلَقَد ضَرَبنَا لِلنَّاسِ فِی هَذَا القُرآنِ مِن كُلِّ مَثَلٍ .(سورۃ الروم:۵۸) ایک جگہ فرمایا۔ وَتِلكَ الأَمثَالُ نَضرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُم يَتَفَكَّرُونَ .(سورۃ الحشر:۲۱) نیز ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَتِلكَ الأَمثَالُ نَضرِبُهَا لِلنَّاسِ وَمَا يَعقِلُهَا إِلَّا العَالِمُونَ .(سورۃ العنکبوت:۴۳) وغیرہ۔

رسول اللہ ﷺ، دیگر انبیاء علیہم السلام اور حکماء کے اقوال میں امثلہ بکثرت پائے جاتے ہیں۔ نیز اہل عرب کی عادت ہے، جب کسی مسئلہ کو بیان کرتے ہیں تو دلیل کیساتھ مثال بیان کرنے کا بھی اہتمام کرتے ہیں، ان کا یہ مقولہ مشہور ہے۔ المثال بلا ممثل كالفرس بلالجام والناقة بلازمام . (١)

=====================

= القول السائر الذی يمثل مضربه بمورده، وحيث لم يكن ذلك إلا قولا بديعا فيه غرابة صيرته جديرا بالتسيير فی البلاد وخليقا بالقبول فيما بين كل حاضر وباد، استعير لكل حال أو صفة أو قصة لها شأن عجيب وخطر غريب من غير أن يلاحظ بينها وبين شیء آخر تشبيه . [ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم:۱/۶۱، غرائب القرآن للنیسابوری:۱/۱۷۲، الکشاف:۱/۷۲].

(١) قال الماوردی: من أعظم علم القرآن علم أمثاله، والناس فی غفلة عنه؛ لاشتغالهم بالأمثال وإغفالهم الممثلات، والمثل بلا ممثل كالفرس بلا لجام، والناقة بلا زمام . وقال غيره : قد عده الشافعی مما يجب على المجتهد معرفته من علوم القرآن فقال: ثم معرفة ما ضرب فيه من الأمثال الدوال على طاعته المبينة؛ لاجتناب معصيته.

وقال الشيخ عز الدين: إنما ضرب الله الأمثال فی القرآن تذكيرا ووعظا فما اشتمل منها على تفاوت فی ثواب، أو على إحباط عمل، أو على مدح، أو ذم، أو نحوه؛ فإنه يدل على الأحكام .

وقال غيره: ضرب الأمثال فی القرآن يستفاد منه أمور كثيرة: التذكير، والوعظ، والحث، والزجر، والاعتبار، والتقرير، وتقريب المراد للعقل، وتصويره بصورة المحسوس؛ فإن الأمثال تصور المعانی بصورة الأشخاص؛لأنها أثبت فی الأذهان لأستعانة الذهن فيها بالحواس؛ ومن ثم كان الغرض من المثل تشبيه الخفی بالجلی والغائب بالشاهد. [الاتقان فی علوم القرآن:۲/۳۵۴]. مزید تفصیل کے لئے دیکھئے الأمثال والألوان فی القرآن الکریم لأستاذنا المکرم المفتی عبد المتین حفظہ اللہ.

معروف متبحر عالم علامہ ابن قیمؒ نے اس موضوع پر مستقل رسالہ ''الأمثال فی القرآن'' کے نام سے لکھا ہے، جس میں انہوں نے امثال قرآنی پر سیر حاصل بحث کی ہے۔

المبحث الثانی: تفسیر المفردات:

"مَثَلُهُم" یہ مبتداء ہے 'هم' ضمیر کا مرجع کفار ہے "کمثل الذی" اس کی خبر ہے اور مثال سے صفت یا حالت مراد ہے، جیسے مَثَلُ الجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ المُتَّقُونَ. (سورۃ محمد:١۵) أي صفة الجنة . "استَوقَدَ" جملہ صلہ ہے، اس میں ''س'' طلب کے لیے ہے، یا "استَوقَدَ"، "اوقد" کے معنی میں ہے، یعنی 'استفعل" بمعنی "افعل" ہے، جیسے "أستجاب" بمعنی "أجاب" اور اور 'استخلف" بمعنی 'أخلف" آتا ہے، اس صورت میں ''س'' زائدہ ہوگا۔ "فلما" حرف شرط ہے۔ "أَضَاءَ ت" فعل شرط ہے۔ یہ لازمی اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہوتا ہے، جیسے أضاء ت النار ، أضاء هاغيرها، اور ضاء القمر وأضاء وغیرہ کہا جاتا ہے(١)۔

"مَا حَولَه" میں ''ما'' زائدہ ہے اور ''ہ'' کے مرجع میں دو احتمال ہیں:۔ پہلا احتمال: ضمیر کا مرجع "نارا" ہے، تو معنی یہ ہوگا کہ آگ کے اردگرد... دوسرا احتمال: ضمیر کا مرجع " مستوقد" ہے، یعنی مستوقد کے اردگرد...

"ذَهَبَ اللّهُ بِنُورِهِم "جملہ جزاء ہے، "ذهب" ، "أخذ" کے معنی میں ہے، جیسے کہا جاتا ہے۔ "ذهب السلطان بماله." اذا أخذ ه . یعنی اللہ تعالی نے نور کو سلب کر کے ان کو کفر وشرک کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں چھوڑ دیا، اب وہ کسی چیز کو دیکھنے کے قابل نہ رہے۔ "ذهاب" کی اسناد اللہ تعالی کی طرف حقیقی ہے اور "ذهاب" کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، پہلی صورت یہ ہے کہ اللہ تعالی ان کی روحانیت کو سلب کر دے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی آسمانی آفات آپڑے، جو ان کی بصارت کو ختم کر دے، اور یہ دونوں انسانی قدرت سے بالاتر ہیں۔ "ظلمات" جمع نکرہ ہے، جو مفید تعمیم ہے، قرآن مجید میں بار بار ایمان کو نور اور کفر وشرک کو ظلمات کہا گیا ہے، نور اس کو کہتے ہیں جو بذاتہ اور بنفسہ ظاہر ہو اور دوسرے لیے مظہر ہو۔ اور ضیاء اس کو کہا جاتا ہے، جو نور سے منتشر ہو، ضیاء نور کے لیے اصل مبدء اور سرچشمہ ہے، یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالی نے "جعل الشمس ضياء والقمر نورا" میں شمس کو ضیاء اور قمر کو کہا ہے، اس لیے کہ قمر کی روشنی میں وہ انتشار اور پھیلاؤ نہیں جو آفتاب کی روشنی میں

==================

(١) زاد المسیر فی علم التفسیر:١/٢۵، بذیل ہذہ الآیۃ.

ہے۔اور "لایبصرون" کے مفعول کو تعمیم بنا بر حذف کیا گیا ہے۔(۲)

المبحث الثالث: عام مفسرین کرامؒ کی تحقیق:

عام مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالی نے منافقین کے اوصاف کو بیان کر دیا تو اب یہاں سے ان کے احوال کی وضاحت کے لئے دو مثالیں بیان کی جا رہی ہیں اور یہ دونوں مثالیں منافقین کی ہیں، تا کہ ان کے احوال کو خوب آشکارا کیا جائے ۔اس کی تفصیل یہ ہے۔منافقین کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے تاریک رات کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں شمع ہدایت جلا کر کے اپنے گردونواح کو روشن کیا ہو۔جن کا یہ شب وروز مشاہدہ کرتے ہیں، اس ظاہر روشنی کے باوجود کفر وشرک کے بھیانک اندھیروں میں سرگرداں ہو کر اتباع رسول ﷺ اور نورِ قرآنی کو نظر انداز کر کے کفر وشرک کے قعر مذلت میں گر پڑے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور دیگر صحابہ کرامؓ سے اس آیت کی تفسیر اس طرح منقول ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب ہجرت فرما کر مدینہ منورہ تشریف فرما ہوئے، تو کچھ لوگ اسلام میں داخل ہوئے، اور عرصہ بعد منافق بن گئے، تو ان کی مثال ایسی ہے کہ جیسے کوئی شخص ظلمت اور تاریکی میں تھا، اس نے آگ جلائی، جس سے گردونواح روشن ہوا، آس پاس کی تمام چیزیں نظر آنے لگیں اور چیز بچنے کی قابل تھیں وہ اس کو معلوم ہو گئیں، اچانک وہ آگ بجھ گئی اور راستہ کے کانٹے اس کی نگاہ سے اوجھل ہو گئے، اب وہ حیران وپریشان ہے کہ کس چیز سے بچے اور کس چیز سے نہ بچے، اسی طرح بعینہ یہ منافقین روز اول سے کفر وشرک کی ظلمتوں اور تاریکیوں میں تھے، پھر انہوں نے اسلام قبول کیا، جس کی وجہ سے انہیں خیر وشر کی تمیز ہوئی اور پھر وہ اسی حالت میں منافق ہوئے، حسب سابق کفر وشرک کی تاریکیوں میں جا پھنسا، اب پھر اسے خیر وشر کی کوئی پہچان نہ رہی۔امام فخر الدین رازیؒ نے اس تشبیہ کو صحیح قرار دیا ہے۔(۲)

طلباء محترم! اس مثال سے درج ذیل تین باتیں مستفاد ہوتی ہیں:۔

ا۔ حصول الفوائد بسبب الایمان، یعنی ایمان کے اظہار سے ان کے اموال ودماء محفوظ ہو گئے اور مالِ غنیمت میں بھی ان کا استحقاق رہا۔ ۲۔ اظہار الایمان. ۳۔ اظہار نفاقہم لأہل الایمان.

معروف مفسر خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ مثل ضربه الله لإيمان المنافقين من حيث أنه يعود عليهم بحقن الدماء

---

(۱) غرائب القرآن:۱/۱۷۴

(۲) تفسیر کبیر:۲/۳۱۲.

وسلامة الأموال والأولاد ومشاركة المسلمين فی المغانم والأحكام بالنار الموقدة للاستضائة ولذهاب أثره وانطماس نوره بإهلاكهم وإفشاء حالهم بإطفاء الله تعالى إياها وإذهاب نورها هذا هو الوارد .(١)

المبحث الرابع: ہمارے مشایخ کرامؒ کی تحقیق:

ہمارے مشایخ فرماتے ہیں کہ تاریخ عالم شاہد ہے کہ جب بھی کسی داعی توحید نے دعوت توحید پیش کی، ہمیشہ لوگ دو جماعتوں میں تقسیم ہوئے، کچھ لوگوں نے دعوت توحید کو مان لیا اور مؤمنین کہلائے اور رکچھ لوگوں نے اس دعوت کا انکار کر دیا، اور وہ کفار کے نام سے موسوم ہوئے، پھر جب اہل ایمان کو دنیوی اور مادی اقتدار حاصل ہوگیا، تو کفار میں خوشامدی لوگوں کی ایک جماعت پیدا ہوگئی، یہ لوگ ایک طرف مسلمانوں کے اقتدار سے مرعوب وخائف ہوئے، اس لیے اسلام کو اظہار کرتے اور اپنے آپ کو اسلام اور مسلمانوں کے خیرخواہ ظاہر کرتے، تاہم دوسری طرف کافروں سے ملے رہتے، یہ منافقین کی جماعت ہے، کافر اسلام اور مسلمانوں کے لیے ہوتے ہیں، لیکن منافقین کافروں سے کہیں زیادہ خطرناک ہوتے ہیں، کیونکہ منافقین مسلمانوں میں ملے جلے رہتے ہیں اور یہ مسلمانوں کو اس قدر نقصان دے سکتے ہیں کہ اتنا نقصان دشمن اور بیگانے بھی نہیں پہنچا سکتے ہیں، اللہ تعالی نے ان تینوں جماعتوں یعنی مؤمنین، کفار اور منافقین کا حال بیان کرنے کے بعد مؤخر الذکر دو جماعتوں کا حال خوب واضح کرنے کے بعد دو مثالیں بیان فرمائی ہیں، ایک مثال علانیہ کافروں کے لیے "مثلهم" تا "لا یرجعون" اور ایک مثال منافقوں کے لیے "أو کصیب" سے آخر رکوع تک۔ اور "أو کصیب من السماء ......" میں "أو" تنویع کے لئے ہے، کیونکہ قرآنِ مجید کی سب سے افضل اور بہتر تفسیر القرآن بالقرآن ہے، پھر اس کے بعد تفسیر القرآن بالأحادیث، پھر تفسیر القرآن بأقوال الصحابۃ اور پھر تفسیر القرآن الآیات باعتبار السیاق والسباق ہے(۲)، اس کو علم التأویل بھی

=================

(١) السراج المنیر للخطیب الشربینی:١/٣٤.

(٢)قال شيخ الاسلام ابن تيمية رحمه الله: فَإِن قَالَ قَائِلٌ: فَمَا أَحسَنُ طُرُقِ التَّفسِيرِ؟ فَالجَوَابُ: أَنَّ أَصَحَّ الطُّرُقِ فِي ذَلِكَ أَن يُفَسَّرَ القُرآنُ بِالقُرآنِ؛ فَمَا أُجمِلَ فِي مَكَانٍ فَإِنَّهُ قَد فُسِّرَ فِي مَوضِعٍ آخَرَ وَمَا اُختُصِرَ مِن مَكَانٍ فَقَد بُسِطَ فِي مَوضِعٍ آخَرَ فَإِن أَعيَاك ذَلِكَ فَعَلَيك بِالسُّنَّةِ فَإِنَّهَا شَارِحَةٌ لِلقُرآنِ وَمُوَضِّحَةٌ لَهُ؛ بَل قَد قَالَ الإِمَامُ أَبُو عَبدِ اللَّهِ مُحَمَّدُ بنُ إدرِيسَ الشَّافِعِيُّ: كُلُّ مَا حَكَمَ بِهِ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ فَهُوَ مِمَّا فَهِمَهُ مِن القُرآنِ قَالَ اللَّهُ تَعَالَى: ﴿إِنَّا أَنزَلنَا إِلَيكَ الكِتَابَ بِالحَقِّ لِتَحكُمَ بَينَ النَّاسِ بِمَا أَرَاكَ اللَّهُ وَلَا تَكُن لِلخَائِنِينَ خَصِيمًا﴾ وَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَأَنزَلنَا إِلَيكَ الذِّكرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيهِم وَلَعَلَّهُم يَتَفَكَّرُونَ﴾ وَقَالَ تَعَالَى: ﴿وَمَا أَنزَلنَا عَلَيكَ الكِتَابَ إِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ الَّذِي اختَلَفُوا فِيهِ وَهُدًى وَرَحمَةً لِقَومٍ يُؤمِنُونَ﴾ وَلِهَذَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ=

کہتے ہیں، تو شیوخ رحمہم اللہ کی تحقیق آیت کے سیاق وسباق کے عینِ مطابق ہے اس لئے کہ قرآن کریم ایک جامع، فصیح اور بلیغ کتاب ہے جب کسی مسئلہ کو ذکر کرتا ہے، تو اس میں اپنی پوری جامعیت کا اظہار کرتا ہے اور اس کے کسی پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑتا۔ تو یہاں بھی ماقبل میں "اِنّ الذین کفروا ......" سے کفار کے احوال کا بیان تھا اور "من النّاس من یقول اٰمنّا باللہ ......" سے منافقین کے احوال کا انکشاف کیا گیا۔ تو اب ہم اگر یہاں مثالوں کو تقسیم کردیں تو جامعیت فی الأمثلۃ والمضمون باقی اپنے حال میں رہے گی۔ اور اس میں کسی قسم کی کمی نہیں آئے گی اور اگر یہاں پر تقسیم فی الأمثلۃ سے صرفِ نظر کرکے دونوں کو ایک فریق کی مثال قرار دی جائے۔ تو اس میں وہ جامعیت فی المضمون باقی نہیں رہے گی۔

==================

= أَلَا إِنِّی أُوتِیتُ القُرآنَ وَمِثلَهُ مَعَهُ . یَعنِی السُّنَّةَ. وَالسُّنَّةُ أَیضًا تَنزِلُ عَلَیهِ بِالوَحیِ کَمَا یَنزِلُ القُرآنُ؛ لَا أَنَّهَا تُتلَی کَمَا یُتلَی وَقَد استَدَلَّ الإِمَامُ الشَّافِعِیُّ وَغَیرُهُ مِن الأَئِمَّةِ عَلَی ذَلِكَ بِأَدِلَّةٍ کَثِیرَةٍ لَیسَ هَذَا مَوضِعَ ذَلِكَ. وَالغَرَضُ أَنَّكَ تَطلُبُ تَفسِیرَ القُرآنِ مِنهُ فَإِن لَم تَجِدهُ فَمِن السُّنَّةِ کَمَا قَالَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ لِمُعَاذٍ حِینَ بَعَثَهُ إِلَی الیَمَنِ: بِمَ تَحکُمُ؟ قَالَ: بِکِتَابِ اللَّهِ. قَالَ: فَإِن لَم تَجِد قَالَ بِسُنَّةِ رَسُولِ اللَّهِ. قَالَ: فَإِن لَم تَجِد قَالَ أَجتَهِدُ رَأیِی. قَالَ: فَضَرَبَ رَسُولُ اللَّهِ ﷺ فِی صَدرِهِ وَقَالَ: الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِی وَفَّقَ رَسُولَ رَسُولِ اللَّهِ لِمَا یُرضِی رَسُولَ اللَّهِ . وَهَذَا الحَدِیثُ فِی المَسَانِدِ وَالسُّنَنِ بِإِسنَادٍ جَیِّدٍ. وَحِینَئِذٍ إِذَا لَم نَجِد التَّفسِیرَ فِی القُرآنِ وَلَا فِی السُّنَّةِ رَجَعنَا فِی ذَلِكَ إِلَی أَقوَالِ الصَّحَابَةِ؛ فَإِنَّهُم أَدرَی بِذَلِكَ لِمَا شَاهَدُوهُ مِن القُرآنِ وَالأَحوَالِ الَّتِی اختَصُّوا بِهَا؛ وَلِمَا لَهُم مِن الفَهمِ التَّامِّ وَالعِلمِ الصَّحِیحِ وَالعَمَلِ الصَّالِحِ؛ لَا سِیَّمَا عُلَمَاؤُهُم وَکُبَرَاؤُهُم کَالأَئِمَّةِ الأَربَعَةِ الخُلَفَاءِ الرَّاشِدِینَ وَالأَئِمَّةِ المَهدِیِّینَ. (مجموع الفتاوی:۱۳/۳۶۴)

وقال العلامة بدرالدین الزرکشی رحمه الله: لطالب التَّفسِیرِ مَآخِذُ کَثِیرَةٌ أُمَّهَاتُهَا أَربَعَةٌ: الأَوَّلُ: النَّقلُ عَن رَسُولِ اللَّهِ ﷺ وَهَذَا هُوَ الطِّرَازُ الأَوَّلُ لَکِن یَجِبُ الحَذَرُ مِنَ الضَّعِیفِ فِیهِ وَالمَوضُوعِ فَإِنَّهُ کَثِیرٌ وَإِنَّ سَوَادَ الأَوراقِ سَوَادٌ فِی القَلبِ...الثَّانِی: الأَخذُ بِقَولِ الصَّحَابِیِّ؛ فَإِنَّ تَفسِیرَهُ عِندَهُم بِمَنزِلَةِ المَرفُوعِ إِلَی النَّبِیِّ ﷺ کَمَا قَالَهُ الحَاکِمُ فِی تَفسِیرِهِ...وَفِی الرُّجُوعِ إِلَی قَولِ التَّابِعِیِّ رِوَایَتَانِ عَن أَحمَدَ وَاختَارَ ابنُ عَقِیلٍ المَنعَ وَحَکَوهُ عَن شُعبَةَ لَکِنَّ عَمَلَ المُفَسِّرِینَ عَلَی خِلَافِهِ وَقَد حکوا فی کتبهم أقوالهم وَغَالِبُ أَقوَالِهِم تَلَقَّوهَا مِنَ الصَّحَابَةِ وَلَعَلَّ اختِلَافَ الرِّوَایَةِ عَن أَحمَدَ إِنَّمَا هُوَ فِیمَا کَانَ مِن أَقوَالِهِم وَآرَائِهِم. (البرہان فی علوم القرآن:۲/۱۵۶-۱۵۸)

وقال الامام ابن أبی حاتم الرازی رحمه الله: فإن قیل کیف السبیل إلی معرفة ما ذکرت من معانی کتاب الله عزوجل ومعالم دینه قیل: بالآثار الصحیحة عن رسول الله صلی الله علیه وسلم وعن أصحابه النجباء الألباء الذین شهدوا التنزیل وعرفوا التأویل رضی الله تعالی عنهم. (الجرح والتعدیل:۱/۲)

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اللہ تعالی نے انسانیت کی ہدایت ورہنمائی کے لئے قرآنِ کریم نازل فرمایا اور قرآنی تعلیمات سے خلقِ خدا کو آشنا کرنے کے لیے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا تو جن لوگوں آپ ﷺ کی دعوت کے سامنے سرِ تسلیم خم کیا تو وہ اہل ایمان کہلائے اور جنہوں نے اس سے انکار کیا تو وہ کفار کہلاتے ہیں تو یہاں سے نہ ماننے والوں (کفار) کے احوال کی وضاحت ایک مثال کے ذریعے سے کی جاتی ہے توضیح مثال یہ ہے یہ مثال رسول اللہ ﷺ کے قرآن کریم بیان کرنے اور کفار کی نہ ماننے کی ہے یعنی عدمِ تسلیم اور عدمِ افادہ کی ہے اور " مثلهم " سے مراد کفار اور "الذی استوقد" سے رسول اللہ ﷺ مراد ہیں اور "نار " سے قرآن کریم مراد ہے، یہاں عبارت میں اندماج ہے۔ "وهھنا رجال قاعدون " یعنی ان کفار کی مثال اس شخص کی مانند ہے جس نے آگ جلائی ہو اور اس نے اس کے اردگرد کو روشن کیا ہو تو پھر اللہ تعالی اس کی روشنی کو لے جائے اور ان کو تاریکیوں میں چھوڑ دے۔

یہی حالت اہل مکہ کی ہے کہ اللہ تعالی نے رسول اللہ ﷺ کو مبعوث فرمایا اور قرآن کریم روشنی نازل فرمائی اور اس نے اپنے ارگرد روشن کیا اور اطرافِ عالم سے لوگوں نے جوق درجوق اسلام قبول کرنے کے لئے مکہ مکرمہ کا رُخ کیا اور ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے، لیکن اہل مکہ نے اس کی طرف کوئی التفات نہیں کیا اور اپنے ضد وعناد پر تلے رہے۔ اللہ تعالی اس نور کو لے گیا ۔اور اہل مکہ اسی طرح اندھیروں میں رہے گے، کیونکہ حق کو قبول کرنے کے لیے حواس اور اسباب علم کا سلامت ہونا شرط ہے اور ان کے تمام ذرائع علم مفلوج ہو چکے ہیں تو وہ حق کو کیسے قبول کر سکتے ہیں؟

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بظاہر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مذکورہ توجیہ میں توہین کا شائبہ ہے، کیونکہ "مثلهم " کی ضمیر کفار کی طرف راجع ہے اور "استوقد" کے ضمیر کا مرجع رسول اللہ ﷺ ہیں، تو اس میں کفار کی تشبیہ ذاتِ رسول ﷺ کیساتھ لازم آرہی ہے؟؟

جواب: درحقیقت یہ تشبیہ مرکب ہے، ذوات کی تشبیہ ذوات کیساتھ نہیں، بلکہ قصہ کی تشبیہ قصہ کیساتھ ہے، اور وہ اس طرح کہ مشبہ بہ(مستوقد) کی جانب میں چند چیزیں ملحوظ ہیں مثلا: آگ روشن کرنا، آگ کا بجھ جانا، آگ سے رہنمائی حاصل کرنا اور حیران وپریشان رہ جانا وغیرہ..اور اسی طرح مشبہ کی بھی متعدد اشیاء ملحوظ ہیں مثلا: ذرائع ہدایت کا مہیا ہونا، اسبابِ ہدایت سے لاپرواہی کرنا، حسرت زدہ رہے جانا وغیرہ۔ معروف مفسر علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ وقیل : إنما شبه قصتهم بقصة المستوقد (١).

=================

(۱) تفسیر لباب التأویل فی معانی التنزیل للخازن: ۲۹/۱، تفسیر کبیر للرازی: ۳۱۳/۲.

جلیل القدر مفسر علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں۔ علی أنّ المنافقین وذواتهم لم یشبهوا بذات المستوقد حتی یلزم منه تشبیه الجماعة بالواحد؛ إنما شبهت قصتهم بقصة المستوقد۔ ونحوه قوله:﴿مَثَلُ الَّذِینَ حُمِّلُوا التَّوراةَ ثُمَّ لَم یَحمِلُوها کَمَثَلِ الحِمارِ یَحمِلُ أَسفاراً﴾ وقوله:﴿ یَنظُرُونَ إِلَیكَ نَظَرَ المَغشِیِّ عَلَیهِ مِنَ المَوتِ﴾. (۱)

نیز یہ محض مثال ہے اور مثال کے لئے خارج اور نفس الأمر میں وقوع شرط نہیں۔

المبحث الخامس: اطلاقات المثل فی القرآن:

قرآن مجید میں مثل کا اطلاق متعدد معانی پر کیا گیا ہے، تاہم ذیل میں چند اطلاقات ذکر کیے جاتے ہے ہیں۔ ملاحظہ کیجئے۔

پہلا معنی:......مثل بمعنی المواعظ والنصیحۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَلَقَد صَرَّفنَا فِی هَذَا القُرآنِ لِلنَّاسِ مِن کُلِّ مَثَلٍ. (سورۃ الکہف:۵۴).

دوسرا معنی:......مثل بمعنی العذاب، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَسَکَنتُم فِی مَسَاکِنِ الَّذِینَ ظَلَمُوا أَنفُسَهُم وَتَبَیَّنَ لَکُم کَیفَ فَعَلنَا بِهِم وَضَرَبنَا لَکُمُ الأَمثَالَ.(سورۃ ابراہیم:۴۵).

تیسرا معنی:......مثال بمعنی الشان، جیسا کہ ارشاد ہے۔ لِلَّذِینَ لَا یُؤمِنُونَ بِالآخِرَةِ مَثَلُ السَّوءِ وَلِلَّهِ المَثَلُ الأَعلَى. (سورۃ النحل:۶۰).

چوتھا معنی:...... مثل بمعنی العبرۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَجَعَلنَاهُم سَلَفًا وَمَثَلًا لِلآخِرِینَ .(سورۃ الزخرف:۵۶) أی عبرة لمن بعدهم .

پانچواں معنی:...... مثل بمعنی الصورۃ والصفۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ مَثَلُ الجَنَّةِ الَّتِی وُعِدَ المُتَّقُونَ.(سورۃ محمد:۱۵) أی صفة الجنة .

چھٹا معنی:......مثل بمعنی الأحوال، جیسا کہ ارشاد ہے۔ مَثَلُهُم کَمَثَلِ الَّذِی استَوقَدَ نَارًا...... (سورۃ البقرۃ:۱۷) أی حالهم کحال الذی استوقد نارا.(۲)

اس آیت میں بھی مثل بمعنی حال وصفت کے ہے، اب معنی یوں ہوگا کہ ان منافقین کا حال یا ان کی صفت اظہار ایمان میں اس

=================

(۱) تفسیر کشاف:۱/۷۳.

(۲) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز:۴/۴۸۱.

شخص کے مانند ہے، جس نے آگ جلائی ہو " مَثَلُهُم كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوقَدَ نَارًا......" یہ ان کے ظاہری ایمان لانے سے عبارت ہے کہ مومنین کیساتھ کلمہ توحید "لااله الا الله" کا اقرار کرتے ہیں۔

المبحث السادس: چند اشکالات اور ان کے جوابات:

پہلا اشکال:

بظاہر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آیت کے اول میں "استوقدنارا" اور آخر میں "ذهب الله بنورهم" مذکور ہے، حالانکہ یہاں بھی "ذهب الله بنارهم" کہنا چاہیے تھا، اس کی کیا حکمت ہے؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں اگر "بنارهم" فرماتے تو پھر یہ وہم پیدا ہوتا کہ جب اللہ تعالی آگ کو لے گیا، تو اس میں ان کا کوئی نقصان نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ان پر کوئی تکلیف آئی۔ اور جب کہ "بنورهم" میں اشارہ ہے کہ جب اللہ تعالی نے نور ختم کر دیا اور چونکہ نور آگ کا اثر ہوتا ہے، تو جو چیز فائدے کی تھی، اللہ تعالی نے اسے ختم کر دیا اور جس میں کوئی فائدہ نہ تھا۔ تو اسے چھوڑ دیا۔۔ تو اسی طرح منافقین کا ظہورِ ایمان دنیوی مفاد کے حصول کی خاطر تھا اور جب ان کا نفاق ظاہر ہوا، تو وہ منافع بھی ختم ہو گئے اور احراق (ضرر و نقصان) اب بھی ان میں تا حال باقی ہے۔

دوسرا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ "بنورهم" اس لئے فرمایا کہ آگ جلانے سے مقصود صرف ''نور'' تھا، اللہ تعالی نے اصل مقصود کو فوت کر دیا۔ جلیل القدر مفسر قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ انما قال بنورهم، ولم يقل بنارهم؛ لأنه المراد من ايقادها . (۱).

دوسرا اشکال:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سیاق وسباق کے مطابق "ذهب الله بضوئهم" کیوں نہیں ارشاد فرمایا؟

جواب: دراصل معنی اور مفہوم کے اعتبار سے "بنورهم" زیادہ ابلغ ہے، کیونکہ یہاں پر اصلاً ان سے نور سلب کیا گیا۔ اور روشنی تو شدتِ نور سے عبارت ہے، جب کہ نور (مؤثر) کا ختم ہونا روشنی (اثر) ختم ہونے کو مستلزم ہے، معروف مفسر علامہ نیسابوریؒ فرماتے ہیں۔ لأن ذكر النور أبلغ في الغرض وهو إزالة النور عنهم رأساً وطمسه أصلاً فإن

========================

(۱) تفسیر بیضاوی: ۱/۱۹۰.

الضوء شدة النور وزيادته وذهاب الأصل يوجب زوال الزيادة عليه دون العكس (١).

تیسرا اشکال:

بظاہر اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ ایک جماعت کی مثال ہے، تو پھر مناسب یہ تھا کہ تمام صیغے مفرد یا جمع کے لائے جاتے، حالانکہ یہاں پر "استوقد" اور "أضآء ت" دونوں مفرد ہیں اور "بنورھم" اور "ترکھم" دونوں جمع کے صیغے ہیں، اس کی کیا حکمت ہو سکتی ہے؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہاں پر "الذی" بمعنی "الذین" جمع کے ہے اور "فوج" یا "جماعۃ" مقدر ہے۔ أی کمثل فوج أوجماعة الذی استوقد نارا فلما اضآء ت ما حوله .. اور "ماحوله" میں ضمیر "الذی" کی طرف راجع ہے اور "الذی" بمعنی "الذین" کے قرآن کریم میں مستعمل ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَخُضتُم كَالَّذِي خَاضُوا.. (سورة التوبة:٦٩) أی خضتم كالذين خاضوا.(٢)

دوسرا جواب: حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ "الذی" لفظاً مفرد اور معناً جمع ہے اور "استوقد" اور "ماحوله" میں لفظ کا لحاظ کیا گیا ہے۔ اس لئے مفرد لایا گیا ہے اور "بنورھم" اور "ترکھم" میں معنی کی رعایت کی گئی ہے، اس لیے انہیں جمع لایا گیا ہے۔

تیسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ مستوقد ایک ہوتا ہے اور مستفدین کثیر ہوتے ہیں، یعنی آگ جلانے والا ایک ہوتا ہے اور اس سے مستفید ہونے والے کثیر افراد ہوتے ہیں۔ اس لئے "استوقد" اور "ماحوله" میں مفرد کے ضمائر مستوقد کے اعتبار سے ہیں۔ اور "بنورھم" اور "ترکھم" میں جمع کے ضمائر مستفیدین کے اعتبار سے ہیں۔ اس لئے جمع لایا گیا ہے کہ مستوقد ایک ہے اور استفادہ کرنے والے افراد متعدد ہوتے ہیں۔

==================

(١) غرائب القرآن للنیسابوری:١/١٧٤.

(٢) قال الشيخ السيد رشيد رضارحمه الله: العرب تستعمل لفظ "الذی" فی الجمع كلفظی "ما" و"من" ومنه قوله تعالى: ﴿وخضتم كالذی خاضوا﴾ وإن شاع فی "الذی" الإفراد ؛ لأن له جمعا، وقد روعی فی قوله "استوقد" لفظه، وفی قوله: ﴿ذهب الله بنورهم﴾ معناه والفصيح فيه مراعاة اللفظ أولا ومراعاة المعنى آخرا. والتفنن فی إرجاع الضمائر متفرعة ضرب من استعمال البلغاء يقرر المعنى فی الذهن ويهبه فضل تمكن، وتأكيد بما يحدث فيه من الروية والتوجه إلى الإحاطة بمعانی المختلفات. [تفسیر المنار:١٤٢، الجامع لأحکام القرآن:١/٢١٢، تفسیر کبیر للرازی:٢/٣١٣، البحر المحیط:١/١٢٥].

چوتھا اشکال:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ آگ کو تمثیل کے طور پر ذکر کرنے کی کیا حکمت ہے؟

جواب: اہل علم فرماتے ہیں۔ کہ آگ کیساتھ مثال دینے کی تین حکمتیں ہیں۔

پہلی حکمت:......آگ سے استفادہ کرنے والا مستعیر کی مانند ہوتا ہے اور منافق بھی اظہارِ ایمان میں مستعیر ہے۔

دوسری حکمت:......آگ اپنی بقاء میں مادے کا محتاج ہے جب مادہ ختم ہوجائے تو آگ بھی ختم ہوجاتی ہے تو اسی طرح نورِ ایمان بھی اپنی بقاء میں مادے یعنی تصدیق قلبی کا محتاج ہے تا کہ وہ قائم ودائم رہے۔

تیسری حکمت:...... روشنی کے بعد جو تاریکی چھا جاتی ہے تو وہ بہت گراں گزرتی ہے بنسبت اس تاریکی کے جس سے پہلے روشنی نہ ہو، تو اس لئے آگ کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ مفسر شہیر علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں۔ وفی ضرب المثل لهم بالنار ثلاث حِكم: إحداها: أن المستضيء بالنار مستضيء بنور من جهة غيره، لا من قبل نفسه، فاذا ذهبت تلك النار بقي في ظلمة، فكأنهم لما أقروا بألسنتهم من غير اعتقاد قلوبهم، كان نور إيمانهم كالمستعار . والثانية: أن ضياء النار يحتاج في دوامه إلى مادة الحطب فهو له كغذاء الحيوان، فكذلك نور الإيمان يحتاج إلى مادة الاعتقاد؛ ليدوم. والثالثة: أن الظلمة الحادثة بعد الضوء أشد على الإنسان من ظلمة لم يجد معها ضياء؛ فشبه حالهم بذلك .(۱)

المبحث السابع: اطلاقات النارفی القرآن:

"نار" **اصل میں** (جوهر لطيف مضيء حارّ محرق) **اس جوہر لطیف کو کہتے ہیں جو روشن، گرم اور جلانے والا ہو۔ اور یہ قرآنِ مجید میں متعدد معانی میں مستعمل ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں۔**

پہلا معنی:......**نار بمعنی نارِ جہنم، جیسا کہ ارشاد ہے۔** فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاسُ وَالحِجَارَةُ.(**سورۃ البقرۃ:۲۴**).

دوسرا معنی:...... **نار بمعنی الحرام، جیسا کہ ارشاد ہے۔** أُولَـئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِم إِلَّا النَّارَ.(**سورۃ البقرۃ:۱۷۴**)

ایک جگہ ارشاد ہے۔ إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَموَالَ اليَتَامَى ظُلمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِم نَارًا .(**سورۃ النساء:۱۰**).

تیسرا معنی:...... **نار بمعنی الکفر والمعاصی، جیسا کہ ارشاد ہے۔** أُولَئِكَ يَدعُونَ إِلَى النَّارِ.(**سورۃ البقرۃ:۲۲۱**).

==================

(۱) زاد المسیر فی علم التفسیر:۱/ ۳۷.

چوتھا معنی:....... نار بمعنی الحرارة، جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَأَصَابَهَا إِعصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحتَرَقَت .(سورۃ البقرۃ:۲٦٦).

پانچواں معنی:......نار بمعنی التحضیض علی العداوۃ والحرب، جیسا کہ ارشاد ہے۔ كُلَّمَا أَوقَدُوا نَارًا لِلحَربِ أَطفَأَهَا اللَّهُ .(سورۃ المائدۃ:٦٤).

چھٹا معنی:......نار بمعنی مادۃ خلق الجن، جیسے ارشاد ہے۔قَالَ أَنَا خَيرٌ مِنهُ خَلَقتَنِي مِن نَارٍ وَخَلَقتَهُ مِن طِينٍ.(الأعراف:۱۲)

ساتواں معنی:......نار بمعنی النار الدنیوی، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَمِمَّا يُوقِدُونَ عَلَيهِ فِي النَّارِ ابتِغَاءَ حِليَةٍ.(الرعد:۱۷).

آٹھواں معنی:....... نار بمعنی العذاب البرزخی، جیسا کہ ارشاد ہے۔ النَّارُ يُعرَضُونَ عَلَيهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا.(المومن:٤٦).

نواں معنی:...... نار بمعنی النور، جیسا کہ ارشاد ہے۔ إِذ رَأَى نَارًا فَقَالَ لِأَهلِهِ امكُثُوا إِنِّي آنَستُ نَارًا(سورۃ طٰہٰ:۱۰)

اس آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔(۲)

البحث الثامن: اطلاقات النورفی القرآن:

"نـــــــــــور" اصل میں (ضوء النار) آگ اور ہر چمکنے والی چیز کی روشنی کو کہتے ہیں، قرآن مجید میں اس کا اطلاق متعدد معانی پر کیا گیا ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

پہلا معنی:...... نور بمعنی قرآن، جیسا کہ ارشاد ہے۔ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَد جَاءَكُم بُرهَانٌ مِن رَبِّكُم وَأَنزَلنَا إِلَيكُم نُورًا مُبِينًا .(سورۃ النساء:۱۷٤) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَكَذَلِكَ أَوحَينَا إِلَيكَ رُوحًا مِن أَمرِنَا مَا كُنتَ تَدرِي مَا الكِتَابُ وَلَا الإِيمَانُ وَلَكِن جَعَلنَاهُ نُورًا. (الشوریٰ:۵۲) ایک جگہ فرمایا۔ فَآمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالنُّورِ الَّذِي أَنزَلنَا .(التغابن:۸)

دوسرا معنی:......نور بمعنی صفات الرسول، جیسا کہ ارشاد ہے۔ يَا أَهلَ الكِتَابِ قَد جَاءَكُم رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُم كَثِيرًا مِمَّا كُنتُم تُخفُونَ مِنَ الكِتَابِ وَيَعفُو عَن كَثِيرٍ قَد جَاءَكُم مِنَ اللَّهِ نُورٌ وَكِتَابٌ مُبِينٌ.(سورۃ المائدۃ:۱۵).

تیسرا معنی:......نور بمعنی دین الاسلام، جیسا کہ ارشاد ہے۔ يُرِيدُونَ أَن يُطفِئُوا نُورَ اللَّهِ بِأَفوَاهِهِم وَيَأبَى اللَّهُ إِلَّا أَن يُتِمَّ نُورَهُ وَلَو كَرِهَ الكَافِرُونَ.(سورۃ التوبۃ:۳۲) .

چوتھا معنی:...... نور بمعنی التوحید والایمان، جیسا کہ ارشاد ہے۔ اللَّهُ وَلِيُّ الَّذِينَ آمَنُوا يُخرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النّوُرِ.(سورۃ البقرۃ:۲۵۷).

===================

(۱) قاموس القرآن:

پانچواں معنی:......نور بمعنی صفات اللہ تعالیٰ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ اللَّهُ نُورُ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ ..(سورۃ النور:۳۵).

چھٹا معنی:...... نور بمعنی مقابل الظلمۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِی خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ. (سورۃ الأنعام:۱).

ساتواں معنی:...... نور بمعنی تجلیات الربّ تعالیٰ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَأَشرَقَتِ الأَرضُ بِنُورِ رَبِّهَا..(الزمر:۶۹).

آٹھواں معنی:......نور بمعنی نور اہل الجنۃ، جیسا کہ ارشاد ہے۔ یَومَ تَرَی المُؤمِنِینَ وَالمُؤمِنَاتِ یَسعَی نُورُهُم بَینَ أَیدِیهِم وَبِأَیمَانِهِم.. (سورۃ الحدید:۱۲) ایک جگہ فرمایا۔ یَومَ یَقُولُ المُنَافِقُونَ وَالمُنَافِقَاتُ لِلَّذِینَ آمَنُوا انظُرُونَا نَقتَبِس مِن نُورِکُم قِیلَ ارجِعُوا وَرَائَکُم فَالتَمِسُوا نُورًا..(سورۃ الحدید:۱۳).

نواں معنی:...... نور بمعنی ضوء القمر، جیسا کہ ارشاد ہے۔ هُوَ الَّذِی جَعَلَ الشَّمسَ ضِیَاءً وَالقَمَرَ نُورًا.(سورۃ یونس:۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَجَعَلَ القَمَرَ فِیهِنَّ نُورًا.(سورۃ نوح:۱۴)

دسواں معنی:...... نور بمعنی نور النار، جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَلَمَّا أَضَاءَ ت مَا حَولَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِم.(البقرۃ:۱۷)

اس آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔(۱)

المبحث التاسع: اطلاقات الظلمات فی القرآن:

قرآن مجید میں ظلمت کا اطلاق متعدد معانی پر کیا گیا ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

پہلا معنی:...... ظلمۃ بمعنی شدائد البر والبحر، جیسے ارشاد ہے۔ قُل مَن یُنَجِّیکُم مِن ظُلُمَاتِ البَرِّ وَالبَحرِ.(الأنعام:۶۳).

دوسرا معنی:......ظلمۃ بمعنی ظلمات اللیل، جیسا کہ ارشاد ہے۔ الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِی خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ .(سورۃ الأنعام:۱).

تیسرا معنی:......ظلمۃ بمعنی ظلمات الجہل، جیسے ارشاد ہے۔وَالَّذِینَ کَذَّبُوا بِآیَاتِنَا صُمٌّ وَبُکمٌ فِی الظُّلُمَاتِ.(الأنعام:۳۹)

چوتھا معنی:...... ظلمۃ بمعنی ظلمات الأرض، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَمَا تَسقُطُ مِن وَرَقَةٍ إِلَّا یَعلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِی ظُلُمَاتِ الأَرضِ.(سورۃ الأنعام:۵۹).

پانچواں معنی:...... ظلمۃ بمعنی ظلمات الشرک، جیسا کہ ارشاد ہے۔ اللَّهُ وَلِیُّ الَّذِینَ آمَنُوا یُخرِجُهُم مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَی

==================

(۱) بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز: ۱۵۲۰-۱۵۲۱، بصیرۃ فی النور،

النُّورِ. (البقرۃ:۲۵۷) ایک جگہ ارشاد ہے۔ كِتَابٌ أَنزَلنَاهُ إِلَيكَ لِتُخرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمَاتِ إِلَى النُّورِ .(ابراہیم:۱)

چھٹا معنی:...... ظلمة بمعنی ظلمة بطن الحوت، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَذَا النُّونِ إِذ ذَهَبَ مُغَاضِبًا فَظَنَّ أَن لَن نَقدِرَ عَلَيهِ فَنَادَى فِي الظُّلُمَاتِ. (سورۃ الأنبیاء:۸۷).

ساتواں معنی:...... ظلمة بمعنی مقابل النور، جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَمَا يَستَوِى الأَعمَى وَالبَصِيرُ وَلَا الظُّلُمَاتُ وَلَا النُّورُ. (سورۃ فاطر:۱۹،۲۰)

آٹھواں معنی:...... ظلمة بمعنی ظلمات البطن، جیسا کہ ارشاد ہے۔ يَخلُقُكُم فِي بُطُونِ أُمَّهَاتِكُم خَلقًا مِن بَعدِ خَلقٍ فِي ظُلُمَاتٍ ثَلَاثٍ. (سورۃ الزمر:۶).

نواں معنی:......ظلمة بمعنی ظلمات المطر، جیسے ارشاد ہے۔ أَو كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعدٌ وَبَرقٌ. (البقرۃ:۱۹)

اس آیت میں بھی یہی معنی مراد ہے۔(۱)

قوله تعالى : صُمٌّ بُكمٌ عُمى.

"صُمٌّ بُكمٌ عُمى" یہ جملہ استنافیہ ہے، مبتداء محذوف کی خبر ہیں۔ أى هم صُمٌّ بُكمٌ عُمى.

"صُمٌّ بُكمٌ عُمى" یہ تینوں "اصم"، "أبكم" اور "اعمى" کی جمع ہیں اور یہ تینوں صفت مشبہ کے صیغے ہیں، یہ تشبیہ بلیغ یا استعارہ تصریحیہ ہے۔" فَهُم لَا يَرجِعُونَ" یہ ماقبل پر متفرع ہے، یعنی مذکورہ صفات مذمومہ کی وجہ سے یہ حق کی طرف نہیں لوٹے۔ کیونکہ انہوں ہدایت فروخت کر کے ضائع کر دی۔ اور یا اس گمراہی وضلالت سے واپس نہیں لوٹتے، جس کو انہوں نے خرید الیا، معروف مفسر خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ أى: لا يعودون إلى الهدى الذى باعوه وضيعوه، أو عن الضلالة التى اشتروها.(۲)

یہ ایک حقیقت ہے کہ نور (قرآنِ مجید) سے استفادہ حاصل کرنے کے لئے اسبابِ علم کا صحیح وسلامت ہونا شرط ہے اور ان کی یہ تمام تر قوتیں بے کار ہو چکی ہیں، حق بات نہ سن سکتے ہیں اور نہ ہی حق بات کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی حق بات کا مشاہدہ کر سکتے ہیں، یعنی صدائے حق گویا سنتے ہی نہیں، کلمہ حق بیان کرنے سے ان کی زبانیں گنگ ہے اور دید حق کی طرف سے ان کی آنکھیں

====================

(۱) قاموس القرآن:

(۲) السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۳۷.

اندھی ہو چکی ہیں یہ سب کچھ اپنی اختیاری گمراہی کے نتیجہ کے طور پر ہوا۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ معاندین کس طرح گونگے، بہرے اور اندھے ہیں، حالانکہ وہ تو سنتے بھی ہیں، بولتے بھی ہیں اور دیکھتے بھی ہیں؟

پہلا جواب: درحقیقت یہ تمثیل اور تشبیہ بلیغ ہے، یہاں ادات تشبیہ اور وجہ شبہ دونوں محذوف ہیں۔ أي هم كصم والبكم والعمى . (۱) یعنی جب وہ حق بات نہ سنتے ہیں، نہ ہی کہہ سکتے ہیں اور نہ ہی دیکھ سکتے ہیں، یعنی ان کے اسباب علم اور حواس مختل ہو چکے ہیں، جو نا قابل انتفاع ہو کر رہے ہیں۔

دوسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں اس سے باطنی بہرے، گونگے اور اندھے مراد ہیں، یعنی حق بات سننے سے بہرے ہیں اور خیر کی بات کہنے سے گونگے ہیں اور راہ ہدایت پر چلنے سے اندھے ہیں، معروف مفسر خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ هم" صم "عن الحق فلا يسمعونه سماع قبول.."بكم" خرس عن الخير فلا يقولونه.."عمى" عن طريق الهدى فلا يرونه.(۲)☆

=======================

(۱) تفسیر الخطیب الشربینی:۱/ ۳۷.

(۲) تفسیر الخطیب الشربینی:۱/ ۳۷.

☆ قال الامام رشيدرضاالمصرى رحمه الله: أَنَّهُم فَقَدُوا مَنفَعَةَ السَّمعِ الَّذِى يُؤَدِّى إِلَى النَّفسِ مَا يُلقِيهِ المُرشِدُونَ إِلَيهَا مِنَ الحُجَجِ القَاطِعَةِ وَالدَّلَائِلِ النَّاصِعَةِ فَلَا يُصِيخُونَ إِلَى وَعظِ وَاعِظٍ وَلَا يُصغُونَ لِتَنبِيهِ مُنَبِّهٍ فَمَا أَضيَعَ البُرهَانَ عِندَ المُقَلِّدِ بَل لَا يَسمَعُونَ وَإِن أَصَاخُوا وَلَا يَفقَهُونَ وَإِن سَمِعُوا فَكَأَنَّهُم صُمٌّ لَم يَسمَعُوا وَفَقَدُوا مَنفَعَةَ الِاستِرشَادِ بِالقَولِ وَطَلَبِ الحِكمَةِ مِن مَعَاهِدِهَا فَلَا يَسأَلُونَ بَيَانًا وَلَا يَطلُبُونَ بُرهَانًا وَفَقَدُوا خَيرَ مَنَافِعِ الإِبصَارِ وَهُوَ نَظَرُ الِاستِفَادَةِ وَالِاعتِبَارِ فَلَا يَرَونَ مَا يَحِلُّ بِهِم مِنَ الفِتَنِ فَيَنزَجِرُوا وَلَا يُبصِرُونَ مَا تَنقَلِبُ بِهِ أَحوَالُ الأُمَمِ فَيَعتَبِرُوا فَهُم لَا يَرجِعُونَ عَن ضَلَالَتِهِم وَلَا يَخرُجُونَ مِن ظُلُمَاتِهِم؛ لِأَنَّ مَن وَقَعَ فِى أَرضٍ فَلَاةٍ فِى لَيلَةٍ مُظلِمَةٍ وَفَقَدَ فِيهَا جَمِيعَ حَوَاسِّهِ لَا يُمكِنُهُ أَن يَسمَعَ صَوتًا يَهتَدِى بِهِ وَلَا أَن يَصِيحَ هُوَ لِيُنقِذَهُ مَن يَسمَعُهُ وَلَا أَن يَرَى بَارِقًا يَؤُمُّهُ وَيَقصِدُهُ فَهُوَ لَا يَرجِعُ مِن تِيهِهِ بَل يَظَلُّ يَعُمُّهُ فِى الظُّلُمَاتِ حَتَّى يَفتَرِسَهُ سَبُعٌ ضَارٍ أَو يَصِلَ إِلَى شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَيَنهَارَ بِهِ فِى شَرِّ قَرَارِهِ وَمَا لِلظَّالِمِينَ مِن أَنصَارٍ. (تفسیر المنار:۱/۱۴۴)

قوله تعالى: أَو كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعدٌ وَبَرقٌ.

یا انکی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے تیز بارش پڑ رہا ہو (اور) اس میں اندھیرے، گرج اور بجلی ہو۔ (اور) اپنے انگلیوں کو کانوں میں ڈال کڑک کی وجہ سے موت کے مارے دیتے ہیں اور اللہ تعالی کفاروں کا احاطہ کرنے والا ہے۔

یہاں سے دوسری مثال بیان ہورہی ہے، اس میں چند باتیں ذہن نشیں رکھیں، تا کہ مثال کو بآسانی فہم وضبط کیا جا سکے۔

۱۔ تفسیر المفردات. ۲۔ استعمال لفظ ''أوْ'' فی کلام العرب. ۳۔ توضیح المثال. ۴۔ انواع المطر.

المبحث الأول: تفسیر المفردات:

عام مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ منافقین کی دوسری مثال ہے اور ''أو'' تخییر کے لئے ہے کہ منافقین کی مثال ''مثلهم كمثل الذی ......'' کیساتھ بھی دے سکتے ہیں۔ اور ''كصيب من السماء......'' کیساتھ بھی دے سکتے ہیں۔

ہمارے مشائخ کرامؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ ''مثلهم كمثل الذی ......'' یہ کفار کی مثال ہے اور ''أو كصيب من السماء ......'' کی مثال منافقین کی ہے۔ اور اس میں ''أو'' تنویع کے لئے ہے کہ یہ دوسری نوع (منافقین) کی مثال ہے، پھر اس کی دو شقیں ہیں، ایک ''والله محيط بالكافرين'' تک اور دوسری ''يكاد البرق......'' سے آخر رکوع تک (۱)۔

''أو كصيب من السماء ......'' کا عطف ''الذی استوقد ......'' پر ہے، ''صیّب'' صاب یصوب'' سے مشتق ہے بمعنی بارش۔ اور اصل میں یہ ''صیوب'' تھا ''یا'' واؤ دونوں ایک کلمہ میں جمع ہوئے اور پہلا (یا) ساکن تھا تو واؤ کو ''یا'' اور ''یا'' کو ''یا'' میں ادغام کر دیا تو ''صیّب'' ہوا۔ اس کا معنی یہ ہوگا۔ أی كمثل أصحاب صيب......'' اس سے مراد قرآنِ مجید کا نزول ہے، یعنی '' مثل القرآن فی النزول ومثل المنافقين فی الكفر كصيب من السماء ......'' قرآن کریم کو بارش کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے، جس طرح بارش زمین کی سرسبزی وشادابی اور حیات کا سبب ہے، تو اسی طرح قرآن کریم بھی دلوں کو روشنی، جلا بخشنے اور مردہ دلوں کا زندہ کرنے کا سبب ہے۔

''سماء'' لغت میں ہر چیز کو کہتے ہیں جو انسان سے اوپر کی طرف ہو۔ اسی وجہ سے مکان کے چھت کو بھی ''سما'' کہا جاتا ہے، یعنی السماء: كل ما علاك فأظلك. یہ مذکر ومؤنث دونوں میں استعمال ہوتا ہے، یہاں اس سے بارش مراد ہے، کیونکہ وہ بھی آسمان سے برستی ہے۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ والصیب: المطر، واشتقاقه من صاب يصوب إذا نزل،

(۱) تفسیر جواہر القرآن: ۱/۲۵.

وأصله: صيوب اجتمعت الياء والواو وسبقت إحداهمابالسكون، فقلبت الواو ياء، وأدغمت كما فعلوا فى ميت وسيد وهين ولين. وقال بعض الكوفيين: أصله صويب على مثال فعيل. قال النحاس: لو كان كما قالوا لما جاز إدغامه، كما لا يجوز إدغام طويل۔ وجمع صيب صيايب۔ والتقدير فى العربية: مثلهم كمثل الذى استوقد نارا أو كمثل صيب۔ قوله تعالى:﴿ مِنَ السَّماءِ﴾ السماء: تذكر وتؤنث. والسماء: كل ما علاك فأظلك، ومنه قيل: لسقف البيت سماء، والسماء: المطر سمى به؛ لنزوله من السماء. والسماء: ما علا، والأرض: ما سفل على ما تقدم(١).

"من السماء" کا لفظ بڑھانے میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ بارش آسمان کے تمام اطراف وجوانب کو محیط ہے، جس طرح پورے آسمان کو"سماء" کہا جاتا ہے، اسی طرح آسمان کے جوانب کو بھی "سماء" کہتے ہیں، نیز "من السماء" کے لفظ میں یہ بھی اشارہ ہے کہ اس بارش کو کوئی روک نہیں سکتا، کس کی مجال ہے کہ آسمان سے برسنے والی بارش کو کوئی روک سکے! اور "السماء " کو معرف باللام لاکر اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہ بارش آسمان کے تمام اطراف سے برستی ہے کسی ایک جانب سے نہیں۔ ليدل على أنه من جميع آفاقها لا من أفق واحد ، اذ كل أفق يسمى سماء." تو اسی طرح بارش کا فائدہ عام بھی ہوتا ہے، جملہ مخلوقات اس سے استفادہ کرتے ہیں، تو اسی طرح قرآن کریم بھی پوری انسانیت کے لئے مشعل راہ ہے اور اس کا فائدہ ہر ایک چیز کو شامل ہے کسی خاص قوم اور کسی خاص علاقہ وملک کے لیے نہیں، بلکہ ہر کسی کے لیے افادہ عام ہے۔

" فيه" کے ضمیر کا مرجع "صیب" بھی ہوسکتا ہے اور"السماء" بھی بن سکتا ہے۔"ظلمات" کا تعلق "فى صيب" اور "فى السماء" دونوں سے ہوسکتا ہے، تاہم دونوں کا ماحصل ایک ہے۔"رعد" اس آواز کو کہتے ہیں جو بادل کے آپس میں ملنے کے وقت آسمان سے سنائی دیتی ہو۔"برق"اس روشنی کو کہا جاتا ہے جو بادلوں سے چمکتی ہو، اور بادلوں کے آپس میں رگڑ سے پیدا ہوتی ہو، جس کو بجلی کہتے ہیں(٢)۔

=================

(١) الجامع لأحكام القرآن:١/ ٢١٥-٢١٦.

(٢) قال العلامة القرطبى رحمه الله: واختلف العلماء فى الرعد: ففى الترمذى عن ابن عباس قال: سألت اليهود النبى صَلَّى اللَّهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ عن الرعد ما هو؟ قال: ملك من الملائكة موكل بالسحاب معه مخاريق من نار يسوق بها السحاب حيث شاء الله، فقالوا: فما هذا الصوت الذى نسمع ؟ قال: زجره بالسحاب إذا زجره حتى ينتهى إلى حيث أمر الله، قالوا: صدقت!۔ الحديث بطوله۔ وعلى هذا التفسير أكثر العلماء، فالرعد: اسم الصوت المسموع. وقاله على رضى الله عنه، وهو=

مطلب یہ ہے کہ "فیه ظلمات"، ظلمات سے کفر وشرک کے اندھیرے مراد ہیں۔ "رعد" سے زجر وتوبیخ اور وعیداتِ الٰہیہ مراد ہیں۔ اور "برق" سے قرآنی دلائل اور براہین الٰہیہ مراد ہیں۔ جلیل القدر مفسر علامہ ابواللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔

والظلمات : هی الشدائد والمحن التی تصیب المسلمین والشبهات التی فی القرآن، والرعد : هو الوعید الذی ذکر للمنافقین والکفار فی القرآن، والبرق : ما ظهر من علامات نبوة محمد صلی الله علیه وسلم ودلائله.(۱)

==========================

= المعلوم فی لغة العرب وقد قال لبید فی جاهلیته:

فجعنی الرعد والصواعق بال فارس یوم الکریهة النجد

وروی عن ابن عباس أنه قال: الرعد ریح تختنق بین السحاب فتصوت ذلك الصوت۔ واختلفوا فی البرق: فروی عن علی وابن مسعود وابن عباس رضوان الله علیهم: البرق: مخراق حدید بید الملك یسوق به السحاب۔ قلت: وهو الظاهر من حدیث الترمذی، وعن ابن عباس أیضا: هو سوط من نور بید الملك یزجر به السحاب۔ وعنه أیضا: البرق ملك یترائی۔ وقالت الفلاسفة: الرعد صوت اصطکاك أجرام السحاب۔ والبرق ما ینقدح من اصطکاکها۔ وهذا مردود لا یصح به نقل. [*الجامع لأحکام القرآن*:۱/۲۱۷].

وقال أبوحیان الأندلسی رحمه الله: ومن بدع المتصوفة : الرعد صعقات الملائکة، والبرق زفرات أفئدتهم، والمطر بکاؤهم انتهی۔ وقال ابن عطیة : وقیل فی الرعد: أنه ریح یختنق بین السحاب، روی ذلك عن ابن عباس۔ وهذا عندی لا یصح؛ لأنّ هذا نزغات الطبیعیین وغیرهم من الملاحدة۔ وقال أبو عبد اللّه الرازی : اعلم أن المحققین من الحکماء یذکرون أن هذه الآثار العلویة إنما تتم بقوی روحانیة فلکیة، وللسحاب روح معین من الأرواح الفلکیة یدبره، وکذا القول فی الریاح، وفی سائر الآثار العلویة۔ وهذا عین ما قلناه: أن الرعد اسم لملك من الملائکة یسبح اللّه تعالی، فهذا الذی قاله المفسرون بهذه العبارة هو عین ما ذکره المحققون من الحکماء، فکیف بالعاقل الإنکار انتهی۔ وهذا الرجل غرضه جریان ما تنتحله الفلاسفة علی مناهج الشریعة ، وذلك لا یکون أبدا، وقد تقدمت أقوال المفسرین فی الرعد فی البقرة فلم یجمعوا علی أنّ الرعد اسم لملك۔ وعلی تقدیر أن یکون اسما لملك لا یلزم أن یکون ذلك الملك یدبر لا السحاب ولا غیره؛ إذ لا یستفاد مثل هذا إلا من النبی صلّی اللّه علیه وسلّم المشهود له بالعصمة لا من الفلاسفة الضلال. [*تفسیر البحر المحیط*:۶/۳۶۵].

(۱) *تفسیر بحر العلوم*:۱/۳۲.

" یَجعَلُونَ أَصَابِعَهُم فِی آذَانِهِم". یہ "ظلمات" اور "رعد" کیساتھ متعلق ہے اور یہ جملہ استنافیہ ہے، سوال مقدرہ کا جواب ہے کہ " فماذا یصنعون فی تضاعیف تلك الشدة؟ فقیل: یجعلون الخ ... "یعنی اگر انہیں قرآنی آیات کہیں سنائی دیں تو کانوں میں انگلیاں ڈال دیتے ہیں، تاکہ کوئی ایسی بات نہ سننے جو حق کو قبول کرنے کا باعث بن جائے۔ " أَصَابِعَهُم فِی آذَانِهِم" یا یہ مجاز مرسل ہے، یعنی ذکر کل مراد جزء کے قبیل سے ہے۔ یا یہ مبالغہ ہے کہ وہ انگلیوں کو معمول سے زیادہ اپنے کانوں میں ڈال دیتے، تاکہ کہیں کان میں کوئی حق بات نہ پڑے، جلیل القدر مفسر خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ وإنما أطلق الأصابع موضع الأنامل للمبالغة؛ لما فی ذلك من الإشعار بدخول أصابعهم فوق المعتاد فراراً من شدّة الصوت .(۱)

"مِنَ الصَّوَاعِقِ " یہ "یجعلون "کیساتھ متعلق ہے کہ اس کڑک کی وجہ سے کانوں میں انگلیاں ڈالتے ہیں۔ "الصواعق " "صاعقة " کی جمع ہے اس چیخ کو کہا جاتا ہے جس کو آدمی سن کر مر جائے۔ یا اس پر بے ہوشی طاری ہو جائے اور ہر ہلاک کرنے والے عذاب کو بھی "صاعقه" کہا جاتا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "صاعقه" عذاب کے ایک ٹکڑے کو کہا جاتا ہے، جس پر اللہ تعالی چاہے تو نازل فرما دیتے ہیں، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ آسمانی بجلی اور کڑک کی آواز سنتے تو یہ دعا فرماتے۔ اللهم لا تقتلنا بغضبك ولا تهلكنا بعذابك وعافنا قبل ذلك. (۲)

"حَذَرَ المَوتِ" یہ "یجعلون "کا مفعول لہ ہے، جو اس فعل کی علت بیان کر رہا ہے، یعنی اس ڈر سے کہیں صواعق کی گرج دار آواز سے وہ ہلاک نہ ہو جائیں تو وہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس لیتے ہیں، تاکہ وہ گرج دار آواز سن نہ سکیں۔

جلیل القدر تابعی امام حسن بصریؒ فرماتے ہیں۔

أنهم كانوا يفرون من سماع القرآن لئلا يأمرهم بالجهاد مخالفة الموت (۳).

یعنی قرآن کریم کے سننے سے موت کی ڈر کی وجہ سے بھاگتے ہیں، اس لئے کہ کہیں جہاد کا حکم نہ دیں۔ جیسے ارشاد ہے۔ وَیَقُولُ الَّذِینَ آمَنُوا لَولَا نُزِّلَت سُورَةٌ فَإِذَا أُنزِلَت سُورَةٌ مُحكَمَةٌ وَذُكِرَ فِیهَا القِتَالُ رَأَیتَ الَّذِینَ فِی قُلُوبِهِم مَرَضٌ یَنظُرُونَ إِلَیكَ نَظَرَ المَغشِیِّ عَلَیهِ مِنَ المَوتِ فَأَولَی لَهُم.(سورۃ محمد:۲۰) ایک جگہ ارشاد ہے۔ أَشِحَّةً عَلَیكُم فَإِذَا جَاءَ الخَوفُ رَأَیتَهُم یَنظُرُونَ إِلَیكَ تَدُورُ أَعیُنُهُم كَالَّذِی یُغشَی عَلَیهِ مِنَ المَوتِ.(سورۃ الأحزاب:۱۹) نیز ایک جگہ فرمایا۔ لَو یَجِدُونَ مَلجَأً أَو مَغَارَاتٍ أَو مُدَّخَلًا لَوَلَّوا إِلَیهِ وَهُم یَجمَحُونَ .(سورۃ التوبۃ:۵۶)

امام مقاتلؒ یوں فرماتے ہیں۔ لإعراضهم عن القرآن كراهية له(٤).

جس طرح موت کو برا سمجھتے ہیں تو اسی طرح قرآن کریم کے سننا ان پر گراں گزرتا ہے اور قرآن سے اعراض کر کے بھاگتے ہیں، چنانچہ قرآن نے اس کا نقشہ یوں پیش کیا ہے۔ فَمَا لَهُم عَنِ التَّذكِرَةِ مُعرِضِينَ كَأَنَّهُم حُمُرٌ مُستَنفِرَةٌ فَرَّت مِن قَسوَرَةٍ . (سورۃ المدثر:۴۹-۵۱).

معروف مفسر علامہ بغویؒ اور دیگر اہل علم فرماتے ہیں۔ والكافرون يسدون آذانهم عند قرائة القرآن مخافة ميل القلب إليه لأن الإيمان عندهم كفر والكفر موت(١) .

یعنی قرآن مجید کے تلاوت کے وقت کفار اپنے کانوں کو بند کر دیتے اس ڈر کی وجہ سے کہ کہیں دل اس کی طرف مائل نہ ہو جائے ، کیونکہ ان کے نزدیک ایمان لانا کفر تھا اور کفر تو موت ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَإِذَا قَرَأتَ القُرآنَ جَعَلنَا بَينَكَ وَبَينَ الَّذِينَ لَا يُؤمِنُونَ بِالآخِرَةِ حِجَابًا مَستُورًا وَجَعَلنَا عَلَى قُلُوبِهِم أَكِنَّةً أَن يَفقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِم وَقرًا وَإِذَا ذَكَرتَ رَبَّكَ فِي القُرآنِ وَحدَهُ وَلَّوا عَلَى أَدبَارِهِم نُفُورًا. (سورۃ بنی اسرائیل:۴۵-۴۶)

وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالكَافِرِينَ . احاطہ کا مطلب ہے سختی سے پکڑ لینا۔ عربی محاورہ ہے۔"أحاط السلطان بفلان" .یہ اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب بادشاہ کسی کو سختی سے پکڑ لے اور ہر جہت سے اس کا محاصرہ کر لے۔ یعنی اللہ تعالیٰ علم وقدرت کے اعتبار سے ان پر احاطہ کرنے والا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت سے نہیں بچ سکتے۔ آیت کا تتمہ "بالكافرين"کیساتھ لانا اس بات کی دلیل ہے یہ مثال منافق اعتقادی کی ہے، مفسرین کرامؒ نے اس کے تین معانی ومفاہیم بیان کیے ہیں۔

پہلا مطلب: احاطہ سے گھیرنے والا علم وقدرت مراد ہے، یعنی ان کے تمام احوال سے آگاہ وباخبر ہے۔

دوسرا مطلب: احاطہ سے ہلاکت مراد ہے جیسے ارشاد ہے۔ وَأُحِيطَ بِثَمَرِهِ فَأَصبَحَ يُقَلِّبُ كَفَّيهِ عَلَى مَا أَنفَقَ فِيهَا وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَى عُرُوشِهَا . (سورۃ الکہف:۴۲) ایک جگہ فرمایا۔ إِنَّا أَعتَدنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِم سُرَادِقُهَا .(سورۃ الکہف:۲۹).

تیسرا مطلب: احاطہ کا مطلب یہ ہے کہ سب کو قیامت کے دن جمع کرنے والا ہے، کوئی بھی اس سے چھوٹ نہیں سکتا ہے۔ جیسے ارشاد ہے۔ أحاط بكل شيء علماً .(الطلاق:۱۲).(۲)

==================

(۱) تفسیر کبیر للرازی:۲/۳۱۶، بصائر ذوی التمیز فی لطائف الکتاب العزیز:۴۵۳، بصیرۃ فی "أوْ". کتاب الکلیات لأبی البقاء:۲۹۵.

(۲) تفسیر بحر العلوم:۱/۳۲.

البحث الثانی: استعمال لفظ ''أو'' فی کلام العرب:

کلام عرب میں ''أوْ'' کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے، جن میں چند درج ذیل ہیں۔

پہلا معنی:...... للاباحۃ، جیسے: جالس الحسن أوابن سیرین .

دوسرا معنی:......للتخییر، جیسے ارشاد ہے۔ فَفِديَةٌ مِن صِيَامٍ أَو صَدَقَةٍ أَو نُسُكٍ .(سورۃ البقرۃ:۱۹۶).

تیسرا معنی:...... للتکثیر والترقی، جیسا ارشاد ہے۔ فَهِيَ كَالحِجَارَةِ أَو أَشَدُّ قَسوَةً .(سورۃ البقرۃ:۷۴) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَقَالُوا لَو كُنَّا نَسمَعُ أَو نَعقِلُ .(سورۃ الملک:۱۰).

چوتھا معنی:......للابہام، جیسے ارشاد ہے۔ وَظَنَّ أَهلُهَا أَنَّهُم قَادِرُونَ عَلَيهَا أَتَاهَا أَمرُنَا لَيلًا أَو نَهَارًا.(سورۃ یونس:۲۴).

پانچواں معنی:......بمعنی ''واؤ''، جیسے ارشاد ہے۔ لَيسَ عَلَى الأَعمَى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الأَعرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى المَرِيضِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى أَنفُسِكُم أَن تَأكُلُوا مِن بُيُوتِكُم أَو بُيُوتِ آبَائِكُم أَو بُيُوتِ أُمَّهَاتِكُم أَو بُيُوتِ إِخوَانِكُم أَو بُيُوتِ أَخَوَاتِكُم أَو بُيُوتِ أَعمَامِكُم أَو بُيُوتِ عَمَّاتِكُم أَو بُيُوتِ أَخوَالِكُم أَو بُيُوتِ خَالَاتِكُم أَو مَا مَلَكتُم مَفَاتِحَهُ أَو صَدِيقِكُم لَيسَ عَلَيكُم جُنَاحٌ أَن تَأكُلُوا جَمِيعًا أَو أَشتَاتًا. (سورۃ النور:۶۱) ایک جگہ ارشاد ہے۔ فَقُولَا لَهُ قَولًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَو يَخشَى .(سورۃ طٰہٰ:۴۴) ایک جگہ ارشاد ہے۔ فَاصبِر لِحُكمِ رَبِّكَ وَلَا تُطِع مِنهُم آثِمًا أَو كَفُورًا. (سورۃ الدہر:۲۴).

چھٹا معنی:...... للتفصیل، جیسے ارشاد ہے۔ وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَو نَصَارَى تَهتَدُوا.(سورة البقرة : ۱۳۵) وأيضاً : وَقَالُوا لَن يَدخُلَ الجَنَّةَ إِلَّا مَن كَانَ هُودًا أَو نَصَارَى.(سورۃ البقرۃ:۱۱۱).

ساتواں معنی:...... للاضراب، جیسے ارشاد ہے۔ وَمَا أَمرُ السَّاعَةِ إِلَّا كَلَمحِ البَصَرِ أَو هُوَ أَقرَبُ.(سورۃ النحل:۷۷).

آٹھواں معنی:...... للتنویع، جیسے ارشاد ہے۔ أَو كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعدٌ وَبَرقٌ.(البقرۃ:۱۹).(۱)

اس آیت میں عام مفسرین کرامؒ کے نزدیک "أو" تخییر کے لئے ہے اور ہمارے مشائخ رحمہم اللہ کے نزدیک تنویع کے لئے ہے کہ یہ مثال منافقین کی ہے اور پھر اس کی دو شقیں ہیں، شق اول منافق اعتقادی کی مثال اور یہ "أو كصيب من السماء ......" سے لے کر "بالکافرین" تک ہے اور شق دوم: منافق عملی کی مثال ہے اور یہ "یکاد البرق ......" سے لے کر

=====================

(۱) اللباب فی علوم الکتاب:۱/۳۸۵.

"وأبصارهم" تک ہے،اب ہم اس مثال کی مختصر وضاحت کرتے ہیں۔

المبحث الثانی: توضیح المثال :

یہ منافق کی مثال ہے،جس کا حاصل یہ ہے کہ جب موسلا دھار بارش ہورہی ہو، چاروں طرف گھٹاٹوپ اندھیرا چھاہوا ہو، رعد کی گرجدار آواز بھی سنائی دے رہی ہو،اور بجلی چمک رہی ہو،تواس وقت چاہیے تو یہ تھا کہ وہ رعد کی گرج دار آواز کی طرف دھیان دیتے اور سمجھتے کہ مزید بارش ہونے والی ہے،اپنے بچاؤ کا کوئی راستہ تلاش کرتے ،اپنے لیے کوئی جاہ پناہ دیکھتے، کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ اس قسم کا کوئی حادثہ کسی دانااورذی فہم مسافر کیساتھ پیش آنے لگے تو وہ منزلِ مقصود تک پہنچنے کی سعی کرتا ہے، جب بجلی چمکے تو وہ اس میں اپنے راستہ ڈھونڈ کرسیدھا اس پر چلنے لگتا ہے اور جب کہ ناداں مسافر وہی ٹھہر کر ہلاک ہوجاتا ہے۔تو اب اسی طرح منافقین جب قرآن کریم کے نزول کو دیکھتے ہیں، وعیدات الہیہ اور براہین الہیہ کو سنتے ہیں، چاہیے تو یہ تھا کہ وہ اس کے سامنے سرِ تسلیم خم کرکے ایمان لاتے۔لیکن وہ ایسے بے ضمیر تھے کہ کانوں میں انگلیاں ڈال دی، تا کہ حق کی کوئی بات کان میں نہ پڑے جوایمان قبول کرنے پر باعث بنے۔(۱)

المبحث الرابع: بارش کی اقسام وانواع:

قرآنِ مجید میں بارش کے لیے درج ذیل پانچ طرح کے الفاظ مستعمل ہیں:۔

======================

(۱) قال الحافظ ابن القيم رحمه الله: ثم ذكر حالهم بالنسبة إلى المثل المائى فشبههم بأصحاب صيب، وهو المطر الذى يصوب، أى ينزل من السماء فيه ظلمات ورعد وبرق، فلضعف بصائرهم وعقولهم اشتدت عليهم زواجر القرآن، ووعيده، وتهديده، وأوامره، ونواهيه، وخطابه الذى يشبه الصواعق فحالهم كحال من أصابه مطر فيه ظلمة ورعد وبرق، فلضعفه وخوفه جعل أصبعيه فى أذنيه خشية من صاعقة تصيبه. وقد شاهدنا نحن وغيرنا كثيرا من مخانيث تلاميذ الجهمية والمبتدعة إذا سمعوا شيئاً من آيات الصفات، وأحاديث الصفات المنافية لبدعتهم، رأيتهم عنها معرضين، كأنهم حمر مستنفرة فرت من قسورة، ويقول مخنثهم: سدوا عنا هذا الباب، واقرأوا شيئاً غير هذا. وترى قلوبهم مولية وهم يجمحون؛ لثقل معرفة الرب سبحانه تعالى وأسمائه وصفاته على عقولهم وقلوبهم، وكذلك المشركون على اختلاف شركهم إذا جرد لهم التوحيد وتليت عليهم نصوصه المبطلة لشركهم اشمأزت قلوبهم وثقل عليهم، لو وجدوا السبيل إلى سد آذانهم لفعلوا، وكذلك نجد أعداء أصحاب رسول الله ثقل ذلك عليهم جدا فأنكرته قلوبهم، وهذا كله شبه ظاهر ومثل محقق من اخوانهم من المنافقين فى المثل الذى ضربه الله لهم بالماء؛ فإنهم لما تشابهت قلوبهم تشابهت أعمالهم . [الأمثال فى القرآن الكريم:۱۰-۱۱].

۱۔ صیب. ۲۔ غیث. ۳۔ مطر. ۴۔ وابل. ۵۔ ودق.

۱۔ صیب: جس میں اندھی، بجلی اور کڑک وغیرہ ہو۔

۲۔ غیث: جو خشک سالی کے بعد برسے، اگر چہ اس میں اندھی، بجلی اور کڑک وغیرہ نہ ہو۔

۳۔ مطر: عام بارش کو کہا جاتا ہے اور اس کا اطلاق عموماً ایسی بارش پر ہوتا ہے جس میں عذاب ہو۔

۴۔ وابل: موسلادار اور تیز تُند بارش کو کہا جاتا ہے۔

۵۔ ودق: جس کے بڑے بڑے قطرے ہوں۔

یہاں "صیب"، کو بطور مثال اس لئے پیش کیا کہ قرآن کریم میں بہت سے منافع اور حکمتیں ہیں۔ مستفیدین کے لئے منفعت اور خیر کا سبب بنتی ہیں اور منکرین کی گمراہی وضلالت کو مزید بڑھا دیتی ہیں۔ جیسے ارشاد ہے۔ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهدِى بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الفَاسِقِينَ. (سورۃ البقرۃ:۲۶).

قرآنی آیات کو بارش کیساتھ تشبیہ دینے کی وجوہات:

اس مثال میں قرآنی آیات کو بارش کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے، اس کی کئی وجوہات ہیں۔

پہلی وجہ: جس بارش میں اندھیرا اور تاریکی ہوتی ہے، تو اسی طرح قرآنِ کریم پر بھی ایمان لانے کے بعد تکالیف ومصائب کا تسلسل برداشت کرنے پڑے گا، جیسے ارشاد ہے۔ أَحَسِبَ النَّاسُ أَن يُترَكُوا أَن يَقُولُوا آمَنَّا وَهُم لَا يُفتَنُونَ وَلَقَد فَتَنَّا الَّذِينَ مِن قَبلِهِم فَلَيَعلَمَنَّ اللَّهُ الَّذِينَ صَدَقُوا وَلَيَعلَمَنَّ الكَاذِبِينَ. (سورۃ العنکبوت:۲،۳).

دوسری وجہ: جس طرح بارش میں مشقت وتکلیف ہوتی ہے، تو اسی طرح قرآن کریم میں بھی احکامات شاقہ ہیں، جو نفس پر بہت گراں گزرتے ہیں، جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج، جہاد، مسئلہ توحید کا بیان اور کفر وشک کی تردید وغیرہ......

تیسری وجہ: احادیث مبارکہ میں بھی قرآن کریم کی تشبیہ بارش کیساتھ دی گئی ہے، صحیح بخاری میں روایت ہے۔

عَن أَبِى مُوسَى عَنِ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: إِنَّ مَثَلَ مَا بَعَثَنِى اللَّهُ بِهِ عَزَّ وَجَلَّ مِنَ الهُدَى وَالعِلمِ، كَمَثَلِ غَيثٍ أَصَابَ أَرضًا فَكَانَت مِنهَا طَائفة طَيِّبَةٌ قَبِلَتِ المَاءَ، فَأَنبَتَتِ الكَلأَ وَالعُشبَ الكَثِيرَ، وَكَانَ مِنهَا أَجَادِبُ أَمسَكَتِ المَاءَ فَنَفَعَ اللَّهُ بِهَا النَّاسَ، فَشَرِبُوا مِنهَا، وَسَقَوا، وَرَعَوا، وَأَصَابَ طَائفة مِنهَا أُخرَى، إِنَّمَا هِيَ قِيعَانٌ لَا تُمسِكُ مَاءً وَلَا تُنبِتُ كَلأً، فَذَلِكَ مَثَلُ مَن فَقُهَ فِى دِينِ اللَّهِ وَنَفَعَهُ بِمَا بَعَثَنِى اللَّهُ بِهِ فَعَلِمَ وَعَلَّم،

وَمَثَلُ مَن لَم يَرفَع بِذَلِكَ رَأسًا، وَلَم يَقبَل هُدَى اللَّهِ الَّذِى أُرسِلتُ بِهِ (۱).

سیدنا ابوموسی اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالی نے مجھے جس علم وہدایت کیساتھ بھیجا ہے، اس کی مثال زبردست بارش کی سی ہے، جو زمین پر خوب برسے، بعض زمین جو صاف ہوتی ہے، وہ پانی کو پی لیتی ہے اور بہت سبزہ اور گھاس اگاتی ہے اور بعض زمین جو سخت ہوتی ہے وہ پانی کو روک لیتی ہے، اس سے اللہ تعالی لوگوں کو فائدہ پہنچاتا ہے، وہ اس سے سیراب ہوتے ہیں اور سیراب کرتے ہیں اور کچھ زمین کے بعض خطوں پر پانی پڑا۔ وہ بالکل چٹیل میدان تھے نہ پانی کو روکتے ہیں اور نہ ہی سبزہ اگاتے ہیں۔ اس مثال ہے اس شخص کی جو دین میں سمجھ پیدا کرے اور نفع دیا اسے اس چیز نے جس کیساتھ میں مبعوث کیا گیا ہوں، جس نے علم سیکھا اور سیکھایا۔ اور اس شخص کی مثال جس نے کوئی توجہ نہیں دی، اس ہدایت کی طرف جو میں لے کر آیا اور نہ ہی اسے قبول کیا۔

اس مثال میں آیاتِ قرآنیہ کی تشبیہ "رعد وبرق" کیساتھ دی گئی ہے، جس طرح بارش میں کڑک ہوتی ہے، تو اسی طرح قرآن کریم میں بھی منکرین اور معاندین کے لیے زجر وعید اور تخویفات کا بیان ہے۔ نیز جس طرح بارش میں بجلی گرجتی ہے، تو اسی طرح قرآن کریم میں بھی اہل ایمان کے لیے جنت کی بشارت اور خوشخبری دی گئی ہے۔ اور جس طرح بجلی سے اندھیرا اور تاریکی ختم ہوجاتی ہے، تو اسی طرح قرآنی دلائل سے شکوک وشبہات دفع ہوجاتے ہیں، نیز جس طرح بجلی کی چمک سے مسافر اپنے راستے کا سراغ لگا دیتا ہے، تو اسی طرح قرآن کریم بھی متلاشیانِ حق کے لئے مشعل راہ ہے۔

قوله تعالى: يَكَادُ البَرقُ يَخطَفُ أَبصَارَهُم .

یہاں سے مثال ثانی کی شقِ دوم منافق عملی کی مثال بیان کی جارہی ہے۔

"یکاد" یہ باب "سمع" سے فعل از افعال مقاربہ ہے اور خبر کو قریب لانے پر دلالت کرتا ہے، لیکن کسی شرط یا مانع کے مفقود

=====================

(۱) أخرجه البخاری، باب فضل من علم وعلّم: ۱/۴۲، رقم: ۷۹، ومسلم، باب بيان مثل ما بعث النبی صلى الله عليه و سلم من الهدى والعلم: ۴/۱۷۸۷، رقم: ۲۲۸۲، والنسائی، باب مثل من فقه فی دين الله تعالى: ۳/۴۲۷، ۵۸۴۳، وأحمد فی مسنده: ۴/۳۹۹، رقم: ۱۹۵۸۸، والبيهقی فی دلائل النبوة: ۱/۳۶۸.

ہونے کی وجہ سے اس کا وقوع نہیں ہوتا۔ اوراس کی خبر ہمیشہ فعل مضارع ہوا کرتی ہے۔ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ كـاد من أفعـال الـمقـاربة وضعت لمقاربة الخبر من الوجود؛ لحصول سببه لكنه لم يوجد إما لفقد شرط،أو لعروض مانع وخبرها مشروط فيه أن يكون فعلا مضارعا تنبيها على أنه المقصود بالقرب.(١)☆

معروف لغوی عالم امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ "کـــاد" کسی فعل کے قریب ہونے کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے، کہا جاتا ہے "کادیفعل" "قریب تھا کہ وہ اس کام کو کر گذرتا، یعنی کرنے والا تھا، مگر کیا نہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔" لَقَد كِدتَ تَـركَنُ إِلَيهِم شَيئاً قَلِيلًا." (الإسراء:۷۴) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَإِن كـادُوا." (الإسراء:۷۳) نیز ایک جگہ فرمایا۔ "تَكادُ السَّماواتُ." (مريم:۹۰) ایک جگہ فرمایا۔ "يَكادُ البَرقُ" (البقرة:۲۰) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "يَـكـادُونَ يَسطُونَ." (الحج:۷۲) ایک جگہ فرمایا۔ " إِن كِدتَ لَتُردِينِ." (الصافات:۵۶) وغیرہ۔(۲)

اگراس پر حرف نفی داخل ہو جائے تو اثباتی حالت کے برعکس فعل کے وقوع کو بیان کرنے کے لیے آتا ہے اور حرف نفی اس پر مقدم ہو یا مؤخر ہو دونوں صورتوں میں ایک ہی معنی دیتا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَما كادُوا يَفعَلُونَ ." (البقرة:۷۱) ایک جگہ فرمایا۔ " لا يَكادُونَ يَفقَهُونَ ." (النساء:۷۸) وغیرہ۔

"البرق" اس چمک، روشنی اور آگ کو کہتے ہیں، جو بادلوں میں پیدا ہوتی ہے اور یہاں اس سے قرآنی دلائل اور براہینِ الٰہیہ مراد ہیں۔

=======================

(۱) السراج المنير للخطيب الشربيني:۱/۳۷.

☆ قـال الـعـلامة ابـن الـجوزي رحمه الله: يكاد بمعنى : يقارب، وهي كلمة إذا أثبتت انتفى الفعل، وإذا نفيت ثبت الفعل، وسئل بعض المتأخرين فقيل له :

أنحوي هذا العصر ما هي كلمة جرت بلساني جرهم وثمود

إذا نفيت والله يشهد أثبتت وإن أثبتت قامت مقام جحود

ويشهـد لـلاثبـات عـنـد الـنـفـي قوله تعالى : ﴿ لا يكادون يفقهون حديثاً﴾[النساء :۷۸] وقوله: ﴿ إذا أخرج يده لم يكد يـراهـا﴾ [الـنـور: ٤٠] ومثـلـه:﴿ ولا يكاد يبين﴾ [الزخرف:٥٢] ويشهد للنفي عند الإثبات قوله تعالى:﴿ يكاد البرق﴾ [البقرة: ٢٠] و﴿ يكاد سنا برقه﴾ [النور: ٤٣] و﴿ يكاد زيتها يضيء النور: ٣٥]. [زاد المسير في علم التفسير:۱/۲۹].

(۲) المفردات فی غریب القرآن:۷۲۹.

"يَـخـطَفُ أَبـصَـارَهُـم" . "خـطف يـخطف" یہ باب "سـمـع"اور"ضـرب" دونوں سے آتا ہے،اس کا معنی کسی چیز کوسرعت سے اچک لینے کے ہیں،جیسے ارشاد ہے۔إِلَّا مَـن خَـطِفَ الـخَـطـفَةَ." (الصافات:۱۰)ایک جگہ فرمایا۔ "فَتَـخـطَـفُهُ الطَّيرُ أَو تَهوِى بِهِ الرِّيحُ ." (الحج:۳۱) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَقَـالُـوا إِن نَتَّبِعِ الهُدَى مَعَكَ نُتَخَطَّف مِن أَرضِـنَا. (سورۃ القصص:۵۷) نیز فرمایا۔ أَوَلَـم يَـرَوا أَنَّـا جَـعَـلـنَـا حَـرَمًا آمِنًا وَيُتَخَطَّفُ النَّاسُ مِن حَولِهِم .(سورۃ العنکبوت:٦۷)(۱)

اس کا آیت کامفہوم یہ ہے کہ ان پر جب قرآن مجید نازل ہوتا ہے تو انہیں اس بات کوخوف رہتا کہ کہیں یہ ان کی بصارت کو اچک لے،معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔" فالمعنى أن خوفهم مما ينزل بهم يكاد يذهب أبصارهم." (۲) " أَبـصَـارَهُم " بنابر مفعولیت منصوب ہے اور یہ "بـصـر"کی جمع ہے،اس سے دیکھنے کا حاسہ مراد ہے،جن حضرات کے نزدیک "برق" بیان سے استعارہ ہے تو ان کے نزدیک معنی ہوگا کہ قریب تھا کہ حجج قرآنیہ اور براہین قاطعہ ان پر عیاں ہوجاتے ۔اورجن کے نزدیک تخویف سے استعارہ ہے تو معنی یہ ہوگا کہ قریب تھا کہ ان پر نازل ہونی والی مصائب ان کی آنکھوں کو اچک لے ،معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ والـمـعـنـى: تكاد حجج القرآن وبراهينه الساطعة تبهرهم. ومن جعل البرق مثلا للتخويف، فالمعنى أن خوفهم مما ينزل بهم يكاد يذهب أبصارهم.(۳)

قوله تعالى: كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُم مَشَوا فِيهِ.

"كُـلَّـمَا" ا دات شرط ہے۔" أَضَـاءَ لَهُم" فعل شرط ہے،یہ جملہ مستأنفہ سوال مقدر کا جواب ہے،سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس آفت اور ہولناکی کے وقت یہ لوگ کیا کرتے ہیں؟ان کی کیا حالت ہوتی ہے؟ تو یہ اس جواب ہے۔

"أَضَـاءَ" کا معنی لازمی اور متعدی دونوں بابوں سے درست بن سکتا ہے،لازمی باب کی صورت میں معنی یہ ہوگا کہ جب ان کو روشنی ظاہر ہوجائے......اور اگر متعدی مان لیا جائے،تو پھر اس کا مفعول محذوف ہے اور معنی یہ ہوگا کہ جب ان کے لیے راستہ روشن کیا جائے تو چل پڑتے ہیں،معروف مفسر علامہ ابی السعودؒ فرماتے ہیں۔وهو استئناف ثالث كأنه قيل: ما يفعلون فى

===================

(۱) تفسیر أبی السعود:۱/٦۳، الجامع لأحکام القرآن للقرطبی:۱/۲۲۲. المفردات:۲۸٦.

(۲) تفسیر قرطبی:۱/۲۲۲

(۳) تفسیر قرطبی:۱/۲۲۳.

أثـناء ذلك الهول أيفعلون بأبصارهم ما فعلوا بآذانهم أم لا؟ فقيل: كلما نوّر البرقُ لهم ممشىً ومسلكاً على أن أضاء متعدٍ والمفعول محذوف أو كلما لمع لهم على أنه لازم ويؤيد قراء ة كُلَّمَا أَضَاء . (۱)

" مَشَـوا فِيهِ" جزاء ہے۔" فِيهِ" کا مرجع مسلک راستہ ہے، یعنی راستہ روشن ہوجانے کے بعد چند قدم چل پڑتے ہیں، علامہ ابی السعودؒ فرماتے ہیں۔ أى فى ذلكَ الـمسـلك أو فى مـطـرح نـوره خـطـوات يسيـرـة مـع خوف أن يخطَف أبصارهـم(۲) .

وَإِذَا أَظلَمَ عَلَيهِم قَامُوا.

یہ جملہ ماقبل پر عطف ہے۔" أَظـلَـمَ" لازمی اور متعدی دونوں طرح مستعمل ہے۔ لازمی تو ظاہر ہے اور اگر متعدی ہو تو اس کا مفعول محذوف ہے۔ أى أظلم البرق الطريق عليهم. اور "قاموا" اپنی جگہ میں کھڑے ہوجاتے ہیں۔ أى وقفوا وثبتوا فـــى مــكـــانهـم . یعنی جب منافقین اسلام کی مادی کامیابی اور کامرانی دیکھتے ہیں تو ان کے قدم اسلام کی طرف بڑھنے لگتے ہیں، لیکن جب اہل ایمان کو ابتلاء پیش آنے لگتے ہیں تو ان کے اسلام کی طرف بڑھتے ہوئے قدم رک جاتے ہیں، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ كـلـمـا أصاب المنافقين من عز الإسلام اطمأنوا إليه وإذا أصاب الإسلام نكبة قاموا ليرجعوا إلى الكفر كقوله تعالى:﴿ ومن الناس من يعبد الله على حرف فإن أصابه خير اطمأن به﴾ . (الحج:۱۱)

معروف مفسر علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں۔ وفيـه تـأويـلان: أحـدهما: معناه كلما أضاء لهم الحق اتبعوه ، وإذا أظلم عـليهـم بـالهـوى تـركـوه۔ والثانى: معناه كلما غنموا وأصابوا من الإسلام خيراً، اتبعوا المسلمين ، وإذا أظلم عليهم فلم يصيبوا خيراً ، قعدوا عن الجهاد(٤)

مثال کی توضیح یہ ہے کہ جب مسلمانوں کو فتوحات حاصل ہوں اور مالِ غنیمت ہاتھ میں آجائے اور اس میں سے منافقین کو کچھ حصہ دیا جائے تو یہ اسلام کی طرف راغب ہوجاتے ہیں اور جب اہل ایمان پر مصائب وتکالیف آجائیں اور وقتی شکست ہو، اسی

=======================

(۱) تفسیر أبی السعود:۱/۵۵.

(۲) تفسیر ابی السعود:۱/۵۵.

(۳) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۰۰.

(۴) تفسیر النکت والعیون للماوردی:۱/۸۳. زاد المسیر:۱/۲۹.

طرح احکامِ شاقہ جہادوغیرہ کا حکم دیا جائے، جانی اور مالی قربانی دینی پڑے تو پھر "قاموا" کھڑے ہوجاتے ہیں اور اسلام کا نام تک نہیں لیتے۔ حالانکہ ایمان کا مقتضی تو ہر حال میں احکاماتِ الٰہیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا ہے، خواہ حالات مساعد ہوں یا نہ ہوں۔

وَلَو شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمعِهِم وَأَبصَارِهِم.

" وَلَو شَاءَ اللَّهُ" فعل شرط ہے اور "لَذَهَبَ بِسَمعِهِم وَأَبصَارِهِم" اس کی جزاء ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو ان کی قوتِ سامعہ اور قوتِ باصرہ کو بطور سزا اور توبیخ کے ختم کر دیتا۔ أی لو شاء لأذهب أسماعهم وأبصارهم عقوبة لهم.

اس آیت میں یہ اشارہ بھی ہے کہ مؤثر حقیقی اللہ تعالیٰ ہی ہے اور ظاہری اسباب میں تأثیر مشیّت الٰہی سے پیدا ہوتی ہے، اسباب بذاتِ خود مؤثر نہیں، معروف مفسر خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ وللتنبيه على أنّ تأثير الأسباب في مسبباتها مشروط بمشيئة الله تعالى وأنّ وجودها مرتبط بأسبابها واقع بقدرته تعالى(١).

قرآن مجید میں "لو" کا استعمال:

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ "لو" قرآن مجید میں کئی معانی میں مستعمل ہے، چند درج ذیل ہیں۔

پہلا معنی:...... تمنائیہ، جیسے لَو كَانُوا يَعلَمُونَ .(سورۃ البقرۃ:۱۰۳).

دوسرا معنی:...... شرطیہ استدلالیہ: انتفاء اول بسبب انتفاء ثانی کے ہو۔ اور اس سے مناطقہ بحث کرتے ہیں، جیسے لَو كَانَ فِيهِمَا آلِهَةٌ إِلَّا اللَّهُ لَفَسَدَتَا. (سورۃ الانبیاء:۲۲).

تیسرا معنی:...... شرطیہ خارجیہ: انتفاء ثانی بسبب انتفاء اول کے ہو۔ اور اس سے نحاۃ بحث کرتے ہیں جس طرح یہاں پر ہے۔ وَلَو شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمعِهِم وَأَبصَارِهِم. (سورۃ البقرۃ:۲۰).

چوتھا معنی:...... مصدریہ، جیسے رُبَمَا يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَو كَانُوا مُسلِمِينَ. (سورہ الحجر:۲).(۲)

==================

(۱) تفسیر السراج المنیر :۱/۲۰.

(۲) نثر المرجان من مشکلات القرآن:۵۴-۵۵.

قوله تعالى: إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَىءٍ قَدِيرٌ .

یہ ماقبل کی تعلیل ہے،جس سے مذکورہ دعوی پر دلیل قائم کرنا مقصود ہے،اس طور پر کہ اللہ تعالی قادر مطلق ہے، ہر چیز پر قادر ہے، وہ کسی کا محتاج نہیں اور نہ ہی اس کے لئے کوئی چیز مانع بن سکتی ہے۔(۱)

”قدیر“ اس ذات کو کہتے ہیں جو اقتضائے حکمت کے مطابق جو چاہے کر سکے اور اس میں کمی بیشی نہ ہونے دے، لہذا اللہ تعالی کے سوا کسی کو قدیر سے موسوم کرنا جائز نہیں۔ اور یہی معنی ”مقتدر“ کے ہیں، لیکن ”مقتدر“ کیساتھ کبھی انسان بھی متصف ہوسکتا ہے، اس وقت معنی تکلیف کیساتھ قدرت حاصل کرنے والا کے ہوتے ہیں، معروف لغوی امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔ والقَدِيرُ:هو الفاعل لما يشاء على قَدرِ ما تقتضى الحكمة لا زائدا عليه ولا ناقصا عنه ولذلك لا يصحّ أن يوصف به إلا الله تعالى قال: ﴿إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَىءٍ قَدِيرٌ﴾.(البقرة : ٢١). والمُقتَدِرُ يقاربه نحو:﴿ عِندَ مَلِيكٍ مُقتَدِرٍ﴾(القمر: ٥٥) لكن قد يوصف به البشر وإذا استعمل فى الله تعالى فمعناه القَدِيرُ وإذا استعمل فى البشر فمعناه: المتكلّف والمكتسب للقدرة يقال: قَدَرتُ على كذا قُدرَةً۔ قال تعالى:﴿ لا يَقدِرُونَ عَلَى شَىءٍ مِمَّا كَسَبُوا﴾.(البقرة :٢٦٤). (٢)

===================

(١) قال العلامة القرطبى رحمه الله: ومعناه عند المتكلمين فيما يجوز وصفه تعالى بالقدرة عليه، وأجمعت الامة على تسمية الله تعالى بالقدير، فهو سبحانه قدير قادر مقتدر۔ والقدير: أبلغ فى الوصف من القادر، قاله الزجاجى. وقال الهروى: والقدير والقادر بمعنى واحد يقال: قدرت على الشىء أقدر قدرا وقدرا ومقدرة ومقدرة وقدرانا، أى قدرة. والاقتدار على الشىء: القدرة عليه۔ فالله عز وجل قادر مقتدر قدير على كل ممكن يقبل الوجود والعدم، فيجب على كل مكلف أن يعلم أن الله تعالى قادر له قدرة بها فعل ويفعل ما يشاء على وفق علمه واختياره، ويجب عليه أيضا أن يعلم أن للعبد قدرة يكتسب بها ما أقدره الله تعالى عليه على مجرى العادة، وأنه غير مستبد بقدرته؛ وإنما خص هنا تعالى صفته التى هى القدرة بالذكر دون غيرها؛ لأنه تقدم ذكر فعل مضمنة الوعيد والإخافة، فكان ذكر القدرة مناسبا لذلك. [الجامع لأحكام القرآن:١/٢٢٤].
(٢) المفردات فى غريب القرآن:٧١٩.

يَـا أَيُّهَـا النَّـاسُ اعبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِى خَلَقَكُم وَالَّذِينَ مِن قَبلِكُم لَعَلَّكُم تَتَّقُونَ﴿٢١﴾ الَّذِى جَـعَلَ لَكُمُ الأَرضَ فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ رِزقًا لَكُم فَلَا تَـجعَـلُـوا لِـلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُم تَعلَمُونَ﴿٢٢﴾ وَإِن كُنتُم فِى رَيبٍ مِمَّا نَزَّلنَا عَلَى عَبدِنَا فَأتُوا بِسُـورَةٍ مِن مِثلِهِ وَادعُوا شُهَدَاءَ كُم مِن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُم صَادِقِينَ﴿٢٣﴾ فَإِن لَم تَفعَلُوا وَلَن تَـفـعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِى وَقُودُهَا النَّاسُ وَالحِجَارَةُ أُعِدَّت لِلكَافِرِينَ﴿٢٤﴾ وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَـمِـلُـوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُم جَنَّاتٍ تَجرِى مِن تَحتِهَا الأَنهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنهَا مِن ثَمَرَةٍ رِزقًا قَـالُـوا هَـذَا الَّـذِى رُزِقـنَـا مِـن قَبـلُ وَأُتُـوا بِـهِ مُتَشَـابِهًـا وَلَهُم فِيهَـا أَزوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُم فِيهَـا خَالِدُونَ﴿٢٥﴾.

ترجمہ: اے لوگو! بندگی کرواپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور اُن کو جو تم سے پہلے تھے تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اُتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو اور اگر تم شک میں ہو اس کلام سے جو اُتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بُلاؤ اُس کو جو تمہارا مددگار ہو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو پھر اگر ایسا نہ کرسکو اور ہرگز نہ کرسکو گے تو پھر بچو اُس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے اور خوشخبری دے اُن لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کیے کہ اُن کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں اُن کے نیچے نہریں جب ملے گا اُن کو وہاں کا کوئی پھل کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو مِلا تھا ہم کو اِس سے پہلے اور دیئے جائیں گے اُن کو پھل ایک صورت کے اور اُن کے لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ وہی ہمیشہ رہیں گے۔

یہاں سے قسمِ اول کا دوسرا باب شروع ہو رہا ہے تا آیت: ۳۹۔ اس باب کا خلاصہ: اولاً دعوی توحید ونفی شرک فی العبادۃ اور اس کی وضاحت پانچ ادلہ عقلیہ سے کی گئی ہے، پھر صداقۃ الکتاب اور اثبات الرسالۃ پر وارد ہونے والے دو شبہات کے جوابات دیئے جائیں گے۔

شبہ اول:

معاندین کہتے تھے کہ قرآن کی حقانیت میں ہمیں شک وتردد ہے اور یہ آپ ﷺ کا خود ساختہ کلام ہے؟

جواب: اگر تمہیں اس کی حقانیت میں شک وتردد ہے اور اس کو آپ ﷺ کا خود ساختہ کلام قرار دیتے ہو، تو تم بھی ان جیسے انسان ہو۔ اس جیسی ایک سورت تو لے آؤ۔ وَإِن كُنتُم فِي رَيبٍ مِمَّا نَزَّلنَا عَلَى عَبدِنَا فَأتُوا بِسُورَةٍ مِن مِثلِهِ......

شبہ دوم:

معاندین کا ایک شبہ یہ تھا کہ اگر یہ قرآن اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہوتا تو اس میں حقیر اشیاء کا ذکر ہرگز نہ کیا جاتا؟

جواب: تمثیل سے محض ممثل لہ کی وضاحت اور توضیح مقصود ہوتی ہے، خواہ مثال کسی اعلی چیز کی دی جائے یا حقیر چیز کی دی جائے۔ إِنَّ اللَّهَ لَا يَستَحيِي أَن يَضرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوقَهَا...

پھر كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُم أَموَاتًا... سے دلیل دوم بر دعوی توحید کہ تمہیں عدم سے وجود بخشا۔ اور هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَا فِي الأَرضِ جَمِيعًا... دلیل سوم بر دعوی توحید کا بیان ہے کہ زمین کے جملہ منافع تمہارے لئے پیدا کیے، تم اس سے مستفید ہوتے ہو، اور اس کے بعد تین قسم کی مخلوقات سے علمِ غیب کی نفی کی گئی ہے، جس کا حاصل یہ ہے۔ اعبدوا ربكم ولا تعبدوا غيره ......

شیخ القرآن رحمہ اللہ اس کا خلاصہ یوں بیان فرمایا کرتے تھے اولاً دعوی توحید اور اس کی توضیح ادلہ خمسہ سے کی گئی ہے، پھر صداقۃ الکتاب پر وارد ہونے والے دو شبہات کے جوابات، اور اس کے بعد نِعَمِ اربعہ کا بیان ہے:۔

نعمت اول: عدم سے تمہیں وجود بخشا۔ كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُم أَموَاتًا...

نعمت دوم: زمین کے جملہ منافع تمہارے لئے پیدا کیے۔ هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُم مَا فِي الأَرضِ جَمِيعًا...

نعمت سوم: تعظيم الملائكة لأبيكم . تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو مسجود ملائکہ بنایا۔ وَإِذ قُلنَا لِلمَلَائِكَةِ اسجُدُوا لِآدَمَ ......

نعمت چہارم: اِجابة توبة أبيكم آدم عليه السلام . تمہارے باپ آدم علیہ السلام کا توبہ قبول فرمایا۔ فَتَلَقَّى آدَمُ مِن

رَبِّہ کَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَیه...(۱)

مذکورہ بالا تفصیل کے بعد اب ہم ان آیات کی تفسیر بیان کرتے ہیں، تا کہ مفہوم اور ماحصل کے فہم میں آسانی رہے۔

قوله تعالی: يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِی خَلَقَكُم وَالَّذِينَ مِن قَبلِكُم لَعَلَّكُم تَتَّقُون.

"یَـا" حرف نداء "أَیُّ" منادی مفرد مبنی علی الضم ہے۔ "ہ" زائدہ تنبیہ کے لیے ہے۔" اعبُـدُوا رَبَّـكُـمُ "مقصود بالنداء ہے، قرآن مجید میں اکثر نداء کے لیے "یَـا " حرف نداء مستعمل ہے، معروف مفسر علامہ ابی اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں کہ قرآنِ مجید میں نداء کی درج ذیل چھ قسمیں ہیں:۔

۱۔ نداء مدح. ۲۔ نداء ذم. ۳۔ نداء تنبیہ. ۴۔ نداء إضافۃ. ۵۔ نداء نسبۃ. ۶۔ نداء تسمیۃ.

۱۔ نداء المدح، جیسے: یاأیها النبی ، یا أیها الرسل ، یا أیها الذین آمنوا...

۲۔ نداء الذم، جیسے: یا أیهاالذین كَفَرُوا... یاأیها الذین هَادُوا...

۳۔ نداء التنبیہ ، جیسے: یا أیهاالإنسان ، یا أَیُّهَا الناس ...

۴۔ نداء الإضافۃ، جیسے: یا عِبَادِی ...

۵۔ نداء النسبۃ ، جیسے: یا بنی آدم ، یا بَنِی إسرائیل ...

۶۔ نداء تسمیۃ ، جیسے: یا دَاوُودُ ، یا إِبرَاهِیمَ ... وغیرہ۔

اس آیت میں نداء تنبیہ کے لیے ہے، علامہ سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ فهاهنا ذكر نداء التنبيه فقال: يا أَيُّهَا النَّاسُ أخبر بالنداء أنه يريد أن يأمر أمراً أو ينهى عن شیء. ثم بيّن الأمر فقال: اعبُدُوا رَبَّكُمُ (۲).

تابعی جلیل امام مجاہدؒ اور حضرت علقمہؒ فرماتے ہیں کہ جس آیت کی ابتداء میں "یـا أَیُّهَـا النَّـاسُ " ہے وہ مکہ میں نازل ہوئی ہے اور جس آیت کی ابتداء میں "یـا أَیُّهَـا الـذیـن امـنـوا " ہے وہ مدینہ میں نازل ہوئی ہے، علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں یہ بات کو محل ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔ قال علقمة ومجاهد: كل آية أولها "يا أيها الناس" فإنما نزلت بمكة وكل آية أولها "يا أيهـا الذين آمنوا" فإنما نزلت بالمدينة. قلت: وهذا يرده أن هذه السورة والنساء مدنيتان، وفيهما ياأيها الناس. وأما قولهما فی "يا أيها الذين آمنوا" (النساء: ۱۹) فصحيح. (۳)

====================

(۱) سمط الدرر فی ربط الآیات والسور: ۹.

(۲) تفسیر بحر العلوم: ۱/۳۳.

(۳) تفسیر قرطبی: ۱/۲۲۵.

"النَّاسُ" سے کون مراد ہیں؟ اس کی تعیین میں اہل علم کا اختلاف ہیں، معروف مفسر علامہ ابن جوزیؒ فرماتے ہیں۔ " اختلف العلماء فيمن عنى بهذا الخطاب على أربعة أقوال: أحدها: أنه عام فی جميع الناس وهو قول ابن عباس. والثانی: أنه خطاب لليهود دون غيرهم قاله الحسن ومجاهد. والثالث: أنه خطاب للكفار من مشركی العرب وغيرهم قاله السدی. والرابع: أنه خطاب للمنافقين واليهود قاله مقاتل." (١)

چوتھی صدی کے معروف مفسر علامہ ابی اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ وهذه الآية عامة، وقد تكون كلمة يا أيها الناس خاصة لأهل مكة، وقد تكون عامة لجميع الخلق، فهاهنا يا أَيُّهَا الناس لجميع الخلق، يقول للكفار: وحدوا ربكم. ويقول للعصاة: أطيعوا ربكم. ويقول للمنافقين: أخلصوا بالتوحيد معرفة ربكم. ويقول للمطيعين: اثبتوا على طاعة ربكم. واللفظ يحتمل هذه الوجوه كلها، وهو من جوامع الكلم. (٢)

اعبُدُوا رَبَّكُم. جملہ امریہ مقصود بالنداء ہے، یہ اس سورت میں پہلا حکم ہے اور یہی اسلام کی اساسی اور بنیادی تعلیم ہے کہ صرف اللہ تعالی ہی کی عبادت کرو اور اس کیساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ اسی مسئلہ کی تبلیغ وترویج کے لیے انبیاء کرام علیہم السلام مبعوث ہوئے اور انہوں نے سب سے پہلے خلق خدا کو یہی دعوت دی، حضرت نوح علیہ السلام، حضرت ہود علیہ السلام، حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت شعیب علیہ السلام نے یہی فرمایا۔ يَاقَومِ اعبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِن إِلَٰهٍ غَيرُهُ .

عبادت کا مفہوم:

عبادت کا مفہوم "اياك نعبد" کے ذیل میں بیان ہو چکا ہے، تاہم قرآن مجید میں جہاں کہیں بھی عبادت مذکور ہے، تو اس سے توحید مراد ہے، ترجمان القرآن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ كل عبادة في القرآن فهي توحيد .(٣)

توحید باری تعالی دین اسلام کا اساس اور بنیاد ہے، اس کے بغیر ایمان کا وجود متصور نہیں ہوسکتا، اور اس کے اعتراف کے بغیر ہزاروں عبادتیں بے سود ہیں، زندگی بھر کی آہ وبکاء رائیگاں ہے، بلکہ قرآن مجید نے توحید کے متصادم نظریہ کفر وشرک کو محبط اعمال کہا ہے اور اس طرح کے اعمال کے متعلق "عاملة ناصبة" اور "هباء منثورا" کا واضح اعلان فرمایا۔

یہ بات واضح ہے کہ محض عبادت ذریعہ نجات نہیں بن سکتا، قرآن مجید اور احادیث مبارکہ کی تصریحات سے یہ بات معلوم ہوتی

=======================

(١) زادالمسیر :١/٤٢.

(٢) بحرالعلوم:١/٣٣.

(٣) بحرالعلوم:١/٣٣.

ہے کہ کفار اور مشرکین مکہ بھی نماز، روزہ اور حج ادا کرتے تھے، ایک جگہ ارشاد ہے۔ قُل يَا أَيُّهَا الكَافِرُونَ لَا أَعبُدُ مَا تَعبُدُونَ وَلَا أَنتُم عَابِدُونَ مَا أَعبُدُ....(سورۃ الکافرون:۱،۲) ایک جگہ فرمایا۔ وَمَا كَانَ صَلَاتُهُم عِندَ البَيتِ إِلَّا مُكَاءً وَتَصدِيَةً. (سورۃ الأنفال:۳۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ أَجَعَلتُم سِقَايَةَ الحَاجِّ وَعِمَارَةَ المَسجِدِ الحَرَامِ كَمَن آمَنَ بِاللَّهِ وَاليَومِ الآخِرِ ...(سورۃ التوبۃ:۱۹) وغیرہ ذلک ..

اب ہم اسی معنی کی تائید کے لیے مفسرین کرامؒ کی تصریحات پیش کرتے ہیں، ملاحظہ کیجئے۔

رئیس المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔

اعبدوا ربكم، وحّدوه أى: أفردُوا الطاعة والعبادة لربكم دون سائر خلقه .(۱)

مفسر جلیل علامہ ابن عطیہ اندلسیؒ اپنی شہرہ آفاق تفسیر المحرر الوجیز میں فرماتے ہیں۔

اعبدوا ربكم : معناه وحدوه وخصوه بالعبادة .(۲)

چوتھی صدی کے معروف مفسر علامہ ابی اللیث سمرقندیؒ یوں رقمطراز ہیں۔

اعبدوا رَبَّكُمُ أى :أطيعوا ربكم ويقال : وحّدوا ربكم .(۳)

امام ابومنصور ماتریدیؒ یوں معنی بیان فرماتے ہیں۔

جعل العبادة عبارة عن التوحيد أى : اجعلواعبادتكم لله ولا تعبدوا غيره .(٤)

قوله تعالى: الَّذِى خَلَقَكُم وَالَّذِينَ مِن قَبلِكُم.

یہ دلیل عقلی انفسی اور "ربکم" کے لئے صفتِ موضحہ ہے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے ان کے تخلیق کو خاص طور پر اس لیے ذکر فرمایا کہ اہل عرب اللہ تعالیٰ کی خالقیت کے معترف تھے تو یہ ان پر از قبیل اتمام حجت ہے، بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ احسان اور امتنان کے قبیل سے ہے، معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ " خَصَّ تَعَالَى خَلقَهُ لَهُم مِن بَينِ سَائِرِ صِفَاتِهِ إِذ كَانَتِ العَرَبُ مُقِرَّةً بِأَنَّ اللَّهَ خَلَقَهَا فَذَكَرَ ذَلِكَ حُجَّةً عَلَيهِم وَتَقرِيعًا لَهُم۔ وَقِيلَ: لِيُذَكِّرَهُم بِذَلِكَ نِعمَتَهُ عَلَيهِم". (۴)

===================

(۱) تفسیر طبری:۱/۳۶۳.

(۱) المحرر الوجیز لابن عطیۃ:۱/۱۰۵.

(۲) بحر العلوم للسمرقندی:۱/۳۳،

(۳) تاویلات أہل السنۃ:۱/ ۳۹۸.

(۴) تفسیر قرطبی:۱/۶۲۶.

"وَالَّذِينَ مِن قَبلِكُم" **کا عطف** " خَلَقَكُم" **کے ضمیر مفعول** "كم" **پر ہے، کہ اللہ تعالی تمہارا بھی خالق ہے اور تمہارے آباء واجداد کا بھی خالق ہے، ان کے آباء واجداد کی تخلیق کا ذکر تذکیر اور عبرت کے طور پر ہے، تاکہ یہ لوگ اس سے عبرت حاصل کریں، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔** "فَيُقَالُ إِذَا ثَبَتَ عِندَهُم خَلقُهُم ثَبَتَ عِندَهُم خَلقُ غَيرِهِم فَالجَوَابُ: أَنَّهُ إِنَّمَا يَجرِى الكَلَامُ عَلَى التَّنبِيهِ وَالتَّذكِيرِ لِيَكُونَ أَبلَغَ فِى العِظَةِ فَذَكَّرَهُم مَن قَبلَهُم لِيَعلَمُوا أَنَّ الَّذِى أَمَاتَ مَن قَبلَهُم وَهُوَ خَلَقَهُم يُمِيتُهُم وَلِيُفَكِّرُوا فِيمَن مَضَى قَبلَهُم كَيفَ كَانُوا وَعَلَى أَىِّ الأُمُورِ مَضَوا مِن إِهلَاكِ مَن أَهلَكَ وَلِيَعلَمُوا أَنَّهُم يُبتَلَونَ كَمَا ابتُلُوا۔ وَاللَّهُ أَعلَمُ." (١)

خلق کا مفہوم:

خلق لغت میں (ایجادالشئی علی تقدیر واستواء) **یعنی کسی چیز کو بنانے کے لیے پوری طرح اندازہ لگانے کو کہتے ہیں۔ اندازہ کرنے کو کہتے ہیں، کبھی خلق ابداع (کسی چیز کو بغیر مادہ اور نمونہ کے پیدا کرنا) کے معنی میں بھی آتا ہے اور کبھی خلق ایک چیز کو دوسری چیز سے ایجاد اور بنانے کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے، تاہم خلق بمعنی ابداع باری تعالی کیساتھ خاص ہے، معروف لغوی عالم امام راغب اصبہانیؒ فرماتے ہیں۔** "الخَلقُ أصله: التقدير المستقيم ويستعمل فى إبداع الشّىء من غير أصل ولا احتذاء قال: خَلقِ السَّماواتِ وَالأَرضِ.[الأنعام:١] أى: أبدعهما بدلالة قوله: بَدِيعُ السَّماواتِ وَالأَرضِ [البقرة:١١٧]، ويستعمل فى إيجاد الشىء من الشىء نحو: خَلَقَكُم مِن نَفسٍ واحِدَةٍ. [النساء:١]، خَلَقَ الإنسانَ مِن نُطفَةٍ. [النحل:٤]، خَلَقنَا الإنسانَ مِن سُلالَةٍ. [المؤمنون:١٢]، وَلَقَد خَلَقناكُم. [الأعراف:١١]، خَلَقَ الجَانَّ مِن مارِجٍ. [الرحمن:١٥]، وليس الخَلقُ الذى هو الإبداع إلّا لله تعالى، ولهذا قال فى الفصل بينه تعالى وبين غيره: أَفَمَن يَخلُقُ كَمَن لا يَخلُقُ أَفَلا تَذَكَّرُونَ. [النحل:١٧]، وأمّا الذى يكون بالاستحالة فقد جعله الله تعالى لغيره فى بعض الأحوال كعيسى حيث قال: وَإِذ تَخلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيئَةِ الطَّيرِ بِإِذنِى. [المائدة:١١٠] ".(٢)

---

(١) تفسیر قرطبی:١/٢٢٦.

(٢) المفردات فی غریب القرآن:٢٩٦.

قوله تعالى : لَعَلَّكُم تَتَّقُونَ :

ماقبل "اعبدوا" **کیساتھ متعلق ہے۔** "خلقكم" **کیساتھ متعلق نہیں اور یہ ماقبل کی تعلیل ہے کہ اللہ تعالی کی توحید اور وحدانیت کا اعتراف موجب قرب الہی ہے اور یہ اساسی اور بنیادی طور پر نجات کا ذریعہ ہے، امام ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں۔** يحتمل وجهين: يحتمل: تتقون المعاصي والمناهي والمحارم التي حرم الله عليكم. فإذا كان هذا هو المراد فذلك راجع إلى المؤمنين. ويحتمل قوله: ﴿تَتَّقُونَ﴾ والشرك وعبادة غير الله فذلك راجع إلى الكفرة. قال الشيخ: الأَحسن في الأمر بالتقوى والتوحيد أَن يجعل عامًا وفي الخبر عن التقوى خاصًّا.(۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں بظاہر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ متقین کے لیے نجاۃ من النار لامحالہ ویقینی ہے، تو پھر حرفِ توقع "لعل" کو کیوں ذکر کیا گیا ہے؟ اس کی کیا حکمت ہو سکتی ہے؟

پہلا جواب: بادشاہوں کی عادت ہوتی ہے کہ امور یقینیہ کو الفاظِ توقع کیساتھ تعبیر کرتے ہیں، کیونکہ ان پر کسی کا زور وجبر نہیں چلتا۔ **معروف مفسر امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔** أن من عادة الملوك والعظماء أن يقتصروا في مواعيدهم التي يوطنون أنفسهم على إنجازها على أن يقولوا لعل وعسى ونحوهما من الكلمات .(۲)

دوسرا جواب: **بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہ توقع باعتبار زعم المخاطب کے ہے اور فی نفسہ اس میں تیقن پایا جاتا ہے جیسے ارشاد ہے۔** فَقُولَا لَهُ قَولًا لَيِّنًا لَعَلَّهُ يَتَذَكَّرُ أَو يَخشَى (سورۃ طہٰ:۴۴) **تو یہاں پر تذکیر وخشیت باعتبار زعم المخاطب کے ہے ورنہ اللہ تعالی انکے احوال سے بخوبی باخبر تھا، مفسر شہیر امام رازیؒ فرماتے ہیں۔** أي اذهبا أنتما على رجاء كما وطمعكما في إيمانه، ثم الله تعالى عالم بما يؤول إليه أمره.(۳)

تیسرا جواب: **بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اصل میں** "لعل" **ترجی کے لیے موضوع ہے، لیکن باری تعالی کے کلام میں وجوب اور یقین کے لیے آتا ہے، معروف نحوی عالم امام سیبویہؒ فرماتے ہیں۔** لعل وعسى حرفا ترج وهما من الله واجب. (٤)

==================

(۱) تأویلات أہل السنۃ:۱/۳۹۹.

(۲) مفاتیح الغیب:۲/۳۳۴.

(۳) المصدر السابق:۲/۳۳۴.

(۴) تفسیر معالم التنزیل للبغوی:۱/۷۲، الدر المنثور للسیوطی:۱/۸۵، تفسیر مظہری:۱/۳۶، تفسیر خازن:۱/۳۰.

مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ ولعل فی الأصل للترجی ، وفی کلامه تعالی للتحقیق.(۱)

چوتھا جواب: امام المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ اور علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ کلام عرب میں "لعل" بمعنی "کَی" کے بھی مستعمل ہوتا ہے، تو یہاں معنی ہوگا اس لئے کہ تم متقی بن جاؤ۔ معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ أن العرب استعملت لعل مجردة من الشك بمعنی لام کی فالمعنی...ولتتقوا... وهذا القول عن قطرب و الطبری (۲).☆

قوله تعالی : الَّذِی جَعَلَ لَکُمُ الأَرضَ فِرَاشاً:

یہ دعوی "اعبدوا" پر دوسری دلیل عقلی سفلی ہے۔ "جعل" بمعنی "صیّر" کے ہے، یہ دو مفعولوں کی طرف متعدی ہے۔ "الأَرضَ" مفعول اول اور "فراشاً" اس کے لیے مفعول ثانی ہے، کبھی "جعل" بمعنی "خلق" آتا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ "مَا جَعَلَ اللَّهُ مِن بَحِیرَةٍ وَلا سائبَةٍ". (المائدۃ:۱۰۳) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَجَعَلَ الظُّلُماتِ وَالنُّورَ" (الأنعام:۱) اور کبھی "جعل" بمعنی "سمی" آتا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ "حم وَالکِتابِ المُبِینِ. إِنَّا جَعَلناهُ قُرآناً عَرَبِیًّا". (الزخرف:۱۳) ایک جگہ فرمایا۔ "وَجَعَلُوا لَهُ مِن عِبادِهِ جُزءاً". (الزخرف:۱۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَجَعَلُوا المَلائِکَةَ الَّذِینَ هُم عِبادُ الرَّحمنِ إِناثاً ." (الزخرف:۱۹) أَی سَمَّوهُم.

====================

(۱) السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۴۰.

(۲) تفسیر قرطبی:۱/۲۲۷.

☆ قال العلامه القرطبی رحمه الله: وهذا وما کان مثله فیما ورد فی کلام الله تعالی من قوله: لعلکم تعقلون... لعلکم تشکرون... لعلکم تذکرون...لعلکم تهتدون. فیه ثلاث تأویلات:الأول: أن "لعل" علی بابها من الترجی والتوقع والترجی والتوقع، إنما هو فی حیز البشر فکأنه قیل لهم: افعلوا ذلك علی الرجاء منکم والطمع أن تعقلوا وأن تذکروا وأن تتقوا. هذا قول سیبویه ورؤساء اللسان. قال سیبویه فی قوله عز وجل: اذهبا إلی فرعون إنه طغی. فقولا له قولا لینا لعله یتذکر أو یخشی. [طه:٤٣-٤٤]: قال معناه: اذهبا علی طمعکما ورجاء کما أن یتذکر أو یخشی. واختار هذا القول أبو المعالی. الثانی: أن العرب استعملت "لعل" مجردة من الشك بمعنی لام کی. فالمعنی لتعقلوا ولتذکروا ولتتقوا...المعنی: کفوا الحروب لنکف ولو کانت "لعل" هنا شکا لم یوثقوا لهم کل موثق وهذا القول عن قطرب والطبری. الثالث أن تکون "لعل" بمعنی التعرض للشیء کأنه قیل: افعلوا ذلك متعرضین لأن تعقلوا أو لأن تذکروا أو لأن تتقوا. والمعنی فی قوله" لعلکم تتقون" أی لعلکم أن تجعلوا بقبول ما أمرکم الله به وقایة بینکم وبین النار. وهذا من قول العرب: اتقاه بحقه إذا استقبله به فکأنه جعل دفعه حقه إلیه وقایة له من المطالبة. ومنه قول علی رضی الله عنه: کنا إذا احمر البأس اتقینا بالنبیﷺ أی جعلناه وقایة لنا من العدو. [تفسیر قرطبی:۱/۲۲۶-۲۲۷]

"أرض"،ہراس چیز کو کہتے ہیں جو انسان کے قدموں کے نیچے ہو،معروف لغوی عالم علامہ ابوالفیض مرتضی زبیدیؒ فرماتے ہیں۔" وکُلُّ مَا سَفَلَ فهُوَ أَرض"(١)

"فراشاً"،میں ترکیبی دواحتمال ہیں: اگر "جعل "،بمعنی "صیّر" کے ہوتو یہ اس کے لیے مفعول ثانی ہے اوراگر "جعل " بمعنی "خلق" کے ہوتو یہ "الأرض"سے حال ہوگا،یعنی اللہ وہ ذات ہے،جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا بنایا،نہ تو اتنی سخت ہے کہ اس سے کوئی چیز اُگ نہ سکے،نہ اتنی نرم ہے،جس میں ہر چیز دھنس جائے،مزاج میں اعتدال و ہموار پن ہے اوراس کی توازن برقرار رکھنے کے لیے پہاڑوں کو اس پر گاڑ دیا تاکہ اس میں تحرک واضطراب پیدا نہ ہوسکے۔مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔"أی وِطَاءً یَفتَرِشُونَهَا وَیَستَقِرُّونَ عَلَیهَا. وَمَا لَیسَ بِفِرَاشٍ کَالجِبَالِ وَالأَوعَارِ وَالبِحَارِ فَهِیَ مِن مَصَالِحِ مَا یُفتَرَشُ مِنهَا؛ لِأَنَّ الجِبَالَ کَالأَوتَادِ کَمَا قَالَ: أَلَم نَجعَلِ الأَرضَ مِهاداً. وَالجِبالَ أَوتاداً. (النبأ:٦٧). وَالبِحَارُ تُرکَبُ إِلَی سَائِرِ مَنَافِعِهَا کَمَا قَالَ: وَالفُلكِ الَّتِی تَجرِی فِی البَحرِ بِما یَنفَعُ النَّاسَ. (البقرة:١٦٤)". (٢)

قوله تعالی: وَالسَّمَاءَ بِنَاء:

یہ دعوی "اعبدوا" پر تیسری دلیل عقلی علوی ہے،یہ ماقبل "الأرضَ فِرَاشًا" پرعطف ہے،"سماء" ہراس چیز کو کہتے ہیں،جو انسان کے سر کے اُوپر ہو۔معروف لغوی علامہ ابوالفیض مرتضی زبیدیؒ فرماتے ہیں۔ "السَّماءُ:کُلُّ مَا عَلاَكَ فَأَظَلَّكَ وَمِنه سَقفُ کلِّ شيءٍ وکُلُّ بَیتٍ سَماءٌ." (٣)

اور"السماء" اسم جنس ہے،اس کا اطلاق واحداور جمع سب پر یکساں طور پر ہوتا ہے،جیسے دیناور درہم۔مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ والسماء اسم جنس یقع علی الواحد وعلی المتعدد کالدینار والدرهم(٤).

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔"السَّمَاءُ لِلأَرضِ کَالسَّقفِ لِلبَیت"(٥)

یعنی آسمان زمین کے لیے ایسے ہے جیسے گھر کے لیے چھت ہوتا ہے،ارشاد باری تعالی ہے۔" وَجَعَلنَا السَّمَاءَ سَقفاً مَحفُوظاً ." (الأنبیاء:٣٢).

======================

(١) . تاج العروس:١٨/٢٢٦.

(٢) تفسیر قرطبی:١/٢٨٨.

(٣) تاج العروس:٣٨/٣٠١.

(٤) السراج المنیر للخطیب الشربینی:١/٤٠.

(٥) تفسیر قرطبی:١/٢٢٩.

"بناء" مصدر ہے اور اس جہت مراد ہے، مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ "والبناء مصدر سمی به المبنی بیتاً کان أو قبة أو خباء ومنه: بنی علی امرأته لأنهم کانوا إذا تزوّجوا ضربوا علیها خباء جدیداً." (۱)

قوله تعالی: وَأَنزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً:

یہ دعوی "اعبدوا" پر چوتھی دلیل عقلی وسطی ہے، یہ ماقبل "جعل" پر عطف ہے،" مِنَ السَّمَاءِ" کا متعلق" أَنزَل" ہے، یا یہ" مَاء" مفعول سے حال ہے۔ "أی کائنامن السماء". اس کا مفہوم یہ ہے کہ آسمان کی جہت سے پانی برساتا ہے، یا بادلوں سے بارانِ رحمت برساتا ہے، معروف مفسر علامہ ابو سعودؒ فرماتے ہیں۔ "أی أنزل من جهتها أو منها إلی السحاب، ومن السحاب إلی الأرض کما رُوی ذلك عنه علیه الصلاة والسلام، أو المرادُ بالسماء جهةُ العلو".(۲)

قوله تعالی: فَأَخرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَٰتِ رِزقاً لَّکُم.

یہ دعوی "اعبدوا" پر پانچویں دلیل عقلی وسطی ہے،"فَأَخرَجَ" کا عطف ماقبل"أَنزَلَ..." پر ہے" بِهِ" کی ضمیر مرجع" مَاءً" ہے۔" مِنَ الثَّمَرَٰتِ" میں" مِنَ "تبعیضیہ ہے، یا بیانیہ ہے۔" الثَّمَرَٰت" کو جمع لا کر اس بات کی اشارہ کیا گیا ہے کہ پانی سے نکالے جانے والے پھل بے شمار ہیں۔" رِزقاً "اگر" من "تبعیضیہ ہو تو یہ مفعول لہ ہوگا اور اگر "من" بیانیہ ہو تو یہ مفعول بہ ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالی اس بارانِ رحمت کے ذریعے سے مختلف قسم کے پھل اُ گاتا ہے۔ یہ اسناد مجازی ہے، اس لیے کہ پھل قدرت الہی سے نکلتے ہیں، لیکن پانی اس لیے ظاہری سبب ہے، جس طرح (ماء الفحل فی خلق الولد) سبب ہوتا ہے، معروف مفسر علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "خروج الثمرات بقدرته ومشیته وإیجاده، ولکن جعل الماء سبباً فی خروجها کماء الفحل فی خلق الولد، وهو قادر علی إنشاء الکل بلا سبب، کما أنشأ نفوس الأسباب والمواد، ولکن له فی إنشاء الأشیاء مدرجاً لها من حال إلی حال وناقلاً من مرتبة إلی مرتبة حکماً وعبراً للنظار بعیون الاستبصار." (۳)

رزق کا مفہوم عام ہے، خواہ ثمرات سے ہوں، یا زمین سے دیگر اُگنے والی فصلیں ہوں، جیسا کہ ارشاد ہے۔ فَلیَنظُرِ الإِنسَانُ إِلَی طَعَامِهِ أَنَّا صَبَبنَا المَاءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقنَا الأَرضَ شَقًّا فَأَنبَتنَا فِیهَا حَبًّا وَعِنَبًا وَقَضبًا وَزَیتُونًا وَنَخلًا وَحَدَائِقَ غُلبًا وَفَاکِهَةً وَأَبًّا .(سورۃ عبس وتولی:۲۴-۳۱).

===========================

(۱) تفسیر السراج المنیر :۱/۳۲.
(۲) تفسیر ابی السعود:۱/۶۱.
(۳) تفسیر المدارک:۱/۶۳.

معروف مفسر علامہ قرطبیؒ اس کا مفہوم یوں بیان فرماتے ہیں۔ " والمعنى في الآية: أخرجنا لكم ألوانا من الثمرات وأنواعا من النبات رزقا طعاما لكم وعلفا لدوابكم، وقد بين هذا قوله تعالى: أَنَّا صَبَبْنَا الماءَ صَبًّا. ثُمَّ شَقَقنَا الأَرضَ شَقًّا. فَأَنبَتنا فِيها حَبًّا وَعِنَباً وَقَضباً وَزَيتُوناً وَنَخلًا. وَحَدائقَ غُلباً. وَفاكِهَةً وَأَبًّا. مَتاعاً لَكُم وَلِأَنعامِكُم ". (عبس:۲۴-۳۲). (۱)

قوله تعالى : فَلَا تَجعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا:

"ف" تفریعیہ یا فصیحیہ یا سببیہ ہے اور یہ ماقبل "اعبــــدوا" کیساتھ متعلق ہے، یا محل رفع میں خبر واقع ہے، مفسر جلیل علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ " هو متعلق بالأمر، أي اعبدوا ربكم فلا تجعلوا له أنداداً؛ لأن أصل العبادة وأساسها التوحيد، وأن لا يجعل له ند ولا شريك. ويجوز أن يكون الذي رفعاً على الابتداء وخبره فلا تجعلوا. ودخول الفاء؛ لأن الكلام يتضمن الجزاء أي الذي حفكم بهذه الآيات العظيمة والدلائل النيرة الشاهدة بالوحدانية فلا تتخذوا له شركاء." (۲)

یہ نتیجہ بطور ثمرہ ہے، یعنی جب تم اپنا، اپنے آباء واجداد اور تمام مخلوقات کا خالق اور مربی اللہ تعالی ہی کو مانتے ہو۔ تمہیں اس بات کو بھی اقرار ہے کہ ارض وسماء اور کائنات کا نظام چلانے والا بھی اللہ تعالی ہی ہے اور ہر چیز اس کے قبضہ وقدرت میں ہے، اس امور مسلمہ کو بطور دلیل پیش کرنے کے بعد فرمایا۔ "فَلَا تَجعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا ".

"ند" کا مفہوم:

"انداداً" "ند" کی جمع ہے۔ "ند" اس کو کہتے ہیں، جو کسی شئی کی ذات اور جوہر میں شریک ہو۔ "ند" اور "مثل" میں فرق یہ ہے کہ "مثل" عام ہے، اس کا استعمال ہر قسم کی شرکت میں ہوتا ہے، لیکن "ند" خاص ہے، اس کا استعمال صرف ذاتی شرکت میں ہوتا ہے۔ امام راغب اصبہانیؒ فرماتے ہیں۔ "نَدِيدُ الشيءِ: مُشارِكه في جَوهَره وذلك ضربٌ من المُماثلة فإنّ المِثل يقال في أيِّ مشاركةٍ كانت فكلّ نِدٍّ مثلٌ وليس كلّ مثلٍ نِدّاً". (۳)

معروف لغوی عالم علامہ ابوالفیض مرتضی زبیدیؒ فرماتے ہیں کہ لغت میں مثل ومساوی اور مشابہ کو کہتے ہیں، ایک شاعر فرماتے ہیں۔

====================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۸۸.

(۲) تفسیر النسفی:۱/۶۳.

(۳) المفردات فی غریب القرآن:۷۹۶، لغات القرآن:۱/۲۷۵.

نَحمَدُ اللّٰهَ وَلَا نِدَّ لَهُ عِندَهُ الخَيرُ وَمَا شَاءَ فَعَل

جلیل القدر صحابی حضرت حسان بن ثابتؓ نے مشرکین کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا۔

أَتَهجُوهُ وَلَستَ لَهُ بِنِدٍّ فَشَرُّكُمَا لِخَيرِكُمَا الفِدَاءُ

امام اخفشؒ فرماتے ہیں کہ "ند" مثل ومشابہ کو بھی اور مخالف ومدمقابل کو بھی کہتے ہیں (۱)۔

امام ابوعبیدہؒ فرماتے ہیں کہ "انـدادا" کا معنی "اضـدادا" ہے۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ اس کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ "أَی أَكفَاءً وَأَمثَالًا وَنُظَرَاءَ." (۲)

ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں۔ "فَـلا تَـجعَلُوا لِلّٰهِ أَنداداً وَأَنتُم تَعلَمُونَ أَی لَا تُشرِكُوا بِاللّٰهِ غَيرَهُ مِـنَ الأَنـدَادِ الَّتِى لَا تَنفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَأَنتُم تَعلَمُونَ أَنَّهُ لَا رَبَّ لَكُم يَرزُقُكُم غَيرُهُ وَقَد عَلِمتُم أَنَّ الَّذِى يَدعُوكُم إِلَيهِ الرَّسُولُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وسلم من التوحيد هُوَ الحَقُّ الَّذِى لَا شَكَّ فِيهِ. وَهَكَذَا قَالَ قَتَادَةُ." (۳)

ایک اشکال اوراس کا جواب:

یہاں بظاہر ایک اشکال ہوتا ہے کہ مشرکین اپنے معبودوں کو اللہ تعالی کے مساوی نہیں سمجھتے تھے اور نہ ہی ان کو ذات باری تعالی میں شریک جانتے تھے، تو پھر کس طرح "فلا تجعلوا لله أنداداً" فرمایا؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ انہیں علی سبیل التہکم کہا ہے کہ تم نے اس ذات کے لئے "نـــد" بنایا جس کے لیے "ند" متصور ہی نہیں ہوسکتا ہے، مفسر جلیل علامہ بیضاوی اور خطیب شربینیؒ واللفظ لہ فرماتے ہیں۔ لـمـا تـركـوا عبـادتـه إلى عبـادتهـا، وسـمـوها آلهة شابهت حالهم حال من يعتقد أنها ذوات واجبة بالذات قادرة على أنها تدفع عنهم بـأس الـلـه وتـمـنـحهـم ما لم يرد الله بهم من خير، فتهكم الله تعالى بهم، وشنع عليهم بأن جعلوا أندادا لمن يمتنع أن يكون له ند.(٤)

اسی وجہ زمانہ جاہلیت کا ایک موحد زید بن عمرو بن نفیل نے اپنے دین کو خیر باد کہتے ہوئے فرمایا۔

أرباً واحـــــــداً أم ألف رب أدين إذا تقسمت الأمــــور

=======================

(۱) تاج العروس:۹/ ۲۱۷.

(۲) تفسیر قرطبی:۱/ ۲۳۰.

(۳) تفسیر ابن کثیر:۱/ ۱۰۵.

(۴) السراج المنیر للخطیب الشربینی ۱/ ۴۲، تفسیر ابی السعود:۱/ ۶۲.

ترکت اللات والعزى جميعاً — كذلك يفعل الرجل البصير
ألم تعلم بأن الله أفنى — رجالاً كان شأنهم الفجور
وأبقى آخرين ببرّ قوم — فيربو منهم الطفل الصغير(۱)

دوسرا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ انہیں انداد علی سبیل المجاز کہا ہے، مفسر جلیل علامہ ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ وسموا أنداداً على جهة المجاز من حيث أشركوهم معه تعالى فى التسمية بالإلهية والعبادة صورة لا حقيقة لأنهم لم يكونوا يعبدونهم لذواتهم بل للتقرب إلى الله تعالى وكانوا يسمون الله إله الآلهة ورب الأرباب.(۲)

ہر وہ کلمہ جس میں شرک کا ادنی شبہ اور وہم ہو تو اس سے احتراز لازم ہے، معجم طبرانی میں روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرمایا۔ "ما شاء الله وشئت". جو اللہ تعالی چاہے اور آپ چاہیں، تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ "أجعلتني لله ندا؟" کیا تو نے مجھے اللہ تعالی کا شریک بنایا؟! (۳)

چوتھی صدی کے معروف مفسر امام ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی یہ کلمہ کہے۔ "لولا كلبه هذا لأتانا اللصوص." اگر یہ کُتّا نہ ہوتا تو رات کو ہمیں چور لوٹ جاتے۔ اور یا یوں کہے۔ "لولا البط فى الدار لأتى اللصوص." اگر گھر میں بطخیں نہ ہوتی تو چور آجاتے۔ وغیرہ ذلک...... تو فرمایا کہ "فإن هذا كله به شرك" یہ تمام کلمات شرکیہ ہیں۔(۴)☆

---

(۱) وقيل هى لزيد بن عمرو بن نفيل فلقى فى ذلك من قريش شرا حتى أخرجوه عن الحرم فكان لا يدخله إلا ليلا. وقال القلمس بن أمية النانى يخطب للعرب بفناء مكة: أطيعونى ترشدوا. قالوا: وما ذاك قال: إنكم قد تفرقتم بآلهة شتى وإنى لأعلم ما الله راض به وإن الله رب هذه الآلهة وإنه ليحب أن يعبد وحده. قال: فتفرقت عنه العرب حين قال ذلك وتجنبت عنه طائفة أخرى وزعمت أنه على دين بنى تميم. (الملل والنحل للشہرستانی:۳/۹۳)

(۲) تفسیر البحر المحیط :۱/۱۶۱.

(۳) أخرجه الطبرانى فى المعجم الكبير:۱۲/۲۲٤، رقم :۱۳۰۰۵، والبخارى فى الأدب المفرد، باب قول الرجل ما شاء الله وشئت :۲۷٤، رقم : ۷۸۳، وأبونعيم فى حلية الأولياء :٤/۹۹.

(۴) تفسیر ابن أبی حاتم:۱/۶۲، ابن کثیر:۱/۱۹۶.

☆ وقال القرطبى فى تفسير قوله تعالى:﴿ وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِاللَّهِ إِلَّا وَهُم مُشْرِكُونَ ﴾.(يوسف: ۱۰٦). وقيل: معناها أنهم يدعون الله ينجيهم من الهلكة فإذا أنجاهم قال قائلهم: لولا فلان ما نجونا ولولا الكلب لدخل علينا اللص ونحو هذا فيجعلون نعمة الله منسوبة إلى فلان ووقايته منسوبة إلى الكلب۔ قلت: وقد يقع فى هذا القول والذى قبله كثير من عوام المسلمين. (تفسیر قرطبی:۹/۲۷۳).

قوله تعالى : وَأَنتُم تَعلَمُونَ:

یہ ماقبل ''لا تجعلوا '' کی ضمیر فاعل سے حال ہے، اوراس کے مفعول کو بناء بر تعمیم حذف کیا گیا ہے، جلیل القدر مفسر علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ "حالٌ من ضميرِ "لا تجعلوا" بصرف التقييد إلى ما أفاده النهى من قُبح المنهى عنه ووجوبِ الاجتنابِ عنه. ومفعول تعلمون مطروحٌ بالكُلِّية، كأنَّه قيل: لا تجعلوا ذلك؛ فإنه قبيحٌ واجبُ الاجتناب عنه. والحال أنكم من اهل العلم بدقائق الأمورِ وإصابة الرأى. أو مقدرٌ حسبما يقتضيه المقام نحو: وأنتم تعلمون بطلان ذلك، أو تعلمون انه لا يماثله شئ، أو تعلمون ما بينه وبينها من التفاوت، أو تعلمون أنها لا تفعل مثلَ أفعاله كما فى قوله تعالى:﴿هَل مِن شُرَكَاءِ كُم مَّن يَفعَلُ مِن ذَلِكُم مِّن شَىءٍ﴾ أو غير ذلك ".(١)

یہ خطاب کافروں اور منافقین کو ہے، ترجمان القرآن حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہاں علم سے ایک نوع خاص علم مراد ہے، یا علم بالقوۃ والامکان مراد ہے، علامہ ابن فورکؒ فرماتے ہیں کہ خطاب اہل ایمان کو ہے، معروف مفسر علامہ قرطبی اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ " فإن قيل: كيف وصفهم بالعلم، وقد نعتهم بخلاف ذلك من الختم والطبع والصمم والعمى؟ فالجواب من وجهين: أحدهما: "وأنتم تعلمون". يريد العلم الخاص بأن الله تعالى خلق الخلق، وأنزل الماء وأنبت الرزق، فيعلمون أنه المنعم عليهم دون الأنداد. الثاني: أن يكون المعنى: وأنتم تعلمون وحدانيته بالقوة والإمكان، لو تدبرتم ونظرتم! والله أعلم... وقال ابن فورك: يحتمل أن تتناول الآية المؤمنين فالمعنى: لا ترتدوا أيها المؤمنون، وتجعلوا لله أندادا بعد علمكم الذى هو نفى الجهل بأن الله واحد." (٢)

اس کا مفہوم معروف مفسر نسفیؒ یوں بیان فرماتے ہیں۔ وَأَنتُم تَعلَمُونَ أنها لا تخلق شيئاً ولا ترزق والله الخالق الرازق.(٣)

امام المتکلمین ابومنصور ماتریدیؒ فرماتے ہیں۔ وأنتم تعلمون لا تضر ولا تنفع ......(٤)

مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

فَلا تَجعَلُوا لِلَّهِ أَندَادًا وَأَنتُم تَعلَمُونَ أى: لا تشركوا بالله غيره من الأنداد التى لا تنفع ولا تضر وأنتم تعلمون

==========================

(١) تفسیر ابی السعود:١/٦٣.

(٢) تفسیر قرطبی:١/٢٣١.

(٣) تفسیر النسفی:١/٢٧.

(٤) تاویلات أہل السنۃ:١/٣٩٩.

أنـه لا رب لـكـم يرزقكم غيره وقد علمتم أن الذى يدعوكم إليه الرسول صلى الله عليه وسلم من توحيده هو الحق الذى لا شك فيه. وهكذا قال قتادة. (۱)

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔

مـعـنـاه: إنكم لكمال عقولكم تعلمون أن هذه الأشياء لا يصح جعلها أنداداً لله تعالى فلا تقولوا ذلك فإن القول القبيح ممن علم قبحه يكون أقبح.(۲)

تمہیں اپنے عقل کامل کے ذریعے سے یہ بات معلوم ہے کہ یہ معبوداللہ تعالی کیساتھ ''ند'' بننے کے قابل نہیں،تو اسی طرح نہ کہو ،کیونکہ علم کے باوجود نازیبا کلمات باوجود کہنا بہت زیادہ قبیح حرکت ہے۔

ماضی قریب کے معروف مفسر علامہ مصطفیٰ مراغیؒ یوں معنی بیان فرماتے ہیں۔

وَ أَنتُـم تَـعلَمُونَ، أى وإنكم لتعلمون بطلان ذلك، وإنكم إذا سئلتم من رزقكم من السموات والأرض، ومن يـدبـر الأمـر تقولون: اللّه فلم إذا تدعون غيره، وتستشفعون به؟ ومن أين أتيتم بهذه الوسائط التى لا تضر ولا تـنـفـع، ومـن أين جاء كم أن التقرب إلى اللّه يكون بغير ما شرعه اللّه حتى قلتم: ﴿ما نَعبُدُهُم إِلَّا لِيُقَرِّبُونا إِلَى اللَّهِ زُلفى﴾. (۳)

وجودِ باری تعالی پر استدلال:

حافظ ابن کثیرؒ اور دیگر اہل علم نے اس آیت سے وجود باری تعالی پر استدلال کیا ہے،آسمان کی رفعت زمین کی سرسبز وشادابی لیل ونہار کے انقلابات مخلوقات کے طبیعت ورنگ میں باہم تفاوت یہ سب اللہ تعالی کی توحید پر دال ہیں،چنانچہ ایک اعرابی سے کسی نے پوچھا کہ اللہ تعالی کی وجود پر کیا دلیل ہے،تو وہ فرمانے لگا۔ يـا سبحان الله! إن البعرة لتدل على البعير وإن أثر الأقـدام لتـدل عـلـى المسير فسماء ذات أبراج وأرض ذات فجاج وبحار ذات أمواج ألا يدل ذلك على وجود الـلـطيف الخبير. یعنی مینگنی سے اُونٹ معلوم ہوسکے اور پاؤں کے نشانات زمین پر دیکھ معلوم ہو جائے کہ کون آدمی گیا ہے تو کیا یہ برجوں والا آسمان، یہ راستوں والی زمین، یہ ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر باریک بین اور باخبر اللہ کے وجود پر دلیل نہیں بن سکتے ؟!!

امام مالکؒ سے خلیفہ ہارون الرشید نے وجود باری تعالی پر دلیل طلب کی۔تو آپ نے لغات کی باہمی اختلاف اور آوازوں

=====================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۹۵.

(۲) تفسیر کبیر للرازی:۲/۳۴۴.

(۳) تفسیر المراغی:۱/۶۴.

کی آپس میں تفاوت سے اللہ تعالی کی وجود ووحدانیت پر استدلال کیا ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے زنادقہ دہریہ نے اللہ تعالی کے وجود کے متعلق سوال کیا۔تو امام صاحبؒ نے فرمایا۔ مجھے چھوڑو میں ایک سوچ میں ہوں!لوگوں نے مجھ سے کہا کہ ایک بہت بڑی کشتی جس میں مختلف قسم کا تجارتی سامان ہے نہ اس کا کوئی نگہبان ہے، نہ ہی کوئی چلانے والا ہے اوراس کے باوجود بالکل سیدھی جارہی ہے اور بڑی بڑی موجوں کوخود بخود چیرتی پھاڑتی گزرجاتی ہے ٹھہرنے کی جگہ ٹھہرجاتی ہےاور چلنے کی جگہ چلتی رہتی ہے،حالانکہ اس کا کوئی ملاح وغیرہ نہیں۔سوال کرنے والے دہریوں نے کہا آپ کس سوچ میں پڑ گئے ہو؟ کوئی عقلمند ایسی بات کہہ سکتا ہے کہ اتنی بڑی کشتی اتنے بڑے نظام کیساتھ تلاطم خیز سمندر میں آئے جائے اوراس کا کوئی چلانے والا نہ ہو۔تو آپ نے فرمایا صد افسوس!!تمہاری عقلوں پر ایک چھوٹی سی کشتی تو بغیر چلانے والے کے نہ چل سکے اور کائنات کا یہ اتنا وسیع وعریض نظام چل رہا ہواوراس کا کوئی مالک وخالق نہ ہو؟؟ یہ جواب سنتے ہی وہ خاموش ہوگئے اوراس کوحق جان کر مسلمان ہوئے۔

امام شافعیؒ سے کسی نے وجود باری تعالی پر دلیل کا مطالبہ کیا،آپ نے فرمایا۔ "هذا ورق التوت طعمه واحد تأكله الدود فيخرج منه الإبريسم وتأكله النحل فيخرج منه العسل وتأكله الشاة والبعير والأنعام فتلقيه بعرًا وروثا وتأكله الظباء فيخرج منها المسك وهو شيء واحد." توت کے پتے ایک ہی ہیں اورایک ہی ذائقہ کے ہیں، کیڑے ،شہد کی مکھیاں، گائیں، بکریاں اور ہرن وغیرہ سب اس کو چباتے کھاتے چرتے چکتے ہیں،اسی کوریشم کا کیڑا کھا کر ریشم تیار کرتا ہے ،مکھی شہد بناتی ہے، ہرن میں مشک پیدا ہوتا ہےاور گائیں ،بکریاں وغیرہ مینگنیاں کرتی ہیں ،کیا یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ ایک پتے میں یہ مختلف خواص پیدا کرنے والا کوئی ذات ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ سے کسی نے وجود باری تعالی پر دلیل کا مطالبہ کیا،تو آپ نے ارشاد فرمایا سنو!ایک مضبوط قلعہ ہےجس میں کوئی شگاف یادراڑ نہیں اور نہ ہی کوئی راستہ ہے، بلکہ سوراخ تک نہیں باہر سے چاندی کی طرح چمک رہا ہےاوراندر سے سونے کی طرح دمک رہا ہے،اُوپر نیچے دائیں بائیں چاروں طرف سے بالکل بند ہے یہاں تک کہ ہوا بھی اندر نہیں جاسکتی ہے اچانک اس کی ایک دیوارگرتی ہےایک جاندار آنکھوں،کانوں والا خوبصورت شکل اور پیاری بولی چلتا پھرتا نکل آتا ہے،ذرا بتاؤ تو سہی!اس بند اور محفوظ مقام میں اسے پیدا کرنے والا کوئی ہے یا نہیں؟اور وہ ذات انسانی ہستیوں سے بالاتر اوراس کی قدرت غیر محدود ہے یانہیں ؟ آپ کا مقصد یہ تھا کہ انڈے کو دیکھو چاروں طرف سے بند ہے، پھراس میں پروردگار خالق یکتا جاندار بچہ پیدا کرتا ہے،اس سے بڑھ کر باری تعالی کی وجوداور وحدانیت پر اور کیا دلیل ہوسکتی ہے؟!(۱)

===================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۹۷، مفاتیح الغیب للرازی:۲/۳۳۴،

عرب کے مشہور شاعر ابوالنواس سے جب وجودِ باری تعالی کے متعلق استفسار کیا گیا تو فرمانے لگا۔(۱)

تَأَمَّل فِی نَبَاتِ الأَرضِ وَانظُر إِلَی آثَارِ مَـــا صَنَعَ المَلِیکُ
عُیُونٌ مِن لُجَینٍ شَاخِصَـاتٌ بِأَحدَاقٍ هِیَ الذَّهَبُ السَّبِیکُ
عَلَی قُضُبِ الزَّبَرجَدِ شَاهِدَاتٌ بِأَنَّ اللّٰهَ لَیسَ لَـــهُ شَرِیکُ

معروف شاعر ابوالعباس ابن المعتز نے کیا خوب کہا ہے۔

فَیَا عَجَبًا کَیفَ یُعصَی الإِلَـــهُ أَم کَیفَ یَجحَدُهُ الجَـــاحِدُ
وَفِی کُلِّ شَیءٍ لَـــــهُ آیَةً تَدُلُّ عَلَی أَنَّهُ وَاحِـــــدُ

قولـه تعـالی: وَإِن کُنتُم فِی رَیبٍ مِمَّا نَزَّلنَا عَلَی عَبدِنَا فَأتُوا بِسُورَةٍ مِن مِثلِهِ وَادعُوا شُهَدَاءَکُم مِن دُونِ اللّٰهِ إِن کُنتُم صَادِقِینَ. ﴿۲۳﴾

ماقبل میں جب مسئلہ توحید کو ادلہ عقلیہ متنوعہ سے مبرہن ومدلل کیا گیا، تو معاندین کے دامن میں لایعنی اور بیہودہ اعتراضات کے سوا کچھ نہ رہا۔ ضرب المثل معروف ہے کہ ''خوئے بدرا بہانہ بسیار''۔ توانہوں نے قرآن مجید کی صداقت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت سے انکار کرنے کے لیے شکوک وشبہات کا ایک غیر متناہی سلسلہ شروع کیا۔ اب یہاں سے من جملہ صداقۃ القرآن اور اثبات الرسالۃ پر ہونے والے دو شبہوں کا جواب دیا جا رہا ہے، ایک شبہ یہ تھا کہ قرآن میں مسئلہ توحید کا بیان ہے اور یہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا خود ساختہ کلام ہے، لہٰذا ہم اسے نہیں مانتے؟ تو ان کا جواب یہ دیا کہ یہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہے، یہ کوئی خود ساختہ کلام نہیں، اگر پھر بھی تمہیں اس میں شک وتردد ہے، تم بھی عرب ہو، تم میں بھی فصاحت وبلاغت کے دعوی دار موجود ہیں اور تمہیں بھی اپنی عربیت اور انشاء پردازی پر ناز ہے، تو اس جیسی ایک سورت بنا کر لاؤ، اور اس کی نظیر پیش کرو۔

قرآن مجید میں یہ تحدی اور چیلنج مختلف مقامات میں متنوع انداز سے دیا گیا ہے، کبھی پورے قرآن مجید جیسی کتاب لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ قُـل فَـأتُـوا بِـکِتَـابٍ مِـن عِـنـدِ اللّٰهِ هُوَ أَهدَی مِنهُمَا أَتَّبِعهُ إِن کُنتُم صَادِقِینَ. (سورۃ القصص:۴۹) اسی طرح ایک دوسری جگہ ارشاد ہے۔ قُـل لَئِن اجتَمَعَتِ الإِنسُ وَالجِنُّ عَلَی أَن یَأتُوا بِمِثلِ هَذَا القُرآنِ لَا یَأتُونَ بِمِثلِهِ وَلَو کَانَ بَعضُهُم لِبَعضٍ ظَهِیرًا. (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۸).

====================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۹۸، مفاتیح الغیب:۲/۳۳۴.

کبھی دس سورتوں کی تحدی دی گئی ہے، جیسے ارشاد ہے۔ أَم یَقُـولُونَ افتَرَاهُ قُل فَأتُوا بِعَشرِ سُوَرٍ مِثلِهِ مُفتَرَیَاتٍ وَادعُوا

مَنِ استَطَعتُم مِن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُم صَادِقِينَ. (سورۃ ہود:۱۳) **کبھی ایک سورت کا مطالبہ کیا گیا ہے، جیسے ارشاد ہے۔** وَمَا كَانَ هَذَا القُرآنُ أَن يُفتَرَى مِن دُونِ اللَّهِ وَلَكِن تَصدِيقَ الَّذِى بَينَ يَدَيهِ وَتَفصِيلَ الكِتَابِ لَا رَيبَ فِيهِ مِن رَبِّ العَالَمِينَ أَم يَقُولُونَ افتَرَاهُ قُل فَأتُوا بِسُورَةٍ مِثلِهِ وَادعُوا مَنِ استَطَعتُم مِن دُونِ اللَّهِ إِن كُنتُم صَادِقِينَ . (سورۃ یونس: ۳۸،۳۷) **اور کبھی ایک سورت کے بعض حصہ لانے کا مطالبہ کیا گیا ہے، جیسے یہاں ارشاد ہے۔** وَإِن كُنتُم فِى رَيبٍ مِمَّا نزلنَا عَلَى عَبدِنَا فَأتُوا بِسُورَةٍ مِن مِثلِه..

الغرض جن لوگوں کی مادری زبان عربی تھی، جنہیں اپنی زبان دانی اور اپنی فصاحت پر ناز تھا اور جو غیر عربی قوموں کو عجمی (گونگا) کہتے تھے۔ وہ درحقیقت اس چیلنج کے جواب سے عاجز و بے بس تھے، لہذا وہ نہ تو پورا قرآن بنا سکے، نہ دس سورتیں، بلکہ وہ تو ایک چھوٹی سی سورت بھی نہ بنا سکے۔ مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ وَقَد تَحَدَّاهُم بِهَذَا فِى مَكَّةَ وَالمَدِينَةِ مَرَّاتٍ عَدِيدَةٍ مَعَ شِدَّةِ عَدَاوَتِهِم لَهُ وَبُغضِهِم لِدِينِهِ وَمَعَ هَذَا عَجَزُوا عَن ذَلِكَ وَلِهَذَا قَالَ تَعَالَى: ﴿فَإِن لَم تَفعَلُوا وَلَن تَفعَلُوا﴾ وَلَن لنفى التأبيد فى المستقبل أى: وَلَن تَفعَلُوا ذَلِكَ أَبَدًا وَهَذِهِ أَيضًا معجزة أخرى وهو أنه أخبر خبرا جازما قاطعا مقدما غير خائف ولا مشفق أن هذا القرآن لا يعارض بمثله أبد الآبدين ودهر الداهرين وَكَذَلِكَ وَقَعَ الأَمرُ لَم يُعَارَض مِن لَدُنهُ إِلَى زَمَانِنَا هَذَا وَلَا يُمكِنُ وَأَنَّى يَتَأَتَّى ذَلِكَ لِأَحَدٍ وَالقُرآنُ كَلَامُ اللَّهِ خَالِقِ كُلِّ شَيءٍ وَكَيفَ يُشبِهُ كَلَامُ الخَالِقِ كَلَامَ المَخلُوقِينَ. وَمَن تَدَبَّرَ القُرآنَ وَجَدَ فِيهِ مِن وُجُوهِ الإِعجَازِ فُنُونًا ظَاهِرَةً وَخَفِيَّةً مِن حَيثُ اللَّفظِ وَمِن جِهَةِ المَعنَى.(۱)

قوله تعالى: وَإِن كُنتُم فِى رَيبٍ مِمَّا نَزَّلنَا عَلَى عَبدِنَا فَأتُوا بِسُورَةٍ مِن مِثلِهِ:

"وَ" استنافیہ "إن" حرف شرط ہے "كُنتُم فِى رَيبٍ" فعل شرط ہے "رَيبٍ" لغت میں شک وتردد کو کہتے ہیں، اس کی تفصیل ماقبل "لا ریب فیہ" کی ذیل میں گزر چکی ہے، اس میں تنوین تحقیر کے لیے ہے، جس میں اس طرف اشارہ ہے کہ ان کا شبہ کوئی قوی نہیں، بلکہ ایک نہایت معمولی، مہمل اور حقیر شبہ ہے، جو سراسر قصور فہم اور عناد پر مبنی ہے۔

"مِمَّا" ظرف مستقر "رَيبٍ" کی صفت ہے، یا "رَيبٍ" کیساتھ متعلق ہے "ما" موصولہ یا موصوفہ ہے "نَزَّلنَا" جملہ صلہ یا صفت ہے، اس کا عائد "ہ" ضمیر محذوف ہے، معروف لغوی علامہ ابوالبقاء عکبریؒ فرماتے ہیں۔ "مما نزلنا" فى موضع جر

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۰۸.

صفة لريب، أى ريب كائن مما نزلنا. والعائد على ما محذوف أى نزلناه. و"ما" بمعنى "الذى" أو نكرة

موصوفة. ويجوز أن يتعلق من بـ"ريب" أی إن ارتبتم من أجل ما نزلنا"(١).

''نزلنا'' تنزیل میں تدریج پایا جاتا ہے، اس لیے"أنزلنا" نہیں کہا، کیونکہ "تنزیل" کا معنی ٹکڑے ٹکڑے کرکے نازل کرنا ہے اور "انــــزال " کے معنی ایک بار نازل کرنا ہے، قرآن مجید کے نزول کے متعلق دونوں طرح کے الفاظ (انزال، تنزیل) مستعمل ہیں، اس لیے کہ قرآن مجید لوح محفوظ سے بیت المعمور تک ایک بار نازل ہوا، پھر وہاں سے حسب ضرورت رسول اللہ ﷺ پر نازل ہوتا رہا۔ اس نزول تدریجی سے ناداں اور بے وقوفوں کو شک پیدا ہوا کہ یہ تو شعراء اور مصنفین کی طرح تھوڑا تھوڑا تصنیف کرکے ہمیں سناتا ہے، اگر یہ من جانب اللہ ہوتا تو تورات وانجیل کی طرح ایک مرتبہ نازل ہوجاتا، جیسے ارشاد ہے۔ وَقَـــالَ الَّــذِيـنَ كَفَرُوا لَولَا نُزِّلَ عَلَيهِ القُرآنُ جُملَةً وَاحِدَةً . (الفرقان:٣٢).

لیکن یہ جاہل اور بے وقوف نزول تدریجی کی لم وحکمت سے واقف نہ تھے، اس لیے انہوں نے بے جا اعتراضات شروع کیے۔ اس آیت میں انہیں تحدی دی گئی ہے کہ اگر تم اس زعم فاسد اور خیال باطل کی وجہ سے اس کتاب کے منزل من جانب اللہ ہونے میں متردد ہو تو تم بھی اسی طرح ایک ہی مرتبہ اس جیسی ایک چھوٹی سے چھوٹی سورت بنالاؤ، جو فصاحت وبلاغت اور حسن معانی میں قرآن کا نمونہ ہو۔ مفسر جلیل علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ "وإيثـار التـنـزيـل الـمنبئ عن التدريج على مطلقِ الإنزالِ؛ لتـذكيـرِ مـنشـأ ارتيـابِهـم وبـنـاءُ التحدی عليه إرخاءٌ للعِنان وتوسيعاً للميدان؛ فإنهم كانوا اتخذوا نزولَه منجّماً وسيـلةً إلـى إنـكـاره، فـجُـعـل ذلك مـن مبادی الاعتراف به كأنه قيل: إن ارتبتم فی شأن ما نزلناه على مهل وتـدريـجٍ فهـاتوا أنتم مثلَ نَوبةٍ فذةٍ من نُوَبه ونَجم فَردٍ من نجومه؛ فإنه أيسرُ عليكم من أن يُنزلَ جُملةً واحدة، ويُتحدَّى بالكل وهذا كما ترى غايةُ ما يكون فی التبكيت وإزاحةِ العلل ." (٢)

"عَـلَى عَبدِنَا" ماقبل "نـزلنا" کیساتھ متعلق ہے، کلمہ "عَلَیٰ" استعلاء، غلبہ اور احاطہ کے لیے ہے، اس میں اشارہ ہے کہ کلام الٰہی کے انوار وبرکات اور وحی ربانی کے تجلیات اللہ تعالی کے اس خاص بندہ کو ہر طرف اور ہر جانب سے احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

"عَبدِنَا" (اپنے خاص بندے پر) میں اضافت تشریفیہ ہے، جیسے بیت الله ، ناقة الله وغیرہ میں ہے، اس سے رسول اللہ ﷺ مراد ہے، اس اضافت میں دو نکتے ہیں، ایک رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتکریم کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ عبودیت میں غایت درجہ

====================

(١) التبيان فی اعراب القرآن:١/٤٠.

(٢) تفسیر ابی السعود:١/٦٤.

کا کمال اور انقیاد پایا جاتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان کے جملہ اوصاف میں عبدیت سب سے اعلی وافضل صفت ہے، اسی لیے مجنون نے اس پر فخر کرتے ہوئے فرمایا کہ مجھے وصف عبدیت کیساتھ پکارا کرو۔ مفسر جلیل علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں ۔والعبودية على ما نص عليه العارفون أشرف الأوصاف وأعلى المراتب، وبها يفتخر المحبون كما قيل :(١)

لا تدعني إلا بيا عبدها فإنه أشرف أسمائي

اضافت میں دوسرا نکتہ یہ ہیں کہ اس میں آپ کے کامل درجہ کا مطیع وفرمابردار ہونے کی طرف اشارہ ہے، مفسر جلیل علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ وفي ذكره صلى الله عليه وسلم بعنوانِ العبوديةِ مع الإضافةِ إلى ضميرِ الجلالة من التشريفِ والتنويه والتنبيهِ على اختصاصه به عز وجل وانقيادة لأوامره تعالى مالا يخفى(٢).

قرآن مجید میں رسول اللہ ﷺ اور دیگر انبیاء علیہم السلام کا تذکرہ وصف عبدیت کیساتھ خاص طور پر ذکر ہے، اس لیے مشرکوں کی فہم وسمجھ میں عبدیت کا پہلو کبھی نہیں آیا، ہر بزرگ اور مقدس ہستی ان کے خیال میں فوق البشر ہوتی ہے اور فوق البشر عبد محض کیسے ہوسکتا ہے؟ لامحالہ یا خدا ہوگا یا نیم خدا ہوگا یا کم از کم کسی درجہ میں معبود اور حاجت روا تو ضرور ہوگا۔ قرآن مجید نے اس مشرکانہ اعتقاد کی قدم بہ قدم تردید کی ہے اور انبیاء علیہم السلام کی عبدیت کا اثبات شد ومد سے کیا ہے۔

دنیا میں سب سے زیادہ قوت وشدت کیساتھ انکار حضرت عیسی علیہ السلام کی عبدیت کا کیا گیا ہے، نصاری نے آپ کو بجائے عبد کے معبود کے درجہ پر رکھا ہے، اس لیے آپ کے نام کی تصریح کرتے ہوئے فرمایا۔ لَن يَستَنكِفَ المَسِيحُ أَن يَكُونَ عَبدًا لِلَّهِ. (النساء:١٧٢) مزید تاکید کے لیے وصف عبدیت کو خود آپ علیہ السلام کی زبان سے دہرایا ہے، آپ نے شروع ہی میں اپنی زبان سے کہہ دیا۔ إِنِّي عَبدُ اللَّهِ آتَانِيَ الكِتَابَ وَجَعَلَنِي نَبِيًّا . (مریم:٣٠)

عبدیت کا اثبات دیگر انبیاء علیہم السلام کے حق میں بھی ان کے نام کیساتھ ذکر ہے، حضرت زکریا علیہ السلام کے متعلق فرمایا۔ ذِكرُ رَحمَتِ رَبِّكَ عَبدَهُ زَكَرِيَّا. (مریم:٢) حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ میں ان کا نام لینے کے بعد فرمایا۔ إِنَّهُ كَانَ عَبدًا شَكُورًا . (الاسراء:٣) حضرت داؤد علیہ السلام کے تذکرہ میں فرمایا۔ وَاذكُر عَبدَنَا دَاوُودَ ذَا الأَيدِ إِنَّهُ أَوَّابٌ . (ص:١٧) حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر بھی اسی وصف کیساتھ ہے۔ وَوَهَبنَا لِدَاوُودَ سُلَيمَانَ نِعمَ العَبدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ. (ص:٣٠) حضرت ایوب علیہ السلام کا تذکرہ بھی اسی وصف کیساتھ ہے۔ وَاذكُر عَبدَنَا أَيُّوبَ. (ص:٤١) نیز فرمایا۔ إِنَّا

---

(١) روح المعانی:٦/٨.

(٢) تفسیر ابی السعود:٦٤/١.

وَجَدنَاهُ صَابِرًا نِعمَ العَبدُ إِنَّهُ أَوَّابٌ . (ص:۴۴) ایک مقام پر تین انبیاء علیہم السلام کا ذکر ایک ساتھ آیا ہے اور تینوں کا وصف عبدیت کیساتھ ذکر فرمایا۔ وَاذكُر عِبَادَنَا إِبرَاهِيمَ وَإِسحَاقَ وَيَعقُوبَ أُولِي الأَيدِي وَالأَبصَارِ . (ص:۴۵).

یہ سب تذکرے دوسرے انبیاء علیہم السلام کے تھے، سید الانبیاء محمد رسول اللہ ﷺ کی عبدیت قرآن مجید نے زیادہ تکرار کیساتھ بیان کیا ہے، سفر معراج آپ کا مشہور و نمایاں معجزہ ہے، اس سلسلہ میں آپ کی نسبت مع اللہ کا اظہار اسی وصف عبدیت ہی کیساتھ کیا ہے۔ سُبحَانَ الَّذِی أَسرَى بِعَبدِهِ لَيلًا مِنَ المَسجِدِ الحَرَامِ إِلَى المَسجِدِ الأَقصَى...(سورۃ بنی اسرائیل:۱) مقام وحی میں بھی یہی صفت عبدیت ذکر کی گئی ہے۔ وَمَا يَنطِقُ عَنِ الهَوَى إِن هُوَ إِلَّا وَحيٌ يُوحَى.(سورۃ النجم:۳،۴) مقام عبادت میں بھی اسی وصف عبدیت کو ذکر فرمایا۔ أَرَأَيتَ الَّذِی يَنهَى عَبدًا إِذَا صَلَّى .(سورۃ العلق:۹،۱۰) مقام دعوت میں بھی یہی صفت عبدیت مذکور ہے۔ وَأَنَّهُ لَمَّا قَامَ عَبدُ اللَّهِ يَدعُوهُ كَادُوا يَكُونُونَ عَلَيهِ لِبَدًا .(سورۃ الجن:۱۹) محل لطف وعنایت نزول قرآن کے وقت بھی صفت عبدیت ہی کا تذکرہ فرمایا۔ تَبَارَكَ الَّذِی نَزَّلَ الفُرقَانَ عَلَى عَبدِهِ لِيَكُونَ لِلعَالَمِينَ نَذِيرًا .(سورۃ الفرقان:۱) نیز ارشاد ہے۔ الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِی أَنزَلَ عَلَى عَبدِهِ الكِتَابَ وَلَم يَجعَل لَهُ عِوَجًا. (سورۃ الکہف:۱) ایک جگہ فرمایا۔ أَلَيسَ اللَّهُ بِكَافٍ عَبدَهُ ......(سورۃ الزمر:۳۶) اور اظہار کرم کے خصوصی مواقع میں بھی ذکر جمیل اسی وصف عبدیت کیساتھ ہے۔هُوَ الَّذِی يُنَزِّلُ عَلَى عَبدِهِ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ . .(الحدید:۹) اس آیت میں جہاں آپ کے سب سے بڑے معجزے قرآن مجید کا ذکر ہے تو وہاں آپ کا لقب عبد ہی مذکور ہے۔الغرض عبدیت سب سے اعلی و اشرف مرتبہ و مقام ہے(۱)۔

واضح رہے کہ یہ آیت رسول اللہ ﷺ کی عبدیت پر عبارۃ النص ہے، اس سے انکار نصوص قطعیہ سے انکار کے مترادف ہے۔

قوله تعالى :فَأتُوا بِسُورَةٍ مِن مِثلِهِ.

''فَأتُوا بِسُورَةٍ''جملہ جواب شرط ہے، امر تعجیز اور القام الحجر کے قبیل سے ہے، جیسے ''فأت بهامن المغرب'' ہے، اس لیے کہ اللہ تعالی کو ان کی بے بسی اور عجز علم تھا۔ ''سُورَةٍ'' لفظ سورۃ کی تفصیل سورۃ فاتحہ کی تفسیر میں گزر چکی ہے، تاہم لفظ سورۃ قرآن مجید کی ہر سورت کو شامل ہے، خواہ طویل ہو یا قصیر ہو، جس طرح قرآن مجید کی طویل سورتیں معجز ہیں اسی طرح چھوٹی سورتیں بھی معجز ہیں، بلکہ قرآن مجید کا ایک جملہ تامہ بھی معجز ہے، تمام فصحاء و بلغاء مل کر بھی اس کی نظیر نہیں لا سکتے۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں۔ ''من'' زائدہ ہے۔ أى فَأتُوا بِسُورَةٍ مِثلِهِ. یعنی اس طرح سورت لے آؤ، جو بعینہ قرآن

=========================

(۱) مزید تفصیل کے لئے دیکھئے العبودیۃ للشیخ الاسلام ابن تیمیہؒ، بشریت انبیاء، علامہ عبدالماجد دریا آبادیؒ.

مجید کی مانند ہو۔اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "من" تبعیضیہ ہے،یعنی ایک سورت لے آؤ، جو بعض وجوہ مماثلت میں قرآن مجید کی مانند ہو۔(۱)

"مثله" کی ضمیر میں دو احتمال ہیں:۔

پہلا احتمال: ضمیر کا مرجع "ما" ہے،اب معنی یوں ہوگا۔ فاتوا بسورة مما هو على صفة فى الفصاحة و حسن النظم. یعنی ایسی سورت بنالاؤ، جو فصاحت و بلاغت کے اعلی مقام پر فائز ہو۔ یہ حضرت عمرؓ،عبداللہ بن مسعودؓ،ابن عباسؓ اور اکثر محققین کی رائے ہے، سیاق آیت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے،اور یہی قول راجح ہے،مفسر جلیل علامہ ابن عادل دمشقیؒ فرماتے ہیں۔ أنها تعود على ما نَزَّلنا عند الجمهور كعمرو وابن مسعود وابن عباس والحسن وقتادة ومجاهد وغيرهم فيكون من مثله صفة لـ سورة، ويتعلّق بمحذوف على ما تقرر: أى بسورة كائنة من مثل المنزل فى فصاحته وإخباره بالغيوب وغير ذلك(۲).☆(۳)

================

(۱) تفسیر کبیر للرازی:۲/۱۰۹.

(۲) تفسیر اللباب:۱/۴۳۵. تفسیر ابن کثیر:۱/۱۹۹.

☆ قال الإمام الرازى ما ملخصه: وعود الضمير إلى القرآن أرجح لوجوه: أحدها: أن ذلك مطابق لسائر الآيات الواردة فى باب التحدى لا سيما ما ذكره فى سورة يونس من قوله: ﴿فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِثْلِهِ﴾. وثانيها: أن البحث إنما وقع فى المنزل وهو القرآن لأنه قال: ﴿وَإِن كُنتُم فِي رَيبٍ مِمَّا نَزَّلنا﴾. فوجب صرف الضمير إليه ألا ترى أن المعنى وإن ارتبتم فى أن القرآن منزل من عند الله فهاتوا أنتم شيئًا مما يماثله وقضية الترتيب لو كان الضمير مردودا إلى رسول الله صلّى الله عليه وسلّم أن يقال: وإن ارتبتم فى أن محمدا منزل عليه فهاتوا قرآنا مثله. وثالثها: أن الضمير لو كان عائدا إلى القرآن لاقتضى كونهم عاجزين عن الإتيان بمثله سواء اجتمعوا أو انفردوا وسواء كانوا أميين أو عالمين أما لو كان عائدا إلى محمد صلّى الله عليه وسلّم فذلك لا يقتضى إلا كون آحادهم من الأميين عاجزين عنه لأنه لا يكون مثل محمد إلا الشخص الأمى فأما لو اجتمعوا وكانوا قارئين لم يكونوا مثل محمد لأن الجماعة لا تماثل الواحد والقارئ لا يكون مثل الأمى ولا شك أن الإعجاز على الوجه الأول أقوى.ورابعها: أننا لو صرفنا الضمير إلى محمد صلّى الله عليه وسلّم لكان ذلك يوهم أن صدور مثل القرآن مما لم يكن مثل محمد فى كونه أميا ممكن ولو صرفناه إلى القرآن لدل ذلك على أن صدور مثله من الأمى ومن غير الأمى ممتنع فكان هذا أولى . (تفسیر کبیر:۱/۲۲۲)

(۳) قال محيى الدين درويش رحمه الله: فهو إماأن يعود على القرآن فهما متعلقان بمحذوف صفة لسورة وإما أن يعود على عبدنا فهما متعلقان بقوله: "فأتوا"، والمعنى على الأول يتناول عدة أمور:

آ– فأتوا بسورة من مثله فى حسن النظم وبديع الوصف وروعة الأسلوب وإيجازه. =

دوسرا احتمال: ضمیر کا مرجع "عبدنا" ہے۔ اس میں صورت معنی ہوگا۔ فاتو ا مما هو على حاله من كونه بشراً أمياً لم يقرأ الكتب ولم يأخذ من العلماء. یعنی تم بھی کوئی سورت بنالاؤ مثل ہمارے بندے کے، یعنی جس طرح ہمارے ناخواندہ نبی نے سورت لائی ہے، اسی طرح تم بھی کسی ان پڑھ آدمی سے اسی طرح ایک سورت بنا کر لے آؤ۔ اس قول کو مفسرین کرامؒ نے مرجوح وبعید تر قرار دیا ہے، کیونکہ اس صورت میں بظاہر تحدی امیین کیساتھ خاص ہوگی، اور مقابلہ بھی ان کیساتھ ہوگا، حالانکہ قرآن مجید کی یہ چیلنج وتحدی عام ہے۔ قُل لئِنِ اجتَمَعَتِ الإنسُ وَالجنُّ عَلَى أَن يَأتُوا بِمِثلِ هَذَا القُرآنِ لَا يَأتُونَ بِمِثلِهِ وَلَو كَانَ بَعضُهُم لِبَعضٍ ظَهِيرًا. (سورۃ بنی اسرائیل: ۸۸).

مماثلت کا مفہوم:

مماثلت سے فصاحت وبلاغت، الفاظ کا حسنِ نظم، معانی کا وسعت مفہوم، جملوں میں باہم ارتباط اور کلام کی روانگی وغیرہ مراد ہے، حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ مماثلت سے محض فصاحت وبلاغت مراد نہیں، کیونکہ قرآن کریم کی یہ تحدی تا قیامت آنے والوں انسانوں اور تمام منکرین کو دی گئی ہے، خواہ عربی ہوں یا عجمی ہوں، بلکہ اس سے مراد ایسی سورت ہے، جو فصاحت وبلاغت میں، مضامین کی ندرت میں، واقعاتِ ماضیہ اور آتیہ کی صداقت میں، امثال ومواعظ کی اثر انگیزی میں، دلائل وبراہین کی جامعیت میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے پیش کردہ قرآن کی مثل وہم پلہ ہو۔(۱)

=====================

= ب– فأتوا بسورة من مثله فى غيبوبة أخباره وأحاديثه عن الماضين وتحدثه عما يكون.

ج– فأتوا بسورة من مثله فيما انطوى عليه من أمر ونهى ووعد ووعيد وبشارة وإنذار وحكم وأمثال.

د– فأتوا بسورة من مثله فى صدقه وصيانته من التحريف والتبديل وغير ذلك من خصائصه.

ه–فأتوا بسورة من مثله فى منطوياته البعيدة وأحكامه المتمشية مع تطورات الأزمنة وتقدم العلوم ومواكبته للحضارة الانسانية فى مختلف ظروفها وأحوالها.

والمعنى على الثانى يتناول عدة أمور أيضا:

آ– فأتوا من مثل الرسول، أى من أمّىّ لا يحسن الكتابة على الفطرة الأصلية.

ب– فأتوا من مثل الرسول أى من رسول لم يدارس العلماء ولم يجالس الحكماء ولم يتعاط أخبار الأولين ولم يؤثر ذلك عنه بحال من الأحوال.

ج– فأتوا من مثل الرسول أى من كل رجل كما تحسبونه فى زعمكم شاعر أو مجنون وكلا المعنيين كما ترى حسن جميل. (اعراب القرآن:۱/۵۶-۵۸).

(۱) تفسیر جواہر القرآن:۱/۲۶.

قوله تعالى : وَادعُوا شُهَدَاءَ كُم:

یہ ماقبل ''فَـأتُوا'' پر عطف ہے، ''شُهَـدَاءَ كُم ''مفعول بہ ہے، ''شُهَدَاءَ'' جمع "شهيد" کی ہے۔ "شهيد" کا معنی گواہی دینے والا، حاضر، مدد کرنے والا اور حاکم کے ہیں، اس مادہ میں حاضر ہونے کا معنی ملحوظ ہے، خواہ یہ حضور بالذات یا بالتصور ہو۔ مؤخر الذکر تینوں معنوں (حاضر، مدد کرنے والا، حاکم) میں حضور بالذات پایا جاتا ہے، اس لیے کہ حاضر تو موقع پر حاضر ہوتا ہی ہے، مدد کرنے والا بھی موقع پر حاضر ہوتا ہے اور حاکم کے حضور مقدمات کا فیصلہ کیا جاتا ہے، لیکن اول الذکر معنی (گواہی دینے والا) میں حضور کا مفہوم بالتصور پایا جاتا ہے۔ اس مقام میں مذکورہ چاروں معانی مراد ہو سکتے ہیں، یعنی تم قرآن مجید کے ایک سورت کے مثل بنانے میں جو لوگ اس وقت بڑے فصیح و بلیغ حاضر اور موجود ہیں انہیں بلاؤ اور ان سے مدد لو۔ اور جو لوگ تمہارے خود ساختہ کلام پر سورت کے مثل ہونے کی گواہی دیں اُن کو بھی بلاؤ۔ اور جو لوگ تمہارے زعم میں تمہارے مددگار، حاجت روا و مشکل کشاء ہیں، جن کی نام کی تم نذور نیازیں دیتے ہوں اور جن کی عبادت کرتے ہوں اُن سب سے مدد لو۔ الغرض سب اپنا زور بازو آزما کے دیکھو۔ اور پھر سب جمع ہو کر حکام وقت اور قضاۃ مملکت کے پاس اس نزاع کے فیصلہ کے لیے چلے جاؤ۔ پھر دیکھنا وہ کیا فیصلہ کرتے ہیں؟!

الغرض اگر تم اپنے دعویٰ میں حق بجانب ہو تو قرآن مجید کی ایک سورت کے مثل لانے میں اپنے علماء، خطباء، شعراء، زعماء و رہنما، معبودانِ باطلہ، احبار و رھبان، اعوان و انصار سب کو اللہ تعالیٰ کے سوا بلا لاؤ۔ اور سب سے تعاون و مدد مانگ کے دیکھ لو۔

معروف مفسر علامہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ أي استعينوا بأحبار كم ورهبانكم ، يعني عبّادكم إن كُنتُم صادقين فيما تشكون فيه... أي استعينوا بآلهتكم ، ويقال : استعينوا بخطباء كم وشعراء كم إن كُنتُم صادقين أن محمداً يقوله من تلقاء نفسه.(١)

مفسر جلیل علامہ بغویؒ یوں معنی بیان فرماتے ہیں۔ وَادعُوا شُهَدَاءَ كُم، أي واستعينوا بآلهتكم التي تعبدونها .(٢)

مفسر شہیر حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ قال ابن عباس: شُهَدَاءَ كُم ،أعوانكم .(٣)

معروف مفسر علامہ قرطبیؒ رقم طراز ہیں۔ أن المعنى استعينوا بمن وجدتموه من علمائكم وأحضروهم ليشاهدوا

==========================

(۱) تفسیر بحر العلوم للسمرقندی:۱/۳۴.

(۲) معالم التنزیل للبغوی:۱/۷۲.

(۳) ابن کثیر:۱/۱۹۹.

ما تأتون به. (۱)

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی فرماتے ہیں۔ أی علماء کم . **جیسے ارشاد ہے۔** قُلْ هَلُمَّ شُهَدَاءَ كُمُ الَّذِينَ يَشْهَدُونَ أَنَّ اللَّهَ حَرَّمَ هَذَا ......(سورۃ الأنعام:۱۴۹). (۲)

قوله تعالى : مِن دُونِ اللَّه:

یہ ماقبل "وادعوا" **کیساتھ متعلق ہے۔ یا** "شهداء کم" **کیساتھ متعلق ہے، پھر معنی یوں ہوگا۔** ادعُوا مَن اتخذتموه آلهةً مِن دونِ الله وَزَعَمتُم أنهم يَشهدون لكم بصحةِ عبادتِكم إياهم .

معروف نحوی علامہ ابوالبقاء عکبریؒ فرماتے ہیں کہ یہ "شهداء کم" **سے حال ہے اور اس کا عامل محذوف ہے۔ تقدیر عبارت یوں ہوگی۔** تقديرُه: شهداءَ كم منفردين عنِ الله أو عن أنصارِ الله .(۳)

"دون" **فوق کی نقیض ہے، یہ ظرف لازم الاضافت ہے، اصل میں ادنی اور خسیس چیز کو کہتے ہیں، اور** "الشئی الدون" **حقیر و ناقص چیز کو کہا جاتا ہے، جیسا کہ ایک شعر ہے۔**

إِذَا مَا عَلَا المَرءُ رَامَ العُلَاءَ وَيَقنَعُ بِالدُّونِ مَن كَانَ دُونَا

پھر مجاز کے طور پر تفاوت فی الأحوال کے لیے استعمال ہونے لگا، جیسے کہا جاتا ہے۔ "زيد دون عمرو". **اس وقت کہا جاتا ہے کہ جب زید عمرو سے علم و شرافت میں کم ہو۔ نیز محاورہ ہے۔** "هذا البيت دون بيت فلان" . **پھر یہ توسع کی بناء پر اپنے معنی سے منقول ہو کر** "غیر" **کے معنی میں مستعمل ہوتا ہے۔ یہاں بھی یہ** "غیر" **کے معنی میں ہے، یعنی اللہ تعالی کے غیر اور اس کے سوا جس قدر تمہارے مددگار ہیں سب سے مدد لو۔ معروف مفسر علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔** ومعنى دون: أدنى مكان من الشيء، ومنه تدوين الكتب؛ لأنه أدنى البعض من البعض. ودونك هذا أي: خذه من أدنى مكان منك. ثم استعير للرتب فقيل: عمرو دون زيد أي: في الشرف. ومنه الشيء الدون، ثم اتسع فيه فاستعمل في كل تجاوز حد إلى آخر وتخطى أمر إلى آخر، وإن خلى عن الرتبة قال تعالى: ﴿لا يتخذ المؤمنون الكافرين أولياء من دون المؤمنين﴾، أي: لا يتجاوزوا ولاية المؤمنين إلى ولاية الكافرين. (۴)

======================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۳۲-۲۳۳.

(۲) فتح الرحمٰن بذیل الآیۃ.

(۳) التبیان فی اعراب القرآن:۱/۴۰.

(۴) تفسیر السراج المنیر :۱/۲۵.

قوله تعالى : إِن كُنتُم صَادِقِينَ:

یہ شرط ہے، اس کی جزاء "فافعلوا " محذوف ہے، تقدیرعبارت یوں ہوگی۔ إن كنتم صادقين فافعلوا. یعنی اگرتم اپنے اس دعوی میں سچے ہو کہ قرآن مجید رسول اللہ ﷺ کا خودساختہ کلام ہے اور تمہارے معبود تمہاری مدد ونصرت کر سکتے ہیں، تو اس کی نظیر پیش کر کے دیکھاؤ۔ مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ فی أن محمداً صلى الله عليه وسلم يقوله من تلقاء نفسه وأن آلهتكم تشهد لكم بذلك وجواب هذا الشرط محذوف تقديره فافعلوا .. (١)

معروف مفسر علامہ ابوسعودؒ رقم طراز ہیں۔ وهو شرطٌ حذفَ جوابُه لدلالةِ ما سبق عليهِ أى إن كنتُم صادقين فأتوا بسورة من مثله الخ واستلزامُ المقدَّم للتالى من حيث إن صدقَهم فى ذلك الزَّعم يستدعى قدرتَهم على الإتيانِ بمثله بقضيةِ مشاركتِهم لهُ عليهِ السَّلامُ فى البشريةِ والعربيةِ مع ما بهم من طولِ الممارسةِ للخُطب والأشعارِ وكثرةِ المزاولةِ لأساليبِ النظمِ والنثرِ والمبالغةِ فى حفظِ الوقائعِ والأيام لاسيما عند المظاهرة والتعاونِ ولا ريب فى أن القدرة على الشئ من موجباتِ الإتيانِ به ودواعى الأمرِ به.(٢)

قوله تعالى: فَإِن لَم تَفعَلُوا وَلَن تَفعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِى وَقُودُهَا النَّاسُ وَالحِجَارَةُ أُعِدَّت لِلكَافِرِينَ.

ماقبل آیت میں اللہ تعالی نے پوری دنیا کے مخالفین اور معاندین کو مخاطب کر کے چیلنج دیا ہے کہ اگر اس کلام الٰہی کو اللہ تعالی کا کلام نہیں سمجھتے ہو، بلکہ کسی انسان کا کلام سمجھتے ہو تو تم بھی انسان ہو، تم بھی اہل زبان ہو، اور تم ہر مجلس اور تقریب میں جہاں اہل سخن جمع ہوتے ہیں اپنے کلام واشعار سناتے ہو اور زبان دانی میں اپنی مہارت دکھاتے ہو۔ اور رسول اللہ ﷺ تو ایسے مجالس میں کبھی تشریف نہیں لے گئے، لہٰذا تمہیں بھی ایسا کلام پیش کرنے پر قدرت ہونا چاہیے، پورا کلام تو کیا تم اس کلام کے ایک چھوٹے سے ٹکڑے کی نظیر بنا کر دکھلا دو۔ اس مقابلہ میں ساری دنیا کے فصحاء وبلغاء سے مدد لو! اور اپنے معبودان باطلہ سے بھی مدد لے لو، جنہیں تم ہر طرح کا حاجت روا جان کر پوجتے ہو۔ اگر پھر بھی تم ایک سورت کے برابر کلام بنا نہ سکو! اور ہرگز بنا بھی نہیں سکتے تو دل وجان سے یہ یقین کرو کہ یہ اس ذات واحد اور قادر مطلق کا کلام ہے، جو وحدہ لاشریک اور معبود برحق ہے۔ ایسی صورت

=====================

(١) تفسیر السراج المنیر للخطیب الشربینی:١/٤٠.

(٢) تفسیر ارشاد العقل السلیم:١/٦٦.

میں قادر مطلق کا مقابلہ کرنا اوراس کے کلام کو جھٹلانا جہنم میں ٹھکانا بنانے کے مترادف ہے ،لہذا جہنم کی آگ سے بچو،جس کا ایندھن پتھر اور انسان ہیں اور کافروں کے لیے تیار کی گئی ہے،اس آگ سے بچنے کی تدبیر کرواوراس کلام پر صدق دل سے ایمان لے آؤ۔(۱)

ذیل میں اس کی مفردات کی تفصیل کی جاتی ہے، ملاحظہ ہو۔

قوله تعالى : فَإِن لَم تَفعَلُوا وَلَن تَفعَلُوا:

''ف'' استنافیہ یا عاطفہ ہے، ماقبل'' وَإِن كُنتُم فِي رَيبٍ.. ''پر عطف ہے،''إن''شرطیہ کا مدخول'' لَم تَفعَلُوا'' جملہ نافیہ ہے، جو فعل شرط ہے۔''إن'' شرطیہ کبھی فعل نفی بحرف ''لا'' پر بھی داخلہ ہوتا ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔''إن لا تفعلوه''. (الأنفال:۸۳). ''تَفعَلُوا'' میں عامل '' لَم''،جحد یہ جازمہ ہے، جو اپنے معمول کیساتھ شدید الاتصال ہوتا ہے اور'' وَلَن تَفعَلُوا'' جملہ معترضہ (لامحل لہا من الاعراب) بین الشرط والجزاء ہے، یہاں مجاز بالحذف ہے، دونوں کے مفعول کو بنا بر تعمیم حذف کیا گیا ہے۔تقدیر عبارت ہوگی۔'' فإن لم تفعلوا الإتيان بسورة من مثله، ولن تفعلوا الإتيان بسورة من مثله''.(۲)

''فَإِن لَم تَفعَلُوا وَلَن تَفعَلُوا'' میں ایجاز ہے،اس لیے کہ ''اتیان ''کو فعل سے تعبیر کیا گیا ہے،ورنہ کلام میں ایک نوع طوالت پیدا ہو جاتی،مفسر جلیل علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ ''وعبّر عن الإتيان بالفعل لأنه فعل من الأفعال والفائدة فيه: أنه جار مجرى الكناية التي تعطيك اختصاراً؛ إذ لو لم يعدل من لفظ الإتيان إلى لفظ الفعل لاستطيل أن يقال: فإن لم تأتوا بسورة من مثله ولن تأتوا بسورة من مثله.'' (۳)

''لم'' اور''لن'' دونوں ادوات نفی ہیں،ان کا مدخول فعل مضارع ہوتا ہے،تاہم''لَم'' زمانہ ماضی کی نفی اور ''لَن''مستقبل کی نفی کے لیے استعمال ہوتا ہے،معنی یوں ہوگا۔نہ تم نے زمانہ ماضی میں نظیر پیش کی اور نہ ہی مستقبل میں پیش کرسکو گے،یعنی قیامت کی صبح تک نہیں لا سکتے۔مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ و''لن'' لنفي التأبيد في المستقبل أي: ولن تفعلوا ذلك أبدا

---

(۱) قال صاحب الكشاف: لما أرشدهم إلى الجهة التي منها يتعرّفون أمر النبي صلى اللّٰه عليه وسلم وما جاء به حتى يعثروا على حقيقته وسرّه وامتياز حقه من باطله۔ قال لهم فإذا لم تعارضوه ولم يتسهل لكم ما تبغون وبان لكم أنه معجوز عنه فقد صرح الحق عن محضه ووجب التصديق فآمنوا وخافوا العذاب المعدّ لمن كذب۔ وفيه دليلان على إثبات النبوّة: صحة كون المتحدى به معجزاً والإخبار بأنهم لن يفعلوا وهو غيب لا يعلمه إلا اللّٰه. (تفسیر الکشاف:۱/۱۰۱)

(۲) اللباب فی علوم الکتاب:۱/۴۳۸.

(۳) تفسیر المدارک:۱/۲۶.

وهذه أيضا معجزة أخرى وهو أنه أخبر خبرا جازما قاطعا مقدما غير خائف ولا مشفق أن هذا القرآن لا يعارض بمثله أبد الآبدين ودهر الداهرين، وكذلك وقع الأمر لم يعارض من لدنه إلى زماننا هذا، ولا يمكن وأنى يتأتى ذلك لأحد! والقرآن كلام الله خالق كل شيء، وكيف يشبه كلام الخالق كلام المخلوقين؟(١).

جلیل القدر مفسر علامہ ابو اللیث سمر قندیؒ فرماتے ہیں۔ "لم" تستعمل للماضي، و"لن" تستعمل للمستقبل فكأنه قال: فإن لم تفعلوا، أي لم تأتوا في الماضي، ولن تفعلوا، أي لن تأتوا في المستقبل، وتجحدون بغير حجة.(٢)

فنی قواعد کی رُو سے یہ بات مسلم ہے کہ "ان" شرطیہ تردد اور شک کے لیے آتا ہے اور "اذا" شرطیہ اذعان اور یقین کے لیے استعمال ہوتا ہے، یہاں سیاق کلام "اذا" شرطیہ کا مقتضی ہے، کیونکہ باری تعالی کو ان کی عجز کا علم پہلے سے تھا، اس لیے تو "لن تفعلوا" فرمایا۔ لیکن معاندین کو اپنی فصاحت و بلاغت پر بڑا اعتماد اور ناز تھا، تو ان کیساتھ ان کے گمان فاسد کے مطابق معاملہ کیا گیا ہے، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔"وصدر الشرطية بإن التي للشك والحال يقتضي إذا الذي للوجوب فإن القائل سبحانه وتعالى لم يكن شاكاً في عجزهم ولذلك نفى إتيانهم معترضاً بين الشرط والجزاء تهكماً بهم وخطاباً معهم على حسب ظنهم فإن العجز قبل التأمل لم يكن محققاً عندهم." (٣)

یہ آیت قرآن مجید کی صداقت اور رسول اللہ ﷺ کی رسالت پر واضح دلیل ہے، اس لیے متحدی بہ (قرآن مجید) معجزہ ہے اور یہ خبر دینا کہ معاندین مقابلے کی تاب نہیں لا سکتے، یہ علم غیب ہے، جس کو اللہ تعالی ہی جانتا ہے، مفسر جلیل علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "وفيه دليلا على إثبات النبوة صحة كون المتحدى به معجزاً، والإخبار بأنهم لن يفعلوا، وهو غيب لا يعلمه إلا الله."(٤)

صحیح بخاری اور مسلم میں حضرت ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

"مَا مِنَ الأَنبِيَاءِ نَبِيٌّ إِلَّا أُعطِيَ مَا مِثلهُ آمَنَ عَلَيهِ البَشَرُ، وَإِنَّمَا كَانَ الَّذِي أُوتِيتُ وَحيًا أَوحَاهُ اللَّهُ إِلَيَّ فَأَرجُو أَن أَكُونَ أَكثَرَهُم تَابِعًا يَومَ القِيَامَةِ."(٥)

===================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/ ۱۰۸.
(۲) تفسیر بحر العلوم للسمرقندی: ۱/ ۳۵.
(۳) تفسیر بیضاوی: ۱/ ۵۸.
(۴) تفسیر المدارک: ۱/ ۲۶.
(۵) صحیح بخاری: ۶/ ۱۸۲، رقم: ۴۹۸۱، صحیح مسلم: ۱/ ۱۳۴، رقم: ۱۵۲.

ہر نبی کو ایسے معجزے دیئے گئے جنہیں دیکھ کر لوگ ان پر ایمان لائے اور میرا معجزہ اللہ کی وحی (قرآن مجید) ہے، اس لیے مجھے امید ہے کہ میرے متبعین بہ نسبت اور نبیوں کے متبعین کے زیادہ ہوں گے (اس لیے کہ اور انبیاء علیہم السلام کے معجزے ان کیساتھ چلے گئے، لیکن رسول اللہ ﷺ کا یہ معجزہ قیامت تک باقی رہے گا، لوگ اسے دیکھتے جائیں گے اور اسلام میں داخل ہوتے جائیں گے)

قوله تعالى : فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِي وَقُودُهَا النَّاس وَالحِجَارَةُ:

"فَاتَّقُوا.." یہ جواب شرط ہے۔" الَّتِي وَقُودُهَا النَّاس" ماقبل "النَّارَ" کی صفت ہے، اس آیت میں "النار" معرف باللام معرفہ ہے اور جبکہ سورۃ التحریم آیت: ٦. میں نکرہ ہے، اس کی حکمت یہ ہے کہ سورۃ التحریم مکی سورت ہے، مکہ مکرمہ میں نارِ جہنم معروف نہیں تھا، اس لیے وہاں نکرہ مذکور ہے، اور یہ سورت مدنی ہے اور مدینہ منورہ کے گردونواح میں اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی قیام پذیر تھے، ان کے ہاں نارِ جہنم معروف ومشہور تھا۔ تو اس لیے یہاں معرفہ لایا گیا ہے ۔ علامہ محمد بن اَبی بکر بن عبدالقادر الرازیؒ فرماتے ہیں۔ وقيل لأن تلك الآية نزلت بمكة قبل هذه الآية فلم تكن النار التى وقودهاالناس و الحجارة معروفة فنكرها ، ثم نزلت هذه الآية بالمدينة فعرفت اشارة بها الى ماعرفوه أولاً.(١)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ سورۃ التحریم میں خطاب عصاۃ المؤمنین کیساتھ ہے اور نکرہ میں قلت کا مفہوم ملحوظ ہوتا ہے، تو معنی ہوگا کہ ان کو نارِ جہنم کی ایک نوع اور ایک قسم کا عذاب دیا جائے گا۔ جب کہ یہاں کفار، مشرکین، معاندین اور منکرین کیساتھ خطاب ہے اور معرف باللام استغراق پر دال ہے، یعنی ان کو تمام نارِ جہنم گھیر لے گا اور ان پر محیط ہوگا۔ جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّا أَعتَدنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا أَحَاطَ بِهِم سُرَادِقُهَا وَإِن يَستَغِيثُوا يُغَاثُوا بِمَاءٍ كَالمُهلِ يَشوِي الوُجُوهَ بِئسَ الشَّرَابُ وَسَاءَت مُرتَفَقًا. (سورۃ الکہف:۲۹).

"وَقُود" (واؤ کے فتحہ کیساتھ) لکڑی اور ایندھن کو کہتے ہیں اور "وُقُود" (واؤ کے ضمہ کیساتھ) روشن ہونے کو کہتے ہیں، معروف لغوی علامہ ابوالبقاء عکبریؒ فرماتے ہیں کہ "وَقُود" بمعنی "توقد" مصدر ہے اور عبارت میں مجاز بالحذف ہے، موصوف رقم طراز ہیں۔"الجمهور على فتح الواو، وهو الحطب، وقرئ بالضم وهو لغة فى الحطب. والجيد أن يكون مصدرا بمعنى التوقد، ويكون فى الكلام حذف مضاف تقديره: تَوَقُّدُهَا احتِرَاقُ النَّاسِ أَو تَلَهُّبُ النَّاسِ أَو

---

(١) مسائل الرازی:۴-۵.

ذُو وَقُودُهَا النَّاسُ." (۱)

" النَّاس " میں الف لام عہدی خارجی ہے، اس سے وہ لوگ مراد ہیں، جن کے متعلق جہنم کے فیصلہ ہو چکا ہے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ " النَّـاسُ " عُـمُومٌ، وَمَعنَاهُ الخُصُوصُ فِيمَن سَبَقَ عَلَيهِ القَضَاءُ أَنَّهُ يَكُونُ حَطَبًا لَهَا. أَجَارَنَا اللَّهُ مِنهَا.(۲)

"وَالحِجَارَةُ" یہ ماقبل "النَّاس" پر عطف ہے، اس کے متعلق اہل علم کے تین معروف قول ہیں:۔

پہلا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس سے عام پتھر مراد ہیں اور یہ شدتِ نارِ جہنم کی طرف اشارہ ہے کہ اتنی شدید آگ ہوگی، جس میں پتھر بھی جل کر راکھ ہو جائیں گے۔ مفسر جلیل علامہ قرطبی اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ "فتكون الحجارة والناس وقودا للنار، وذكر ذلك تعظيما للنار أنها تحرق الحجارة مع إحراقها للناس".(۳)

دوسرا قول: سیدنا عبداللہ بن عباس اور سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ اس سے ایک خاص قسم پتھر حجارۃ الکبریت مراد ہیں، جس میں پانچ ایسی خصوصیات ہیں، جو دیگر پتھروں میں نہیں پائی جاتی ہیں:۔ ۱۔ جلدی آگ جلانے والی۔ ۲۔ بہت دیر بعد ٹھنڈی ہونے والی۔ ۳۔ بہت زیادہ بدبودار۔ ۴۔ بے انتہا گرم۔ ۵۔ بدن کیساتھ چمٹنے والی۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ، علامہ ابوحیان اندلسیؒ اور علامہ ابواللیث سمرقندیؒ واللفظ لہ فرماتے ہیں۔ أى حجارة الكبريت، وإنما جعل حطبها من حجارة الكبريت؛ لأن لها خمسة أشياء ليست لغيرها : أحدها : أنها أسرع وقوداً، والثانى : أنها أبطأ خموداً ، والثالث : أنها أنتن رائحة، والرابع : أنها أشد حراً، والخامس : أنها ألصق بالبدن .

تیسرا قول: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس سے وہ اصنام اور بُت مراد ہیں، جو انہوں نے پتھروں سے تراشے تھے اور اپنا معبود جان کر ان کی عبادت و پوجا کی تھی، جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّـكُـم وَمَا تَعبُدُونَ مِن دُونِ الله حَصَبُ جَهَنَّمَ . (الأنبياء: ۹۸) اور اس سے مقصود زجر و توبیخ ہوگی کہ ان کی عبادت کرتے تھے، جو آج خود جہنم کے ایندھن بن چکے ہیں؟؟!!!(۴)☆

======================

(۱) التبیان فی اعراب القرآن: ۱/ ۴۱.

(۲) تفسیر قرطبی: ۱/ ۲۲۵.

(۳) تفسیر قرطبی: ۱/ ۲۳۵.

(۴) تفسیر قرطبی: ۱/ ۲۳۵، تفسیر بحر المحیط: ۱/ ۱۷۵. تفسیر بحر العلوم للسمرقندی: ۱/ ۳۵.

☆ وقدم الناس على الحجارة؛ لأنّهم العقلاء الذين يدركون الآلام والمعذّبون؛ أو لكونهم أكثر إيقاد للنار من الجماد لما فيهم من الجلود واللحوم والشحوم والعظام والشعور؛ أو لأنّ ذلك أعظم فى التخويف فإنّك إذا رأيت إنسانا يحرق اقشعرّ بدنك وطاش لبّك بخلاف الحجر. (تفسیر حدائق الروح والریحان: ۱/ ۲۳۸)

قوله تعالى: أُعِدَّت لِلكَافِرِينَ :

" أُعِـدَّت لِـلكَافِرِينَ " یہ ماقبل " النَّارَ" سے جملہ حال واقع ہے، یعنی وہ آگ پہلے ہی سے کافروں کے لئے تیار کی جاچکی ہے، آیت کے ظاہر سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جہنم میں صرف کافر ہی داخل ہوں گے، تاہم دیگر نصوص میں گنہگارو کے لیے بھی جہنم کی وعیدیں وارد ہوئی ہیں، نیز جن احادیث میں گنہگاروں کے لیے شفاعت کا ثبوت ہے، ان سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ گنہگار مسلمان جہنم میں جائیں گے، تاکہ ان سے گناہوں کی میل کچیل صاف کی جائے۔ نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہنم کی اصل غایت تعذیب کفار ہے اور اہل فسق وعصیان کا دخول محض تہذیب وتأدیب کے لیے ہے۔

اس آیت اور آئندہ حضرت آدم علیہ السلام کے قصہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور جہنم موجود ہیں اور ان کی تخلیق ہو چکی ہے، یہی اہل سنت کا نقطہ نظر ہے، لیکن معتزلہ کہتے ہیں کہ جنت اور جہنم ابھی موجود نہیں، بلکہ قیامت کے دن موجود ہوں گے، تاہم ارباب اعتزال کا یہ قول سراسر آیات قرآنیہ، احادیث متواترہ اور اجماع امت کے خلاف ہے، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔"استدل كثير من أئمة السنة بهذه الآية على أن النار موجودة الآن." (۱)

امام اہل سنت امام احمد بن حنبلؒ فرماتے ہیں۔

"وإن الله خلق الجنة قبل الخلق وخلق لها أهلاً ونعيمها دائم، ومن زعم أنه يبيد من الجنة شيء فهو كافر، وخلق النار قبل خلقه الخلق، وخلق لها أهلاً وعذابها دائم ." (۲)

معروف متبحر عالم علامہ ابن حزم ظاہریؒ فرماتے ہیں۔

"ذهبت طائفة من المعتزلة والخوارج إلى أن الجنة والنار لم يخلقا بعد، وذهب جمهور المسلمين إلى أنهما قد خلقتا". (۳) ☆

====================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۰۲.

(۲) طبقات الحنابلة لأبي يعلى: ۱/۳۴۴.

(۳) الفصل في الملل والأهواء والنحل: ۴/ ۶۸.

☆ معروف عالم علامہ ابن العز حنفیؒ نے اس مسئلہ کی خوب وضاحت کی ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔

"فاتفق أهل السنة على أن الجنة والنار مخلوقتان موجودتان الآن، ولم يزل أهل السنة على ذلك حتى نبغت نابغة من المعتزلة والقدرية فأنكرت ذلك. وقالت: بل ينشئهما الله يوم القيامة، وحملهم على ذلك أصلهم الفاسد الذى وضعوا به شريعة لما يفعله الله، وأنه ينبغي أن يفعل كذا، ولا ينبغي له أن يفعل كذا، وقاسوه على خلقه فى أفعالهم، فهم مشبهة فى =

مشہور متکلم امام سعد الدین تفتازانیؒ رقم طراز ہیں۔

جمهور المسلمين على أن الجنة والنار مخلوقتان الآن خلافا لأبى هاشم والقاضى عبدالجبار، ومن يجرى مجراهما من المعتزلة حيث زعموا أنهما إنما يخلقان يوم الجزاء. لنا وجهان: الأول: قصة آدم وحواء وإسكانهما الجنة، ثم إخراجهما عنها بأكل الشجرة، وكونهما يخصفان عليهما من ورق الجنة على ما نطق به الكتاب والسنة، وانعقد عليه الإجماع قبل ظهور المخالفين. وحملها على بستان من بساتين الدنيا يجرى مجرى التلاعب بالدين والمراغمة لإجماع المسلمين.(۱)

========================

= الأفعال، ودخل التجهم فيهم، فصاروا مع ذلك معطلة وقالوا: خلق الجنة قبل الجراء عبث؛ لأنها تصير معطلة مددا متطاولة فردوا من النصوص ما خالف هذه الشريعة الباطلة التى وضعوها للرب تعالى، وحرفوا النصوص عن مواضعها، وضللوا وبدعوا من خالف شريعتهم. فمن نصوص الكتاب: قوله تعالى عن الجنة: ﴿أُعِدَّت لِلمُتَّقِينَ﴾ (آل عمران:۳۳)، ﴿أُعِدَّت لِلَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرُسُلِهِ﴾ (الحديد:۲۱). وعن النَّار: ﴿أُعِدَّت لِلكَافِرِينَ﴾ (آلِ عِمرَانَ:۱۳۱). ﴿إِنَّ جَهَنَّمَ كَانَت مِرصَادًا لِلطَّاغِينَ مَآبًا﴾ (النَّبَأ:۲۱-۲۲) وقال تعالى: ﴿وَلَقَد رَآهُ نَزلَةً أُخرَى عِندَ سِدرَةِ المُنتَهَى عِندَهَا جَنَّةُ المَأوَى﴾ (النَّجم:۱۳-۱۵)، وقد رأى النبى ﷺ سدرة المنتهى ورأى عندها جنة المأوى، كما فى الصحيحين من حديث أنس رضى الله عنه فى قصة الإسراء وفى آخره: ثم انطلق بى جبرائيل حتى أتى سدرة المنتهى فغشيها ألوان لا أدرى ما هى قال: ثم دخلت الجنة فإذا هى جنابذ اللؤلؤ وإذا ترابها المسك. وفى الصحيحين من حديث عبد الله بن عمر رضى الله عنهما أن رسول الله ﷺ قال: إن أحدكم إذا مات عرض عليه مقعده بالغداة والعشى، إن كان من أهل الجنة فمن أهل الجنة، وإن كان من أهل النار فمن أهل النار يقال: هذا مقعدك حتى يبعثك الله يوم القيامة. وتقدم حديث البراء بن عازب وفيه: ينادى مناد من السماء: أن صدق عبدى فأفرشوه من الجنة وافتحوا له بابا إلى الجنة قال: فيأتيه من روحها وطيبها. وتقدم حديث أنس بمعنى حديث البراء. وفى صحيح مسلم عن عائشة رضى الله عنها قالت: خسفت الشمس على عهد رسول الله ﷺ فذكرت الحديث. وفيه: وقال رسول الله ﷺ : رأيت فى مقامى هذا كل شىء وعدتم به حتى لقد رأيتنى آخذ قطفا من الجنة حين رأيتمونى تقدمت، ولقد رأيت النار يحطم بعضها بعضا حين رأيتمونى تأخرت...ونظائر ذلك فى السنة كثيرة. (شرح عقيدة الطحاوية:۴۲۰-۴۲۳)

(۱) شرح المقاصد:۲/۲۱۸.

قوله تعالى : وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أَنَّ لَهُم جَنَّاتٍ تَجرِى مِن تَحتِهَا الأَنهَارُ كُلَّمَا رُزِقُوا مِنهَا مِن ثَمَرَةٍ رِزقًا قَالُوا هَذَا الَّذِى رُزِقنَا مِن قَبلُ وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا وَلَهُم فِيهَا أَزوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ وَهُم فِيهَا خَالِدُونَ ﴿٢٥﴾

قرآن مجید کا یہ اسلوب ہے کہ ترغیب کے بعد ترہیب اور ترہیب کے بعد ترغیب ،ایمان کیساتھ کفر اور کفر کیساتھ ایمان ،نیکوکاروں کیساتھ بدکاروں اور بدکاروں کیساتھ نیکوکاروں کا ذکر ضرور کرتا ہے ،تا کہ دونوں پہلو ملحوظ رہیں،گزشتہ آیات میں مخالفین اور معاندین کے لیے سزا اور عذاب کا بیان تھا،اب ان آیات میں اہل ایمان اور صلحاء کے لیے جزاء وثواب کا بیان ہے۔مفسر جلیل علامہ خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ " ثم عطف سبحانه وتعالى حال من آمن بالقرآن ووصف ثوابه على حال من كفر به وكيفية عقابه على عادة ما جرت به العادة الإلهية من أن يشفع الترغيب بالترهيب؛ تنشيطاً لاكتساب ما ينجى وتثبيطاً عن اقتراف ما يردى بقوله تعالى:﴿ وبشر الذين آمنوا وعملوا الصالحات﴾".(١)

جلیل القدر مفسر علامہ جاراللہ زمخشریؒ فرماتے ہیں۔ من عادته عز وجل فى كتابه أن يذكر الترغيب مع الترهيب ويشفع البشارة بالإنذار إرادة التنشيط لاكتساب ما يزلف والتثبيط عن اقتراف ما يتلف۔ فلما ذكر الكفار وأعمالهم وأوعدهم بالعقاب قفاه ببشارة عباده الذين جمعوا بين التصديق والأعمال الصالحة من فعل الطاعات وترك المعاصى وحموها من الإحباط بالكفر والكبائر بالثواب." (٢)

مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ رقم طراز ہیں۔ لما ذكر تعالى ما أعده لأعدائه من الأشقياء الكافرين به وبرسله من العذاب والنكال عطف يذكر حال أوليائه من السعداء المؤمنين به وبرسله الذين صدقوا إيمانهم بأعمالهم الصالحة وهذا معنى تسمية القرآن مثانى على أصح أقوال العلماء كما سنبسطه فى موضعه وهو أن يذكر الإيمان ويتبع بذكر الكفر أو عكسه أو حال السعداء ثم الأشقياء أو عكسه وحاصله ذكر الشىء ومقابله۔ وأما ذكر الشىء ومقابله۔ وأما ذكر الشىء ونظيره فذاك التشابه.(٣)

---

(۱) تفسیر السراج المنیر :۱/۳۷.

(۲) تفسیر کشاف:۱/۱۰۴.

(۳) تفسیر ابن کثیر:۱/۱۱۲.

قوله تعالى : وَبَشِّرِ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ.

"وَبَشِّـــر" یہ ماقبل جملہ پرعطف ہے،عطف الجملہ (ثواب المؤمنین) علی الجملہ (عقاب الکافرین) کے قبیل سے ہے،علامہ ابوالبقاءؒ فرماتے ہیں کہ یہ "فـاتـقـوا" پرعطف ہے،تاہم یہ بات صحیح نہیں، کیونکہ ''تبشیر المؤمنین'' معطوف کا ترتب "فـان لم تفعلوا" شرط پردرست نہیں ہوتا،مفسرجلیل علامہ سمین حلبیؒ فرماتے ہیں۔ "وأجـاز الـزمخشری وأبو البقاء أن يكونَ عطفاً عـلـى (فاتقوا) ليَعطِفَ أمراً على أمر. وهذا قد رَدَّهُ الشيخ بأنَّ (فاتَّقُوا) جوابُ الشرط فالمعطوفُ يكون جواباً؛ لأنَّ حكمَه حكمُه، ولكنه لا يَصِحُّ؛ لأنَّ تبشيرَه للمؤمنين لا يترتَّبُ على قولِهِ:(فإن لَم تَفعَلوا). وقرئ: (وبُشِّرَ) ماضياً مبنياً للمفعولِ. وقال الزمخشری: وهو عطف على(أُعِدَّت). قيل: وهذا لا يتأتَّى على إعرابِ(أُعِدَّت) حالاً لأنها لا تَصلُحُ للحاليَّةِ."(۱)

"بَشِّر"،"تبشیر سے ماخوذ ہے۔"وأبشَـرتُ الرجل، وبَشَّرتُهُ، وبَشَرتُهُ." کامعنی ہے،خوش کن خبرسنانا جس سے انسان کے چہرہ پرانبساط ظاہر ہو، کیونکہ انسان کو جب کوئی اچھی خبر سنائی جاتی ہے،تواس کے جسم میں وفورمسرت سے خون اس طرح گردش کرنے لگتا ہے،جس طرح درختوں میں پانی دورہ کرتا ہے،اس لیے''تبشیر'' کامطلب یہ ہے کہ اس قسم کی خبرسنانا جس کوسن چہرہ شدت فرحت سے ٹمٹمااٹھے،لیکن تبشیر اور بشارت میں فرق یہ ہے کہ تبشیر میں کثرت کامفہوم ملحوظ ہوتا ہے یہ خاص ہے اور بشارت عام ہے، جواچھی اور بُری دونوں طرح کےخبروں پر بولا جاتا ہے۔(۲)

معروف نحوی امام سیبویہؒ فرماتے ہیں کہ''بشارت'' اس خبر کو کہتے ہیں، جو چہرے پرخوشی یاغم کے آثار ظاہر کرے،خواہ وہ خبر خیر کی ہو یا شر کی ہو،لیکن اس کا استعمال خیر میں شائع ہے،اس کوقول کوعلامہ ابوحیان اندلسیؒ نے راجح قرار دیا ہے،مفسرجلیل علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ وعـن سيبـويـه إنها خبر يؤثر فی البشرة حزناً أو سروراً وكثر استعماله فی الخير وصححه فی البحر(۳).

اس بات کے پیش نظر اصولیین فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے اپنے غلاموں کوکہا۔ "أيـكـم بشـرنـی بقدوم فلان فهو حر".(جس نےتم میں سے مجھے فلاں کے آنے کی بشارت دی پس وہ آزاد ہے)انہوں نے الگ الگ خوشخبری دی،توان میں

===================

(۱) الدرالمصون فی علوم الکتاب المکنون:۱/۲۰۹.

(۲) المفردات فی غریب القرآن:۱۲۵.

(۳) روح المعانی:۱/۲۰۰، زادالمسیر لابن الجوزی:۱/۵۳.

سب سے پہلے خوشخبری دینے والا آزاد ہوگا، کیونکہ اس نے خبر سے اپنے آقا کی خوشی کو ظاہر کیا، بعد آنے والوں نے نہیں کیا ،اور اگر ایک شخص ''أخبرني'' کی جگہ ''بشرني'' کہا تو پھر تمام غلام آزاد ہوں گے، کیونکہ خبر دینے میں سب شریک ہیں۔(۱) قرآن مجید میں کبھی عذاب کو استعارہ تہکمیہ کے طور پر بشارت سے تعبیر کیا جاتا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ فَبَشِّرهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ. (سورۃ اٰل عمران:۲۱،سورۃ التوبۃ:۳۴،سورۃ الانشقاق:۲۴) یہ خطاب تہکم اور استہزاء کے طور پر ہے، جیسے ایک جگہ ارشاد ہے۔ ذُق إِنَّكَ أَنتَ العَزِيزُ الكَرِيمُ .(سورۃ الدخان:۴۹).

اولاً یہ بشارت رسول اللہ ﷺ کو ہے اور اس کے بعد ہر داعی حق کو شامل ہے، مفسر جلیل علامہ جاراللہ زمخشری فرماتے ہیں۔

''يجوز أن يكون رسول اللهﷺ وأن يكون كل أحد، كما قال عليه الصلاة والسلام: "بشر المشائين إلى المساجد في الظلم بالنور التام يوم القيامة." لم يأمر بذلك واحداً بعينه. وإنما كل أحد مأمور به. وهذا الوجه أحسن وأجزل؛ لأنه يؤذن بأن الأمر لعظمه وفخامة شأنه محقوق بأن يبشر به كل من قدر على البشارة به.''(۲)

قوله تعالى : الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ.

''الَّذِينَ آمَنُوا'' محل نصب میں مفعول بہ ہے،''آمَنُوا'' کا مفعول بنابر تعمیم محذوف ہے اور یہ جملہ ایمانیات کو شامل ہے۔

''وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ'' کا عطف ''آمَنُوا'' پر ہے''الصَّالِحَاتِ'' جمع ''صالحة'' کی ہے،اس میں الف لام جنسی ہے۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

" الصالح :ما أخلص لله تعالى."

یعنی عمل صالح وہ عمل ہے، جو خالص اللہ تعالی کی رضا کے لیے ہو۔

أمیر المؤمنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

" الصلوات في أوقاتها وتعديل أركانها وهيآتها."

عمل صالح نمازوں کو اپنے اوقات میں تعدیل ارکان اور آداب کی رعایت کرتے ہوئے ادا کرنے کا نام ہے۔

صحابی جلیل سیدنا معاذ بن جبل رضی اللہ فرماتے ہیں۔

"ما احتوى على أربعة : العلم، والنية، والصبر، والإخلاص."

====================

(۱) تفسیر النسفی:۱/۶۸.

(۲) تفسیر کشاف:۱/۱۰۴، تفسیر النسفی:۱/۶۸.

عمل صالح وہ عمل ہے، جس میں چار چیزیں جمع ہوں: ۱۔ علم. ۲۔ نیت. ۳۔ صبر. ۴۔ اخلاص.

معروف صوفی سہل بن عبداللہ تستریؒ فرماتے ہیں۔

" ما وافق الكتاب والسنة".

عمل صالح وہ عمل ہے، جو قرآن وسنت کے موافق ہو۔

مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔

" وهى من الأعمال ماسوغه الشرع وحسنه." (۱)

عملِ صالح وہ عمل ہے، جس کی شارع نے تصویب وتحسین فرمائی ہو۔

جمہور اہل علم فرماتے ہیں۔

"وهو كل عمل صالح أريد به الله."

ہر وہ عمل صالح ہے جس سے اللہ تعالی کی رضامندی مقصود ہو۔ (۲)

اس آیت میں فرق باطلہ مرجئہ، کرامیہ اور جہمیہ کی تردید ہے، اس لیے کہ اگر فلاح ونجات کے لیے صرف ایمان کافی ہوتا تو عمل صالح کو ذکر کرنے کی ضرورت نہ ہوتی، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک ایمان فقط تصدیق قلبی، یا فقط اقرار باللسان اور یا فقط علم ومعرفت کا نام ہے۔ مفسر شہیر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "رد على من يقول: إن الإيمان بمجرده يقتضى الطاعات؛ لأنه لو كان ذلك ما أعادها، فالجنة تنال بالإيمان والعمل الصالح. وقيل: الجنة تنال بالإيمان والدرجات تستحق بالأعمال الصالحات. "(۳)

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں معتزلہ کی تردید ہے، اس لیے انہوں نے اعمال کو ایمان کا جزء قرار دیا ہے، حالانکہ یہاں عمل صالح کو ایمان پر عطف کیا ہے اور یہ اصول مسلمہ ہے کہ معطوف اور معطوف علیہ میں تغائر ہوتا ہے، معلوم ہوا کہ ایمان اور عمل میں مغائرت پائی جاتی ہے، یعنی ایمان اور چیز ہے اور اعمال اور چیز ہیں۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ مطلق فلاح ونجات کے ایمان لابشرط شئی شرط ہے، تاہم نجات کاملہ کے لیے ایمان بشرط شئی شرط ہے، یعنی ایک تو محض استحقاقِ جنت ہے، یعنی گناہوں کی سزا بھگتنے کے بعد جنت میں داخل ہونا۔ اور ایک درجہ عالیہ کاملہ ہے کہ اول وہلہ سے جنت میں داخل ہونا۔ مفسر جلیل

=======================

(۱) تفسیر بیضاوی: ۱/۲۴۳.

(۲) مذکورہ تمام معانی کے لئے دیکھئے تفسیر البحر المحیط: ۱/۱۸۱، تفسیر خازن: ۱/۳۲.

(۳) تفسیر قرطبی: ۱/۲۳۸.

علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "والآية حجة على من جعل الأعمال إيماناً؛ لأنه عطف الأعمال الصالحة على الإيمان، والمعطوف غير المعطوف عليه. ولا يقال: إنكم تقولون: يجوز أن يدخل المؤمن الجنة بدون الأعمال الصالحة؟ والله تعالى بشر بالجنة لمن آمن وعمل صالحاً؛ لأن البشارة المطلقة بالجنة شرطها اقتران الأعمال الصالحة بالإيمان، ولا نجعل لصاحب الكبيرة البشارة المطلقة، بل نثبت بشارة مقيدة بمشيئة الله إن شاء غفر له، وإن شاء عذبه بقدر ذنوبه، ثم يدخله الجنة." (۱) ☆

قوله تعالى : أَنَّ لَهُم جَنَّات وَهُم فِيهَا خَالِدُونَ:

''أَنَّ لَهُم'' یہ منصوب بنزع حافض ہے،تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "أی بأنَّ لهم" یا "أی لأنَّ لهم". یہ مبشر بہ کا بیان ہے، "جَـنَّـات"، جمع "جـنة" کی ہے،اس مادہ میں ستر کا مفہوم ملحوظ ہے،اسی سے جن،جنون،جنین، جان، جنان اور مجن وغیرہ ہیں۔معروف لغوی امام راغب اصبہانیؒ فرماتے ہیں کہ ہروہ باغ جس کی زمین درختوں کی وجہ سے نظر نہ آئے جنت کہلاتا ہے،قرآن مجید میں ہے۔ لَقَد كانَ لِسَبَإٍ فِي مَسكَنِهِم آيَةٌ جَنَّتانِ عَن يَمِينٍ وَشِمالٍ. وَبَدَّلناهُم بِجَنَّتَيهِم جَنَّتَينِ. (سبأ:۱۵-۱۶) ایک جگہ فرمایا۔ وَلَولا إِذ دَخَلتَ جَنَّتَكَ. (الکہف:۳۹).

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ان گنجان درختوں کوبھی جنت کہا جاتا ہے، جوزمین کو چھپائے ہوئے ہوں۔باقی رہی یہ بات کہ بہشت کو جنت کیوں کہتے ہیں؟ سویا تو دنیوی باغات سے تشبیہ دے کر کہا گیا ہے، اگرچہ دونوں میں بون بعید ہے اور یا اس لیے کہ بہشت کی نعمتیں ہم سے مخفی ہیں، جیسے ارشاد ہے۔ " فَلا تَعلَمُ نَفسٌ ما أُخفِيَ لَهُم مِن قُرَّةِ أَعيُنٍ." (السجدۃ:۱۷).(۲)

اصطلاح شریعت میں جنت ایک خاص مقام کا نام ہے ،جونشأۃ آخرت میں ہمیشہ کے لیے ابرار ومتقین کوعنایت ہوگا،جیسا کہ جہنم اس مخصوص مقام کا نام ہے،جس میں کفار کو ہمیشہ کے لیے اور گنہگار مسلمانوں کو چند روز کے لیے رکھا جائے گا۔

=======================

(۱) تفسیر النسفی:۱/۶۸.

☆ قال العلامه اسماعيل الاستنبولى الحنفى رحمه الله: وفى عطف العمل على الايمان دلالة على تغايرهما واشعار بان مدار استحقاق البشارة مجموع الامرين؛ فان الايمان أساس، والعمل الصالح كالبناء عليه، ولا غناء بأساس لا بناء عليه، وطلب الجنة بلا عمل حال السفهاء؛ لان الله تعالى جعل العمل سببا؛ لدخول الجنة، والعبد وان كان يدخله الله الجنة بمجرد الايمان، لكن العمل يزيد نور الايمان، وبه يتنور قلب المؤمن، وكم من عقبة كؤود تستقبل العبد الى ان يصل الى الجنة، وأول تلك العقبات عقبة الايمان انه هل يسلم من السلب أم لا فلزم العمل لتسهيل العقبات. (تفسیر روح البیان:۱/۸۲)

(۲) المفردات فی غریب القرآن:۲۰۴

"جــنـــــات" کو جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ جنت ایک نہیں، بلکہ متعدد ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

" أُصِيبَ حَارِثَةُ يَومَ بَدرٍ، وَهُوَ غُلَامٌ فَجَاءَ ت أُمُّهُ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ فَقَالَت : يَا رَسُولَ اللَّهِ! قَد عَرَفتَ مَنزِلَةَ حَارِثَةَ مِنِّي، فَإِن يَكُن فِي الجَنَّةِ أَصبِر وَأَحتَسِب، وَإِن تَكُ الأُخرَى تَرَى مَا أَصنَعُ فَقَالَ: وَيحَكِ! أَوَهَبِلتِ أَوَجَنَّةٌ وَاحِدَةٌ! هِيَ إِنَّهَا جِنَانٌ كَثِيرَةٌ، وَإِنَّهُ فِي جَنَّةِ الفِردَوسِ."(١)

مفہوم حدیث یہ ہے کہ اُم حارثہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اورعرض کیا۔ اے اللہ کے رسول ﷺ! آپ مجھے میرے بیٹے حارثہ کے متعلق بتائیں، جو غزوہ بدر میں نامعلوم تیر کی زد میں آ کر شہید ہوا۔ اگر وہ جنت میں ہے تو میں صبر کرتی ہوں اور اگر وہ جنت میں نہیں تو میں اس پر زار و قطار رونا چاہتی ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ام حارثہ! جنت ایک نہیں، بلکہ متعدد ہیں اور تیرا لخت جگر جنت الفردوس میں ہے، جو سب سے اعلی جنت ہے۔

ترجمان القرآن سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "جنات" جمع لانے کی وجہ یہ ہے کہ بہشت سات ہیں:۔
١۔ جنت الفردوس . ٢۔ جنت عدن. ٣۔ جنة النعيم. ٤۔ دارالخلد . ٥۔ جنة الماوىٰ . ٦۔ دارالسلام . ٧۔ عليين.

پھر ان میں سے ہر ایک جنت کے الگ الگ درجات ومراتب ہیں، جو لوگوں کے اعمال کے اعتبار سے متفاوت ہیں، علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "ومعنى جمع الجنة وتنكيرها أن الجنة اسم لدار الثواب كلها، وهى متشلمة على جنان كثيرة مرتبة مراتب بحسب أعمال العاملين، لكل طبقة منهم جنات من تلك الجنان." (٢)

قوله تعالى :تَجرِى مِن تَحتِهَا :

"تَجرِى مِن تَحتِهَا" جملہ ماقبل "جناتٍ" کی صفت ہے، قرآن وحدیث میں جنت اور جہنم کے جو احوال واوصاف بیان کیے گئے ہیں، ان پر ایک حرف بھی زیادہ نہیں کیا جاسکتا ہے، اس لیے کہ عالم غیب میں قیاس نہیں چلتا۔ اس آیت میں جنت کی ایک صفت یہ ہے کہ ان باغات اور بالا خانوں کے نیچے نہریں جاری ہوں گی۔ یا "تحت" قرب وجوار کے معنی میں ہے

====================

(١) صحیح بخاری، باب فضل من شہد بدرا: ٥/ ٧٧، رقم: ٣٩٨٢.
(٢) تفسیر النسفی: ١/ ٦٩.

،جیسے ارشاد ہے۔ فَنَادَاهَا مِن تَحتِهَا......(سورۃ مریم۲۴) . "أى من تحت أشجارها وغرفها".

اس صورت میں معنی ہوگا۔ کہ ان باغات اور بالا خانوں کے قرب وجوار میں نہریں جاری ہوں گی۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ رہائش گاہوں کے قرب وجوار میں آبشاروں اور نہروں کا جاری ہونا ایک عظیم نعمت ہے، جس سے جنتی لوگ خوشی اور مسرت کے ولولوں سے سرشار رہیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ جہاں قرآن مجید میں باغات کا تذکرہ ہے ،وہاں نہروں کا بھی ذکر ہے، جس میں پانی رواں دواں رہے گا۔ یہ اتنی عظیم ہے کہ اس کا ذکر دیگر نعمتوں سے پہلے کیا گیا ہے۔

لفظ "تحت" کا مفہوم

لفظ "تحت" (اسم ظرف) ہے اور "فوق" کی ضد ہے، قرآن مجید میں ہے۔ "لَأَكَلُوا مِن فَوقِهِم وَمِن تَحتِ أَرجُلِهِم." (المائدۃ:٦٦). "تحت" اور "أسفل" میں فرق یہ ہے کہ "تحت" اس چیز کو کہتے ہیں، جو دوسری چیز کے نیچے ہو۔ اور "أسفل" کسی بھی چیز کے نچلے حصہ کو کہا جاتا ہے، جیسے محاورہ ہے۔ "المال تحته". (مال اس کے نیچے ہے) "اسفله أغلظ من أعلاه". (اس کا نچلا حصہ اعلی حصہ سے سخت ہے). (١)

ایک روایت میں آتا ہے۔ "لا تقوم الساعة حتى يظهر التُّحُوت."(٢)

قیامت اس وقت تک قائم نہیں ہوگی جب تک کمینے لوگ غلبہ حاصل نہ کرلیں۔

قرآن مجید میں لفظ "تحت" مختلف معانی میں مستعمل ہے، چند درج ذیل ہیں۔

١۔ "تحت" بمعنی تصرف وملوکیت، جیسے "وَنَادَى فِرعَونُ فِي قَومِهِ قَالَ يَا قَومِ أَلَيسَ لِي مُلكُ مِصرَ وَهَذِهِ الأَنهَارُ تَجرِي مِن تَحتِي.." (سورۃ الزخرف:۵۱).

۲۔ "تحت" بمعنی اسفل، جو اعلی کی ضد ہے، جیسے "لَكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوا رَبَّهُم لَهُم غُرَفٌ مِن فَوقِهَا غُرَفٌ مَبنِيَّةٌ تَجرِي مِن تَحتِهَا الأَنهَارُ.." (سورۃ الزمر:۲۰).

۳۔ "تحت" بمعنی قرب وجوار، جیسے "فَنَادَاهَا مِن تَحتِهَا......" (سورۃ مریم۲۴)

---

(١) المفردات فی غریب القرآن:١٦٤.

(٢) الحديث تمامه: "وَالَّذِي نَفسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى يَظهَرَ الفُحشُ وَالبُخلُ، وَيُخَوَّنُ الأَمِينُ، وَيُؤتَمَنُ الخَائِنُ، وَيَهلِكُ الوُعُولُ، وَيَظهَرُ التُّحُوتُ قَالُوا: يَا رَسُولَ اللَّهِ! وَمَا الوُعُولُ وَمَا التُّحُوتُ؟ قَالَ: الوُعُولُ: وُجُوهُ النَّاسِ وَأَشرَافُهُم. وَالتُّحُوتُ: الَّذِينَ كَانُوا تَحتَ أَقدَامِ النَّاسِ لَا يُعلَمُ بِهِم." أخرجه الطبراني في الأوسط(٤/١٢١، رقم٣٧٦٧) قال الهيثمي(٣٢٥/٧): فيه محمد بن سليمان بن والبة، ولم أعرفه، وبقية رجاله ثقات.

اس آیت میں " تحت"، بمعنی قرب وجوار کے ہے۔(۱)☆

"الأنهَارُ"، نہر(فتحہ وسکون کیساتھ) کی جمع ہے، اس مجری کو کہتے ہیں، جس میں پانی فروانی کیساتھ بہہ رہا ہو، اور جدول سے بڑی ہو، لیکن سمندر سے کم ہو۔ جریان کی نسبت انہار کی طرف مجاز ہے، یا مجاز بالحذف ہے، یعنی مضاف محذوف ہے۔ "أى ماء الأنهار." اور یا اسنادِ مجازی ہے، جیسے "وَاشتَعَلَ الرَّأسُ شَيبًا". .(سورۃ مریم:۴)اور"وَأَخرَجَتِ الأَرضُ أَثقَالَهَا." (سورۃ الزلزال:۲)وغیرہ میں ہے۔(۲)

اس میں الف لام جنسی ہے، یا عہدی خارجی ہے، اس سے وہ انہارِ معہودہ مراد ہیں جو سورۃ محمد آیت: ۱۵. میں مذکور ہیں ۔جیسا کہ ارشاد ہے۔ "مَثَلُ الجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ المُتَّقُونَ فِيهَا أَنهَارٌ مِن مَاءٍ غَيرِ آسِنٍ وَأَنهَارٌ مِن لَبَنٍ لَم يَتَغَيَّر طَعمُهُ وَأَنهَارٌ مِن خَمرٍ لَذَّةٍ لِلشَّارِبِينَ وَأَنهَارٌ مِن عَسَلٍ مُصَفًّى.."

اہل علم فرماتے ہیں کہ جاری پانی اللہ تعالی کی طرف سے بہت بڑی نعمت ہے، اسی وجہ سے تمام اوصاف پر اسے مقدم فرمایا ہے، معروف مفسر علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "والماء الجارى من النعمة العظمى واللذة الكبرى؛ ولذا قرن الله تعالى الجنات بذكر الأنهار الجارية وقدمه على سائر نعوتها." (۳)

قوله تعالى: كُلَّمَا رُزِقُوا مِنهَا مِن ثَمَرَةٍ رِزقًا:

یہ جملہ ماقبل "جنات" کی صفت ثانیہ ہے، یا مبتداء محذوف کی خبر ہے اور یا جملہ استنافیہ ہے(۴)، اس لیے "أن لهم

==================

(۱) تفسیر ابن کثیر:۱/۲۰۴.

☆قال العلامة السمين الحلبى رحمه الله: واعلم أنه إذا قيل: بأنَّ الجَنَّة هى الأرضُ ذاتُ الشجرِ، فلا بُدَّ من حَذفِ مضافٍ أى: من تحتِ عَذقِها أو أشجارِها. وإن قيل: بأنها الشجرُ نفسَه فلا حاجةَ إلى ذلك. وإذا قيل: بأنَّ الأنهارَ اسمٌ للماءِ الجارى، فنسبةُ الجَرىِ إليه حقيقةٌ. وإن قيلَ: بأنه اسمٌ للأُخدُودِ الذى يَجرِى فيه، فنسبةُ الجَرى إليه مجازٌ. (الدر المصون فى علوم الكتاب المكنون:۱/۲۱۴)

(۲) الجامع لأحكام القرآن:۱/۲۴۰.

(۳) تفسير النسفى:۱/۶۹.

(٤) واختُلِفَ فى هذه الجملةِ فقيل: لا محلَّ لها مِنَ الإعرابِ؛ لأنَّها استناافيةٌ، كأن قيل: لَمَّا وُصِفَت الجناتُ: ما حالُها؟ فقيل: كلما رُزِقوا قالوا... وقيل: لَهَا محلٌّ، ثم اختُلِفَ فيه فقيل: رفعٌ على أنه خبرُ مبتدأ محذوفٍ، واختُلِفَ فى ذلك المبتدأ فقيل: ضميرُ الجنات أى هى كلما... وقيل: ضميرُ الذين آمنوا، أى: هم كلما رُزِقوا قالوا ذلك.. وقيل:محلّها نصبٌ على الحالِ وصاحبُها: إمَّا الذينَ آمنوا، وإمَّا جنات، وجازَ ذلك وإن كان نكرةً؛ لأنها تَخَصَّصَت بالصفةِ، وعلى هذين تكونُ حالاً مقدَّرةً؛ لأن وقتَ البشارةِ بالجناتِ لم يكونوا مرزوقينَ ذلك. وقيل: مَحَلُّهَا نَصبٌ على أنها صفةٌ لجنات أيضاً. (الدر المصون فى علوم الكتاب المكنون:۱/۲۱۶-۲۱۷)

جنات" کے بعد سامع کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان باغات کے پھل دنیا کے باغات کے پھلوں کی طرح ہوں گے یا دوسری اجناس کے ہوں گے؟ تو جواب دیا۔ ''كُلَّمَا رُزِقُوا مِنهَا مِن ثَمَرَةٍ رِزقًا...''

''كُلَّمَا'' ظرف زمان متضمن معنی شرط ہے،'' رُزِقُوا...'' فعل شرط ہے ۔"منها" جار مجرور'' رُزِقُوا'' کیساتھ متعلق ہے ،"ها" کا ضمیر کا مرجع "جنات" اور "مِن" ابتدائیہ ہے، یہ بھی '' رُزِقُوا'' کیساتھ متعلق ہے۔ "رِزقاً" مصدر مبنی للمفعول بمعنی "مرزوقٍ" ہے اور یہ "رُزِقوا" کے لئے مفعول ثانی ہے۔'' قَالُوا هَذَا الَّذِی..'' جواب شرط ہے۔''هَذَا الَّذِی..'' جملہ اسمیہ مقولہ قول ہے۔''مِن قَبلُ'' جار مجرور'' رُزِقنَا'' کیساتھ متعلق ہے۔''مِن قَبلُ'' کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے، جس میں میں دو احتمال ہیں۔

پہلا احتمال: "من قبل" سے دنیا مراد ہے، پھر اس میں دو توجیہات ہیں:۔

پہلی توجیہ: اہل جنت کہیں گے کہ یہ وہی ہے، جس کا دنیا میں ہم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

دوسری توجیہ: اہل جنت کہیں گے کہ یہ وہ رزق ہے، جو دنیا میں ہمیں دیا گیا ہے۔

دوسرا احتمال: "من قبل" سے جنت مراد ہے، یعنی یہ تو وہی ہے، جو اس سے پہلے ہمیں جنت میں دیا گیا ہے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "ومعنى (من قبل) يعنى فى الدنيا، وفيه وجهان: أحدهما: أنهم قالوا هذا الذى وعدنا به فى الدنيا. والثانى: هذا الذى رزقنا الدنيا؛ لأن لونها يشبه لون ثمار الدنيا، فإذا أكلوا وجدوا طعمه غير ذلك. وقيل:(من قبل)، يعنى فى الجنة؛ لأنهم يرزقون ثم يرزقون، فإذا أتوا بطعام وثمار فى أول النهار فأكلوا منها، ثم أتوا منها فى آخر النهار قالوا: هذا الذى رزقنا من قبل، يعنى أطعمنا فى أول النهار؛ لأن لونه يشبه ذلك، فإذا أكلوا منها وجدوا لها طعما غير طعم الأول." (۱) .

یعنی جب اہل جنت کو کوئی پھل کھانے کے لیے دیا جائے گا تو انہیں پچھلا مزہ بھی یاد آجائے گا اور اس کی شکل دیکھتے ہی فرطِ مسرت سے بول اٹھیں گے کہ ارے! یہ تو وہی لذیذ میوہ ہے، جس کا مزہ ہمیں خوب یاد ہے کہ دنیا میں ہم تو اسی طرح کے پھل کھا چکے ہیں۔

قوله تعالى :وَأُتُوا بِهِ مُتَشَابِهًا:

یہ جملہ ماقبل "رُزِقنَا مِن قَبل" کے لیے علت ہے،''بِه'' کی ضمیر کا مرجع رزق ہے اور "مُتَشَابِهًا" ترکیب میں ''بِه'' کی

=====================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۴۰.

ضمیر سے حال ہے۔ أی متشابهاً فی الألوان مختلفاً فی الطعم."

یعنی دیکھنے میں بعض پھل بعض کے مشابہ ہوں گے،لیکن ذائقہ میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں گے۔ یہ قول مجاہدؒ،ابوالعالیہؒ اورضحاکؒ وغیرہ کا ہے۔ یہ معنی اس صورت میں ہوگا کہ جب "من قبل" سے مراد "قبل هذا الوقت" ہو۔اوراگراس سے مراد دنیا ہوتو پھر تشابہ اسمی مراد ہوگی،یعنی أی متشابهاً فی الأسماء . نام تو ایک جیسے ہیں،لیکن لذت اور ذائقہ مختلف ہے۔ یہ ابن زیدؒ وغیرہ سے منقول ہے۔(۱)

معروف تابعی حضرت عکرمہؒ فرماتے ہیں کہ وہ پھل دنیوی پھل کے مشابہ ہوں گے،لیکن اوصاف میں ان سے مختلف ہوں گے۔

سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہل جنت کا یہ قول بناء براستعجاب ہے کہ جب جنتی پھلوں کی عجیب وغریب خوب صورتی اورانوکھی تخلیق کو دیکھیں گے تو تعجب کرتے ہوئے یہ کہیں گے،ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ جنت کی کوئی بھی چیز دنیوی اشیاء کے مشابہ نہیں۔

حضرت قتادہؒ سے منقول ہے کہ "مُتَشَابِهًا" کا مطلب یہ ہے کہ جنت کے پھل سارے عمدہ اوراعلیٰ قسم کے ہیں ان میں کوئی ردی اور گھٹیا نہیں۔مفسر شہیر علامہ قرطبیؒ رقم طراز ہیں۔ " أی یشبه بعضه بعضا فی المنظر ویختلف فی الطعم. قاله ابن عباس ومجاهد والحسن وغیرهم. وقال عکرمة: یشبه ثمر الدنیا ویباینه فی جل الصفات. قال ابن عباس: هذا علی وجه التعجب، ولیس فی الدنیا شی مما فی الجنة سوی الأسماء، فکأنهم تعجبوا لما رأوه من حسن الثمرة وعظم خلقها. وقال قتادة: خیارا لا رذل فیه، کقوله تعالی: ﴿کتابا متشابها﴾ [الزمر:۲۳]، ولیس کثمار الدنیا التی لا تتشابه؛ لأن فیها خیارا وغیر خیار." (۲)

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ جنتی کے پاس ایک پیالہ لایا جائے گا وہ اس سے کھائے گا،پھر دوسرا پیالہ لایا جائے تو وہ کہے گا یہ تو پہلے دیا گیا ہے!فرشتہ کہے گا۔تناول فرمائیں!رنگ ایک ہے لذت اور ذائقہ مختلف ہے۔حنفی مفسر علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔

" والمعنی: أن ما یرزقونه من ثمرات الجنة یأتیهم متجانساً فی نفسه، کما یحکی عن الحسن یؤتی احدهم بالصفحة فیأکل منها، ثم یؤتی بالأخری فیقول: هذا الذی أتینا به من قبل. فیقول الملك: کل! فاللون واحد والطعم مختلف. وعنه علیه السلام: والذی نفس محمد بیده إن الرجل من أهل الجنة لیتناول الثمرة لأکلها

====================

(۱) النکت والعیون:۱/۸۶.

(۳) تفسیر قرطبی:۱/۲۴۰.

فما هي بواصلة إلى فيه حتى يبدلها الله مكانها مثلها فإذا أبصروها والهيئة هيئة الأولى قالوا ذلك."(١)

جنت کی نعمتوں کے متعلق صحیح بخاری میں حدیث قدسی ہے۔

قَالَ اللَّهُ أَعدَدتُ لِعِبَادِی الصَّالِحِینَ مَا لَا عَینٌ رَأَت وَلَا أُذُنٌ سَمِعَت وَلَا خَطَرَ عَلَى قَلب بَشَرٍ. (٢)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لیے ایسی نعمتیں تیار کی ہیں، جن کو کبھی کسی آنکھ نے نہیں دیکھا، نہ کسی کان میں اس کی خبر پہنچی اور نہ کسی دل میں اس کا خیال آیا۔

درحقیقت یہ حدیث قرآن مجید کی اس آیت "فَلَا تَعلَمُ نَفسٌ مَا أُخفِيَ لَهُم مِن قُرَّةِ أَعيُنٍ" [السجدة:١٧] کی تفسیر ہے۔

قوله تعالى : وَلَهُم فِيهَا أَزوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ:

یہ مبتداء خبر ہیں۔ "هم" ضمیر کا مرجع اہل جنت ہیں اور "فيها" کی ضمیر کا مرجع "جنات" ہے۔"أَزوَاجٌ"، "زوج" کی جمع ہے، یہ از قبیل اضداد ہے، اس کا اطلاق مرد اور عورت دنوں پر ہوتا ہے، اسی وجہ سے کہا جاتا ہیں۔ اَلمَرأَةُ: زَوجُ الرَّجُلِ۔ وَالرَّجُلُ زَوجُ المَرأَةِ.اور "مُطَهَّرَةٌ" صفت ہے۔اس آیت میں جسمانی نعمتوں کے بعد نعمتِ جنسیہ کا بیان ہے، کیونکہ اس سے انتفاع علی وجہ الکمال تب حاصل ہو سکتی ہے، جب آدمی جسمانی نعمتوں سے مالا مال اور خوب عیش و عشرت میں محو ہو۔

"مُطَهَّرَةٌ" کا مفہوم

یہ "طاهرة" سے زیادہ جامع اور بلیغ ہے، اس کا معنی انتہائی پاکیزہ، پاک دامن اور تہذیب یافتہ ہے، یعنی خِلقتاً وخُلقاً دونوں طرح سے پاک ہوں گی۔ خِلقتاً طہارت کا معنی یہ ہے کہ بول و براز، حیض و نفاس وغیرہ عیوب سے پاک صاف ہوں گی۔اور "خُلقاً" پاک ہونے کا مطلب یہ ہے کہ بااخلاق، پُر وقار اور تہذیب یافتہ ہوں گی، اخلاقی لحاظ سے اعلیٰ مقام پر فائز ہوں گی، ان میں مکر، دھوکہ بازی، غیبت، چغلی وغیرہ بداخلاقی کا شائبہ تک بھی نہ ہوگا، نہ تو وہ کسی کی کیساتھ حسد و بغض اور نہ ہی اپنے خاوند و کے علاوہ کسی غیر کی طرف نظریں اُٹھائیں گی۔معروف مفسر علامہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ أي مهذبة في الخلق ويقال : مطهرة في الخلق والخلق فأما الخلق فإنهن لا يحضنَ ولا يبلنَ ولا يتمخطن ولا يأتين الخلاء ـ وأما الخلق فهن لا يحسدن ولا يغرن ولا ينظرن إلى غير أزواجهن .(٤)

=========================

(١) تفسیر النسفی:١/٧٠.

(٢) صحیح بخاری:٤/١١٨، رقم:٣٢٤٤.

(٣) تفسیر بحر العلوم:١/٢٦.

امام مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ عَن مُجَاهِدٍ: مُطَهَّرَةٌ. قَالَ: لَا يَبُلنَ، وَلَا يَتَغَوَّطنَ، وَلَا يَلِدنَ وَلَا يَحِضنَ، وَلَا يُمنِينَ وَلَا يَبصُقنَ.(١)

مفسر جلیل علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں۔ أی فی الأبدان ،والأخلاق ، والأفعال ، فلا يَحِضن ، ولا يلدن ، ولا يذهَبن إلى غائطٍ ولا بول، وهذا قول جميع أهل التفسير .(٢)

الغرض ان کی بیو بیاں ہر قسم کی تکدر اور خامیوں سے مبرا ہوں گی، سنن ترمذی میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے کہ جنت میں حورعین کی ایک جماعت بہ آواز بلند یہ گیت اور ترانہ گاتیں ہوں گی۔

نَحنُ الخَالِدَاتُ فَلَا نَبِيدُ وَنَحنُ النَّاعِمَاتُ فَلَا نَبأَسُ

وَنَحنُ الرَّاضِيَاتُ فَلَا نَسخَطُ طُوبَى لِمَن كَانَ لَنَا وَكُنَّا لَهُ(٣)

ترجمہ: ہم نرم ونازک جسم رکھتی ہیں، ہمارا حسن لازوال ہے، اس پر کبھی تکدر نہیں ہوگا، ہمیں ہمیشہ کی زندگی عطا کی گئی ہے، ہم پر کبھی موت طاری نہیں ہوگی، ہم خوش وخرم رہیں گی، کبھی مزاج میں تکدر رونما نہیں ہوگا، مبارک ہو وہ لوگ جنہیں ہماری رفاقت حاصل ہے اور ہمیں ان کی رفاقت سے نوازا گیا ہے۔

قوله تعالى : وَهُم فِيهَا خَالِدُونَ:

یہ ماقبل "لهم" کی ضمیر سے جملہ حال واقع ہے۔ "خلود" سے بقاء مراد ہے، اسی سے "جنة الخلد" ہے، ہمیشہ رہنی والی جنت۔ یہ کبھی استعارۃ طویل مدت کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے، جیسے عربی محاورہ ہے۔ "خلدالله ملكه" اللہ تعالی اس کی بادشاہی طوالت عطا فرما۔ لیکن یہاں "خلود" استمرار وبقاء کے معنی میں مستعمل ہے۔ یہ "جنات" کی چوتھی صفت ہے(۴)، کیونکہ کوئی نعمت خواہ کتنی ہی عظیم کیوں نہ ہو، لیکن اگر اس میں دوام واستمرار نہ ہو تو اس نعمت کے ہوتے ہوئے بھی انسان

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۴۱۔

(۲) النکت والعیون للماوردی:۱/۸۷۔

(٣) أخرجه الترمذی، باب ما جاء فی كلام الحور العين:٤/٦٩٦، رقم: ٢٥٦٤، وأحمد :١/١٥٦، رقم : ١٣٤٢، وأبويعلى : ١/٢٣٢، رقم : ٢٦٨ .

(٤) قال أبوالسعود العمادی رحمه الله : واعلم أن معظمَ اللذاتِ الحسية لما كان مقصوراً على المساكن والمطاعم والمناكِح حسبما يقضى به الاستقراءُ، وكان مَلاكُ جميع ذلك الدوامَ والثباتَ؛ إذ كلُّ نعمة وإن جلت حيث كانت فی شرف الزوال، ومعرِضِ الاضمحلال؛ فإنها منغِّصةٌ غيرُ صافيةٍ من شوائب الألم بَشَّر المؤمنين بها وبدوامها تكميلاً للبهجة والسرور. اللهم وفقنا لمراضيك، وثبتنا على ما يؤدی إليها من العقد والعمل. [ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم:۱/۸۹].

کے مزاج میں ایک نوع تکدر رونما ہوتا ہے، اس لیے کہ جب اس کی ذہن میں یہ تصور گردش کرتا ہے کہ ایک نہ ایک دن اس نعمت نے چھن جانا ہے، اس خدشہ کو ختم کرتے ہوئے فرمایا کہ اہل جنت کو جن انعامات سے نوازا جائے گا، وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہیں، ان کے چھن جانے کا تصور بھی نہ کیا جائے، اگر ہمیشہ کے لیے معمولی نعمت بھی میسر ہو تو بھی وہ نہایت عظیم متصور ہوتی ہے، چہ جائیکہ اس قدر عظیم اور وافر نعمتیں ہوں!! اس لیے فرمایا کہ نہ ہی ان کو جنت سے نکالا جائے گا، نہ ہی ان پر موت آئے گی اور نہ ہی جنت فنا ہوگی، ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جنت میں رہیں گے، مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ أي لا يخرجون منها ولا يموتون ـ والخلد البقاء الدائم الذى لا انقطاع له.(۴)

یعنی اس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل جنت کو یہ یقین دلا دیا جائے گا کہ وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، کوئی قوت انہیں ان ایوانوں اور اور محلات سے بے دخل نہیں کر سکے گی اور نہ ہی ان نعمتوں کو لذتوں سے محروم کر سکے گی۔

واضح رہے کہ اول الذکر صفت کو جملہ فعلیہ لا کر حدوث کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور مؤخر الذکر دونوں صفتوں کو جملہ اسمیہ لا کر دوام وثبات کی طرف اشارہ ہے، مفسر جلیل علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ وأوردت الأوليتان بالجملة الفعلية لإفادة التجدد وهاتان بالإسمية لإفادة الدوام .(۵)

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی رغبت تین چیزوں سے زیادہ ہوتی ہے اور ان کی طرف احتیاج زیادہ ہوتا ہے، وہ تین چیزیں یہ ہیں:۔ ا۔عمدہ مکان (رہن سہن) ۲۔ عمدہ خورد ونوش (کھانا پینا) ۳۔ خوبصورت رفیقہ حیات۔اس آیت میں مذکورہ تینوں چیزوں کا تذکرہ ہے، اول کو "لهم جنات" میں، دوسری چیز کو "كلما رزقوا...." میں اور تیسری چیز کو "لهم فيها ازواج" میں بیان کیا گیا ہے، اور اس کیساتھ ساتھ ایک کھٹکا اور اندیشہ ان چیزوں کے فنا ہونے اور اپنے مرنے کا بھی رہتا ہے، جو تمام لذات کو خاک میں ملا دیتا ہے، اس کھٹکے کو "هم فيها خالدون" سے ختم کر دیا گیا ہے۔

========================

(۴) تفسیر خازن:ا/۳۲.

(۵) روح المعانی:ا/۳۰۶.

قولہ تعالی : إِنَّ اللَّـهَ لَا يَستَحيِى أَن يَضرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوقَهَا فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعلَمُونَ أَنَّهُ الحَقُّ مِن رَبِّهِم وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهدِى بِهِ كَثِيرًا وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الفَاسِقِينَ ﴿٢٦﴾ الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهدَ اللَّهِ مِن بَعدِ مِيثَاقِهِ وَيَقطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَلَ وَيُفسِدُونَ فِى الأَرضِ أُولَئِكَ هُمُ الخَاسِرُونَ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: بے شک اللہ شرماتا نہیں اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اُس چیز کی جو اُس سے بڑھ کر ہے سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقیناً جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے جو نازل ہوئی اُن کے ربّ کی طرف سے اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں کیا مطلب تھا اللہ کا اِس مثال سے گمراہ کرتا ہے خدائے تعالی اس مثال سے بہت تروں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہت تروں کو اور گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں کو جو توڑتے ہیں خدا کی معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اُس چیز کو جس کو اللہ نے فرمایا ملانے کو اور فساد کرتے ہیں ملک میں وہی ہیں ٹوٹے والے۔

قوله تعالى : إِنَّ اللَّهَ لَا يَستَحيِى أَن يَضرِب:

یہ دوسرے شبہ کا جواب ہے، اس کی دو تقریریں ہیں:۔

پہلی تقریر: عام مفسرین کرامؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جب "يَا أَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاستَمِعُوا لَهُ إِنَّ الَّذِينَ تَدعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَن يَخلُقُوا ذُبَابًا وَلَوِ اجتَمَعُوا لَهُ. (سورۃ الحج:۷۳) اور "مَثَلُ الَّذِينَ اتَّخَذُوا مِن دُونِ اللَّهِ أَولِيَاءَ كَمَثَلِ العَنكَبُوتِ... (سورۃ العنکبوت:۴۱) نازل ہوئی تو منکرین نے کہا کہ ہم اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں، کیونکہ اس میں ہمارے معبودوں کی توہین کی گئی ہے مکڑی اور مکھی جیسے خسیس اور گھٹیا چیزوں کیساتھ ان کی مثالیں دی گئی ہیں؟ اگر یہ اللہ تعالی کی طرف سے نازل کردہ کتاب ہوتی۔ تو اس میں اس طرح خسیس اور گھٹیا چیزوں کا ہرگز ذکر نہ کیا جاتا؟ (۱)

====================

(۱) تفسیر طبری: ۱/ ۳۳۹.

تو اس شبہ کا جواب ”إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَن يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا..“ کیساتھ دیا کہ اللہ تعالی حق بیان کرنے میں کوئی حجاب اور حیا نہیں کرتا۔مشرکین نے جن معبودان باطلہ کو اللہ تعالی کا شریک بنایا ہے،ان سے زیادہ کوئی حقیر نہیں،ان کی حقارت اور بے بسی کو ثابت کرنے کے لیے مکڑی کے جالے اور مکھی کیساتھ تشبیہ دی گئی ہے،اس لیے کہ تمثیلات سے مقصود حقیقت حال کا انکشاف ہوتا ہے اور محض ممثل لہ کی وضاحت مقصود ہوتی ہے،مثال میں کسی چیز کی شرافت اور خساست کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا ہے۔

لیکن اس تقریر پر ایک اشکال وارد ہوتا ہے کہ سورۃ العنکبوت مکی اور سورۃ البقرۃ مدنی ہے،تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ سوال مکہ میں ہو اور جواب مدینہ میں دیا جائے؟ اور اسی طرح سورۃ الحج میں جو مثال مذکور ہے اس کا جواب بھی بظاہر نہیں بن سکتا، کیونکہ سورۃ البقرۃ پہلے نازل ہوئی۔اور سورۃ الحج بعد میں نازل ہوئی،اس لئے کہ سورۃ البقرۃ ترتیبِ نزولی کے اعتبار سے ۸۷اور سورۃ الحج ۱۰۳ ہے اب یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ جواب پہلے اور سوال بعد میں ہو؟!

دوسری تقریر: سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ جب اللہ تعالی نے ماقبل آیتوں میں نار ،رعد وبرق کیساتھ ان کی مثالیں بیان کیں تو معاندین اور منکرین نے ان مذکورہ مثالوں پر احمقانہ اعتراضات شروع کیے، کہنے لگے کہ ” الله أجل وأعلى من أن يضرب هذه الأمثال“؟ یہ کس طرح اللہ تعالی کی کتاب ہوسکتی ہے کہ اس میں اس جیسی چیزوں کا ذکر ہے؟اس سے معلوم ہوا کہ یہ خود ساختہ کلام ہے؟ تو پھر یہ آیت نازل ہوئی۔امام المفسرین علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ عن ابن مسعود وعن ناس من أصحاب النبى صلى الله عليه وسلم: لَما ضرَب الله هذين المثلين للمنافقين يعنى قوله:﴿مثلهم كمثل الذى استوقد نارًا﴾ وقوله:﴿أو كصيِّب من السماء﴾ الآيات الثلاث قال المنافقون: الله أعلى وأجلّ من أن يضرب هذه الأمثال فأنزل الله:﴿إن الله لا يستحى أن يضرب مثَلا ما بعوضةً..﴾إلى قوله:﴿أولئك همُ الخاسرُون﴾.(۱)

اس تقریر کو ہمارے شیوخ رحمہم اللہ نے راجح قرار دیا ہے، کیونکہ اس میں کسی توجیہ اور تکلف کی ضرورت نہیں پڑتی۔

باقی رہی یہ بات کہ معترضین کون تھے؟ بعض روایتوں میں آتا ہے کہ یہ یہود تھے،بعض میں ہے کہ مشرکین تھے اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ منافقین تھے،تاہم یہ سب ہوسکتے ہیں،معروف مفسر امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ ”قال القفال: الكل محتمل هاهنا أما اليهود فلأنه قيل فى آخر الآية:﴿ وما يضل به إلا الفاسقين الذين ينقضون عهد الله

---

(۱) تفسیر طبری:۱/۳۹۹، تفسیر ابن کثیر:۱/۲۰۶، وزاد المیسر لابن الجوزی:۱/۵۴، فتح القدیر للشوکانی:۱/۸۹.

مـن بـعد ميثاقه﴾، وهذا صفة اليهود؛ لأن الخطاب بالوفاء وبالعهد فيما بعد إنما هو لبنى إسرائيل. وأما الكفار والـمـنـافقون فقد ذكروا فى سورة المدثر: ﴿ وليقول الذين فى قلوبهم مرض والكافرون ماذا أراد الله بهذا مثلا كذلك يضل الله من يشاء ويهدى من يشاء﴾ [المدثر:٣١] الآية. فأما الذين فى قلوبهم مرض هم المنافقون والـذين كـفـروا يـحتـمـل الـمشـركين؛ لأن السورة مكية، فقد جمع الفريقان هاهنا: إذا ثبت هذا فنقول: احتـمـال الكل هاهنا قائم؛ لأن الكافرين والمنافقين واليهود كانوا متوافقين فى إيذاء رسول الله ﷺ وقد مضى مـن أول السـورة إلى هذا الموضع ذكر اليهود وذكر المنافقين وذكر المشركين. وكلهم من الذين كفروا. ثم قال القفال: وقد يجوز أن ينزل ذلك ابتداء من غير سبب؛ لأن معناه فى نفسه مفيد."(١)

قوله تعالى :إِنَّ اللَّهَ لَا يَستَحيِى أَن يَضرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوقَهَا.

یہ جملہ مستأنفہ ہے۔ " لَا يَستَحيِى"،جملہ محل رفع میں واقع ہے،" يَستَحيِى"،لغت میں "حيـا" سے مشتق ہے،حیا کا معنی ہے۔ "انـقبـاض الـنفس عن القبيح مخافة الذم". یعنی مذمت کے خوف کی وجہ سے نفس کو قبیح چیز کے ارتکاب سے روکنا۔ حیا انسان کی اس حالت کا نام ہے،جس کے نیچے خجالت (شرمندگی) ہے،جو نفس کو کسی کام سے باز رکھتی ہے اوراس کے بعد وقاحت (یعنی بے شرمی کی باتوں پر جرأت کرنا) ہے۔اللہ تعالی کی ذات نفس اور انقباض سے منزہ ہے،اس لیے اللہ تعالی کے لیے حیا کا اطلاق حقیقی طور پر نہیں، بلکہ مجازی طور پر ہے، پھراس میں مفسرین کرامؒ کا اختلاف ہے،بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ "لايـــــخشـــــى" کے معنی میں ہے،یعنی اللہ تعالی نہیں ڈرتا کہ مچھر یا اس سے بھی حقیر چیز کی مثال بیان کرے۔علامہ ابن جریر طبریؒ نے اسی معنی کو ترجیح دی ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہ "لايترك" کے میں معنی میں ہے،اس لیے کہ ''حیا'' کا نتیجہ ترک فعل کہلاتا ہے،ایک حدیث میں ہے۔

إن الله يستحيي من ذى الشيبة المسلم أن يعذبه. (٢)

اسی طرح ایک دوسری روایت میں آتا ہے۔

إن الله حيي كريم يستحيي إذا رفع العبد يديه أن يردهما صفراً حتى يضع فيهما خيراً .(٣)

=====================

(١) تفسیر کبیر:٣٦١/٢.

(٢) أورده البيضاوى فى التفسير:٢٥٥/١، وأبوالسعود:٧١/١.

(٣) أخـرجـه التـرمـذى:٥٥٦/٥، رقـم: ٣٥٥٦، والـمستـدرك :٤٩٧/١، رقـم:١٨٣١، والبيهـقـى فـى سـنـن الكبرى:٢١١/٢، رقم:٢٩٦٥، والبغوى فى شرح السنة:١٨٥/٥، رقم:١٣٨٥.

اب معنی یوں ہوگا۔ أی لا یترك ضرب المثل بالبعوضة ترك من یستحیی أن یمثل بها لحقارتها.(۱)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ "لا یمتنع" **کے معنی میں ہے۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔** "واختلف المتأولون فی معنی "یستحیی" فی هذه الآیة فقیل: لا یخشی. ورجحه الطبری. وفی التنزیل:﴿وتخشی الناس والله أحق أن تخشاه﴾ [الأحزاب:۳۷] بمعنی تستحی. وقال غیره: لا یترك. وقیل: لا یمتنع. وأصل الاستحیاء الانقباض عن الشیء والامتناع منه خوفا من مواقعة القبیح وهذا محال علی الله تعالی.(۲)

قوله تعالی :أَن يَضرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً:

"أَن يَضرِبَ" بتقدیر "من" **محل نصب میں واقع ہے۔** "یَضرِبَ" ، "یبین" **کے معنی (بیان کرنا) میں ہے۔** "مثلا" **منصوب بنا بر مفعولیت ہے،** "مثلا" **نکرہ تھا لفظ** "ما" **کے اضافہ نے اس کے وصف تنکیر کو مزید بڑھا دیا، چونکہ مثال کو ممثل لہ پر واقع کیا جاتا ہے، اس لیے** "ضرب" **کیساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔**

"مَا" **میں تین معروف توجیہات ہیں:۔**

پہلی توجیہ: "ما" ، "الذی" **کے معنی میں ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔** أی الذی هو بعوضة .

دوسری توجیہ: "ما" ، "بین" **کے معنی میں ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔** أی ما بین بعوضة الی مافوقها .

تیسری توجیہ: "ما" زائدہ ہے۔ **مفسر جلیل علامہ ابوالحسن ماوردیؒ فرماتے ہیں۔** وفی قوله:﴿مَا بَعُوضَةً﴾ ثلاثةُ أوجُهٍ:أحدها: أن ما بمعنی الذی ، وتقدیره: الذی هو بعوضة. والثانی: أن معناه: ما بین بعوضة إلی ما فَوقها. والثالث: أن ما صلةٌ زائدةٌ . (۳)

"فَمَا فَوقَهَا" **یہ ماقبل پر عطف ہے،** "فوق" **ظرف مکان ہے، مفسرین کرامؒ نے اس کی دو توجیہات کیں ہیں:۔**

پہلی توجیہ: سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ فوقیت سے زیادت فی الجم مراد ہے کہ مچھر یا اس سے کوئی اور بڑی مخلوق ہو، ہاتھی اور اُونٹ وغیرہ۔ تو یہ ترقی من الأدنی الی الأعلی کے قبیل سے ہے۔ یہ قول قتادہ، ابن جریج اور امام فراءؒ کا مختار کردہ ہے۔

دوسری توجیہ: امام ابوعبیدہؒ اور امام کسائیؒ فرماتے ہیں کہ فوقیت سے زیادت فی الصغر والحقارۃ مراد ہے کہ مچھر یا اس سے کوئی اور صغیر وحقیر مخلوق ہو۔ تو اس صورت میں یہ ترقی من الحقیر الی الأحقر کے قبیل سے ہوگی۔

==================

(۱) تفسیر بیضاوی:۱/۲۵۴.

(۲) تفسیر قرطبی:۱/۲۴۲.

(۳) النکت والعیون للماوردی:۱/ ۸۷-۸۸، وزاد المسیر لابن الجوزی:۱/۵۴.

مفسر جلیل علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ والمراد بالفوقية إما الزيادة فى حجم الممثل به فهو ترق من الصغير للكبير وبه قال ابن عباس أو الزيادة فى المعنى الذى وقع التمثيل فيه وهو الصغر والحقارة فهو تنزل من الحقير للأحقر .(١)

مؤخرالذکر توجیہ کو محققین حضرات نے راجح قرار دیا ہے،معروف مفسر امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ " والمحققون مالوا إلى هذا القول لوجوه: أحدها: أن المقصد من هذا التمثيل تحقير الأوثان، وكلما كان المشبه به أشد حقارة كان المقصود فى هذا الباب أكمل حصولا. وثانيها: أن الغرض هاهنا بيان أن الله تعالى لا يمتنع من التمثيل بالشىء الحقير، وفى مثل هذا الموضع يجب أن يكون المذكور ثانيا أشد حقارة من الأول يقال: إن فلانا يتحمل الذل فى اكتساب الدينار، وفى اكتساب ما فوقه يعنى فى القلة؛ لأن تحمل الذل فى اكتساب أقل من الدينار أشد من تحمله فى اكتساب الدينار. وثالثها: أن الشىء كلما كان أصغر كان الاطلاع على أسراره أصعب، فإذا كان فى نهاية الصغر لم يحط به إلا علم الله تعالى، فكان التمثيل به أقوى فى الدلالة على كمال الحكمة من التمثيل بالشىء الكبير.(٢)

ایک اشکال اوراس کا جواب:

یہاں بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ "بعوضہ" (مچھر) کیساتھ مثال دینے کی کیا حکمت ہوسکتی ہے؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ مچھر چونکہ اعجب الحیوانات ہے، جسامت میں بہت چھوٹا ہونے کے باوجود اس کی ایک ایسی سونڈ ہوتی ہے ہاتھی ،بھینس اوراُونٹ جیسے بڑے بڑے جانوروں کے کھال میں گاڑ کرخون چوس لیتا ہے ،جلیل القدر مفسر علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ وهو من عجيب خلق الله تعالى فإنه فى غاية الصغر وله خرطوم مجوف وهو مع صغره يغوص خرطومه فى جلد الفيل والجاموس والجمل فيبلغ منه الغاية حتى أن الجمل يموت من قرصه.(٣)

دوسراجواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ مچھر جب بھوکا ہوتا ہےتو زندہ رہتا ہےاور جب سیر ہوجائےتو مرجا تا ہے،تو

====================

(١) روح المعانی:١/٢٠٧.

(٢) تفسیر کبیر:٢/٣٦٤.

(٣) تفسیر خازن:١/٣٣.

اسی طرح منکرین ومعاندین کی بھی یہی حال ہے جب مفلس و بے بس ہوں تو خاموش ہوتے ہیں اور جب دنیا کی مال ومتاع سے سیر ہوجاہیں، تو اللہ تعالی ان سے سب کچھ چھین لیتا ہے، مفسر جلیل علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ عـن الـربيـع بن أنـس فى هذه الآية قال: هذا مثل ضربه الله للدنيا؛ إذ البعوضة تحيا ما جاعت فإذا سمنت ماتت، وكذلك مثل هؤلاء القوم الذين ضرب لهم هذا المثل فى القرآن إذا امتلؤوا من الدنيا ريا أخذهم الله تعالى عند ذلك.(١)

قوله تعالى: فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعلَمُونَ أَنَّهُ الحَقُّ مِن رَبِّهِم:

"فَأَمَّا" شرطیہ یا تفصیلیہ ہے، "ف" جواب "أما" ہے۔ "أَنَّهُ الحَقُّ" محل نصب میں واقع ہے، "ه" کی ضمیر قرآن مجید کی طرف راجع ہے، یا "مثـــال" کی طرف راجع ہے، یا ترک استحیاء کی طرف راجع ہے اور یا "ضرب مثل" کی طرف راجع ہے، جو ماقبل جملہ سے مفہوم ہو رہا ہے۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں نے دعوی "اعبـدوا" کو دل وجان سے تسلیم کیا، تو انہیں اس بات کا یقین اور اعتقاد جازم ہے کہ یہ مثال اللہ تعالی کی طرف سے ہے (خواہ مثال بڑی چیز کی ہو، یا چھوٹی چیز کی ہو) اور موقع ومحل کے عین مطابق ہے، مفسر جلیل علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ وقـال قتـادة: فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعلَمُونَ أَنَّهُ الحَقُّ مِن رَبِّهِم أى: يعلمون أنه كلام الرحمن وأنه من عند الله.(٢)

قوله تعالى: وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا:

یہ جملہ ماقبل پر عطف ہے، "كــفـــروا" کمال جہالت اور حد درجہ حماقت سے کنایہ ہے، مفسر جلیل علامہ بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ كـان مـن حقه: وأما الذين كفروا فلا يعلمون ليطابق قرينه ويقابل قسيمه، لكن لما كان قولهم هذا دليلاً واضحاً على كمال جهلهم عدل إليه على سبيل الكناية ليكون كالبرهان عليه(٣).

معاندین کا یہ مقولہ "مَـاذَا أَرَادَ الـلَّـهُ بِهَذَا مَثَلًا" علی سبیل الاستفسار نہیں، بلکہ علی سبیل التعریض ہے، "ما" استفہامیہ مبتدأ ہے، "ذا" بمعنی "الذى" اس کی خبر ہے، یا "ماذا" مرکب بمعنی "أى شئى" ہے، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ يـحتمل وجهيـن: أن تكون مَا استفهامية و ذا بمعنى الذى وما بعده صلته والمجموع خبر ما. وأن تكون ما مع ذا اسماً واحداً بمعنى: أى شىء منصوب المحل على المفعولية مثل ما أراد الله والأحسن فى جوابه الرفع على الأول

=====================

(١) تفسیر ابن کثیر: ١/ ٢٠٦، ٢٠٧، تفسیر ابن جریر: ١/ ٣٩٩.

(٢) تفسیر ابن کثیر: ١/ ٢٠٦، ٢٠٧.

(٣) تفسیر بیضاوی: ١/ ٦٣.

والنصب على الثانی لیطَابق الجواب السؤال(١).

یعنی جن لوگوں نے دعوی "اعبـــدوا " کا انکار کیا۔تو وہ انتہائی حقارت آمیز لہجے میں کہتے ہیں کہ ایسی ایسی مثال بیان کرنے سے کیا غرض ہے؟اس قسم کی تمثیل بیان کرنے کا کیا فائدہ ہے؟اس طرح کے یعنی سوال سوالات کا قرآن مجید نے ایک جگہ یوں تذکرہ فرمایا۔ وَمَا جَعَلنَا أَصحَابَ النَّارِ إِلَّا مَلَائِكَةً وَمَا جَعَلنَا عِدَّتَهُم إِلَّا فِتنَةً لِلَّذِينَ كَفَرُوا لِيَستَيقِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الكِتَابَ وَيَزدَادَ الَّذِينَ آمَنُوا إِيمَانًا وَلَا يَرتَابَ الَّذِينَ أُوتُوا الكِتَابَ وَالمُؤمِنُونَ وَلِيَقُولَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَرَضٌ وَالكَافِرُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن يَشَاءُ وَيَهدِي مَن يَشَاءُ وَمَا يَعلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ وَمَا هِيَ إِلَّا ذِكرَى لِلبَشَرِ .(سورۃ المدثر:٣١)

قوله تعالى : يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهدِي بِهِ كَثِيرًا :

یہ جملہ ماقبل جملوں کا بیان اور تفسیر ہے، "يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا." ماقبل" فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ بِهَذَا مَثَلًا" پراور "وَيَهدِي بِهِ كَثِيرًا." ماقبل" فَيَعلَمُونَ أَنَّهُ الحَقُّ مِن رَبِّهِا." پر علی سبيل اللف والنشر الغير المرتب کےطور پر متفرع ہے۔یعنی تمثیلات کی تائید حصولِ ہدایت کا ذریعہ ہے اوران پر اعتراضات ونکتہ چینیاں کرنا ضلالت وگمراہی کا سبب ہے۔اس کا مقصود تمثیلات کے فوائد کا بیان ہے کہ تمثیلات اہل ایمان کے لیے تکوینی طور پر ہدایت اور منکرین ومعترضین کے لئے ضلالت وگمراہی کا سبب ہیں ۔اس لیے کہ اہل ایمان نے تمثیل سنتے ہی کہہ دیا ہے کہ یہ بالکل صحیح اور درست ہے اور معاندین ہٹ دھرمی پر آ کر کہنے لگے کہ اس قسم مثال بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے؟!

''اضلال'' کا معنی یہ ہے کہ معاندین بے شمار دلائل اور براہین کے ہوتے ہوئے ضلالت اور گمراہی کی سمت روانہ ہوئے ،جس کا نتیجہ تکوینی یہ ہوا کہ وہ گمراہ ہوئے۔"بـه" کا مرجع "مثلا" وغیرہ ہے،یعنی اس مثال اوراس جیسی دیگر تمثیلات سے معاندین کی گمراہی ظاہر ہوتی ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس آیت میں اضلال کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی گئی ہے،سواس کی توجیہ یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالی خیروشر دونوں کا خالق ہے تو اسی طرح ضلالت اور ہدایت کا بھی خالق ہے،تاہم ضلالت کا اسنادفعل کے اعتبار سے انسان کی طرف ہے اور خالق ہونے کے لحاظ سے اللہ تعالی کی طرف ہے۔مفسر جلیل علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ وإسنـادُ الإضلال أي خلق الضلال إليه سبحانه مبنيٌّ على أن جميع الشياء مخلوقةٌ له تعالى، وإن كان أفعالُ العباد من حيث

---

(١) تفسیر بیضاوی:١/٦٣.

الكسبُ مستندةً إليهم، وجعلُه من قبيلِ إسنادِ الفعلِ إلى سببه يأباه التصريحُ بالسبب(١).

ہمارے شیخ المشائخ حضرت مولانا حسین علی رحمہ اللہ فرماتے ہیں. فی ضرب الأمثال بالمحقرات ابتلاء للمؤمنين والكفار یعنی حقیر اشیاء کی تمثیلات بیان کرنے میں اہل ایمان اور کفار دونوں کی ابتلاء مقصود ہے۔(٢)

چند اشکالات اور ان کے جوابات:

پہلا اشکال:

یہاں بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ جب تمثیلات کا بیان لوگوں کی گمراہی کا سبب ہے، تو پھر ان کے بیان کرنے کا کیا فائدہ ہے؟ اور جو لوگ ان کی وجہ سے گمراہ ہوئے تو اس میں ان کا کیا قصور ہے؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہاں حدوثِ ضلالت مراد نہیں، بلکہ دوام علی الضلالۃ مراد ہے کہ منکرین ومعاندین اپنی ضلالت وگمراہی پر مزید ڈٹ جاتے ہیں۔جلیل القدر مفسر علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ فإن المرادَ بالذات من ضرب المثل هو التذكر والاهتداء كما ينبئ عنه قولُهُ تعالى: ﴿وَتِلْكَ الأمثال نَضرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُم يَتَفَكَّرُونَ﴾ ونظائره. وأما الإضلال فهو أمر عارضٌ مترتب على سوء اختيارهم وأوثر صيغة الاستقبال إيذانا بالتجدد والاستمرار (٣).

دوسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں اظہارِ ضلالت اور اظہارِ ہدایت مراد ہے، أي يظهر به ضلالة كثير ويظهر به هداية كثير. یعنی امثلہ بیان کرنے سے کئی لوگوں کی گمراہی ظاہر ہوتی ہے اور بہت سے لوگوں کی ہدایت ظاہر ہو جاتی ہے۔

تیسرا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مجاز بالحذف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے۔يضل بالتكذيب بأمثاله التي ضربها لهم كثيراً، ويهدي بالتصديق بها كثيراً. یعنی تکذیب کی وجہ سے بہت لوگ گمراہ ہوتے ہیں اور تصدیق کرنے سے بہت لوگ ہدایت یافتہ ہو بن جاتے ہیں۔معروف مفسر علامہ ابوالحسن ماوردیؒ فرماتے ہیں ۔معناه ب

==========================

(١) تفسیر أبي السعود:١/٧٥.

(٢) جواہر القرآن:١/٢٨.

(٣) تفسیر أبي السعود:١/٧٤.

التكذيب بأمثاله التى ضربها لهم كثيراً ، ويهدى بالتصديق بها كثيراً.(۱)

چوتھا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ از قبیل اخبار ہے، یعنی لوگوں کے احوال کا بیان مقصود ہے، علامہ ابوالحسن ماوردیؒ فرماتے ہیں۔ إنه إخبار عمَّن ضلَّ ومن اهتدى. (۲)

دوسرا اشکال:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں اہل ایمان اور معاندین دونوں کو کثیر کیساتھ تعبیر کیا گیا ہے، حالانکہ اہل ایمان بنسبت اہل ضلال کے کم ہیں، جیسے ارشاد ہے۔ وَقَلِيلٌ مِن عِبَادِيَ الشَّكُورُ .(سورۃ سبا:۱۳) اس کی کیا توجیہ ہوسکتی ہے؟

جواب: مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ''ضاّلین'' کی کثرت عدد کے اعتبار سے ہے اور ''مہتدین'' کی کثرت فضیلت وشرافت کے لحاظ سے ہے۔ یعنی ہدایت یافتہ لوگ گمراہ لوگوں کے بنسبت قلیل ہیں، لیکن فی الواقع کثیر ہیں اور گمراہ لوگ فی الواقع قلیل ہیں، لیکن عدد اور شمار کے اعتبار سے کثیر ہوتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر کہتا ہے۔

إنَّ الكِرامَ كثيرٌ فى البلادِ وإن قَلُّوا كما غيرَهُم قلٌّ وإن كَثُرُوا .

ترجمہ: معزز لوگ شہروں میں کثیر ہیں، اگر چہ شمار میں کم ہوتے ہیں اور غیر معزز لوگ حقیقت میں قلیل ہیں، اگر چہ تعداد کے اعتبار سے زیادہ ہوتے ہیں۔

معروف شاعر متنبیؔ نے اپنے ممدوح علی بن یسار کے متعلق کہا تھا۔

ثقالٍ إذا لاقَوا خِفافٍ إذا دُعوا كثيرٍ إذا شَدُّوا قليلٍ إذا عُدُّوا

ترجمہ: یہ لوگ جب اپنے دشمنوں سے مقابلہ کرتے ہیں، تو اپنی سخت گیری اور بھاری سے ان پر بھاری اور غالب رہتے ہیں، اور جب کسی اچھے کام کے لئے بلائے جاتے ہیں، تو ہلکے اور جلد باز ہوتے ہیں، اور جب جنگ کے وقت حملہ آور ہوتے ہیں، تو اپنے کام کے لحاظ سے بہت زیادہ ہو جاتے ہیں (یعنی ایک فرد سو آدمیوں کا کام کرتا ہے) اور جب ان کو گنا جاتا ہے تو بہت کم ہوتے ہیں۔

مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ ويحتمل أن تكون كثرة الضالين من حيث العدد وكثرة المهتدين باعتبار الفضل والشرف. (۳)

====================

(۱) النکت والعیون للماودی:۱/۸۸.

(۲) النکت والعیون للماودی:۱/۸۸.

(۳) السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۴۸.

قوله تعالى : وَمَا يُضِلُّ بِهِ إِلَّا الفَاسِقِين:

یہ ماقبل پرعطف ہے اور یہ جملہ ماقبل کی تکمیل اور تعیین ہے کہ گمراہی اُن کے حصہ میں آتی ہے، جوخودگمراہ رہنا چاہتے ہیں،معروف مفسر علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ عطف على ما قبله وتكلمة للجواب والردِّ وزيادةُ تعيينٍ لمن أريد إضلالُهم ببيان صفاتهم القبيحةِ المستتبعةِ له، وإشارةٌ إلى أن ذلك ليس إضلالاً ابتدائياً، بل هو تثبيتٌ على ما كانُوا عليهِ من فنون الضلال.(١)

فسق کامفہوم:

"فسق" لغت میں اطاعت وفرمابرداری سے نکل جانے کو کہتے ہیں۔"فسق فلان" کے معنی کسی شخص کا دائرہ شریعت سے نکل جانے کے ہیں، یہ "فسقت الرطبة "کے محاورہ سے مأخوذ ہے،جس کے معنی کھجور کے اپنے چھلکے سے باہر آنے کے ہیں اور چوہے کو بھی "فُوَيسِقَه" اس لیے کہتے ہیں کہ وہ اپنے بل سے بار بار نکل کر فساد کرتا رہتا ہے۔(۲)

''فسق'' کامفہوم شرعاً کفر سے اعم ہے،اس لیے کہ''فسق'' کا لفظ ہر قسم کے گناہ کے ارتکاب پر بولا جاتا ہے،تاہم عرف عام میں گناہ کبیرہ کے مرتکب کو فاسق کہا جاتا ہے،اسی وجہ سے اہل علم فرماتے ہیں کہ فاسق اپنے مفہوم کے اعتبار سے ہر نافرمان کو شامل ہے،تاہم اس آیت میں فاسق سے کافر مراد ہے۔مفسر جلیل علامہ ابن کثیر دمشقیؒ فرماتے ہیں۔ فالفاسق يشمل الكافر والعاصي ولكن فسق الكافر أشد وأفحش والمراد من الآية الفاسق الكافر.(٣)

معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔۔والفسق في عرف الاستعمال الشرعي: الخروج من طاعة الله عز وجل فقد يقع على من خرج بكفر وعلى من خرج بعصيان.(٤)

مفسرین کرامؒ اس کامعنی یوں بیان فرماتے ہیں. أي الخارجين عن حد الايمان الى الكفر . (٥) جیسے ارشاد ہے۔ إِنَّ المُنَافِقِينَ هُمُ الفَاسِقُونَ .(سورۃ التوبۃ:٦٧).

=======================

(۱) تفسیر أبی السعود:۱/۷۵.
(۲) تفسیر ابن کثیر:۱/۲۰۹، ۴/۲۰۱.
(۳) تفسیر ابن کثیر:۱/۲۱۰.
(۴) تفسیر قرطبی:۱/۲۴۲.
(۵) بیضاوی:۱/۲۶۳.

ایک اہم نکتہ:

مذکورہ آیت میں ضلالت فسق پر متفرع ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ ضلالت فسق کا نتیجہ تکوینی ہے، تو اس سے اہل سنت کے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ انسان اپنے افعال کا کاسب ہے۔ اب اس کا مفہوم یوں ہوگا۔ "فلما فسقوا فأضلهم الله على فسقهم ."(٥)☆

جب وہ فاسق ہوئے تو اللہ تعالی نے فسق کی وجہ سے ان کو گمراہ کر دیا، جیسے ارشاد ہے۔ وَلَقَد جَاءَ كُم يُوسُفُ مِن قَبلُ بِالبَيِّنَاتِ فَمَا زِلتُم فِي شَكٍّ مِمَّا جَاءَ كُم بِهِ حَتَّى إِذَا هَلَكَ قُلتُم لَن يَبعَثَ اللَّهُ مِن بَعدِهِ رَسُولًا كَذَلِكَ يُضِلُّ اللَّهُ مَن هُوَ مُسرِفٌ مُرتَابٌ .(سورۃ المؤمن:٣٤).

قوله تعالى : الَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهدَ اللَّهِ :

یہ ماقبل "الفاسقين" کی صفتِ کاشفہ ہے، یا مبتداء محذوف کی خبر ہے۔ "أي هم الذين"، یعنی فاسقین وہ بد باطن لوگ ہیں جو عہدِ توحید کو توڑ کر بغاوت اور شرک کی وجہ سے خدا کی زمین پر فساد پھیلاتے ہیں۔

نقض کا مفہوم:

"نقض" لغت میں "ابرام" کی ضد ہے، اس کے معنی کسی چیز کا شیرازہ بکھیرنے کے ہیں، جیسے "نقضت البناء" عمارت کو ڈھانا۔ "نقضت الحبل" رسی کے بل اتارنا۔ "نقضت العقد." گرہ کھولنا۔ اور "مناقضه" بھی اسی سے ماخوذ ہے، یعنی ایسا کلام جس کے معنی میں تناقض ہو، جیسا کہ جریر اور فرزدق کے نقائض شعر یہ مشہور ہیں اور "نقيضين" ایسے دو قضیوں کو کہتے ہیں، جن میں ایک کا صدق دوسرے کے کذب کو مستلزم ہو، جیسے ایک ہی چیز کے متعلق ایک ہی حالت میں "هو كذا وليس بكذا." کا حکم لگانا۔ پھر یہ لفظ "نقض الحبل والعقد" سے استعارہ کے طور پر عہد شکنی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "النقض: إفساد ما أبرمته من بناء أو حبل أو عهد. والنقاضة: ما نقض من حبل الشعر. والمناقضة فى القول: أن تتكلم بما تناقض معناه. والنقيضة فى الشعر: ما ينقض به. والنقض: المنقوض. "(٢)☆

=====================

(١) تفسیر طبری:١/٤٠٩، تفسیر ابن کثیر:١/٢٠٩.

(٢) تفسیر قرطبی:١/٢٤٦.

☆ قال العلامة رشيدالرضا المصرى رحمه الله: أَقُولُ : فَعُلِمَ بِهَذَا أَنَّ المُرَادَ بِإِسنَادِ الإِضلَالِ إِلَيهِ تَعَالَى فِى الآيَةِ السَّابِقَةِ بَيَانُ سُنَّتِهِ تَعَالَى فِى أَصحَابِ هَذِهِ الأَعمَالِ مِنَ الفُسَّاقِ وَهُوَ أَنَّهُم يَضِلُّونَ حَتَّى بِمَا هُوَ سَبَبٌ مِن أَشَدِّ أَسبَابِ الهِدَايَةِ تَأثِيرًا وَهُوَ المَثَلُ المَذكُورُ بِسَبَبِ رُسُوخِهِم فِى الفِسقِ وَنَقضِهِم لِلعَهدِ ـ ـ إِلَخ وَلَيسَ المَعنَى أَنَّهُ تَعَالَى خَلَقَ الضَّلَالَ فِيهِم خَلقًا وَأَجبَرَهُم عَلَيهِ إِجبَارًا. (تفسیر المنار:١/٢٠٢)

''عہداللہ'' سے کیا مراد ہے؟

معروف مفسر علامہ قرطبیؒ نے اس کے متعلق کئی اقوال نقل کیے ہیں:۔

پہلا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس سے وہ عہد مراد ہے جو اللہ تعالی نے عالمِ ارواح میں تمام اولادِ آدم سے لیا تھا۔

دوسرا قول: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عہد سے مراد وصیت ہے جو اللہ تعالی نے اپنے بندوں کو کی تھی جو تمام احکامات کو بجالانے اور جملہ معصیات سے احتراز کرنے پر مشتمل ہے اور اس کو توڑنا اس پر عمل نہ کرنے کے مترادف ہے۔

تیسرا قول: بعض فرماتے ہیں کہ عہد سے مراد اللہ تعالی کے وحدانیت پر نصب شدہ تمام دلائل ہیں اور اس میں تدبر تفکر نہ کرنا عہد کو توڑنا ہے۔ وغیرہ ذلک...علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ واختلف الناس فی تعیین هذا العهد فقیل: هو الذی أخذه الله علی بنی آدم حین استخرجهم من ظهره. وقیل: هو وصیة الله تعالی إلی خلقه وأمره إیاهم بما أمرهم به من طاعته ونهیه إیاهم عما نهاهم عنه من معصیته فی کتبه علی ألسنة رسله ونقضهم ذلك ترك العمل به. وقیل: بل نصب الأدلة علی وحدانیته بالسماوات والأرض وسائر الصنعة هو بمنزلة العهد ونقضهم ترك النظر فی ذلك. وقیل: هو ما عهده إلی من أوتی الكتاب أن یبینوا نبوة محمدﷺ ولا یكتموا أمره. فالآیة علی هذا فی أهل الكتاب. قال أبو إسحاق الزجاج: عهده عز وجل ما أخذه علی النبیین ومن اتبعهم ألا یكفروا بالنبی ﷺ. ودلیل ذلك: وإذ أخذ الله میثاق النبیین.(آل عمران:۸۱) إلی قوله تعالی: وأخذتم علی ذلكم إصری.(آل عمران:۸۱)، أی عهدی. قلت: وظاهر ما قبل وما بعد یدل علی أنها فی الكفار. فهذه خمسة أقوال والقول الثانی یجمعها.(۱)

حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عہد سے توحید باری تعالی اور احکامات الہیہ مراد ہیں۔(۲)

====================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۴۶، النکت والعیون للماوردی:۱/۸۹، وفتح القدیر للشوکانی:۱/۹۳.

(۲) جواہر القرآن:۱/۲۹.

(۳) المراد من العهد ههنا عهد الله ما أخذه علی عباده من فهم السنن الكونیة بالنظر والاعتبار بما أوتوه من نعمة العقل والحواس المرشدة إلی الفهم ونقضه عدم استعمال تلك المواهب فیما خلقت له حتی كأنهم فقدوها. قال العلامة المراغی فی تفسیر هذه الآیة: أی الذین یستعملون المواهب التی خلقها الله لعباده من عقل ومشاعر وحواسّ ترشدهم إلی النظر والاعتبار فی غیر ما خلقت له حتی كأنهم فقدوها كما قال: ﴿لَهُم قُلُوبٌ لا يَفقَهُونَ بِها وَلَهُم أَعيُنٌ لا يُبصِرُونَ بِها وَلَهُم آذانٌ لا يَسمَعُونَ بِها أُولئِكَ كَالأَنعامِ بَل هُم أَضَلُّ أُولئِكَ هُمُ الغافِلُونَ﴾. وهذا العهد الذی نقضوه هو العهد الفطری وهناك عهد آخر جائت به الشرائع وهو العهد الدینی وقد وثق الله الأول بجعل العقول قابلة لإدراك السنن الإلهیة التی فی الكون كما وثق الثانی بما أیّد به الأنبیاء من الحجج والبراهین الدالة علی صدقهم فمن أنكر بعثة الرسل ولم یهتد بهدیهم فهو ناقض لعهد الله فاسق عن سننه فی إبلاغ القوی البشریة والنفسیة حد الكمال الإنسانی الممكن لها. (تفسیر المراغی:۱/۷۳، وانظر أیضا: تفسیر المنار:۱/۲۰۲-۲۰۳).

عہد کے اقسام اور انواع:

قرآن مجید میں یہ عہد تین طریقوں سے مذکور ہے:۔

۱۔ **الأولُ ما أخذه على جميع ذريةِ آدمَ عليه السلام** : عالمِ ارواح میں جو عہد بنی نوع آدم سے لیا گیا تھا کہ تم سب اللہ تعالی کی ربوبیت کا اقرار کرو گے، جیسے ارشاد ہے۔ " وَإِذ أَخَذَ رَبُّكَ مِن بَنِي آدَمَ مِن ظُهُورِهِم ذُرِّيَّتَهُم وَأَشهَدَهُم عَلَى أَنفُسِهِم أَلَستُ بِرَبِّكُم قَالُوا بَلَى......" (سورۃ الأعراف:۱۷۲).

۲۔ **والثاني: ما أخذه على الأنبياء عليهم السلام**: اللہ تعالی کے دین اور احکامات کی تبلیغ کرو گے اور اس کو دنیا میں قائم کرو گے، جیسا کہ ارشاد ہے۔ "وَإِذ أَخَذنَا مِنَ النَّبِيِّينَ مِيثَاقَهُم وَمِنكَ وَمِن نُوحٍ وَإِبرَاهِيمَ وَمُوسَى وَعِيسَى ابنِ مَريَمَ وَأَخَذنَا مِنهُم مِيثَاقًا غَلِيظًا .(سورۃ الأحزاب:۷).

۳۔ **الثالث: ما أخذه على العلماء** : اللہ تعالی کے کتاب کو حقیقی معنوں میں بیان کرو گے اور مسئلہ حق میں کتمان اور مداہنت سے گریز کرو گے۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ وَإِذ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكتُمُونَهُ......(سورۃ ال عمران:۱۸۷).(۱)

ایمان کی صحت اور بقاء کے لئے شرائط:

ایمان کی صحت اور استحکام کے لیے تین قوتیں درکار ہیں:۔

۱۔ ایمان. ۲۔ فطرتِ سلیمہ. ۳۔ عقل مستعدۃ.

اگر ان میں سے کوئی ایک بھی مفقود ہو تو روحانیت مفلوج ہو جاتی ہے۔ اور فاسقین میں یہ تینوں قوتیں عنقا ہیں، کیونکہ یہاں فاسقین سے مراد وہ لوگ ہیں، جن کی قوتِ ایمانیہ مفقود ہے اور " وَيَقطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ" سے فطرتِ سلیمہ کا فقدان مراد ہے اور "وَيُفسِدُونَ فِي الأَرضِ" سے عقلِ مستعدہ کا فقدان مراد ہے، تو گویا کہ ان میں یہ تینوں قوتیں نہیں پائی جاتیں۔ اور ان کی قوت روحانیہ بالکل ختم ہو چکی ہے۔

قوله تعالى : مِن بَعدِ مِيثَاقِهِ:

"مِن" زائدہ یا ابتدائیہ ہے اور "ہ" ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں، یا ضمیر کا مرجع لفظِ "الله " ہے۔ أى من بعد ميثاق الله . یہ اضافۃ المصدر الی الفاعل کے قبیل سے ہوگا۔ یا ضمیر "عهد" کی طرف راجع ہے۔ أى من بعد ميثاق العهد . یہ اضافۃ ا

====================

(۱) تفسیر النسفی: ۱/۴۲، تفسیر أبی السعود: ۱/۷۶.

لمصدر الی المفعول کے قبیل سے ہوگا۔(۱)

''میثاق'' اس عہد و پیمان کو کہتے ہیں، جس کو قسم کیساتھ مؤکد کیا گیا ہو، اس کی جمع "مواثیق" آتی ہے اور ''مواثقہ'' کا معنی معاہدہ ہے، جیسے ارشاد ہے۔ وَمِيثاقَهُ الَّذِى واثَقَكُم بِهِ.

عہد اور میثاق میں فرق یہ ہے کہ عہد نفسِ وعدہ کو کہتے ہیں اور میثاق عہد مؤکد بالیمین کو کیا جاتا ہے(۲)۔

قوله تعالى :وَيَقطَعُونَ مَا أَمَرَ اللَّهُ بِهِ أَن يُوصَل:

یہ جملہ ماقبل پر عطف ہے،" يَقطَعُونَ" قطع سے ماخوذ ہے، جس کا معنی کسی چیز کو علیحدہ کرنے کے ہیں، خواہ یہ قطع حسی ہو یا غیر حسی ہو۔"قطع الوصل" کا معنی قطع تعلق کرنا ہے۔"قطع الرحم" کا معنی رشتہ کاٹ لینا یا احسان کو روک لینا ہے۔ "ما" اپنے وسعتِ عموم کے اعتبار سے اُن تمام تعلقات کو شامل ہے، جن کا اللہ تعالی نے قائم کرنے کا حکم دیا ہو معروف مفسر علامہ ماوردیؒ فرماتے ہیں۔ أنه على العموم فى كل ما أمر الله تعالى به أن يوصل . (۳)

مفسر جلیل علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ الأمر الشامل لما ذكر مما يوجب قطعه قطع الوصلة بين الله تعالى وبين العبد المقصودة بالذات من كل وصل وفصل، ولعل هذا هو الأوجه؛ لأن فيه حمل اللفظ على مدلوله من العموم، ولا دليل واضح على الخصوص. (٤)

معروف مفسر علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ يحتمل كلَّ قطيعة لا يرضى بها الله سبحانه وتعالى، كقطع الرحِمِ وعدمِ موالاة المؤمنين، والتفرقةِ بين الأنبياء عليهم السلام والكتب فى التصديق وتركِ الجماعات المفروضةِ وسائر ما فيه رفضُ خيرٍ أو تعاطى شر؛ فإنه يقطع ما بين الله تعالى وبين العبد .(٥)

معروف مفسر علامہ قرطبی اندلسی فرماتے ہیں۔" واختلف ما الشىء الذى أمر بوصله؟ فقيل: صلة الأرحام. وقيل:

=====================

(۱) النكت والعيون للماوردی:۱/۸۹، أبوالسعود:۱/۷۶، زادالمسير :۱/۵۶.

(۲) أن العهد ما كان من الوعد مقرونا بشرط نحو قولك إن فعلت كذا فعلت كذا وما دمت على ذلك فأنا عليه قال الله تعالى ولقد عهدنا إلى آدم أى أعلمناه أنك لا تخرج من الجنة ما لم تأكل من هذه الشجرة والعهد يقتضى الوفاء الوعد يقتضى الانجاز ويقال نقض العهد أخلف الوعد. (الفروق اللغويہ للعسکری:۵۸)

(۳) النكت والعيون للماوردی:۱/۹۰.

(۴) روح المعانی:۱/۲۱۱.

(۵) تفسير أبي السعود:۱/۷۶.

أمر أن يوصل القول بالعمل فقطعوا بينهما بأن قالوا ولم يعملوا. وقيل: أمر أن يوصل التصديق بجميع أنبيائه فقطعوه بتصديق بعضهم وتكذيب بعضهم. وقيل: الإشارة إلى دين الله وعبادته فى الأرض وإقامة شرائعه وحفظ حدوده. فهى عامة فى كل ما أمر الله تعالى به أن يوصل. هذا قول الجمهور." (١)

اور " أَن يُوصَل " ماقبل "بِہ" کی ضمیر مجرور سے بدل الاشتمال ہے، یا"ما" سے بدل ہے، تاہم اول الذکر احتمال اولی اور راجح ہے، وصل کی صورت یہ ہوگی۔ " الوصل مع الله بالتوحيد ومع النبى ﷺ بالاتباع ومع القرآن بالعلم والعمل والبيان والتلاوة والتدبر ومع الصحابة بالحب ومع الخلق بالمعاشرة الحسنة ......"

قوله تعالى : وَيُفسِدُونَ فِى الأَرضِ:

یہ جملہ بھی ماقبل پر عطف ہے، کہ ان فساق وفجار کی ایک قبیح عادت یہ بھی ہے کہ زمین میں فساد انگیزی کرتے ہیں، فساد فی الأرض کے مفہوم کے متعلق اہل علم سے کئی اقوال منقول ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لوگوں کو آپ ﷺ کی اطاعت وفرمابرداری سے روکتے ہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ کتاب اللہ کو جھٹلا کر انکار کرتے ہیں۔ بعض علماء فرماتے ہیں کہ شرکیات وبدعات کی ترویج کرتے ہیں۔ بعض کا کہنا ہے کہ اہل حق کیساتھ مذاق واستہزاء کرتے ہیں۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ صلہ رحمی کو قطع کرتے ہیں جو نظامِ عالم کی تخریب کاری کا بنیادی ذریعہ ہے۔ معروف مفسر خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ بالمعاصى وتعويق الناس عن الإيمان بمحمد صلى الله عليه وسلم والاستهزاء بالحق وقطع الوصل التى بها نظام العالم وصلاحه. (٢)

مفسر جلیل علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں۔ بالمنع عن الإيمان والاستهزاءِ بالحق وقطعِ الوصل التى عليها يدور فلكُ نظام العالم وصلاحُه. (٣)

قوله تعالى : أُولَئِكَ هُمُ الخَاسِرُونَ:

"أُولَئِكَ" کا مشارالیہ "الفاسقين" ہے اور "هم" ضمیر فصل حصر کے لیے ہے۔ "الخَاسِرُونَ" ماقبل "أُولَئِكَ" کی خبر ہے، یا "هم" ضمیر مبتداء "الخَاسِرُونَ" خبر ہے، پھر یہ جملہ اسمیہ ہو کر "أُولَئِكَ" کے لیے خبر ہے۔ "خسران" کا معنی نقصان ہے، خواہ حسی ہو یا غیر حسی ہو، معروف لغوی علامہ جوہری فرماتے ہیں۔ "خسرت الشئى وأخسرته" کا معنی ہے۔ کمی کرنا۔"

====================

(١) تفسیر قرطبی: ١/ ٢٤٧.

(٢) السراج المنیر للخطیب الشربینی: ١/ ٤٨.

(٣) تفسیر أبی السعود: ١/ ٧٦.

الخسار والخسارة والخیسری" کا معنی گمراہ ہونا اور ہلاک ہونا ہے اور ہلاک ہونے والے کو "خاسر" کہتے ہیں، علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "فقیل للهالك: خاسر لأنه خسر نفسه وأهله يوم القيامة ومنع منزله من الجنة."(۱)

الغرض اس نقصان میں خسارہ عاجل اور خسارہ آجل دونوں شامل ہیں، خسارہ عاجلہ یہ ہے کہ عدم ایمان سے سکونِ قلبی اور اطمینان سلب ہوجاتا ہے اور خسارہ آجلہ یہ ہے کہ روزِ قیامت میں ہر نعمت سے محروم رہے گی۔ أی مغبوبون بذهاب الدنیاوالآخرہ.

معروف مفسر علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔

إشارة إلى الفاسقين باعتبار اتصافِهم بما فُصل من الصفاتِ القبيحة وفيه إيذانٌ بأنهم متميزون بها أكملَ تميز ومنتظمون بسببِ ذلكَ فى سلكِ الأمور المحسوسة وما فيه من معنى البُعد للدِلالة على بُعد منزلتهم فى الفساد هُمُ الخاسرون الذين خسروا بإهمال العقلِ عن النظر واقتناصِ ما يفيدهم الحياةَ الأبدية واستبدالِ الإنكار والطعنِ فى الآيات بالإيمان بها والتأملِ فى حقائقها والاقتباسِ من أنوارها واشتراءِ النقض بالوفاءِ والفسادِ بالصلاح والقطيعةِ بالصلة والعقاب بالثواب(۲) ☆

====================

(۱) تفسیر قرطبی: ۱/ ۲۴۸.

(۲) تفسیر ارشاد العقل السلیم: ۱/ ۷۶.

☆عبارہ المراغی ههنا: أُولَئِكَ هُمُ الخاسِرُونَ لأن إفسادهم لما عمّ العقائد والأخلاق بفقد هداية الفطرة وهداية الدين استحقوا الخزى فى الدنيا بحرمان السعادة الجسمية والعقلية والخلقية والعذاب الأليم فى الآخرة ومن خسر السعادتين كان فى خسران مبين. (تفسیر المراغی: ۱/ ۷۴)

قوله تعالى :كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُم أَموَاتًا فَأَحيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحيِيكُم ثُمَّ إِلَيهِ تُرجَعُونَ ﴿٢٨﴾ هُوَ الَّذِى خَلَقَ لَكُم مَا فِى الأَرضِ جَمِيعًا ثُمَّ استَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّاهُنَّ سَبعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَىءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٩﴾.

ترجمہ: کس طرح کافر ہوتے ہیں خداتعالی سے حالانکہ تم بے جان تھے پھرجلایا (زندہ) تم کو پھر مارے گاتم کو پھرجلائے گاتم کو پھر اُسی کی طرف طرف لوٹائے جاؤ گے وہی ہے جس نے پیدا کیاتمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب پھر قصد کیا آسمان کی طرف سوٹھیک کردیا اُن کوسات آسمان اورخداتعالی ہر چیز سے خبردار ہے۔

قوله تعالى :كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللَّه:

"کیف"استفہامیہ ہے،تعجب اورتوبیخ کے لیے ہے،جہاں اللہ تعالی نے اپنی ذات کے متعلق"کیف" کالفظ استعمال کیا ہے،تو وہ تنبیہ اورتوبیخ کے لیے ہے،معروف لغوی امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔ وكلّ ما أخبر الله تعالى بلفظة "كَيفَ" عن نفسه فهو استخبار على طريق التنبيه للمخاطب أو توبيخا.(١)

یہاں سوال سے مقصود ان کی جسارت پر استعجاب ہے کہ اے کافرو!اورمشرکو!تم کفراورانکار کی جرأت وہمت کس طرح رکھتے ہو؟!مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ وقيل:"كيف" لفظه لفظ الاستفهام، وليس به بل هو تقرير وتوبيخ، أى كيف تكفرون نعمه عليكم وقدرته هذه؟ قال الواسطى: وبخهم بهذا غاية التوبيخ؛ لأن الموات والجماد لا ينازع صانعه فى شىء، وإنما المنازعة من الهياكل الروحانية.(٢)

استفہام انکاری سے تعجب نہیں، بلکہ تعجیب (تعجب میں ڈالنا) مقصود ہے اوراس اسلوب میں زیادہ مبالغہ ہے،علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں۔ والتعجيبُ منه وفيه من المبالغة ما ليس فى توجيه الإنكارِ إلى نفس الكفرِ بأن يقال أتكفرون لأن كلَّ موجودٍ يجب أن يكون وجودُه على حال من الأحوال قطعاً فإذا انتفى جميعُ أحوال وجودِه فقد انتفى وجودُه على الطريق البرهانى وقوله عز وجل.(٣)

====================

(١) المفردات فی غریب القرآن:٧٣٠.

(٢) تفسیر قرطبی:١/٢٤٩.

(٣) تفسیر ابی السعود:١/٧٧.

معروف مفسر علامہ ابواللیث سمرقندیؒ اس کا معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ ویحکم کیف تکفرون وتجحدون بوحدانية الله تعالى !!(١)

مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ أي: كيف تجحدون وجوده أو تعبدون معه غيره! (٢)

امام ابومنصور ماتریدی فرماتے ہیں۔ أي من أين ظهرت لكم الحجة أن تعبدوا من دون الله ؟ (٣)

قوله تعالى : وَكُنتُم أَموَاتًا فَأَحيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحيِيكُم:

"و" حالیہ ہے اور "كُنتُم أَموَاتـا" ماقبل "تـكـفـرون" کے ضمیر فاعل سے حال واقع ہے، امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مجاز بالحذف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے۔ "وقد كنتم أمواتا". بظاہر اس کو حال بنانا صحیح نہیں، کیونکہ حال اور ذوالحال دونوں کا زمانہ ایک ہوتا ہے، حالانکہ یہاں اتحادِ زمانی نہیں پایا جاتا ہے، اس لیے کہ انسان کے معدوم ہونے اور کفر کرنے میں بہت بڑا فاصلہ ہے، انسان پیدا ہوگا، پھر عاقل بالغ ہو کر کفر کا مرتکب ہوگا! لیکن اس میں یہ نکتہ لطیفہ ہے کہ اگرچہ ان زمانوں میں بڑا فاصلہ پایا جاتا ہے، مگر حیاتِ مستعار کی چندروز زندگی بادِ صبا کی طرح گزر جاتی ہے، جس کی سوسال زندگی ہو وہ ایام طفولیت کے حوادث کو کل کی بات کہا کرتا ہے، بلکہ قیامت کو ہزار سال کی زندگی کو "يوم أو بعض يوم" سے تعبیر کریں گے۔

"أَموَاتًا" جمع "ميت" کی ہے، جیسے "اقوال" جمع "قول" کی ہے، موت کے دو معروف معانی ہیں، ایک عدم الحياة . اور دوسرا سلب الحياة . یہاں عدم الحیاۃ مراد ہے، کہ تم معدوم تھے۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے کہ جس کے متعلق کسی کو ذرا بھر تأمل اور شک نہیں۔

باقی رہی یہ بات کہ یہاں موت کو کس طرح نعمت قرار دیا گیا ہے؟ حالانکہ موت بظاہر نعمت نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ موت حیاتِ ابدیہ کے لیے مقدمہ ہے، کیونکہ حیات ابدیہ کا حصول موت کے بغیر ممکن نہیں، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "فإن قيل: كيف تعد الإماتة من النعم المقتضية للشكر قلت: لما كانت وصلة إلى الحياة الثانية التي هي الحياة الحقيقية كما قال الله تعالى: ﴿وَإِنَّ الدَّارَ الآخِرَةَ لَهِيَ الحَيَوَانُ﴾ كانت من النعم العظيمة." (٤)

=======================

(١) تفسیر بحر العلوم للسمرقندی: ١/ ٣٨.

(٢) تفسیر ابن کثیر: ١/ ٢١٢.

(٣) تأویلات أہل السنۃ: ١/ ٤٠٩.

(٤) تفسیر بیضاوی: ١/ ٦٥.

قوله تعالی: فَأَحيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحيِيكُم:

میں ''ف'' عاطفہ تعقیب کے لیے ہے، یعنی پھر تمہیں معدوم ہونے کے بعد وجود بخشا۔ اور یہ حقیقت مسلمہ ہے کہ ہر حادث کے لیے محدث ضرور ہے۔ ''ثُمَّ يُمِيتُكُم'' میں ''ثم'' عاطفہ تعقیب مع التراخی کے لیے ہے، یعنی پھر وہ قادر مطلق تمہیں ایک دن معدوم کردے گا، صفحۂ ہستی سے تمہارا نام ونشان مٹادے گا۔ ''ثُمَّ يُحيِيكُم'' میں بھی ''ثم'' عاطفہ تعقیب مع التراخی کے لیے ہے، یعنی وہ قادرِ مطلق تمہیں قیامت کے دن دوبارہ زندہ کرے گا۔

قوله تعالی: ثُمَّ إِلَيهِ تُرجَعُون:

یہاں بھی ''ثم'' عاطفہ تعقیب مع التراخی کے لیے ہے، یعنی پھر تمہیں ایک روز اس بارگاہ کبریائی میں حاضر کیا جائے گا اور تمہیں اپنے اعمال کی پوری پوری جزاء ملے گی، اگر اعمال اچھے ہوں گے تو بدلہ بھی اچھا ہوگا، اور اگر اعمال بُرے کیے ہوں تو بدلہ بھی بُرا ہوگا۔ مفسر جلیل علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں۔ بعد الحشرِ لا إلى غيره فيجازيكم بأعمالكم إن خيراً فخيرٌ وإن شراً فشر، واليه تنشرون من قبوركم للحساب.(۱)

آیت کا مفہوم:

یہ آیت دعوی سورت کیساتھ متعلق ہے، دعوی کو مدلل ومبرہن کرنے کے بعد امتنان نِعَم کے اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے، جن میں چار عظیم نعمتوں کا علی سبیل الامتنان تذکرہ کیا گیا ہے، من جملہ ان نعمتوں میں پہلی نعمت تخلیق کا بیان ہے کہ تم کس طرح اللہ تعالی کی توحید اور وحدانیت کا انکار کرتے ہو؟ اور اللہ تعالی کے سوا غیر اللہ کو معبود سمجھتے ہو؟ حالانکہ اس نے تمہیں عدم سے وجود بخشا۔ اور یہ بات بخوبی جانتے ہو کہ زندگی وموت دینے والا، اور تمام مخلوقات کا خالق ومالک ایک اللہ تعالی ہے، اب دلائل واضحہ اور براہینِ قاطعہ کی موجودگی میں تمہارا شرک کرنا اور مسئلہ توحید سے انکار نہایت قابل تعجب ہے!!

اس آیت میں بعث بعد الموت کو فطری اور عقلی انداز سے ثابت کیا گیا ہے کہ جو ہستی تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کرنے اور پھر موت سے ہمکنار کرنے پر قادر ہے، اس کے لیے تمہیں دوبارہ پیدا کرنا کیسے ناممکن ہے؟!! جس قادر مطلق ذات نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا ہے، وہ تمہیں دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے۔ اللہ تعالی کی اس قدرت کا انکار آخر تم کس بنیاد پر کرتے ہو؟ اس کا تمہارے پاس کیا عقلی جواز ہے؟! کیا تم اس بے ثباتی اور عارضی زندگی پر اتنے نازاں ہو کہ اپنے معبود اور خالق کو فراموش کردیا؟! کیا اس وجود بین العدمین کالطہر بین الدمین پر اتنا گھمنڈ کر بیٹھے کہ اپنے پروردگار کا انکار کردیا؟ فصحاء اور بلغاء کا یہ

===================

(۱) تفسیر أبي السعود: ۱/ ۷۷.

دستور ہے کہ کبھی وجود کو عدم اور عدم کو وجود، قریب کو بعید اور بعید کو قریب قرار دیتے ہیں ، یہاں بھی اسی اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے۔

باقی رہی یہ بات کہ اس آیت میں دو مرتبہ موت دینے اور دو مرتبہ حیات دینے سے کونسی دو زندگیاں اور دو موتیں مراد ہیں؟ اس میں مفسرین کرامؒ کے دو قول مشہور و معروف ہیں:۔

پہلا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ "أَموَاتًا" سے عدم حیات فی أصلاب الآباء مراد ہے۔" فَأَحيَاكُم" سے حیاتِ دنیوی مراد ہے۔ " ثُمَّ يُمِيتُكُم" سے موت متعارفہ مقررہ اور" ثُمَّ يُحيِيكُم" سے حیات فی القبر مراد ہے۔ یہ قول اسماعیل بن عبدالرحمٰن سدی کبیر کا ہے۔(۱) ☆

لیکن یہ توجیہ مرجوح اور بعید تر ہے، کیونکہ اس صورت میں تین زندگیاں اور تین موتیں لازم آئیں گی، جو سورۃ المؤمن آیت: ۱۱ "رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثنَتَينِ وَأَحيَيتَنَا اثنَتَينِ " کے متصادم ہے۔

دوسرا قول: سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ اور اکثر اہل علم فرماتے ہیں کہ "أَموَاتًا " سے عدم حیات فی أصلاب الآباء مراد ہے۔" فَأَحيَاكُم" سے حیاتِ دنیوی، " ثُمَّ يُمِيتُكُم" سے موت متعارفہ مقررہ اور" ثُمَّ يُحيِيكُم" سے حیاتِ اخروی مراد ہے، یعنی تم مردہ تھے، اس نے تمہیں پیدا فرمایا، پھر تمہیں مارے گا (موت ایک دن ضرور آئے گی)، پھر تمہیں قبروں سے (قیامت کے دن) اٹھائے گا۔ تو یہ دو زندگیاں اور دو موتیں ہوئی۔ اور اسی طرح سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ کفار جو کل قیامت کے دن کہیں گے۔ قَالُوا رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثنَتَينِ وَأَحيَيتَنَا اثنَتَينِ فَاعتَرَفنَا بِذُنُوبِنَا فَهَل إِلَى

===================

(۱) تفسیر طبری: ۱/۴۱۹، تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۱۲.

☆ قال الحافظ فی تهذیب التهذیب (۱/ ۳۱٤) قال حسین بن واقد : سمعت من السدی فأقمت حتی سمعته یتناول أبا بكر و عمر فلم أعد إليه. و قال الجوزجانی: حدثت عن معتمر عن ليث، يعنی ابن أبی سليم قال: كان بالكوفة كذابان فمات أحدهما السدی و الكلبی. كذا قال: و ليث أشد ضعفا من السدی. وقال العجلی: ثقة عالم بالتفسير راوية له. و قال العقيلی: ضعيف، و كان يتناول الشيخين. و قال الساجی : صدوق فيه يظر. و حكی عن أحمد : إنه ليحسن الحديث إلا أن هذا التفسير الذی يجیء به قد جعل له إسنادا و استكلفه. و قال الحاكم فی المدخل فی باب الرواة الذين عيب علی مسلم إخراج حديثهم: تعديل عبد الرحمن بن مهدی أقوی عند مسلم ممن جرحه بجرح غير مفسر. و ذكره ابن حبان فی الثقات. و قال الطبری: لا يحتج بحديثه. (مزید تفصیل کے لیے دیکھئے۔ الکامل فی ضعفاء الرجال: ۱/۴۴۶، تہذیب الکمال: ۲/۱۳۲، میزان الاعتدال: ۱/۲۳۶، اکمال تہذیب الکمال: ۲/۱۸۷، دیوان الضعفاء للذہبی: ۳۵، الضعفاء والمتروکون لابن الجوزی: ۱/۱۱۵، سیر أعلام النبلاء: ۵/۲۶۴، لسان المیزان: ۹/۲۶۰، خلاصۃ تذہیب تہذیب الکمال: ۱/۳۵).

خُـرُوجٍ مِن سَبِيلٍ . (سورۃ المؤمن:۱۱) اس سے یہی مراد ہے جو اس آیت "وَكُـنـتُـم أَمـوَاتًـا فَـأَحيَـاكُـم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحيِيكُم ." میں مذکور ہے۔

ثانی الذکر توجیہ اکثر مفسرین کرامؒ کی مختار کردہ ہے اور یہی قول اصح اور اراجح ہے۔ درج ذیل ہم چند مشاہیر مفسرین کرامؒ کی عبارات اور آراء نقل کرتے ہیں، تاکہ پوری حقیقت واضح ہوجائے۔

امام المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔

وأولى ما ذكرنا من الأقوال التى بيَّنَّا بتأويل قول الله جل ذكره:﴿كيف تكفرون بالله وكنتم أمواتًا فأحياكم﴾الآية ،القول الذى ذكرناه عن ابن مسعود وعن ابن عباس: من أن معنى قوله:وكنتم أمواتًا أمواتَ الذكر، خمولا فى أصلاب آبائكم نطفًا لا تُعرفون ولا تُذكرون، فأحياكم بإنشائكم بشرًا سويًّا، حتى ذُكِرتم وعُرِفتم وحَيِيتم، ثم يُميتكم بقبض أرواحكم وإعادتكم رُفاتًا لا تُعرفون، ولا تُذكرون فى البرزخ إلى يوم تبعثون، ثم يحييكم بعد ذلك بنفخ الأرواح فيكم لبعث الساعة وصَيحة القيامة، ثم إلى الله ترجعون بعد ذلك.(۱)

مفسر جلیل علامہ ابن أبی حاتم الرازیؒ فرماتے ہیں۔

عَنِ ابنِ عَبَّاس فِى قَولِهِ: رَبَّنَا أَمَتَّنَا اثنَتَينِ وَأَحيَيتَنَا اثنَتَينِ، قَالَ: كُنتُم تُرَابًا قَبلَ أَن يَخلُقَكُم فَهَذِهِ مَيتَةٌ ثُمَّ أَحيَاكُم فَخَلَقَكُم فَهَذِهِ حَيَاةٌ ثُمَّ يُمِيتُكُم فَتُرجَعُونَ إِلَى القُبُورِ فَهَذِهِ مَيتَةٌ أُخرَى ثُمَّ يَبعَثُكُم يَومَ القِيَامَةِ فَهَذِهِ حَيَاةٌ فَهُمَا مَيتَتَانِ وَحَيَاتَانِ فَهُوَ قَولُهُ: كَيفَ تَكفُرُونَ بِاللَّهِ وَكُنتُم أَموَاتًا فَأَحيَاكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يُحيِيكُم .(۲)

علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

والصحيح ما تقدم عن ابن مسعود وابن عباس وأولئك الجماعة من التابعين وهو كقوله تعالى: قُلِ اللَّهُ يُحيِيكُم ثُمَّ يُمِيتُكُم ثُمَّ يَجمَعُكُم إِلَى يَومِ القِيَامَةِ لا رَيبَ فِيهِ وَلَكِنَّ أَكثَرَ النَّاسِ لا يَعلَمُونَ .(الجاثية:٢٦)(٣)

جلیل القدر مفسر علامہ ابن عطیہ اندلسیؒ فرماتے ہیں۔

قال القاضى أبو محمد رحمه الله : والقول الأول هو أولى هذه الأقوال ، لأنه الذى لا محيد للكفار عن

(۱) تفسیر طبری:۱/۴۳۲۔
(۲) تفسیر ابن أبی حاتم:۱/۷۳۔
(۳) تفسیر ابن کثیر:۱/۲۱۳۔

الإقرار به فی أول ترتیبه.(۱).

معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

واختلف أهل التأويل فی ترتيب هاتين الموتتين والحياتين وكم من موتة وحياة للإنسان فقال ابن عباس وابن مسعود : أى كنتم أمواتا معدومين قبل أن تخلقوا فأحياكم، أى خلقكم، ثم يميتكم عند انقضاء آجالكم ثم يحييكم يوم القيامة قال ابن عطية : وهذا القول هو المراد بالآية وهو الذى لا محيد للكفار عنه لإقرارهم بهما إذا أذعنت نفوس الكفار لكونهم أمواتا معدومين ثم للإحياء فى الدنيا ثم للإماتة فيها قوى عليهم لزوم الإحياء الآخر وجاء جحدهم له دعوى لا حجة عليها.(۲)

مفسر شہیر علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں۔

وفى الحياتين والموتتين أقوال ـ أصحها : أن الموتة الأولى كونهم نطفاً وعلقاً ومضغاً فأحياهم فى الأرحام ثم يميتهم بعد خروجهم إلى الدنيا ثم يُحييهم للبعث يوم القيامة وهذا قول ابن عباس وقتادة ومقاتل والفراء وثعلب والزجاج وابن قتيبة وابن الأنبارى.(۳)

مفسر جلیل علامہ ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں۔

واختار ابن عطية القول الأول وقال : هو أولى الأقوال لأنه لا محيد للكفار عن الإقرار به فى أول ترتيبه ثم إن قوله : وكنتم أمواتاً وإسناده آخراً الإماتة إليه مما يقوى ذلك القول وإذا أذعنت نفوس الكفار لكونهم أمواتاً معدومين ثم للإحياء فى الدنيا ثم للإماتة فيها قوى عليهم لزوم الإحياء الآخر وجاء جحدهم له دعوى لا حجة عليها ـ انتهى كلامه وهو كلام حسن.(٤)

معروف مفسر علامہ ابن عادل الدمشقیؒ فرماتے ہیں۔

لأن المراد بالموت الأول العدم السابق وبالحَيَاة الأولى الأولى الخَلق، وبالموت الثانى: المَوتَ المعهود، وبالحياة الثانية: الحياة للبعث، فجاء ت الفاء، وثم على بابهما من التَّعقيب والتراخى على هذا التفسير، وهو

=======================

(۱) المحرر الوجیز لابن عطیہ:۱/۱۱۴۔

(۲) تفسیر قرطبی:۱/۲۸۹۔

(۳) زاد المسیر :۱/۵۷،۵۸۔

(۴) تفسیر البحر المحیط :۱/۲۱۱۔

أحسن الأقوال، ويعزى لابن عباس وابن مسعود ومجاهد...قال ابن عطية : وهذا القول هو المُرَاد بالآية، وهو الذى لا مَحِيدَ للكفار عنه لإقرارهم بهما، وإذا أذعنت نفوس الكُفّار لكونهم أمواتاً معدومين، ثم الإحياء فى الدنيا، ثم الإماتة فيها قوى عليهم لزوم الإحيَاءِ الآخر، وجاء جحدهم له دعوى لا حُجّة عليها.(١)

علامہ ابوزید عبدالرحمٰن بن محمد الثعالبی الجزائریؒ فرماتے ہیں۔

فقال ابن عبَّاس وابن مسعود ومجاهد : المعنى : كنتم أمواتاً معدومِينَ قبل أن تخلقوا دارسين؛ كما يقال للشىء الدَّارِسِ : ميِّت ثم خلقكم وأخرجكم إلى الدنيا فأحياكم ثم يميتكم الموتَ المعهُودَ ثم يحييكم للبَعثِ يوم القيامة وهذا التأويل هو أولى ما قيل؛ لأنه هو الذى لا محيد للكفار عن الإقرار به.(٢)

ماضی قریب کے نامور مفسر علامہ محمد بن علی الشوکانیؒ فرماتے ہیں۔

وقد ذهب إلى هذا جماعة من الصحابة فمن بعدهم . قال ابن عطية : وهذا القول هو : المراد بالآية وهو الذى لا محيد للكفار عنه وإذا أذعنت نفوس الكفار بكونهم كانوا معدومين ثم أحياء فى الدنيا ثم أمواتاً فيها لزمهم الإقرار بالحياة الأخرى. (٣)

مذکورہ تمام مفسرین کرامؒ نے ثانی الذکر معنی کو راجح قرار دیا ہے اور یہی مختار ہے، تاہم یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ مذکورہ بالا تفصیل سے ہماری مقصود صحیح اور راجح تفسیر کی نشاندہی ہے نہ کہ اس سے حیات (حیات بسیط غیر معلوم الکیف، نوع من الحیاۃ بقدر ما یتألم ویتلذذ) فی القبر کی نفی ہے(۴)، اس لیے کہ وہ تو احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، البتہ اس پر حیات کا اطلاق اس لیے نہیں کیا جاتا ہے کہ وہ حیاتِ کاملہ نہیں۔ مسئلہ عذاب قبر کی تفصیل انشاءاللہ اپنے مقام پر آئے گی۔

======================

(۱) اللباب لابن عادل:۱/۴۶۳۔

(۲) الجواہر الحسان للثعالبی:۱/۴۲۔

(۳) فتح القدیر للشوکانی:۱/۹۴۔

(٤) قال القاضى ثناء الله المظهرى رحمه الله: واما فى القبر فليس بحياة؛ فان الحيوة عبارة عن تأليف الاجزاء العشرة، العشرة،وليست فى القبور، وانتفاؤها لا ينافى الثواب والعذاب فى القبر؛ فانهما على بسائط الاجزاء، ولا سبيل إلى إنكاره لمن يؤمن بقوله تعالى: ﴿وَإِن مِن شَىءٍ إِلَّا يُسَبِّحُ بِحَمدِهِ وَلٰكِن لا تَفقَهُونَ تَسبِيحَهُم﴾ وقوله تعالى: أَلَم تَرَ أَنَّ اللَّهَ يَسجُدُ لَهُ مَن فِى السَّماواتِ وَمَن فِى الأَرضِ وَالشَّمسُ وَالقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالجِبالُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ﴾ وقوله صلى اللّه عليه وسلم: ان الجبل ينادى الجبل باسمه، أى فلانا هل مربك أحد ذكر اللّه، فإذا قال نعم: استبشر. الحديث، رواه الطبرانى عن ابن مسعود. وقوله تعالى: ﴿إِنَّا عَرَضنَا الأَمانَةَ عَلَى السَّماواتِ وَالأَرضِ وَالجِبالِ فَأَبَينَ أَن يَحمِلنَها وَأَشفَقنَ مِنها﴾، وليس المراد التسبيح والسجود بدلالة الحال؛ لأن قوله تعالى: ﴿وَلٰكِن لا تَفقَهُونَ تَسبِيحَهُم﴾ وقوله تعالى: ﴿وَكَثِيرٌ مِنَ النَّاسِ﴾ يأبى عنه. [التفسیر المظہری:۱/۴۵-۴۶].

قوله تعالى : هُوَ الَّذِى خَلَقَ لَكُم مَا فِى الأَرضِ جَمِيعًا :

یہاں سے دوسری نعمت کا بیان ہے، جو پہلی نعمت پر مترتب ہے، یعنی تم اس اللہ تعالی کی توحیداور وحدانیت سے کس طرح انکارکرتے ہو؟ کہ جس نے تمہیں معدوم سے موجود کردیا، پھر موجود کرکے یوں ہی حیران و پریشان نہیں چھوڑا، بلکہ تمہارے فائدے کے لیے زمین کی ہر چیز پیدا کی، پھر آسمان کی طرف توجہ کی تو سات آسمان بنائے، زمین کی چیزوں کی نشو ونما علویات کی تاثیر کے بغیر ممکن نہیں، اگر آفتاب نہ ہوتا تو یہ سرسبز وشاداب پھول وپھل کہاں ہوتیں؟ الغرض علویات اور سفلیات کا باہمی طور پر ایک عجیب وغریب ارتباط ہے، اس لیے فرمایا۔ ﴿وَفِى السَّمَاءِ رِزقُكُم وَمَا تُوعَدُونَ﴾.(الذاریات:۲۲)

حاصل آیت یہ ہے کہ دنیا کی تمام اشیاء تمہارے منفعت وفائدے کے لئے پیدا کیے ہیں، جس میں دنیوی اوراخروی دونوں طرح کے فوائد ہیں۔اور "لَـكُـم " میں لام انتفاع کے لیے ہے۔ بظاہر دنیا میں بعض چیزوں (جیسے موذی جانور وغیرہ) میں کچھ فوائد نظر نہیں آتے، لیکن ہر چیز میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہے، البتہ اتنی بات ہے کہ بعض کے فوائد ہمیں معلوم ہیں اور بعض کے فوائد معلوم نہیں۔ مفسر جلیل علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔ فإن قيل: إن معنى "لكم" الانتفاع أى لتنتفعوا بجميع ذلك. قلنا المراد بالانتفاع الاعتبار لما ذكرنا. فإن قيل: وأى اعتبار فى العقارب والحيات؟ قلنا: قد يتذكر الإنسان ببعض ما يرى من المؤذيات ما أعد الله للكفار فى النار من العقوبات فيكون سببا للإيمان وترك المعاصى وذلك أعظم الاعتبار. قال ابن العربى: وليس فى الإخبار بهذه القدرة عن هذه الجملة ما يقتضى حظرا ولا إباحة ولا وقفا وإنما جاء ذكر هذه الآية فى معرض الدلالة والتنبيه؛ ليستدل بها على وحدانيته. وقال أرباب المعانى فى قوله:﴿ خلق لكم ما فى الأرض جميعا﴾ لتتقووا به على طاعته لا لتصرفوه فى وجوه معصيته. وقال أبو عثمان: وهب لك الكل وسخره لك؛ لتستدل به على سعة جوده وتسكن إلى ما ضمن لك من جزيل عطائه فى المعاد ولا تستكثر كثير بره على قليل عملك فقد ابتدأك بعظيم النعم قبل العمل وهو التوحيد.(۱)

ماضی قریب کے معروف مفسر علامہ مصطفیٰ مراغیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اشیاء انتفاع کے لیے ہیں اور بعض محض عبرت کے لیے ہیں، جن سے انسان عبرت حاصل کرتا ہے۔فرماتے ہیں۔ وهذا الانتفاع يكون بإحدى وسيلتين : إما بالانتفاع بأعيانه فى الحياة الجسدية؛ ليكون غذاء للأجسام، أو متعة لها فى الحياة المعيشية۔ وإما بالنظر والاعتبار فيما

---

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۵۲.

لا تصل إليه الأيدى، فيستدل به على قدرة مبدعه، ويكون غذاء للأرواح.(٢).

معروف مفسر علامہ ابن الجوزیؒ فرماتے ہیں کہ "لکم " میں لام انتفاع کے لئے نہیں، بلکہ اجلیہ ہے، یعنی "هُـوَ الذى خَلَقَ لَكُم مافى الأرض جميعاً " أى : لأجلكم فبعضه للانتفاع وبعضه للاعتبار .(٣)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ "مـا" عموم کے لئے نہیں، بلکہ اس سے معہود صرف اشیاء منتفع بہ مراد ہیں، کیونکہ سلسلہ انعامات شروع ہے، یعنی اعلی واشرف کو ذکر کرکے غیر اشرف سے صرفِ نظر کیا گیا ہے، جیسے کہ قرآن مجید کا اسلوب ہے، ارشاد ہے۔ وَمَا بِكُم مِن نِعمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ.(سورۃ النحل:۵۳).

امام المفسرین شیخ المشایخ حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مجاز بالحذف ہے، یعنی "فـى الأرض" پر کلام تام ہے اور "جميعاً" آگے مستقل علیحدہ جملہ ہے، اس کا ماقبل "خلق" کیساتھ تعلق نہیں، بلکہ یہ فعل محذوف کے لئے مفعول بہ ہے، تقدیر عبارت یوں ہے۔ أى اعتـقـدوا جـميعاً منه . جیسے ارشاد ہے۔ وَسَـخَّـرَ لَـكُـم مَـا فِى السَّمَاوَاتِ وَمَا فِى الأَرضِ جَمِيعًا مِنهُ...(سورۃ الجاثیۃ:۱۳).

قوله تعالى : ثُمَّ استَوَى إِلَى السَّمَاءِ:

"ثُم" ترتیب اخبار کے لیے ہے اور "إِلَى السَّمَاءِ"، "استَوَى" کیساتھ متعلق ہے، "استواء" لغت میں "الارتـفـاع والعلو عـلى الشىء" کو کہتے ہیں، یعنی کسی شئی پر بلند ہونا۔ عربی محاورہ ہے۔ استـوت الشـمس على رأسي" سورج میرے سر پر بلند ہوا۔ اور استوت الطير على قمة رأسي". کا معنی ہے کہ پرندے میرے سر پر بلند ہوئے۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَإِذَا استَوَيتَ أَنتَ وَمَن مَعَكَ عَلَى الفُلكِ .(سورۃ المؤمنون:۲۸) ایک جگہ ارشاد ہے۔ لِتَستَوُوا عَلَى ظُهُورِهِ.(سورۃ الزخرف:۱۳)

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ جب لفظ "استـواء" کا صلہ "الـى" ہو تو اس کا معنی قصد کرنے اور متوجہ ہونے کے آتا ہے، جیسے "استوى اليَّ" بمعنی "أقبل " کے آتا ہے۔ اب یہاں معنی یوں ہوگا۔ اللہ تعالی زمین پیدا کرنے کے بعد وہ آسمان کی طرف متوجہ ہوئے، جیسے ارشاد ہے۔ ثُمَّ استَوَى إِلَى السَّمَاءِ وَهِىَ دُخَانٌ......(سورۃ حٰم السجدۃ:۱۱)

اور جب استواء کا صلہ "على " ہو تو "استولى" (غالب آنا) کے معنی میں ہوتا ہے، جیسے شعر ہے۔

======================

(٢) تفسیر المراغی:۱/۷٦.

(٣) زاد المسیر لابن الجوزی:۱/۵۸.

قَدِ استَوَى بِشرٌ عَلَى العِرَاقِ مَن غَيرِ سَيفٍ ودَمٍ مُهرَاقِ

معروف مفسر علامہ ابن عطیہ اندلسی فرماتے ہیں۔"الرحمن على العرش استوى". (سورۃ طٰہٰ:۵) میں یہی معنی مراد ہے۔(۱)

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت من جملہ متشابہات میں سے ہے، اب اس میں تین طائفے ہیں۔(۲)

۱۔ مفوضہ. ۲۔ مشبہ. ۳۔ مؤولہ.

۱۔ طائفہ اولی مفوضہ کا نظریہ:

مفوّضہ کا نقطہ نظر یہ ہے۔" نقرؤها ونؤمن بها ولا نفسرها". یعنی ہم ان آیات کو پڑھتے ہیں اوران پر ایمان لاتے ہیں اوران کی تفسیر نہیں کرتے ۔یعنی ہمیں یہ معلوم ہے کہ قرآن مجید میں''الرحمٰن علی العرش استوی''وغیرہ وارد ہے، مگراس کی کیفیت کیا ہے؟اس کی حقیقت اور کنہ کیا ہے؟ ہمیں اس کے متعلق کوئی علم نہیں۔البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالی ان صفات کیساتھ اس طرح موصوف نہیں جس طرح مخلوقات ہیں، جیسے ارشاد ہے۔﴿لَيسَ كَمِثلِهِ شَيءٌ﴾.(الشوریٰ:۱۱)

===================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۱۹.

(۲) قرآن وحدیث میں اللہ تعالی کی دوطرح صفات مذکور ہیں، ایک قسم وہ ہیں، جن کا معنی ظاہر ہو، جیسے علم، کلام، سمع، قدرت اورارادہ وغیرہ۔اس قسم کے صفات کو محکمات کہتے ہیں، اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ اس قسم صفات کے ظاہری معنی پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے اوراس میں کسی قسم کی تاویل جائز نہیں۔اوردوسری قسم وہ ہے، جس کے معنی میں خفاء اورابہام ہے، محض ظاہری الفاظ سے کوئی علم یقینی حاصل نہیں ہوتا۔اس قسم کے صفات کو صفات متشابہات کہتے ہیں، جیسے وجہ، ید، نفس، عین، قدم، ساق اوراستواء علی العرش وغیرہ۔

صفات متشابہات میں تین گروہ ہیں:۔

۱۔ مشبہہ(مجسمہ) ۲۔ قدریہ(معطلہ) ۳۔ اہل السنۃ والجماعۃ

۱۔ مشبہہ(مجسمہ) کا نقطہ نظر: مشبہہ اور مجسمہ نے صفات متشابہات کو ظاہری معنی پر محمول کرنے میں اس قدر مبالغہ کیا کہ تشبیہ اور تمثیل کے مرتکب ہوئے اور کہنے لگے کہ اللہ تعالی اعضاء اور جوارح ہیں، اس کے لیے وجہ، ید، نفس، عین، قدم اور ساق وغیرہ ہیں، جس طرح ایک بادشاہ اپنے تخت شاہی پر بیٹھتا ہے، اسی طرح اللہ تعالی عرش پر متمکن ہے۔(العیاذ باللہ)

۲۔ قدریہ(معطلہ) کا نقطہ نظر: قدریہ اور معطلہ نے صفات متشابہات کو ظاہری معنی پر محمول کرنے میں اس قدر نفی کی کہ حد تعطیل تک پہنچ گئے اور ظاہری معنی کے اعتبار سے باری تعالی کے صفات منکر ہوئے اور بلا دلیل نصوص میں تاویل کیے۔

۳۔ اہل السنۃ والجماعۃ کا نقطہ نظر: اہل السنۃ والجماعۃ کا صفات متشابہات کے متعلق یہ نظریہ ہے کہ جس طرح قرآن مجید اوراحادیث صحیحہ میں یہ صفات مذکور ہیں انہیں بے چون وچرا تسلیم کیا جائے، ان میں اس طرح تاویل نہ کیا جائے کہ جس سے تعطیل کا قائل ہونا پڑے اور نہ ہی ظاہری معنی پر محمول=

اکثر اہل علم کا یہی نظریہ ہے، چنانچہ امام مالک بن أنسؒ سے ایک شخص نے "الرحمن علی العرش استوی" (طٰہٰ:۵) کے متعلق پوچھا۔ آپ نے ارشاد فرمایا۔ "الاستواء: غير مجهول والكيف غير معقول والإيمان به واجب والسؤال عنه بدعة وأراك رجل سوء أخرجوه". (۱)

یعنی استواء کا معنی معلوم ہے اور اس کی کیفیت غیر معقول ہے اور اس پر ایمان رکھنا واجب ہے اور اس کے متعلق سوال کرنا بدعت ہے، اور مجھے تو تو بُرا آدمی نظر آتا ہے۔ اور فرمایا کہ اس کو یہاں سے نکال دو۔

مفسر جلیل محیی السنۃ بغویؒ فرماتے ہیں۔ وأكثر المفسرين أن معناه ارتفع وقال أبو عبيدة والفراء وغيرهما بنحوه وأخرج أبو القاسم اللالكائي فى كتاب السنة من طريق الحسن البصرى عن أمه عن أم سلمة أنها قالت: الاستواء غير مجهول والكيف غير معقول والإقرار به إيمان والجحود به كفر. (۲)

======================

=کرنے میں اس قدر غلو اور مبالغہ آرائی ہو کہ تمثیل اور تشبیہ مرتکب ہونا پڑے، بلکہ ان کے ظاہر پر ایمان لاکر حقیقت اللہ تعالی کے سپرد کردے۔ اور یہ اعتقاد ہو کہ اللہ تعالی سمیع اور بصیر ہے، لیکن اس کا سننا اور دیکھنا ہمارے سننے اور دیکھنے کے مشابہ نہیں۔ یہی سلف صالحین کا عقیدہ ہے، فقہ اکبر میں ہے۔ وَلَه يَد وَوجه وَنَفس كَمَا ذكره الله تَعَالَى فِي القُرآن، فَمَا ذكره الله تَعَالَى فِي القُرآن من ذكر الوَجه وَاليَد وَالنَّفس فَهُوَ لَهُ صِفَات بِلَا كَيفَ، وَلَا يُقَال: إِن يَده قدرته اَو نعمَته؛ لِأَن فِيهِ إِبطَال الصّفة، وَهُوَ قَول أهل القدر والاعتزال، وَلَكِن يَده صفته بِلَا كَيفَ. (الفقہ الأکبر:۲۷)

معروف حنفی عالم علامہ ابن ہمامؒ رقم طراز ہیں۔

وقال العلامة ابن الهمام أن الأصبع واليد صفة له تعالى لا بمعنى الجارحة بل على وجه يليق به هو سبحانه أعلم. (لوامع الأنوار للسفارینی:۱/۲۶۲)

امام محمد بن محمد غزالیؒ فرماتے ہیں۔

اعلم أن الحق الصحيح الذى لا مراء فيه عند أهل البصائر هو مذهب السلف أعنى الصحابة والتابعين رضى الله عنهم أجمعين ... حقيقة مذهب السلف وهو الحق عندنا أن كل من بلغه حديث من هذه الأخبار من عوام الخلق يجب عليه سبعة أمور التقديس ثم التصديق ثم الاعتراف بالعجز ثم السكوت ثم الكف ثم الإمساك ثم التسليم لأهل المعرفة. (لوامع الأنوار للسفارینی:۱/۲۶۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے۔ الابانۃ فی أصول الدیانۃ. مقالات الاسلامیین:۱/۲۸۴، رسالہ الی أہل الثغر لأبی الحسن الاشعری.

(۱) الرد علی الجہمیۃ للدارمی:۳۳، شرح أصول اعتقاد أہل السنۃ للالکائی:۳۹۸، الأسماء والصفات للبیہقی:۴۰۸.

(۲) تفسیر معالم التنزیل:۱/۷۸.

۲۔ طائفہ ثانیہ مشبہہ کا نظریہ:

مشبہہ اور مجسمہ کا نظریہ ہے۔" نقرؤها ونفسرها على ما يحتمله ظاهر اللغة ." ظاہری لغت کے اعتبار سے اس کی تفسیر کریں گے۔یعنی جس طرح ایک بادشاہ تخت شاہی پر بیٹھتا ہے،اسی طرح اللہ تعالی عرش پر متمکن ہے۔

۳۔ طائفہ ثالثہ مؤولہ کا نظریہ:

مؤولہ کا نقطہ نظر یہ ہے۔"نقرؤها ونتأولها ونحيل حملها على ظاهرها ". اس میں ظاہری معنی کے اعتبار سے تاویل کیا جائے گا۔ یہ نظریہ اہل سنت کے ایک جماعت کا ہے۔(۱)

قوله تعالى : فَسَوَّاهُنَّ سَبعَ سَمَوَاتٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيمٌ :

یہ ماقبل پر متفرع ہے۔"هُنَّ" ضمیر کا مرجع "السماء" ہے، کیونکہ "سماء" واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے ،یا اس سے جنس "سماء" مراد ہے اور "سماء" سے اجرام علویہ اور سمت علو دونوں مراد ہوسکتے ہیں،مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "والمراد بالسماء هذه الأجرام العلوية أو جهات العلو." (۲)

اور تسویہ سے مراد یہ ہے کہ آسمانوں کو بالکل کامل ومکمل بنایا اور اس میں کسی قسم کی درز یا شکن باقی نہ رہنے دی۔مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ ومعنى تسويتهن تعديل خلقهن وإخلاؤه من العوج والفطور وإتمام خلقهن.(۳)

"سَبعَ سَمَوَاتٍ" ماقبل ضمیر مفعول سے بدل ہے، یا مفعول بہ ہے۔" وَهُوَ بِكُلِّ شَيءٍ عَلِيمٌ" یہ ماقبل کے لیے تعلیل ہے۔"سمع "اور"بصر "صفات ذاتیہ کے قبیل سے ہیں،اس آیت کے ہر جملہ حصر مفہوم ہوتا ہے،حاصل یہ ہے کہ جس طرح وہ تمام کائنات زمینوں اور آسمانوں کو پیدا کرنے والا ہے،تو اسی طرح اس سے کوئی چیز مخفی نہیں، بلکہ اس کا علم ہر چیز پر محیط ہے اور اسی طرح تمہیں دوبارہ زندہ کرنے پر قادر ہے،مفسر جلیل علامہ ابو اللیث سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔"ومعناه: أن الذى خلق لكم مَّا فِى الارض جميعاً وخلق السماوات قادر على أن يحييكم بعد الممات."(۴)

==========================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۱۹.

(۲) تفسیر بیضاوی:۱/۶۶.

(۳) تفسیر کبیر للرازی:۲/۳۸۱.

(۴) تفسیر بحر العلوم:۱/۴۰.

تخلیق سماوات مقدم ہے یا تخلیق ارض؟

مفسرین کرامؒ نے اس آیت کے ذیل میں یہ مسئلہ چھیڑا ہے کہ زمین کی تخلیق پہلے ہے یا آسمان؟ ذیل میں اس کے متعلق مختصراً عرض کیا جاتا ہے۔

اکثر اہل علم فرماتے ہیں کہ زمین کی تخلیق پہلے ہوئی اور آسمانوں کی بعد میں، قرآن وحدیث کے صریح نصوص اس پر دال ہیں ،جیسے ارشاد ہے۔ قُل أَئِنَّكُم لَتَكفُرُونَ بِالَّذِى خَلَقَ الأرضَ فِى يَومَينِ وَتَجعَلُونَ لَهُ أَندَادًا ذَٰلِكَ رَبُّ العَالَمِينَ وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِن فَوقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَّرَ فِيهَا أَقوَاتَهَا فِى أَربَعَةِ أَيَّامٍ سَوَاءً لِلسَّائِلِينَ ثُمَّ استَوَىٰ إِلَى السَّمَاءِ وَهِيَ دُخَانٌ فَقَالَ لَهَا وَلِلأرضِ ائتِيَا طَوعًا أَو كَرهًا قَالَتَا أَتَينَا طَائِعِينَ فَقَضَاهُنَّ سَبعَ سَمَاوَاتٍ فِى يَومَينِ وَأَوحَىٰ فِى كُلِّ سَمَاءٍ أَمرَهَا وَزَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنيَا بِمَصَابِيحَ وَحِفظًا ذَٰلِكَ تَقدِيرُ العَزِيزِ العَلِيمِ. (سورۃ حم السجدۃ:۹-۱۲).

علامہ ابن کثیرؒ اس آیت کے ذیل میں رقم طراز ہیں۔

ففي هذا دلالة على أنه تعالى ابتدأ بخلق الأرض أولا ثم خلق السماوات سبعًا وهذا شأن البناء أن يبدأ بعمارة أسافله ثم أعاليه بعد ذلك وقد صرح المفسرون بذلك.(١)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی نے پہلے زمین کو پیدا کیا، اور پھر سات آسمانوں کو۔ اور یہ عمارت بنانے کا قانون ہے کہ پہلے نیچے کا حصہ اور بنیاد بنائی جاتی ہے اور پھر اُوپر ہوا حصہ بنایا جاتا ہے۔ اور مفسرین کرام نے اسکی تصریح کی ہے۔

نیز فرماتے ہیں۔

فهذه وهذه دالتان على أن الأرض خلقت قبل السماء وهذا ما لا أعلم فيه نزاعًا بين العلماء إلا ما نقله ابن جرير عن قتادة: أنه زعم أن السماء خلقت قبل الأرض.(٢)

مذکورہ آیات اس بات پر دال ہیں کہ زمین آسمانوں سے پہلے پیدا کی گئی ہے، اور اس میں اہل علم کا کوئی نزاع نہیں۔ البتہ علامہ ابن جریرؒ نے قتادہؒ سے اس میں خلاف نقل کیا ہے کہ آسمان زمین سے پہلے پیدا کیا گیا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اسکے متعلق استفسار کیا گیا، تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ زمین کی تخلیق آسمان سے پہلے ہوئی، البتہ زمین کو آسمان کے پیدا ہونے کے بعد بچھایا گیا ہے۔ (۳)

=====================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۱۳.

(۲) المصدر السابق: ۱/۲۱۵.

(۳) مزید تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۱۵.

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں بظاہر ایک اشکال پیدا ہوتا ہے کہ سورۃ النازعات آیت: ۲۷-۳۰. ﴿أَأَنتُم أَشَدُّ خَلقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا رَفَعَ سَمكَهَا فَسَوَّاهَا وَأَغطَشَ لَيلَهَا وَأَخرَجَ ضُحَاهَا وَالأرضَ بَعدَ ذَلِكَ دَحَاهَا﴾ سے تو معلوم ہوتا ہے کہ زمین کو آسمان کے بعد پیدا کیا گیا ہے؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ مذکورہ آیت میں "بعد" "مع" کے معنی میں ہے۔أی مع ذلك دحها .اور "بعد" "مع" کے معنی میں آتا ہے، جیسے ارشاد ہے۔ عُتُلٍّ بَعدَ ذَلِكَ زَنِيمٍ . (سورۃ القلم:۱۳) أی مع ذلك زنيم.

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ وذكر بعض أهل العلم أن بعد فی موضع "مع" كأنه قال: والأرض مع ذلك دحاها كما قال تعالى: ﴿عتل بعد ذلك زنيم﴾ (القلم:۱۳). ومنه قولهم: أنت أحمق وأنت بعد هذا سیئ الخلق(۱).

دوسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں "بعد" "قبل" کے معنی میں ہے۔أی قبل ذلك دحها . اور "بعد"، "قبل" کے معنی میں آتا ہے۔مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ وقيل: بعد: بمعنى قبل كقوله تعالى: ﴿ ولقد كتبنا فی الزبور من بعد الذكر﴾ (الأنبياء:۱۰۵) أی من قبل الفرقان.(۲)

تیسرا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر "بعد"تعقیب ذکری کے لیے ہے،تعقیب رتبی کے لیے نہیں ، کیونکہ یہاں اللہ تعالی نے اپنا کمال وقدرت بیان کیا ہے کہ آسمانوں کو بھی پیدا کیا، اور زمینوں کو بھی پیدا کیا......صرف خبر دینا مقصود ہے، ترتیب بتلانی مقصود نہیں، مفسر جلیل علامہ ابوالحسن خازنؒ فرماتے ہیں۔ "يحتمل أنه ليس هنا ترتيب وإنما هو على سبيل تعداد النعم، كقوله الرجل لمن يذكره ما أنعم به عليه: ألم أعطك! ألم أرفع قدرك! ألم أدفع عنك! ولعل بعض هذه النعم متقدمة على بعض والله أعلم."(۳)

باقی رہی یہ بات کہ آسمانوں کی تعداد سات ہے اور قرآن وحدیث میں اسکی تصریح بھی موجود ہے، لیکن زمینوں کی تعداد کے متعلق کوئی صراحت نہیں؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ سورۃ الطلاق آیت:۱۲. اللَّهُ الَّذِی خَلَقَ سَبعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الأَرضِ مِثلَهُنَّ...سے اشارۃ النص کے طور پر معلوم ہوتا ہے کہ زمینیں بھی سات ہیں اور جب کہ احادیث مبارکہ میں اس کی تصریح

===================

(۱) تفسیر قرطبی:۱۵/۲۰۵.

(۲) تفسیر قرطبی:۱۵/۲۰۵.

(۳) تفسیر خازن:۱/۳۴.

موجود ہے، امام بخاریؒ نے اپنی صحیح بخاری میں اس پر مستقل باب (باب ماجاء فی سبع أرضیین) منعقد کیا ہے، جس میں انہوں درج ذیل احادیث ذکر کی ہیں۔

عَن أَبِی سَلَمَةَ بنِ عَبدِ الرَّحمَنِ وَكَانَت بَينَهُ وَبَينَ أُنَاسٍ خُصُومَةٌ فِی أَرضٍ فَدَخَلَ عَلَی عَائشَةَ فَذَكَرَ لَهَا ذَلِكَ فَقَالَت: يَا أَبَا سَلَمَةَ اجتَنِبِ الأَرضَ فَإِنَّ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ قَالَ: مَن ظَلَمَ قِيدَ شِبرٍ طُوِّقَهُ مِن سَبعِ أَرَضِينَ.(۱)

سیدنا ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کا ایک صاحب کیساتھ زمین کے متعلق نزاع ہوا۔ تو وہ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے واقعہ کیا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا۔ ابو سلمہ! زمین کے معاملات میں بڑی احتیاط رکھو۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اگر کسی سے ایک بالشت کے برابر زمین کے معاملہ میں ظلم کیا تو قیامت کے دن سات زمینوں کا طوق اسے پہنایا جائے گا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ سے مرفوعا روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

مَن أَخَذَ شَيئًا مِنَ الأَرضِ بِغَيرِ حَقِّهِ خُسِفَ بِهِ يَومَ القِيَامَةِ إِلَی سَبعِ أَرَضِينَ.(۲)

جس نے کسی کی زمین میں سے کوئی حصہ ناحق طور پر لیا تو قیامت کے دن سات زمینوں تک اسے دھنسا دیا جائے گا۔

====================

(۱) صحیح بخاری، باب ماجاء فی سبع أرضیین: ۴/۱۰۶، رقم: ۳۱۹۵.

(۱) صحیح بخاری، باب ماجاء فی سبع أرضیین: ۴/۱۰۶، رقم: ۳۱۹۶.

قولـه تعـالى: وَإِذ قَالَ رَبُّكَ لِلمَلَائكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى الأَرضِ خَلِيفَةً قَالُوا أَتَجعَلُ فِيهَا مَن يُفسِدُ فِيهَا وَيَسفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحنُ نُسَبِّحُ بِحَمدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ قَالَ إِنِّى أَعلَمُ مَا لَا تَعلَمُونَ ﴿٣٠﴾ وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُم عَلَى المَلَائِكَةِ فَقَالَ أَنبِئُونِى بِأَسمَاءِ هَؤُلَاءِ إِن كُنتُم صَادِقِينَ ﴿٣١﴾ قَالُوا سُبحَانَكَ لَا عِلمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمتَنَا إِنَّكَ أَنتَ العَلِيمُ الحَكِيمُ ﴿٣٢﴾ قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئهُم بِأَسمَائِهِم فَلَمَّا أَنبَأَهُم بِأَسمَائِهِم قَالَ أَلَم أَقُل لَكُم إِنِّى أَعلَمُ غَيبَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ وَأَعلَمُ مَا تُبدُونَ وَمَا كُنتُم تَكتُمُونَ ﴿٣٣﴾

ترجمہ: اور جب کہا تیرے ربّ نے فرشتوں کو کہ میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہا فرشتوں نے کیا قائم کرتا ہے تو زمین میں اس کو جو فساد کرے اس میں اور خون بہائے اور ہم پڑھتے رہتے ہیں تیری خوبیاں اور یاد کرتے ہیں تیری ذات پاک کو فرمایا بے شک مجھ کو معلوم ہے جو تم نہیں جانتے اور سکھا دیے اللہ نے آدم علیہ السلام کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتلاؤ مجھ جو نام ان کے اگر تم سچے ہو بولے پاک ہے تو ہم کو معلوم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا بے شک تو ہی ہے اصل جاننے والا حکمت والا فرمایا اے آدم بتا دے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتا دیے اُس نے اُن کے نام فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

قوله تعالى: وَإِذ قَالَ رَبُّكَ لِلمَلَائكَةِ إِنِّى جَاعِلٌ فِى الأَرضِ خَلِيفَةً:

یہ تیسری نعمت کے لیے تمہید اور توطئہ ہے(۱) اور تینوں مخلوقات نوری، ناری اور خاکی سے عبادت کی نفی کی گئی، کیونکہ یہ تمام کے تمام عاجز و ناتواں ہیں، اور خود اپنے عجز و انکساری کے معترف ہیں تو بھلا یہ معبود کیسے ہو سکتے ہیں؟ یعنی أی لا تعبدوا الأنبياء ولا الملائكة؛ لأنهم معترفون بقولهم: سبحانك لا علم لنا ......ولا تعبدوا الشيطٰن؛ لأنه عدو كم، والعاقل لا يعبدوا العدو...

====================

(۱) قال البيضاوى رحمه الله تعداد لنعمة ثالثة تعم الناس كلهم فإن خلق آدم وإكرامه وتفضيله على ملائكته بأن أمرهم بالسجود له إنعام يعم ذريته. (تفسیر بیضاوی:۱/۶۷)

"اِذ" ظرف زمان ہے، گذشتہ واقعہ کے یاددلانے کے موقع پرآتا ہے، بعض مفسرین کرامؒ نے "اِذ" کا عامل "اُذکـــــر" مقدر مانا ہے، معروف لغوی ابوعبیدہ نے کہا ہے کہ یہاں "اِذ" زائدہ ہے، تاہم اہل علم نے اس کی بڑی شدومد کیساتھ تردید کی ہے، مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ "وحكى ابن جرير عن بعض أهل العربية وهو أبو عبيدة أنه زعم أن إذ هاهنا زائدة وأن تقدير الكلام: ﴿وقال ربك﴾ ورده ابن جرير. قال القرطبي: وكذا رده جميع المفسرين حتى قال الزجاج: هذا اجتراء من أبي عبيدة." (١)

لیکن حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "اِذ" کا عامل مقدر ماننے کی ضرورت نہیں، بلکہ بعد میں آنے والا "قالوا" اس کا عامل ہے اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے کہ ظروف کو اپنے عوامل پر مقدم کرنا جائز ہے، کیونکہ ان میں توسع پائی جاتی ہے، جو دیگر معمولات میں نہیں پائی جاتی۔ خواہ ان کا عامل مقدم ہو یا مؤخر ہو، دونوں صورتوں میں معمول بن سکتے ہیں۔

"مَلَائـــكة" جمع ہے اور اس کا واحد "مـــلك" ہے، جو "الـــوك" سے مشتق ہے، اس کے آخر میں "ـــة" مبالغہ کے لیے ہے، جیسے "علامہ" اور "نسابہ" میں ہے اور اس کا معنی پیامبری یا پیام رسانی کے ہیں اور "مـلائكـه" کو ملائکہ اس لیے کہتے ہیں کہ ان کا اصل کام پیام رسانی ہے، یہ خالق کے پیامات مخلوق تک لاتے ہیں اور یہ خالق اور مخلوق کے درمیان واسطہ ہیں۔ اردو میں انہیں فرشتے کہتے ہیں، فرشتے ایک نوری مخلوق ہے، یہ صفات الٰہی اور قوائے طبعی کے مرادف نہیں، بلکہ ان کا وجود خارجی رکھتے ہیں، عادۃً غیرمرئی ہیں، تاہم حسبِ ضرورت مختلف اشکال میں متشکل ہوتے ہیں، مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "واختلف العقلاء في حقيقتهم بعد اتفاقهم على أنها ذوات موجودة قائمة بأنفسها. فذهب أكثر المسلمين إلى أنها أجسام لطيفة قادرة على التشكل بأشكال مختلفة مستدلين بأن الرسل كانوا يرونهم كذلك. وقالت طائفة من النصارى: هي النفوس الفاضلة البشرية المفارقة للأبدان. وزعم الحكماء أنهم جواهر مجردة مخالفة للنفوس الناطقة في الحقيقة منقسمة إلى قسمين: قسم شأنهم الاستغراق في معرفة الحق جل جلاله والتنزه عن الاشتغال بغيره كما وصفهم في محكم تنزيله فقال تعالى: ﴿يُسَبِّحُونَ اللَّيلَ وَالنَّهارَ لَا يَفتُرُونَ﴾ وهم العليون والملائكة المقربون. وقسم يُدَبِّرُ الأمر مِنَ السماء إلى الأرض على ما سبق به القضاء وجرى به القلم الإلهي﴿ لَا يَعصُونَ اللَّهَ مَا أَمَرَهُم وَيَفعَلُونَ مَا يُؤمَرُونَ﴾، وهم المدبرات أمراً فمنهم سماوية، ومنهم أرضية." (٢)

======================

(١) تفسیر ابن کثیر: ١/١٢٣-١٢٤۔

(٢) تفسیر بیضاوی: ١/٦٧۔

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الأَرضِ خَلِيفَة" یہ مقولہ قول ہے۔"جَاعِلٌ"،"خالق" کے معنی میں ہے۔" الأَرضِ " سے عند البعض مکہ مکرمہ مراد ہے، تاہم زمین سے ساری زمین مشرق تا مغرب مراد ہے، علامہ ابن عادل دمشقیؒ فرماتے ہیں۔" قيل: إنها مكة روى ابن سابط عن النبي صَلَّى الله عَلَيهِ وَسَلَّمَ قال: دُحِيَتِ الأَرضُ من مَكَّةَ ولذلك سميت أم القرى والظاهر أنّ الأرض في الآية جميع الأرض من المشرق والمغرب."(١)

مفسر جلیل علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ "والمراد من الأرض إما كلها، وهو الظاهر وبه قال الجمهور، أو أرض مكة، وروى هذا مرفوعا. والظاهر أنه لم يصح وإلا لم يعدل عنه." (٢)

زمین کی تخصیص اس لیے کی گئی ہے کہ زمین پر قوانین الٰہی کا اجراء ہوسکتا ہے اور اس پر اسلامی نظامِ خلافت قائم ہوتا ہے، علامہ آلوسیؒ فرماتے ہیں۔"وخص سبحانه الأرض؛ لأنها من عالم التغيير والاستحالات ،فيظهر بحكم الخلافة فيها حكم جميع الأسماء الإلهية التي طلب الحق ظهوره بها بخلاف العالم الأعلى." (٣)

"خَلِيفَة" اس کے لیے مفعول بہ ہے، اس میں نوع انسانی کی شرافت کی طرف اشارہ ہے کہ تخلیق تو جملہ موجودات کی ہوئی ہے، جنات کی، ملائکہ کی، زمین وآسمان کی وغیرہ وغیرہ، لیکن قرآن مجید نے کسی کے بھی قصد تخلیق کا ذکر اہتمام کیساتھ نہیں کیا، یہ اعزاز صرف بنی نوع آدم کو حاصل ہے، مفسر جلیل علامہ ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں۔"ويقال إن الله سبحانه خلق ما خلق، ولم يقل في شيء منها ما قال في حديث آدم حيث قال: ﴿إني جاعل في الأرض خليفة﴾ فظاهر هذا الخطاب تنبيه؛ لشرف خلق الجنان وما فيها والعرش بما هو عليه من انتظام الأجزاء وكمال الصورة، ولم يقل: إني خالق عرشا أو جنة أو ملكا، وإنما قال ذلك تشريفا وتخصيصا لآدم." (٤)

"خَلِيفَة" فعیل کے وزن پر ہے، جو"خلف" سے مشتق ہے، اس کی جمع"خلفاء" آتی ہے اور اس میں" ة" مبالغہ کے لیے ہے، اس کا معنی جانشین اور نائب کے ہیں، پھر یہ نیابت عام ہے، خواہ نیابت اس لیے کرے کہ منوب عنہ موجود نہ ہو، یا فوت ہو چکا ہو، یا معذور ہو یا مستخلف کی تعظیم مقصود ہو، معروف لغوی امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔ "والخِلافةُ النّيابة عن الغير إمّا لغيبة المنوب عنه، وإمّا لموته، وإمّا لعجزه، وإمّا لتشريف المستخلف. وعلى هذا الوجه الأخير استخلف

====================

(١) تفسیر اللباب فی علوم الکتاب:١/٥٠٠.

(٢) روح المعانی:١/٢٢٢.

(٣) روح المعانی:١/٢٢٢.

(٤) البحر المحیط :١/ ٢٢٨.

الله أولياء ه ف ى الأرض قال تعالى: ﴿هُوَ الَّذِى جَعَلَكُم خَلائفَ فِى الأَرضِ﴾. (فاطر: ٣٩) ﴿وَهُوَ الَّذِى جَعَلَكُم خَلائفَ الأَرضِ﴾ (الأنعام: ١٦٥) وقال: ﴿وَيَستَخلِفُ رَبِّى قَوماً غَيرَكُم﴾. (هود: ٥٧).(١)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ خلیفہ قائم مقام اور نائب کو کہتے ہیں اور بات ظاہر ہے کہ نیابت ضعف وکمزوری کی دلیل ہوتی ہے، کیونکہ نائب کی احتیاج اس کو ہوتی ہے جو خود کسی کام کو سرانجام نہ دے سکے، حالانکہ اللہ تعالی قادر مطلق ہے، اس کو نائبوں کی کیا ضرورت ہے؟!

پہلا جواب: نیابت کے لیے منوب عنہ کا ضعف ضروری نہیں، بلکہ کبھی ''مستخلف لہم'' (جن کے لئے خلیفہ بنایا گیا ہے) کی ضعف وکمزوری کی وجہ سے نیابت کی ضرورت پڑتی ہے، یعنی ''مستخلف لہم'' ضعیف وناتواں ہیں، ان میں سکت واستطاعت کہاں ہے کہ براہ راست اللہ تعالی کیساتھ ہم کلام ہوجائیں، تو اللہ تعالی نے ان کی ضعف وکمزوری کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایسے خلیفہ کا انتخاب فرمایا، جس میں اللہ تعالی کیساتھ ہم کلام ہونے کی استعداد وتحمل موجود ہو، اور خلق خدا کو احکامات الہیہ کی دعوت وتعلیم دے سکے، اور عقائد واعمال کی اصلاح کرسکے۔ یہ انبیاء علیہم السلام کی ذوات مقدسہ ہیں۔ جلیل القدر مفسر خطیب شربینیؒ رقم طراز ہیں۔ "والمراد به لآدم صلى الله عليه وسلم؛ لأنه كان خليفة الله فى أرضه، وكذا كل نبىّ استخلفه الله فى عمارة الأرض وسياسة الناس وتكميل نفوسهم وتنفيذ أمره فيهم، لا لحاجة به تعالى إلى من ينوبه بل لقصور المستخلف عليه عن قبول فبضه وتلقى أمره بغير وسط؛ ولذلك لم يستنبىء ملكاً كما قال تعالى: ﴿ولو جعلناه ملكاً لجعلناه رجلاً﴾ (الأنعام: ٩) أى فى صورة رجل. ألا ترى أنّ الأنبياء لما فاقت قوّتهم واشتعلت قريحتهم بحيث يكاد زيتها يضىء ولو لم تمسه نار، أرسل إليهم الملائكة، ومن كان من الأنبياء أعلى رتبة كلمه بلا واسطة، كما كلم موسى صلاة الله وسلامه عليه فى الميقات ومحمداً صلى الله عليه وسلم ليلة المعراج." (٢)

دوسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خلیفہ حاکم کے معنی میں ہے اب مطلب یہ ہوگا کہ میں زمین میں ایک حاکم بنانے والا ہوں۔ یہ توجیہ تمام توجیہات میں اولی ہے، کیونکہ اس میں فرشتوں کے سوال پر بھی کوئی اشکال پیدا نہیں ہوتا، اس لیے کہ رعیت

===================

(١) المفردات فی غریب القرآن: ٢٩٤.

(٢) تفسیر السراج المنیر: ١/ ٤٥.

میں ہمیشہ دوطرح کے لوگ ہوتے ہیں، ظالم اور مظلوم۔ حاکم ظالم سے ظلم کا انتقام لیتا ہے اور عدل وانصاف کے فیصلوں کو نافذ کرتا ہے، مفسرجلیل علامہ ابن عادل دمشقیؒ فرماتے ہیں۔ " إنما سمّاه الله خليفةً؛ لأنه يخلف الله في الحكم بين خلقه، ويروى عن ابن مسعود وابن عباس والسّدى، وهذا الرأى متأكّد بقوله تعالى: ﴿ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الأرض فاحكم بَينَ الناس بالحق ﴾.(ص:٢٦) .(١)

مفسرجلیل علامہ نیسابوریؒ رقم طراز ہیں۔ "وعن الحسن أن المراد بالخليفة أبناء آدم؛ لأنه يخلف بعضهم بعضا ويؤيده قوله: ﴿ هُوَ الَّذِي جَعَلَكُم خَلائِفَ الأَرضِ ﴾. (فاطر:٣٩).(٢)

تیسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ خلیفہ سے ایک دوسرے کے بعد آنی والی مخلوق مراد ہے، جیسے ارشاد ہے۔ ﴿وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُم خَلَائِفَ الأَرضِ﴾..(سورۃ الأنعام:١٦٥) ایک جگہ فرمایا۔ ﴿وَيَجعَلُكُم خُلَفَاءَ الأَرض﴾(سورۃ النمل: ٦٢) ایک جگہ فرمایا۔ ﴿وَلَو نَشَاءُ لَجَعَلنَا مِنكُم مَلَائكَةً فِي الأَرضِ يَخلُفُونَ﴾.(سورۃ الزخرف:٦٠) وغیرہ ذلک..مفسرجلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ وقيل: المراد آدم وذرّيته؛ لأنهم يخلفون من قبلهم أو يخلف بعضهم بعضا.(٣)

چوتھا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر خلیفہ اپنا مراد لیا جائے، پھر معنی یوں ہوگا، جنات کا نائب بنانے والا ہوں، کیونکہ بنی نوعِ انسان کی تخلیق سے قبل دنیا میں جنات آباد تھے، مفسرجلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ وقيل: إنه خليفة من سكن الأرض قبله.(٤)

اب ہم یہاں دو اہم باتیں نہایت اختصار کیساتھ عرض کرتے ہیں:۔ ١۔ خلافت کا مفہوم اور اس کے انتخاب کا شرعی طریقہ کار۔ ٢۔ خلافت کی شرائط۔

خلیفہ کا مفہوم اور اس کے انتخاب کا شرعی طریقہ کار:

''خلیفہ'' فعیلہ کے وزن پر ہے، جب ایک کے بعد دوسرا اس کا قائم مقام ہو جائے تو اہل عرب کہتے ہیں۔ "خلف فلان فلاناً". فلاں شخص فلاں کا خلیفہ ہوا۔ ارشاد ہے۔ ثُمَّ جَعَلنَاكُم خَلائفَ فِي الأَرضِ مِن بَعدِهِم لِنَنظُرَ كَيفَ تَعمَلُونَ.

======================

(١) تفسیر اللباب:١/٥٠١.

(٢) تفسیر غرائب القرآن:١/٢١٦

(٣) تفسیر السراج المنیر :١/٤٥.

(٤) تفسیر السراج المنیر :١/٤٥.

(سورۃ یونس:۱۴) نیز سلطان اعظم کو بھی خلیفہ کہتے ہیں، اس لئے کہ وہ پہلے بادشاہ کا جانشین ہوتا ہے۔(۱)

علامہ قرطبیؒ اور دیگر اہل علم نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ خلیفہ مقرر کرنا واجب اور لازمی امر ہے، تاکہ لوگوں کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کرے، اور ان کے آپس کے لڑائی جھگڑے ختم کرے، مظلوم کا انتقام ظالم سے لے، حدود قائم کرے، گناہوں کے ارتکاب کرنے والوں کو زجر وتوبیخ دے، اور دیگر اہم امور جو خلیفہ کے بغیر پائے تکمیل کو نہ پہنچیں۔ چونکہ یہ امور واجب ہیں اور خلیفہ کے بغیر پورے نہیں ہوسکتے۔ اور یہ قاعدہ مسلمہ ہے۔"مقدمة الواجب واجب." یعنی جس چیز کے بغیر واجب پورا نہ ہو، تو وہ بھی واجب ہوتی ہے، پس خلیفہ کا مقرر کرنا واجب ہے۔ مفسر جلیل علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ وقد استدل القرطبي وغيره بهذه الآية على وجوب نصب الخليفة؛ ليفصل بين الناس فيما يختلفون فيه؛ ويقطع تنازعهم؛ وينتصر لمظلومهم من ظالمهم؛ ويقيم الحدود ؛ ويزجر عن تعاطي الفواحش إلى غير ذلك من الأمور المهمة التي لا يمكن إقامتها إلا بالإمام، وما لا يتم الواجب إلا به فهو واجب(۲).

اہل علم نے خلیفہ کے انتخاب کے چار طریقے بتلائے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

پہلا طریقہ: قرآن وحدیث کا نص خلیفہ کے انتخاب پر موجود ہو۔ جیسے سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تھی، رسول اللہ ﷺ نے اپنی حیات طیبہ میں آپؓ کو اپنے مصلیٰ پر کھڑا کیا، اور ارشاد فرمایا۔"مروا أبا بكر فليصل بالناس." (۳). تو یہ اس بات پر نص ہے کہ میرے بعد خلیفہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہوں گے۔

دوسرا طریقہ: ایک خلیفہ اپنے بعد دوسرے کو نامزد کرے، جیسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنا خلیفہ وجانشین مقرر کیا تھا۔

تیسرا طریقہ: اہل تقویٰ اور صلحاء کی ایک شوریٰ بنائی جائے اور خلیفہ کا انتخاب انکے سپرد کیا جائے، جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کیا تھا۔ آپؓ نے ایک شوریٰ بنائی تھی اور انہوں نے باہمی مشورے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو خلیفۃ المسلمین نامزد کیا۔

چوتھا طریقہ: ارباب حل وعقد کسی کے ہاتھ پر بیعت کرکے اس کو اپنا خلیفہ نامزد کریں۔ امام الحرمینؒ نے اس پر اہل علم کا اجماع

==============================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۱۸.

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۲۱، تفسیر قرطبی: ۱/۲۶۸.

(۳) أخرجه البخاري، باب حد المريض أن يشهد الجماعة: ۱/۲۳٦، رقم: ٦۳۳، ومسلم، باب استخلاف الإمام: ۱/۳۱۱، رقم: ٤۱۸.

نقل کیا ہے۔(۱)

امامت اور خلافت کی شرائط:

اہل علم نے امامت اور خلافت کے لئے دس شرائط ذکر کیے ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

۱۔ خلیفہ کا مرد ہونا. ۲۔ آزاد ہونا. ۳۔ بالغ ہونا. ۴۔ عقلمند ہونا. ۵۔ مسلمان ہونا. ۶۔ عادل ہونا. ۷۔ مجتہد ہونا. ۸۔ سلیم الأعضاء ہونا. ۹۔ آلات جنگ سے اور رائے سے باخبر ہونا. ۱۰۔ قریشی ہونا۔

مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ ويجب أن يكون ذكرًا حرًا بالغًا عاقلا مسلمًا عدلا مجتهدًا بصيرًا سليم الأعضاء خبيرًا بالحروب والآراء قرشيًا على الصحيح ولا يشترط الهاشمي ولا المعصوم من الخطأ خلافًا للغلاة الروافض.(۲)

علامہ قرطبیؒ نے اس مسئلہ کی خوب تفصیل کی ہے، وہاں ملاحظہ ہو۔(۳)

کیا عورت حکمران بن سکتی ہے؟

یہ ایک بدیہی حقیقت ہے کہ اللہ تعالی نے مرد اور عورت کو جداگانہ صلاحیتوں سے نوازا ہے اور دونوں کو جداگانہ مقاصد کے لیے تخلیق فرمایا، دونوں کی ساخت ایک دوسرے سے بالکل جدا ہے، دونوں کی نشست و برخاست، لب ولہجہ، اخلاق وعادات، خیالات واحساسات اور رجحانات یکسر مختلف ہیں، دونوں کے طبائع میں حد درجہ تفاوت پایا جاتا ہے، قرآن مجید نے اسی فرق کو ملحوظ نظر رکھتے ہوئے مرد کو نگران اور حاکم قرار دیا ہے اور عورت کی فلاح اطاعت شعاری میں مضمر رکھی۔ اور یہ اصول مقرر کیا کہ جس طرح عورت اپنی فطری خصوصیات کی بناء پر نبی اور رسول نہیں بن سکتی، نمازوں میں مردوں کے لیے امام نہیں بن سکتی، مسجد میں اذان واقامت کہنا، خطبہ دینا اس کے لیے جائز نہیں، اسی طرح امامت کبری (ملک کی سربراہی) کے فرائض انجام دینا بھی اس کی فطرت اور خلقی ساخت کے منافی ہے، یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کو جب یہ اطلاع ملی کہ اہل فارس نے کسری کی بیٹی کو اپنا سربراہ بنایا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔

لَن يُفلِحَ قَومٌ وَلَّوا أَمرَهُم امرَأَةً. (۴)

=====================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۱۸.

(۲) تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۲۲.

(۳) تفسیر قرطبی: ۱/۲۶۴

(۴) صحیح بخاری: ۶/۸، رقم: ۴۴۲۵.

''وہ قوم کبھی فلاح نہیں پائے گی، جس نے اپنی حکومت کا کام عورت کے سپرد کر دیا۔''

اس بات پر اہل علم اور مذاہب اربعہ کا اجماع ہے کہ عورت حکمرانی اور ملک کی سربراہی نہیں کر سکتی، معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ وأجمعوا على أن المرأة لا يجوز أن تكون إماما. (١)☆

اہل علم کا اس بات پر اجماع ہے کہ عورت سربراہی نہیں بن سکتی۔

قوله تعالى: قَالُوا أَتَجعَلُ فِيهَا مَن يُفسِدُ فِيهَا وَيَسفِكُ الدِّمَاءَ :

یہ جملہ مستأنفہ ہے، جو ایک سوالِ مقدر کا جواب ہے کہ ملائکہ نے اس وقت کیا کہا؟ معروف مفسر علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔استینافٌ وقع جوابا عما ينساقُ إليه الأذهانُ كأنَّه قيلَ فماذا قالت الملائكة حينئذ؟.(٢)

''فِيهَا'' کی ضمیر دونوں جگہ''الأرض'' کی طرف راجع ہے اور یہ تکرارِ ظرف شدتِ فساد کے اظہار کے لیے ہے، مفسر جلیل علامہ محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ وتكرار الظرف للدلالة على الإفراط في الفساد، ولم يكرره بعد للاكتفاء مع ما في التكرار مما لا يخفى. (٣)

''وَيَسفِكُ الدِّمَاءَ'' عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہے، اس میں اس بات کی اشارہ ہے کہ روئے زمین پر خون ریزی

===================

(١) تفسیر قرطبی:١/٢٦٤.

☆ معروف محدث امام محی السنہ بغویؒ فرماتے ہیں۔

" اتفقوا على أن المرأة لا تصلح أن تكون إماما ولا قاضيا لأن الإمام يحتاج إلى الخروج لإقامة أمر الجهاد والقيام بأمور المسلمين والقاضي يحتاج إلى البروز لفصل الخصومات والمرأة عورة لا تصلح للبروز وتعجز لضعفها عند القيام بأكثر الأمور ولأن المرأة ناقصة والإمامة والقضاء من كمال الولايات فلا يصلح لها إلا الكامل من الرجال ." (شرح السنہ:١٠/٧٧)

اہل علم کا اتفاق ہے کہ عورت امام اور قاضی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی، کیونکہ امام کو ضرورت ہے کہ امر جہاد کو قائم کرنے اور مسلمانوں کے مصالح کا اہتمام کرنے کے لیے باہر نکلنے کی اور قاضی کے لیے مقدمات کا فیصلہ کرنے کے لیے سب کے سامنے آنا ضروری ہے اور عورت سراپا ستر ہے اور عام مجالس میں نکلنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور اپنے ضعف کی وجہ سے اکثر امور کے انجام دینے سے قاصر رہے گی اور اس لیے بھی کہ عورت ناقص ہے اور ولایت کامل ولایتوں میں سے ہے، پس اس لیے کامل مرد ہی صلاحیت رکھتے ہیں۔ (اس مسئلہ کے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہوں۔حکم التولی المرأۃ للقضاء للأستاذ ابراہیم بن علی السفیانی، ودراسۃ فقہیۃ فی مسئلۃ ولایۃ النساء القضاء للأستاذ أبی خلیل. ''عورت کی سربراہی، از مولانا یوسف لدھیانویؒ).

(٢) تفسیر ابی السعود:١/٨٢.

(٣) تفسیر روح المعانی:١/٢٢٣.

ایک عظیم اور سفا کانہ جرم ہے، جس کی وجہ سے انسانی جانیں ضائع ہو جاتی ہیں۔ ''الدِّمَاءَ'' میں الف لام عہدی ہے، نفوس محرمہ مراد ہیں، یا الف لام استغراقی ہے، جملہ نفوس مراد ہیں، علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ والمراد بها المحرمة بقرينة المقام وقيل: الاستغراق فيتضمن جميع أنواعها من المحظور وغيره والمقصود عدم تمييزه بينها.(١)

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ فرشتوں کا یہ کلام اعتراض اور نکتہ چینی کے طور پر ہرگز نہ تھا، بلکہ یہ غایت نیاز مندی، اقرارِ وفاداری اور جوشِ جان نثاری کا نتیجہ تھا، حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اپنی مایہ ناز تفسیر بیان القرآن میں رقم طراز ہیں۔

> یہ بطور اعتراض کے نہیں کہا، نہ اپنا استحقاق جتلایا جوان مقدس خدمت گذاروں پر شبہات پیدا ہوں، بلکہ یہ ایسی بات ہے کہ کوئی حاکم کوئی نیا کام تجویز کر کے اس کے لیے ایک مستقل عملہ بڑھنا چاہے اور اپنے قدیمی عملہ سے اس کا اظہار کرے وہ لوگ اپنی جان نثاری کی راہ سے عرض کریں کہ حضور! جو لوگ اس نئے کام کے لیے تجویز ہوئے ہیں ہم کو کس طرح پر تحقیق ہوا ہے کہ بعض بعض تو اس کو بخوبی انجام دے سکیں گے اور بعض بالکل ہی کام بگاڑ دیں گے، جس سے حضور کا مزاج ناخوش ہوگا، آخر ہم کس مرض کی دوا ہیں؟ ہر وقت حضور پر جان قربان کرنے کو تیار ہیں.... کبھی کسی خدمت میں ہم غلاموں نے عذر نہیں کیا اگر وہ نئی خدمت بھی ہم کو عنایت ہوگی تو ہم کو کیا عذر وانکار ہوگا اور حضور کی مرضی موافق اس کو انجام دیں گے، اسی طرح فرشتوں کی عرض معروض اظہار نیاز مندی کے واسطے تھی۔''(٢)

مفسر جلیل حافظ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔ وقول الملائكة هذا ليس على وجه الاعتراض على الله، ولا على وجه الحسد لبني آدم كما قد يتوهمه بعض المفسرين.(٣)

مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ بأن هذا السؤال إنما وقع على سبيل التعجب لا على سبيل الإنكار والاعتراض فإنهم تعجبوا من كمال حكم الله تعالى وإحاطة علمه بما خفي عليهم ولهذا أجابهم بقوله:﴿ إني أعلم ما لا تعلمون﴾. وقيل: إن العبد المخلص في حب سيده يكره أن يكون له عبد آخر يعصيه فكان سؤالهم على وجه المبالغة في إعظام الله عز وجل.(٤)

=======================

(١) تفسیر روح المعانی:١/٢٢٣.

(٢) تفسیر بیان القرآن:٤٠.

(٣) تفسیر ابن کثیر:١/٢١٦.

(٤) تفسیر خازن:١/٣٥.

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ فرشتوں کو یہ کیسے پتہ چلا کہ اولادِ آدم فساد و خون ریزی کریں گے، اس سے تو بظاہر فرشتوں کا عالم الغیب ہونا معلوم ہو رہا ہے؟

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ دراصل فرشتوں نے طبع بشری سے استدلال کیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالی نے چار متضاد چیزوں سے بنایا گیا تھا، یعنی مٹی، پانی، آگ اور ہوا۔ تو لازمی طور پر ان کی تاثیر اولادِ آدم میں ہوگی۔ معروف مفسر علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ وقيل: إنهم لما رأوا أن آدم خلق من أخلاط مركبة علموا أنه يكون فيه الحقد والغضب ومنهما يتولد الفساد وسفك الدماء فلهذا قالوا ذلك.(١)

جواب دوم: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ فرشتوں نے فساد فی الأرض اور سفک الدماء کو خلیفہ کے لفظ سے سمجھا۔ کہ خلیفہ اور حاکم فیصلہ کرنے والے کو کہتے ہیں اور فیصلہ ہمیشہ دو آدمیوں کے مابین ہوتا ہے، جس میں ایک حق بجانب ہو، اور دوسرا باطل پر، ایک ظالم ہو اور دوسرا مظلوم ہو۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ فقيل: المعنى أنهم لما سمعوا لفظ خليفة فهموا أن في بني آدم من يفسد إذ الخليفة المقصود منه الإصلاح وترك الفساد، لكن عمموا الحكم على الجميع بالمعصية.(٢)

جوابِ سوم: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ درحقیقت انہوں نے حاضر کو غائب پر قیاس کیا، تخلیق نوع بنی آدم سے قبل دنیا میں جنات آباد تھے، انہوں نے آپس میں خون ریزی اور خون خرابہ اور فسادات کا بازار گرم رکھا تھا۔ فرشتوں نے ان پر قیاس کیا کہ جو انسان پیدا ہوگا وہ بھی اسی طرح ہوگا، سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ أن الجن أفسدوا في الأرض قبل بني آدم فقالت الملائكة ذلك فقاسوا هؤلاء بأولئك.(٣)☆

======================

(١) تفسیر خازن: ١/٣٥.

(٢) تفسیر قرطبی: ١/٢٧٤.

(٣) تفسیر ابن کثیر: ١/٢١٨.

☆ قال العلامة الآلوسي رحمه الله: وحكم الملائكة بالإفساد والسفك على الإنسان بناء على بعض هاتيك الوجوه ليس من ادعاء علم الغيب أو الحكم بالظن والتخمين ولكن بأخبار من الله تعالى ولم يقص علينا فيما حكى عنهم اكتفاء بدلالة الجواب عليه للإيجاز كما هو عادة القرآن ويؤيد ذلك ما روى في بعض الآثار أنه لما قال الله تعالى ذلك قالوا: وما يكون من ذلك الخليفة قال: تكون له ذرية يفسدون في الأرض ويقتل بعضهم بعضا فعند ذلك قالوا: ربنا ﴿أَتَجعَلُ فِيها مَن يُفسِدُ فِيها =

قوله تعالی : وَنَحنُ نُسَبِّحُ بِحَمدِكَ وَنُقَدِّسُ لَك:

یہ ماقبل"أتجعل"**کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہے،اس سے محض استفسار مقصود ہےاور**"نحن"**مسندالیہ کی تقدیم مسند فعلی پر مفیدِ حصر ہےاور دونوں جگہ فعل مضارع کے صیغے لانے سے دوام اور استمرار مقصود ہے،معروف مفسر علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔** ولیس المقصود إلا الاستفسار عن المرجح لا العجب والتفاخر حتی یضر بعصمتهم کما زعمت الحشویة ... وصیغة المضارع للاستمرار وتقدیم المسند إلیه علی المسند الفعلی للاختصاص. ومن الغریب جعل الجملة استفهامیة حذف منها الأداة.(۱)

تسبیح لغت میں "التنزیه من السوء علی وجه التعظیم" **کو کہتے ہیں،یعنی تعظیم کے طور پر ہر نقص سے تنزہ بیان کرنا،اور یہ ہر قسم عبادت قولی،فعلی اور قلبی پر بولا جاتا ہےاور ہر اس سے ہر قسم کی تنزہ مراد ہے۔اب معنی یوں ہوگا۔** أی ننزهك عما لا یلیق بصفاتك .(۲)**یعنی ہم اس چیز سے تیری پاکی بیان کرتے ہیں،جو تیرے شایانِ شان نہیں۔**

"بحمدك" **میں** "ب"**تلبس کے لیے ہے۔** أی متلبسین بحمدك. **یا مصاحبت اور معیت کے لیے ہے،جس سے تسبیح کیساتھ حمد کی دوامِ معیت کا اظہار مقصود ہے،علامہ آلوسیؒ رقم طراز ہیں۔** والباء لاستدامة الصحبة والمعیة.(۳)

تقدیس اصل میں تطہیر کو کہتے ہیں۔ أی نطهر أنفسنا لطاعتك وعبادتك **اور"لام"اظہارِ تخصیص کے لیے ہے،یعنی تقدیس خاص تیری رضا ہی کے لیے کریں گے۔**

= وَيَسفِكُ الدِّماءَ ﴾.وقیل:عرفوا ذلك من اللوح ویبعده عدم علم الجواب ویحتاج الجواب إلی تکلف وقیل: عرفوه استنباطا عما رکز فی عقولهم من عدم عصمة غیرهم المفضی إلی العلم بصدور المعصیة عمن عداهم المفضی إلی التنازع والتشاجر إذ من لا یرحم نفسه لا یرحم غیره وذلك یفضی إلی الفساد وسفك الدماء وقیل: قیاسا لأحد الثقلین علی الآخر بجامع اشتراکهما فی عدم العصمة ولا یخفی ما فی القولین ویحتمل أنه علموا ذلك من تسمیته خلیفة لأن الخلافة تقتضی الإصلاح وقهر المستخلف علیه وهو یستلزم أن یصدر منه فساد إما فی ذاته بمقتضی الشهوة أو فی غیره من السفك أو لأنها مجلی الجلال کما أنها مجلی الجمال ولکل آثار والإفساد والسفك من آثار الجلال وسکتوا عن آثار الجمال إذ لا غرابة فیها وهم علی کل تقدیر ما قدروا الله تعالی حق قدره ولا یخل ذلك بهم ففوق کل ذی علم علیم. (روح المعانی:۱/۲۲۳-۲۲۴)

(۱) تفسیر روح المعانی:۱/۲۲۴.

(۲) تفسیر مدارک:۱/۴۵، تفسیر خازن:۱/۳۵.

(۳) تفسیر روح المعانی:۱/۲۲۴.

بظاہر تسبیح اور تقدیس میں تکرار نظر آتا ہے، کیونکہ دونوں کا مآل ایک ہے، تاہم تسبیح اور تقدیس میں فرق یہ ہے کہ تسبیح کا اطلاق طاعات کے اعتبار سے ہے اور تقدیس کا اطلاق اعتقادات کے اعتبار سے ہے اور یا اس سے تطہیر مراد ہے، مفسر جلیل علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ والتقديس في المشهور كالتسبيح معنى، واحتاجوا لدفع التكرار إلى أن أحدهما باعتبار الطاعات والآخر باعتبار الاعتقادات. وقيل: التسبيح تنزيهه تعالى عما لا يليق به. والتقديس تنزيهه في ذاته عما لا يراه لائقا بنفسه فهو أبلغ، ويشهد له أنه حيث جمع بينهما أخر نحو: سبوح قدوس. ويحتمل أن يكون بمعنى التطهير. والمراد نسبحك ونطهر أنفسنا من الأدناس، أو أفعالنا من المعاصي، فلا نفعل فعلهم من الإفساد والسفك، أو نطهر قلوبنا عن الالتفات إلى غيرك. (۱)

امام المفسرین حضرت مولانا حسین علی الوانیؒ فرماتے ہیں کہ تسبیح میں صفاتِ حالیہ کی طرف اشارہ ہے اور تقدیس میں صفاتِ مآلیہ کی طرف اشارہ ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔ قول الملائكة "نحن نسبح بحمدك يرجع الى نفى النقص تعالى فى الحال، قولهم "نقدس لك" يرجع الى نفيه فى المستقبل. (۲)

مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ ملائکہ کو یہ معلوم تھا کہ انسان میں ضرور دو قوتیں ہوں گی، شہویہ کہ جس کا مقتضاء زنا کاری وغیرہ فساد ہے، جس کو "يفسد" کیساتھ تعبیر کیا۔ دوسری غضبیہ جس کا مقتضاء قتل وضرب ہے، جس کو "يسفك الدماء" کیساتھ تعبیر کیا اور یہ بھی جانتے تھے کہ ہم میں یہ دونوں قوتیں نہیں، پس بارگاہ کبریاء میں ادب کے مارے یہ تو نہ کہہ سکے کہ ہم یہ دونوں بدکام نہیں کرتے، مگر ان کے مقابلہ میں دو اور باتیں خدا تعالیٰ کی عظمت پر دلالت کرنے والی کہیں اور ان سے اشارةً ان دونوں عیبوں کی نفی کردی۔ اس لیے "نحن نسبح بحمدك" کو "يفسدفيها" کے مقابلہ میں اور "نقدس لك" کو "يفسك الدماء" کے مقابلہ میں ذکر کیا۔ (۳)

قوله تعالى: قَالَ إِنِّي أَعلَمُ مَا لَا تَعلَمُونَ:

یہ جملہ استنافیہ ہے ملائکہ کے استفسار کا جواب ہے کہ میں تخلیق بنی نوعِ انسانی کی حکمتوں سے بخوبی واقف ہوں۔ اور ان میں ایسے برگزیدہ بندے پیدا کروں گا، جن کی پاکی وعفت پر تم انگشت بداں ہوں گے، کہ ان میں انبیاء ورسل، شہداء، صالحین، عباد، زہاد، اولیاء وابرار، علماء اور ایسے کاملین پیدا ہوں گے، جو ہمہ وقت میری اطاعت وتابعداری میں محور ہیں گے۔ اور حدیث میں آتا

=====================

(۱) تفسیر روح المعانی: ۱/۲۲۴.
(۲) تفسیر جواہر القرآن: ۱/۲۹.
(۳) دیکھئے تفسیر حقانی: ۱/۱۵۵.

ہے کہ جب ملائکہ انسانوں کے اعمال اللہ تعالی کیساتھ پاس لے جاتے ہیں تو اللہ تعالی باوجود جاننے کے پوچھتا ہے۔ کیف ترکتم عبادی ؟ ملائکہ کہتے ہیں۔ اتیناهم وهم یصلون وترکناهم وهم یصلون .(١)

قوله تعالی : وَعَلَّمَ آدَمَ الأَسمَاءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُم عَلَى المَلَائكَةَ:

یہ ماقبل پر عطف ہے، اب یہاں سے اجمالی جواب کے بعد تفصیلی جواب کا بیان ہے۔ "عــلَّــم"، "عــرَّف" کے معنی میں ہے۔ اور تعلیم یا الہام مراد ہے، یا جبریل علیہ السلام کے واسطے سے علم مراد ہے، معروف، مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔'' ﴿علَّم﴾ معناه عرف. وتعليمه هنا إلهام علمه ضرورة۔ ویحتمل أن یکون بواسطة ملك وهو جبریل علیه السلام".(٢)

آدم کی وجہ تسمیہ کے متعلق کسی نے کہا کہ یہ زمین کی جلد (ادیم) سے پیدا ہوئے، اس لیے آدم کہلائے اور کسی نے کہا کہ اپنی جلد کی سرخی کی بنیاد آدم کہلائے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "الصحیح أنه مشتق من أدیم الأرض. قال سعید بن جبیر: إنما سمی آدم؛ لأنه خلق من أدیم الأرض." (٣) ☆

"الأَســـــمَـــــــاء" اسم کی جمع ہے، اسم وہ چیز ہے، جس سے کوئی جانی جائے اور یہ شناخت تب ممکن ہے کہ جب چیز کے اعراض، خواص اور آثار کا علم ہو، اسی وجہ سے اہل لغت نے بھی اسی مفہوم کا لحاظ کیا ہے، معروف لغوی علامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں۔

=======================

(١) أخرجه البخاری، باب فضل صلاة العصر: ٢٠٣/١، رقم: ٥٣٠، ومسلم، باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظة علیهما: ٤٣٩/١، رقم: ٦٣٢.

(٢) تفسیر قرطبی: ۱/۲۷۹.

(٣) تفسیر قرطبی: ۱/۲۷۹.

☆☆ قرآن مجید میں انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں سب سے پہلے تذکرہ سیدنا آدم علیہ السلام کا ہے، سورہ البقرۃ، سورۃ الاعراف، سورۃ الاسراء، سورۃ الکہف اور سورۃ طٰہٰ میں نام اور صفات دونوں مذکور ہیں، سورۃ الحجر اور سورۃ صٓ میں فقط صفات مذکور ہیں اور سورۃ آل عمران، سورۃ المائدہ، سورۃ مریم اور سورۃ یٰس میں ضمنی طور پر نام لیا گیا ہے۔ لفظِ آدم کے متعلق علماء لغت میں اختلاف ہے کہ یہ عجمی ہے یا عربی ہے؟ علامہ ابومنصور جوالیقی نے کتاب المعرب میں تصریح کی ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے تمام نام عجمی ہیں، البتہ چار نام اس سے مستثنیٰ ہیں۔ آدمؑ، صالحؑ، شعیبؑ، محمد ﷺ۔

اور معروف لغوی عالم علامہ جوہریؒ نے بھی اسے عربی بتلایا ہے، پھر عربی ہونے کی صورت میں اس کے مادہ اشتقاق میں اختلاف ہے، یا تو ''ادیم'' سے مشتق ہے، کیونکہ وہ ''ادیم ارض'' یعنی صفحہ زمین سے پیدا کیے گئے ہیں، چنانچہ مسند احمد اور ترمذی کی صحیح روایت میں ہے کہ اللہ تعالی نے سطح زمین کے چپہ چپہ سے ایک مشت خاک لے کر آدم علیہ السلام کی تخلیق کی، یہی وجہ ہے کہ بنی آدم مختلف رنگ وروپ کے پیدا ہوئے۔

امام مجاہدؒ نے سیدنا ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ آدم کا اشتقاق ''اُدْمَۃٌ'' سے ہے، جس کے معنی گندم گوں ہونے کے ہیں۔ بعض حضرات نے اسے سریانی زبان کا لفظ بتلایا ہے۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو۔ لغات القرآن: ۱/۵۶-۵۷.

قَالَ ابنُ سِيدَه: الاسمُ هُوَ اللَّفظُ المَوضوعُ على الجَوهَرِ أَو العَرَضِ للتَّميزِ أَى ليفصلَ بِهِ بعضَه عَن بعضٍ.
وَقَالَ أَبو إسحق: إنَّما جُعِلَ الاسمُ تَنويهاً بالدَّلالةِ على المَعنى لأَنَّ المَعنى تَحت الِاسم. (۱)

"اسماء" میں مجاز بالحذف ہے، اسماء المسمیات مراد ہیں، کیونکہ اسم کیساتھ مسمی کا علم ضروری ہے، اس لیے کہ اگر اسم کیساتھ مسمی کا علم نہ ہو تو وہ محض ایک آواز رہے گی، ذہن میں اس کا کوئی مفہوم نہیں آئے گا۔ بہرحال یہ تو لفظی معنی ہوا۔ اب اس کے تفسیر کے متعلق عرض ہے کہ محققین حضرات نے اس سے مسمیات اور ان کے آثار وخواص مراد لی ہیں۔ معروف مفسر قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ والمعنى أنه تعالى خلقه من أجزاء مختلفة وقوى متباينة مستعداً لإدراك أنواع المدركات من المعقولات والمحسوسات والمتخيلات والموهومات. وألهمه معرفة ذوات الأشياء وخواصها وأسمائها وأصول العلوم وقوانين الصناعات وكيفية آلاتها. (۲)

یعنی اللہ تعالی نے حسب تجویز آدم علیہ السلام کو پیدا فرمایا اور ان کے دل میں یہ القاء کر دیا کہ فلاں شئی کا یہ نام ہے اور فلاں چیز کا یہ نام ہے، یعنی آدم علیہ السلام کی طبیعت میں قوائے متباینہ رکھے، جس نے اس کو طرح طرح معقولات محسوسات اور متخیلات، حقائق اشیاء اور ان کے خواص و نام سے آگاہ کیا۔

بعض حضرات نے تو عجیب وغریب اقوال نقل کیے ہیں (۳)۔ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اس سے مراد انسانی ضرورت کی وہ اشیاء ہیں، جو روزمرہ زندگی میں درپیش آتے ہیں اور اسی طرح اللہ تعالی کے ذات وصفات اسمائے الہیہ کا علم تھا، اور علامہ ابن جریرؒ فرماتے ہیں۔ کہ سب سے اولی بات یہ ہے کہ اس سے مراد آدم علیہ السلام کی اولاد کے نام اور ملائکہ کے نام ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔ وأولَى هذه الأقوال بالصواب وأشبهها بما دل على صحته ظاهرُ التلاوة قول من قال في قوله: وعلم آدم الأسماء كلها إنها أسماءُ ذرِّيَّته وأسماءُ الملائكة دون أسماء سائر أجناس الخلق. (٤)

معروف، مفسر علامہ ابن الجوزیؒ ابو العالیہؒ سے نقل کرتے ہیں۔ أنه علمه أسماء الملائكة. (٥)

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ وقيل: أسماء الأجناس والأنواع، قلت: القول الأول أصح لما ذكرنا آنفا. (٦)

====================

(۱) تاج العروس: ۳۸/۳۰۶۔
(۲) تفسیر بیضاوی: ۱/۶۹۔
(۳) دیکھئے الدر المنثور للسیوطی: ۱/۱۲۰، تفسیر السمعانی: ۱/۶۵، تفسیر خازن: ۱/۳۶، تفسیر روح البیان: ۱/۱۰۰۔
(۴) تفسیر ابن جریر للطبری: ۱/۴۸۵۔
(۵) زاد المسیر لابن الجوزی: ۱/۶۳۔
(۶) تفسیر قرطبی: ۱/۲۷۲۔

ایک اشکال اوراس کا جواب:

یہاں بظاہر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کے نام سکھا دیئے اور ملائکہ کو نہیں سکھائے ۔تو اس میں حضرت آدم علیہ السلام کا کیا کمال ہے اور ملائکہ کا کیا ضعف ہے؟اس کی مثال تو اسی طرح ہے جس طرح ایک استاد کے دوشاگرد ہوں ایک کو مسئلہ بتائے اور دوسرے کو نہ بتلائے ،اور پھر اس مسئلہ میں دونوں سے امتحان لے،تو جس کو مسئلہ بتایا تھا۔اس کے جواب دینے میں کوئی کمال نہیں،اور دوسرے کے جواب نہ دینے میں اس کا کوئی قصور نہیں!

پہلا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ تعلیم سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کی فطرت میں اس علم کی استعداد رکھ دی۔انہوں نے اس فطری استعداد کے ذریعے سے ان اشیاء کے خواص واوصاف بیان کردیئے ،حضرت آدم علیہ السلام کی برتری وفضیلت ان کی فطرت کے اعتبار سے تھی ،تو علم سے فطری واستعدادی علم مراد ہے نہ کہ علم کسبی۔قاضی بیضاویؒ اور خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ وألهمه معرفة ذوات الأشياء وخواصها وأسمائها وأصول العلوم وقوانين الصناعات وكيفية آلاتها.(۱)

دوسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اشیاء کا علم دوطرح کا ہوتا ہے،ایک علم الأشياء مع التأثير اور دوسرا علم الأشياء بدون التأثير. تو ملائکہ کا علم بدون التأثیر تھا یعنی علم بشرط لاشئ تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کا علم مع التأثیر تھا،یعنی علم بشرط الشئ تھا۔

تیسرا جواب: علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں "علّم"، "أقدر" کے معنی میں ہے،یعنی اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان اشیاء کے نام لینے پر قادر کیا اور ملائکہ میں یہ قدرت وطاقت نہیں رکھی۔چنانچہ فرماتے ہیں۔ أو أنه خلق له قدرة يقتدر بها على التعبير عن تلك الأمور عند الأمر له بإنباء الملائكة ويكون معنى "علم "أقدر .(۲)

باقی رہی یہ بات کہ یہ فطری واستعدادی تعلیم فرشتوں کو کیوں نہیں دی گئی؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر فرشتوں میں یہ استعداد پیدا کی جاتی،تو پھر وہ فرشتے ہی نہیں رہتے ، بلکہ ماہیت بدل کر انسان بن جاتے ، پھر انسان اور فرشتوں میں کوئی فرق باقی نہ رہتا.

===============

(۱) تفسیر بیضاوی:۱/۲۸۶، السراج المنیر للخطیب الشربینی:۱/۵۵.

(۲) ابجد العلوم:۱/۱۳۸.

''کل'' سے استغراق حقیقی مراد ہے یا استغراق عرفی؟

''کل'' سے مراد استغراقِ عرفی ہے، استغراقِ حقیقی مراد نہیں، اس لیے کہ استغراقِ حقیقی میں جملہ افراد کا احاطہ مقصود ہوتا ہے ،اور استغراقِ عُرفی اور اضافی میں افرادِ مہمہ کا احاطہ ہوتا ہے، یہ قاعدہ اہل فن کے ہاں معروف ہے۔(۱)

علامہ قرطبیؒ نے سورۃ الأعراف آیت:۱۴۵ کے ذیل میں رقم طراز ہیں۔ ومعنى من كل شيء مما يحتاج إليه في دينه من الأحكام، وتبيين الحلال والحرام عن الثوري وغيره. وقيل : هو لفظ يذكر تفخيما ولا يراد به التعميم، تقول : دخلت السوق فاشتريت كل شيء، وعند فلان كل شيء "تدمر كل شيء" (الأحقاف :٢٥) "وأوتيت من كل شيء"(النمل :٢٣) وقد تقدم "موعظة وتفصيلا لكل شيء " أي لكل شيء أمروا به من الأحكام فإنه لم يكن عندهم اجتهاد.(٢) کل کا استعمال کلام عرب میں امور مہمہ پر ہوتا ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کل استعمال صفاتِ خالق میں استغراقِ حقیقی ہے اور مخلوق کے صفات میں استغراقِ اضافی ہے، اور استغراقِ اضافی کا استعمال قرآن کریم میں شائع ہے، چند مقامات ملاحظہ ہوں۔ ثُمَّ اجعَل عَلَى كُلِّ جَبَلٍ مِنهُنَّ جُزءً . (سورۃ البقرۃ:۲۶۰) وأیضاً: وَكَانَ وَرَائَهُم مَلِكٌ يَأخُذُ كُلَّ سَفِينَةٍ غَصبًا .(سورۃ الکہف:۷۹) وأیضاً: تُدَمِّرُ كُلَّ شَيءٍ بِأَمرِ رَبِّهَا . (سورۃ الأحقاف:۲۵) وأیضاً: وَأُوتِيَت مِن كُلِّ شَيءٍ (سورۃ النمل:۲۳) وأیضاً: إِنَّا مَكَّنَّا لَهُ فِي الأَرضِ وَآتَينَاهُ مِن كُلِّ شَيءٍ سَبَبًا. (سورۃ الکہف:۸۴) وأیضاً: ثُمَّ آتَينَا مُوسَى الكِتَابَ تَمَامًا عَلَى الَّذِي أَحسَنَ وَتَفصِيلًا لِكُلِّ شَيءٍ. (سورۃ الأنعام:۱۵۴).

مذکورہ بالا تمام مقامات میں ''کل'' سے مراد کل اضافی اور عرفی ہے اور اگر استغراق حقیقی مان لیا جائے، تو معنی درست نہیں ہوگا۔ اس آیت میں بھی ''کل'' سے کل اضافی مراد ہے۔ اب یوں معنی ہوگا۔ کہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو ان چیزوں کے خصوصیات ومزایا سکھائے، جو ان کو ضرورت تھیں اور آپ علیہ السلام کی شان کے مناسب تھیں۔ اس توجیہ سے اہل بدعت کا وہ

---

(١) وَعُمُومُ كُلٍّ فِي كُلِّ مَوضِعٍ بِحَسَبِهِ وَيُعرَفُ ذَلِكَ بِالقَرَائِنِ- أَلَا تَرَى إِلَى قَولِهِ تَعَالَى: تُدَمِّرُ كُلَّ شَيءٍ بِأَمرِ رَبِّهَا فَأَصبَحُوا لَا يُرَى إِلَّا مَسَاكِنُهُم سورة الأَحقَافِ: وَمَسَاكِنُهُم شَيءٌ وَلَم تَدخُل فِي عُمُومِ كُلِّ شَيءٍ دَمَّرَتهُ الرِّيحُ وَذَلِكَ لِأَنَّ المُرَادَ تُدَمِّرُ كُلَّ شَيءٍ يَقبَلُ التَّدمِيرَ بِالرِّيحِ عَادَةً وَمَا يَستَحِقُّ التَّدمِيرَ- وَكَذَا قَولُهُ تَعَالَى حِكَايَةً عن بلقيس:﴿ وَأُوتِيَت مِن كُلِّ شَيءٍ﴾ (سورة النَّملِ:٢٣) المُرَادُ مِن كُلِّ شَيءٍ يَحتَاجُ إِلَيهِ المُلُوكُ وَهَذَا القَيدُ يُفهَمُ مِن قَرَائِنِ الكَلَامِ، إذ مُرَادُ الهُدهُدِ أَنَّهَا مَلِكَةٌ كَامِلَةٌ فِي أَمرِ المُلكِ غَيرُ مُحتَاجَةٍ إِلَى مَا يَكمُلُ بِهِ أَمرُ مُلكِهَا وَلِهَذَا نَظَائِرُ كَثِيرَةٌ. (شرح الطحاویہ:۱۷۳).

(۲) تفسیر قرطبی:۷/۲۸۱.

استدلال بھی زیرِ زمیں دفن ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو "ماکان ومایکون" کا علم دیا گیا تھا۔

معروف مفسر امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت علم کی فضیلت پر دال ہے، کیونکہ اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق میں اپنی حکمت کے کمال کو صفتِ علم کے ذریعے ظاہر فرمایا۔ اگر علم سے اشرف وافضل کوئی اور شئی ہوتی "لكـان مـن الواجب اظهـار فـضـله بذلك الشئى ." توضروری ہوتا اظہار کرنا اس شئی کے ذریعے اپنے فضل وکرم کو۔ مگر اللہ تعالی نے علم کی نعمت کو اپنے فضل کے اظہار کے لئے منتخب فرماکر علم کے اشرف وافضل ہونے کو واضح فرمایا۔(۱)

قوله تعالى : ثُمَّ عَرَضَهُم عَلَى المَلَائِكَةِ:

"ثم" تراخی کے لیے ہے۔ "هم" ضمیر کا مرجع مسمیات ہیں، جو "الأسـمـاء" کا ضمناً مدلول ہے کیونکہ اسماء اعراض ہیں، جن کا عرض ممکن نہیں۔ معروف مفسر خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔ لأنّ العـرض لـلسـؤال عـن أسـمـاء الـمعـروضـات فلا يكون المعروض نفس الأسماء؛ إذ العرض لا يصح فيها؛ لأنها من المسموعات والعرض يختص بالمحسوسات.(۲)

"هم" ضمیر مذکر بقاعدۂ تغلیب لایا گیا ہے، کیونکہ یہ ذوالعقول اور غیر ذوالعقول دونوں کو شامل ہیں۔

قوله تعالى: فَقَالَ أَنبِئُونِى بِأَسمَاءِ هَؤُلَاءِ إِن كُنتُم صَادِقِين:

"أَنبِئُـونِـى بِـأَسمَـاءِ هَؤُلَاءِ" مقولہ "قول" ہے۔ "انبـاء" کے معنی خبر دینے کے ہیں، جو خبر علم یا غلبہ ظن کا فائدہ دے اسے "نبأ" کہتے ہیں، معروف مفسر امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔ "الـنَّبَـأُ: خبـر ذو فـائـدة عظيمة يحصل به علم أو غَلَبَة ظـنّ، ولا يقال للخبر في الأصل نَبَأٌ حتى يتضمّن هذه الأشياء الثّلاثة: وحقّ الخبر الذي يقال فيه: نَبَأٌ أن يتعرّى عـن الـكـذب كـالتّـواتـر، وخبر الله تعالى، وخبر النبيّ عليه الصلاة والسلام، ولتضمُّن النَّبَإِ معنى الخبر يقال: أَنبَأتُهُ بكذا كقولك: أخبرته بكذا ولتضمّنه معنى العلم قيل: أَنبَأتُهُ كذا كقولك: أعلمته كذا ." (۳)

"بِـأَسـمَـاءِ هَؤُلَاءِ" سے مسمیات مراد ہیں اور اس سے مقصود ملائکہ کی تحقیر نہیں، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کا اظہارِ کمال مقصود ہے، کہ تم نے جس کے متعلق کہا تھا "أتجعل فيها من يفسد فيها ......" تو اب اس کا جواب دو۔ اور نیز اس بات پر تنبیہ تھی کہ تم امورِ خلافت سے عاجز ہو۔

====================

(۱) تفسیر کبیر:۲/۳۹۹.

(۲) السراج المنير للخطيب الشربيني:۱/۵۵.

(۳) المفردات في غريب القرآن:۷۸۸-۷۸۹.

''إِن كُنتُم صَادِقِين'' اس کا جواب محذوف ہے، تقدیر عبارت یوں ہے۔"إن كُنتم صادقين فأنبئوني.."

صدق سے یہاں ارادی صدق اور سچائی مراد نہیں، کیونکہ اس کے خلاف فرشتوں میں احتمال ہی نہیں، بلکہ ان کے دعوی کا صحیح ہونا اور ان کے خیال کا مطابق واقع ہونا مراد ہے، عربی لغت میں صدق کا لفظ جس طرح سچائی کے لیے استعمال ہوتا ہے تو اسی طرح اصابت رائے کے لیے استعمال ہوتا ہے، معروف لغوی امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔"وقد يستعمل الصّدق والكذب في كلّ ما يحقّ ويحصل في الاعتقاد." (١)

قوله تعالى: قَالُوا سُبحَانَكَ لَا عِلمَ لَنَا إِلَّا مَا عَلَّمتَنَا:

یہ جملہ استنافیہ ہے، یعنی" كأنه قيل: فماذا؟ قالُوا: إذ ذاك." اور'' سُبحَانَكَ لَا عِلمَ لَنَا... ''مقولہ''قول'' ہے۔ "سبحان"[غفران] کی طرح مصدر (جو مشتق منہ ہو اور معنی مصدری پر دال ہو) ہے، یا علم مصدر (جو نہ مشتق منہ ہو اور نہ معنی مصدری پر دال ہو) ہے اور یا اسم مصدر (جو مشتق منہ نہ ہو، لیکن معنی مصدری پر دال ہو) ہے، تاہم مؤخر الذکر احتمال راجح ہے، مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔"اسم للمصدر الذي هو التسبيح." (٢)

''إِلَّا'' استثنائیہ ہے،''مَا''موصولہ ہے،''عَلَّمتَنَا''اس کا صلہ ہے اور عائد محذوف ہے، یا''مَا''مصدریہ ہے۔یعنی ملائکہ نے اپنے عجز و ناتوانی کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا۔ "سبحانك" توبہ توبہ!! یعنی "أي ننزلك من تخليق الشئى بلا علم وحكمة." ہم تیری پاکی بیان کرتے ہیں۔تیری کوئی چیز حکمت و فائدے سے خالی نہیں۔یہ دراصل اپنے کیے ہوئے سوال سے اعتذار ہے، اور حقیقت حال کا اظہار مقصود ہے، کیونکہ اللہ تعالی کی کوئی تخلیق وصنعت حکمتِ بالغہ سے خالی نہیں۔مفسر جلیل خطیب شربینیؒ فرماتے ہیں۔"قالوا أي: الملائكة إقراراً بالعجز وإشعاراً بأنّ سؤالهم كان استفساراً، ولم يكن اعتراضاً، وأنه قد بان لهم ما خفي عليهم من فضل الإنسان والحكمة في خلقه، وإظهاراً لشكر نعمته بما عرفهم وكشف لهم ما التبس عليهم." (٣)

علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں کہ علم کے من جملہ آداب میں سے ایک ادب یہ بھی ہے کہ اگر کوئی مسئلہ معلوم نہ ہو تو "لاأدري" کہنا چاہیے کہ مجھے اسکے متعلق علم نہیں، یہ کوئی معیوب بات نہیں، بلکہ یہ ملائکہ، انبیاء علیہم السلام اور سلف صالحین کی سنت ہے، چنانچہ امام مالکؒ سے چھیالیس مسائل پوچھے گئے۔آپؒ نے بتیس مسائل کے متعلق فرمایا۔مجھے ان کا کوئی علم نہیں۔

====================

(١) المفردات في غريب القرآن: ٤٧٩.

(٢) تفسیر کبیر: ٢٥/٨٦.

(٣) السراج المنير: ١/٤٧.

اس نوعیت کے واقعات بے شمار ہیں کہ جب سلف صالحین کو کسی مسئلہ کا علم نہ ہوتا تو وہ لاعلمی کے اظہار میں ذرہ بھر تامل نہیں فرماتے۔اور یہ بات ضروری ہے کہ جب کوئی مسئلہ معلوم نہ ہوتو لاعلمی کا اظہار کرنا واجب ہے۔(۱)

صحیح بخاری میں حدیث ہے کہ قربِ قیامت میں علماء کی موت کیساتھ علم اٹھا دیا جائے گا، جہلا رہ جائیں گے۔لوگ جاہلوں سے مسائل پوچھیں گے،تو وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور لوگوں کو بھی گمراہ کریں گے۔(۲)

قوله تعالى : ا إِنَّكَ أَنتَ العَلِيمُ الحَكِيمُ :

یہ ماقبل کی تعلیل ہے اور مبتداء وخبر دونوں معرفہ ہیں،جو حصر کا فائدہ دیتی ہیں اور جہاں حصر ہوتو وہاں ایک شئی کا اثبات اور دوسری شئی کی نفی ہوا کرتی ہے،تو یہاں بھی علم کو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے ثابت کیا جارہا ہے اور ملائکہ سے نفی کی جارہی ہے،مفسر جلیل **علامہ ابوالسعود فرماتے ہیں۔** وتلك الجملةُ تعليلٌ لما سبق من قصر علمِهم بما علّمهم الله تعالى وما يفهم من

====================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/ ۲۸۵-۲۸۶.

(۲) قال العلامة القرطبى رحمه الله: الواجب على من سئل عن علم أن يقول إن لم يعلم: الله أعلم ولا أدرى؛ اقتداء بالملائكة والأنبياء والفضلاء من العلماء، لكن قد أخبر الصادق أن بموت العلماء يقبض العلم، فيبقى ناس جهال يستفتون فيفتون برأيهم فيضلون ويضلون. وأما ما ورد من الاخبار عن النبى ﷺ وأصحابه والتابعين بعدهم فى معنى الآية، فروى البستى فى المسند الصحيح له عن ابن عمر أن رجلا سأل رسول الله ﷺ: أى البقاع شر قال: لا أدرى حتى أسأل جبريل، فسأل جبريل فقال: لا أدرى حتى أسأل ميكائيل فجاء فقال: خير البقاع المساجد وشرها الأسواق، وقال الصديق للجدة: ارجعى حتى أسأل الناس۔ وكان على يقول: وأبردها على الكبد ثلاث مرات، قالوا: وما ذلك يا أمير المؤمنين ؟ قال: أن يسأل الرجل عما لا يعلم فيقول: الله أعلم. وسأل ابن عمر رجل عن مسألة فقال: لا علم لى بها، فلما أدبر الرجل. قال ابن عمر: نعم! ما قال ابن عمر سئل عما لا يعلم فقال: لا علم لى به ذكره الدارمى فى مسنده... وقال مالك بن أنس: سمعت ابن هرمز يقول: ينبغى للعالم أن يورث جلسائه من بعده لا أدرى، حتى يكون أصلا فى أيديهم، فإذا سئل أحدهم عما لا يدرى قال: لا أدرى. وذكر الهيثم بن جميل قال: شهدت مالك بن أنس سئل عن ثمان وأربعين مسألة فقال: فى اثنتين وثلاثين منها: لا أدرى. قلت: ومثله كثير عن الصحابة والتابعين وفقهاء المسلمين، وإنما يحمل على ترك ذلك الرياسة وعدم الانصاف فى العلم، قال ابن عبد البر: من بركة العلم وآدابه الانصاف فيه، ومن لم ينصف لم يفهم ولم يتفهم. روى يونس بن عبد الأعلى قال سمعت ابن وهب يقول: سمعت مالك بن أنس يقول: ما فى زماننا شى أقل من الانصاف. قلت: هذا فى زمن مالك فكيف فى زماننا اليوم الذى عم فينا الفساد وكثر فيه الطغام وطلب فيه العلم للرئاسة لا للدراية بل للظهور فى الدنيا وغلبة الاقران بالمراء والجدال الذى يقسى القلب ويورث الضغن!! وذلك مما يحمل على عدم التقوى وترك الخوف من الله تعالى. [تفسیر قرطبی:۱/ ۲۸۵-۲۸۶].

ذلك من علم آدمَ عليه السلام بما خفىَ عليهم فكأنهم قالوا أنت العالمُ بكل المعلوماتِ التى مِن جُملتِها استعدادُ آدمَ عليه السَّلامُ لما نحن بمعزلٍ من الاستعداد له من العلوم الخفيةِ المتعلقةِ بما فى الأرضِ من أنواع المخلوقات التى عليها يدورُ فَلَكُ خلافةِ الحكيمِ الذى لا يفعلُ إلا ما تقتضيهِ الحِكمةُ ومن جملته تعليمُ آدمَ عليه السلام ما هو قابل من العلوم الكليةِ والمعارفِ الجزئيةِ المتعلقة بالأحكام الواردةِ على ما فى الأرض وبناء امر الخلافة عليها." (۱)

قوله تعالى : قَالَ يَا آدَمُ أَنبِئهُم بِأَسمائِهِم فَلَمَّا أَنبَأَهُم بِأَسمَائِهِم:

یہ بھی جملہ استنافیہ ہے۔"أَسمائِهِم"میں اضافت عہدی ہے،وہ مسمیات مراد ہیں،جن کے متعلق ملائکہ نے لاعلمی کا اظہار فرمایا،یعنی جب ملائکہ نے اپنی بے بسی اور عجز کا برملا اعلان کر دیا۔تو آدم علیہ السلام کو ارشاد ہوا کہ اپنے معلومات کا اظہار کرو،انہوں نے اپنے معلومات تکوینی کا اظہار کیا،جس کی وجہ سے ان کا مرتبہ اور مقام ساری کائنات پر واضح ہوا۔حضرت آدم علیہ السلام نے ہر شئی کا نام بمع حکمت بتا دیا۔مفسر جلیل علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں۔ "والمعنى فأنبأهم بأسمائهم مفصّلةً وبيّن لهم أحوالَ كلَ منهم وخواصَّه وأحكامَه المتعلقة بالمعاش والمعاد، فعلِموا ذلك لمّا رأَوا أنه عليه السلام لم يتلعثم فى شئ من التفاصيل التى ذكرها مع مساعدة ما بين الأسماءِ والمسميات من المناسبات والمشاكلات وغيرِ ذلك من القرائن الموجبةِ لصدق مقالاتِه عليه السلام." (۲)

قوله تعالى: قَالَ أَلَم أَقُل لَكُم إِنِّى أَعلَمُ غَيبَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضِ:

یہ ماقبل اجمالی حقیقت "انى أعلم مالاتعلمون" کا تفصیلی طور پر استحضار اور بیان ہے،مفسر جلیل قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔" استحضار لقوله تعالى: ﴿إِنِّى أَعلَمُ مَا لَا تَعلَمُونَ﴾ لكنه جاء به على وجه أبسط ليكون كالحجة عليه فإنه تعالى لما علم ما خفى عليهم من أمور السماوات والأرض وما ظهر لهم من أحوالهم الظاهرة والباطنة علم ما لا يعلمون." (۳)

یعنی اللہ تعالی نے بطور توبیخ ملائکہ کو کہا کہ میں نے تمہیں نہیں کہا تھا کہ میں ہی آسمانوں اور زمینوں کا غیب جانتا ہوں اور ہر چیز سے باخبر ہوں۔یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ علم کلی صرف اللہ تعالی ہی کا خاصہ ہے،مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔"دليل

---

(۱) تفسیر ابی السعود:۱/۸۵.

(۲) تفسیر ابی السعود:۱/۸٦.

(۳) تفسیر بیضاوی:۱/۷۰.

علـى أن أحـدا لا يـعـلـم مـن الغيب إلا ما أعلمه الله كالأنبياء أو من أعلمه من أعلمه الله تعالى فالمنجمون والكهان وغيرهم كذبة." (۱)

قوله تعالى : وَأَعلَمُ مَا تُبدُونَ وَمَا كُنتُم تَكتُمُونَ :

یہ جملہ ماقبل پر عطف ہے، اس کے متعلق مفسرین کرامؒ کے چند اقوال ہیں:۔

پہلا قول: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں۔ " مَا تُبدُونَ " سے ملائکہ کا یہ قول مراد ہے۔ "أتجعل من يفسد فيها ......" اور" وَمَا كُنتُم تَكتُمُونَ" سے وہ غرور و تکبر مراد ہے، جو ابلیس نے چھپایا تھا۔

دوسرا قول: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ " مَا تُبدُونَ" سے "أتجعل فيها ......" مراد ہے اور " وَمَا كُنتُم تَكتُمُونَ" سے فرشتوں کا یہ زعم مراد ہے کہ ہم سے کوئی اکرم واعلم مخلوق پیدا نہیں ہوگی۔

سے "أتجعل فيها ......" مراد ہے اور " وَمَا كُنتُم تَكتُمُونَ" کو

قوله تعالى : وَإِذ قُلنَا لِلمَلَائِكَةِ اسجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبلِيسَ أَبَى وَاستَكبَرَ وَكَانَ مِنَ الكَافِرِينَ ﴿٣٤﴾ وَقُلنَا يَا آدَمُ اسكُن أَنتَ وَزَوجُكَ الجَنَّةَ وَكُلَا مِنهَا رَغَدًا حَيثُ شِئتُمَا وَلَا تَقرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِينَ ﴿٣٥﴾ فَأَزَلَّهُمَا الشَّيطَانُ عَنهَا فَأَخرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيهِ وَقُلنَا اهبِطُوا بَعضُكُم لِبَعضٍ عَدُوٌّ وَلَكُم فِي الأَرضِ مُستَقَرٌّ وَمَتَاعٌ إِلَى حِينٍ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر شیطان اُس نے نہ مانا اور تکبر کیا اور تھا وہ کافروں میں اور ہم نے کہا اے آدم رہا کرو تو اور تیری عورت جنت میں اور کھاؤ اس میں جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اس درخت کے پھر تم ہو جاؤ گے ظالم پھر ہلا دیا اُن کو شیطان اس جگہ سے پھر نکالا اُن کو اس عزت وراحت سے کہ جس میں تھے اور ہم نے کہا تم سب اُترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھکانا ہے اور نفع اُٹھانا ہے ایک وقت تک۔

قوله تعالى : وَإِذ قُلنَا لِلمَلَائِكَةِ اسجُدُوا لِآدَمَ فَسَجَدُوا :

یہاں سے تیسری نعمت "تعظیم الملائکة لأبیکم" کا بیان ہے، کہ فرشتوں جیسی معصوم مخلوق نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔یعنی اللہ تعالی نے جب فرشتوں کو حضرت آدم علیہ السلام کے مرتبہ ومقام سے آگاہ کیا اور اسے زمین میں خلافت سے سرفراز فرمایا تو فرشتوں کو حکم دیا کہ تم آدم کو سجدہ کرو۔(۱)

اگر چہ واضح طور پر ہمیں معلوم نہیں کہ سجدہ کی کیفیت کیا تھی؟ تاہم اصول دین پر غور کرنے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ سجدہ بصورت عبادت نہ تھا، اس لیے کہ سجدہ عبادت صرف اور صرف اللہ تعالی ہی کے لیے ہے۔اب ہم مختصر طور پر آیت کی وضاحت کرتے ہیں۔

"وَإِذ قُلنَا لِلمَلَائِكَةِ اسجُدُوا" یہ ماقبل پر عطف ہے، عطف القصہ علی القصہ کے قبیل سے ہے، یا جملہ استنافیہ ہے۔"إِذ"، بعض مفسرین کرامؒ کے نزدیک "اذکر" مقدر کیساتھ متعلق ہے، تاہم اس تکلف کی ضرورت نہیں، بلکہ یہ "قلنا" کیساتھ متعلق ہے۔اس کی تحقیق ماقبل گزر چکی ہے۔

"اسجُدُوا" مقولہ قول ہے، سجدہ سے اصطلاحی سجدہ (سجدہ نماز) مراد نہیں، بلکہ لغوی سجدہ مراد ہے۔سجدہ کی دو قسمیں ہیں:۔

=====================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۱۳۴.

۱۔ سجدہ لغوی۔ ۲۔ سجدہ اصطلاحی۔

۱۔ سجدہ لغوی کا مفہوم: سجدہ لغت میں نفسِ تذلل وخضوع (عجز وانکساری) کو کہتے ہیں، معروف مفسر علامہ سمرقندیؒ فرماتے ہیں۔ فأصل السجود في اللغة : هو الميلان والخضوع والعرب تقول : سجدت النخلة إذا مالت وسجدت الناقة إذا طأطأت رأسها ومالت.(۱)

۲۔ سجدہ اصطلاحی کا مفہوم: اصطلاح میں سجدہ پیشانی کو عبادت کی نیت سے زمین پر رکھنے کو کہتے ہیں، مفسر جلیل علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں۔ "وفي الشرع: وضعُ الجبهة على الأرض على قصد العبادة." (۲)

اب اگر اس آیت میں سجدہ سے لغوی سجدہ مراد لیا جائے، تو اس پر کوئی اشکال وارد نہیں ہوتا، قرآن مجید میں سجدہ کا استعمال اس معنی میں عام ہے، ارشاد ہے۔ أَلَم تَرَ أَنَّ اللَّـهَ يَسجُدُ لَهُ مَن فِي السَّمَاوَاتِ وَمَن فِي الأَرضِ ......" (سورۃ الحج:۱۸) ایک جگہ ارشاد ہے۔ أَوَلَم يَرَوا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِن شَيءٍ يَتَفَيَّأُ ظِلَالُهُ عَنِ اليَمِينِ وَالشَّمَائِلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُم دَاخِرُونَ.(سورۃ النحل:۴۸) لیکن امام رازیؒ نے اس کو مرجوح قرار دیا ہے، چنانچہ فرماتے ہیں۔ " وأما القول الثالث فضعيف أيضا؛ لأن السجود لا شك أنه في عرف الشرع عبارة عن وضع الجبهة على الأرض، فوجب أن يكون في أصل اللغة كذلك؛ لأن الأصل عدم التغيير." (۳)

اور اگر سجدہ اصطلاحی مراد لیا جائے تو پھر اس پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ غیر اللہ کو سجدہ کرنا حرام اور شرک ہے، اللہ تعالی نے اس کا کیسے حکم دیا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سجدہ غیر اللہ کی طرف نہیں تھا، بلکہ مسجود لہ اللہ تعالی ہی تھا اور حضرت آدم علیہ السلام صرف مسجود الیہ تھے، یعنی محض جہت اور قبلہ کے طور پر تھے، اس صورت میں "لآدم" میں "لام"، "الی" کے معنی میں ہوگا۔ "أي اسجدوا الى ادم ." اور "لام" بمعنی "الی" کلام عرب میں مستعمل ہے، جیسے سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے مدح میں فرمایا تھا۔(۴)

أليس أول من صلى لقبلتكم وأعلم الناس بالقرآن والسنن

اسی طرح ظافر اسکندری کا شعر ہے۔

====================

(۱) بحر العلوم للسمرقندی:۱/

(۲) تفسیر ابی السعود:۱/۸۷.

(۳) تفسیر کبیر:۲/۴۲۸.

(۴) روح المعانی:۱/۲۲۹.

أنت المراد بنظم كل قصيدة — بنيت على الأفهام فى تبجيله

كسجود أملاك السماء لآدم — وسجودهم لله فى تأويله(١)

مذکورہ اشعار میں "لقبلتكم" اور "لاٰدم" **میں** "لام" ، "الى" **کے معنی میں ہے،لیکن اس توجیہ پر یہ اشکال وارد ہوتا ہے کہ اگر حقیقت میں سجدہ اللہ تعالیٰ کی طرف تھا اور حضرت آدم علیہ السلام محض قبلہ کے طور پر تھے،تو پھر ابلیس لعین نے کیسے انکار کیا ؟ حالانکہ ابلیس لعین نے اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے انکار نہیں کیا تھا، بلکہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کیا تھا، جس پر"** قَالَ أَأَسجُدُ لِمَن خَلَقتَ طِينًا قَالَ أَرَأَيتَكَ هَذَا الَّذِى كَرَّمتَ عَلَيَّ. . . **(سورۃ بنی اسرائیل:۶۱، ۶۲) وغیرہ آیات دال ہیں۔ نیز اس صورت میں حضرت آدم علیہ السلام کی کوئی فضیلت وکرامت ثابت نہیں ہوتی ؟مفسر جلیل امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔** "واعلم أن القول الأول ضعيف؛ لأن المقصود من هذه القصة شرح تعظيم آدم عليه السلام وجعله مجرد القبلة لا يفيد تعظيم حاله."**(٢)**

محققین حضرات کا نقطہ نظر یہ ہے کہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام ہی کو تھا،لیکن یہ سجدہ اپنی معہود ہیئت کیساتھ زمین پر پیشانی رکھنے کی صورت میں ہرگز نہ تھا، بلکہ صرف انحناء اور جھکنے کی صورت میں تھا،جس کو سجدہ تکریمی کہا جاسکتا ہے،سجدہ تکریمی امم سابقہ میں جائز تھا، پھر اس کے بعد منسوخ ہوکر حرام ٹھہرا۔لیکن سجدہ عبادتی تمام ادیان وملل میں غیر اللہ کے لیے حرام رہا، کیونکہ اس میں نہایت درجہ کی تعظیم ہے، جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی حضور میں کی جاتی ہے۔اب ہم اس سلسلہ میں مفسرین کرامؒ کے تصریحات نقل کرتے ہیں۔

=========================

(۱) روح المعانی:۱/ ۲۲۸.

(۲) تفسیر کبیر:۲/ ۴۲۸.

☆ قال الحافظ ابن كثير رحمه الله : وقال بعضهم: بل كانت السجدة لله وآدم قبلة فيها كما قال: أَقِمِ الصَّلاةَ لِدُلُوكِ الشَّمسِ (سورة الإسراء: ٧٨) وفى هذا التنظير نظر، والأظهر أن القول الأول أولى، والسجدة لآدم إكرامًا وإعظامًا واحترامًا وسلامًا، وهى طاعة لله عز وجل؛ لأنها امتثال لأمره تعالى، وقد قواه الرازى فى تفسيره وضعف ما عداه من القولين الآخرين، وهما كونه جعل قبلة؛ إذ لا يظهر فيه شرف والآخر: أن المراد بالسجود الخضوع لا الانحناء ووضع الجبهة على الأرض وهو ضعيف كما قال. [تفسیر ابن کثیر:۱/۲۳۲].

وقال الامام ابوبكر الجصاص رحمه الله: ومن الناس من يقول : إن السجود كان لله وآدم كان بمنزلة القبلة لهم وليس هذا بشىء ؛ لأنه يوجب أن لا يكون لآدم فى ذلك حظ من التفضيل والتكرمة .[أحکام القرآن:۱/ ۳۸].

معروف مفسر امام ابوبکر الجصاصؒ فرماتے ہیں۔

كانت تحيتهم السجود، وليس يمتنع أن يكون ذلك السجود عبادة لله تعالى وتكرمة وتحية لآدم عليه السلام، وكذلك سجود إخوة يوسف عليهم السلام وأهله له؛ وذلك لأن العبادة لا تجوز لغير الله تعالى والتحية والتكرمة جائزان لمن يستحق ضربا من التعظيم.(۱)

امم سابقہ میں سجدہ تعظیم کے مترادف ہوتا تھا، تاہم یہ بات بعید نہیں کہ یہ سجدہ اللہ تعالی کے لیے عبادت کے طور پر تھا اور حضرت آدم علیہ السلام کے لیے اعزار اور اکرام کے طور پر تھا اور برادرانِ یوسف کا سجدہ بھی اسی نوعیت کا تھا، اس لیے کہ غیر اللہ کی عبادت جائز نہیں اور قابل تعظیم شخص کا اعزاز واکرام جائز ہے۔

مفسر جلیل علامہ ابوالحسین بغویؒ فرماتے ہیں۔

وكان ذلك سجود تعظيم وتحية، لا سجود عبادة، كسجود إخوة يوسف له في قوله عز وجل: ﴿وخروا له سجدا﴾.[يوسف: ۰۰] ولم يكن فيه وضع الوجه على الأرض إنما كان الانحناء فلما جاء الإسلام أبطل ذلك بالسلام.(۲)

اور یہ سجدہ عبادت ہرگز نہ تھا، بلکہ سجدہ تعظیمی اور تکریمی تھا، جس طرح برادرانِ یوسف کا سجدہ تھا، جس کا تذکرہ اس آیت ''وخروا له سجدا'' میں ہے، یہ سجدہ متعارفہ نہیں تھا، جس میں زمین پر پیشانی رکھی جائے، بلکہ یہ محض انحناء (جھکاؤ) تھا، لیکن دین اسلام نے اسے ناجائز قرار دیا۔

امام فخر الدین رازیؒ رقم طراز ہیں۔

أجمع المسلمون على أن ذلك السجود ليس سجود عبادة؛ لأن سجود العبادة لغير الله كفر، والأمر لا يرد بالكفر.(۳)

اہل اسلام کا اس بات پر اجماع ہے کہ یہ سجدہ عبادتی نہیں تھا، اس لیے کہ غیر اللہ کو عبادت کے طور پر سجدہ کرنا کفر ہے اور کفر کا حکم نہیں دیا جاتا۔

======================

(۱) أحكام القرآن للجصاص: ۱/ ۳۸.

(۲) معالم التنزیل للبغوی: ۱/ ۸۱.

(۳) تفسیر کبیر للرازی: ۲/ ۴۲۷.

امام ابن العربی المالکیؒ فرماتے ہیں۔

اتفقت الأمة على أن السجود لآدم لم يكن سجود عبادة، وإنما كان على أحد وجهين: إما سلام الأعاجم بالتكفى والانحناء والتعظيم، وإما وضعه قبلة كالسجود للكعبة وبيت المقدس، وهو الأقوى ؛ لقوله فى الآية الأخرى :﴿ فقعوا له ساجدين﴾ ولم يكن على معنى التعظيم؛ وإنما صدر على وجه الإلزام للعبادة واتخاذه قبلة، وقد نسخ الله تعالى جميع ذلك فى هذه الملة (١).

امت مسلمہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ عبادت کے طور پر نہیں تھا، بلکہ اس کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں، یا یہ عجمی سلام تھا، جس میں تعظیم و تکریم ملحوظ ہوتا ہے، یا حضرت آدم علیہ السلام بطور قبلہ تھا، جس طرح کعبہ اور بیت المقدس کی طرف سجدہ کیا جاتا ہے، یہی بات اقوی ہے، اس کی تائید اس آیت ہوتی ہے، تاہم اس میں عبادت کا پہلو نہیں تھا، بلکہ آدم علیہ السلام قبلہ کے طور پر تھے، لیکن دین اسلام میں ان سب کو منسوخ قرار دیا گیا۔

جلیل القدر مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

واختلف الناس فى كيفية سجود الملائكة لآدم بعد اتفاقهم على أنه لم يكن سجود عبادة، فقال الجمهور : كان هذا امرا للملائكة بوضع الجباه على الأرض، كالسجود المعتاد فى الصلاة؛ لأنه الظاهر من السجود فى العرف والشرع، وعلى هذا قيل : كان ذلك السجود تكريما لآدم وإظهارا لفضله وطاعة لله تعالى.(٢)

ملائکہ کا حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہے، تاہم اس بات پر اتفاق ہے کہ یہ سجدہ عبادت نہ تھا، جمہور اہل علم فرماتے ہیں کہ فرشتوں کو زمین پر رکھنے کا حکم تھا، جیسے سجدہ نماز ہے ، اس لیے کہ سجدہ متعارفہ یہی ہے، اسی وجہ سے کہا گیا ہے کہ یہ سجدہ آدم علیہ السلام کی تکریم اور ان کی اظہارِ فضیلت کے لیے تھا اور اللہ تعالی کی اطاعت کے لیے تھا۔

=====================

(١) أحکام القرآن لابن العربی:١/٢٩.

(٢) تفسیر قرطبی:١/٢٩٣.

معروف مفسر حافظ ابن کثیرؒ رقم طراز ہیں۔

وقال بعض الناس: كان هذا سجود تحية وسلام وإكرام كما قال تعالى: ﴿وَرَفَعَ أَبَوَيهِ عَلَى العَرشِ وَخَرُّوا لَهُ سُجَّدًا وَقَالَ يَا أَبَتِ هَذَا تَأوِيلُ رُؤيَايَ مِن قَبلُ قَد جَعَلَهَا رَبِّى حَقًّا﴾. [سورة يوسف: ١٠٠] وقد كان هذا مشروعا فى الأمم الماضية، ولكنه نسخ فى ملتنا، قال معاذ: قدمت الشام فرأيتهم يسجدون لأساقفتهم وعلمائهم، فأنت يا رسول الله! أحق أن يسجد لك فقال: لا لو كنت آمرا بشرا أن يسجد لبشر، لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من عظم حقه عليها، ورجحه الرازى.(١)

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ سجدہ محض اکرام اوراعزار کے لیے تھا، جیسے اس آیت..میں ہے، اوراسی نوعیت کا سجدہ امم سابقہ میں مشروع تھا، لیکن ہماری شریعت میں منسوخ ہو چکا ہے، سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں ملک شام گیا۔ میں نے انہوں دیکھا کہ وہاں کے لوگ اپنے راہبوں اورارباب علم کو سجدہ کیا کرتے تھے، اللہ کے رسول ﷺ آپ تو سجدہ کے زیادہ لائق ہیں! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔نہیں نہیں! اگر میں کسی بشر کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا! تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرتی، اس لیے کہ عورت پر اپنے شوہر کا بہت زیادہ حق ہے۔ اسی توجیہ کو امام رازیؒ نے راجح قرار دیا۔

مفسر جلیل علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔

وفيه أن السجود الشرعى عبادة، وعبادة غيره سبحانه شرك محرم فى جميع الأديان و الأزمان، ولا أراها حلت فى عصر من الأعصار.(٢)

سجدہ شرعی عبادت ہے اور غیر اللہ کی عبادت شرک ہے، جو تمام ادیان میں حرام رہا، اور مجھے اس بات کا علم نہیں کہ اسی نوعیت کا سجدہ کسی زمانہ میں بھی جائز رہا ہو۔

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ اس پر اہل علم کا اتفاق ہے کہ اب سجدہ تعظیمی منسوخ ہو کر حرام ٹھہرا، لہذا اب کسی کے سامنے تعظیم وتکریم کے طور پر سر جھکانا اور سجدہ کرنا حرام وناجائز ہے، اب ہم اس سلسلہ میں سلف صالحین کے تصریحات نقل کرتے ہیں، تاکہ مسئلہ کی مدلل وضاحت ہو سکے۔

========================

(۱) تفسیر ابن کثیر: ۱/۲۳۲.

(۲) روح المعانی: ۱/۲۳۰.

شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

أما تقبيل الأرض ووضع الرأس ونحو ذلك مما فيه السجود مما يفعل قدام بعض الشيوخ وبعض الملوك فلا يجوز، بل لا يجوز الانحناء كالركوع أيضا، كما قالوا للنبي صلى الله عليه و سلم: الرجل منا يلقى أخاه أينحني له؟ قال: لا ولما رجع معاذ من الشام سجد للنبي صلى الله عليه و سلم فقال: ما هذه يا معاذ؟ قال: يارسول الله! رأيتهم في الشام يسجدون لأساقفتهم، ويذكرون ذلك عن أنبيائهم فقال: كذبوا عليهم، لو كنت آمرا أحدا أن يسجد لأحد لأمرت المرأة أن تسجد لزوجها من أجل حقه عليها يامعاذ! إنه لا ينبغي السجود إلا لله، و أما فعل ذلك تدينا وتقربا فهذا من أعظم المنكرات، ومن اعتقد مثل هذا قربة ودينا فهو ضال مفتر، بل يبين له أن هذا ليس بدين ولا قربة، فإن أصر على ذلك استتيب، فإن تاب وإلا قتل.(۱)

بعض مشائخ اور بادشاہوں کے سامنے جوز مین بوسی اور سر جھکایا جاتا ہے، یہ ازروئے شریعت جائز نہیں، بلکہ رکوع کی مانند جھکانا بھی جائز نہیں، جیسے ''ایک صحابیؓ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا۔ کہ ہم میں سے کوئی شخص جب اپنے بھائی سے ملے تو اس کے لیے سر جھکانا جائز ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا۔ نہیں! اسی طرح جب سیدنا معاذ رضی اللہ عنہ شام سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کے سامنے جھکے۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ معاذ! یہ کیوں؟ حضرت معاذؓ نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ! اہل شام اپنے راہبوں کو سجدہ کرتے ہیں اور اس فعل کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف کرتے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ انہوں نے انبیاء علیہم السلام پر جھوٹ بولا ہے! اگر میں کسی بشر کو سجدہ کرنے کا حکم دیتا! تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرتی، اس لیے کہ عورت پر اپنے شوہر کا بہت زیادہ حق ہے۔ اے معاذ! اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔'' اگر کوئی غیر اللہ کو سجدہ عبادت اور تقرب کی نیت سے کرتا ہے تو یہ سنگین جرم ہے اور جس شخص کا یہ اعتقاد ہو تو گمراہ اور مفتری ہے اور اس شخص سے کہا جائے گا کہ یہ عمل دین اور قربت الٰہی کا ذریعہ نہیں، اگر وہ اس عمل پر مصر رہے تو

====================

(۱) الفتاوی الکبریٰ:۱/۵۶، مجموعۃ الفتاویٰ:۱/۳۷۲۔

اس سے توبہ کا مطالبہ کیا جائے گا، اگر وہ توبہ تائب ہوا تو فبہا! ورنہ اسے قتل کیا جائے!
معروف مفسر علامہ قرطبیؒ رقم طراز ہیں۔

واختلف أيضا هل كان ذلك السجود خاصا بآدم عليه السلام فلا يجوز السجود لغيره من جميع العالم إلا لله تعالى أم كان جائزا بعده إلى زمان يعقوب عليه السلام لقوله تعالى: "ورفع أبويه على العرش وخروا له سجدا" (يوسف: ١٠٠) فكان آخر ما أبيح من السجود للمخلوقين والذى عليه الاكثر أنه كان مباحا إلى عصر رسول الله صلى الله عليه وسلم وأن أصحابه قالوا له حين سجدت له الشجرة والجمل: نحن أولى بالسجود لك من الشجرة والجمل الشارد فقال لهم: لا ينبغى أن يسجد لاحد إلا لله رب العالمين..(١)

اس بات میں بھی اختلاف ہے کہ کیا یہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کیساتھ خاص تھا، پس اللہ تعالی کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔ یا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ تک جائز تھا، جیسے قرآن مجید میں ہے۔۔۔ یہ آخری وقت تک جب مخلوق کے لیے سجدہ مباح تھا، اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کو درخت اور اُونٹ نے سجدہ کیا تو صحابہؓ نے عرض کیا حضور! ہم درخت اور بدکے ہوئے اونٹ کی نسبت آپ کو سجدہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں! رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالی کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔
معروف حنفی مفسر علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔

لاينبغى لمخلوق أن يسجد الا لله .(٢)

مخلوق کے لیے اللہ تعالی کے سوا کسی کو سجدہ کرنا جائز نہیں۔
مفسر جلیل علامہ ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں۔

وقد نقل أن السجود كان فى شريعة من قبلنا هو التحية، ونسخ ذلك فى الإسلام (٣).

===================

(١) تفسیر قرطبی: ا/٢٩٣.
(٢) تفسیر النسفی: ا/٤٠.
(٣) البحر المحیط: ا/٢٤٧.

اہل علم سے یہ بات منقول ہے کہ دین اسلام سے قبل شریعتوں میں سجدہ تعظیمی مشروع تھا، تاہم دین اسلام میں منسوخ ٹھہرا۔

معروف شارح علامہ ابن نجیم مصری حنفیؒ رقم طراز ہیں۔

وما يفعله الجهال من تقبيل يد نفسه إذا لقى غيره فمكروه، وما يفعله من السجود بين يدى السلطان فحرام، والفاعل والراضى به آثمان ؛ لأنه أشبه بعبدة الأوثان، و ذكر الصدر الشهيد أنه لا يكفر بهذا السجود ؛لأنه يريد به التحية . و قال شمس الأئمة السرخسى: السجود لغير الله على وجه التعظيم كفر.(١)

بعض جہلاء کسی (بزرگ) سے مصافحہ کرنے کے بعد اپنے ہاتھوں کو چومتے ہیں تو یہ شرعاً مکروہ ہے اور بعض جہلاء بادشاہوں کو سجدہ کرتے ہیں سو یہ حرام ہے، یہ عمل کرنے والا اور اس پر راضی ہونے والا دونوں گنہگار ہیں، اس لیے کہ یہ بت پرستوں کی روش ہے۔ علامہ صدر الشہیدؒ فرماتے ہیں کہ اس فعل کے مرتکب کی تکفیر نہیں کی جائے گی، کیونکہ اس کا مقصد تعظیم ہے اور شمس الائمہ سرخسیؒ فرماتے ہیں کہ غیر اللہ کو تعظیم کی نیت سے سجدہ کرنا کفر ہے۔

معروف محدث مُلا علی قاریؒ فرماتے ہیں۔

ما يفعل كثيرون من الجهلة السجدة بين يدى المشايخ فإن ذلك حرام قطعا بكل حال سواء كانت إلى القبلة أو إلى غيرها وسواء قصد السجود لله تعالى أو غفل عنه(٢) .

اکثر جاہل اپنے مشایخ کو سجدہ کرتے ہیں سو یہ قطعی طور پر بہر حال حرام ہے، خواہ قبلہ کے طور پر ہو یا کسی اور غرض کے لیے ہو، خواہ ان کا مقصود اللہ تعالیٰ کو سجدہ ہو یا یہ نیت نہ ہو۔

علماء ہند کا متفقہ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے۔

والتواضع لغير الله حرام، كذا فى الملتقط: من سجد للسلطان على وجه التحية أو قبل الأرض بين يديه لا يكفر، ولكن يأثم لارتكابه الكبيرة هو المختار. قال الفقيه أبو جعفر رحمه الله تعالى: وإن سجد للسلطان بنية العبادة، أو لم تحضره النية فقد كفر

=====================

(١) البحر الرائق: ٢٢٦/٨.

(٢) مرقاۃ المفاتیح: ٩٠١/٣.

، كذا في جواهر الأخلاطي.(١)

غیر اللہ کے سامنے تذلل حرام ہے، اسی طرح ملتقط نامی کتاب میں ہے کہ جس شخص نے تعظیم کی نیت سے بادشاہ کو سجدہ کیا اور اس کے سامنے زمین بوسی کی، اس فعل کے مرتکب کی تکفیر نہیں کی جائے گی، لیکن گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی وجہ سے گنہگار رہوگا اور یہی قول مختار ہے۔ فقیہ ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے عبادت کی نیت سے بادشاہ کو سجدہ کیا یا اس کی کوئی نیت نہ ہو تو اس نے کفر کا ارتکاب کیا، اسی طرح جواہر الاخلاطی نامی کتاب میں ہے۔

علماء عرب کا متفقہ فتاویٰ اللجنۃ الدائمۃ للبحوث العلمیۃ والإفتاء میں ہے۔

السجود لغير الله شرك، والذبح لغير الله شرك، أيضا فمن سجد لغير الله، أو ذبح لغير الله بعد بيان حكم ذلك له فهو مشرك كافر لا يقبل الله منه صرفا ولا عدلا، وإن صلى وصام؛ فإن أعمال المشرك لا تقبل منه، وإذا مات على الشرك، فإن الله لا يغفر له.(٢)

غیر اللہ کو سجدہ کرنا شرک ہے اور غیر اللہ کے نام پر جانور ذبح کرنا شرک ہے، اسی طرح جس شخص نے غیر اللہ کو سجدہ کیا یا غیر اللہ کے نام پر کوئی چیز ذبح کی تو وہ کافر اور مشرک ہے، اللہ تعالیٰ اس کی کسی قسم کی عبادت قبول نہیں فرماتے، اگر چہ وہ نمازی اور روزہ دار کیوں نہ ہو۔ اس لیے کہ مشرک کا کوئی عمل قبول نہیں ہوتا، اگر وہ اسی مشرک پر مرا تو اللہ تعالیٰ اس کی مغفرت نہیں فرمائیں گے۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں۔

سجدہ کردن بسوئے قبور اولیاء حرام است(٣)۔

اولیاء کرامؒ کی قبور کی طرف سجدہ کرنا حرام ہے۔

علامہ نواب صدیق حسن خان قنوجیؒ فرماتے ہیں۔

========================

(١) الفتاوى الهندية:٥/٣٦٨.

(٢) اللجنة الدائمة للبحوث العلمية والإفتاء:١/٣٣٦.

(٣) مالابُد منه:٨١.

لأن المنهى عنه وهو السجود لغير الله سبحانه إنما هو فى شريعته صلى الله عليه و سلم لوقوعه فى شرع من قبله كسجود يعقوب وزوجته ليوسف عليهم السلام حين دخلا عليه كما حكاه الله سبحانه(۱)

شریعت اسلامیہ میں غیر اللہ کو سجدہ کرنا ممنوع ہے، تاہم دیگر شرائع میں جائز رہا، جیسے حضرت یعقوب علیہ السلام اوران کے رفیقہ حیات نے اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا تھا، جب یہ دونوں اس کے دربار میں تشریف لے گئے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔

محدث کبیر علامہ شاہ عبد العزیزؒ فرماتے ہیں۔

فان السجدة لغير الله حرام ،والذبح لغير الله حرام . (۲)

غیر اللہ کو سجدہ کرنا اوراس کے نام پر ذبح کرنا حرام ہے۔

پیر بابا تذکرۃ الأبرار والأشرار میں فرماتے ہیں۔

اذا سجد للسلطان على وجه التحية لا يكفر ولكن اثم(۳)

اگر کوئی بادشاہ کے سامنے سر جھکائے تو گنہگار ہوگا، لیکن اس کی تکفیر نہیں کی جائے گی۔

ایک جگہ رقم طراز ہیں۔

وائے! برقوم سجدہ بنام پیران کن۔(۴)

افسوس صد افسوس! اس قوم پر جو پیروں کو سجدہ کرے۔

مفتی کفایت اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں۔

سجدہ تعظیمی غیر اللہ کو حرام ہے اور بہ نیت عبادت کفر ہے۔(۵)

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر سجدہ لغوی مراد لیا جائے تو کوئی اشکال نہیں، اور اگر سجدہ اصطلاحی مراد لی جائے تو سجدہ تکریمی ہے، جو اب منسوخ ہو کر حرام ٹھہرا ہے اور سجدہ عبادتی تو تمام ملل و ادیان میں ناجائز و حرام رہا ہے۔

=======================

(۱) أبجد العلوم الوشي المرقوم في بيان أحوال العلوم: ۱/ ۱۳۷.

(۲) فتاویٰ عزیزیہ: ۱/ ۱۰۸، ۶۱۴.

(۳) تذکرۃ الأبرار والأشرار:

(۴) المصدر السابق:

(۵) کفایت المفتی: ۱/ ۲۲۳.

مسئلہ خوارق العادات پر ایک نظر:

حافظ ابن کثیرؒ اور دیگر مفسرین کرامؒ نے یہاں خوارق العادات کی بحث چھیڑی ہے کہ اگر کسی شخص سے خرقِ عادت کوئی کام سرزد ہو جائے، تو یہ اس کی ولایت و بزرگی کی دلیل نہیں ہو سکتی، جب تک وہ قرآن وسنت پر عامل نہ ہو اور شریعت کا پابند نہ ہو۔ تاہم بعض جاہل صوفیاء اور روافض کا نظریہ ہے کہ کرامت ولایت کی دلیل ہوتی ہے، اگر ولی نہ ہوتا تو اللہ تعالی اس کے ہاتھ پر کرامات ظاہر نہ فرماتا۔ معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔" قال علماؤنا رحمة الله عليهم: ومن أظهر الله تعالى على يديه ممن ليس بنبي كرامات وخوارق للعادات، فليس ذلك دالا على ولايته خلافا لبعض الصوفية والرافضة حيث قالوا: إن ذلك يدل على أنه ولي؛ إذ لو لم يكن وليا ما أظهر الله على يديه ما أظهر. ودليلنا: أن العلم بأن الواحد منا ولي لله تعالى لا يصح إلا بعد العلم بأنه يموت مؤمنا، وإذا لم يعلم أنه يموت مؤمنا لم يمكنا أن نقطع على أنه ولي لله تعالى؛ لأن الولي لله تعالى من علم الله تعالى أنه لا يوافي إلا بالإيمان. ولما اتفقنا على أننا لا يمكننا أن نقطع على أن ذلك الرجل يوافي بالإيمان، ولا الرجل نفسه يقطع على أنه يوافي بالإيمان، علم أن ذلك ليس يدل على ولايته لله. قالوا: ولا نمنع أن يطلع الله بعض أوليائه على حسن عاقبته وخاتمة عمله وغيره معه." (۱)

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ اگر اللہ تعالی کے نیک بندوں سے کوئی خلافِ عادت فعل سرزد ہو جائے تو اُسے کرامت کہتے ہیں، اور اگر کسی فاسق و فاجر آدمی سے اس طرح کا کام صادر ہو جائے تو اسے استدراج کہا جاتا ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے دل میں یہ آیت "فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَاءُ بِدُخَانٍ مُبِينٍ "(سورۃ الدخان:۱۰) سوچ کر ابن صیاد سے پوچھا کہ میں نے کیا سوچا ہے؟ تو اس نے کہا۔ "دُخ". (۲)

اسی طرح احادیث صحیحہ میں دجال سے بہت ایسے خرقِ عادت امور کا صادر ہو جانا وارد ہے، جیسے بارش کا برسانا، زمین سے سبزہ اُگانا، زمین کے خزانوں کا اسکے پیچھے لگنا اور قتل کے بعد دوبارہ زندہ کر دینا وغیرہ۔

حضرت لیث بن سعدؒ اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں۔، إذا رأيتم الرجل يمشي على الماء ويطير في الهواء فلا تغتروا

======================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/ ۲۹۷-۲۹۸.

(۲) أخرجه البخاري، باب إذا أسلم الصبي فمات هل يصلى عليه وهل يعرض على الصبي الإسلام: ۱/ ٤٥٤، رقم: ۱۲۸۹، ومسلم، باب ذكر ابن صياد: ٤/ ۲۲٤۰، وأبوداؤد، باب في خبر ابن صياد: ٤/ ۲۱۰، رقم: ٤۳۳۱.

به حتى تعرضوا أمره على الكتاب والسنة.(١)

اگرتم کسی کو پانی پر چلتے ہوئے اور ہوا میں اڑتے ہوئے دیکھو، تو اس کو اللہ تعالی کا ولی ہرگز نہ سمجھنا جب تک اسکے تمام افعال واعمال قرآن وسنت کے مطابق نہ ہوں۔

قوله تعالى: إِلَّا إِبلِيسَ:

''إِلَّا إِبلِيسَ ''اس استثناء میں مفسرین کرامؒ کے دوقول ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ استثناء متصل ہے، کیونکہ ابلیس ملائکہ میں رہتا تھا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ استثناء منقطع ہے، اس لیے ابلیس ملائکہ کے جنس سے نہ تھا، مفسر جلیل علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔"الاستثناء متصل؛ لأنه كان من الملائكة، كذا قاله على، وابن عباس، وابن مسعود رضى الله عنهم؛ ولأن الأصل أن الاستثناء يكون من جنس المستثنى منه؛ ولهذا قال:﴿مَا مَنَعَكَ أَلَّا تسجد﴾ إذ أمرتك وقوله:﴿كان من الجن﴾ معناه: صار من الجن كقوله:﴿فَكَانَ مِنَ المغرقين﴾. وقيل: الاستثناء منقطع؛ لأنه لم يكن من الملائكة، بل كان من الجن بالنص، وهو قول الحسن وقتادة. ولأنه خلق من نار، والملائكة خلقوا من النور. ولأنه أبى وعصى واستكبر والملائكة لا يعصون الله ما أمرهم ولا يستكبرون عن عبادته، ولأنه قال: ﴿أَفَتَتَّخِذُونَهُ وذريته أولياء من دونى﴾ ولا نسل للملائكة. (٢) ☆

===================

(١) تفسیر ابن کثیر:١/٢٣٢-٢٣٣.

(٢) تفسیر النسفی:١/٨٠.

☆ قال العلامة الآلوسى رحمه الله:ثم المشهور أن الاستثناء متصل إن كان من الملائكة، ومنقطع إن لم يكن منهم. وقد علمت تكلفهم لاتصاله مع قولهم بالثانى، وقد شاع عند النحاة والأصوليين: أن المنقطع هو المستثنى من غير جنسه، والمتصل: هو المستثنى من جنسه. قال القرافى فى العقد المنظوم: وهو غلط فيهما فإن قوله تعالى: ﴿لا تَأْكُلُوا أَموالَكُم بَينَكُم بِالباطِلِ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجارَةً﴾[النساء:٢٩] ﴿لا يَذُوقُونَ فِيهَا المَوتَ إِلَّا المَوتَةَ الْأُولى﴾[الدخان:٥٦] ﴿وَما كانَ لِمُؤمِنٍ أَن يَقتُلَ مُؤمِناً إِلَّا خَطَأً﴾ [النساء:٩٢] الاستثناء فيه منقطع مع أن المستثنى من جنس ما قبله، فيبطل الحدان. والحق أن المتصل ما حكم فيه على جنس ما حكمت عليه أو لا بنقيض ما حكمت به، ولا بد من هذين القيدين، فمتى انخرم أحدهما فهو منقطع بأن كان غير الجنس سواء حكم عليه بنقيضه أو لا نحو: رأيت القوم إلا فرسا. فالمنقطع نوعان، والمتصل نوع واحد، ويكون المنقطع كنقيض المتصل، فإن نقيض المركب بعدم اجزائه فقوله تعالى: ﴿لا يَذُوقُونَ﴾ إلخ منقطع بسبب الحكم بغير النقيض ؛لأن نقيضه ذاقوه فيها، وليس كذلك وكذلك﴿ إِلَّا أَن تَكُونَ تِجارَةً﴾؛ لأنها لا تؤكل بالباطل بل بحق وكذلك﴿ إِلَّا خَطَأً﴾؛ لأنه ليس له القتل مطلقا، وإلا لكان مباحا فتنوع المنقطع حينئذ إلى ثلاثة الحكم على الجنس بغير النقيض، =

یعنی ملائکہ نے اللہ تعالی کے امر کے سامنے سرِ تسلیم خم کرتے ہوئے سجدہ کیا، اور ابلیس لعین نے غرور وتکبر کرتے ہوئے سجدے سے انکار کیا۔ اور سجدے کا حکم ابلیس کو بھی دیا گیا تھا، چنانچہ سورۃ الأعراف آیت: ۱۳ میں اس کی تصریح موجود ہے، البتہ ملائکہ کا تذکرہ تغلیباً کیا گیا ہے، اور اگر بالفرض یہ مامور بالسجدۃ نہیں تھا تو پھر اس نے انکار کیوں کیا؟؟

ابلیس کی اصلیت کیا تھی، جن یا فرشتہ؟

اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ ابلیس فرشتوں کی جنس سے ہے یا جنات کی جنس سے۔ امام حسن بصریؒ اور جمہور اہل علم فرماتے ہیں کہ ابلیس جنات میں سے ہے، اور یہی قول راجح ہے، اس لئے کہ دونوں کی حقیقت و ماہیت جدا جدا ہے، فرشتوں کی ماہیت نور اور جنات کی ماہیت نار ہے، قرآن مجید میں ہے۔ وَالـجَـانَّ خَـلَـقـنَـاهُ مِـن قَـبـلُ مِن نَارِ السَّمُومِ .(سورۃ الحجر: ۲۷) ایک جگہ ارشاد ہے۔ وَخَلَقَ الجَانَّ مِن مَارِجٍ مِن نَارٍ . (سورۃ الرحمٰن: ۱۵) ایک جگہ فرمایا۔ كَانَ مِنَ الجِنِّ فَفَسَقَ عَن أَمرِ رَبِّهِ. (سورۃ الکہف: ۵۰) وغیرہ ذلک..(۱)

مفسر معروف مفسر علامہ ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ وأنـه أبـو الـجـن كـمـا أن آدم أبـو البشـر، ولـم يكن قط ملكاً.(۲)

ایک عجیب لطیفہ:

بعض لوگوں کو لایعنی قسم کے سوالات کی عادت ہوتی ہے کہ ایسے سوال کرتے ہیں، جن میں نہ دنیوی کوئی فائدہ ہوتا ہے اور نہ ہی اخروی فوائد ہوتے ہیں اور بعض تو ہر مسئلہ کے اسباب وعلل کے متعلق دریافت کرتے ہیں کہ اس بات کی علت کیا ہے؟ اس کے کیا اسباب ہو سکتے ہیں؟ یہ معاملہ کیوں پیش آیا؟ اس طرح کیوں ہوا؟ وغیرہ وغیرہ۔

سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ میں روایت ہے۔ من حسن إسلام المرء تركه ما لا يعنيه.(۳)

مسند أحمد میں سیدنا مغیرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔ إن الله كره لكم قيل وقال وكثرة السؤال..(٤)

========================

= والحكم على غيره به أو بغيره. والمتصل نوع واحد. فهذا هو الضابط وقيل: العبرة بالاتصال والانفصال الدخول فى الحكم وعدمه لا فى حقيقة اللفظ وعدمه فتأمل ترشد. (تفسیر روح المعانی: ۱/۲۳۲)

(۱) الجامع لأحکام القرآن: ۱/۲۹۴، البحر المحیط: ۱/۲۴۸.

(۲) البحر المحیط: ۱/۲۴۸.

(۳) أخرجه الترمذی: ٤/٥٥٨، رقم: ٢٣١٧، وابن ماجة: ٢/١٣١٥، رقم: ٣٩٧٦.

(۴) مسند أحمد: ۴/۲۴۶، رقم: ۱۸۱۷۲.

سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت ہے۔

”إن الله رضى لكم ثلاثًا وكره لكم ثلاثًا رضى لك أن تعبدوه ولا تشركوا به شيئًا و أن تعتصموا بحبل الله جميعًا ولا تفرقوا وتسمعوا وتطيعوا لمن ولاه الله أمركم وكره لكم قيل وقال وكثرة السؤال وإضاعة المال.“ (١)

اس قسم کا ایک لایعنی سوال تابعی جلیل امام شعبیؒ سے کسی کیا۔”هل لإبليس زوجة ؟“ کیا ابلیس کی بیوی ہے؟ یعنی ابلیس نے شادی کی ہے یا نہیں؟، تو آپؒ نے فرمایا۔ ذلك عرس لم أشهده!! میں اس شادی میں حاضر نہیں تھا۔(۲)

ابلیس کا نام اور اس کی وجہ تسمیہ:

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ابلیس کا نام عزازیل ہے، اور بعض حضرات نے حارث بتایا ہے، لیکن اس کا ثبوت کسی صحیح روایت میں نہیں ملتا، البتہ ایک موقوف روایت میں سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا نام ابلیس منقول ہے۔

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ابلیس (بروزن ”افعیل“) ”ابلاسَ“ سے مشتق ہے، جس کے معنی سخت ناامیدی کے باعث غمگین ہو کر ششدر اور متحیر ہو جانے کے ہیں، چونکہ شیطان بھی رحمت الٰہی سے ناامید اور مایوس ہے، اس لیے اسے ابلیس کہا جاتا ہے۔ مفسر جلیل علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔”قال أبو جعفر: وإبليس إفعِيل من الإبلاس، وهو الإياس من الخير والندمُ والحزن. عن ابن عباس قال: إبليس أبلسه الله من الخير كله وجعله شيطانًا رجيمًا عقوبة لمعصيته. عن السُّدّيّ قال: كان اسم إبليس ”الحارث“ وإنما سمى إبليس حين أبلس متحيِّرًا.(٣)

لیکن معروف مفسر علامہ زمخشریؒ فرماتے ہیں کہ یہ عجمی لفظ ہے، اس کو ”ابلاس“ سے مشتق بتانا صحیح نہیں، کیونکہ یہ غیر منصرف ہے اور غیر منصرف کے لیے اسباب منع میں سے دو سبب یا ایک سبب جو دو کے قائم مقام ہو کا پایا جانا ضروری ہوتا ہے اور ”ابلاس“ مشتق ہونے کی صورت میں بجز علمیت کے اس میں کوئی سبب نہیں پایا جاتا ہے، لہذا غیر منصرف ہونا اس کے عجمی ہونے کی دلیل ہے۔ علامہ زمخشریؒ رقم طراز ہیں۔ ”وكذلك إبليس أعجمى، وليس من الإبلاس كما يزعمون.“ (٤)

======================

(۱) مسند احمد:۲/۳۶۰، رقم:۸۷۰۳.

(۲) محاسن التأویل:۱/۲۹۱.

(۳) تفسیر طبری:۱/۵۰۹.

(۴) تفسیر الکشاف:۳/۲۳.

قوله تعالى: أَبَى وَاستَكبَرَ:

یہ انکارِ سجدہ کی علت ہے اور عطف العلۃ علی المعلول کے قبیل سے ہے۔"أبـــــى" کا معنی ہے کہ ابلیس نے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔"استکبر" کا لفظ "استکبار" سے ماخوذ ہے،اس کا معنی "استعظام" ہے،یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھنا ہے،اس میں اس بات کی اشارہ ہے کہ ابلیس کا تعمیل حکم سے انکار کسی غلط فہمی یا اشتباہ کی بنیاد پر نہ تھا، بلکہ غرور وتکبر اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے تھا،مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔"فكأنه كره السجود فى حقه واستعظمه فى حق آدم، فكان ترك السجود لآدم؛ تسفيها لأمر الله وحكمته."(۱)

ابلیس لعین نے انکار اور ہٹ دھرمی کی وجہ یہ بتائی کہ میں آدم سے بہتر ہوں، میں ناری اور یہ خاکی! کہاں آگ اور کہاں مٹی؟ میں اعلی ہو کر ادنی کے سامنے کیسے سر تسلیم خم کروں؟ اور کہا۔ ﴿أَنَا خَيرٌ مِنهُ خَلَقتَنِي مِن نَارٍ وَخَلَقتَهُ مِن طِينٍ﴾[ص:٧٦]اور یہ کہا۔ ﴿ءَأَسجُدُ لِمَن خَلَقتَ طِيناً﴾ [الاسراء:٦١] اور کہنے لگا۔ ﴿لَم أَكُن لِأَسجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقتَهُ مِن صَلصالٍ مِن حَمَإٍ مَسنُونٍ﴾[الحجر:٣٣]

الغرض ابلیس لعین نے اپنے مادہ اور عنصر آگ کو آدم علیہ السلام کے عنصر مٹی پر ترجیح دی اور ایک اختراعی فاسد قیاس تشکیل دیا کہ جو شئی اصل کے لحاظ سے اعلی ہو اس لیے یہ زیب نہیں دیتا ہے کہ وہ اسے سجدہ کرے جو اصل کے لحاظ ادنی ہو،لہذا میں اصل کے اعتبار سے اعلی ہوں تو ادنی کے سامنے کیسے سر تسلیم خم کردوں؟! لیکن ابلیس لعین کا قیاس فاسد اور محض سفسطہ تھا،اول یہ ہے کہ یہ قیاس نص صریح کے مقابلہ تھا،دوسری وجہ یہ ہے کہ یہ کلیہ غیر مسلم ہے کہ آگ کا عنصر مٹی کے عنصر سے بہتر ہے، بلکہ حقیقت اس کے برعکس ہے،اس لیے کہ آگ کی مزاج میں تیزی،فساد، بربادی،تخریب،خیانت،تعلی اور بگاڑ پائی جاتی ہے،قیمتی سے قیمتی چیز کو جلا کر راکھ بنادیتی ہے،ایک لمحہ میں خوبصورت محلات کو پیوند خاک کردیتی ہے!جب کہ مٹی کی طبعیت میں استقرار،تعمیر ،تجدید،تخلیق،اصلاح،دیانت اور عجز وانکساری پائی جاتی ہے،اگر اس میں بیج ڈالیں تو اس سے ایک خوبصورت تن آور سبز وبرگ درخت تیار ہوتا ہے اور لہلہاتے ہوئے باغات معرض وجود میں آتے ہیں،مختلف قسم کے پھل اور پھول مہیا کرتی ہے اور یہ مٹی ہی ہے،جو جملہ حیوانات کی کفالت کرتی ہے۔الغرض مٹی کے آگ پر فوقیت کی بے شمار وجوہات ہیں،لیکن ابلیس لعین کے تکبر اور غرور نہیں ان سب خوبیوں کو نظر انداز کیا۔اور اس کی ہٹ دھرمی نے اسے راندہ درگاہ بنادیا۔یہی حال ہر اس شخص کا ہوگا،جس نے قرآن وسنت کو یکسر رد کردیا اور اس کے مقابلہ میں اپنی اختراعی اور خانہ زاد رائے پیش کرنے کی جسارت کی۔مفسر جلیل علامہ

=====================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۹٦.

قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "فکل من سفَّه شيئا من أوامر الله تعالى أو أمر رسوله عليه السلام كان حكمه حكمه، وهذا ما لا خلاف فيه." (۱)

صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

"إِذَا قَرَأَ ابنُ آدَمَ السَّجدَةَ فَسَجَدَ اعتَزَلَ الشَّيطَانُ يَبكِي يَقُولُ يَا وَيلَهُ! وفي رواية: يَا وَيلِي أُمِرَ ابنُ آدَمَ بِالسُّجُودِ فَسَجَدَ فَلَهُ الجَنَّةُ، وَأُمِرتُ بِالسُّجُودِ فَأَبَيتُ فَلِي النَّارُ."(۲)

جب انسان آیت سجدہ پڑھتا ہے، پھر سجدہ کرتا ہے، تو شیطان رونے لگتا ہے اور کہتا ہے ہائے افسوس! انسان کو سجدہ کا حکم دیا گیا تو اس نے سجدہ کیا، اور اس کے لیے جنت ہے اور مجھے سجدہ کا حکم دیا گیا میں نے انکار کیا تو میرے لیے جہنم ہے۔

قوله تعالى : وَكَانَ مِنَ الكَافِرِينَ :

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ "کان"، "صار" کے معنی میں ہے، جیسے قرآن مجید میں ہے۔﴿ فَكَانَ مِنَ المُغرَقِينَ﴾ .(سورۃ ہود:۴۳). بعض حضرات نے اس توجیہ کو محل نظر قرار دیا، تاہم معروف لغوی علامہ زبیدیؒ فرماتے ہیں۔"و مِن أَقسامِ كانَ الناقِصَة أَن تأتى بمَعنَى صارَ: كقَولِه تعالَى: ﴿وكانَ مِن الكَافِرينَ﴾.قال ابنُ بَرِّى: ومنه قَولُه تَعَالَى أَيضاً: ﴿كُنتُم خَيرَ أُمَّةٍ﴾، ومنه قَولُه تَعَالَى: ﴿فَإِذا انشَقَّتِ السَّماءُ فكانت وَردَةً كالدِّهان﴾، وقَولُه تَعَالَى: ﴿وكانتُ الجِبالُ كَثِيباً مَهِيلاً﴾، وقَولُه تَعَالَى: ﴿وَمَا جَعَلنا القِبلَةَ الَّتِى كُنتَ عَلَيهَا﴾، أَى صِرتَ إِلَيهَا، وقَولُه تَعَالَى: ﴿كيفَ نُكَلِّمُ مَن كانَ فِى المَهدِ صَبِيّاً﴾. (۳)

جمہور مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ یہاں مجاز بالحذف ہے۔"أى كان فى علم الله.." یعنی اللہ تعالی کے علم میں تھا وہ کفر کرے گا، لیکن اس کا کفر اس وقت ظاہر ہوا جب اس نے سجدہ سے انکار کیا۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔"وقال جمهور المتأولين: المعنى: أى كان فى علم الله تعالى أنه سيكفر؛ لأن الكافر حقيقة والمؤمن حقيقة هو الذى قد علم الله منه الموافاة. قلت: وهذا صحيح لقوله ﷺ فى صحيح البخارى: وإنما الأعمال بالخواتيم." (٤)

====================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۹۶.

(۲) صحیح مسلم:۱/۸۷، رقم:۸۱، سنن ابن ماجہ:۱/۳۳۴، رقم:۱۰۵۲.

(۳) تاج العروس:۳۶/۷۶.

(۴) تفسیر قرطبی:۱/۲۹۷.

اول الذکر توجیہ کے مطابق یہ جملہ معطوفہ ہے۔"واو"عاطفہ لاکر اس بات کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ بالذات انکار اور استکبار کفر ہے، اگر ''ف'' مذکور ہوتا تو اس سے سببیت کا مفہوم مستفاد ہوتا ہے، اور ثانی الذکر توجیہ مطابق کے یہ استیناف بیانی ہے، یعنی جملہ مستانفہ سوال مقدر کا جواب ہے کہ ابلیس لعین نے انکار اور تکبیر کیوں کیا؟ تو جواب دیا کہ وہ کافر تھا۔ایک شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

آدم چوں استغفار کرد مقبول شد ابلیس چوں انکار کرد مردود شد

قوله تعالى : وَقُلْنَا يَا آدَمُ اسكُن أَنتَ وَزَوجُكَ الجَنَّة:

یہ جملہ ماقبل پر عطف ہے، یہاں علی سبیل الایجاز مکالمہ ابلیس، استحقاق لعنت اور اخراج وامہال وغیرہ امور کو نظر انداز کیا گیا، جن کا تذکرہ دیگر سورتوں میں کیا گیا ہے، اب صرف اللہ تعالی اور حضرت آدم علیہ السلام کے درمیان مکالمہ کا بیان ہے، یعنی جب اللہ تعالی نے ابلیس لعین کو انکار اور استکبار کی بنیاد پر اپنی بارگاہ سے نکال دیا، تو اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کو یہ حکم دیا۔

''يَا آدَمُ اسكُن ''مأمور بہ کے اہتمام کے لیے کلام کو نداء کی اسلوب میں ذکر کیا گیا ہے۔''اسكُن ''جنت کو مسکن بناؤ۔ عربی محاورہ میں "سكن يسكن سكونا" کا معنی ہے،کسی کے پاس ٹھہرنا۔"السكن"ہر اس چیز کو کہا جاتا ہے، جس سے سکون حاصل کیا جائے اور"السكين"چھری کو بھی کہتے ہیں، اس لیے کہ وہ ہر مذموح کی حرکت کو ساکن کر دیتی ہے، اور"مسكين" بھی اسی سے مأخوذ ہے۔

اہل علم فرماتے ہیں کہ "اسكن"میں اس بات کی اشارہ ہے کہ تمہارا جنت میں رہنا اقامت کے طور پر نہیں، بلکہ سکونت کے طور پر ہوگا، اس لیے کہ سکونت میں ملکیت نہیں پائی جاتی ہے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔" في قوله تعالى: ﴿اسكن﴾ تنبيه على الخروج؛ لأن السكنى لا تكون ملكا؛ ولهذا قال بعض العارفين: السكنى تكون إلى مدة ثم تنقطع، فدخولهما في الجنة كان دخول سكنى لا دخول إقامة." (۱)

"أَنتَ"، ضمیر منفصل "اسكن"کی ضمیر متصل سے تاکید ہے، تاکہ اس پر " زَوجُكَ"کا عطف صحیح ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔" فَاذهَب أَنتَ وَرَبُّكَ." (المائدۃ:۲۴). "أنت"کی تصریح سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ مخاطبِ اصلی حضرت آدم علیہ السلام تھے اور حضرت حواء کی حیثیت تابع کی تھی۔اور "زَوجُكَ" سے حواء علیہا السلام مراد ہے، جو حضرت آدم علیہ السلام کی بائیں پسلی سے پیدا ہوئی۔مفسر جلیل امام رازیؒ فرماتے ہیں۔" أجمعوا على أن المراد بالزوجة حواء وإن لم يتقدم

==================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۲۹۹.

ذكرها في هذه السورة وفي سائر القرآن ما يدل على ذلك وأنها مخلوقة منه كما قال الله تعالى في سورة النساء١: ﴿الذى خَلَقَكُم مّن نَّفسٍ واحدة وَخَلَقَ مِنهَا زَوجَهَا﴾، وفى الأعراف٨٩: ﴿وَجَعَلَ مِنهَا زَوجَهَا لِيَسكُنَ إِلَيهَا﴾. (١)

علماء کرام فرماتے ہیں کہ عورتوں کے مزاج میں ٹیڑھا پن پایا جاتا ہے، کیونکہ یہ ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔☆ صحیح مسلم میں سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت ہے۔

" إِنَّ المَرأَةَ خُلِقَت مِن ضِلَعٍ لَن تَستَقِيمَ لَكَ عَلَى طَرِيقَةٍ، فَإِن استَمتَعتَ بِهَا استَمتَعتَ بِهَا، وَبِهَا عِوَجٌ، وَإِن ذَهَبتَ تُقِيمُهَا كَسَرتَهَا، وَكَسرُهَا طَلَاقُهَا." (٢)

"الجَنَّة" جنت کا معنی باغ ہے، اس تحقیق گذر چکی ہے، لیکن اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ اس سے کونسی جنت مراد ہے اور یہ کہاں تھی؟ اکثر مفسرین کرام کا نقطہ نظر یہ ہے کہ "الجنة" میں الف لام عہدی ہے اور اس سے معہود جنت "جنة الخلد" مراد ہے، لیکن بعض حضرات نے جنت سے دنیا کا ایک باغیچہ مراد لیا ہے، اس لیے کہ "جنة الخلد" میں داخل ہونے کے بعد اس سے کسی کو نہیں نکالا جائے گا، حالانکہ حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام کو اس سے نکالا گیا ہے! لیکن یہ بات محل نظر ہے، اس لیے کہ حضرت آدم علیہ السلام کو جنت میں رہنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے کا ذکر کہیں بھی نہیں!

ایک حدیث میں ہے کہ جب حضرت موسی علیہ السلام کی حضرت آدم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی، تو حضرت موسی علیہ السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ تو اپنی اولاد کے لیے شقاوت کا باعث بنا کہ تو نے انہیں جنت سے نکالا۔ اب ظاہری ہے کہ "جنت" میں الف لام عہدی ہے اور اس سے معہود جنت "جنة الخلد" ہی مراد ہے، لیکن حضرت آدم علیہ السلام نے اس کا انکار نہیں کیا، اگر یہ بات درست نہ ہوتی تو حضرت آدم علیہ السلام اس کی تردید کرتے!

===================

(۱) تفسیر الفخر الرازی:۳/۴۵۱-۴۵۲.

☆ حقیقت یہ ہے کہ عورت کے ضعیف ہونے میں کوئی شک وتردد نہیں، لیکن اس کے باوجود خاوند پر اپنا تسلط برقرار رکھتی ہے، گویا ضعف اور کمزوری کے باوجود حکومت اس کی ہوتی ہے، ایک ظریف الطبع شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

هِيَ الضِّلَعُ العَوجَاءُ لَيسَت تُقِيمُهَا   أَلَا إِنَّ تَقوِيمَ الضُّلُوعِ انكِسَارُهَا
أَتَجمَعُ ضَعفًا وَاقتِدَارًا عَلَى الفَتَى   أَلَيسَ عَجِيبًا ضَعفُهَا وَاقتِدَارُهَا

(۲) صحیح مسلم:۲/۱۰۹۱، رقم:۱۴۶۸.

دوسری بات یہ ہے کہ اگر "جـنـة الـخـلـد" میں داخلہ کے بعد اس سے نکلنا ممکن نہیں، تو صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ معراج کی رات جنت میں تشریف لے گئے، بعدازیں آپ ﷺ اس سے باہر تشریف لائے اور جنت بارے میں صحابہ کرامؓ کو معلومات سے نوازا۔

باقی رہا یہ سوال کہ جنت خلد میں داخل ہونے کے بعد وہاں سے نکلنا نہیں تو حضرت آدم علیہ السلام وہاں سے کیسے نکلے؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ روزِ قیامت جو جنت میں داخل ہوگا وہ کبھی جنت سے نہیں نکالا جائے گا، یعنی اللہ تعالی نے دخول جنت پر جو خلود کا وعدہ کیا ہے، اس دخول سے وہ دخولِ جنت مراد ہے، جو جزاء وسزا کے بعد ہوگا۔ مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ " وقـد حـكـى بـعـض المشايخ أن أهل السنة مجمعون على أن جنة الخلد هى التى أهبط منها آدم عليه السلام، فلا معنى لقول من خالفهم."(۱) ☆

معروف مفسر علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں کہ اس میں توقف (ترک تعیین) اولی ہے، اس لیے کہ دلائل متعارض ہیں، چنانچہ فرماتے ہیں۔ "والـمـراد بها دارُ الثواب؛ لأنها المعهودة. وقيل: هى جنةٌ بأرض فلسطين أو بين فارسَ وكَرمان خلقها الله تعالى امتحاناً لآدمَ عليه السلام، وحُمل الإهباطُ على النقل منهَا إلى أرضِ الهندِ كما فى قوله تعالى ﴿اهبـطـوا مِـصـرًا﴾ لما أن خلقه عليه السلام كان فى الأرض بلا خلاف. ولم يذكر فى هذه القصة رفعُه إلى السـمـاء، ولـو وقـع ذلك لـكـان أولى بالذكر، والتذكير لما أنه من أعظم النعمِ؛ ولأنها لو كانت دارَ الخلد لما دخـلهـا إبـليسُ. وقيل: إنها كانت فى السماء السابعة بدليل اهبِطوا ثم إن الإهباطَ الأولَ كان منها إلى السماء الدنيا والثانى منها إلى الأرض. وقيل: الكلُّ ممكنٌ، والأدلةُ النقلية متعارضةٌ فوجب التوقفُ وتركُ القطع."(۲)

معروف مفسر علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ "وقيـل: الـكـل مـمـكـن والـلـه تعالى على ما يشاء قدير. والأدلة

---

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۳۰۳.

☆قـال العلامة السيدقطب الشهيد رحمه الله ما ملخصه: ونلحظ أن هذه الأمور الغيبية التى استأثر الله تعالى بعلمها وحجبها عـنـا لـيـس بيـن أيـدينا ما يدل عليها من النصوص الصحيحة.ـ فأين كان هذا الذى كان وما الجنة التى عاش فيها آدم وزوجه حيـنـا مـن الـزمـان ومـن هـم الـمـلائكة ومـن هـو إبـليـس كيف قال الله تعالى لهم ذلك وكيف أجابوه وكيف تم خلق حواء ..إلـخ..إلخ هذا كله يحتاج إلى نص ثابت. وغالب ما يروى من آثار حولها لا يخلو من مقال أو هو من الإسرائيليات فحسبنا ما جاء ت به النصوص ونكل علم ما رآها إلى الله سبحانه. وانظر: فى ظلال القرآن: ۵۹/۱.

(۲) تفسیر ابی السعود:۱/۹۰.

متعارضة. فالأحوط والأسلم هو الكف عن تعيينها والقطع به، وإليه مال صاحب التأويلات." (۱)

قوله تعالى: وَكُلَا مِنهَا رَغَدًا حَيثُ شِئتُمَا:

یہ جملہ''ماقبل"اسکن"پرعطف ہے، "منها"کی ضمیر"الجنة"کی طرف راجع ہے۔"رغدا"مصدر محذوف کی صفت ہے۔ "أى أكلاواسعارافها". یا حال ہے۔"كُلَا طَيِّبَيِن مُهَنَّأَين". "رَغَدًا" اس نعمت اور رزق کو کہتے ہیں، جس کے حاصل کرنے میں کوئی محنت اور مشقت نہ ہو، اوراتنی وافر مقدار میں ہو کہ اسکے کم یا ختم ہوجانے کا امکان نہ ہو۔

اس میں وسعتِ مکان اور خوراک کے مختلف انواع کی طرف اشارہ ہے، مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں کہ اس سے کیف، أین اور متی مراد ہے، یعنی"كيف شئتما ،أين شئتما، متى شئتما". جیسے چاہو، جہاں چاہو اور جب کبھی چاہو تو فراخی سے تناول فرماؤں اور یہ فکر نہ کرنا کہ یہ کم یا ختم ہوجائیں گے۔ جلیل القدر مفسر علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔" والمراد بها العموم لقرينة المقام وعدم المرجح، أى أى مكان من الجنة شِئتُما، وأباح لهما الأكل كذلك إزاحة للعذر فى التناول مما حظر."(۲)

بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ "کُــلا" تثنیہ کا صیغہ لاکر اس بات کی اشارہ کیا گیا ہے کہ اس معاملہ میں حکم دونوں کا عام ہے، لیکن سکونت میں حضرت حواء علیہ السلام حضرت آدم علیہ السلام کی تابع ہے، اس وہاں "اســکــن" فرمایا۔ مفسر جلیل علامہ ابوسعود عمادیؒ فرماتے ہیں۔ "وانما وجّه الخطاب إليهما تعميماً للتشريف والترفيه ومبالغة فى إزالة العِلل والأعذار وإيذاناً بتساويهما فى مباشرة المأمورِ به؛ فإن حواءَ أُسوةٌ له عليهِ السَّلامُ فى الأكلِ بخلاف السكنِ فإنها تابعة له." (۳)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں بظاہر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس آیت میں "وكلامنها.." ہے اور سورۃ الأعراف آیت:۱۵ میں "فكلامنها" ہے، اس کی کیا حکمت ہوسکتی ہے؟

جواب: یہ تفنن کلام ہے، نیز بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہاں "واو" مطلق جمع کے لیے ہے اور یہ بات ظاہر ہے کہ سکونت

====================

(۱) روح المعانی:۱/۲۳۵.

(۲) تفسیر روح المعانی:۱/۲۳۶.

(۳) تفسیر ابی السعود:۱/۹۰.

اوراکل (یعنی قیام وطعام) دونوں جمع ہو سکتے ہیں اور سورۃ الاعراف میں "ف" تعقیب مع الوصل کے لیے ہے، اس لیے کہ وہاں "اکل" کا حکم جنت میں داخل ہونے کے وقت تھا، یعنی داخل ہوتے ہی کھانا شروع کرو۔ معروف مفسر امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ "ففی سورة البقرة هذا الأمر إنما ورد بعد أن كان آدم فی الجنة فكان المراد منه اللبث والاستقرار، وقد بينا أن الأكل لا يتعلق به فلا جرم ورد بلفظ الواو. وفی سورة الأعراف هذا الأمر إنما ورد قيل: أن دخل الجنة فكان المراد منه دخول الجنة، وقد بينا أن الأكل يتعلق به فلا جرم ورد بلفظ الفاء والله أعلم." (۱)

قوله تعالى : وَلَا تَقرَبَا هَذِهِ الشَّجَرَةَ :

یہ جملہ ماقبل پر عطف ہے، اس میں نہایت مبالغہ ہے کہ اس درخت کے پھل کو تناول کرنا تو کجا اس کے قریب بھی جانے کی اجازت نہیں، اس سے دور رہو، اگر تم اس کے قریب چلے گئے تو تمہارے دل میں ایک نوع میلان پید ہوگا اور ممکن ہے کہ صبر کے دامن کو خیر باد کہہ کر اس کے پھل سے لطف اندوز ہو جاؤ! معروف مفسر قاضی بیضاویؒ فرماتے ہیں۔ "فيه مبالغات تعليق النهی بالقرب الذی هو من مقدمات التناول مبالغة فی تحريمه ووجوب الاجتناب عنه وتنبيهاً على أن القرب من الشیء يورث داعية وميلاً يأخذ بمجامع القلب ويلهيه عما هو مقتضى العقل والشرع كما روى حبك الشیء يعمی ويصم، فينبغی أن لا يحوما حول ما حرم الله عليهما مخافة أن يقعا فيه وجعله سبباً؛ لأن يكونا من الظالمين الذين ظلموا أنفسهم بارتكاب المعاصی أو بنقص حظهما بالإتيان بما يخل بالكرامة والنعيم." (۲)

اس آیت میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ جنت میں تمہارا رہنا عارضی ہے، اس لیے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا ہے، کیونکہ مخلد فی الجنۃ پر کسی قسم کی پابندی نہیں عائد کی جاتی ہے، مفسر جلیل علامہ ابن عطیہ اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ وفی حظره تعالى على آدم الشجرة ما يدل على أن سكناه فی الجنة لا يدوم لأن المخلد لا يحظر عليه شیء ولا يؤمر ولا ينهى. (۳)

====================

(۱) تفسیر کبیر: ۳/۴۵۳۔

(۲) تفسیر بیضاوی: ۱/۷۲۔

(۳) تفسیر ابن عطیہ: ۱/ ۱۲۸۔

شجرہ ممنوعہ کے متعلق اقوال:

شجرہ ممنوعہ کے متعلق علامہ ابن الجوزیؒ نے چھ اقوال نقل کیے ہیں:۔

پہلا قول: اس سے گندم مراد ہے، یہ قول سیدنا ابن عباسؓ، عبداللہ بن سلامؓ، کعب الأحبارؒ، وہب بن منبہؒ، قتادۃؒ، عطیۃ العوفیؒ، محارب بن دثارؒ اور ومقاتلؒ وغیرہ کا ہے۔

دوسرا قول: اس سے انگور کا درخت مراد ہے، یہ سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، ابن عباسؓ، سعید بن جبیرؒ، جعدۃ بن ہبیرۃ وغیرہ سے مروی ہے۔

تیسرا قول: انجیر کا درخت مراد ہے، یہ حسن بصریؒ، وعطاء بن أبی رباح، ابن جریج وغیرہ سے نقل ہے۔

چوتھا قول: اس سے ایک خاص قسم کا درخت مراد ہے جس کو شجرۃ العلم کہا جاتا ہے، یہ قول ابوصالح عن ابن عباسؓ کا ہے۔

پانچواں قول: اس سے شجرۃ الکافو مراد ہے، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے۔

چھٹا قول: اس سے کھجور کا درخت مراد ہے، یہ ابو مالکؒ کا قول ہے۔(۱)

لیکن سب سے بہتر اور اولی بات یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں اس کی کہیں تعین نہیں کی گئی ہے اور نہ ہی ہم اس کی تعیین پر مکلّف ہیں، مفسر جلیل علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔ فالصواب فی ذلك أن يقال: إن الله جل ثناؤه نهى آدمَ وزوجته عن أكل شجرة بعينها من أشجار الجنة دون سائر أشجارها، فخالفا إلى ما نهاهما الله عنه، فأكلا منها كما وصفهما الله جل ثناؤه به. ولا علم عندنا أىّ شجرة كانت على التعيين؛ لأن الله لم يَضَع لعباده دليلا على ذلك فى القرآن، ولا فى السنة الصحيحة، فأنَّى يأتى ذلك، وقد قيل: كانت شجرة البر. وقيل: كانت شجرة العنب. وقيل: كانت شجرة التين، وجائز أن تكون واحدة منها، وذلك عِلمٌ إذا عُلم لم ينفع العالمَ به علمه، وإن جهله جاهل لم يضرَّه جهلُه به.(۲)

معروف مفسر علامہ ابن عطیہؒ فرماتے ہیں۔

قال القاضى أبو محمد: وليس فى شىء من هذا التعيين ما يعضده خبر، وإنما الصواب أن يعتقد أن الله

====================

(۱) زادالمسیر لابن الجوزی:۱/۶۷.

(۲) تفسیر ابن طبری:۱/۵۲۰-۵۲۱.

تعالی نهی آدم عن شجرة، فخالف هو إلیها وعصی فی الأکل منها .(١)

ماضی قریب کے معروف مفسر علامہ جمال الدین قاسمیؒ رقم طراز ہیں۔

لم یرد فی القرآن المجید ولا فی السنة الصحیحة تعیین هذه الشجرة؛ إذ لا حاجة إلیه؛ لأنه لیس المقصود تعرف عین تلك الشجرة، وما لا یکون مقصوداً لا یجب بیانه (٢).☆

قوله تعالی :َ فَتَكُونَا مِنَ الظَّالِمِين:

"ف" سببیہ ہے، "تکونَا مِنَ الظَّالِمِین" جواب نہی ہے، ظلم لغت میں وضع الشئی فی غیر محله **کو کہتے ہیں، یعنی کسی شئی کو نامناسب جگہ رکھنا، خواہ کمی یا زیادتی کرکے اسے صحیح جگہ سے ہٹادینا۔ اور اصطلاح میں ظلم احکامات الٰہیہ کی مخالفت اور افعال ممنوعہ کے ارتکاب کو کہتے ہیں، اس آیت میں ظلم کا لغوی معنی کمی کرنا مراد ہے، جیسے ارشاد ہے۔"** وَلَم تَظلِم مِنهُ شَیئاً". **(الکہف:٣٣)** أی لم تنقص منه.

مفسر جلیل علامہ مہائمیؒ معنی یوں بیان فرماتے ہیں۔ أی فتکونا من الظالمین أنفسهم بتفویت الکرامات." (٣)

یعنی تم اپنے مرتبہ میں کمی کرنے والوں کے زمرے میں داخل ہوجاؤ گے اور تمہاری عزت واحترام ختم ہوجائے گی۔

معروف حنفی مفسر علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "أی من الضارین أنفسهم."(٤)

اپنے نفس کو تکلیف ومشقت میں مبتلا کردو گے۔

مذکورہ آیت میں ظلم کا اصطلاحی معنی مراد نہیں، اس لیے کہ انبیاء علیہم السلام کبیرہ اور صغیرہ دونوں طرح کے گناہوں سے معصوم

---

(١) المحرر الوجیز:١/١٢٨.

(٢) محاسن التأویل:١/٢٩٣.

☆ قال الامام الرازی رحمه الله: واعلم أنه لیس فی الظاهر ما یدل علی التعیین، فلا حاجة أیضاً إلی بیانه؛ لأنه لیس المقصود من هذا الکلام أن یعرفنا عین تلك الشجرة وما لا یکون مقصوداً فی الکلام لا یجب علی الحکیم أن یبینه بل ربما کان بیانه عبثاً؛ لأن أحدنا لو أراد أن یقیم العذر لغیره فی التأخر فقال : شغلت بضرب غلمانی لإسائتهم الأدب لکان هذا القدر أحسن من أن یذکر عین هذا الغلام ویذکر اسمه وصفته فلیس لأحد أن یظن أنه وقع ههنا تقصیر فی البیان. (تفسیر کبیر:٣/٤٥٤)

(٣) تبصیر الرحمان للمہائمی:١/

(٤) تفسیر النسفی:١/٤٧.

ہیں، قاضی عیاضؒ میں فرماتے ہیں۔ "فأجمع المسلمون على عصمة الأنبياء من الفواحش والكبائر الموبقات"(١)
مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔

"وقال جمهور من الفقهاء من أصحاب مالك وأبي حنيفة والشافعي: إنهم معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر أجمعها؛ لأنا أمرنا باتباعهم في أفعالهم وآثارهم وسيرهم أمرا مطلقا من غير التزام قرينة، فلو جوزنا عليهم الصغائر لم يمكن الاقتداء بهم." (٢)☆

قوله تعالى : فَأَزَلَّهُمَا الشَّيطَانُ:

"فَأَزَلَّهُمَا" یہ "زَلَّة" سے ماخوذ ہے، بمعنی پھسلا دینا، بے خیال کر دینا، خطا کر دینا۔ "زلت" کا لغت لغوی معنی بلا قصد قدم پھسل جانے کے ہیں اور "زَلّة" کا اطلاق علی سبیل الاستعارۃ اس فعل پر ہوتا ہے جو بلا اختیار صادر ہو جائے اور اس میں کوئی قصد وتعمد نہ ہو، مفسر جلیل علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ "فإنه اسم الفعل يقع على خلاف الأمر من غير قصد إلى الخلاف كزلة الماشي في الطين." (٣)

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا انبیاء علیہم السلام کی طرف "زَلّة" کی نسبت جائز ہے؟ اس میں اہل علم کے آراء ہیں، مشائخ بخارا فرماتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کے افعال پر "زَلّة" کا اطلاق جائز ہے اور یہ ان کی دلیل یہ آیت ہے۔ اور مشائخ سمرقند کا نقطہ نظر یہ ہے کہ جس طرح معصیت کی نسبت انبیاء علیہم السلام کی طرف جائز نہیں، تو اسی طرح "زَلّة" کی نسبت بھی انبیاء علیہم السلام کی طرف جائز نہیں، بلکہ یوں کہا جائے گا کہ انہوں نے فاضل کا ارتکاب کر کے افضل کو ترک کر دیا تو اسی وجہ سے ان کی گرفت ہوئی۔ مفسر جلیل علامہ نسفیؒ فرماتے ہیں۔ وهذا دليل على أنه يجوز إطلاق اسم الزلة على الأنبياء عليهم السلام كما قال مشايخ بخارى. فإنه اسم الفعل يقع على خلاف الأمر من غير قصد إلى الخلاف كزلة الماشي في الطين. وقال مشايخ سمرقند: لا يطلق اسم الزلة على أفعالهم كما لا تطلق المعصية. وإنما يقال فعلوا الفاضل وتركوا الأفضل فعوتبوا عليه. (٤)

==========================

(۱) الشفاء بتعریف حقوق المصطفی: ۱۴۴/۲۔

(۲) تفسیر قرطبی: ۳۰۸/۱۔

(۴) من أرادمزيدالاطلاع فلينظر: عصمة الأنبياء للرازي بتحقيقنا.

(۳) تفسیر النسفی: ۴۷/۱۔

(۴) تفسیر النسفی: ۴۱/۱۔

"عَنهَا" ضمیر کا "شجرۃ" کی طرف راجع ہے اور "عن" تعلیلیہ ہے، جیسے "وَمَا نَحنُ بِتَارِکِی آلِهَتِنَا عَن قَولِكَ." (سورۃ ہود:۵۳)۔ یا "جنت" کی طرف راجع ہے اور یا اطاعت کی طرف راجع ہے۔

" فَأَخرَجَهُمَا"، یہ ماقبل کی تاکید نہیں، بلکہ تأسیس ہے، اس لیے کہ تأسیس اولیٰ من التاکید ہوتی ہے اور اخراج کی نسبت شیطان کی طرف باعتبار وسوسہ مجازا (مجاز مرسل) کی گئی ہے، کیونکہ اخراج کا سبب یہی بنا تھا۔

"مِمَّا كَانَا فِيه" یہ " فَأَخرَجَهُمَا" کیساتھ متعلق ہے اور اس اسلوب ابہام میں تفخیم شان مقصود ہے، جیسا کہ بلاغت کا قانون ہے۔ اور "ما" موصولہ " أی من المكان أو النعيم الَّذِی كانا فيه" ہے، یا موصوفہ " أی من المكان أو النعيم كانا فيه" ہے۔ اس کے مفہوم میں چند اقوال ہیں۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ معنی یہ ہے کہ اطاعت سے عصیان کی طرف نکال دیا۔ بعض فرماتے ہیں کہ جنت کی نعمتوں سے دنیوی تکالیف ومصائب کی طرف نکال دیا اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بلند وبالا مقام سے نیچے درجہ کی طرف نکال دیا، مفسر جلیل علامہ ابن عطیہؒ فرماتے ہیں۔ يحتمل وجوهاً فقيل: أخرجهما من الطاعة إلى المعصية. وقيل: من نعمة الجنة إلى شقاء الدنيا. وقيل: من رفعة المنزلة إلى سفل مكانة الذنب. قال القاضی أبو محمد: وهذا كله يتقارب.(۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

جب شیطان لعین کو جنت سے نکال دیا گیا تو پھر وسوسہ کیسے ڈال دیا؟

پہلا جواب: سیدنا عبداللہ بن مسعودؓ، سیدنا عبداللہ بن عباسؓ اور اکثر اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ وسوسہ مشافہۃ ڈالا تھا، مفسر جلیل امام ابن عطیہؒ فرماتے ہیں۔ فقال ابن عباس وابن مسعود وجمهور العلماء: أغواهما مشافهة، ودليل ذلك قوله تعالى: وقاسمهما والمقاسمة ظاهرها المشافهة .(۲)

دوسرا جواب: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ شیطان نے وسوسہ ڈالا تھا اور یہ طاقت اللہ تعالیٰ نے اس کو دی ہے، جیسے حدیث میں آتا ہے۔ إن الشيطان يجری من ابن آدم مجری الدم. (۳)

====================

(۱) المحرر الوجیز لابن عطیۃ: ۱/ ۱۲۸..

(۲) المحرر الوجیز لابن عطیۃ: ۱/ ۱۲۸، تفسیر قرطبی: ۱/۳۱۲.

(۳) أخرجه البخاری، باب زيارة المرأة زوجها فی اعتكافه: ۲/۷۱۷، رقم: ۱۹۳۳، ومسلم، باب بيان أنه يستحب لمن رؤی بامرأة: ۴/۱۷۱۲، رقم: ۲۱۷۴، وأبوداؤد، باب المعتكف يدخل البيت لحاجته: ۱/۷۴۹، رقم: ۲۴۷۰.

مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔" وقالت طائفة: إن إبليس لم يدخل الجنة إلى آدم بعد ما أخرج منها، وإنما أغوى بشيطانه وسلطانه ووسواسه التي أعطاه الله تعالى كما قال صلى الله عليه وسلم: إن الشيطان يجري من ابن آدم مجرى الدم. والله أعلم. (۱)

تیسرا جواب: بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ ابلیس لعین نے دروازے پر آ کر حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ ڈال دیا تھا ،مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔ وقيل إنما رآهما على باب الجنة؛ لأنهما كانا يخرجان منهما، وكان إبليس بقرب الباب فوسوس لهما .(۲)

چوتھا جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ شیطان سانپ کے منہ میں بیٹھ کر جنت میں داخل ہوا، اور اس درخت کو لے کر حضرت حواء علیہا السلام کے پاس آیا اور کہنے لگا۔ کہ اس کی کتنی عمدہ خوشبو ہے، اس کا کتنا لذیذ ذائقہ ہے، اس کا رنگ کتنا پیارا ہے! حتی کہ حضرت حواء علیہا السلام نے درخت کھالیا۔ پھر حضرت حواء علیہا السلام نے حضرت آدم علیہ السلام کو کہا۔ کھالو! میں نے کھایا مجھے کوئی تکلیف نہیں دی، بالآخر حضرت آدم علیہ السلام نے کھالیا۔ لیکن یہ اسرائیلیات میں سے ہے ،اور نا قابل اعتماد ہے۔ مفسر جلیل علامہ عماد الدین ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔"وقد ذكر المفسرون من السلف كالسدي بأسانيده وأبي العالية ووهب بن منبه وغيرهم، هاهنا أخبارا إسرائيلية عن قصة الحية وإبليس، وكيف جرى من دخول إبليس إلى الجنة ووسوسته ." (۳)

پانچواں جواب: حضرت شیخ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ جب ابلیس کو جنت سے نکلنے کا حکم ہوا، تو اسی اثناء میں حضرت آدم علیہ السلام کو وسوسہ ڈال دیا، یعنی چلتے چلتے کہہ دیا، اور کبھی فرمایا کرتے تھے چلتے چلتے بک دیا۔

مذکورہ جملہ توجیہات مفسرین کرامؒ نے اپنے ذوق اور فہم کے مطابق بیان کی ہے، لیکن سب سے اولی اور بہتر بات یہ ہے کہ اس کیفیت کا قرآن وحدیث میں کہیں تذکرہ نہیں ملتا کہ ابلیس لعین جنت میں کیسے داخل ہوا؟ معروف مفسر امام ابومنصور ماتریدیؒ نے کیا خوب کہا ہے۔"إنا لا نعلم حقيقة كيفية ذلك.." (۴)

======================

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۳۱۳.

(۲) تفسیر خازن:۱/۳۸.

(۳) تفسیر ابن کثیر:۱/۲۳۶. مزید تفصیل کے لیے دیکھیے (الاسرائیلیات والموضوعات فی کتب التفسیر:۱۷۹-۱۸۰)

(۴) تأویلات أہل السنۃ:۱/۴۳۵.

مفسر جلیل علامہ سید آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ "وقال أبو منصور: ليس لنا البحث عن كيفية ذلك ولا نقطع القول بلا دليل، وهذا من الإنصاف بمكان." (۱)

ایک اشکال اوراس کا جواب:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے شجرہ ممنوعہ کو کیسے کھایا، حالانکہ اللہ تعالی نے اس کے کھانے سے روکا تھا؟

جواب: مفسرین کرامؒ نے اس کی کئی وجوہات بیان کی ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام بھول گئے جیسے ارشاد ہے۔ وَلَقَد عَهِدنَا إِلَى آدَمَ مِن قَبلُ فَنَسِيَ وَلَم نَجِد لَهُ عَزمًا. (سورۃ طٰہٰ:۱۱۵)، اس توجیہ پر یہ سوال ہوتا ہے کہ نسیان میں آدمی غیر ماٴخوذ ہوتا ہے، پھر آپ علیہ السلام کا موٴاخذہ کیوں ہوا؟ سو اس کا جواب یہ ہے کہ یہ نہی اس قبیل سے تھی کہ اس میں نسیان بھی غیر معفو تھا، مفسر جلیل علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔" ولعل القربان المنهى عنه الذى يكون سببا للظلم المخل بالعصمة هو ما لا يكون مصحوبا بعذر كالنسيان هنا مثلا المشار إليه." (۲)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ حضرت آدم علیہ السلام کی خطاء اجتہادی تھی اور پھر اس کی کئی صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک صورت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے خیال کیا کہ اشارہ ایک مشخص اور مخصوص درخت کی طرف ہے، لیکن حقیقت میں اشارہ ایک مشخص درخت کی طرف نہیں، بلکہ ایک مخصوص نوع کی طرف تھا۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے بظاہر یہ کہ سمجھا کہ یہ نہی از روئے شفقت ہے، جو عرف عام میں نہی تنزیہی کہلاتی ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ نے ماء مشمش کیساتھ وضو کرنے سے منع فرمایا، کیونکہ اس سے برص کی بیماری لاحق ہوتی ہے۔ اور اسی طرح آپ ﷺ نے بلوں میں پیشاب کرنے سے منع فرمایا کہ کہیں سانپ وبچھو وغیرہ موذی اشیاء ڈس نہ دیں۔ لیکن درحقیقت یہ نہی تحریمی تھی۔

قوله تعالى : وَقُلنَا اهبِطُوا :

یہ جملہ ماقبل پر عطف ہے ۔"هبوط" کا لغوی معنی کسی چیز کے بے اختیاری کی حالت میں نیچے اترنے کی ہیں، جیسے پتھر بلندی سے نیچے گر پڑتا ہے، قرآن مجید میں ہے۔" وَإِنَّ مِنهَا لَمَا يَهبِطُ مِن خَشيَةِ اللَّهِ." (سورۃ البقرۃ:۷۴) کبھی یہ علی سبیل الاستعارہ انزال کے معنی میں استعمال ہوتا ہے، تاہم اس میں اس وقت استخفاف کا مفہوم ملحوظ ہوتا ہے۔ معروف لغوی امام راغب

===================

(۱) تفسیر روح المعانی:۱/۲۳۷.

(۲) تفسیر روح المعانی:۱/۲۳۶.

اصفہانیؒ فرماتے ہیں۔"وإذا استعمل فی الإنسان الهُبُوط فعلی سبیل الاستخفاف، بخلاف الإنزال؛ فإنّ الإنزال ذكره تعالی فی الأشیاء التی نبّه علی شرفها كإنزال الملائكة والقرآن والمطر وغیر ذلك." (۱)

اس خطاب میں متعدد اقوال ہیں، امام سیدنا عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام، حواء علیہا السلام اور سانپ تینوں کو ہے، امام مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حواء علیہا السلام اور ابلیس کو ہے، امام فرّاءؒ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حواء علیہا السلام اور ان کے اولاد کو ہے اور امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حواء علیہا السلام دونوں کو ہے اور اس صورت میں ضمیر جمع اسم جنس کے لیے ہے، جو تثنیہ اور جمع دونوں کو شامل ہے۔(۲)

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کا جنت سے اہباط (اتارنا) علی سبیل العقوبۃ ہرگز نہیں تھا، بلکہ اس میں اللہ تعالی کی حکمت بالغہ تھی، معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔" لم یكن إخراج الله تعالی آدم من الجنة وإهباطه منها عقوبة له؛ لأنه أهبطه بعد أن تاب علیه، وقبل توبته، وإنما أهبطه إما تأدیبا، وإما تغلیظا للمحنة. والصحیح فی إهباطه وسكناه فی الأرض ما قد ظهر من الحكمة الأزلیة فی ذلك، وهی نشر نسله فیها؛ لیكلفهم؛ ویمتحنهم؛ ویرتب علی ذلك ثوابهم وعقابهم الأخروی؛ إذ الجنة والنار لیستا بدار تكلیف فكانت تلك الاكلة سبب إهباطه من الجنة. ولله أن یفعل ما یشاء. وقد قال: ﴿إِنِّی جاعِلٌ فِی الْأَرْضِ خَلِیفَةً﴾. وهذه منقبة عظیمة وفضیلة كریمة شریفة."(۳)

قوله تعالی : بَعْضُكُم لِبَعْضٍ عَدُوٌّ:

یہ ماقبل "اهبطوا" کی ضمیر فاعل سے جملہ حال واقع ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔"أی اهبطوا متعادین". یا جملہ استنافیہ ہے، تاہم پہلی توجیہ اولی ہے۔"عَدُوٌّ" کا لفظ "صدیق" کی ضد ہے، اس کی جمع "أعداء" آتی ہے، یہاں مفرد ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لفظ "بعض" کا اعتبار کیا گیا ہے، یا یہ مصدر ہے، مفسر جلیل علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔"وإفراد العدوّ إما للنظر إلی لفظ البعض؛ وإما لأن وزانة وازن المصدر كالقبول." (۴)

=======================

(۱) المفردات فی غریب القرآن: ۶۳۲.

(۲) تفسیر قرطبی: ۱/۳۱۹، تفسیر زاد المسیر لابن الجوزی: ۱/۵۶.

(۳) تفسیر قرطبی: ۱/۳۲۱.

(۴) تفسیر أبی السعود: ۱/۹۱.

قوله تعالى: بَعضُكُم لِبَعضٍ عَدُوٌّ:

یہ ماقبل "اهبطوا" کی ضمیر فاعل سے جملہ حال واقع ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "أي اهبطوا متعادين". یا جملہ استنافیہ ہے، تاہم پہلی توجیہ اولی ہے۔ ''عَدُوٌّ'' کا لفظ "صديق" کی ضد ہے، اس کی جمع "أعداء" آتی ہے، یہاں مفرد ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں لفظ "بعض" کا اعتبار کیا گیا ہے، یا یہ مصدر ہے، مفسر جلیل علامہ ابو سعودؒ فرماتے ہیں۔ "وإفراد العدوّ إما للنظر إلى لفظ البعض؛ وإما لأن وزانة وازن المصدر كالقبول." (۱)

امام راغب اصفہانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ واحد اور جمع دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے، جیسے کہا جاتا ہے۔ ''رجل عدو، وقوم عدو". پھر "عدو" دشمن دو طرح ہوتے ہیں، ایک وہ دشمن ہوتا ہے، جو قصداً اور ارادۃً دشمنی کرتا ہو، جیسے قرآن مجید میں ہے۔ "جَعَلنا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِنَ المُجرِمِينَ." (الفرقان:۳۱) ایک جگہ فرمایا۔ "عَدُوًّا شَياطِينَ الإِنسِ وَالجِنِّ." (الأنعام:۱۱۲) اور ایک وہ دشمن ہوتا ہے، جو قصد اور ارادہ سے دشمنی تو نہیں کرتا، لیکن اس کی حالت ایسی ہوتی ہے، جس سے انسان کو دشمن جیسی تکلیف پہنچتی ہو۔ قرآن مجید میں نافرمان اولاد کے متعلق ارشاد ہے۔ "عَدُوًّا لَكُم فَاحذَرُوهُم." (التغابن:۱۴). (۲)

باقی رہی یہ بات کہ یہ خطاب کس کو ہے؟ تابعی جلیل امام مجاہدؒ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب اولادِ آدم کو ہے، یعنی اولادِ آدم ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔ امام مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام، حضرت حواء علیہا السلام اور ابلیس لعین کو ہے، یعنی یہ دونوں ابلیس کے دشمن ہوں گے اور ابلیس ان دونوں کا دشمن ہوگا۔ اور امام زجاجؒ فرماتے ہیں کہ یہ خطاب اہل ایمان اور ابلیس کو ہے، یعنی اہل ایمان ابلیس کے دشمن ہوں گے اور ابلیس ان کا دشمن ہوگا۔ (۳)

قوله تعالى: وَّ لَكُم فِي الأَرضِ مُستَقَرٌّ:

یہ ماقبل بھی "اهبطوا" کی ضمیر فاعل سے جملہ حال واقع ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ ''اهبِطوا مُتَعادِينَ ومستحقِّينَ الاستقرارَ." یا جملہ استنافیہ ہے، تاہم پہلی توجیہ اولی ہے۔ ''مُستَقَرٌّ'' اسم ظرف یا مصدر میمی کا صیغہ ہے، امام ابو العالیہؒ، زجاجؒ اور ابن قتیبہؒ فرماتے ہیں کہ اس سے موضع الاستقرار (زمین) مراد ہے اور بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس سے قبور مراد ہیں۔ مفسر جلیل علامہ ابن جوزیؒ نے پہلی توجیہ کو اصح قرار دیا۔ تاہم دونوں توجیہات صحیح ہیں، معروف مفسر علامہ قرطبی اندلسیؒ

====================

(۱) تفسیر أبي السعود:۱/۹۱.

(۲) المفردات في غريب القرآن:۵۵۳.

(۳) تفسیر زاد المسیر:۱/۵۷.

فرماتے ہیں۔" أی موضع استقرار. قاله أبو العالية وابن زيد. وقال السدی:"مستقر" يعنی القبور. قلت: وقول الله تعالى:﴿جعل لكم الأرض قرارا﴾ (غافر:٦٤) يحتمل المعنيين. والله أعلم." (١)☆

الغرض مستقر سے جائے قرار مراد ہے، یعنی جہاں انہوں نے رہنا ہے، اور جہاں انہوں نے مرنا ہے۔ اس سے اشارۃ النص کے طور پر یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ زمین پر جا کر بھی ہمیشہ نہیں رہو گے، بلکہ کچھ عرصہ بعد اس گھر کو بھی چھوڑنا پڑے گا۔

قوله تعالى: وَمَتَاعٌ :

یہ ماقبل پر عطف ہے۔ متاع ہر اس چیز کو کہتے ہیں، جس سے لطف اٹھایا جائے، خواہ کھانا ہو یا لباس ہو یا اور کوئی چیز ہو، امام المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔ "والمتاع فی كلام العرب: كل ما استُمتع به من شیء من معاش استُمتع به أو رِياش أو زينة أو لذة أو غير ذلك." (٢)

معروف مفسر علامہ ابن عطیہ اندلسیؒ فرماتے ہیں۔ "والمتاع ما يستمتع به من أكل، ولبس، وحياة، وحديث، وأنس، وغير ذلك."(٣)

مفسر جلیل علامہ برہان الدین بقاعیؒ فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں متاع اس مردار چیز کو کہتے ہیں، جس کی طرف مضطر اور مجبور شخص محتاج ہو اور درندوں اور کتوں وغیرہ کی خوراک ہو، چنانچہ فرماتے ہیں۔ "إن لفظ المتاع أطلق فی لسان العرب على الجيفة التی هی متاع المضطر وأرزاق سباع الحيوان وكلابها." (٤)

بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ متاع اس کپڑے کو کہتے ہیں جس سے برتن وغیرہ کو صاف کیا جائے، بعض مفسرین کرامؒ نے اس کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص کو تین الفاظ "متاع، رقيم، تبارك" کی معانی میں تردد تھا کہ ان الفاظ کے کیا معانی ہیں؟ تو وہ اسی طلب اور جستجو میں عرب قبائل اور مضافات کی طرف روانہ ہوا۔ چلتے چلتے اس کو ایک گھر سے کچھ آواز سنائی دی

=======================

(١) تفسیر قرطبی: ١/٣٢١، زاد المسیر فی علم التفسیر: ١/٥٧، النکت والعیون: ١/١٠٨.

☆ ثم المستقر ثلاثة رحم الام قال تعالى: ﴿فَمُستَقَرٌّ وَمُستَودَعٌ﴾ أودع فی صلب الأب واستقر فی رحم الام. والثانی: الدنيا قال تعالى: ﴿وَلَكُم فِی الأَرضِ مُستَقَرٌّ﴾. والثالث: العقبى، اما فی الجنة قال تعالى: ﴿أَصحابُ الجَنَّةِ يَومَئِذٍ خَيرٌ مُستَقَرًّا﴾، واما فی النار قال تعالى: ﴿إِنَّها سائَت مُستَقَرًّا وَمُقاماً﴾. الآية. (تفسیر روح البیان: ١/١١١)

(٢) تفسیر ابن جریر طبری: ١/٤٥٠.

(٣) المحرر الوجیز لابن عطیۃ: ١/٦٤، بذیل ہذہ الآیۃ.

(٤) نظم الدرر فی تناسب الآیات والسور: ١/١٠٧.

،اس نے کان لگا کر سنا کہ ایک عورت اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی۔ "أين المتاع؟" متاع کہاں ہے؟ تو وہ کہنی لگی۔ "جاء الرقيم، وأخذ المتاع، وتبارك الى الجبل. أى جاء الكلب وأخذ المتاع وفرّالى الجبل." (١) .

قوله تعالى :اِلَى حِين:

"حين " ظرف زمان مبہم ہے،اس کا اطلاق زمانہ پر ہوتا ہے خواہ زمانہ طویل ہو یا مختصر ہو،بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اس سے موت مراد ہے،یعنی مرنے تک رہنا ہے، یہ ان حضرات کا قول ہے کہ جنہوں نے "مستقر" سے دنیا میں ٹھہرنا مراد لیا ہے اور بعض حضرات نے اس سے قیامت مراد لیا ہے، یہ ان حضرات کا نقطہ نظر ہے،جنہوں نے "مستقر" سے قبور مراد لیے ہیں،مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔" اختلف المتأولون فى "الحين" على أقوال: فقالت فرقة: إلى الموت، وهذا قول من يقول: المستقر هو المقام فى الدنيا. وقيل: إلى قيام الساعة، وهذا قول من يقول: المستقر هو القبور."(٢)

متاع اور حین دونوں کے مفہوم سے دنیوی زندگی کی بے ثباتی واضح طور پر معلوم ہو رہی ہے کہ یہاں دنیا میں بھی ہمیشہ نہیں رہنا ہے، بلکہ آخر دربار الہی میں حاضر ہونا ہے۔

==========================

(١) قال العلامة إسماعيل حقى بن مصطفى الاسلامبولى الحنفى: يروى ان الصاحب ابن عباد كان يتردد فى معنى الرقيم وتبارك والمتاع، ويدور على قبائل العرب، فسمع امرأة تسأل اين المتاع، ويجيب ابنها الصغير بقوله: جاء الرقيم، هو ما يبل بالماء فيمسح به القصاع، وان تبارك بمعنى صعد وتعالى. [تفسیر روح البیان:۳/۱۷۰، ۴/۳۷۱، ۵/۲۱۸، ۶/۱۸۶، بذیل سورۃ الأعراف:۵۴،وسورۃ الرعد:۲۶،وسورۃ الکہف:۹،سورۃ الفرقان:۱].

(۲) تفسیر قرطبی:۱/۳۲۱.

قوله تعالى: فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَتَابَ عَلَيهِ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿٣٧﴾قُلنَا اهبِطُوا مِنهَا جَمِيعًا فَإِمَّا يَأتِيَنَّكُم مِنِّي هُدًى فَمَن تَبِعَ هُدَايَ فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ﴿٣٨﴾ وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا أُولَئِكَ أَصحَابُ النَّارِ هُم فِيهَا خَالِدُونَ﴿٣٩﴾

ترجمہ: پھر سیکھ لیں آدم نے اپنے ربّ سے چند باتیں پھر متوجہ ہوگیا اللہ اس پر بے شک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو چلا میری ہدایت پر نہ خوف ہوگا اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ منکر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ میں جانے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

یہاں سے چوتھی نعمت "اجابة توبة أبيكم" کا بیان ہے، کہ تمہارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام سے ایک لغزش ہوئی، تو اللہ تعالی نے مہربانی فرما کر انہیں معاف فرمایا۔ اس قدر عظیم احسان وانعام کے باوجود تم اللہ تعالی کی وحدانیت کا انکار کیسے کرتے ہو؟ آخر وہ کونسی چیز ہے، جو اس جحو دوانکار کی علت بن رہی ہے؟ نیز اس واقعہ سے حضرت آدم علیہ السلام کا عجز اور قصور علم بھی عیاں ہوا کہ وہ ابلیس لعین کی مکر وفریب کی حقیقت سمجھ نہ سکے اور اپنے آپ کو لغزش سے بچا نہ سکے، تو معلوم ہوا کہ وہ معبود نہیں بن سکتے، کیونکہ معبود وہی ہوسکتا ہے جو مالک ومختار ہو اور ہر چیز پر عالم بھی ہو۔(۱)

قوله تعالى: فَتَلَقَّى آدَمُ مِن رَبِّه:

"ف" عاطفہ ہے اور یہ جملہ ماقبل پر عطف ہے۔ "تلقى" کا معنی سمجھنے، قبول کرنے، لینے اور سیکھنے کے آتے ہیں، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ "تلقى" کا معنی تلقین کرنا ہے، لیکن یہ بات محل نظر ہے، کیونکہ اس کا مشتق منہ "تلقن" نہیں آتا، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔ "قيل معناه: فهم، وفطن. وقيل: قبل وأخذ..وقيل: معنى تلقى تلقن. وهذا في المعنى صحيح، ولكن لا يجوز أن يكون التلقى من التلقن في الأصل ." (۲)

"مِن رَبِّه" میں القاء کلمات کی علت کی طرف اشارہ ہے، مفسر جلیل علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔" والتعرضُ لعنوانِ الربوبيةِ

---

(۱) قال برهان الدين البقاعي رحمه الله: ولما تسبب عن جزاء آدم عليه السلام بالإهباط الذى هو كفارة له أنه أُلهم الدعاء بما رحم به عبر عن ذلك بقوله: فتلقى، أى فهبطوا فتلقى . (نظم الدرر فی تناسب الآیات:۱/۲۹۳)

(۲) تفسیر قرطبی:۱/۳۲۳.

مع الإضافة إليه عليه السلام للتشريف، والإيذان بعلّيته لإلقاء الكلمات المدلول عليه بتلقيها."(۱)

"کَلِمَاتٍ" ماقبل کے لیے مفعول بہ ہے، یعنی ماقبل خطاب سراپا عتاب کو سنتے ہی حضرت آدم علیہ السلام بے چین ہوئے ،فوراً بارگاہ الٰہی میں ایسے تضرع کیساتھ ملتجی ہوئے کہ سارے عالم کا تضرع ان کے پائے سنگ نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ کی شان عفو جوش میں آئی اور حضرت آدم علیہ السلام کو کلمات معذرت تلقین فرما گئے۔ واضح رہے کہ حضرت حواء علیہا السلام حضرت آدم علیہ السلام کی تابع تھیں اس لیے اس جگہ ان کے توبہ کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، جب کہ سورۃ الاعراف میں دونوں کی معذورت کا ذکر ہے۔

اب یہ کلمات کیا تھے؟ مفسرین کرامؒ سے اس کے متعلق متعدد اقوال منقول ہیں، لیکن صحیح سند کیساتھ اس کے متعلق کوئی روایت نقل نہیں، البتہ اکثر اہل علم سیدنا عبداللہ بن عباسؓ، حسن بصریؒ، سعید بن جبیرؒ، عطاء الخراسانیؒ، عبید بن عمیرؒ، اُبی بن کعبؓ، ابن زیدؒ فرماتے ہیں، (۲) کہ اس سے وہ کلمات مراد ہیں جو سورۃ الأعراف آیت:۲۳. (قَالَا رَبَّنَا ظَلَمنَا أَنفُسَنَا وَإِن لَم تَغفِر لَنَا وَتَرحَمنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الخَاسِرِينَ) میں مذکورہ ہیں، ان حضرات کی یہ رائے یہ تفسیر القرآن بالقرآن کے ضابطے کے عین مطابق ہے، اور یہی صحیح بات ہے، ،امام المفسرین علامہ ابن جریر طبریؒ فرماتے ہیں۔"والذى يدل عليه كتابُ الله أن الكلمات التى تلقاهنّ آدمُ من ربه هن الكلمات التى أخبر الله عنه أنه قالها متنصِّلا بقيلها إلى ربه معترفًا بذنبه وهو قوله: ربنا ظلمنا أنفسنا وإن لم تغفر لنا وترحمنا لنكونن من الخاسر يين .(۳)

بعض حضرات اس کی تفسیر میں ایک موضوع اور من گھڑت روایت پیش کرتے ہیں، جس کو امام ابوالقاسم طبرانیؒ نے المعجم الصغیر اور المعجم الأوسط میں نقل کی ہے، روایت کی پوری سند یہ ہے۔

"حَدَّثَنَا مُحَمَّدُ بنُ دَاوُدَ ثَنَا أَحمَدُ بنُ سَعِيدٍ الفِهرِيُّ ثَنَا عَبدُ اللَّهِ بنُ إِسمَاعِيلَ المَدَنِيُّ عَن عَبدِ الرَّحمَنِ بنِ زَيدِ بنِ أَسلَمَ عَن أَبِيهِ عَن جَدِّهِ عَن عُمَرَ بنِ الخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُول اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ: لَمَّا أَذنَبَ آدَمُ الَّذِى أَذنَبَهُ رَفَعَ رَأسَهُ إِلَى العَرشِ فَقَالَ: أَسأَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ إِلَّا غَفَرتَ لِى فَأَوحَى اللَّهُ إِلَيهِ: وَمَا مُحَمَّدٍ وَمَن مُحَمَّدٍ؟ فَقَالَ: تَبَارَكَ اسمُك

=================

(۱) تفسیر ابی السعود:۱/۹۲.

(۲) زاد المسیر لابن الجوزی:۱/۴۹.

(۳) تفسیر ابن جریر للطبری:۱/۵۴۶.

لَمَّا خَلَقتَنِی رَفَعتُ رَأسِی إِلَی عَرشِكَ، فَإِذَا فِيهِ مَكتُوبٌ: لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ، فَعَلِمتُ أَنَّهُ لَيسَ أَحَدٌ أَعظَمُ عِندَكَ قَدرًا مِمَّن جَعَلتَ اسمَهُ مَعَ اسمِكَ، فَأَوحَى اللَّهُ إِلَيهِ: يَا آدَمَ إِنَّهُ آخِرُ النَّبِيِّينَ مِن ذُرِّيَّتِكَ، وَإِنَّ أُمَّتَهُ آخِرُ الأُمَمِ مِن ذُرِّيَّتِكَ، وَلَولَا هُوَ يَا آدَمُ مَا خَلَقتُكَ."

ہم سے محمد بن داؤد نے بیان کیا، کہا کہ ہم سے احمد بن سعید فہری نے بیان کیا۔ کہا کہ ہم سے عبداللہ بن اسماعیل مدنی نے بیان کیا۔ وہ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم سے وہ اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے وہ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ جب حضرت آدم علیہ السلام سے لغزش ہوئی، آپؑ نے آسمان کی طرف نگاہ اٹھائی اور فرمایا۔ اے پروردگار! میں محمد ﷺ کے حق کا واسطہ دیکھ کر تجھ سے سوال کرتا ہوں کہ مجھے معاف فرمادے۔ اللہ تعالی نے ارشاد فرمایا اے آدمؑ! تو نے محمد ﷺ کو کیسے جانا؟ میں نے تو اسے ابھی پیدا ہی نہیں کیا؟ آدم علیہ السلام نے کہا کہ پرودگار! جب تو نے مجھے فرمایا. تو میں نے سر اٹھایا اور دیکھا کہ عرش پر یوں لکھا ہوا ہے۔ ''لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ''. مجھے معلوم ہوا کہ تو نے اپنے نام کیساتھ جس کا اضافہ کیا وہ مخلوق میں تجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ تعالی نے آدم علیہ السلام کی طرف وحی کیا اور فرمایا۔ اے آدم! یہ تیرے اولاد میں سب سے آخری نبی ہے اور اس کی امت تمام امتوں میں آخری امت ہے۔ اے آدمؑ! اگر محمد ﷺ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔

مستدرک حاکم (۲) میں بھی یہی روایت مذکور ہے، دونوں روایتوں کا مدار عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم پر ہے، جو باتفاق اہل علم ضعیف ہے (۳)، امام ذہبی نے اس کو موضوع قرار دیا ہے، معروف محدث علامہ نورالدین ہیثمیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب مجمع

================

(۱) المعجم الأوسط:۶/۳۱۳، رقم:۶۵۰۲، المعجم الصغیر:۲/۱۸۲، رقم:۹۹۲.

(۲) المستدرك على الصحيحين: ۲/۶۷۲.

(۳) (۳) قال الحافظ ابن حجر رحمه الله: وقال ابن حبان: كان يقلب الأخبار و هو لا يعلم، حتى كثر ذلك فى روايته من رفع المراسيل و إسناد الموقوف، فاستحق الترك۔ و قال ابن سعد : كان كثير الحديث ضعيفا جدا۔ وقال ابن خزيمة : ليس هو ممن يحتج أهل العلم بحديثه؛ لسوء حفظه، هو رجل صناعته العبادة و التقشف، ليس من أحلاس الحديث. وقال =

الزوائد میں اس روایت کو ذکر کرنے کے فرماتے ہیں۔"رواہ الطبرانی فی الأوسط والصغیر، وفیه من لم أعرفهم."(۱)

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ مستدرک میں حاکم نیسابوری نے اس کو صحیح الاسناد کہا ہے، پھر موضوع کیسے ہوا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ حاکم کی تصحیح معتبر نہیں، کیونکہ یہ انتہائی درجہ کے متساہل ہیں، یہی وجہ ہے کہ انہوں نے مستدرک میں ضعیف اور موضوع روایات کو صحیح کہا ہے، امام شمس الدین ذہبیؒ نے حاکم کی تصحیح کو مسترد کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ روایت صحیح الاسناد نہیں بلکہ موضوع ہے۔ محدث کبیر علامہ شاہ عبدالعزیز دہلویؒ بستان المحدثین میں فرماتے ہیں۔''ولہذا ذہبی گفتہ است کہ حلال نیست کسے را بر تصحیح حاکم غرہ شد، تاوقتیکہ تحقیقات وتعلیقات را نہ بیند، ونیز گفتہ است احادیث بسیار است در مستدرک مگر

====================

= الساجی: حدثنا الربیع حدثنا الشافعی قال: قیل لعبد الرحمن بن زید: حدثك أبوك عن جدك: أن رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم قال: إن سفینة نوح طافت بالبیت و صلت خلف المقام رکعتین قال: نعم! قال الساجی: وهو منکر الحدیث۔ وقال الطحاوی: حدیثه عند أهل العلم بالحدیث فی النهایة من الضعف۔ وقال الحربی: غیره أوثق منه۔ وقال الجوزجانی: أولاد زید ضعفاء۔ وقال الحاکم و أبو نعیم: روی عن أبیه أحادیث موضوعة۔ وقال ابن الجوزی: أجمعوا علی ضعفه. [تهذیب التهذیب:۶/۱۶۱-۱۶۲، تهذیب الکمال:۱۷/۱۱۴-۱۱۹].

وقال شیخ الاسلام ابن تیمیه رحمه الله: ورواية الحاکم لهذا الحدیث مما أنکر علیه فإنه نفسه قد قال فی کتاب المدخل إلی معرفة الصحیح من السقیم(ص ۲۰۰): عبد الرحمن بن زید بن أسلم روی عن أبیه أحادیث موضوعة لا یخفی علی من تأملها من أهل الصنعة أن الحمل فیها علیه۔ قلت: وعبد الرحمن بن زید بن أسلم ضعیف باتفاقهم یغلط کثیراً، ضعفه أحمد بن حنبل وأبو زرعة وأبو حاتم والنسائی والدارقطنی وغیرهم. وقال أبو حاتم بن حبان: کان یقلب الأخبار وهو لا یعلم، حتی کثر ذلك من روایته من رفع المراسیل وإسناد الموقوف فاستحق الترك. وأما تصحیح الحاکم لمثل هذا الحدیث وأمثاله فهذا مما أنکره علیه أئمة العلم بالحدیث وقالوا: إن الحاکم یصحح أحادیث، وهی موضوعة مکذوبة عند أهل المعرفة بالحدیث، کما صحح حدیث زریب بن ثرملا الذی فیه ذکر وصی المسیح، وهو کذب باتفاق أهل المعرفة، کما بین ذلك البیهقی وابن الجوزی وغیرهما، وکذلك أحادیث کثیرة فی مستدرکه یصححها، وهی عند أئمة أهل العلم بالحدیث موضوعة۔ ومنها ما یکون موقوفاً یرفعه، ولهذا کان أهل العلم بالحدیث لا یعتمدون علی مجرد تصحیح الحاکم وإن کان غالب ما یصححه فهو صحیح، لکن هو فی المصححین بمنزلة الثقة الذی یکثر غلطه، وإن کان الصواب أغلب علیه۔ ولیس فیمن یصحح الحدیث أضعف من تصحیحه۔ [قاعدة جلیلة فی التوسل والوسیلة:۱۸۴، مجموع الفتاوی:۱/۲۵۴-۲۵۵].

(۱) مجمع الزوائد:۸/۲۵۳، رقم:۱۳۹۱۷.

بشرط صحت نیست، بلکہ بعض احادیث موضوعی نیز است تمام مستدرک بانہا معیوب گشت۔''(۱)

امام شمس الدین ذہبیؒ اپنی شہرہ آفاق کتاب خود تذکرۃ الحفاظ میں رقم طراز ہیں۔ "ولا ريب ان فى المستدرك احاديث كثيرة ليست على شرط الصحة، بل فيه احاديث موضوعة شان المستدرك باخراجها فيه ... قال ابن طاهر: سألت ابا اسماعيل الانصارى عن الحاكم فقال: ثقة فى الحديث رافضى خبيث، ثم قال ابن طاهر: كان شديد التعصب للشيعة فى الباطن، وكان يظهر التسنن فى التقديم والخلافة، وكان منحرفا عن معاوية وآله متظاهرا بذلك ولا يعتذر منه. قلت :اما انحرافه عن خصوم علىّ فظاهر، وأما امر الشيخين فمعظم لهما بكل حال فهو شيعى لا رافضى، وليته! لم يصنف المستدرك ؛فانه غض من فضائله بسوء تصرفه. (۲)

بعض حضرات اس کی تفسیر میں ایک دوسری روایت بھی پیش کرتے ہیں، جس کو محدث جلیل علامہ ابن الجوزیؒ نے الموضوعات میں نقل کی ہے، جو درج ذیل ہے۔

أنبأنا عبد الوهاب بن المبارك قال أنبأنا أبو الحسين بن عبد الجبار أنبأنا أبو طالب العشارى وأنبأنا الجريرى أنبأنا العشارى حدثنا الدار قطنى حدثنا أبو ذر أحمد بن محمد بن أبى بكر الواسطى حدثنا محمد بن على بن خلف العطار حدثنا حسين الاشقر حدثنا عمر بن ثابت عن أبيه عن سعيد بن جبير عن ابن عباس قال: سألت النبى ﷺ عن الكلمات التى تلقاها آدم من ربه فتاب عنه فقال: قال بحق محمد وعلى وفاطمة والحسن والحسين إلا تبت على فتاب عليه.(۳)

...عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کلمات کے متعلق استفسار کیا، جو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائے تھے تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کلمات یہ تھے کہ میں محمد ﷺ، علیؓ، فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ کے وسیلہ سے دعا مانگتا ہوں کہ مجھے معاف فرما۔

===================

(۱) بستان المحدثین:

(۲) تذکرۃ الحفاظ:۳/ ۱۰۴۲.

(۳) الموضوعات لابن الجوزی:۲/۳، الفوائد المجموعۃ للشوکانی:۳۹۴، اللآلی المصنوعۃ فی الأحادیث الموضوعۃ للسیوطی:۱/ ۳۶۹، تنزیہ شریعۃ المرفوعۃ:۱/ ۳۹۵، تلخیص الموضوعات للذہبی:۱۵۲،

یہ روایت بھی موضوع اور من گھڑت ہے(۱)، امام ابن الجوزیؒ نے موضوع کہا ہے، کیونکہ اس میں عمر بن ثابت راوی ہے، جس کے متعلق امام دارقطنیؒ فرماتے ہیں کہ عمر بن ثابت اپنے باپ سے روایت کرنے میں متفرد ہے۔ امام یحیی بن معینؒ فرماتے ہیں کہ عمر بن ثابت غیر ثقہ اور نا قابل اعتماد راوی ہیں۔ امام ابن حبانؒ فرماتے ہیں یہ موضوع روایات بیان کرتے ہیں۔ امام ابوداوٗد فرماتے ہیں کہ عمرو بن ثابت رافضی ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں کہ متروک الحدیث ہے۔ امام عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں کہ عمرو بن ثابت سے روایت مت کرو، اس لیے کہ یہ اسلاف کو گالیاں دیتا ہے۔(۲)

الغرض مذکورہ بالا راویات موضوع اور من گھڑت ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ نصوص قرآنیہ کے متصادم ہیں، اس لیے کہ تخلیق کائنات کا مقصد اور مرام اظہار حق ہے تاکہ مخلوق خدا اپنے خالق حقیقی کو پہچان لیں اور اس کے حضور میں سربسجود ہوں، قرآن مجید میں ہے۔ "وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالأَرضَ بِالحَقِّ." (سورۃ الأنعام:۷۳) ایک جگہ فرمایا۔ "هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمسَ ضِيَاءً وَالقَمَرَ نُورًا وَقَدَّرَهُ مَنَازِلَ لِتَعلَمُوا عَدَدَ السِّنِينَ وَالحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَلِكَ إِلَّا بِالحَقِّ." (سورۃ یونس:۵) ایک جگہ ارشاد ہے۔ "وَمَا خَلَقتُ الجِنَّ وَالإِنسَ إِلَّا لِيَعبُدُونِ." (سورۃ الذاریات:۵۶) وغیرہ ذلک۔

قوله تعالى : فَتَابَ عَلَيهِ:

یہ ماقبل پر عطف ہے، "فتاب"، "رجع" کے معنی میں ہے، اس کا فاعل حضرت آدم علیہ السلام ہے اور "علیه" کی ضمیر کا مرجع "کلمات" ہے، تقدیر عبارت یوں ہوگی۔ "أي رجع آدم الى الله تعالى بهذه الكلمات". یعنی حضرت آدم علیہ السلام نے اللہ تعالی کی طرف ان کلمات کیساتھ رجوع فرمایا۔ یا "فتاب" کا فاعل اللہ تعالی ہے اور یہ اس کا معنی قبول کرنے کے ہیں، اب معنی یوں ہوگا کہ اللہ تعالی نے ان کلمات کیساتھ حضرت آدم علیہ السلام کا توبہ قبول فرمایا۔ واضح رہے کہ توبہ ایک مشترک لفظ ہے اصل میں رجوع کو کہتے ہیں، جب اس کی نسبت بندے کی طرف کی جائے تو اس کا معنی گناہوں سے رجوع کرنا ہوتا ہے اور جب اس کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی جائے تو اس کا معنی ہوتا ہے کہ سزا سے رجوع کر کے مغفرت کیساتھ نوازتا ہے، مفسر جلیل علامہ ابو سعودؒ فرماتے ہیں۔ "وأصلُ التوب الرجوع فإذا وصف به العبد كان رجوعاً عن المعصية وإذاوُصف به البارى عز وعلا أريد به الرجوعُ عن العقاب إلى المغفرة .(۱)

==========================

(۱) عمرو بن ثابت پر جرح کے لیے دیکھیے۔ الجرح التعدیل:۶/۲۳۳، الضعفاء والمتروکین للنسائی:۱۸۵، الکامل فی ضعاء الرجال:۶/۲۱۲، میزان الاعتدال:۳/۲۴۹، اکمال تہذیب الکمال:۱۰/۱۳۷، دیوان الضعفاء:۳۰۲، المغنی فی الضعفاء:۲/۶۲، لسان المیزان:۹/۳۸۳.

(۲) وقال شيخ الإسلام ابن تيمية: هذا الحديث كذبٌ موضوع بإتفاق أهل العلم. [منهاج السنة النبوية:۷/۱۳۱].

(۳) تفسیر ابی السعود:۱/۹۲.

ایک اشکال اور اس کا جواب:

بظاہر یہ اشکال پیدا ہوتا ہے کہ حضرت حواء علیہا السلام اس لغزش میں حضرت آدم علیہ السلام کیساتھ شریک تھیں اور دونوں کو شجرہ ممنوعہ کے کھانے سے روکا گیا تھا، تو پھر "فتاب علیهما" کیوں نہیں فرمایا؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ماقبل حضرت آدم علیہ السلام کو "اسکن" کیساتھ مخاطب فرمایا تھا تو یہاں بھی اس کا لحاظ کیا گیا ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ عورت چونکہ مرد کی تابع ہوتی ہے، اس لیے ان کا تذکرہ نہیں کیا گیا ہے، نیز عورت مستور ہوتی ہے، اس لیے ذکر نہیں کیا گیا ہے، مفسر جلیل علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔" فالجواب: أن آدم عليه السلام لما خوطب في أول القصة بقوله:﴿ اسكن﴾خصه بالذكر في التلقي؛ فلذلك كملت القصة بذكره وحده. وأيضا فلأن المرأة حرمة ومستورة فأراد الله الستر لها؛ ولذلك لم يذكرها في المعصية في قوله:﴿ وعصى آدم ربه فغوى﴾ (طه:١٢١). وأيضا لما كانت المرأة تابعة للرجل في غالب الأمر لم تذكر كما لم يذكر فتى موسى مع موسى في قوله:﴿ ألم أقل لك﴾(الكهف:٧٥). وقيل: إنه دل بذكر التوبة عليه أنه تاب عليها إذ أمرهما سواء قاله الحسن. وقيل: إنه مثل قوله تعالى:﴿ وإذا رأوا تجارة أو لهوا انفضوا إليها﴾ (الجمعة:١١) أي التجارة؛ لأنها كانت مقصود القوم فأعاد الضمير عليها، ولم يقل إليهما."(١)

قوله تعالى: إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ:

یہ ماقبل "فتاب عليه" کی تعلیل ہے۔ "توّاب" مبالغہ کا صیغہ ہے اور یہ صفت مشترکہ ہے، اس کا اطلاق اللہ تعالی اور بندوں دونوں پر کیا جاتا ہے، جب بندے کی صفت ہو تو اس کا معنی کثرت سے توبہ کرنے والے کے ہوتے ہیں اور جب اللہ تعالی کی صفت ہو تو اس کے معنی ہوں گے وہ ذات جو کثرت سے بار بار بندوں کی توبہ قبول فرماتی ہے۔

"الرحیم" بھی مبالغہ کا صیغہ ہے، یعنی وہ صرف خطاؤں سے درگزر کرنے والا نہیں، بلکہ اپنی طرف سے اور بھی فضل وکرم کرنے والا ہے، علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔"وفي الجمع بين الوصفين وعدٌ بليغٌ للتائب بالإحسان مع العفو والغفران."(٢)

قوله تعالى : قُلنَا اهبِطُوا مِنهَا جَمِيعًا :

یہ جملہ استنافیہ ہے، جو سوال مقدر کا جواب ہے، یعنی "كأنّه قيل: فماذا وقع بعد قَبولِ توبتِه؟ فقيل: قُلنَا اهبِطُوا.."

---

(١) تفسیر قرطبی:١/٣٢٥.

(٢) تفسیر ابی السعود:١/٩٢.

"منها" کی ضمیر جنت یا آسمان کی طرف راجع ہے۔''جَمِيعًا''ماقبل''اهبِطُوا'' کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہے اور ''اهبِطُوا..'' کا تکرار تاکید کے لیے ہے، بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ تکرار للتأسیس ہے، اس لیے کہ پہلے ہبوط کیساتھ عداوت معلق تھی اوراس کیساتھ رشدوہدایت معلق ہے، بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ پہلا ہبوط جنت سے آسمان کی طرف تھا اور دوسرا ہبوط آسمان سے زمین کی طرف تھا، معروف مفسر علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں۔"كرر الأمر على جهة التغليظ وتأكيده كما تقول لرجل: قم قم!. وقيل: كرر الأمر لما علق بكل أمر منهما حكما غير حكم الآخر، فعلق بالأول العداوة، وبالثانى إتيان الهدى. وقيل: الهبوط الأول من الجنة إلى السماء، والثانى من السماء إلى الأرض." (۱)

قوله تعالى : فَإِمَّا يَأتِيَنَّكُم مِنِّى هُدًى:

یہ ماقبل ہبوط پر مرتب ہے۔''إِمَّا''مرکبہ ہے، جو"انْ"شرطیہ اور"ما" زائدہ تاکیدیہ سے مرکب ہے۔''يَأتِيَنَّكُم''فعل شرط ہے۔اس کی جزاء(فاتبعوه) محذوف ہے۔اور"هدىً" سے ارسال الرسل یا انزال الکتب مراد ہے، قرآن مجید میں ہے۔ يَا بَنِى آدَمَ إِمَّا يَأتِيَنَّكُم رُسُلٌ مِنكُم يَقُصُّونَ عَلَيكُم آيَاتِى فَمَنِ اتَّقَى وَأَصلَحَ فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ. (الأعراف:۳۵).

یہ خطاب اولادِ آدم کو ہے اوراس میں ایک عظیم نعمت کی طرف اشارہ ہے کہ جنت سے نکالنے کے بعد اللہ تعالی نے ایسی نعمت (ہدایت) عطاء فرمائی جو دوبارہ جنت میں ہمیشہ ہمیشہ داخل ہونے کا سبب ہے، مفسر جلیل علامہ خازنؒ فرماتے ہیں ۔" فيه تنبيه على عظم نعم الله على آدم وحواء كأنه قال وإن أهبطتكم من الجنة إلى الأرض فقد أنعمت عليكم بهدايتى التى تؤديكم إلى الجنة مرة أخرى على الدوام الذى لا ينقطع." (۲)

ایک اشکال اوراس کا جواب:

بظاہر ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ "اِن"شک اور تردد کے لیے آتا ہے، حالانکہ انزال الکُتب اور ارسال الرسل تو یقینی تھا، جس پر" يَأتِيَنَّكُم" دال ہے؟ پھر کلمہ شک کیوں لایا گیا ہے؟

جواب: بعض مفسرین کرامؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک لطیف نکتہ کی طرف اشارہ ہے کہ انزال الکتب اور ارسال الرسل اللہ

===============

(۱) تفسیر قرطبی:۱/۳۲۷.

(۲) تفسیر خازن:۱/۳۹-۴۰.

تعالی پر واجب نہیں، بلکہ یہ محض تبرع اور احسان ہے، اس لیے کہ اگر اللہ تعالی انزال الکتب اور ارسال الرسل نہ بھی فرماتے تو تب بھی باری تعالی کے توحید پر ایمان لانا ضروری ہے، کیونکہ دلائل توحید ہر ایک چیز سے آشکارا ہیں اور روزِ روشن کی طرح واضح ہیں، معروف مفسر علامہ جار اللہ زمخشریؒ فرماتے ہیں۔ "للإيذان بأنّ الإيمان بالله والتوحيد لا يشترط فيه بعثة الرسل وإنزال الكتب، وأنه إن لم يبعث رسولاً ولم ينزل كتاباً كان الإيمان به وتوحيده واجباً؛ لما ركب فيهم من العقول ونصب لهم من الأدلة ومكنهم من النظر والاستدلال. "(۱)

مفسر جلیل علامہ ابوالسعودؒ فرماتے ہیں۔ "وإيراد كلمة الشك مع تحقق الإتيان لا محالة للإيذان بأن الإيمانَ بالله والتوحيد لا يشترط فيه بعثةُ الرسل وإنزالُ الكتب بل يكفى فى وجوبه إفاضةُ العقل ونصبُ الأدلة الآفاقية والأنفسية والتمكينُ من النظر والاستدلال."(۲)

بعض اہل علم نے یہ بھی جواب دیا کہ بادشاہوں کی یہ عادت ہوتی ہے کہ امورِ یقینیہ کو الفاظ توقع کیساتھ تعبیر کرتے ہیں، اس لیے یہاں اسی اسلوب کو اختیار کیا گیا ہے، مفسر جلیل علامہ ابوسعودؒ فرماتے ہیں۔ "أو للجرى على سَنن العظماء فى إيراد عسى ولعل فى مواقعِ القطعِ والجزم." (۳)

اس آیت میں ہدایت کی نسبت اللہ تعالی کی طرف کی گئی ہے، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہدایت وہی ہے، جو اللہ تعالی کی جانب سے ہو۔ اور اس میں یہ اشارہ بھی ہے کہ ہدایت عام ہے، خواہ معقول ہو یا منقول ہو۔

قوله تعالى: فَمَن تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُونَ:

"فَمَن تَبِعَ هُدَاى" یہ جملہ شرطیہ ہے۔ "هُدَاى" "وضع المظہر موضع المضمر" کے قبیل سے ہے، جس میں یہ لطیف اشارہ ہے کہ انسان پر ہدایت کی اتباع فرض ہے اور اللہ تعالی کی طرف سے محض تبرع اور احسان ہے اور اس اضافت میں تکریم اور تعظیم کی طرف اشارہ ہے، معروف مفسر علامہ سید آلوسیؒ فرماتے ہیں۔ "ووضع المظهر موضع المضمر فى هداى إشارة للعلية؛ لأن الهدى بالنظر إلى ذاته واجب الاتباع وبالنظر إلى أنه أضيف إليه تعالى إضافة تشريف أحرى وأحق أن يتبع. وقيل: لم يأت به ضميرا؛ لأنه أعم من الأول لشموله لما يحصل بالاستدلال والعقل ولم يقل الهدى؛ لئلا تتبادر العينية أيضا؛ لأن النكرة فى الغالب إذا أعيدت معرفة كانت عين الأول مع ما فى الإضافة إلى

======================

(۱) تفسیر الکشاف مع الحواشی: ۱/ ۱۲۹.

(۲) تفسیر أبی السعود: ۱/ ۱۲۱.

(۳) المصدر السابق: ۱/ ۱۲۱.

نفسه تعالى من التعظيم ما لا يكون لو أتى به معرفا باللام."(۱)

"فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم وَلَا هُم يَحزَنُون" جواب شرط ہے، خوف اور حزن نکرہ تحت النفی ہے، جو مفید عموم ہے، نفی خوف نفی عقاب اور نفی حزن نفی ثواب سے کنایہ ہے اور انتفاء خوف کی وجہ تقدیم یہ ہے کہ انتفاء خوف علی ما آت انتفاء حزن علی فات سے اشد ہوتا ہے۔(۲)

مفسرین کرامؒ نے خوف اور حزن میں کئی فرق بیان کیے ہیں، خوف کا تعلق زمانہ مستقبل کیساتھ ہوتا ہے اور حزن کا تعلق زمانہ ماضی کیساتھ ہوتا ہے، نیز خوف ناپسندیدہ چیز کے آنے ہوتا ہے اور حزن مرغوب چیز کے فوت ہو جانے پر ہوتا ہے، یعنی "الخوف انما يكون على اصابة المكروه ،والحزن بفوات المطلوب."

حاصل آیت یہ ہے کہ جنہوں نے قرآن وسنت کی تابعداری کی ان پر کبھی بھی خوف وحزن طاری نہیں ہوگا، یعنی نہ تو موت کے وقت اور نہ قبر میں اور نہ ہی قبروں سے اٹھتے وقت اور نہ ہی میدان حشر میں اور نہ ہی اعمال نامہ دیتے وقت اور نہ ہی اعمال کو وزن کرتے وقت اور نہ ہی پُل صراط پر گزرنے کے وقت ذرا بھر بھی خوف وحزن ہوگا۔ (۳)

===================

(۱) تفسیر روح المعانی:۱/۲۴۰.

(۲) قال العلامة أبوحيان الأندلسي رحمه الله: وَكَنَّى بِقَولِهِ: ﴿عَلَيهِم﴾ عَنِ الِاستِيلَاءِ وَالإِحَاطَةِ وَنَزَلَ المَعنَى مَنزِلَةَ الجُرمِ وَنَفَى كَونَهُ مُعتَلِيًا مُستَولِيًا عَلَيهِم. وَفِي ذَلِكَ إِشَارَةٌ لَطِيفَةٌ إِلَى أَنَّ الخَوفَ لَا يَنتَفِي بِالكُلِّيَّةِ أَلَا تَرَى إِلَى انصِبَابِ النَّفيِ عَلَى كَينُونَةِ الخَوفِ عَلَيهِم وَلَا يَلزَمُ مِن كَينُونَةِ استِعلَاءِ الخَوفِ انتِفَاءُ الخَوفِ فِي كُلِّ حَالٍ وَلِذَلِكَ قَالَ بَعضُ المُفَسِّرِينَ: لَيسَ فِي قَولِهِ: ﴿فَلَا خَوفٌ عَلَيهِم﴾ دَلِيلٌ عَلَى نَفيِ أَهوَالِ يَومِ القِيَامَةِ وَخَوفِهَا عَنِ المُطِيعِينَ لِمَا وَصَفَهُ اللَّهُ تَعَالَى وَرَسُولُهُ مِن شَدَائِدِ القِيَامَةِ إِلَّا أَنَّهَا مُخَفَّفَةٌ عَنِ المُطِيعِينَ. فَإِذَا صَارُوا إِلَى رَحمَتِهِ فَكَأَنَّهُم لَم يَخَافُوا وَقَدَّمَ عَدَمَ الخَوفِ عَلَى عَدَمِ الحُزنِ لِأَنَّ انتِفَاءَ الخَوفِ فِيمَا هُوَ آتٍ آكَدُ مِنِ انتِفَاءِ الحُزنِ عَلَى مَا فَاتَ وَلِذَلِكَ أُبرِزَت جُملَتُهُ مُصَدَّرَةً بِالنَّكِرَةِ الَّتِي هِيَ أَوغَلُ فِي بَابِ النَّفيِ وَأُبرِزَتِ الثَّانِيَةُ مُصَدَّرَةً بِالمَعرِفَةِ فِي قَولِهِ: ﴿وَلَا هُم يَحزَنُونَ﴾. وَفِي قَولِهِ: ﴿وَلَا هُم يَحزَنُونَ﴾ إِشَارَةٌ إِلَى اختِصَاصِهِم بِانتِفَاءِ الحُزنِ وَأَنَّ غَيرَهُم يَحزَنُ وَلَو لَم يُشِر إِلَى هَذَا المَعنَى لَكَانَ: ﴿وَلَا يَحزَنُونَ﴾ كَافِيًا. وَلِذَلِكَ أَورَدَ نَفيَ الحُزنِ عَنهُم وَإِذهَابَهُ فِي قَولِهِ: ﴿إِنَّ الَّذِينَ سَبَقَت لَهُم﴾ إِلَى قَولِهِ: ﴿لَا يَحزُنُهُمُ الفَزَعُ الأَكبَرُ﴾ وَتَتَلَقَّاهُمُ المَلائِكَةُ. وَمَعلُومٌ أَنَّ هَذَينِ الخَبَرَينِ وَمَا قَبلَهُمَا مِنَ الخَبَرِ مُختَصٌّ بِالَّذِينَ سَبَقَت لَهُم مِنَ اللَّهِ الحُسنَى وَفِي قَولِهِ: ﴿الحَمدُ لِلَّهِ الَّذِي أَذهَبَ عَنَّا الحَزَنَ﴾، فَدَلَّ هَذَا كُلُّهُ عَلَى أَنَّ غَيرَهُم يُحزِنُهُ الفَزَعُ وَلَا يَذهَبُ عَنهُمُ الحَزَنُ. (تفسیر البحر المحیط:۱/۲۷۴)

(۳) وَحُكِيَ عَنِ المُفَسِّرِينَ فِي تَفسِيرِ هَذِهِ الجُملَةِ أَقوَالٌ: أَحَدُهَا: لَا خَوفٌ عَلَيهِم فِيمَا يَستَقبِلُونَ مِنَ العَذَابِ وَلَا يَحزَنُونَ عِندَ المَوت. الثَّانِي: لَا يَتَوَقَّعُونَ مَكرُوهًا فِي المُستَقبَلِ وَلَا هُم يَحزَنُونَ لِفَوَاتِ المَرغُوبِ فِي المَاضِي وَالحَالِ. =

یہ بات ذہن نشیں رکھیں کہ مذکورہ آیت میں خوف کی نفی جملہ اسمیہ کی اسلوب میں کی گئی ہے، جوحال اور استقبال دونوں کومستغرق ہے، یعنی جولوگ ہدایت کے تابع ہیں، حال میں بھی اُن کوکسی مصیبت کا خوف نہیں ہوگا اور نہ ہی آئندہ کوئی پریشانی ہوگی اور جب کہ ''حزن'' کی نفی جملہ فعلیہ (فعل مضارع) کی اسلوب میں کی گئی ہے، جس سے آئندہ لاحق ہونے والے پریشانیوں کی نفی مقصود ہے کہ اب کیا''حزن'' ہے؟ حزن کا زمانہ تو آنے والا ہے کہ جب لوگوں کا محاسبہ رب ذوالجلال کے حضور میں ہوگا۔اس وقت بھی متبعین ہدایت کو ذرا بھر پریشانی نہیں ہوگی۔

قوله تعالى : وَالَّذِينَ كَفَرُوا وَكَذَّبُوا بِآيَاتِنَا:

یہ ماقبل"من تبع هداى.." پرعطف ہے،اوراس کی قسیم ہے۔"أى من لم يتبعه." اوران کی عدم اتباع کواسم موصول کی اسلوب میں ذکرکرنے سے مقصود انتہائی قباحت اور شناعت کا بیان ہے۔''كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا '' عطف الخاص علی العام کے قبیل سے ہےاور جارمجرور''كذبوا'' کیساتھ متعلق ہے، یا''كفروا'' اور''كذبوا'' دونوں کیساتھ متعلق ہے۔

''آيَـاتِـنَـا''میں اضافت تشریفی ہےاور متکلم مع الغیر کےصیغہ میں ایک نوع ترویع وترہیب ملحوظ ہےاور یہ منکرین کے لیے تخویف اخروی ہے، یعنی وہ لوگ جنہوں نے دل وزبان سے ہماری آیات کی طرف تکذیب کی نسبت کی۔ یہ آیت اپنی عموم اورشمول کےاعتبار سےتمام کتُب منزلہ اورجملہ انواع اطاعت کوشامل ہے۔معروف مفسرعلامہ ابوالسعودؒ رقم طراز ہیں۔"عـطـف عـلـى مـن تبـعَ الـخ قسيـمٌ لـه كـأنه قيل: ومن لم يتبعه، وإنما أوثر عليه ما ذكر تفظيعاً لحال الضلالةِ وإظهار لـكـمالِ قُبحِها، وإيراد الموصولِ بصيغة الجمعِ للإشعار بكثرة الكفرة، والجمعُ بين الكفر والتكذيب للإيذان

====================

= الثَّالِثُ: لَا خَوفٌ عَلَيهِم فِيمَا يَستَقبِلُهُم وَلَا هُم يَحزَنُونَ فِيمَا خَلفَهُ. الرَّابِعُ: لَا خَوفٌ عَلَيهِم فِيمَا بَينَ أَيدِيهِم مِنَ الآخِرَةِ وَلَا هُـم يَـحـزَنُـونَ عَـلَـى مَا فَاتَهُم مِنَ الدُّنيَا. الخَامِسُ: لَا خَوفٌ عَلَيهِم مِن عِقَابٍ وَلَا هُم يَحزَنُونَ عَلَى فَوَاتِ ثَوَابٍ. السَّادِسُ: إِنَّ الـخَـوفَ استِشـعَارُ غَمٍّ لِفَقدِ مَطلُوبٍ وَالحُزنَ استِشعَارُ غَمٍّ لِفَوَاتِ مَحبُوبٍ. السَّابِعُ: لَا خَوفٌ عَلَيهِم فِيمَا بَينَ أَيدِيهِم مِنَ الدُّنيَا وَلَا هُـم يَـحزَنُونَ عَلَى مَا فَاتَهُم مِنهَا. الثَّامِنُ: لَا خَوفٌ عَلَيهِم يَومَ القِيَامَةِ وَلَا هُم يَحزَنُونَ فِيهَا. التَّاسِعُ: أَنَّهُ أَشَارَ إِلَى أَنَّهُ يُدخِلُهُمُ الـجَـنَّةَ الَّتِي هِيَ دَارُ السُّرُورِ وَالأَمنِ لَا خَوفٌ عَلَيهِم فِيهَا وَلَا حُزنٌ. العَاشِرُ: مَا قَالَهُ ابنُ زَيدٍ: لَا خَوفٌ عَلَيهِم أَمَامَهُم فَلَيسَ شَيءٌ أَعـظَمَ فِي صَدرِ الَّذِي يَمُوتُ مِمَّا بَعدَ المَوتِ فَأَمَّنَهُمُ اللَّهُ مِنهُ ثُمَّ سَلَّاهُم عَنِ الدُّنيَا وَلَا هُم يَحزَنُونَ عَلَى مَا خَلَّفُوهُ بَعدَ وَفَاتِهِم فِي الـدُّنيَـا. الـحَادِي عَشَرَ: لَا خَوفٌ حِينَ أُطبِقَتِ النَّارُ وَلَا حُزنٌ حِينَ ذُبِحَ المَوتُ فِي صُورَةِ كَبشٍ عَلَى الصِّرَاطِ فَقِيلَ لِأَهلِ الجَنَّةِ وَالنَّارِ: خلود لا مَوتٌ.الثَّانِي عَشَرَ: لَا خَوفٌ وَلَا حُزنٌ عَلَى الدَّوَامِ.

وَهَـذِهِ الأَقـوَالُ كُلُّهَا مُتَقَارِبَةٌ وَظَاهِرُ الآيَةِ عُمُومُ نَفيِ الخَوفِ وَالحُزنِ عَنهُم، لَكِن يُخَصُّ بِمَا بَعدَ الدُّنيَا؛ لِأَنَّهُ فِي دَارِ الدُّنيَا قَد يَلحَقُ المُؤمِنَ الخَوفُ وَالحُزنُ، فَلَا يُمكِنُ حَملُ الآيَةِ عَلَى ظَاهِرِهَا من العموم لذلك. (تفسیر البحر المحیط:۱/۲۷۵)

بتنـوّع الهدى إلى ما ذكر من النوعين، وإيراد نونِ العظمةِ لتربيةِ المهابةِ وإدخال الروعة وإضافةُ الآياتِ إليها لإظهـار كـمـالِ قبـح التـكـذيـبِ بهـا، أى والذين كفروا برُسُلنا المرسلةِ إليهم، وكذبوا بآياتنا المنزلة عليهم. وقيـل: الـمـعـنـى كـفـروا بـالـلـه وكـذبوا بآياته التى أنزلها على الأنبياءِ عليهم السلامُ، أو أظهَرها بأيديهم من الـمـعـجـزات. وقيـل: كـفـروا بـالآيـات جَـنـانـاً، وكـذبـوا بها لساناً، فيكون كلا الفعلين متوجهاً إلى الجار والمجرور." (١)

قوله تعالى : أُولَئِكَ أَصحَابُ النَّارِ هُم فِيهَا خَالِدُونَ:

"أُولَـئِكَ" کا مشارالیہ منکرین اور مکذبین ہیں، جو اسم موصول سے مفہوم ہو رہے ہیں کہ معاندین مذکورہ اوصاف مذمومہ کی وجہ سے ظاہر ہوئے۔"أَصـحَـابُ النَّارِ" ملازم النار سے کنایہ ہے اور"أَصـحَابُ" جمع "صـاحب" کی ہے، اس کا معنی ہمیشہ رہنے والے کے ہیں، عرف میں اس کا یہی معنی متبادر ہے۔ اور"هُـم فِيهَـا خَالِدُونَ" جملہ مفسرہ ہے کہ صحبت سے مطلق اقتران مراد نہیں، بلکہ اقتران بشرط الخلود ہے۔ یعنی وہ لوگ جو مذکورہ اوصاف (کفر اور تکذیب) کے حاملین ہیں تو وہ جہنم میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، ہر وقت خوف زدہ اور غم زدہ رہیں گے۔ یہ بات واضح ہے کہ اہل جنت کے تنعم اور اہل جہنم کے عذاب کا دائم اور غیر منقطع ہونا امت کے اجماعی مسلمات میں ہے، معروف مفسر علامہ سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں۔"والـخلود هنا الدوام على ما انعقد عليه الإجماع." (٢)

رَبَّنَا تَقَبَّل مِنَّا إِنَّكَ أَنتَ السَّمِيعُ العَلِيمُ.

٣٠ رمضان المبارک ١٤٣١ھ المطابق: ١٠ ستمبر ٢٠١٠ - یوم الجمعہ لیلۃ العید.

====================

(۱) تفسیر أبی السعود:۱/۹۳.

(۲) تفسیر روح المعانی:۱/۲۴۳.